تاریخِ اسلام

اِسلامی تاریخ کا دریا ایک کُوزے میں

الحاج محمد حُسین گوہر

نظریۂ پاکستان اکادمی

سیکنڈ فلور جی سی سنٹر، چٹر جی روڈ

اُردو بازار لاہور۔فون: 0300-4416761

0423-7360584 0423-7360585

E-mail : khizar.readers@hotmail.com

استاکسٹ

طاہر سنز پبلشرز

۴۰۔بی، اُردو بازار۔لاہور

فون: 042-7234137 فیکس: 042-7312159

297.9
7
92299

اکیسویں صدی کی کتابیں
خضر بکس

نظریہ پاکستان اکادمی

ضروری گذارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کر سکتا۔ سہواً جو اغلاط ہو گئی ہوں اس کی تصحیح و اصلاح کا بھی انتہائی اہتمام کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زر کثیر صرف کرتے ہیں۔ تاہم انسان، انسان ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اسی گزارش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ اور آپ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی کے مصداق بن جائیں۔
جَزَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى جَزَاءً جَمِيْلًا جَزِيْلًا

والسلام
مولانا مفتی عاصم زبیر ہاشمی
ڈائریکٹر
نظریہ پاکستان اکادمی ریسرچ ونگ

جملہ حقوق بحق عامر معاذ ہاشمی محفوظ ہیں!

نام کتاب: .... تاریخ اسلام
مصنف: .... الحاج محمد حسین گوہر
اہتمام: .... حذیفہ حسن ہاشمی
مطبع: .... انیس عنایت پرنٹرز لاہور
نگران: .... مشتاق احمد گل
سن اشاعت: 2010ء
تعداد: .... گیارہ سو
قیمت: .... -/400 روپے

Marfat.com

انتساب

یہ کتاب

میں اپنی دادی فاطمہ عبداللہ کے نامِ نامی

سے منسوب کرتا ہوں

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

پیش لفظ	7
عرب کا جغرافیہ اور حالات	9
ولادت رسول عربی ﷺ	18
ہجرت مدینہ سے وفات رسول ﷺ تک	37
خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	82
خلافت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	92
خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	106
خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ	133
خلافت بنو اُمیہ قریشی النسل خلفاء	134
خلافت آل مروان کا آغاز	179
خلافت بنو عباس	216
اندلس میں اسلام	232
خلافت عبدالرحمٰن الداخل	238
دولت اغالبہ	245
دولت طاہریہ	246
دولت صفاریہ	247
دولت سامانی	248
دولت غزنویہ	251
دولت غوریہ	256
دولت دیالمہ	260
خلافت فاطمیہ علویہ اسماعیلیہ	265
دولت اسماعیلیہ	269

Marfat.com

❀ سلاطین سلجوقیہ	272
❀ سلاجقہ روم	279
❀ شاہانِ خوارزم	284
❀ شاہان کرمان	288
❀ سلاطین منگول	291
❀ ہند اور اہل ہند کے اجمائی حالات	299
❀ ملوک ہند	306
❀ دولت خلجی	311
❀ دولت تغلق	312
❀ دولت سادات	314
❀ دولت لودھی	315
❀ دولت سور	317
❀ مغلیہ سلطنت	326
❀ نظام حیدرآباد	338
❀ ایسٹ انڈیا کمپنی	353
❀ جنگ آزادی ہند 1857ء سے قیام پاکستان تک	358
❀ خلافت عثمانیہ	398
❀ شاہانِ ایران	432
❀ دولت ایوبیہ	449
❀ دولت ممالیک مصر	456
❀ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں	479
❀ شمالی افریقہ کی سلطنتیں	487
❀ چین میں اسلامی بستیاں	498
❀ جدید اسلامی ممالک کی تاریخ	506

858ھ مطابق 1453ء میں فتح قسطنطنیہ / سلطان محمد فاتح نے

❀❀❀❀

پیش لفظ

ملت اسلامیہ، نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں کا یہ گروہ، اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ آج دنیا کا ہر چوتھا شخص مسلمان ہے۔

571 عیسوی میں عالم رنگ و بو میں تشریف لانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی وحدانیت اور اپنے نبی (اور آخری نبی) ہونے کا اعلان کیا۔ شروع میں ان کے ماننے والے بہت کم تھے لیکن تمام تر مخالفت، مخاصمت اور تحریص و ترغیب کے باوجود وہ پوری استقامت سے اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے۔ ان کے ذاتی کردار کی کشش اور باری تعالیٰ کی نصرت کی بدولت ان کا حلقہ وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ حق غالب آیا اور باطل ختم ہو گیا۔

اس سفر کے دوران انہوں نے سخت ترین اور ناقابل یقین حالات کا سامنا کیا۔ ان پر اور ان کے ساتھیوں پر بڑے سے بڑے مصائب نے بھی کوئی اثر نہ ڈالا بلکہ ان کے یقین اور ایمان کو مزید تقویت دی۔ بالآخر طویل جدوجہد رنگ لائی اور ایک ایسا مرکز قائم ہوا جو پندرہ سو سال بعد بھی انتہائی مستحکم ہے۔ اربوں انسان اس مرکز سے مضبوطی سے جڑے ہوئے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے گہری محبت اور وابستگی رکھتے ہیں۔

اس وقت دنیا کے 56 اسلامی ممالک کے علاوہ دیگر غیر مسلم ممالک میں ڈیڑھ ارب کے لگ بھگ مسلمان آباد ہیں۔ مسلمان ممالک میں شرح پیدائش 3 فیصد ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ کرۂ ارض پر مسلمانوں کے قبضے میں تقریباً تین کروڑ اڑتالیس لاکھ انیس ہزار سات سو نوے مربع کلومیٹر کا علاقہ ہے اور یہ واحد قوم ہے جو دنیا کے ہر براعظم میں آباد ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک کو ملانے کے لئے زمینی اور آبی دونوں راستوں سے مسلم دنیا سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔ دنیا کے ستر فیصد تیل کے ذخائر مسلمان ممالک میں ہیں۔ 25 فیصد زرعی زمین، دنیا میں سونے کے سب سے زیادہ ذخائر اور تانبے، لوہے اور کوئلے کے ذخائر مسلمان ممالک کے پاس ہیں۔ مسلمان ممالک کی افواج کی مجموعی تعداد 66 لاکھ 76 ہزار 5 سو ساٹھ ہے اور یہ دفاع پر ہر سال 76 ارب 950 ملین ڈالر خرچ کرتے ہیں۔

ملت اسلامیہ کی گذشتہ چودہ صدیوں کی تاریخ روشن اور تاریک، بلند اور پست، اچھے اور برے، تمام پہلوؤں سے بھری پڑی ہے۔ فتوحات، فنونِ لطیفہ کی سرپرستی، سائنسی علوم کی ترقی، اعلیٰ اخلاقی و سیاسی نمونوں اور علمی و ادبی بلندی کے ساتھ ساتھ آمریت، ظلم و جبر، غفلت اور ناانصافی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ جہاں فتح و کامرانی کی تاریخ رقم ہوئی، وہاں شکست اور ناکامی بھی تاریخ کا حصہ بنی۔ لیکن یہ تب ہی ہوا جب امت نے عمومی طور پر اور قیادت نے خصوصی طور پر ان تعلیمات سے روگردانی کی جو ان کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے تھے۔

میری یہ کتاب تاریخ اسلام کے پندرہ سو سال کے عرصہ کا احاطہ کرتی ہے۔ میں نے اسے مختصر مگر جامع انداز میں تحریر کرنے کی کوشش کی تا کہ تاریخ اسلام کے کسی بھی پہلو کی تشنگی باقی نہ رہے۔ میری یہ کتاب اکیسویں کی پہلی دہائی تک کی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے، اس لئے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی تاریخ پر یہ اس دور کی سب سے اپ ٹو ڈیٹ کتاب ہے۔

میری اس حقیری کوشش کا مرکز نوجوان نسل خصوصاً طلبہ و طالبات ہیں۔ میں نے اس کو مرتب کرتے وقت ان کے مجوزہ نصاب کو سامنے رکھا تا کہ ان کی نصابی ضروریات کو بھی پورا کیا جا سکے۔ مگر اصل میں یہ کتاب ہر اس شخص کے لئے ہے جو تاریخ اسلام کو جاننے میں دلچسپی رکھتا ہو۔

مجھے امید ہے کہ میری یہ کاوش بھی آپ سے پسند کی سند حاصل کرے گی۔ ہمیشہ کی طرح میں آپ کی آراء اور تجاویز کا منتظر رہوں گا۔

والسلام
الحاج محمد حسین گوہر
235۔شادباغ لاہور

Marfat.com

عرب کا جغرافیہ اور حالات

تاریخ اسلام سے اس امت کی تاریخ مراد لی جاتی ہے جس کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد ملک عرب میں ظہور فرمایا اور دین اسلام کی تعلیم دی۔ عہد رسالت مآب ؐ سے لیکر آج تک کے تمام کارنامے امت مسلمہ کا تاریخی سرمایہ ہیں۔ چونکہ تاریخ اسلام کا آغاز ملک عرب سے شروع ہوتا ہے لہٰذا سب سے پہلے اس ملک کا مختصر بیان ہونا ضروری امر ہے۔ سعودی عرب براعظم ایشیا میں مشرق وسطیٰ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں اردن، عراق اور کویت واقع ہیں۔ سعودی عرب کے جنوب میں شمالی اور جنوبی یمن مغرب میں بحیرۂ احمر جبکہ مشرق کی سمت خلیج فارس، قطر، متحدہ عرب امارات اور عمان واقع ہیں۔ سعودی عرب کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ اتنی ہی قدیم جتنا خود انسان......

دنیائے اسلام کے لئے یہ ملک بہت مقدس ہے۔ اس کی سرزمین بہت مقدس ہے کیونکہ ایک ارب سے زائد مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ یہاں موجود ہے اور یہیں سے اسلام کا نور پھوٹا تھا۔ جس کی روشنی سے چہار دانگ عالم منور ہوئے اور جس ہستی کے ذریعے اسلام ہم تک پہنچا، اس نے یہاں ہی جنم لیا۔ سنہ 571ء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور ان کے جدامجد حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام نے یہاں خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسلام کو پھیلایا اور اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ اہل عرب جس قطعہ زمین پر آباد ہیں وہ بحر احمر، بحر ہند، خلیج عمان اور دریائے فرات کے بیچ میں پانی سے گھرا ہوا ایک جزیرہ نما معلوم ہوتا ہے۔ طبعی لحاظ سے اس ملک کے چار حصے ہیں۔

تہامہ: وہ حصہ جو قلزم کے سواحل سے کوہ سراۃ تک واقع ہے۔

حجاز: سراۃ کے کوہستانی سلسلے کو کہتے ہیں جو یمن سے شروع ہو کر شام تک چلا گیا ہے۔

نجد: اسی کوہستان کے مشرقی حصے کو کہتے ہیں جو یمن سے شروع ہو کر سماوہ عراق تک پہنچتا ہے۔

یمن: وہ قطعہ ہے جو نجد کے جنوب سے بحر ہند کے ساحل تک اور مشرق میں حضر موت اور عمان تک پھیلا ہوا ہے۔

عروض: بلاد یمامہ اور بحرین وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔

عرب میں بارش کم ہوتی ہے، وہاں کی زمین بیشتر ریگستانی ہے، پہاڑ بھی بہت اور سیاہی بہ مائل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی روئیدگی نہیں ہے۔ انہی سلسلوں میں جابجا پانی کے چشمے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے کہیں کہیں سرسبزی دکھائی دیتی ہے۔ ایسے ہی مقامات پر لوگ جمع ہو گئے ہیں اور یہ علاقے شہروں میں بدل چکے ہیں۔ ملک کا زیادہ تر حصہ پانی سے خالی اور غیر آباد ہے۔ یہ چشمے جو پہاڑوں سے نکلتے ہیں ان کا پانی بھی آگے بڑھ کر ریگستانوں میں جذب ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ بدوی عرب اسے جمع رکھنے کیلئے موقع بہ موقع تالاب کھود لیتے ہیں جنہیں 'روضہ' کہا جاتا ہے۔ یہ تالاب زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ پاتے اور اکثر خشک ہو جاتے ہیں۔ اب ملکی صورتحال کو کافی حد تک قابو میں لایا گیا اور مختلف علاقوں تک پانی کی پائپ لائن بچھا کر پانی کی فراہمی کو مؤثر بنا دیا گیا ہے مگر یہ سلسلہ ابھی تمام عرب کیلئے ناکافی ہے۔ جب کبھی بارشیں نہیں ہوتیں تو پانی کی صورتحال بے حد سخت ہو جاتی ہے اور بدوی لوگ اپنے علاقوں سے نکلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یمن کا حصہ

Marfat.com

نسبتاً سرسبز ہے، اس میں نخلستان ہیں اور اکثر مقامات پر کھیت بھی ہیں جو زمانے کی ترقی اور بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ ساتھ تیزی سے مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ سرسبزی کی وجہ سے بخلاف عرب کے دوسرے حصوں کے یہ زیادہ گنجان آباد ہیں اور یہاں شہروں کی تعداد زیادہ ہے۔ سرزمین نجد میں عرب کا سب سے بڑا چشمہ 'دھنا' گزرتا ہے، اس کے علاوہ اور چشمے بھی ہیں لیکن ان سے نفع اٹھانے کی صورت ابھی تک کم ہے اور سوائے چند دوآبوں کے تمام قطعہ بے آب وگیاہ دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بادیہ نشین عرب اکثر ایک جگہ نہیں رہ سکتے اور پانی وچارہ کی تلاش میں جابجا سفر کرتے رہتے ہیں اور اکثر قریبی ترقی یافتہ شہروں سے مستفید ہوتے ہیں۔ وسطی عرب میں یہ صورت کسی قدر مختلف دکھائی دیتی ہے، یہاں کے بادیہ نشین عرب دوسرے حصوں کی نسبت زیادہ محنت کش، جفاکش اور چست ہوتے ہیں۔ ان میں قوت برداشت کا مادہ بھی زیادہ ہوتا ہے اور زندگی بھی سادہ۔ بوجہ عدم روئیدگی اور پیداوار کے ان کی معیشت کا زیادہ تر دارومدار اونٹوں اور پالتو مویشیوں پر ہے، اسی کے دودھ اور گوشت سے ان کی پرورش ہوتی ہے۔ اسی کے اون سے ان کے خیمے اور موٹے کھردرے لباس بنتے ہیں اور اسی کی پشت پر مع اہل وعیال وہ سفر میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

ملک عرب کے باشندے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں۔ انہیں تین طبقوں پر منقسم کیا جاتا ہے:

(1) عرب بائدہ: یعنی قدمائے عرب، جو پہلے پہل اس ملک میں آباد تھے اور پھر زمانے کے ساتھ مٹ گئے۔ ان کے متعدد قبائل تھے جن میں عاد، ثمود، عمالقہ، طسم، جدیس، جرہم اور حضر موت وغیرہ شامل ہیں۔ ان لوگوں نے عراق سے لے کر شام اور مصر تک اپنی سلطنتیں قائم کی تھیں۔ بابل اور اشور کی حکومت اور قدیم تمدن کے بانی یہی لوگ تھے۔ ان کے مفصل حالات اگرچہ تاریخی کتب میں موجود نہیں ہیں لیکن اب بابل، مصر، یمن اور نینوا کے آثار قدیمہ سے انکشافات ہو رہے ہیں اور تحقیقی کتب دائرہ قلم میں آ رہی ہیں۔ قدیم عربوں میں سے جن قبیلوں کا پتہ مؤرخین نے ڈھونڈھ نکالا ہے اُن کا مختصر حال لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے کا پوتا 'عاد' حضر موت میں حکمران ہوا۔ اس کی اولاد سے جو قوم پیدا ہوئی وہ اسی کے نام سے پکاری گئی۔ شداد، اسی عاد کا بیٹا تھا۔ اس قوم کو راہ راست پر لانے کے لئے حضرت ہود علیہ السلام نبی مبعوث ہوئے تھے۔ کچھ تو حضرت ہودؑ کے سامنے ہی یہ قوم غارت گئی اور جو باقی رہ گئے تھے، وہ بعد میں مٹ گئے۔ ثمود بھی حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے کا پوتا تھا۔ اس کی قوم بھی اسی کے نام سے موسوم ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام پیغمبر جن کی اونٹنی کا قصہ مشہور ہے، آپ اسی قوم کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ حضرت صالح اپنی قوم سے تھک کر یروشلم چلے گئے اور پھر وہاں سے مکہ چلے آئے۔ قوم ثمود بھی ان کے بعد غارت ہوگئی۔ طسم اور جدیس یہ دو قبیلے ترقی کے زینہ پر آ کر آپس میں لڑ جانے کی وجہ سے برباد ہوگئے، اب ان کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ جرہم سابق کو مؤرخین اُن اسی آدمیوں میں سے ایک کی اولاد لکھتے ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ طوفان سے بچنے کو کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ حضرت نوحؑ کو آدم ثانی اس لئے نہیں کہتے کہ طوفان کے بعد وہی ایک زندہ رہے بلکہ اس لئے کہ اُن کے اور ساتھیوں میں سے کسی کا سلسلہ نسب آگے چلتا پایا نہیں جاتا۔ ان کی نسلوں کا یا تو خاتمہ ہوگیا یا وہ ایسی گمنام حالت میں جا پڑیں کہ اس غرض خاص کے لئے وہ اب مردوں ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ جرہم قوم عاد کے ہمعصر تھے اور اسی طرح یہ بھی بالکل نیست ونابود ہوگئے۔ عمالقہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جو عمالقہ بن یلفر بن یسو کی نسل میں ہیں۔ بعضوں نے عمالقہ کو حام بن نوح کی اولاد میں بتایا ہے۔ یہ لوگ بہت طاقت پکڑ گئے تھے۔ حضرت یوسفؑ سے پہلے مصر کا جنوبی حصہ انہوں نے فتح کر

Marfat.com

لیا تھا۔ ان کی فتح کے وقت مصر کا بادشاہ ولید تھا اور یہ پہلا شخص ہے جس نے فرعون کا لقب اپنے لیے پسند کیا تھا۔ مصر میں کچھ روز حکومت کرنے کے بعد یہ لوگ مصر سے نکال دیئے گئے اور آخر کار بنی اسرائیل کے ہاتھ سے بالکل تباہ ہو گئے۔

(2) عرب عاربہ: یعنی قحطان جو کہ یمن کے باشندے تھے۔ ان کا اصلی گہوارہ یمن ہے، ان کے مشہور قبیلے حمیر، کہلان اور ازد ہیں۔ حمیر کی تین شاخیں ہیں جن میں ہمدان، انمار، طے، مذحج، لخم، جذام، کندہ اور ازد کی بہت سی شاخیں ہیں۔ انہیں قبائل سے ملوک تبابعہ ہوئے ہیں اور یہیں کے شہر سبا کی ملکہ حضرت بلقیسؓ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ ان لوگوں نے ملک کی آبادی کیلئے چشموں میں جگہ بہ جگہ بند تعمیر کر کے ان کا پانی محفوظ کیا تھا، جس وقت یہ چاہتے، ان سے اپنے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کر لیا کرتے تھے اور پھر پانی کا سلسلہ بند کر دیا کرتے تھے۔ ان میں سے سب سے بڑا بند شہر مآرب کا تھا، یہ تین پہاڑوں کے درمیان واقع تھا، جہاں بہت سے چشموں کا پانی آ کر جمع ہو جاتا تھا۔ ایک مدت بعد پانی کے زور سے یہ بند کمزور پڑ گیا اور پھر پہاڑ میں شگاف پڑ گئے، جس کی وجہ سے یمن میں ایک بڑا سیلاب آ گیا اور بڑے پیمانے پر تباہی مچی، اس واقعے کا ذکر قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ اس ہولناک تباہی کے باعث اکثر خاندان وہاں سے نکل کر عرب کے مختلف حصوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ ازد میں سے ثعلبہ اپنے قبیلے کے ہمراہ مدینے کی طرف چلا آیا۔ یہاں بنی اسرائیل کے جو چند خاندان مقیم تھے، اس نے انہیں مغلوب کیا اور مدینے میں قلعے بنائے، نخلستان لگائے۔ اسی کی اولاد میں سے اوس اور خزرج مدینے کے دو قبیلے ہوئے۔ ازد کا دوسرا شخص حارثہ بن عمر جو خزاعہ کے نام سے مشہور تھا، حرم کی طرف آیا اور اس نے مکہ پر قبضہ کر کے وہاں سے بنی جرہم کو بدر کر دیا۔ ازد میں سے نصر تہامہ میں جا کر آباد ہوا اس کی اولاد کے متعدد قبیلے ہوئے جو ازد شنوہ کہے جاتے تھے۔ عمر و ازدوی کا ایک بیٹا عمران عمان کی طرف نکل گیا اور اس نے وہیں وطن بنالیا۔ اس کی اولاد ازد عمان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کا دوسرا بیٹا جفنہ شام کی سرحد کی طرف چلا گیا اور وہاں اس نے سرحدی قبائل پر اپنی حکومت قائم کر لی جو عرصہ دراز تک اسی کے خاندان میں رہی۔ یہ لوگ غسانیہ کہے جاتے تھے کیونکہ ان کی سکونت پہلے ایک چشمے پر تھی جس کا نام غسان تھا۔ کہلان میں سے لخم کا قبیلہ عراق آ گیا، انہیں میں سے ملوک حیرہ ہوئے۔ طے کا قبیلہ مدینے کے مشرق میں آ کر بس گیا اور ان میں سے قضاعہ کی ایک شاخ وجود میں آئی۔ کلب نجد کے شمالی سرحد پر آباد ہوا۔ حمیر، کندہ، مذحج وغیرہ قبائل یمن میں ہی مقیم رہے۔

(3) عرب مستعربہ: یعنی عدنان جو کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ عدنان کا اصلی وطن مکہ تھا۔ ان کے بیٹے کا نام معد اور پوتے کا نزار تھا۔ اسی وجہ سے عدنانی قبائل معدی اور نزاری کہے جاتے ہیں۔ ان کے مشہور قبائل میں ایاد، ربیعہ اور مضر شامل ہیں۔ ربیعہ کے لوگ بہت نامور ہوئے۔ تاریخ عرب میں ان کا کافی ذکر موجود ہے۔ شرف و عزت میں یہ لوگ مضریہ کے حریف تھے۔ زمانہ اسلام میں خوارج زیادہ تر انہیں میں سے ہوئے ہیں۔ انہیں میں ایک قبیلہ عبد قیس تھا جس کی دو شاخیں تھیں۔ بکر اور تغلب، پھر بکر کی دو شاخیں بنی حنیفہ اور عجل ہوئیں۔ مضر کے دو قبیلے ہوئے، جو قیس عیلان اور الیاس کہلائے۔ قیس عیلان میں سے بنی سلیم، بنی ہوازن اور بنی غطفان ہوئے۔ بنی غطفان کی دو شاخیں بنی ذبیان اور بنی عبس ہیں۔ الیاس کے مشہور قبائل میں تمیم، ہذیل، اسد، کنانہ ہیں۔ کنانہ میں فہر بن مالک ہوئے جنہیں قریش کہا جاتا ہے۔ قریش کی اولاد سے متعدد قبائل ہوئے جن میں بنی جمح، بنی سہم، بنی مخزوم، بنی تیم، بنی عدی، بنی زہرہ، بنی عبد الدار اور بنی عبد مناف شامل ہیں۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ عبد شمس، نوفل، مطلب اور ہاشم۔ ہاشم کی اولاد میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم ہوئے۔ خلفائے عباسی حضرت عباسؓ بن عبد المطلب اور آپ کی

Marfat.com

عشریہ وعلوی حضرت علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب کی اولاد ہیں۔عبدشمس کے بیٹے اُمیہ کی اولاد بنواُمیہ کہلائی۔

عدنانی قبائل خزاعہ سے مغلوب ہو کر جب مکہ سے نکلے تو مختلف مقامات پر پھیل گئے۔بنی بکر بحرین چلے آئے اور فارس کے زیر اثر ہو گئے۔کسریٰ کے دربار کی منظوری کے بعد ہی اس قبیلہ کا کوئی شخص سردار یا امیر مقرر کیا جاتا تھا۔ظہور اسلام کے زمانے میں ان کا امیر منذر بن ساوی تھا۔بنی حنیفہ یمامہ ہجرت کر گئے اور اس کے صدر مقام حجر میں سکونت اختیار کر لی۔آغاز اسلام کے وقت ان کا سردار ہودہ بن علی تھا۔بنی تغلب سواحل فرات پر، بنی تمیم بصرہ کے مضافات میں (بصرہ اس وقت آباد نہیں کیا گیا تھا) اور بنی سلیم مدینے کے قرب وجوار میں آباد ہو گئے۔بنی ہوازن میں سے ثقیف طائف میں جا بسے اور ہوازن کے باقی قبائل مکے کے مشرق میں آباد ہوئے۔بنی اسد کوفہ کے مغرب میں اور بنی ذبیان تیمار سے حوران تک آباد ہو گئے۔کنانی قبائل نے تہامہ میں بود و باش اختیار کر لی۔مکہ اور اس کے ارد گرد عدنانیوں میں سے صرف قریش کے قبائل رہ گئے لیکن وہ متفرق تھے، جب ان میں قصی بن کلاب پیدا ہوئے تو انہوں نے سب کو مجتمع و متحد کیا اور زوردار لڑائی کے بعد یمن کے بنوخزاعہ کو نکال باہر کیا۔

اہل عرب کی سکونت کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں:

(1) حضری: یعنی شہری افراد جو کہ شہروں میں رہتے ہیں اور ترقی یافتہ ماحول کے مطابق اپنی ضروریات کو بڑھاتے یا کم کرتے رہتے ہیں۔یہ نسبتاً سہل اور سست لوگ ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کیلئے گاڑیاں استعمال کرتے ہیں اور گرم موسم میں شاذ و نادر ہی گھروں سے نکلتے ہیں۔ان کے گھر اور گاڑیاں سب ایئر کنڈیشن ہوتی ہیں۔یہ لوگ زیادہ ضیافتوں میں مصروف رہتے ہیں۔عرب میں بہت سے شہر ہیں خصوصاً یمن میں زیادہ ہیں، ریاض، تبوک اور جدہ زیادہ ترقی یافتہ اور مشہور ہیں۔اہل یمن کا خیال ہے کہ روئے زمین کے قدیم شہروں میں زبید، عدن، سعدہ، مخا اور شبام وغیرہ۔تہامہ میں مکہ، طائف، مدینہ منورہ اور خیبر، نجد میں حائل، عروض میں حجر اور بحرین میں قطیف شامل ہیں۔

(2) بدوی: یعنی بادیہ نشین جو آسمان کی چھت کے نیچے کھلے وسیع بیابانوں میں جہاں چاہتے ہیں اپنے اونی اور چرمی خیمے لگا لیتے ہیں اور رہائش اختیار کر لیتے ہیں۔ان کی غذا بالعموم اونٹ کا دودھ اور گوشت ہوتی ہے۔ان کی طبیعت میں سادگی اور مزاج میں تندی اور گفتگو میں تلخی پائی جاتی ہے۔

عہد جاہلیت میں عرب میں متعدد بازار لگائے جاتے تھے جن میں وہ خرید و فروخت کیلئے جمع ہوتے تھے۔عراق اور فارس سے کپڑے اور دیگر ضروری اشیاء لے کر تاجروں کے قافلے وہاں آتے تھے جن کی حفاظت عربی قبائل کے روساء کے ذمے ہوتی تھی۔قبائل قریش بھی سال میں دو مرتبہ تجارتی سفر کیا کرتے تھے۔گرمیوں میں ملک شام میں ان کے قافلے جاتے تھے اور موسم سرما میں یمن کی طرف۔ان کے اہل یمن، حبشہ، فارس اور ہند سے تجارتی تعلقات استوار تھے اور متعدد بندرگاہیں بھی تھیں۔صنائع میں اہل عرب عام طور پر صرف بے بہرہ ہی نہیں بلکہ متنفر تھے یہاں تک کہ بادیہ نشین بھی پیشوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔جریر اور فرزدق نامی شاعر جو کہ بنی تمیم سے تعلق رکھتے تھے، زندگی بھر ایک دوسرے کی ہجو کرتے رہے۔ان کے اشعار کا مجموعہ دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جریر، فرزدق کا بڑے سے بڑا عیب جو نکال سکا ہے، وہ یہ تھا کہ اس کے آباؤ اجداد میں کوئی شخص تلواروں کی صیقل گری کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھا۔یمن میں چونکہ بعض لوگ دباغت چرم اور نوربانی کا پیشہ اپنائے ہوئے تھے اس لئے اہل یمن کو حقیر و ذلیل سمجھا جاتا تھا۔البتہ تمام عرب کی عورتیں بالعموم چرخہ کاتتی تھیں۔تعمیراتی امور کیلئے ہمیشہ رومی اور ایرانی معماروں کی خدمت لی جاتی تھی۔

Marfat.com

عہد جاہلیت کے معاشرے میں عورت کا خاص مقام تھا۔ اہل عرب عورت کی عزت وحرمت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ بڑے بڑے سرداران قبائل اور شعراء جب اپنے کرم اور شجاعت کی مدح خوانی کرتے تھے جس سے ان کے ملک کا نام روشن ہو تو وہ عورت ہی کو مخاطب کرتے تھے عورت نے اگر فضول خرچی پر ملامت کی ہے تو قصیدہ میں نرم سے نرم اور لطیف پیرائے میں اس کا جواب دیتے تھے اور 'ربۃ البیت' وغیرہ جیسے باعزت القاب سے پکارتے تھے۔ اکثر نام کے بجائے اس کا ذکر کنیت کے ساتھ کرتے تھے جو ان کے نزدیک تعظیم کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو فخر کے ساتھ اپنی ماؤں کی طرف بھی منسوب کرتے تھے۔ عورت کا عربی قبائل میں یہ اثر ان کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خفگی کے باعث قبیلے بھڑ جاتے تھے اور عورت کی کوشش سے لڑائیاں بند بھی ہو جاتی تھیں۔ تاریخ عرب کے اشعار کا مطالعہ کرنے سے عورت کی اہانت اور تحقیر کا ذرا سا بھی ثبوت نہیں ملتا اس لئے یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ اہل عرب عورتوں کا احترام کرتے تھے، بے شک ان کے ہاں مردوں کی عظمت وفوقیت عورتوں سے زیادہ تھی، اسی اصول کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ بالعموم مرد وعورت کا باہمی تعلق فریقین کے اولیاء کی رضامندی کے بعد بذریعہ عقد نکاح کے ہوتا تھا البتہ عورت کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ خود اپنا نکاح کر لے۔ بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ اور ماں کے ساتھ نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔ آوارہ گرد، غرباء اور شور رسیدہ نوجوانوں میں نکاح کے بعض بعض اور بھی طریقے مروج تھے لیکن جمہور عرب انہیں ناپسندیدہ قرار دیتے تھے۔ کثرت ازدواج کا بھی ان میں دستور تھا اور اس کی کوئی حد معین نہیں تھی۔ حضرت غیلان ثقفیؓ نے جب شرف اسلام پایا تو ان کے عقد میں دس عورتیں تھیں۔ کثرت ازدواج کو اہل عرب میں عزت وعظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آزاد عورت اور لونڈی کے حقوق طے تھے۔ طلاق کا اختیار مرد کو حاصل تھا لیکن بعض شرفاء کی لڑکیاں نکاح کے وقت طلاق کا حق اپنے پاس محفوظ کر لیا کرتی تھیں۔ لڑائیوں میں جو عورتیں مال غنیمت کے طور پر ملتی تھیں انہیں حلال سمجھا جاتا تھا لیکن ان سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی اسے کنیز زادہ کا نام دیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے شرفاء عرب اپنی اولاد کو اس ننگ سے بچانے کیلئے ان سے احتراز کیا کرتے تھے۔ وہ جب بھی اپنی اولاد پر احسان جتایا کرتے تو یہ ضرور کہتے کہ ہم نے تمہارے لئے آزاد مائیں تلاش کیں۔ بیٹوں کی پرورش نہایت الفت سے کیا کرتے تھے تاکہ دشمنوں کے مقابلے میں وہ سپر بنیں اور قبیلے کی حرمت کی محافظت کریں۔ اس لئے وہ انہیں اکثر درندوں کے القاب سے پکارا کرتے تھے جیسے اسد، فہر، کلب اور ذئب وغیرہ۔

اہل عرب میں سے بعض لوگ بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے لیکن یہ رسم تمام عرب میں رائج نہیں تھی بلکہ صرف تیم کے چند ادنیٰ قبائل میں تھی جو کہ ننگ وعار اور بیشتر محتاجی کے خوف سے ایسا کرتے تھے لیکن چونکہ یہ بات انسانی فطرت کے خلاف تھی اس لئے خود اشراف تیم اس کو ناپسند کرتے تھے۔ ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو ان فقراء افراد کو مال و دولت دے کر اس کبیدہ رسم کے خاتمے کی کوشش میں جتے رہتے تھے۔ فرزدق کا دادا غالب بن صعصعہ اس کوشش کیلئے خاص طور پر مشہور تھا۔ بھائی کی مدد کو فرض خاص سمجھتے تھے خواہ حق پر ہو یا ناحق پر۔ قبیلے کے ایک آدمی کا آواز لگا دینا لڑائی کیلئے کافی ہوتا تھا اور اگر اس میں کوئی پہلو تہی سے کام لیتا تو طبقہ شعراء اس کی ایسی خبر لیتا کہ وہ زندگی کو خود پر بوجھ سمجھنے لگتا۔ قبائل میں کوئی عہد طے پا جاتا انہیں 'حلیف' کہا جاتا تھا۔ ان کے بھی ہر فرد کی مدد بہ منزلہ اپنے اہل قبیلے کے لازمی ہوتی تھی۔ یہ معاہدہ کبھی بذریعہ افراد طے ہوتا تھا اور کبھی دو مسلح قبائل ایسا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ایک ہی قبیلے کی دو شاخوں میں نزاع ہو جاتا تھا جس میں کمزور فریق ترک وطن کر کے دوسری جگہ اقامت پذیر ہو جاتا تھا اور اس کی اولاد میں نسل در نسل

Marfat.com

اس قصے کی تشہیر جاری رہتی، جس سے نفرت کا لاوا پکتا رہتا اور ایک دوسرے پر حملوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ یہ لڑائیاں نسل در نسل چلتی رہتیں۔ مدینے میں اوس اور خزرج کی لڑائی کافی شہرت رکھتی تھی۔ ملک میں کوئی ایسی طاقت موجود نہیں تھی جو ان لڑائیوں کا سدباب کرتی اور فریقین میں صلح کا معاملہ انجام دیتی۔ اسی لئے عرصہ دراز تک خصومت و عداوت کا سلسلہ باقی رہتا۔ شعرأ کی زبانیں دونوں طرف آگ پر تیل ڈالنے کا کام کرتی تھیں اور ایک دوسرے کے معائب بیان کر کے اُن کی تحقیر کی کوشش کی جاتی تھی۔ باہمی لڑائی کیلئے کسی بھی قوی وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ تھوڑی سی تحریک پر بہت سارے بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوجایا کرتی تھیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کے اسلاف و اخلاف

نمرود شاہ بابل کے ساتھ جو جو واقعات پیش آتے گئے وہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے ملتے جلتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں سے بے ادبی کرتے تھے یا یہ کہ اپنی قوم کی جہالت پر ہنستے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آذر بت تراش، بت پرست، نمرود پرست اور مقرب بارگاہ شاہی تھا۔ نمرود کو دعویٰ خدائی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھلا اُس کی خدائی کب ماننے والے تھے۔ اس لیے نمرود اور آذر یہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دشمن ہوگئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان جو معاملات پڑے اُن کی تصریح یہاں ضروری نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وطن چھوڑنا پڑا۔ پہلے یہ شام اور پھر شام سے مصر گئے۔ آخر کو مصر سے واپس آ کر انہوں نے شام کو اپنا وطن قرار دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بی بی حضرت سارہؑ خود اُن کے خاندان کی لڑکی تھیں جو ابتداء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خدا پر ایمان لائی تھیں۔ دوسری بی بی حضرت ہاجرہؑ مصر کے قبطی خاندان کی تھیں۔ یہود حضرت ہاجرہ کو لونڈی بتا کر اُن کی اولاد کو قابل عزت نہیں ٹھہراتے تھے لہٰذا مسلمان اس اعتراض کے رفع کرنے میں تاویلیں کرتے ہیں اور انہیں مصر کے شاہی خاندان کی لڑکی قرار دیتے ہیں۔ کچھ ہی ہو لیکن اس میں کلام نہیں کہ اس زمانہ کے محاورہ کے مطابق حضرت سارہ خاتون کہی جاتی تھیں اور حضرت ہاجرہ کنیز۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ عربوں اور شامیوں میں درحقیقت نسل کے لئے ماؤں کا کچھ بھی خیال نہیں کرتے تھے اور یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ کنیز کا لفظ کوئی ذلت ظاہر نہیں کرتا۔ جس طرح غیر ملک والوں کو عجمی کہتے تھے اُسی طرح غیر قوم کی لڑکی کسی کے پاس ہوتی تو اُس کو جاریہ کہتے ہیں جس کا ترجمہ فارسی زبان میں کنیز کیا گیا۔ بگڑی ہوئی حالت اور کبھی کبھی غربت (مسافرت) بھی یہ لقب پیدا کر دیتی تھی۔

حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ مشیت ایزدی نے ماں بیٹے کو اُس وادی غیر ذی زرع میں پہنچایا جہاں اس وقت مکہ یا خانہ کعبہ دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت یہ مقام بالکل آباد نہ تھا۔ آبادی نہ ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہاں پانی نہ تھا۔ عرب میں پانی کی بڑی قلت ہے اس لئے جہاں کوئی چشمہ نہر یا کنواں دکھائی دیا وہ آباد ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ حضرت ہاجرہ اپنے بچے کے ساتھ کچھ پانی اور خرمے لے کر یہاں ٹھہریں۔ مشکیزہ خالی ہو گیا تو انہیں تردد ہوا۔ قریب کی دو پہاڑیاں صفاء اور مروہ اس امر کی یادگار ہیں کہ اُن پر چڑھ کر وہ دیکھتی تھیں کہ کوئی کارواں ادھر سے جاتا نظر آئے تو اُس سے مدد ملے۔ خدا کی قدرت کہ اسی اثنا میں ایک چشمہ اس وادی میں خود بخود نکل آیا جو کچھ دنوں کے بعد کنوئیں کی صورت پکڑ کر اب تک چاہ زمزم کے نام سے قائم ہے۔ پانی دیکھ کر کچھ عرب جنوب سے آئے۔ یہ عرب

قبیلہ جرہم کے تھے یا پہلے کوئی دوسرا قبیلہ آیا اور یہ کچھ دنوں کے بعد آئے۔ غرضیکہ عرب پانی کے سہارے یہاں آ کر بسے۔

حضرت ہاجرہ کو ان لوگوں سے مدد ملی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اُن کے لڑکوں میں مل کر عبرانی کی جگہ عربی زبان کو اپنی اور اپنی نسل کی مادری زبان قرار دیا۔ قبیلہ جرہم کے ایک مرد شریف مدار نام کی لڑکی سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی اور وہیں آپ کی نسل پھیلی اور بہت زیادہ پھیلی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے جتنی قومیں یا قبیلے پیدا ہوئے اُنہیں مؤرخین مستعرب کہہ کر تیسری قسم میں داخل کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام برابر مکہ میں اپنی زوجہ اور بیٹے کو دیکھنے آتے تھے۔

خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے خدا کی پرستش کے لئے بنایا۔ حضرت ہاجرہؑ کے چلے آنے کے بعد حضرت سارہؑ کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل شام میں پھیلی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل حجاز میں بڑھی۔ یہ دونوں نبی تھے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد باہمی رنجش مٹ گئی۔ حضرت سارہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو لے کر حج کعبہ کو آئی تھیں۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل میں کئی انبیاء پیدا ہوئے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام حضرت اسرائیل تھا، انہیں کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ جو لوگ حضرت موسیٰ کے دین پر اپنے کو قائم سمجھتے ہیں (یہود) وہ اپنا سلسلہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تک پہنچاتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں اور خصوصاً اُس شاخ میں جو محمد رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے کوئی دوسرا پیغمبر پیدا نہیںؑ ہوا لیکن پھر بھی کچھ تھوڑا سا ذکر بنو اسمٰعیل کا بھی لکھنا چاہئے۔ بنو اسمٰعیل نے جب زور پکڑا تو قوم جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور اس طرح مکہ پر اور اُس کے ساتھ حجاز کی حکومت بنو اسمٰعیلؑ کے ہاتھ آئی۔ بنو اسمٰعیل کی نسل بہت زیادہ پھیلی اور یہ لوگ بہ منزلہ اصل عرب کے ہو گئے اور حکومت کی وجہ سے بہت بڑے زبردست سمجھے گئے۔ ایک زمانہ وہ آیا کہ بنو اسمٰعیل میں سے صرف فہر کی اولاد مکہ پر قابض ہوئی۔ فہر کا دوسرا نام قریش تھا، اس لئے یہ لوگ قریش یا قریشی کہلائے۔ حکومت مکہ کی وجہ سے جس طرح بنو اسمٰعیل علیہ السلام کو جرہم اور بنو یعرب پر فضیلت تھی، اسی طرح اب قریش کو دوسرے بنو اسمٰعیل پر فوقیت ہوئی اور یہ حالت پیغمبرِ خدا کی بعثت تک قائم رہی۔ آخر زمانہ میں مکہ کی حکومت اور کعبہ کی نگرانی ہاشم کے ہاتھ آئی۔ اس لئے بنو ہاشم دوسرے قریش سے اپنے کو ممتاز سمجھنے کی ایک وجہ رکھتے تھے۔ ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب، عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ، عبداللہ کے بیٹے محمد رسول اللہ (ﷺ) تھے۔ عبدالمطلب کا ننھیال مدینہ میں تھا آئندہ بیان کیا جائے گا کہ کفار قریش سے تنگ آ کر محمد رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سمیت مدینہ چلے گئے۔ مدینہ کی تخصیص صرف مدینہ والوں کے سچے اسلام کی وجہ سے کی گئی لیکن ممکن ہے کہ عبدالمطلب کی سابق قرابت بھی ایک محرک سمجھا جائے۔

عرب میں اسلام کے پہلے بہت سے مذہب رائج تھے۔ کچھ تو بت پرست تھے اور کچھ یہود۔ صابیوں کا بھی ایک مذہب مکہ سے دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ صابی ہندوؤں کی طرح خدا کی وحدانیت کے ساتھ بہت سے درمیانی دیوتاؤں (قوتوں) کے قائل تھے۔ چاند سورج ستاروں کی پرستش کا عام رواج تھا۔ صابی کا ترجمہ اسی رعایت سے ستارہ پرست کیا گیا ہے۔ یمن کے علاقوں میں جب ایرانیوں نے گھسنا شروع کیا تو ان کے ساتھ آتش پرستوں کا مذہب عرب میں پھیلا۔ پیغمبرِ خدا کی بعثت کے وقت یمن میں آتش پرست حکمران کی حکومت قائم تھی۔ یہ وہی حاکم تھا جسے شاہ ایران نے پیغمبرِ خدا کی (نعوذ باللہ) گرفتاری کا حکم بھیجا تھا۔ ساحل عرب کی طرف سے کچھ عیسائی بھی گھس آئے تھے اور بہت سے

Marfat.com

عرب ان کی دیکھا دیکھی نصاریٰ ہو گئے تھے جن کو عرب تمعصرہ کہتے تھے۔ شمالی یمن کی طرف سے عیسائی مذہب پھیل چلا تھا۔ عیسائی قبیلوں میں غسان، ربیعہ، تغلب، بھرا، تونخ، طے، کوداع، شامل تھے۔

جیتے جی تو اپنے ذاتی وقار (پیغمبری) کی وجہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مکہ کے حاکم اور سردار بنے رہے اور ممکن ہے کہ دو ایک پشت تک ان کی اولاد کی بھی عظمت تسلیم کی گئی ہو۔ لیکن اس کے بعد بنو اسمٰعیل کو کہ وہ تعداد میں کم تھے بنی جرہم نے شہر سے باہر نکال دیا اور پھر عرصہ تک بنو اسمٰعیل مکہ سے بے دخل رہے۔ ایک عرصہ کے بعد جب بنو اسمٰعیل تعداد میں زیادہ ہوئے تو انہوں نے دل کڑا کر کے بنو جرہم کا مقابلہ کیا۔ بنو جرہم خانہ کعبہ کی حرمت کم کرتے تھے۔ ملک میں ان کے سبب سے فتنہ اور فساد پھیل رہا تھا۔ اس مقابلہ کی یہی وجہ ہوئی۔ مکہ سے مغلوب ہو کر جب بنو جرہم بھاگے تو سنگ اسود، ہرن کی دو طلائی مورتیں اور کچھ اسلحہ چاہ زمزم میں اس طرح چھپاتے گئے کہ ان چیزوں کے ساتھ کنوئیں کا بھی کچھ نشان باقی نہ رہا۔ زمزم کا بیان تو اوپر کیا گیا۔ طلائی مورتوں کی نسبت یہ سمجھنا کافی ہے کہ اسفندیار ایرانی نے کعبہ میں نذر بھیجی تھی۔ رہا سنگ اسود اس کی نسبت مؤرخین کا بیان ہے کہ اسی پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار میں اس نے بھی کعبہ کے پاس ایک کنارے جگہ پائی۔ اب طواف کعبہ میں یہ وہ کام دیتا ہے جو دانہائے تسبیح میں امام سے لیا جاتا ہے۔

سینکڑوں برس تک زمزم کا پتہ نہ تھا۔ عبدالمطلب نے خواب میں زمزم کی جگہ کا نشان پایا۔ ابتدا میں قریش عبدالمطلب کے مزاحم ہوئے۔ بتان کعبہ کے پاس انہوں نے گڑھا کھودنا پسند نہ کیا۔ لیکن عبدالمطلب اپنے خواب کی بشارت پر مصر رہے اور آخر کار کنوئیں کو کھود نکالنے اور اس طرح سنگ اسود اور دوسری چیزوں کے پانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ سردار مکہ ہاشم کے بیٹے تھے۔ ذاتی شجاعت اور دانشمندی کے علاوہ اس خصوصیت نے اور بھی ان کی عزت بڑھائی۔ اس میں کلام نہیں کہ ایک مدت تک چاہ زمزم چھپا رہا اور عبدالمطلب نے اُسے کھود کر نکالا۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ زمزم کے چھپے رہنے کے زمانہ میں آب رسانی کا دوسرا ذریعہ قوم نے کیا پیدا کیا تھا؟

عبدالمطلب کو زمزم کھودتے وقت یہ خیال گذرا کہ میری زیادہ اولاد ہوتی تو آج کھودنے اور قریش کی مزاحمت رد کرنے میں کتنی سہولت ہوتی۔ اور اس خیال نے عبدالمطلب سے یہ کہلوایا کہ میرے دس لڑکے پیدا ہوں تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کروں۔ اس کے بعد عبدالمطلب کے بہت سے لڑکے پیدا ہوئے جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ لڑکوں کے جوان ہونے پر عبدالمطلب کو اپنی نذر کا خیال ہوا۔ خدا پر قربان ہونے میں کسی لڑکے کو دریغ نہ تھا۔ قرعہ ڈالنے پر عبداللہ کا نام نکلا۔ عبداللہ سب سے زیادہ پیارے تھے اس لئے عبدالمطلب کو پس و پیش ہوا اور زیادہ تر قریش اس نئے دستور کے نکلنے پر معترض ہوئے۔ نذر کا پورا نہ کرنا یا بات کا پاس نہ کرنا عرب کی شان کے خلاف تھا۔ بہر حال کچھ تاویلیں کر کرا کر متعدد بار قرعہ ڈالنے کے بعد عبداللہ کے بدلے سو اونٹوں کا ذبح کرنا ٹھہرا یعنی یہ سمجھا گیا کہ خدا نے ان کے بدلے سو اونٹوں کی قربانی منظور کی۔ اور ایسا ہی کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ کہا کرتے تھے کہ "انا ابن الذبیحین" میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ ایک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام (یا حضرت اسحٰق علیہ السلام علی اختلاف الروایۃ کہ دادا کا بھائی بھی دادا کہلاتا ہے۔ دوسرے عبداللہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی خدا کے حکم سے اپنا بیٹا ذبح کرنا چاہا تھا۔ جب تقسیم ارادہ معلوم ہو گئی تو مینڈھا سامنے آیا اور حکم غیبی ہوا کہ اسی کو اپنے بیٹے کے بدلے ذبح کرو۔ اسی کی تقلید ہے کہ عید الضحیٰ میں فارغ البال مسلمان اپنے اور اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے فی کس ایک ایک جانور یا ایک بڑا جانور سات آدمی مل کر ذبح کرتے ہیں۔

Marfat.com

اصحاب فیل کا قصہ بہت مشہور ہے۔ بعضوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی ولادت سے تیس چالیس برس پہلے کا واقعہ ہے۔ اور بعض مؤرخ اُسی سال کا واقعہ بتاتے ہیں جس میں آنحضرت کی ولادت ہوئی۔ قرآن کی سورۂ فیل الم ترکیف فعل ربك باصحاب الفیل○ الم یجعل کیدھم فی تضلیل○ و ارسل علیھم طیراً ابابیل○ ترمیھم بحجارۃ من سجیل○ فجعلھم کعصف ماکول○ میں یہ قصہ مذکور ہے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ نجاشی شاہ حبشہ کے عیسائی گورنر ابرہہ نے یمن سے خانہ کعبہ کے انہدام کے لئے چڑھائی کی تھی۔ راستہ میں جن قبیلوں نے مقابلہ کیا وہ مغلوب رہے۔ مکہ میں پہنچ کر عبدالمطلب کے دوسو اونٹ ابرہہ کے لشکر والے چھین لے گئے۔ عبدالمطلب ابرہہ سے ملنے گئے تو ان کی وجاہت اور گفتگو سے وہ بہت خوش ہوا۔ گورنر کو خوش دیکھ کر انہوں نے اپنے اونٹوں کی واپسی کی درخواست کی۔ اس نے تعجب سے پوچھا کہ تم اونٹوں کی فکر کرتے ہو اور خانہ خدا کے بچانے کی آرزو ظاہر نہیں کرتے۔ عبدالمطلب نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ جس کا گھر ہے وہ خود بچا لے گا۔ عبدالمطلب گھر آئے تو تمام قریش کو پہاڑ پر روانہ کر دیا اور خود خانہ کعبہ کی دیوار سے چمٹ کر یہ اشعار پڑھنے لگے:

اللھم لا ارجو الھم لواکا   یا رب فانع عنھم جاکا
ان عدو البیت من عاواکا   فامنھم ان یخربو قراکا

اس کے بعد اتفاقات سے ابابیلوں کا غول بحر ہند کی طرف سے آ کر آسمان میں پھیل گیا اور ابرہہ کی فوج کو ان ابابیلوں نے تباہ کر دیا۔ بعض آدمی کہتے ہیں کہ مخالف کی فوج میں چیچک کی بیماری پھیلی اور وہ آیت قرآنی کا ترجمہ بھی اپنے مطلب کے موافق درست کر لیتے ہیں۔ بہر حال اصحاب فیل کے واقعہ سے عبدالمطلب جد رسول ﷺ تمام قریش میں بہت ممتاز سمجھے جانے لگے اور اس کے پہلے بھی وہی اہل مکہ کے سردار سمجھے جاتے تھے۔

❀❀❀❀

Marfat.com

ولادت رسول عربی ﷺ

حضرت عبداللہ کی ذاتی صفات کے علاوہ یہ واقعہ کہ وہ خدا کی راہ میں ذبح ہونے والے تھے مگر قرعہ ان کے نام نکلا خاص طور پر ان کی شہرت کا باعث ہوا۔ نسبت کے پیغام اشراف عرب کی طرف سے آنے لگے۔ آمنہ بنت وہب ابن مناف پسند کی گئیں۔ عبداللہ ان کے ساتھ بیاہے گئے۔ 12 ربیع الاول کو محمد رسول اللہ رحمۃ للعالمین پیدا ہوئے۔ مورخین 20 اپریل 571ء پر متفق ہیں۔

آنحضرتؐ کی پیدائش کے قبل حضرت عبداللہ وفات پا چکے تھے۔ ان کی وفات مدینہ منورہ میں بحالت سفر ہوئی۔ اس لئے ولادت ہوتے ہی آنحضرت ﷺ کی کفالت اُن کے دادا عبدالمطلب نے اپنے ذمہ لے لی جس کا بیان آگے آئے گا۔ عرب میں دستور تھا کہ شہر کے باشندے اپنے بچوں کو پرورش کے لئے باہر بھیج دیتے تھے۔ شہر سے باہر کی آب و ہوا اچھی ہوتی تھی۔ غرضیکہ اسی لحاظ سے یہ دستور جاری تھا کہ بدوی عورتیں فصل ربیع اور خریف میں یعنی سال میں دو مرتبہ مکہ میں آتی تھیں اور بچوں کو پرورش کے لئے لے جاتی تھیں جو لوگ اپنے بچوں کو باہر بھیج نہ سکتے تھے وہ برادری میں ہیٹے سمجھے جاتے تھے۔

عبدالمطلبؓ کے لڑکے اور لڑکیوں کے نام لکھنے مناسب ہیں کیونکہ ان کے تذکرے اکثر اس کتاب میں آئیں گے۔

حضرت عبدالمطلب کے بیٹے:

(۱) ابولہب (۲) حضرت عباسؓ (۳) قثم (۴) الغیداق (۵) عبدالکعبہ (۶) حضرت ابوطالب (۷) ضرار (۸) حضرت عبداللہ (۹) المقوم (۱۰) الحرث (۱۱) حجل (۱۲) الزبیر (۱۳) حضرت حمزہؓ (۱۴) عاتکہ (۱۵) صفیہ (۱۶) بیضا (ام حکیم) (۱۷) امیمہ (۱۸) برہ (۱۹) اروی۔

ابولہب کی اولاد:

(۱) عتبہ (۲) عتیبہ (۳) خالد (۴) سبیعہ۔

حضرت عباسؓ کی اولاد:

(۱) حضرت عبداللہؓ (۲) حضرت فضلؓ (۳) کثیرؓ (۴) امینہؓ (۵) صفیہؓ (۶) ام حبیبہؓ (۷) صبیح (۸) مسہر (۹) عبیداللہ (۱۰) تمام (۱۱) الحرث (۱۲) قثم (۱۳) معبد (۱۴) عبدالرحمٰنؓ۔

حضرت ابی طالب کی اولاد:

(۱) حضرت علیؓ (۲) طالبؓ (۳) عقیلؓ (۴) جعفرؓ (۵) ام ہانیؓ (۶) طلبون (۷) حجانہ۔

حضرت عبداللہ سے نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے۔

المقوم کی اولاد میں ہند ہیں۔

Marfat.com

الحرث کی اولاد:

(۱) عبداللہ (۲) ابوسفیان (۳) امیہ (۴) نوفل۔

حجل سے مرۃ ہوئیں۔

الزبیر کی اولاد:

(۱) عبداللہ (۲) ام الحکیم (۳) حبا (۴) طاہر۔

حضرت حمزہ کی اولاد:

(۱) عمارہؓ (۲) فاطمہؓ

عاتکہ کی اولاد:

(۱) عبداللہ (۲) زہیر (۳) قریبہ

صفیہ کی اولاد:

(۱) زبیر (۲) سایت (۳) عبدالکعبہ (۴) صفیہ (۵) ام حبیبہ۔

بیضا (ام حکیم) کی اولاد:

(۱) عامر (۲) اروی (۳) ام طلحہ

امیمہ کی اولاد:

(۱) عبداللہ (۲) ابواحمد (۳) عبیداللہ (۴) زینب (۵) ام حبیبہ (۶) حمنہ۔

برہ کی اولاد:

(۱) ابوسلمہ (۲) ابوسرہ۔

اروی کی اولاد:

(۱) طیب (۲) فاطمہ

نبی کریم ﷺ کے بارہ چچا اور چھ پھوپھیاں تھیں جن میں سے حضرت زبیر، حضرت ابی طالب اور حضرت عبداللہ تین بھائی، امیمہ، برہ، ام حکیم اور اروی چار بہنیں، یہ ساتوں ایک ماں فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ممکن ہے کہ کچھ نام چھوٹ گئے ہوں لیکن جہاں تک دریافت ہوا۔ حضرت عبدالمطلب کے انیس لڑکے اور لڑکیاں تھیں اور پھر ان سب کی اولاد کی تعداد ۵۹ تک پہنچتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی دادی کا نام فاطمہ تھا اور یہی نام آپ کی دو بہنوں اور صاحبزادی کا بھی تھا۔ اسی طرح آپؐ کے والد کا نام عبداللہ تھا اور دیگر پانچ بھائیوں کا بھی یہی نام تھا اس لئے بلاکنیت ان کے ناموں کا کہیں ذکر نہیں ملتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی اولاد:

الطیب اور الطاہر کو طاہر، طیب و مطیب اور مطہر بھی کہتے ہیں۔ یہ واضح نہیں کہ یہ دونوں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے بطن سے غالباً توام پیدا ہوئے اور وہ بہت ہی کم زندہ رہے۔ ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے اور سات برس کی عمر پائی۔ باقی کل اولاد قاسم، زینب، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمہؓ، یہ پانچوں علی کثیر الاقوال حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ قاسم قبل از نبوت مکہ میں پیدا ہوئے اور دو برس کی عمر کے بعد وفات پائی۔

Marfat.com

حضرت زینبؓ، ابوالعاصؓ سے بیاہی گئیں۔ حضرت رقیہؓ پہلے عتبہ بن ابی لہب سے پھر زمانہ اسلام کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ سے بیاہی گئیں۔ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد ان کی بہن حضرت ام کلثومؓ بھی حضرت عثمان بن عفانؓ کے عقد میں آئیں۔ حضرت فاطمہؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیاہی گئیں۔

زمانہ رضاعت:

آنحضرت ﷺ نے سات روز تک اپنی ماں حضرت آمنہؓ کا دودھ پیا۔ اس کے بعد چند روز تک ابولہب کی کنیز ثوبیہؓ نے دودھ پلایا۔ اسی ثوبیہؓ کے ذریعہ سے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب، ابوسلمہ مخزومیؓ اور عبداللہؓ ابن جحش اسدی آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی ہوئے۔ ان تینوں نے بھی ثوبیہؓ کا دودھ پیا تھا۔ اس کے بعد جب قبیلہ بنوسعد کی عورتیں لڑکوں کو لینے کیلئے مکہ میں آئیں تو اُن میں ایک غریب عورت حضرت حلیمہؓ سعدیہ بھی تھیں۔ مالدار بچوں کو جب عورتیں لے چکیں تو اُس وقت عبدالمطلب نے چاہا کہ کوئی غریب عورت باقی رہ گئی ہو تو وہ محمد ﷺ کی رضاعی ماں بنے۔ حلیمہؓ نے کوئی بچہ پایا نہ تھا وہ آپؐ کی صورت دیکھ کر فریفتہ ہو گئیں اور خوشی خوشی اپنے گھر لے گئیں۔

آپؐ کے ظاہری اوصاف:

حضرت محمد ﷺ بہت حسین تھے۔ اعضاء مناسب، خندہ پیشانی، گفتگو نہایت فصیح و بلیغ اور سیرت تو ظاہر ہی ہے کہ آج کتنے لوگ اللہ کے بعد ان کے نام کے لینے والے دنیا میں نہایت فخر سے اپنے کو محمدی ﷺ کہنے پر ناز کرتے ہیں۔ بچپن ہی سے آپ کے چہرہ پر غایت درجہ کا حسن برستا تھا۔ حلیمہؓ نے آپ کو پانچ برس تک اپنے پاس رکھا۔ دو برس کے بعد وہ حضرت آمنہ کے پاس لائی تھیں لیکن پھر واپس لے گئیں اور کہہ سن کر حضرت آمنہ کو راضی کر لیا۔ وہ کسی طرح حضرت محمد ﷺ کو جدا کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ وہ اور اُس کے تمام گھر والے عاشق و شیدا تھے لیکن کب تک وہ دوسرے کا بچہ اپنے پاس رکھتے آخر کو وہ مکہ میں پہنچا گئی اور یہاں آپ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری حضرت عبداللہ کی لونڈی ام ایمن کو ملی جو آپ کو ترکہ پدری میں ملی تھی —— جس وقت آپ مکہ میں آئے آپ کی والدہ حضرت آمنہ زندہ تھیں لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد انہوں نے مدینہ کا سفر کیا۔ سفر میں آپ بھی ساتھ تھے۔ مدینہ میں ایک مہینہ قیام ہوا۔ پھر راہ میں حضرت آمنہ نے وصال فرمایا۔ یہ واضح نہیں ہے کہ نعش حضرت آمنہ کی راہ میں دفن ہوئی یا مکہ میں لائی گئی۔ غرضیکہ پیدائش کے پہلے آپ یتیم ہو چکے تھے اور چھٹے سال کے ختم ہونے سے پہلے بے ماں کے بھی ہو گئے۔ حضرت آمنہ کی وفات کے بعد دیکھ بھال بدستور حضرت ام ایمن کی لیکن نگرانی عبدالمطلب کی رہی اور تھوڑے دنوں میں عبدالمطلب اپنی تمام اولاد سے محمد ﷺ کو زیادہ پیار کرنے لگے۔ عبدالمطلب کو مؤرخوں نے بڑا شخص لکھا ہے آنحضرت ﷺ کے قیافہ سے عبدالمطلب بہت متاثر ہوتے تھے اور بڑی امید کے ساتھ پرورش کرتے تھے۔

جب آپ کا آٹھواں سال شروع ہوا تو عبدالمطلب نے بھی ساتھ چھوڑا۔ ان کی وفات پر حضرت ابوطالب آپ کے چچا ولی ہوئے اور پھر انہیں کے ساتھ آپ برابر رہے۔

آنحضرت محمد ﷺ کا جب تیرہواں برس شروع ہوا تو ابوطالب نے شام کا ارادہ کیا۔ مال تجارت لے کر جب وہ چلنے لگے تو آنحضرت محمد ﷺ نے ضد کرتے ہوئے کہا کہ آپ مجھے تنہا کس پر چھوڑے جاتے ہیں۔ ابوطالب یہ تقریر سن کر آبدیدہ ہوئے۔ عمر تو آپ کی سفر کے لائق نہ تھی لیکن انہوں نے بہ نظر شفقت اپنے ساتھ آپ کو بھی لیا۔ اس سفر میں

Marfat.com

بصرے کے قریب بحیرا راہب کا صومعہ تھا۔ قافلہ وہاں ٹھہرا۔ راہب نے پُرانی آسمانی کتابوں کی پیشین گوئیاں مطابق کر کے بیان کیا کہ محمد پیغمبر آخر الزماں ﷺ ہیں۔ اگر شام کی طرف جائیں گے تو وہاں کے علماء یہود ان سے عداوت ظاہر کریں گے۔ اُسی راہب کے مشورہ سے تمام اسباب نفع کے ساتھ ابو طالب نے بصرے میں فروخت کیا اور مکہ واپس چلے آئے۔ سترہویں سال میں حضرت محمد ﷺ نے یمن کا سفر کیا۔ یہ ٹھیک نہیں معلوم کہ زبیر ابن عبدالمطلب یا عباس ابن عبدالمطلب لیکن ان دونوں میں سے ایک صاحب کی معیت میں یہ سفر ہوا اور بخیر و عافیت انجام پایا۔

سن شعور سے نبوت تک

آنحضرت ﷺ کی عمر جب بیس برس سے اوپر ہوئی تو لوگوں کی نگاہیں اور طور پر پڑنے لگیں۔ بچپن کا بھولا پن اور عنفوان شباب کی متانت کے درجے طے ہوئے تو اب لوگوں میں ان کا وقار بڑھنے لگا، بڑے بوڑھے ان کا لحاظ کرتے تھے۔ یہ خبر عام طور پر مشہور ہوئی کہ محمد ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ امانت میں خیانت نہیں کی۔ کسی عورت کی طرف نظر بد سے نہیں دیکھا۔ نہ کسی کی غیبت کی اور نہ کسی سے ترش رو ہو کر گفتگو کی۔ ان اوصاف پر تمام مکہ آپ کا مداح تھا۔ ہر شخص آپ کے ساتھ ایک خاص عقیدت رکھنے لگا۔ تمام قریش نے آپ کے اوصاف کے لحاظ سے آپ کو ''امین'' کا خطاب دیا۔ عبدالمطلب کا خاندان شریف مکہ سمجھا جاتا تھا اور اُس کے ساتھ ہی گھر میں تمول بھی تھا۔ لیکن سرداری کے ساتھ خرچ لازم ہوتا ہے۔ کچھ سخاوت اور کچھ کثرت اولاد سب سے بڑی بات خدا کی مشیت۔ غرضیکہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی اس خاندان کی مالی حالت خراب ہو چکی تھی۔ اب عمر کا پچیسواں سال شروع ہوا آپؐ کے چچا ابو طالب نے آپ کو صلاح دی کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت باہر لے جائیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ کی ایک مالدار بیوہ، نہایت حسینہ اور عاقلہ تھیں۔ لوگوں کو نفع میں شریک ٹھہرا کر اپنا تجارتی مال باہر لے جانے کو سپرد کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی شان سے بالکل بعید تھا کہ وہ اپنی غرض دوسروں کے سامنے پیش کرتے۔ آپ نے تو حضرت خدیجہؓ سے کچھ تذکرہ نہیں کیا۔ مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے پاس چچا بھتیجے کی گفتگو کسی ذریعہ سے پہنچ گئی اور اُنہوں نے خود اپنی طرف سے درخواست پیش کی۔ آنحضرت ﷺ کو کوئی تامل نہ ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اسباب تجارت کے مہتمم ہو کر آپ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ سفر اپنی عمر کے پچیسویں سال میں آنحضرت ﷺ نے اختیار کیا۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ اور حضرت خدیجہ کا ایک عزیز خزیمہ ابن حکیم یہ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔

اس سفر میں بحیرا راہب کے صومعہ کے پاس نسطورا راہب سے ملاقات ہوئی۔ نسطورا راہب نے بھی بحیرا راہب کی طرح محمد ﷺ کو رسول آخر الزماں بتایا اور آپ بھی بصرے ہی سے قافلہ واپس آیا اور نفع کے ساتھ مال بکا۔ نسطورا راہب کے ملنے کا واقعہ مؤرخوں نے یوں لکھا ہے کہ نسطورا راہب نے اپنے صومعہ سے نکل کر آنحضرت محمد ﷺ کے جسم اور چہرہ کی دیکھ بھال شروع کی۔ کبھی وہ آپ کی طرف نظر کرتا اور کبھی کتاب آسمانی کو پڑھتا اور مقابلہ کرتا تھا۔ اس عجیب حرکت سے خزیمہ کے دل میں شک پیدا ہوا۔ اس نے ''یا آل غالب'' کہہ کر آواز دی۔ تمام قریش دوڑ پڑے۔ نسطورا ڈر کر بھاگا اور بام صومعہ پر چڑھ کر اس نے اپنے عمل کی توضیح بیان کی۔ اس وقت سب کو اطمینان ہوا اور آنحضرت محمد ﷺ کی عظمت سب کے دلوں میں زیادہ ہوئی۔

اس سفر سے پھر کر میسرہ اور خزیمہ نے حضرت خدیجہؓ سے حضرت محمد ﷺ کی بڑی تعریف کی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

کی دولت، حسن، عقل اور سلیقہ پر لحاظ کر کے تمام مکہ کے لوگ اُن سے نکاح کا ارادہ رکھتے تھے لیکن حضرت خدیجہ کسی کو پسند نہ کرتی تھیں۔ اُس وقت دفعتاً اُن کے ذہن میں یہ بات آئی کہ آنحضرت محمد ﷺ سے نکاح کرنا چاہئے۔ ایک عورت نفیسہ نام کی معرفت اُنہوں نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ عورت نے پہلے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ نکاح کیوں نہیں کرتے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ بے زری مانع ہے۔ اُس نے پھر پوچھا کہ اگر کوئی شریف عورت حسن اور جمال کے ساتھ آپ کی خواہش کرے تو آپ کو کیا تامل ہوگا۔ آپ نے کہا ایسی عورت کون ہے؟ نفیسہ نے کہا خدیجہؓ! آنحضرت ﷺ نے کہا خدیجہؓ کس طرح راضی ہوں گی؟ نفیسہ اس قدر تقریر کر کے واپس آئی اور حضرت خدیجہؓ کو خوشخبری سُنائی۔ طرفین راضی ہوئے اور فوراً عقد نکاح ہوا۔

نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کا چچا عمر ابن اسد اور محمد ﷺ کے چچا ابو طالب اور حمزہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ نکاح کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے حسن اور درستی قویٰ کی وجہ سے کم سن معلوم ہوتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ اس نکاح سے بہت محظوظ ہوئے۔ گو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بہت عرصہ تک آنحضرت ﷺ کا ساتھ نہ دیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اخیر عمر تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی یاد دل میں رکھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی پیاری بی بی کے سامنے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ تاسف سے فرماتے تھے۔ اہل اسلام معترف ہیں کہ دنیا میں چار عورتیں نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوگئی ہیں:

1- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا۔
2- فرعون کی بی بی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا۔
3- آنحضرت ﷺ کی بی بی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔
4- آنحضرت کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔

جب آنحضرت ﷺ کی عمر 35 برس کے قریب پہنچی تو خانہ کعبہ کی مرمت شروع ہوئی۔ یہ مکان بوسیدہ ہوگیا تھا اس لئے منہدم کر کے پھر سے بنایا گیا۔ اس کے بنانے میں کل قریش شریک تھے۔ اوروں کی طرح آنحضرت ﷺ بھی پتھر کندھے پر لا لا کر پہنچاتے تھے۔ پہلے خانہ کعبہ کی دیواریں قد آدم سے زیادہ بلند نہ تھیں۔ مکان اوپر سے کھلا ہوا تھا۔ کعبہ کے متعلق جو اسباب اور نقد ہوتا تھا مدفون رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مال چوری گیا اس لئے اس جدید تعمیر میں دیوار بھی بلند کی گئیں۔ اوپر چھت بنائی گئی۔ خانہ کعبہ جب بن چکا تو یہ بحث پیدا ہوئی کہ حجر اسود کو اصل مقام پر کون رکھے۔ لوگ متفق نہ ہوئے۔ نوبت جنگ وجدل کی پہنچا چاہتی تھی کہ ایک سمجھدار شخص نے یہ تجویز کی کہ اگلی صبح جو کوئی پہلے آئے، اسے حکم مقرر کیا جائے۔ اتفاق سے آنحضرت ﷺ سب سے پہلے وہاں پہنچے اور وہی حکم ٹھہرائے گئے۔ حضرت ﷺ نے چادر بچھا کر حجر اسود کو اُس پر رکھا اور کہا کہ ہر قبیلے کا ایک سردار چادر کا کنارہ پکڑ لے۔ اس طرح سب نے مل کر حجر اسود کو اُٹھایا اور موقع پر آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ سے وہ پتھر چادر سے اُٹھا کر اصل جگہ پر رکھ دیا۔ تمام لوگ اس دانشمندانہ حکمت عملی سے خوش ہوئے۔

92299

احوال تعمیر کعبہ:

خانہ کعبہ کا مختصر حال لکھنا اس موقع پر لطف سے خالی نہ ہوگا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اوّل حضرت آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی بنا ڈالی۔ اور پھر غالباً حضرت شیث علیہ السلام نے پتھر اور گارے سے اس کی تعمیر کی۔ طوفان نوح میں یہ مکان

Marfat.com

گر گیا اور پھر یونہی تو دہ سنگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت تک تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کے ساتھ اس کی ازسرنو تعمیر کی۔ پھر چوتھی مرتبہ اس کی تعمیر عمالقہ کے عہد میں ہوئی۔ اس کے بعد قبیلہ جرہم نے تعمیر کی۔ بعض مورخ قبیلہ جرہم کو عمالقہ پر مقدم بتاتے ہیں۔ چھٹی مرتبہ قریش نے اس کی تعمیر کسی قدر تبدیلی ہیئت کے ساتھ کی جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ حضرت عائشہؓ سے ایک حدیث منقول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ قریش نے کعبہ کا وہ طرز بدل دیا جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ بہتر ہوتا کہ وہ پھر اصلی حالت پر کر دیا جاتا اور پورب پچھم اس میں دروازے بنائے جاتے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنے عہد حکومت میں اس حدیث کے موافق کعبہ کو پرانے زمانے کے طرز پر کر دیا۔ عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں جب اس کے سپہ سالار حجاج نے ابن زبیر پر فتح پائی تو خانہ کعبہ کی تعمیر جدید کو بدعت سمجھ کر ازسرنو ویسا ہی کر دیا جیسا کہ پیغمبر خدا ﷺ اور خلفائے اربعہ کے وقت میں تھا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ حجاج کے لکھنے پر عبدالملک نے محمد بن مروان کو اس کام کے لئے تعینات کیا۔ بہر حال اب جو کچھ موجود ہے وہ اسی طرز پر ہے جیسا کہ حجاج یا محمد بن مروان نے بنوایا۔ گو اس کے بعد بھی مرمت ہوتی رہی ہے۔ ہارون الرشید نے چاہا تھا کہ اپنے عہد میں مروانیوں کے نشان کو مٹا کر خانہ کعبہ کو ویسا ہی بنائے جیسا کہ عبداللہ ابن زبیر کے عہد میں تھا لیکن امام مالک نے منع کیا اور کہا کہ ''خانہ کعبہ کو بادشاہوں کا کھیل نہ ٹھہرایئے۔''

رسالت سے ہجرت مدینہ تک

جب آپ کی عمر چالیس برس کے قریب ہوئی تو طبیعت گوشہ نشینی کی طرف مائل ہوئی۔ مکہ کے قریب ایک پہاڑ کا درہ غار حرا کے نام سے مشہور ہے وہاں جا کر اکثر آپ بیٹھتے تھے اور کئی کئی روز تک وہاں رہتے تھے۔ مضمون کو عام فہم کرنے کیلئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ تزکیہ نفس کے لئے آپ وہاں جاتے تھے اور اسی حالت میں ایک خاص فیضان الٰہی کو آپ سے تعلق ہوا جو باعتبار نتیجہ کے رسالت کہا جاتا ہے اور تزکیہ نفس کے بعد جس قوت روح کے ذریعہ سے فیضان الٰہی آپ تک پہنچتا تھا اُس کو اصلاح شرع میں جبرئیل فرشتہ کہتے ہیں۔ اسی حالت تنہائی میں ایک مرتبہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل (پیغمبروں کے پاس خدا کے پیغام لانے والے) کو دیکھا تو کچھ متخوف ہوئے اور گھر آ کر یہ حال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے ایک ذی علم چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل سے تمام حال بیان کیا۔ ورقہ کتب آسمانی سے خبردار تھا۔ اُس نے کہا کہ یہ خدا کا فرشتہ ہے، اس سے ڈرنا نہ چاہیے۔ ابتدائے وحی کے لئے متعدد روایتیں ہیں۔ اُن میں سے ایک یہاں بیان کی گئی۔ پہلے کون آیت اُتری۔ علما نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔ کسی نے سورۂ فاتحہ الحمد للہ رب العالمین الخ کو پہلی وحی بتایا ہے۔ کسی نے اقرا باسم ربك الذی خلق الخ کا ذکر کیا ہے بعد میں وحی تین سال کے لئے رُک گئی تھی۔ زمانہ فترت وحی میں آنحضرت بہت پریشان رہتے تھے۔ جبرئیل کبھی تسکین کے کلمے کہہ جاتے تھے۔ مفسروں نے لکھا ہے کہ تین برس کے بعد وہی روحانی صورت جو غار حرا میں دکھلائی دی تھی اور خدا کی صفات کی تعلیم کر گئی تھی عالم مراقبہ میں میں خدا کا یہ پیغام پہنچا گئی۔

یا ایہا المدثر ٥ قم فانذر ٥ و ربك فکبر ٥ و ثیابك فطہر ٥ و الرجز فاھجر ٥ و لا تمنن تستکثر ٥ و لربك فاصبر ٥ فاذا نقر فی الناقور ٥ فذلك یومئذ یوم عسیر ٥ علی الکافرین غیر یسیر ٥

اس آیت کے اُترتے ہی آپ فرمان الٰہی کے بجا لانے کو اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسلام کا وعظ شروع کر دیا۔

Marfat.com

بعضوں نے لکھا ہے کہ یہی آیت سب کے پہلے اُتری تھی۔

آنحضرت ﷺ کو ابتدا سے عقل سلیم عطا ہوئی تھی۔ آپ شروع سے موحد تھے۔ صادق المقال تھے۔ مسکرات، زنا، بداعمالی، دروغ گوئی وغیرہ اخلاق ذمیمہ سے کنارہ کش تھے۔ اب جب آنحضرت ﷺ کو یقین ہوا کہ ابراہیم عیسیٰ وغیرہ وغیرہ پیغمبروں کی طرح اُنہیں بھی خدا نے اصلاح قوم اور درستی بنی نوع انسانی کے لئے نبی بنایا ہے اور لوگوں کو توحید سکھانے کو اپنا مرسل قرار دیا ہے۔ تو آپ نے ہدایت شروع کی۔ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو دعوت اسلام دی اور فوراً ہی وہ اللہ کی وحدانیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لائیں۔ اُسی روز علیؓ ابن ابی طالب بھی ایمان لائے۔ حضرت عبداللہؓ ابن قحافہ ایمان لائے جو تاریخ اسلام میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بعد ہی حضرت ابوبکر ایمان لائے تھے پھر زید ابن حارثہ حضرت خدیجہ کے آزاد کیے ہوئے غلام ایمان لائے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے تمام دوستوں کو اسلام کی ترغیب دی۔ ان میں سے پانچ اشخاص عشرہ مبشرہ کے بھی ایمان لائے جن کے نام یہ ہیں۔ عثمانؓ بن عفان۔ زبیرؓ بن عوام۔ طلحہؓ بن عبیداللہ۔ سعدؓ بن ابی وقاص۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ عشرہ مبشرہ وہ دس آدمی ہیں جن کے اعمال حسنہ پر نظر کر کے آنحضرت ﷺ نے اُنہیں جنت کی بشارت سنا دی تھی لیکن ہر فرقہ کے مسلمان اِس قول سے متفق نہیں ہیں۔ اس کے دوسرے دن عثمان بن مظعونؓ، ابو عبیدہؓ بن الجراح، ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی، ارقمؓ بن ابی الارقم کو ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کر کے مشرف بہ اسلام کروایا اور پھر اسی سلسلہ میں جعفرؓ بن ابی طالب، ابوذرؓ، عمارؓ بن یاسر اور سعیدؓ بن زید بھی ایمان لائے۔

آنحضرت ﷺ پہلے علانیہ دعوت اسلام نہ کرتے تھے بلکہ خاص خاص احباب اور اُن نے متوسلین میں دعوت محدود تھی۔ کچھ لوگ باہر کے بھی آ کر ایمان لائے تھے مگر بہت کم۔ تین برس یوں ہی گذرے۔ اس کے بعد آیہ کریمہ "فاصدع بما تؤمروا عرض عن المشرکین." "یعنی "حکم کی تعمیل کرو اور مشرکوں سے اعراض کرو" نازل ہوئی۔ اور پھر آنحضرت ﷺ نے علانیہ دعوت اسلام شروع کی۔ یہ پہلے لکھا گیا ہے کہ آنحضرت ابتدائے عمر میں بہت زیادہ ہر دلعزیز تھے۔ لوگ عام طور پر آپ کی عزت کرتے تھے اور دل سے محبت رکھتے تھے۔ لیکن یہ سب باتیں بعثت سے قبل تھیں۔ جب کفار کے مذہب اور بتوں کو آنحضرت ﷺ نے برا ٹھہرایا تو پھر کفار عرب کے نزدیک آپ سے برا کوئی دوسرا نہ تھا۔ کفار کے ہاتھوں سے جو جو اذیتیں آنحضرت ﷺ کو پہنچیں اُن کے تذکرے آگے آتے ہیں۔ اس وقت مختصر طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ ابتدا میں جس طرح تمام نبیوں یا قومی مصلحوں کو صعوبتیں اُٹھانی پڑی تھیں، اُسی طرح آنحضرت ﷺ کو بھی زحمتوں کا سامنا ہوا۔ لوگوں نے بے ادبیوں کا کوئی درجہ اُٹھا نہیں رکھا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی۔ "یا معشر قریش۔ یا بنی فہر۔ یا بنی غالب۔ یا بنی لوی۔ یا بنی عدی" مکہ کے باشندے چھوٹے بڑے آ کر جمع ہو گئے۔ دستور تھا کہ کوئی اہم کام پیش ہوتا تھا تو پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی جاتی تھی اور لوگ آواز سن کر جمع ہو جاتے تھے۔ دوڑتے وقت لوگوں نے سمجھا تھا کہ کوئی قومی مرحلہ پیش آیا ہوگا۔ وہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ کی زبان سے جو تقریر سنی گئی وہ یہ تھی: "لوگو! اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے دوسری طرف ایک بڑا لشکر اس لئے چھپا ہے کہ دفعتہً تم پر حملہ کرے اور تم کو تباہ کر دے۔ تو کیا تم اسے باور کرو گے؟ لوگوں نے جواب دیا: "بے شک! اے محمد ﷺ تم سچے ہو اور ہم لوگوں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔ تمہاری بات ہم کیوں جھوٹ سمجھنے لگے؟"

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے کہا کہ تمہارے پیچھے عذاب سخت آنے والا ہے جو بغیر توحید کے رفع نہیں ہو سکتا۔ یہ تقریر سن کر وہ سب اپنے دل میں آنحضرت ﷺ کو غلط سمجھے۔ ابولہب سے نہ رہا گیا اُس نے کہا کہ تمہارے اوقات خراب ہوں بس اسی لیے بلاتا تھا۔ اور یہیں سے سمجھئے کہ کفار اور آنحضرت ﷺ کے درمیان میں کھلی کھلی عداوت کا آغاز ہوا۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ جو برتاؤ اہل مکہ کا تھا اس کی نوعیت برابر بدلتی رہی۔ اب اس نئے مذہب پھیلانے کی وجہ سے وہ کانٹے کی طرح دلوں میں چبھنے لگے اور ''امین'' کی جگہ اُنہیں ''مجنوں'' خطاب دیا گیا۔ جب آپ راہ سے گذرتے تھے تو قریش مذاق کرتے تھے۔ آپس میں کہتے تھے کہ ''یہ شخص بھلا چنگا تھا دفعتہ دماغ پھر گیا کہتا پھرتا ہے کہ مجھ سے اہل آسمان باتیں کرتے ہیں اور یہ آسمان کی خبر لا کر ہم لوگوں کو سناتا ہے۔'' خیر مجنوں خطاب پانے سے تو چنداں نقصان آنحضرت ﷺ کا نہ تھا۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ نے بتوں کو باطل کہنا اور قریش کے آباء واجداد کو جو کفر پر مرے تھے، گنہگار بتانا شروع کیا تو اُس وقت قریش کو صدمہ پہنچا اور وہ آنحضرت ﷺ کی دشمنی پر تل گئے اور پھر آپ نے اُن کی دشمنی سے جو جو اذیتیں اُٹھائیں اُن کی کوئی حد نہیں رہی۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے خاندان کے چالیس مردوں کو دعوت کی تقریب سے جمع کیا۔ ان میں حضرت ابو طالب، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور ابولہب بھی شامل تھے۔ موقع پا کر آپ نے اپنی رسالت کا ذکر چھیڑا اور یہ چاہا کہ گھر والوں میں سے کوئی ایک بھی آپ کا ساتھ دینے کو آمادہ ہوتا تو بڑی تقویت ہوتی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن علیؓ ابن ابی طالب کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے بڑی ہمت اور جرأت سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس مجمع میں سب سے کم سن میں ہوں مگر اس مشکل خدمت کے بجالانے کو تیار ہوں۔

مسٹر کارلائل اس موقع کو یوں لکھتے ہیں: ''اس مجمع میں علیؓ کا باپ ابو طالب جو حضرت محمدؐ کا دشمن نہ تھا موجود تھا۔ تاہم سب کو ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ (محمد ﷺ) اور ایک سولہ برس کے لڑکے (علی رضی اللہ عنہ) کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں مل کر تمام دنیا کے خیالات کے خلاف کوشش کریں گے ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی اور سب لوگ قہقہہ لگا کر منتشر ہو گئے مگر آئندہ چل کر ثابت ہوا کہ یہ بات ہنسی کے لائق نہ تھی بلکہ سب ٹھیک اور درست تھی۔''

کدورت بڑھنے پر ابولہب اور عتبہ بن معیط آنحضرت ﷺ کے گھر کے قریب عین گذرگاہ پر گندی چیزیں جمع کر دیتے تھے۔ اور غرض اس سے صرف آنحضرت ﷺ کو دق کرنا ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ تحمل سے کام لیتے تھے اور بس اتنا ہی فرماتے تھے: ''کیا حق ہمسائیگی یہی ہے؟'' اور کچھ نہ بولتے تھے۔ یوں ہی آہستہ آہستہ قریش کی طبیعتیں فساد کی طرف بڑھتی گئیں اور آنحضرت ﷺ سے عداوت، لوگوں کے دل میں جگہ پکڑتی گئی۔ موسم حج میں جب لوگ باہر کے آتے تھے تو آنحضرت دعوت اسلام کرتے تھے اور بعض بعض ایمان بھی لاتے تھے۔ ایسے موقع پر ابولہب سخت بے ادبیاں کرتا تھا آنحضرت ﷺ تو لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے اور یہ کمبخت پتھر مارتا تھا اور لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ یہ شخص ساحر ہے، شعبدہ باز ہے، شاعر ہے اور کذاب ہے۔ کبھی وہ یہ بھی کہتا تھا کہ ''اس شخص کا دماغ پھر گیا ہے، تم لوگ اس کی باتیں کیا سنتے ہو؟'' آنحضرت ﷺ یہ سب کچھ سنتے تھے لیکن کچھ نہ بولتے تھے اور اپنے کام سے واسطہ رکھتے تھے۔

تبت یدا ابی لھب و تب ○ ما اغنی عنه ماله و ما کسب ○ سیصلی نارا ذات لھب ○ و امراته حمالة الحطب ○ فی جیدھا حبل من مسد ○

یہ سورۃ اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی۔ ابولہب کی بی بی ام جمیل بھی آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اپنے شوہر کی شریک

Marfat.com

تھی اس لئے اس کی مذمت بھی اس سورہ میں کی گئی ہے۔ ایک مرتبہ اکابر قریش جمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ موسم حج قریب ہے۔ باہر کے لوگ آئیں گے تو محمد ﷺ پھر اپنی سحر بیانی سے کام لیں گے۔ یہ لوگ سیدھے سادے ہیں، دام فریب میں آتے جاتے ہیں۔ اس کی روک تھام ضرور ہے۔ سب نے کہا کہ محمد ﷺ ایک شریف خاندان کا ہے۔ بہ ظاہر صورت شکل بھی اچھی ہے۔ فصیح البیان ہے۔ ہم کوئی ایسا حیلہ اُس کے مقابلہ میں نہیں کر سکتے جس سے لوگ اس سے نفرت کریں۔ اگر ہم اس کو مجنوں کہیں گے تو لوگ ہم ہی کو مجنوں کہیں گے۔ اخیر میں یہ رائے قرار پائی کہ گو انہیں ساحر کہنا بھی مناسب نہ ہوگا لیکن سوائے ان کے دوسری تدبیر نہیں ہو سکتی۔ اسی حیلہ سے لوگوں میں نفرت پیدا کی جائے۔ قریش نے سب کچھ تدبیریں کیں لیکن وہ اسے کیا کرتے کہ جس کسی کا اعتقاد جم جاتا تھا وہ پھر کسی کی نہ سنتا تھا۔

ایک مرتبہ کفار مکہ خانہ کعبہ میں بیٹھے آنحضرت ﷺ کا تذکرہ کرتے تھے کہ یہ شخص کھلے بندوں ہم کو اور ہمارے بزرگوں کو برا کہتا ہے۔ اور ہم چپ چاپ سن لیتے ہیں، کوئی بندوبست ہم کو ضرور کرنا چاہئے۔ گفتگو ہو رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ آپہنچے اور طواف کعبہ میں مشغول ہوئے۔ کفار آوازے کسنے لگے اور تعرض کے ساتھ پیش آئے۔ دو مرتبہ آنحضرت ﷺ نہ بولے۔ تیسری مرتبہ آنحضرت ﷺ کو جلال آیا۔ فرمایا قریش تم سنتے نہیں، قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ میں تم کو ذبح کرنے آیا ہوں۔ آنحضرت ﷺ کی گفتگو سے دلوں میں کچھ ایسی ہیبت چھا گئی کہ اُن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خوشامد کی اور ایک طور پر معافی مانگی۔ دوسرے دن کفار نے اپنی ہزیمت پر تاسف کیا اور پھر ایک دل ہو کر آنحضرت ﷺ سے بے ادبی کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حامی ہوئے تو انہیں خوب مارا۔ اُن کے اعزہ بنوتمیم اگر کفار کے ہاتھ سے اُنہیں بچانہ لیتے تو نہ معلوم کیا نوبت اُن کی پہنچتی؟

ایک روز عتبہ بن ربیعہ آنحضرت ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا: "محمد تم اچھے یا عبداللہ" آنحضرت ﷺ نے جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا۔ "تم اچھے یا عبدالمطلب" آنحضرت ﷺ نے پھر سکوت کیا۔ عتبہ نے کہا: "اگر تمہارے نزدیک یہ لوگ اچھے تھے تو اس میں شبہ نہیں کہ یہ بھی بت کی پرستش ویسی ہی کرتے تھے جیسی میں کرتا ہوں۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ان سب سے اچھے ہو تو صاف کہو کہ میں بھی سنوں۔ تم نے ہماری قوم میں ایک تہلکہ ڈال دیا۔ جماعت کو تم نے متفرق کر دیا۔ قومی معبودوں کی بے عزتی کی۔ سب کے باپ دادا کو کافر ٹھہرایا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تمہیں لوگ ساحر اور کاہن کہنے لگے۔ تم جو مانگو میں دینے کو تیار ہوں اس شرط سے کہ تم اپنے ادعا سے باز آؤ۔ اگر تم کوئی حسین عورت چاہتے ہو تو میں اس کا انتظام کر دوں۔ اگر دولت اور مال کی طمع ہو تو میں چندہ سے اتنا مال دوں کہ قوم میں تم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اگر بادشاہت کی طمع ہے تو میں تمہیں قوم کا بادشاہ بھی بنا سکتا ہوں۔ اگر تمہارا واہمہ تمہارے اختیار سے باہر ہے تو کہو کوئی طبیب ڈھونڈ لاؤں کہ تمہارا معالجہ کرے۔ تمہیں صحت ہو جائے تو ہمیں مال خرچ کرنے میں دریغ نہیں ہے۔" جب عتبہ گفتگو ختم کر چکا تو پیغمبر خدا ﷺ نے پڑھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمo حمo تنزیل من الرحمٰن الرحیمo کتاب فصلت آیاتہ قرآناً عربیا لقوم یعلمون...... الخ

جب آنحضرت ﷺ فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقۃ مثل صاعقۃ عاد و ثمود تک پہنچے تو عتبہ نے کہا "بس بس" اور پھر اپنی قوم کے پاس آکر کہا: واللہ میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اُس کا مثل کبھی نہ سنا تھا۔ شاعری، سحر، یا کہانت کو اس سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ میری تو یہ رائے ہے کہ تم محمد ﷺ کو اُس کے حال پر چھوڑ دو۔ بخدا یہ کلام کچھ کر

دکھائے گا۔ اگر دوسروں سے یہ مغلوب ہوا تو تمہارا مطلب بے دردسر حاصل ہوا اور اگر یہ غالب رہا تو اس کی عزت کے ساتھ تمام مکہ والوں کی عزت بڑھے گی۔ میری تو یہی رائے ہے۔ آئندہ جو تم مناسب سمجھو۔ ایک عتبہ کی رائے کیا کرتی۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ جب تک وہ وقت نہیں آیا کافروں کی حالت نہیں بدلی۔

قریش نے کوئی درجہ برائی کا آنحضرت ﷺ کے لئے اُٹھا نہیں رکھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ ہمیشہ صبر اور استقلال سے کام لیتے تھے اور کہتے تھے تو صرف یہ "خدایا تو اس قوم جاہل کو ہدایت دے۔" ایک دن ابوجہل کے اشارے سے عتبہ بن محیط نے کسی جانور کی اوجڑی آنحضرت کے گلے میں ڈال دی ایسی حالت میں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنا سر اُس وقت تک نہیں اُٹھایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی اور اُنہوں نے آکر دوش مبارک کو سکبدوش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ **اللھم علیك بقریش** کہا۔ ابوجہل بن حشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، عتبہ بن ابی معیط، ابی بن خلف اور عمارہ بن عبید جو کہ نبی کریم ﷺ کو ستانے میں پیش پیش رہتے تھے تھوڑے دنوں کے بعد یہ سب مسلمانوں کے ہاتھ سے جنگ بدر میں مارے گئے اور ذلت کے ساتھ گڑھے میں پھینکے گئے۔

عبدالمطلب کے بعد ابوطالب سردار مکہ سمجھے جاتے تھے۔ اُن کے خوف سے کفار آنحضرت ﷺ سے کچھ بول نہ سکتے تھے اور اسی طرح اُن مسلمانوں کا بھی کچھ نہ کر سکتے تھے جن کا کنبہ خوش حال تھا۔ لیکن غریب مسلمانوں کے ساتھ کفار بڑی سختیاں کرتے تھے، گرم ریت پر دھوپ میں سلاتے تھے، گرم پتھر جسم پر باندھتے تھے، دُرے مارتے تھے، دانہ پانی بند کرتے تھے، سبھی کچھ کرتے تھے۔ لیکن جو ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے سامنے توحید اور رسالت کا اقرار کر جاتا تھا پھر وہ اُس سے منحرف نہ ہوتا تھا۔

منجملہ ان مفلس مسلمانوں کے حضرت بلالؓ بن رباح حبشی ایک کافر کے غلام تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بطحا سے مکہ میں دیکھا کہ گرم ریت پر اُنہیں ننگا لٹا کر گرم پتھر اُن کے پیٹ پر رکھ دیا گیا ہے۔ یہ سزا صرف اس لئے تھی کہ وہ دین محمدی سے مرتد ہونا گوارا نہ کرتے تھے اور اُن کے آقا کو اس پر اصرار تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن کے مالک کو سمجھایا۔ مالک نے کہا کہ تمہیں لوگوں نے تو اس غلام کو بہکا کر خراب کیا۔ اب یہ میرے کس کام کا ہے۔ تمہیں ایسا ہی رحم ہو تو مجھ سے خرید لو۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُنہیں خریدا اور فوراً آزاد کر دیا۔ حضرت بلالؓ مرتے دم تک مسلمانوں کے ساتھ رہے۔ آزاد تھے۔ پھر بھی خادموں کی طرح پیغمبر خدا کی خدمت کرتے تھے۔

ہجرت حبشہ:

کچھ غلط فہمی اس طرح واقع ہوئی کہ مہاجران حبشہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مصالحت ہو جانا تصور کر کے حبشہ سے واپس آئے۔ مکہ میں پہنچنے پر خبر غلط نکلی تو پھر واپس گئے اور بہت سے نئے مسلمانوں کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ اس زمانے کو ہجرت ثانی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی مہاجران حبشہ میں سے تھے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اُنہوں نے پہلی مرتبہ ہجرت کی یا دوسری مرتبہ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بہت سے مسلمان متفرق طور پر بھی مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے۔ مہاجران حبشہ کی تعداد بچوں کو چھوڑ کر اسی مرد اور گیارہ عورتیں جملہ اکیانوے تک پہنچ گئی تھی۔

کافروں نے جب دیکھا کہ اہل مکہ مسلمان ہوتے ہیں اور چپ چاپ حبشہ چلے جاتے ہیں تو اُن کی کدورت اور بڑھی۔ چند کفار نجاشی اور اُس کے ارا کین دولت کے لئے تحائف لے کر حبشہ میں پہنچے۔ ارا کین دولت نے نجاشی سے عرض کیا کہ چند آدمی مکہ سے ہمارے ملک میں اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر بھاگ آئے ہیں۔ اُن کے اہل ملک اُن کا دعویٰ

Marfat.com

کرتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ وہ اُن کے حوالے کر دیے جائیں۔ نجاشی نے کہا جب مجھ سے پناہ مانگی جائے تو مجھے پناہ دینا لازم ہے۔ میں اپنے ملک سے ان نو واردوں کو جانے نہ دوں گا لیکن اُنہیں بلانا چاہیے تا کہ ان کے باہمی نفاق کا پتہ چلے۔

یہ مسلمان نجاشی کے دربار میں چلے گئے۔ حضرت جعفر طیارؓ سب کے پیشوا تھے۔ کفارِ مکہ جب دربار میں آئے تو پہلے انہوں نے بادشاہ کو سجدہ کیا اور اُس کے بعد ایک گوشہ میں مؤدب بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر میں مسلمان بھی آئے اُنہوں نے صرف سلام کیا سجدہ نہیں کیا۔ نجاشی کے درباریوں نے مسلمانوں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا "تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہ کیا۔" جعفرؓ طیار نے کہا۔ "ہم مخلوق کو سجدہ نہیں کرتے ہمارے پیغمبر ﷺ نے ہم کو یہی تعلیم دی ہے۔" اس گفتگو سے نجاشی کے دل میں مسلمانوں کی وقعت قائم ہوئی اور اُس نے پوچھا کہ "تم نے اپنے بھائیوں کا دین چھوڑ دیا اور یہود و نصاریٰ کے دین پر بھی تم نہیں ہو تو پھر آخر تمہارا کیا دین ہے؟" جعفرؓ نے کہا کہ "اللہ نے اپنا ایک رسولؐ ہمارے پاس بھیجا ہے جس کے کہنے سے ہم نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا۔ اب ہم اُسی کے دین پر ہیں۔ وہ ہم کو اچھے کام کی ترغیب دیتا ہے اور برے کام سے منع کرتا ہے۔ نماز، زکوٰۃ، صدقہ، صلہ رحم وغیرہ وغیرہ اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔ اُسے سچا سمجھ کر ہم ایمان لائے تو ہمارے بت پرست بھائی ہم کو ایذا پہنچانے لگے۔ ہم میں لڑائی کی طاقت نہ تھی۔ ہم بھاگ کر آپ کی عملداری میں چلے آئے۔" نجاشی نے کہا کہ تمہارے پیغمبر ﷺ پر جو کلام اترتا ہے اُس میں سے تم کچھ سنا سکتے ہو۔ جعفرؓ نے سورۃ کھیعص پڑھ کر سُنائی۔ نجاشی سن کر بے چین ہو گیا۔ اُس پر بڑی رقت طاری ہوئی۔

مسلمان مؤرخوں کا بیان ہے کہ کلام اللہ سن کر نجاشی بولا کہ اس کلام میں وہی رنگ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت میں ہے۔ دونوں کلام ایک ہی طرح کے ہیں۔ کفار نے بادشاہ کو بدظن کرنے کے لئے کہا کہ یہ مسلمان حضرت عیسیٰ ابن مریم کی بھی مخالفت کرتے ہیں۔ جعفرؓ نے کہا ہرگز نہیں پھر آیہ کریمہ: "**هو عبدالله و رسوله و كلمة القاها الى مريم و روح منه** پڑھا۔ نجاشی بولا ٹھیک یہی مفہوم انجیل کا بھی ہے۔ نجاشی کے دربار میں جو تقریر جعفرؓ نے کی اُسے مؤرخوں نے نقل کیا ہے ہم یہاں اُس کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ حضرت جعفرؓ نے کہا:

"اے بادشاہ! ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بت پوجتے تھے۔ مردار گوشت کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں سے بری طرح پیش آتے تھے۔ زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا۔ ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ خدا نے ہمارے ہی قوم کا ایک پیغمبر ﷺ بھیجا جس کی شرافت، نسب، راستبازی، ایمانداری اور پاک دامنی سے ہم خوب واقف تھے۔ اُس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا تا کہ ہم اُسی ایک خدا کو خدا جانیں اور اسی کی عبادت کریں اور بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں جن کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ اُس نے حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اُس کے ساتھ شریک نہ کریں۔ پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر کے بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کو اُس نے فرض بتایا۔ اُس پیغمبر ﷺ نے ہم کو سچ بولنے اور امانت کو اُس کے مالک کے پاس پہنچا دینے اور قرابت داروں سے رعایت یا مروت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور برے اور حرام کاموں اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے اور بن ماں باپ کے بچوں کا مال کھا لینے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ ہم نے اُس کو سچا جانا۔

Marfat.com

اور جو احکام اُس نے خدا کی طرف سے سنایا اُن سب کی پیروی اختیار کی۔ ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اُس کے ساتھ شریک نہیں کرتے اور جو چیز خدا نے ہم پر حرام کر دی ہے اس کو حرام اور جو حلال کر دی ہے اُس کو جانتے ہیں۔ اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور طرح طرح سے ہم کو دُکھ دیا اور ہم کو ہمارے دین سے پھرانا چاہا کہ ہم خدا کو چھوڑ کر پھر بت پوجنے لگیں اور جن بری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے ناجائز سمجھتے تھے پھر اُنہیں جائز جانیں۔ جب اُنہوں نے ہم کو نہایت عاجز کر دیا اور طرح طرح کے ظلم کیے اور نہایت تنگ کیا اور ہمارے دین میں ہمارے مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر اور تجھ کو اور بادشاہوں کی بہ نسبت اچھا جان کر تیرے ملک میں چلے آئے اور یہ امید کر کے کہ تیرے سامنے کوئی شخص ہم پر ظلم نہ کر سکے گا تیری پناہ اختیار کی۔"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سے نجاشی بہت متاثر ہوا اور کلام اللہ کی آیت سن کر کہنے لگا۔

"ٹھیک یہی مفہوم انجیل کا بھی ہے۔ مسلمانو! تم پر اور تمہارے رسول پر مرحبا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ وہی رسول ہے جس کی تعریف انجیل میں میں نے پڑھی ہے اور عیسٰی ابن مریم نے جس کی بشارت انجیل میں دی ہے۔ بخدا انتظام مملکت دامن گیر نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کے ساتھ چل کر اُس رسول برحق کی جوتیاں اُٹھاتا اور آفتابے میں پانی لے کر وضو کراتا۔"

یہیں سے اکثر مسلمان مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ نجاشی مسلمان ہوا اور مرتے دم تک مسلمان رہا۔ نجاشی کی یہ کیفیت دیکھ کر قریش پھٹے مُنہ واپس آئے۔ اُن کے تحفے بھی نجاشی نے لوٹا دیئے۔ اب کفار قریش کو مناسب تو یہ تھا کہ مسلمانوں کی مخالفت سے ہاتھ اُٹھاتے اور اپنے کیے پر پچھتاتے لیکن وہاں کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اس واقعہ نے اُن کی ضد اور بڑھا دی۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام:

نبوت کے چھٹے برس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عم رسول ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب ایمان لائے۔ ان دونوں کے ایمان لانے سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی۔ حمزہ رضی اللہ عنہ نہایت جری اور فن مبازرت کے بڑے ماہر تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بہت باہیبت اور صائب الرائے سمجھے جاتے تھے۔ اُن دونوں کے اسلام نے مسلمانوں کی حالت میں ایک تبدیلی پیدا کی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی کیفیت یوں لکھی ہے کہ ایک روز ابوجہل نے پیغمبر خدا ﷺ کو بہت سے کلمات نامعقول سُنائے۔ آنحضرت ﷺ بہت مغموم تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ گھر پر نہ تھے، شکار کھیلنے باہر گئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو راستہ میں ایک لونڈی نے ابوجہل کا گالیاں دینا اور آنحضرت ﷺ کا سن کر صبر کر جانا بالتفصیل بیان کیا۔ حضرت حمزہؓ علاوہ چچا ہونے کے آنحضرت ﷺ کے برادر رضاعی بھی تھے اور آپؐ سے بہت اُنس رکھتے تھے۔ اس خبر نے انہیں سخت مشتعل کیا اور وہ سیدھے کمان دوش پر رکھے ہوئے ابوجہل کے پاس پہنچے اور پہنچ کر انہوں نے ایک کمان اُس کے سر پر ایسی ماری کہ خون جاری ہو گیا اور کہا۔ "تو جانتا نہیں کہ میں بھی محمد ﷺ پر ایمان لایا ہوں۔" حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے پہلوان سے بھلا وہ کیا بولتا۔ مار کھا کر چپ ہو رہا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے سیدھے آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ جس سے آنحضرت ﷺ کو کمال مسرت ہوئی۔ قریش آنحضرت ﷺ سے بہت بے تکلف ہو چکے تھے لیکن حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام نے اُنہیں باادب کر دیا۔ وہ سمجھے کہ

Marfat.com

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے لڑنا آسان نہیں ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی کیفیت مؤرخوں نے کسی قدر جزوی اختلاف کے ساتھ یوں لکھی ہے کہ ایک دن ابوجہل نے باہم یہ ذکر کیا کہ "کوئی محمد ﷺ کو قتل کر ڈالے تو میں ایک سو اونٹ اور ایک ہزار اوقیہ چاندی انعام دوں گا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس سے بات پکی کر کے قتل کا بیڑا اُٹھایا۔ راہ میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ سن کر کہا کہ محمدؐ کو بعد میں مارنا۔ پہلے گھر کی تو خبر لو کہ تمہاری بہن بھی مسلمان ہوگئی ہے۔ عمر اپنی بہن کے گھر گئے۔ وہاں حالت یہ تھی کہ دروازہ اندر سے بند تھا اور حضرت عمر کی بہن اور اُن کے شوہر حارثؓ کو حضرت خبابؓ رضی اللہ عنہ سورہ طٰہٰ (ایک کاغذ پر لکھی ہوئی) یاد کرا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کی آواز سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ چھپ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر اُن کی بہن نے کہا کہ ہم لوگ باتیں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بکری ذبح کر کے پکانے کو کہا۔ جب وہ پکی تو زن وشو نے ذبیحہ کا فر سمجھ کر اُس کے کھانے سے انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاص اسی غرض سے بکری ذبح کی تھی۔ جب حضرت عمر کو اُن کے مسلمان ہونے کا یقین ہوگیا تو اُنہیں مارنا شروع کیا۔ عورت کو چوٹ زیادہ آئی اس کا خون آلود چہرہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پشیمان ہوئے۔ کچھ دیر ساکت رہ کر اُنہوں نے پوچھا: "اچھا وہ پرچہ کہاں ہے جسے تم لوگ پڑھتے تھے؟" کسی قدر تامل کے ساتھ وہ پرچہ عمر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا اور وہ پڑھنے لگے جب "وان تجهر بالقول فانه يعلم السر و اخفى" تک پہنچے تو کلام الٰہی نے اپنا اثر دکھایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "کیا اچھا کلام ہے۔" حضرت خباب رضی اللہ عنہ اتنا سہارا پا کر گوشہ سے نکل آئے اور بولے عمرؓ مبارک ہو تجھے اسلام۔ رات آنحضرت ﷺ دعا کرتے تھے، اے اللہ! عمر بن ہشام یا عمر بن الخطاب سے اسلام کو عزت دے۔" حضرت عمرؓ اُسی وقت آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور مسلمان ہو گئے۔

کفار کی ضد بڑھ رہی تھی۔ بہت سے مسلمان حبشہ چلے گئے تھے۔ جو مکہ میں تھے کفار سے کنارے رہتے تھے۔ اور کفار کی بے ادبیوں کا خوف اُنہیں ہر دم لگا رہتا تھا۔ خانہ کعبہ میں مسلمان نماز نہیں پڑھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہوتے ہی کہا کہ "نماز خانہ کعبہ میں پڑھنا چاہیے۔ کفار اپنا دین باطل تو نہ چھپائیں اور مسلمان اپنا دین حق چھپاتے پھریں یہ نامناسب ہے۔" آنحضرت ﷺ نے اسے منظور کیا اور عمر رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بہت سے اصحاب کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف چلے۔ وہاں کفار انتظار کر رہے تھے کہ عمر آنحضرت ﷺ کا سر لاتا ہوگا اور پھر دیکھا تو یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ وہ چلے آتے ہیں اور کعبہ میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ یہ دیکھ کر کفار کو سخت حیرت ہوئی اور کچھ خوف بھی اُن پر غالب ہوا۔ تھوڑے مقابلہ کے بعد کفار پسپا ہوئے اور دو رکعت نماز جماعت کے ساتھ خانہ کعبہ میں پڑھی گئی، اُس وقت تک 39 مسلمان تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے پورے چالیس ہو گئے، اسی وقت آیہ کریمہ "يا ايها النبى حسبك الله و من ابتعك من المومنين" نازل ہوئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام کفار مکہ کے لئے زائد اشتعال کا سبب ہوا۔ پہلے نزاع شخصی تھی اور اب قومی جھگڑا شروع ہوا۔ ابتدا میں دس بیس مفسد آنحضرت ﷺ کے مخالف تھے اور اب کل قریش ایک دل ہو کر مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔

شعب ابی طالب:

نبوت کے ساتویں سال شروع ہونے پر ایک روز کفار مکہ نے جمع ہو کر ابو طالب کو بلایا اور صاف صاف لفظوں میں

Marfat.com

سنایا کہ "تم محمد کو ہمارے حوالے کرو کہ ہم اُسے ہلاک کر ڈالیں یا ہم سے جنگ کرو۔" یہ سن کر حضرت ابو طالب گھر پر آئے اور آنحضرت ﷺ کو بلا بھیجا۔ آنحضرت ﷺ کے آنے پر چچا بھتیجے میں گفتگو شروع ہوئی۔ ابو طالب نے قریش کی گفتگو سنا کر کہا۔ "محمد ہم میں قریش سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے اپنی جان کا خیال کرو، قریش مکہ کے معبودوں کو برا نہ کہو۔" آنحضرت ﷺ نے کہا۔ "اگر آسمان سے آفتاب اور ماہتاب اتر کر میرے داہنے اور بائیں آ جائیں تب بھی میں باز نہیں آ سکتا۔" یا دوسری روایت کے مطابق یہ فرمایا کہ "میں جو کچھ کرتا ہوں خدا کے حکم سے کرتا ہوں۔ آپ کی تخویف مجھے روک نہیں سکتی۔ آپ میری مدد کیجئے تو بہتر ہے، نہیں تو خود اللہ کی مدد مجھے کیا کم ہے۔" آنحضرت ﷺ یہ کہہ کر رونے لگے اور رونے کا مقام ہی تھا۔ ایک طرف دلسوز چچا کی نصیحت اور دوسری طرف خدا کا حکم۔ خدا کا حکم تو ٹالنے کے لائق نہیں اور چچا ہے کہ فرط محبت میں خیر خواہانہ گفتگو کر رہا ہے۔ غرضیکہ آپ وہاں سے افسردہ خاطر اُٹھے اور گھر کا رُخ کیا۔ آنحضرت ﷺ کے مایوس اُٹھنے پر ابو طالب کا دل بھر آیا اور ایک کہن سالہ باعزت بہادر کی حیثیت سے اُنہوں نے کہا۔ "اچھا جاؤ اپنا کام دیکھو۔ جو جی میں آئے کرو۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہارا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔"

ابو طالب نے جب آنحضرت ﷺ کو کفار کے سپرد نہ کیا تو خود کفار آنحضرت ﷺ کی فکر میں ہوئے کہ کسی طرح آپ کو ہلاک کریں۔ ابو طالب نے تمام ہاشمیوں (بنو ہاشم) کو جمع کر کے صورت حال بیان کی۔ سب نے ابو طالب کا ساتھ دیا اور مذہبی لڑائی کی جگہ ایک گونہ خاندانی لڑائی ٹھن گئی۔ بنو ہاشم میں اس وقت تک بہت کم مسلمان تھے لیکن باقتضائے حمیت خاندانی یہ ایک طرف تھے اور تمام قریش دوسری طرف تھے۔ مسلمانوں کو یہ خوف تھا کہ مبادا رات کو یا دن کو اچانک قریش حملہ آور ہوں اس لئے آنحضرت ﷺ مع تمام اصحاب کے ابو طالب کے وسیع مکان میں چلے آئے اور وہیں تمام بنو ہاشم بھی رہنے لگے۔ اس مکان کو ایک گھاٹی فرض کرنا چاہئے مؤرخوں نے اسے شعب لکھا ہے۔ ماہ محرم کی پہلی تاریخ کا یہ واقعہ ہے۔ کفار نے یہ حالت دیکھ کر لڑنے کی تو ہمت نہ کی۔ لیکن آپس میں اتفاق کر کے اس شعب کے رہنے والوں کو اپنی قوم سے علیحدہ کر دیا۔ اہل شعب کے ساتھ اُنہوں نے مناکحت مبایعت مخاصمت بند کر دی اور ایک عہد نامہ لکھا گیا کہ جب تک اہل شعب محمد ﷺ کو قتل کے لئے اہل مکہ کے سپرد نہ کر دیں ان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ ہوتا رہے۔ یہ عہد نامہ در کعبہ پر آویزاں کیا گیا اور نقل اُس کی ابو جہل کی خالہ ام الجلاس کی محافظت میں رکھی گئی۔ شعب سے جب کوئی نکلتا تھا تو لوگ اُس کو مارتے تھے۔ بازار میں چیز خریدنے یا بیچنے نہ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ایام حج میں شعب سے باہر نکلنے نہ دیتے تھے۔ انسان کی فطرت یوں رکھی گئی ہے کہ ایک دوسرے سے استعانت چاہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس قید نے اہل شعب پر بڑی مصیبت ڈالی۔ جسمانی اور روحانی تکلیف کے علاوہ رزق کی تنگی بھی شروع ہوئی۔ ناتے کنبے والے جب کبھی چھپ کے کوئی چیز بھیجتے تھے اور لوگوں کو خبر ہو جاتی تھی تو وہ اپنے ہم نشینوں میں رسوا کیے جاتے تھے اور بد عہد قرار پاتے تھے۔ تین برس یوں ہی گذرے۔ اہل شعب کی حالت روز بروز زبوں ہونے لگی۔ ان کے لڑکے بھوک سے شور مچاتے تو رات کو پڑوسیوں کی نیند حرام ہو جاتی تھی۔ شروع میں جو تکلیف اہل اسلام کو اٹھانا پڑی آج اُس کا عشر عشیر بھی مسلمانوں پر پیش کیا جائے تو ایک بھی اُس کا متحمل نہ ہوگا۔

کب تک وہ لوگ انسانی حمیت سے کام نہ لیتے۔ آخر اُن لوگوں کو اصحاب محمد ﷺ پر رحم آیا۔ سب سے پہلے ہشام بن عمر بن حارث کے دل میں یہ خیال گذرا کہ ہم اور ہمارے بچے کھاتے پیتے ہیں اور بنو ہاشم فاقے کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں۔ ابو جہل کے اپنے بنو ہاشم کی سی حالت میں ہوتے اور ہم لوگ ابو جہل سے شرکت چاہتے تو وہ ہرگز ہم لوگوں کا

Marfat.com

شریک نہ ہوتا۔ یہ کیا حماقت ہوئی کہ لوگوں کے بہکانے سے ہم لوگ اپنے اعزہ یعنی بنو ہاشم سے الگ ہو گئے۔ ابو جہل کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ محصر نامہ لکھانے میں زیادہ تر وہی آگے تھا۔ ہشام نے زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن الاسود کو بھی اپنا ہم خیال بنایا۔ دوسرے دن یہ لوگ قریش کے مجمع میں جا کر بیٹھے۔ زہیر کہنے لگا: ''یا معاشر القریش کیا یہ مناسب ہے کہ ہم لوگ اپنے بال بچوں میں عیش سے بسر کریں۔ اور بنو ہاشم ہمارے عزیز ہو کر فاقہ کشی سے زندگی کریں۔'' ابوجہل نے کہا تم ہنستے ہو عہد نامہ سے تم ہرگز نہ پھرو گے۔ زمعہ نے بھی عہد نامہ کے نامناسب ہونے پر گفتگو کی اور کہا کہ ''ہم لوگ تو اچھی طرح سے راضی بھی نہ ہوئے تھے کہ جھٹ پٹ وہ مکمل کر لیا گیا۔'' ہشام، مطعم اور ابوالبختری نے بھی یکے بعد دیگرے اسی تحریک کی تائید کی اور رنگ محفل کا بالکل بدل گیا۔ ابوجہل بولا یہ باتیں قابل لحاظ نہیں ہوسکتیں۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ابو طالب وہاں پہنچے اور کہنے لگے کہ ''جو عہد نامہ تم لوگوں نے لکھا ہے اس میں کیڑے لگ گئے ہیں۔ نام خدا کے سوا کوئی حرف پڑھا نہیں جاتا۔ محمد ﷺ نے مجھ سے ایسا بیان کیا ہے۔ اس پرچہ کو طلب کروا اگر یہ بیان سچ نکلے تو ہم لوگوں کو زحمت سے نکالو اور غلط نکلے تو محمد ﷺ کو ہلاک کرو۔'' پرچہ طلب کیا گیا اور آنحضرت ﷺ کا کہنا سچ نکلا۔ وہ کاغذ دیکھ کر پانچوں اشخاص مجلس سے اُٹھے اور کہنے لگے ہم ان ردی کاغذ کے پابند نہیں ہو سکتے۔ مطعم نے وہ کاغذ پھاڑ ڈالا۔ اکثر قریش اس کے پھٹنے پر راضی معلوم ہوئے۔ پھر اُسی دن درشعب پر وہ پانچوں آدمی آئے اور ہر ایک کو اُس کے گھر پہنچایا۔ مسلمان جس طرح پہلے رہتے تھے اسی طرح رہنے لگے۔ 3 برس تک مسلمان اس شعب میں تھے۔ دسویں سال نبوت کا یہ واقعہ ہے۔ اسی سال میں فارسیوں نے رومیوں پر فتح پائی۔ اس خبر کے سننے سے کفار مکہ نے بڑی خوشی کی۔ وہ کہنے لگے جس طرح اہل فارس نے رومیوں پر جو اہل کتاب تھے فتح پائی اُسی طرح ہم لوگ بھی اِن کتاب والے مسلمانوں پر بھی ہمیشہ غالب رہیں گے۔ اُسی وقت آیۃ ''الم o غلبت الروم o فی ادنی الارض و ھم من بعد غلبھم سیغلبون o فی بضع سنین o'' اُتری۔ اس آیت کی پیشین گوئی 9 برس بعد پوری ہوئی۔ نو برس کی مدت کو بضع کہتے ہیں۔ حدیبیہ میں معلوم ہوا کہ رومیوں نے فارسیوں پر فتح پائی۔

عام الحزن:

نبوت کے دسویں سال ابوطالب نے وفات پائی۔ مرتے دم اُن کے پاس قریش آ کر جمع ہوئے اور کہنے لگے: ''اپنے بھتیجے محمد ﷺ سے کچھ جنت کے میوے منگواؤ کہ اس وقت کی تکلیف رفع ہو۔'' ابوطالب نے فوراً ہی آدمی بھیجا۔ آنحضرت ﷺ نے تو جواب جاہلاں باشد خموشی پر عمل کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صاف کہہ دیا کہ جنت کے میوے کفار کے لئے نہیں ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت ﷺ خود ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے چچا آپ کے حقوق مجھ پر بہت زیادہ ہیں۔ آپ میری خاطر سے ایک کلمہ منہ سے کہہ ڈالئے کہ تا روز قیامت میں مجھے آپ کی شفاعت کا موقع ملے۔ ابوطالب نے کہا: کونسا کلمہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ۔'' ابوطالب نے کہا مجھے اس کہنے میں کوئی عذر نہیں ہے مگر خوف یہ ہے کہ لوگ تمہیں چھیڑیں گے اور کہیں گے کہ تمہارے چچا نے موت سے ڈر کر کلمہ پڑھ لیا۔ عرب کے لوگ بڑے ادیب تھے فی البدیہ اشعار موزوں کر دینا اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی۔ آئندہ بعض مقامات پر اشعار نقل کیے جائیں گے۔ ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کے جواب میں جو اشعار پڑھے وہ یہ ہیں:

ودعوتنی و علمت انک ناصحی — و لقد صدقت و کنت فیه امینا

اظهرت دیناً قد علمت بانه — من خیرادیان البریة دینا

Marfat.com

لولا الملامة او حذار مسبة   لو جدتنی مسحاً بذاك مبینا

ان اشعار کے پڑھنے کے بعد یہ شبہ پیدا ہوا کہ ابوطالب مسلمان ہو گئے۔ قریش نے پوچھا "ابوطالب تم اپنے باپ دادا، عبدالمطلب، ہاشم، عبد مناف کے دین پر نہیں مرتے؟ ابوطالب نے کہا میں اپنے بزرگوں کے دین پر مرتا ہوں۔ اگر یہ گفتگو نہ ہوتی تو شاید ابوطالب کا مسلمان یا غیر مسلمان مرنا بحث طلب رہ جاتا۔ اور گفتگو تو اب بھی ہے کہ مرتے دم اُن کے ایمان کی کیا نوعیت تھی؟ حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب کا قول ہے کہ مرتے دم ابوطالب کے لبوں کو جنبش تھی اور کلمہ توحید زبان سے جاری تھا۔ غرضیکہ اس قدر بالاتفاق ثابت ہے کہ اخیر وقت تک ابوطالب بہی خواہ محمد ﷺ رہے اور مرتے دم عبدالمطلب کے بیٹوں سے آنحضرت ﷺ کی حفاظت اور حمایت کے لئے وصیت کر گئے۔

ابوطالب کی وفات کے چند دنوں کے بعد حضرت خدیجہ کبریٰ (رضی اللہ عنہا) زوجہ محمد (رسول اللہ ﷺ) نے انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ کو ابوطالب اور خدیجہ رضی اللہ عنہ کے مرنے کا بڑا غم ہوا اور اسی لیے اس سال کو آنحضرت ﷺ نے عام الحزن یعنی رنج کا سال کہا۔ ابوطالب اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موت نے کافروں کو دلیر کر دیا۔ اُنہوں نے پھر زیادتی شروع کر دی۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ پر کافروں نے راہ چلتے خاک ڈال دی۔ آپ اندر آئے تو آپ کی کسی لڑکی نے تمام جسم سے خاک جھاڑی۔

اہل طائف کی بدسلوکی:۔

ابولہب کی کنارہ کشی سے اب مکہ اس قابل نہ رہا کہ آنحضرت ﷺ وہاں قیام کرتے۔ لوگ بے طرح بے ادبیاں کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے نواح مکہ میں دعوت اسلام کا ارادہ کیا اور اس غرض سے مع اپنے خادم زیدؓ بن حارثہ کے قبیلہ بنی بکر میں قحطان کے پاس تشریف لے گئے۔ لیکن کہیں ٹھہرنے کی صورت نظر نہ آئی۔ صرف یہی نہیں کہ وہ لوگ اسلام کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ بلکہ اہل مکہ کی طرح وہ لوگ بھی ایذا رسانی کے درپے ہوئے۔ شور کرتے تھے۔ آوازے کستے تے۔ پتھر مارتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ جہالت میں وہ کسی طرح اہل مکہ سے کم نہ تھے۔ تھوڑے دنوں تک باہر رہ کر جب آنحضرت ﷺ پھرے تو راہ میں چند مسلمانوں سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ "طائف میں بے ہودہ لوگوں نے جو کچھ آپ کے ساتھ برتاؤ کیا اہل مکہ اس سے واقف ہیں یہاں بھی چند بے فکرے آپ کے لئے تیار کیے گئے ہیں۔ مکہ چلنا کسی طرح مصلحت نہیں۔" آنحضرت ﷺ کوہ حرا پر ٹھہرے اور سرداران مکہ کے پاس پیغام بھیجا لیکن کسی نے آپ کو اپنی حمایت میں لینا پسند نہیں کیا۔ اخیر میں مطعم بن عدی راضی ہوا اور کوہ حرا سے آنحضرت ﷺ کو ساتھ لایا اور لوگوں کے پوچھنے پر بولا کہ میں محمد کا مجیر اور حمایتی ہوں۔ دستور جاہلیت کے موافق پھر کوئی آنحضرت ﷺ سے بول نہ سکتا تھا۔ مطعم بن عدی آنحضرت ﷺ کو اپنے گھر لے گیا۔ اور اُس کے تمام گھر والے آنحضرت ﷺ کی محافظت کرنے لگے۔ اور چند روز تک آنحضرت ﷺ اور اُن کے اصحاب امن سے ساتھ رہے۔

آنحضرت ﷺ کا عقد حضرت عائشہ بنت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہم سے اسی سال ہوا۔ وقت نکاح کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر سات سال تھی اس لئے زفاف بعد واقع ہوا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ثیبہ تھیں۔ نکاح کے بعد ہی آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہنے لگیں۔ ان دونوں نکاحوں میں خولہ بنت حکیم ثالث تھیں انہیں نے دونوں نسبتیں ٹھہرائی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عقد کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے سے شخص کا داماد ہونا باعث فخر سمجھے۔ اور آنحضرت ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے

سے باثر دوست کی دوستی کو اور استحکام ہوگا۔

نبوت کے گیارہویں سال قبیلہ خزرج کے چار یا چھ شخص جو مدینہ سے حج کرنے آئے تھے، مسلمان ہوئے۔ اُنہوں نے مدینہ میں جا کر آپ کا ذکر کیا اور یہی گویا ہجرت مدینہ کی بنیاد پڑی۔

مسلمان مؤرخوں کا بیان ہے کہ نبوت کے بارہویں سال آنحضرت ﷺ نے رات کے وقت آسمان کی سیر کی جسے اصطلاح شرع میں 'معراج' کہتے ہیں۔ اب یہ امر کہ آسمان پر آپ جسد سے گئے یا آپ کی روح گئی۔ عالم بیداری میں ایسا ہوا یا عالم خواب میں۔ "مذہبی بحث ہے یا علمی مناظرہ ہے تاریخی واقعہ نہیں ہے۔ لیکن اتنا معلوم رہے کہ معراج ایک اہم مسئلہ مذہب اسلام کا ہے۔ کوئی مسلمان اس سے انکار نہیں کرسکتا۔

اس سال ایام حج میں بارہ آدمی اور مدینہ کے ایمان لائے اور جب یہ واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے مصعبؓ بن عمیر اور شاید عبداللہؓ بن مکتوم کو بھی دین کی تعلیم کرنے کی غرض سے اُن کے ساتھ کر دیا۔ مصعبؓ کے ذریعے بھی مدینہ میں بہت سے آدمی مسلمان ہوئے۔ غرضیکہ مدینہ میں اسلام کا نام آنحضرت ﷺ کے پہنچنے کے پہلے پہنچ چکا تھا۔ اسی وقت جمعہ کی نماز فرض ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے کہلا بھیجا تو مدینہ میں بھی جمعہ کی نماز ہونے لگی۔

حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ:

تیرہویں سال ایک جماعت کثیر مدینہ سے حج کرنے آئی اور ان میں بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ قریش ڈرے کہ کہیں مدینہ والے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہو کر ہم سے لڑائی نہ کریں۔ لیکن پھر بعد میں یہ شبہ رفع ہو گیا۔ اسی سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت حبشہ کا ارادہ کیا۔ مکہ کو ترک کر کے یہ حبشہ کی طرف چلے۔ راہ سے ایک مشرک ابن الدغنہ انہیں واپس لے لایا اور اہل مکہ سے کہنے لگا کہ "میں نے ابوبکر ایسے برگزیدہ شخص کا ہجرت کرنا ناپسند نہیں کیا۔ میں نے اُنہیں اپنی حمایت میں لیا۔ اب کوئی ان سے مزاحمت نہ کرے۔" کفار قریش نے کہا کہ "ہمیں یہ منظور ہے اس شرط سے کہ ابوبکر خانہ کعبہ میں نماز اور قرآن نہ پڑھیں اپنے گھر میں پڑھیں اور چھپا کر پڑھیں تاکہ ہماری اولاد خراب نہ ہونے پائے۔" چند روز تک ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا اور پھر اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنائی۔ مسجد میں آپ قرآن پڑھتے تھے تو قریش کے زن و فرزند سنتے تھے اور متاثر ہوتے تھے۔ قریش نے ابن الدغنہ سے فریاد کی۔ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ "تم اپنے عہد سے پھر گئے۔ نئی مسجد بنا کر قرآن پڑھنے لگے۔ تم اس فعل سے باز آؤ یا میرے جوار سے نکل جاؤ۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ "ذکر خدا تو میں ترک نہیں کرسکتا۔ رہا تمہارا جوار اسے میں خوشی سے ترک کرتا ہوں اور خدا کی جوار میں پناہ لیتا ہوں۔"

ہجرت مدینہ:

دوسرے سال ایام حج میں حضرت مصعبؓ مکہ میں آئے اور پچھتر آدمیوں کو آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے ساتھ لائے۔ ان لوگوں نے مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ سے استدعا کی کہ آپ مدینہ میں چل کر قیام فرمائیے۔ جب مدینہ والوں سے پورا اطمینان ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانان مکہ کو مدینہ جانے کے لئے عام اجازت دی۔ مکہ میں یہ لوگ زندگی سے بیزار تھے۔ حکم ہوتے ہی انہوں نے روانگی شروع کر دی۔ پہلا شخص جو مکہ سے مدینہ گیا وہ مصعبؓ بن عمیر تھا۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ابن مکتومؓ، عمارؓ بن یاسر، بلالؓ حبشی، سعدؓ بن ابی

ہجرت کے وقت نبی کریم کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ

وقاص روانہ ہوئے۔ان لوگوں کے بعد بیس اصحاب کی جمعیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب وہاں گئے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا لیکن آنحضرت ﷺ نے روک دیا اور کہا۔"تم میرے ساتھ چلنا عنقریب ایسا حکم ہوا چاہتا ہے۔"

اہل مدینہ کے مسلمان ہونے اور مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کرنے سے کفار قریش بہت خائف ہوئے، ڈرے کہ محمدیوں نے زور پکڑا تو بدلہ ضرور لیں گے۔اور سب نے مل کر شوریٰ کی۔ پہلے آنحضرت ﷺ کا قید کرنا پھر جلاوطن کرنا شوریٰ میں پیش ہوا۔آخر میں ابوجہل نے یہ رائے دی کہ محمد ﷺ ہلاک کیے جائیں اور کثرت رائے سے یہی تجویز پائی۔ ہر قبیلہ سے ہلاکت محمد ﷺ کے لئے دو ایک شخص چنے گئے۔اس خیال سے کہ کل مکہ والوں سے بنوعبدمناف کو بدلہ لینے کی جرأت نہ ہوگی۔اور اگر خون بہا پر وہ راضی ہوئے تو سب مل کر دیت دیں گے۔ایک شب منتخب اشخاص آنحضرت ﷺ کے گھر پر آئے اور ادھر اُدھر وقت اور موقع کی تلاش میں ٹہلنے لگے۔آنحضرت ﷺ کو پہلے سے خبر مل چکی تھی اور آپ ہجرت مدینہ کے لئے اجازت بھی پا چکے تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی خواب گاہ میں سلا کر آنحضرت ﷺ دبے پاؤں گھر سے نکل گئے۔دیر کے بعد کفار مکان میں گھسے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خوابگاہ رسولؐ پر سوتا پایا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پر گئے وہاں بھی اُنہیں نہیں پایا تب سمجھے کہ شکار ہاتھ سے جاتا رہا۔گو آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بال بیکا نہ ہوگا۔لیکن پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمت دیکھنا چاہئے کہ اُنہوں نے کس جوانمردی سے معرض ہلاکت میں اپنی جان ڈالنا منظور کر لیا اور یہ پہلا موقع تھا کہ اُنہوں نے پیغمبر خدا ﷺ کی مدد کے لئے جو وعدہ کیا تھا اُس کو سچا کر دکھانے کا ارادہ کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دن ہی کو سب باتیں آنحضرت ﷺ نے کہہ دی تھیں۔روانگی کا سامان درست کر لیا گیا تھا۔پروگرام یہ تھا کہ اپنے اپنے مکان سے دونوں رات کو پیادہ پا مدینہ کا راستہ پکڑیں۔غار ثور تک پہنچ کر ٹھہر جائیں اور تین روز تک اسی غار میں چھپے رہیں کہ اتنے عرصہ میں کفار اپنی تلاش پوری کر چکیں گے۔عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ اگلے دن کفار قریش کی آہٹ لے کر رات کو غار میں آئیں اور خبر پہنچائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد غلام عامر بن فہیرہ کے متعلق یہ خدمت کی گئی کہ وہ رات کو دودھ غار میں پہنچایا کرے۔ ایک رہبر بھی قبیلہ بنی دیل سے ٹھہرایا گیا تھا کہ وہ تیسرے دن یا تین دن کے بعد غار ثور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دونوں اونٹوں کو لائے اور وہاں سے مدینہ تک راہ بتائے۔

اس رات کو جن اشخاص نے آنحضرت ﷺ کے قتل کا بیڑا اُٹھایا تھا اُن کے نام یہ ہیں۔ابوجہل، حکم بن ابی العاص، عتبہ بن ابی معیط، نظر بن الحارث، امیہ بن خلف، ابن عیطلہ، طلحہ بن عدی۔ابولہب، ابی بن خلف، ان کے علاوہ دو چار اشخاص اور بھی تھے۔ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو بہت تلاش کیا لیکن وہ مکہ میں تھے ہی نہیں ملتے کیونکر۔آپؐ اپنے دوست ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر سے نکل کر مکہ سے ڈھائی میل کے فاصلہ پر غار ثور میں جا چھپے تھے۔راستہ میں آنحضرت ﷺ برہنہ پا انگوٹھوں کے بل چلتے تھے کہ کفار سراغ نہ پائیں۔لیکن کفار نے آپ کا تعاقب غار ثور تک کیا۔ اللہ کی قدرت۔غار کے منہ پر مکڑی کے جالے پیدا ہو گئے۔کفار نے کہا بھلا اس میں کوئی کیا چھپا ہوگا۔کفار کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور خوف سے کانپ کر کہا کہ ہم تو دو ہی ہیں۔آنحضرت ﷺ نے کہا ڈرو نہیں تیسرا اللہ ہے۔غرضیکہ اللہ کے نام لینے والے یوں کفار کے ہاتھ سے بچے۔غار ثور سے کفار واپس آئے۔مکہ میں ابوجہل نے آنحضرت محمد ﷺ اور

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گرفتاری کے لئے انعامی اشتہار دیے اور لالچی کفارہ بروقت اسی جستجو میں ادھر اُدھر پھرنے لگے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ غار میں پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور رہنے کے قابل بنایا۔ زمین کو صاف کیا۔ اور کپڑے پھاڑ کر سوراخوں کو بند کیا ایک سوراخ بند کرنے سے رہ گیا تھا اُس میں اپنا انگوٹھا لگا دیا۔ کسی موذی جانور نے انگوٹھے میں کاٹ کھایا آپ نے اُس کی تکلیف بھی گوارا کی۔ روز روشن ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برہنہ دیکھ کر آپ نے استفسار کیا اور پھر اُن کی غائت انہاک اور فرط خیر خواہی دیکھ کر مرحبا کہا اور فرمایا۔ ''یا ابابکر لا تحزن ان اللہ معنا۔'' ابوبکر غم نہ کھاؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

تین دن کے بعد عامر بن فہیرہ کے ساتھ عبداللہ بن اریقط دیلی غار پر دو اونٹ لیے پہنچے۔ ایک پر یہ دونوں سوار ہوئے اور دوسرے پر آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر کے ساتھ ہوئے۔ راستہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شناسا بہت ملتے تھے۔ سوال پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔ ''ھذا الذی یھدی السبیل'' یہی رہنما ہے۔ اس کے اصلی معنی تو ہوئے راہ آخرت بتانے والا اور لوگ کچھ اور سمجھتے تھے۔ یہ ذو معنی گفتگو سے غرض یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کو کوئی نہ پہچانے۔

آنحضرت ﷺ نے تین دن تک غار ثور میں صرف اس لئے قیام کیا کہ قریش کی دوڑ دھوپ کا زمانہ گزر جائے۔ لیکن قریش نے جو انعام کا لالچ دکھایا تو یہ خبر اس قلیل عرصہ میں دور دور پھیل گئی۔ راہ میں سُراقہ نے انعام کی طمع سے آنحضرت ﷺ کا تعاقب کیا اتفاقاً وہ گھوڑے سے گرا۔ گھوڑا اڑ گیا۔ کچھ ایسا خوف اُس پر طاری ہوا کہ وہ حملہ کی جرأت نہ کر سکا اور آنحضرت ﷺ سے اخلاق سے پیش آیا۔ واپس تو گیا ہی تھا یہ وعدہ بھی کرتا گیا کہ کسی کو پتہ نہ بتلائے گا اور ایسا ہی اُس نے کیا گو اس وقت علانیہ وہ مسلمان نہیں ہوا لیکن بعد کو مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد بریدہ بن الحصیب کی باری آئی۔ اُس نے آپ کو آ کر گھیر لیا لیکن گفتگو کی نوبت آتے ہی پانی پانی ہو گیا۔ فوراً ایمان لایا۔ آپ کے ساتھ مدینہ گیا۔ اسی نے اپنی پگڑی کا ٹکڑا ایک لکڑی میں باندھ کر علم درست کیا کہ مدینہ پہنچتے وقت آنحضرت کے آگے آگے ایک عزت اور سرداری کا نشان رہے۔ راستہ میں ان مسافروں کے کپڑے بہت پھٹ گئے تھے۔ مشہور ہے کہ طلحہؓ بن عبیداللہ شام سے آتے ہوئے راہ میں ملے اور ان جلاوطنوں کے ساز و سامان درست کر دیے۔

❀❀❀❀

ہجرت مدینہ سے وصال رسول ﷺ تک

مدینہ میں آنحضرت ﷺ پہنچے تو لوگوں نے بڑے اہتمام سے استقبال کیا اور آپ کے اصحاب کو بڑی عزت سے لیا۔ پہلے آنحضرت ﷺ قوم بنی عمر بن عوف میں مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر بمقام قبا ٹھہرے اور وہیں مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔ تین دن کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مکہ سے گئے۔ مکہ سے آپ پیادہ پا آئے۔ دن کو چھپتے تھے اور رات کو چلتے تھے۔ اس سفر نے آپ کی حالت زبوں کر دی تھی۔ بنو عمر محلہ قبا میں شہر کے کنارے رہتے تھے۔ جمعہ کو آنحضرت ﷺ شہر کی سیر کو آئے قوم بنی سالم بن عوف میں آپ نے نماز جمعہ پڑھی۔ لوگوں نے پھر وہاں سے جانے نہ دیا۔ آپ نے وہیں قیام کیا اور وہیں مسجد نبوی کی بنا ڈالی۔

مسجد نبوی کو آنحضرت ﷺ نے اور آنحضرت ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا۔ دیوار کچی اینٹوں کی اور لکڑیاں خرمے کی لگائی گئیں۔ سایہ تو پیچھے سے ہوا پہلے قناتی دیوار ایک چبوترہ پر قائم کر لی گئی تھی۔ مسجد میں ایک طرف عام دروازہ رکھا گیا اور ایک طرف کا دروازہ اُن مکانوں کی طرف تھا جو اپنی بیبیوں کے لئے آنحضرت ﷺ نے دیوار مسجد سے ملا کر رفتہ رفتہ بنایا تھا۔ تیسرے دروازے کا نام باب الرحمۃ تھا۔ اس وقت بیت المقدس قبلہ تھا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد کعبہ کی طرف قبلہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد جب نمازیوں کی کثرت ہوئی تو خلیفہ دوم عمر بن الخطاب نے اس مسجد کو وسیع کیا لیکن ساخت نہ بدلی۔ حضرت عثمان بن عفان نے اپنے زمانہ خلافت میں اسے متغیر کیا، پتھر اور گچ سے اس کو منقش اور مستحکم بنایا۔ ولید بن عبدالملک بن عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں یہ اور وسیع کی گئی اور خانہائے ازواج پیغمبر اس میں داخل کیے گئے۔ مامون الرشید نے اس مسجد کو اور بھی رونق دی۔ مامون کو مسجد نبوی سے شاید وہی نسبت ہے جو عبدالملک بن مروان کو کعبہ سے ہے۔ جو لوگ ٹھیٹھ اسلام کے عاشق تھے ان کے نزدیک مسجد نبوی کی زیب و زینت پسندیدہ نہیں ہوئی چنانچہ ذوالنون مصریؒ کی حکایت مشہور ہے کہ جب وہ اوّل اوّل مدینہ میں آئے تو بیتابی کی حالت میں اُنہوں نے تمام مدینہ کی خاک چھان ڈالی انہیں مسجد نبوی نہ ملی۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسجد نبوی حالت اصلی پر ہوگی۔ لوگوں نے جب پتہ بتایا تب وہ کہنے لگے کہ یہ کسی بادشاہ کا محل سرا ہے۔ میں وہ کچی اینٹ والی مسجد درخت خرما کی لکڑیوں سے آراستہ ڈھونڈھتا ہوں جس پر کنکریوں کا فرش تھا اور جس پر آنحضرت رسول اللہ ﷺ اور اُن کے ساتھی جانباز مسلمانوں کے جسم اطہر کو مس ہوا تھا۔ ذوالنونؒ محبت الٰہی اور الفت رسول ﷺ میں مجذوب تھے یہ کلمہ کہہ کر وہ رونے لگے اور اپنی راہ لی۔

خانہائے ازواج کے بننے تک آنحضرت ﷺ بنو سالم میں ابوایوب انصاری کے مکان پر مقیم رہے۔ اسی سال زیدؓ بن حارثہ اور ابورافعؓ کو بھیج کر آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہ اور سودہؓ بنت زمعہ، اسامہؓ بن زید اور اُن کی ماں کو بلا بھیجا اور اُنہیں کے ساتھ عبداللہؓ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اپنے گھر والوں سمیت چلے آئے۔ طلحہؓ بن عبیداللہ بھی ساتھ آئے۔ اور ان سب کے آنے پر آنحضرت اپنے نئے گھر میں رہنے لگے۔

اسی سال حضرت سلمانؓ فارسی مسلمان ہوئے اور اس کے پہلے عبداللہ بن سلامؓ ایمان لا چکے تھے۔ عبداللہ بن سلامؓ

Marfat.com

یہودیوں کے ایک بڑے عالم تھے۔ آپ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں لیکن میرے اسلام ظاہر ہونے سے پہلے آپ یہود مدینہ سے میری حالت دریافت کرلیں ایسا نہ ہو کہ وہ بعد کو مجھے کمینہ اور بے وقعت کہیں۔ آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر عمائد شہر نے عبداللہ کو رئیس ابن الرئیس بتایا اور کہا کہ وہ اور اُس کا باپ دونوں بڑے زبردست عالم ہیں۔ لیکن جب انہیں اصل حال معلوم ہوا تو خجالت کے ساتھ عبداللہ کو برا کہنا شروع کیا۔

ہجرت کے اوّل ہی سال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سن بلوغ کو پہنچیں اور مسلمانوں کے ناتے کنبے والے چھوٹ گئے تھے اس لئے پیغمبر ﷺ خدا نے کہا۔ ''تم باہم ایک دوسرے کو بھائی بنالو'' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے۔ طلحہ رضی للہ عنہ نے زبیرؓ سے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے اخوت قائم کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں کس کا بھائی بنوں۔ آنحضرت ﷺ نے کہا۔ ''تم میرے بھائی دین اور دنیا میں ہوئے۔'' اسی طرح مہاجرین نے انصار سے بھی اخوت قائم کی۔ اس حکمت سے غرض صرف یہ تھی کہ مسلمانوں کو بیگانگی نہ ستائے۔ وہ بھائیوں کی طرح سب باتوں میں برتاؤ کرتے تھے۔

مہاجروں (ہجرت کرنیوالے مسلمان قریش) کے لئے مدینہ باعتبار آب وہوا کے اچھا نہ تھا۔ مکہ کی بالکل خشک آب وہوا تھی اور مدینہ کی مرطوب۔ اس پر سے سفر کی بے سروسامانی اور بے اعتدالی۔ مدینہ میں صفائی بھی کم تھی۔ تھوڑے دنوں میں مسلمانوں کو تغیر آب وہوا کا اثر معلوم ہونے لگا۔ اکثر مسلمان جاڑے بخار یا وبائی بخار میں مبتلا ہوگئے۔ بخار میں وہ کفار مکہ کو برا بھلا کہتے تھے جن کی وجہ سے مکہ کی لطیف آب وہوا ان سے چھوٹی تھی۔ یہ مصیبت زائد عرصہ تک نہ رہی۔ کچھ تو آب وہوا موافق آگئی اور کچھ مسلمانوں کی صفائی نے تمام شہر کو عفونت اور گندگی سے پاک کردیا۔ اب صرف فاقہ کشی کی ایک تکلیف رہ گئی تھی جس میں عرصہ تک مہاجر مبتلا رہے۔ جب تک متمول مہاجروں کے پاس سرمایہ تھا غریب مہاجروں کی خبرگیری ہوتی رہی۔ تھوڑے دنوں میں امیر وغریب سب برابر ہوگئے۔ انصار یعنی مسلمانان مدینہ کب تک مہمانی کا بوجھ اُٹھاتے۔ پھر بھی وہ بہت کچھ کرتے تھے۔ مسلمانوں پر یہ زمانہ بڑی عسرت کا تھا اور اس کے ساتھ ہی بڑے امتحان کا بھی تھا۔ غرضیکہ ہجرت کے اول ہی سال مسلمانوں کا پورا سکہ مدینہ میں بیٹھ گیا۔ صرف ایک فاقہ کشی کی تکلیف تھی وہ بھی چند سال کے بعد رفع ہوگئی۔

مسلمانوں کی تاریخ میں ہجرت مدینہ ایک بڑا واقعہ ہے اور اسی سے سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔ ایک نقشہ یہاں درج کیا جاتا ہے جس سے عیسوی سنوں کی مطابقت میں آسانی ہوگی۔

1 سنہ ہجری	بروز جمعہ	16 جولائی 622ء
100 ہجری	چہار شنبہ	3 اگست 718ء
200 ہجری	شنبہ	11 اگست 815ء
300 ہجری	سہ شنبہ	18 اگست 912ء
400 ہجری	پنج شنبہ	25 اگست 1009ء
500 ہجری	یک شنبہ	2 ستمبر 1106ء
600 ہجری	چہار شنبہ	10 ستمبر 1203ء
700 ہجری	جمعہ	16 ستمبر 1300ء

Marfat.com

800ہجری	دوشنبہ	24 ستمبر 1397ء
900ہجری	پنج شنبہ	2 اکتوبر 1494ء
1000ہجری	شنبہ	19 اکتوبر 1591ء
1100ہجری	سہ شنبہ	26 اکتوبر 1688ء
1200ہجری	جمعہ	4 نومبر 1785ء
1300ہجری	یک شنبہ	12 نومبر 1882ء
1400ہجری	جمعہ	17 نومبر 1979ء

ہجرت کے پہلے ہی سال میں اذان کا دستور مسلمانوں میں پڑا۔اس کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ جب مدینہ میں باامن ارکان اسلام کی تعمیل ہونے لگی، جمعہ اور جماعت نے رواج پکڑا تو نماز کے وقت سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے یا اُن کے بلانے کی ضرورت ہوئی۔آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے مشورہ کیا۔کسی نے بجانے کی صلاح دی۔کسی نے کہانا قوس بجانا اچھا ہوگا۔ایک نے کہا آگ سلگا دی جائے جو واقفیت کے لئے کافی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے کہا کہ کیوں نہ ایک شخص کو متعین کر دیا جائے جو وقت پر پکار دیا کرے۔آنحضرت ﷺ نے اسے پسند کر کے بلالؓ کو حکم دیا کہ ''الصلوٰۃ جامعة'' پکارو۔اس کے بعد عبداللہؓ بن زید انصاری نے اُس طور پر جو اب رائج ہے، اذان دیتے ہوئے کسی کو خواب میں دیکھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ اصحاب نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا۔عبداللہؓ نے سب سے پہلے اپنا خواب آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔اور آنحضرت ﷺ نے فوراً ہی بلالؓ کو تعلیم دی۔ایک روز صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کے جگانے کو بلالؓ نے دردولت پر جا کر ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہا۔آنحضرت ﷺ نے اذان صبح میں اُسے داخل کر دیا۔بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے وقت کا ہے اور انہوں نے اسے اذان میں داخل کیا ہے مسلمانوں کا وہ فرقہ جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کا قائل نہیں ہے وہ اذان صبح میں یہ اضافہ پسند نہیں کرتا۔

اذان کی نسبت مسٹر چیمبر ایک نامور عیسائی فاضل نے جو خیالات اپنے انسائیکلو پیڈیا جلد 6 میں اسلام کا ذکر کرتے ہوئے ظاہر کیے ہیں اُن کا نقل کرنا لطف سے خالی نہیں ہے۔وہ لکھتا ہے:

> ''موذن کی آواز جو سادہ مگر نہایت متین اور دل کش ہوتی ہے شہر کے دن کے شور وغل میں بھی مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آئندہ معلوم ہوتی ہے۔لیکن رات کے سناٹے میں اس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔یہاں تک کہ بہت سے اہل یورپ بھی پیغمبر ﷺ کو اس امر پر مبارکباد دیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُس نے انسان کی آواز کو موسائیوں کی تُرہی اور عیسائیوں کے گرجا کے گھنٹے پر ترجیح دی۔''

مکہ میں نماز کس رُخ پڑھی جاتی تھی ٹھیک پتہ نہیں لگتا۔بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ کعبہ رخ اور بعض کہتے ہیں کہ بیت المقدس کی طرف پڑھتے تھے مگر کعبہ کی طرف پیٹھ نہ ہوتی تھی۔لیکن اس میں کلام نہیں کہ سنہ ہجری میں یعنی ہجرت کے پندرہ سولہ مہینے کے بعد کعبہ رخ نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور مسجد جس کا قبلہ بیت المقدس تھا بقدر ضرورت ترمیم کی گئی۔

ہجرت کے دوسرے سال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت رسول ﷺ اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئیں۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ بن خطاب نے بھی خواستگاری

Marfat.com

کی تھی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت نے ترجیح دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ پونجی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک گھوڑا، ایک تلوار اور ایک زرہ تین چیزیں ملکیت کی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زرہ کو فروخت کر کے اثاثہ درست کیا اور نکاح ہوتے ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ وہ علیحدہ رہنے لگے۔ عرب کا یہ دستور نہ تھا کہ بعد نکاح کے پھر لڑکی کا بار باپ پر رہے۔ اسی سال رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ عیدالفطر کی نماز واجب ہوئی: "اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا و ان اللہ علی نصرهم لقدیر" سے جہاد کی ابتدا پڑی۔

جہاد دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جس میں آنحضرت ﷺ خود شریک ہوتے تھے اور دوسرا وہ جس میں آنحضرت ﷺ خود نہ جاتے تھے کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتے تھے۔ مسلمان مؤرخوں کی اصطلاح میں پہلے کو 'غزوہ' اور دوسرے کو 'سریہ' کہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں غزوات کی تعداد 19 سے 27 تک اور سریہ کی تعداد تقریباً 56 تک بیان کی جاتی ہے۔ ان میں سے ابتدائی حملے مسلمانوں کے مال غنیمت کی قسم سے تھے اور اسی لیے یورپ کے بعض متعصب مؤرخین نے آنحضرت محمد ﷺ پر اعتراض کیا۔ ضرور ہے کہ یہاں تشریح کر دی جائے تاکہ مسلمانوں پر یہ اتہام عاید نہ ہو۔

مکہ کے رہنے والے شام کو برابر تجارت کی غرض سے آتے جاتے تھے۔ مدینہ راہ میں پڑتا تھا نواحی مدینہ سے جب یہ کفار گذرتے تھے تو مدینہ کے مسلمانوں کو خبر ملتی تھی۔ مکہ والوں نے جو زیادتیاں مسلمانوں کے ساتھ کی تھیں وہ اوپر بیان کی گئیں۔ مکہ کا کوئی کافر ایسا نہ تھا کہ مسلمانوں کا اس سے بدلہ لینا بے جا سمجھا جاتا اس لئے بالا استثناء قریش کے کافروں پر مسلمان حملہ کرتے تھے اور کبھی کبھی کامیاب بھی ہوتے تھے۔ ان حملوں کو کسی طرح بے جا نہیں کہا جا سکتا اور نہ اسے لوٹ مار سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

بعض متعصب انگریز لکھتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ کی شان سے بالکل بعید ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو لوٹ مار کا حکم دے۔ لیکن کفار کی پچھلی زیادتیوں کو سن کر کوئی سمجھدار ایسا نہیں کہہ سکتا۔ تمام قریش نے یک دل ہو کر مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیا اور مال و اسباب بھی کچھ کچھ ضبط کر لیا۔ مسلمان ہونے کے جرم میں جہاں تک ان سے ممکن ہوا مسلمانوں پر سختیاں کیں۔ اب کیا پیغمبر ﷺ کی یہ شان تھی کہ کافروں کی طرف سے لوگوں کو ایمان لانے کے قصور میں اتنی سخت سزائیں دی جائیں اور پھر بھی سزا پانے والوں سے یہی کہا جاتا کہ تم صبر کرو۔ اسلام پھیلانے میں قریش بہت بڑے ہارج تھے ان کا زیر کرنا بھی اس حیثیت سے لازم تھا۔ یہی خیال اور بھی چند مؤرخین کا ہے۔ لیکن بعض مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی لوٹ مار کا حکم نہیں دیا۔ پیغمبر خدا ﷺ کو یہ خوف تھا کہ مدینہ پر کہیں قریش حملہ نہ کر دیں۔ اُن کے آنے جانے کی خبریں سن کر لوگوں کو آنحضرت ﷺ تفحص حالات کے لئے تعینات کرتے تھے۔ تفحص حالات کے لئے اصحاب کا جانا مؤرخوں نے سریہ یعنی جنگ کے لئے فوج کا بھیجا جانا غلط سمجھ لیا ہے۔ اس خیال کے مؤرخوں کا بیان ہے کہ بدر کی لڑائی تک جو لوگ قریش کے قافلہ کی طرف گئے وہ سب تفحص حال کے لئے بھیجے گئے تھے اور بدر کی لڑائی میں آنحضرت ﷺ جو مدینہ سے نکلے وہ بھی جنگ کی غرض سے نہیں بلکہ قریش کی آمد کی خبر سن کر آپ ﷺ یہ مناسب نہ سمجھے کہ مسلمان مدینہ میں چھپے بیٹھے رہیں۔ آپ کا یہ خیال تھا کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے یہ اُن کے لیے پریشانی کا سبب ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر مسلمان قریش کو روکیں۔ جو ہونا ہے وہیں ہو رہے گا۔ مدینے کے باشندوں پر بلا کا

Marfat.com

نازل ہونا اچھا نہیں۔

بعض حملے مسلمانوں کی طرف سے نواحی مدینہ کے باشندوں پر بھی کیے گئے۔ نہ اس لئے کہ اُن کے مال ومتاع کو لوٹ کر پیٹ پالا جائے بلکہ اس لئے کہ اُن کی زیادتیوں نے حفاظت خود اختیاری پر مسلمانوں کو مجبور کر دیا تھا۔

سال اوّل کے آخر یا سال دوم کے شروع میں پہلا غزوہ ابواء کا ہوا۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے۔ آنحضرت ﷺ اسعد بن عبادہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ چھوڑ کر قریش کے حمایتی قبیلہ بنی حمزہ کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے بمقام ابواء قبیلہ بنی حمزہ کے لوگ بصلح پیش آئے اور اس لئے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ صلح اس امر پر ہوئی کہ وہ قریش یا مدینہ کے مسلمان کسی کا بھی ساتھ نہ دیں گے۔ مکہ سے کچھ قریش کسی کام کو باہر نکلے تھے ان کے مقابلہ میں اپنے چچازاد بھائی ابوعبیدہ بن الحارث کو آنحضرت ﷺ نے بھیجا۔ رابغ کے میدان میں ابواء کے قریب صرف تیروں سے کچھ مقابلہ ہوا اور کفار بھاگ گئے۔

اسی طرح مدینہ میں خبر آئی کہ کچھ قریش شام سے مکہ جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو تعینات کیا۔ کفار میں ابوجہل بھی تھا سمندر کے کنارہ پر بمقام سیف البحر دشمنوں سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ مجدی بن عمر جُہنی بیچ میں پڑا اور لڑائی ہونے نہیں پائی۔

اسی سال سعدؓ بن وقاص کو بھی آنحضرت ﷺ نے قریش کے ایک دوسرے کارواں کی خبر لینے کو مامور کیا لیکن ملاقات نہ ہوئی۔ سعدؓ بن وقاص میدان خرار تک جا کر بے نیل مرام واپس آئے۔

اسی سال خود آنحضرت ﷺ قریش کے ایک کاررواں کی تلاش میں نکلے تھے۔ دوسو اصحاب ساتھ تھے اور سعدؓ بن وقاص علم بردار تھے۔ بواط ایک پہاڑی مقام تک جا کر آپ واپس آئے اور اس غزوہ کا نام غزوۂ بواط مشہور ہے۔

اسی سال میں ایک غزوہ اور ہوا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچی کہ ابوسفیان بہت سے قریش ساتھ لے کر بغرض تجارت شام کی طرف جاتا ہے۔ دو ڈیڑھ سو آدمی لے کر آنحضرت ﷺ اُس کی تلاش میں نکلے۔ علم بردار اُس وقت حمزہؓ بن عبدالمطلب تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ ذوالعشیرہ ایک مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان ینبوع کی طرف واقع ہے وہاں تک پہنچ کر معلوم ہوا کہ کفار پہلے نکل گئے۔ اس غزوہ کو غزوہ ذوالعشیرہ کہتے ہیں۔ اسی سفر میں بنی مُدلج کے ساتھ مسلمانوں نے صلح کا ڈول ڈالا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "ابوتراب" خطاب دیا گیا۔ سفر میں درخت کے نیچے کہیں یہ پڑے سو رہے تھے آنحضرت ﷺ نے پیار سے "اباتراب" کہہ کر پکارا اور پھر یہی کنیت قائم ہوگئی۔

اسی سال کُرز بن جابر فہری آنحضرت ﷺ کے اونٹ نواحی مدینہ سے ہانک لے گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے خود اس کا تعاقب کیا۔ علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور کچھ اصحاب بھی ساتھ تھے۔ چشمہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں وادی صفرا کے نزدیک واقع ہے۔

2ھ کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش کو بہت سے اصحاب کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ کیا۔ ایک تحریر ان کے ہاتھ میں دی اور یہ فرمایا کہ دو دن تک برابر چلے جاؤ پھر اس تحریر میں جو لکھا ہو اُس پر عمل کرنا۔ دو دن کے بعد عبداللہ نے تحریر کو پڑھا تو اس میں بطن نخل (جو مکہ اور طائف کے بیچ میں ایک جگہ ہے) میں جا کر کفار سے لڑنے کا یا اُن کے حال دریافت کرنے کا حکم تھا۔ عبداللہ روانہ ہوئے طائف کی راہ سے آتے ہوئے کفار مکہ کی ایک جماعت مال ومتاع کے ساتھ انہیں ملی۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے عمر بن عبداللہ الحضرمی مارا گیا۔ اور عثمان بن عبداللہ

Marfat.com

مخزومی و حکم بن کیسان یہ دو کافر گرفتار ہوئے اور بہت سا مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ عبداللہ نے آ کر ایک خمس مال غنیمت کا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور چار خمس آپس میں تقسیم کیا۔ جس روز وہاں مسلمانوں نے حملہ کیا تھا وہ شہر رجب کا آخری یا پہلا دن تھا۔ مسلمانوں نے حساب لگانے میں غلطی کی۔ مدینہ کے یہودیوں سے مسلمانوں پر شہر حرام میں لڑنے کی وجہ سے اعتراض کیا آنحضرت ﷺ کو بھی اعتراض درست معلوم ہوا۔ آنحضرت ﷺ ناخوش ہوئے اور خمس کے لینے سے انکار کیا۔ غازیوں کو بھی ملال ہوا اُن کی تمام کارگزاریوں پر پانی پھر گیا۔ اسی موقع پر آیۃ:

یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير ......الخ

نازل ہوئی جس کا منشاء یہ ہے کہ ماہ حرام میں لڑنا بے شک برا ہے لیکن مسلمانوں کو جو کفار مکہ نے مسجد حرام یعنی کعبہ سے نکال دیا تو وہ اس سے بھی زیادہ برا تھا اس لئے برائی کے بدلے میں برائی کی گئی تو کچھ ہرج نہیں۔ اس آیت سے تمام مسلمان خوش ہوئے۔ خمس جو التوا میں پڑا تھا قبول ہوا اور بقیہ چار خمس غازیوں کی نذر ہوا۔ اس جنگ میں عثمان اور حکم جو گرفتار ہوئے تھے اُن کے لئے کفار مکہ نے فدیہ بھیجا اور وہ اس طرح سے رہا ہوئے۔ حکم تو مسلمان ہو کر وہیں رہ گیا۔ عثمان مکہ کو واپس گیا اور کافر ہی مرا۔

اب تک تو چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا ذکر ہوا۔ ان کے بعد وہ لڑائیاں شروع ہوئیں جو تاریخ اسلام میں یادگار سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں زیادہ تر مشہور یہ ہیں۔ غزوۂ بدر کبریٰ، غزوۂ احد، غزوۂ احزاب، غزوۂ بنی قریظہ، غزوۂ بنی المصطلق، غزوۂ خیبر، فتح مکہ، غزوۂ حنین، غزوۂ طائف۔ ان میں سے غزوۂ بدر نے مسلمانوں کو کفار پر غالب کیا اور فتح مکہ نے تمام عرب پر مسلمانوں کا سکہ بٹھا دیا۔

غزوۂ بدر الکبریٰ:

غزوۂ بدر کبریٰ کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ ذوالعشیرہ تک مسلمانوں کا جا کر واپس آنا جیسا کہ غزوۂ ذوالعشیرہ میں بیان کیا گیا ہے ابوسفیان نے شام میں سنا اور مسلمانوں کی نیت اُسے معلوم ہوئی۔ شام سے پھرتے ہوئے اُسے نواحی مدینہ سے گزرنا ضرور تھا اور یہ بھی یقینی تھا کہ جب مسلمان بدلہ لینے پر تلے ہوئے ہیں تو جنگ ضرور ہوگی۔ اس لئے ابوسفیان نے مکہ میں مدد کے لئے ایک آدمی بھیجا۔ قاصد اونٹ کے کان کاٹ کر زین الٹی باندھ کر گریبان دریدہ شہر میں داخل ہوا۔ تمام شہر میں اُس کے آنے سے تہلکہ مچ گیا چونکہ مال تجارت ساری قوم کا تھا اس لئے تمام اہل مکہ کو اس قافلہ سے تعلق تھا اور یوں آنحضرت محمد ﷺ کی دشمنی ہی کیا کم غرض مشترک تھی۔ تمام مکہ کے جنگجو شہر سے نکل پڑے۔ چونکہ قومی معاملہ تھا بنو ہاشم بھی طوعاً کرہاً ساتھ آئے۔ عقیل ابن ابی طالب اور عباس ابن عبدالمطلب بھی ہمراہ آئے۔ ابولہب نہیں آیا بلکہ اپنی جگہ امیہ بن خلف کو بھیجا۔ مکہ کے اکثر اہل الرائے اس خروج کے مخالف تھے اور اخیر تک وہ مخالفت پر قائم بھی رہے مگر ابوجہل کے سامنے کسی کا بس نہ چلا۔

ادھر سے آنحضرت رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو ساتھ لے کر مدینہ سے چلے۔ اُدھر شام سے ابوسفیان کا قافلہ آیا۔ مکہ سے تمام قریش ابوجہل کی رہنمائی میں چل کھڑے ہوئے تھے۔ ابوسفیان ساحل بحر سے دب کر نکل گیا۔ مسلمانوں کو خبر نہ ہونے پائی۔ اُس نے ابوجہل کو بھی واپس بلانا چاہا اور کہلا بھیجا کہ جب مال بچا لایا گیا تو پھر جنگ سے کیا مطلب؟ مگر یہاں تو اس کی موت آ پہنچی تھی بھلا وہ کیونکر راضی ہوتا۔ مدینہ سے چلتے وقت مسلمانوں کو یہ علم نہ تھا کہ اس لڑائی میں تمام قریش سے مڈبھیڑ ہو جائے گی۔ وہ جانتے تھے کہ صرف ابوسفیان کے قافلہ والوں سے مقابلہ ہوگا۔ جب مسلمانوں کو

Marfat.com

معلوم ہوا کہ جنگ کا پورا سامان ہے تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کا مشورہ لینا چاہا۔ مہاجرین تو کفار مکہ پر خار کھاتے تھے ان کی مستعدی کچھ مستبعد نہ تھی لیکن انصار کو بعید پا کر آنحضرت ﷺ بہت محفوظ ہوئے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے کہا ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمان اُمت نہیں ہیں کہ "اذھب انت و ربك فقاتلا" کہہ کر الگ ہو جائیں۔ ہم آپ کے ساتھ سر دینے کو تیار ہیں۔

اہل مکہ کے آنے کی خبر مسلمانوں کو کیسے معلوم ہوئی اس کے متعلق منقول ہے کہ اہل مکہ کے چند غلام پانی بھرنے کے لئے اپنی فوج سے چلے اور راہ میں مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے۔ مسلمانوں نے اُنہیں پکڑ لیا اور پڑاؤ پر لائے۔ پوچھنے پر انہوں نے اہل مکہ کا آنا بیان کیا۔ مسلمان سمجھے کہ یہ سب ہم کو ڈراتے ہیں کیونکہ اُس وقت تک ابوسفیان کے آنے اور اُسی سے مقابلہ ہونے کی خبر یا امید تھی۔ ان سقوں پر مار پڑنے لگی تو ڈر کر انہوں نے کہا کہ ہاں ہم ابوسفیان کے ساتھ آئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نماز میں تھے جب یہ سب باتیں ہوتی تھیں۔ نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے کہا کہ پہلی خبر صحیح تھی۔ لوگوں نے ناحق مار کر جھوٹ بلوایا۔ پھر آنحضرت ﷺ کے سوال پر سقوں نے کہا کہ نو دس اونٹ روز ذبح ہوتے ہیں اس سے آنحضرت ﷺ نے قیاس کیا کہ نو دس سو قریش ہوں گے اور یہ قیاس صحیح نکلا۔

ابوسفیان کی جماعت ابوجہل کے ساتھیوں سے ملی۔ تب بھی یہ بحث ہوتی رہی کہ لڑنے میں مصلحت ہے یا واپس جانے میں۔ کثرت رائے واپس جانے پر تھی لیکن ابوجہل کو لڑائی کی زیادہ تمنا تھی اُس نے آخر میں عامر کو گانٹھا جس کا بھائی سریہ عبداللہ میں مارا گیا تھا۔ وہ ننگے سر "و اعمراہ" کہتا ہوا لشکر میں شور مچانے لگا۔ اس آخری فکر میں ابوجہل کامیاب ہوا اور لڑائی چھڑ گئی۔

اس جنگ میں ابوجہل کے ساتھ ساڑھے نو سو لڑنے والے تھے اور کچھ ابوسفیان کے بھی ساتھ تھے۔ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ صرف 305 مسلمان اس لڑائی میں آنحضرت ﷺ کے شریک تھے ان میں سے 80 مہاجرین تھے اور باقی انصار تھے۔ جو لوگ مکہ سے مدینہ میں آ کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ بسے تھے وہ مہاجر کہلاتے تھے اور مدینہ کے مسلمان انصار بولے جاتے تھے۔ مہاجروں میں سے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، طلحہؓ اور ... تین اشخاص شریک جنگ نہ تھے لیکن اکثروں کے نزدیک شریک بدر سمجھے جاتے تھے۔ اوّل الذکر تو اس لئے کہ اپنی بیوی رقیہ بنت رسول ﷺ کی تیمارداری کے لئے آنحضرت ﷺ کی اجازت سے مدینہ میں رہ گئے تھے اور باقی دو اشخاص اس لئے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے کفار کی خبر لانے کو تعینات تھے۔ اسی طرح پانچ اشخاص انصار غنیمت اور حصول ثواب میں شریک سمجھے گئے اور اس اعتبار سے بعض نے 313 تعداد اہل بدر کی قرار دی ہے۔

مسلمانوں نے ایک عمدہ کنواں دیکھ کر اُس کے قریب حوض بنایا اور اُس میں پانی بھر دیا کہ پانی پی پی کر لڑیں۔ اسی کے قریب مسلمانوں نے پڑاؤ جمایا۔ قریب قریب مل کر قاعدہ سے کھڑے ہوئے اور جب تک کفار بالکل قریب نہیں آئے یہ لوگ جگہ سے نہیں ہٹے۔ تعداد میں یہ کم تھے لیکن یکجائی نے ان کی قوت بڑھا دی تھی۔ آفتاب مسلمانوں کے پس پشت تھا اور کفار کے سامنے تھا۔ یہ بھی ایک صورت مسلمانوں کے مفید تھی۔ وقت جنگ آندھیاں آئیں اور کچھ اس طور سے آئیں کہ کفار ہی کو نقصان پہنچا۔ رات کو پانی برس گیا تھا۔ مسلمانوں کی طرف زمین ریتلی تھی پانی سے سخت ہو گئی اور کفار کی طرف چکنی مٹی تھی پانی برس جانے سے وہ کیچڑ ہو گئی۔ کفار کی جماعت میں عورت اور مرد مکہ ہی سے خواب پریشان دیکھتے آتے تھے۔ بہت سی بدشگونیاں ایسی ہوئی تھیں جن سے کفار کے دل سہم گئے تھے۔ غرضیکہ سب سامان مسلمانوں کی فتح اور

Marfat.com

کافروں کی شکست کے مہیا تھے۔ عتبہ بن ربیعہ نے پہلے ابو جہل کو بہت سمجھایا وہ نہ مانا اور عتبہ کو بزدل کہنے لگا تو عتبہ خفا ہو کر پہلے خود ہی گلا کٹوانے میدان جنگ میں آیا اور اس کے دو بیٹے بھی ساتھ آئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے پہلے انہیں پر ہاتھ صاف کیے۔ ہجرت کے اُنیسویں مہینے بروز جمعہ کو رمضان المبارک کی سترہویں تاریخ تھی جب غزوۂ بدر واقع ہوا۔ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے لئے ایک عریشہ بنایا تھا جس میں آنحضرت ﷺ بیٹھے خدا سے نصرت کی دعا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اُسی عریشہ میں تھے۔ کچھ لوگ محافظت کے لئے قریب کھڑے تھے۔ لڑنے والے آخر میں دو حصے ہو گئے تھے۔ بعض تو جنگ میں شریک تھے اور بعض مال لینے اور قیدیوں کی گرفتاری میں مشغول تھے۔ آنحضرت ﷺ برابر عریشہ سے باہر آتے تھے اور دیکھ بھال کر اندر چلے جاتے تھے۔ حالت نماز میں آپ پر آثار وحی کی سی غنودگی طاری ہوئی اور آپ نے فتح کی خوشخبری سُنائی۔

جنگ کی ابتدا یوں ہوئی کہ تین کفار قریش یعنی عتبہ وغیرہ نے میدان میں آ کر مدمقابل طلب کیے۔ تین شخص انصار کے بڑھے لیکن اُنہوں نے کہا کہ ہم ان سے لڑنا عار سمجھتے ہیں یہ سن کر مہاجرین سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہؓ سامنے آئے۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی نے تو اپنے اپنے مبارز کو فوراً ہی ہلاک کیا لیکن حضرت عبیدہ سے برابر کی لڑائی ہوئی۔ حضرت عبیدہ نے زخم کھایا اور اپنے مبارز کو بھی زخمی کیا۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی نے پہنچ کر حضرت عبیدہ کے مبارز کو بھی ہلاک کیا اس کے بعد پوری جنگ شروع ہوئی۔ کفار کا تکبر اور پھر اُس پر سے اختلاف آراء ایک طرف تھا اور دوسری طرف قوت ایمانی سے لبریز مسلمان اور سب سے بڑھ کر تائید غیبی۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بہت سے کفار مارے گئے اور قید کیے گئے۔ کفار بھاگے تو مسلمانوں نے تعاقب کیا۔ حالت تعاقب میں کچھ کفار اسیر ہوئے اور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ مقتول کفار کی تعداد ستر بیان کی گئی ہے اور اتنے ہی اسیر بھی ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے صرف 14 مسلمان کام آئے جن میں سے چھ مہاجر تھے اور آٹھ انصار۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کوئی سولہ سترہ کفار قتل کیے۔ شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ پہلا موقع جنگ کا تھا۔ اوسط بدن، میانہ قد، استقلال اور چستی حد سے زیادہ تھی۔ آپ کی لڑائی پر لوگ عش عش کرتے تھے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے کوئی پانچ چھ کفار ہلاک کیے۔ ان کا طرز جنگ بھی بہت اچھا تھا۔ جنگ کے وقت کچھ کلمات سے نکالتے تھے جن سے طبیعت کو زور ہوتا تھا اور یہ بھی غرض ہوتی تھی کہ اپنے اور بیگانے کا پتہ لگے۔ ان کلمات کو شعار کہتے ہیں مثلاً اس جنگ میں مہاجرین کا شعار تھا "یا بنی عبد الرحمٰن" اس سے ایک عبدالرحمٰن کہنے والا دوسرے عبدالرحمٰن کہنے والے پر ہاتھ نہ اُٹھا سکتا تھا۔ ان مواقع پر کبھی فخریہ کلمات بھی کہے جاتے تھے اور اُنہیں رجز کہتے تھے۔ کسی کبھی میں شعر بھی پڑھتے تھے اشعار اکثر فی البدیہہ کہہ لیے جاتے تھے۔ رجز میں باپ دادا کا نام بھی لیتے تھے چنانچہ اس جنگ میں حارث بن سراقہ نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب پر تلوار ماری جو آپ نے ڈھال پر لی اور وہ ڈھال میں پھنس گئی۔ یا کر آپ نے ایک خنجر مارا جو زرہ کاٹ کر حارث کے جسم تک پہنچا لیکن وار کچھ ایسا کارگر نہ تھا کہ پیچھے سے آتی تلوار چمکتی ہوئی دیکھی۔ آپ نے سرنیچا کر لیا۔ تلوار نے حارث کے سر کو معہ خود جسم سے علیحدہ کر دیا۔ "میں ابن عبدالمطلب ہوں۔" کی آواز سے معلوم ہوا وہ ضرب آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کی تھی۔

مجاہدین اسلام کی عقیدت کی ایک نقل مؤرخین... لکھی ہے کہ صف درست کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے ایک

Marfat.com

شخص کو دیکھا کہ بے قاعدہ کھڑا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے سوچا کہ اُسے چھڑی سے ہٹائیں۔ چھڑی اس کے سینہ پر لگی۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ مجھے بے قصور مارا اس کے عوض میں قصاص دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا سینہ کھول دیا کہ اچھا تو بھی مار۔ اُس نے لپک کر سینہ پر بوسہ دیا۔ آنحضرت ﷺ نے متحیر ہو کر اس مجنونانہ حرکت کا سبب پوچھا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں لڑائی میں آیا تو زندگی سے ہاتھ دھو چکا۔ مرتے دم آپ کے جسم اطہر کا میرے ہونٹوں سے چھو جانا میرے خیال میں بڑی نعمت تھی اور اس لئے میں نے یہ حرکت کی۔ جنگ بدر میں بیٹے باپ کو اور بھائی بھائی کو مارتے تھے اور وہ بھی دنیاوی طمع سے نہیں۔ دنیاوی طمع ہوتی تو مسلمان ہو کر غریب اور مفلس ہی کیوں بنتے بلکہ صرف خدا کی خوشی یا توحید کی محبت میں اُن سے ایسا ہوتا تھا۔ ایک بڑھیا کا لڑکا شہید ہوا اُس نے سن کر کہا کہ مجھے غم نہیں اگر محمد ﷺ کہہ دیں کہ شہید ہونے پر جنت میں پہنچ گیا۔

بنو ہاشم نے جو تکلیفیں آنحضرت ﷺ کی حمایت کی وجہ سے اُٹھائی تھیں وہ سب آنحضرت ﷺ کو یاد تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے بروز بدر اپنے اصحاب رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا تھا کہ بنو ہاشم خوشی سے نہیں آئے ہیں بلکہ لائے گئے ہیں انہیں کوئی قتل نہ کرے اور خصوصاً عباس بن عبدالمطلب کا زیادہ خیال تھا۔ تین برس تک جو ہمدردی آنحضرت ﷺ کے ساتھ بنو ہاشم نے ظاہر کی تھی اس کے لحاظ سے آنحضرت کا کہنا انصاف پر مبنی تھا۔ عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے حضرت ابو حذیفہؓ نے کہا۔ ”کیا اپنے باپ اور بھائی کو ہم قتل کریں اور عباسؓ کو چھوڑ دیں۔“ مقتضائے بشریت تھا کہ یہ بات اُس کے منہ سے نکل گئی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ یہ منافق تو نہیں ہوا حکم ہو تو گردن اڑا دی جائے۔ آنحضرت ﷺ خاموش رہے لیکن ابو حذیفہؓ کو تازیست ندامت رہی وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ اس گناہ کا کفارہ اگر کچھ ہے تو یہ ہے کہ میں لڑائی میں مارا جاؤں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بروز یمامہ وہ درجہ شہادت کو پہنچا۔

ابو جہل بھی اس لڑائی میں مارا گیا۔ معاذ اور معوذ انصار کے دو لڑکے لڑائی میں ابو جہل کو پوچھتے پھرتے تھے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ وہ سب سے بڑا دشمن آنحضرت ﷺ کا ہے۔ عکرمہ نے اپنے باپ ابو جہل کے بچانے کی غرض سے معاذ کو تلوار ماری اس کا ہاتھ کٹ کر جھولنے لگا۔ جھولتے ہوئے ہاتھ کو اُس نے پاؤں سے دبا کر جسم سے علیحدہ کر دیا کہ وار کرنے میں وقت نہ ہو۔ غرضیکہ معاذ اور معوذ نے مل کر ابو جہل کا کام تمام کر دیا اور آنحضرت ﷺ کو آ کر خوشخبری سُنائی۔ معوذ تو اسی لڑائی میں پھر شہید ہو گیا۔ لیکن حضرت معاذؓ، خلافت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تک زندہ رہے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے ابو جہل کو جا کر دیکھا کہ وہ دم توڑ رہا تھا۔ ابو جہل نے پوچھا کہ میدان کس کے ہاتھ رہا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا۔ دشمن خدا تو فرعون سے بھی بدتر ہے وہ مرتے دم نادم ہوا اور تو اب بھی منفعت نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے ابو جہل کا سر کاٹ کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”الحمد لله الذی لفر ... و اعزوینه“ یا کوئی دوسرا کلمہ اس کے ہم مفہوم فرمایا۔

اس لڑائی میں تمام پرانے دشمن اسلام مارے گئے۔ وہ لوگ جو ہجرت کی رات مکہ میں خانہ رسول کے محاصر تھے بجز ایک شخص کے جو بعد کو مسلمان ہوا، سب کے سب مارے گئے لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مسلمانوں کے دشمن معدوم ہو گئے تھے۔ جوش جاہلیت نے اور نئے نئے دشمن پیدا کیے جن کی لڑائیوں کا حال آگے لکھا جائے گا۔ عتبہ بن ابی معیط اور نضر بن الحارث قیدیوں میں آئے اور قتل کیے گئے۔ ان کے علاوہ اور قیدی مشکیں باندھ کر بند کیے گئے۔

رات بھر بدر میں رہ کر صبح کو آنحضرت ﷺ نے کوچ کیا۔ آنحضرت ﷺ کے پہنچنے سے قبل فتح کی خبر مدینہ میں

Marfat.com

پہنچی لیکن یہود یقین نہ کرتے تھے۔ پھر جس نے سُنا تعجب کیا۔ اس لڑائی سے اسلام کی بنیاد میں ایک استحکام پیدا ہوا اور وقت سے مہاجروں کا افلاس بھی کچھ کچھ رفع ہو گیا۔ مکہ میں جب قتل کفار کی خبر پہنچی اور اس کے ساتھ فراریوں کی جماعت بھی آئی تو سناٹے کی کیفیت تھی۔ کتنے گھر ویران اور کتنے بچے یتیم ہو گئے، عورتیں بیوہ ہو گئیں، اسباب جاتا رہا۔ کفار اپنی سزا کو پہنچے۔ کفار کا تکبر ٹوٹا اور مسلمانوں کو اُن کے ہاتھوں سے امن ملتا لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوا۔ جو لوگ شکست کر واپس گئے وہ اپنی خجالت مٹانے کی فکر میں ہوئے اور یہ صلاح کی کہ ایک مرتبہ پھر تیاری سے لڑیں۔ اب بجائے ابو جہل کے ابوسفیان کو مفسدین کا سردار سمجھنا چاہئے۔ شکست کھانے والوں میں وہ ایک طور پر سردار تھا۔ اس لئے اُس مجلس کا سردار ہوا جس میں رسول اللہ ﷺ سے دوبارہ لڑنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کفار قریش نے حکم دے رکھا تھا کہ کسی گھر ماتم نہ ہو ورنہ مسلمانوں کو خبر پہنچے گی تو وہ خوش ہوں گے۔ اسود قریشی کے تین بیٹے مارے گئے تھے۔ یہ بوڑھا قریش کے ڈر سے رو نہ سکا تھا اور لڑکوں کا غم رونے پر مجبور کرتا تھا۔ مشہور ہے کہ یہ اپنے غلام کو لے کر شہر کے باہر نکل جاتا تھا وہاں پہاڑ کے کنارے بیٹھ کر جی بھر کے آنسو گراتا تھا۔ ایک روز کسی عورت کے رونے کی آواز آئی۔ یہ سمجھا کہ شاید رونے کا اذن ہو گیا ہے لیکن غلام نے آکر خبر دی کہ وہ عورت اونٹ گم ہونے پر روتی ہے۔ اسود نے کہا افسوس ہے کہ اونٹ گم ہونے پر لوگ رو پاتے ہیں اور میرے تین جوان لڑکے مارے گئے مگر میں رو نہیں پاتا۔

قیدیوں میں حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی تھے۔ اُن کے ہاتھ بہت سخت بندھے ہوئے تھے۔ یہ رات بھر بے چین تھے اور ادھر ان کی آواز سے آنحضرت ﷺ بے چین تھے۔ کسی صحابی نے آنحضرت ﷺ کی بے چینی دریافت کر کے حضرت عباسؓ کے ہاتھ ڈھیلے کر دیے۔ حضرت عباسؓ کو سکون ہوا۔ جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ حضرت عباسؓ کے ساتھ رعایت کی گئی ہے تو آپ نے فرمایا سب قیدیوں کے بند کھول دو۔ اب بحث یہ پیدا ہوئی کہ ان قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کیا ہونا چاہئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی تھی اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے گردن مارنے کی صلاح دی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول قرآن میں یوں منقول ہے: "فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانك غفور الرحیم" اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت نوح علیہ السلام کا قول پسند کیا: "رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔" لیکن عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی رائے پر کیا گیا کیونکہ اُسی طرف مسلمان مائل تھے۔ فدیہ پر چھوڑنے میں روپیہ کی امید تھی اور اس وقت مسلمان زائد تر اسی کے محتاج بھی تھے۔ پھر مکہ میں خبر پہنچی۔ لوگوں نے روپیہ بھیج کر اپنے اپنے اعزہ کو چھڑایا۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے کہا کہ میں مسلمان تھا مجھے فدیہ چھوٹنا چاہئے، کفار کی طرف سے میں جنگ میں شریک نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کفار کے ساتھیوں میں ہتھیار والے کون کون تھے؟ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو فدیہ دینے کے لائق نہ تھے وہ یوں ہی چھوڑ دیے گئے۔ کچھ لکھے پڑھے قیدیوں کی آزادی اس شرط سے روا رکھی گئی کہ وہ انصار کے لڑکوں کو فن کتابت کی تعلیم دیں۔

بدر کی طرف چلتے وقت مسلمان بالکل بے سرو سامان تھے۔ کوئی سرمایہ مشترک مسلمانوں کا نہ تھا، صرف اتفاق ساتھ تھا جو سب سے بڑی دولت سمجھی جا سکتی ہے۔ تین سو آدمیوں میں صرف ستر اونٹ تھے جن پر وہ باری باری چڑھتے اترتے جاتے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جن کو راستہ میں چڑھنا نصیب نہ ہوا۔ اور ایسے لوگ بھی ضروری تھے جن کو راہ میں فاقہ کی نوبت بھی آئی ہو۔ بدر کی غنیمت میں ایک خمس رسول اللہ ﷺ کا الگ کیا گیا اور چار خمس شرکائے

بدر میں تقسیم کیا گیا۔ سریہ عبداللہ میں تو ایک خمس رسول ﷺ کا خود عبداللہ نے اپنی خوشی سے الگ کر دیا تھا۔ لیکن اب بدر کی تقسیم سے قبل اس مضمون کی نص صحیح نازل ہو چکی تھی اور اسی کے مطابق برابر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور پھر بعد کو بھی عمل درآمد ہوتا رہا۔ مقتول کے سلاح جنگ تو قاتل کو ملتے تھے۔ رہا مال غنیمت اس کی تقسیم ایک خمس اور چار خمس پر کی جاتی تھی۔

قیدیان بدر میں حضرت ﷺ کے داماد حضرت ابوالعاصؓ بھی تھے ان کے چھڑانے کے لئے حضرت زینبؓ بنت رسول ﷺ نے اپنی ہیکل فدیہ میں بھیجی تھی۔ یہ ہیکل وہ تھی جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں دی تھی۔ ہیکل دیکھ کر آنحضرت ﷺ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آئیں اور آپ کسی قدر متاثر ہوئے۔ مسلمانوں سے پوچھ کر آپ نے ہیکل واپس کر دی اور حضرت ابوالعاصؓ کو اس وعدہ پر رہا کیا کہ وہ جاتے ہی زینب کو مدینہ بھیج دیں۔

مدینہ میں بھی مسلمانوں کے دشمن موجود تھے۔ گو مکہ والوں کی طرح سخت نہ تھے پھر بھی مضرت پہنچا سکتے تھے۔ وہ لوگوں کو بہکاتے تھے، اسلام کی ہجو کرتے تھے اور اہل مدینہ کو مسلمان ہونے سے روکتے تھے۔ عصمہ بنت مروان ایک عورت تھی کہ مسلمانوں کو بہت برا کہتی تھی اور انصار کو بہت ہی ناگوار الفاظ سے یاد کرتی تھی۔ جب مسلمان بدر کو روانہ ہوئے تو اس کی زبان اور بھی دراز ہو گئی تھی۔ عمیر نامی ایک نابینا شخص انصار میں تھا جو شریک بدر نہ ہوا۔ جب مسلمان بدر سے واپس آئے تو وہ رات کو اُس عورت کے گھر پہنچا اور ٹٹول کر کلیجہ میں خنجر مارا۔ قتل کرنے پر اُس نے سوچا کہ آنحضرت ﷺ سے بے پوچھے میں نے ایسا کیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے سن کر کچھ برا نہیں کہا۔ اسی طرح ابوعفک ایک اور دشمن رسول ﷺ مدینہ میں تھا جس کو سالم بن عمر نے رات کو اچانک مار ڈالا اور اسی طرح کعب بن اشرف کو چند انصار نے مل کر کسی حیلہ سے قتل کیا کہ وہ بہت ہی موذی تھا۔ آنحضرت ﷺ کے خلاف سازش کرنے اور کفار کو جنگ کے لئے ترغیب دینے وہ مکہ تک گیا تھا۔

بنوقینقاع کی شہر بدری:

عرب میں کوئی بادشاہ نہ تھا نہ کوئی بادشاہی قانون تھا۔ آپس کے دستور اور معاہدے کے مطابق ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برتاؤ رکھتا تھا۔ اور قبیلہ کے سردار گویا قبیلہ کے حکمران ہوتے تھے۔ جب مسلمان مدینہ میں آئے تو قرب وجوار کی قوموں سے دستور کے مطابق معاہدے کرتے ہوئے کہا کہ دوسرے کا برا نہ چاہیں اور باہم مراسم احترام قائم رہیں۔ مدینہ میں ایک قبیلہ یہودیوں کا بنی قینقاع تھا یہ لوگ اپنے معاہدے پر قائم نہ رہے اور مسلمانوں سے بے ادبیاں شروع کیں۔ ایک مسلمان عورت سے تمسخر کرنے پر فریقین کے ایک ایک آدمی مارے گئے۔ پیغمبر خدا نے انہیں بلا بھیجا اور بہ آشتی گفتگو کی مگر اُن لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ وہ کہنے لگے کہ قریش پر غالب رہنے سے آپ کچھ گھمنڈ نہ کیجئے وہ فن جنگ سے واقف نہ تھے، ہم لوگ اس فن کے ماہر ہیں۔ ہم سے ڈرتے رہیے۔ اہل سیر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے عروج پر وہ لوگ حاسد بھی تھے۔ غرضیکہ باہم لڑائی کی ٹھن گئی۔ جب مسلمان پہنچے تو وہ اپنی شعب میں پناہ گزیں ہو گئے اور پھر پندرہ دن کے بعد اسیر ہوئے۔ بالآخر شہر بدر ہونے پر وہ راضی ہوئے اور اسی شرط پر اُن کی جان بخشی کی گئی۔

غزوۂ سویق:

ابوسفیانؓ نے قسم کھائی تھی کہ محمد ﷺ یا اصحاب محمد ﷺ سے انتقام لیے بغیر وہ عورت سے صحبت نہ کرے گا اور نہ سر

Marfat.com

میں تیل ڈالے گا۔ آنحضرت ﷺ سے اب انتقام لینا آسان نہ تھا اس لئے محض قسم اُتارنے کو وہ کچھ آدمی لے کر نواح مدینہ تک آیا۔ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مسلمان اور اس کے ایک مزدور کو مار کر اور چند خرمے کے درختوں اور رہنے کے گھروں میں آگ لگا کر چلا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے خبر پا کر تعاقب کیا لیکن ابوسفیان بھاگا اور بھاگتے ہوئے اونٹ کا بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے سویق (ستو) کے بورے گراتا گیا۔ اسی وجہ سے اس کا نام غزوہ سویق رکھا گیا۔ اس غزوہ میں بجز سویق کے اور کوئی شے مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آئی اور نہ جنگ کی نوبت آئی۔ یہ واقعہ 2ھ کا ہے لیکن بعض مؤرخ اسے ابتدائے 3 ہجری میں داخل کرتے ہیں۔

بنوسلیم کی سرکوبی:

عراق اور مکہ کی راہ میں مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر قرۃ الکدر واقع ہے۔ مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ وہاں بنوسلیم اور بنوعطفان فساد کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اُن پر چڑھائی کی۔ وہ لوگ تو بھاگ گئے لیکن اُن کے چرواہے 5 سو اونٹ سمیت گرفتار ہوئے۔ مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ ان چرواہوں میں یسار نام ایک غلام تھا وہ آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آیا اور مسلمان ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اُسے پھر آزاد کر دیا۔

شریر یہود:

جب مکہ والوں کو معلوم ہوا کہ مسلمانان مدینہ ہماری تاک میں رہتے ہیں تو اُنہوں نے یثرب یعنی نواحی مدینہ کا راستہ چھوڑ کر عراق عرب یعنی مدینہ سے مغرب ہو کر شام جانے کا ارادہ کیا۔ مسلمانوں کو اس کی خبر ہوگئی۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو آنحضرت ﷺ نے روانہ کیا۔ قریش بھاگ گئے، ان کے ساتھ مال بہت تھا اور اس لئے بہت کچھ نقد و جنس مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

اب ہجرت کا تیسرا سال شروع ہوا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ مدینہ سے کچھ تھوڑی دور پر نواحی مسجد میں بہ مقام ذی امر کچھ یہود اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ مسلمانوں پر اچانک آ پڑیں۔ اور نقصان پہنچائیں۔ آنحضرت ﷺ نے خود پیش قدمی کی اور کوئی ساڑھے چار سو آدمی ساتھ لے کر موقع پر پہنچ گئے۔ یہود پہاڑوں میں جا چھپے اور مقابلہ نہ کر سکے۔ مسلمان اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ ایک درخت کے نیچے تنہا سو رہے تھے کہ ایک یہود شمشیر بکف پہاڑی سے اُترا اور کہنے لگا: ''من يمنعك مني'' بتاؤ تمہیں کون بچائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے کہا اللہ تعالیٰ۔ یہ سنتے ہی وہ ایسا مرعوب ہوا کہ تلوار اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آنحضرت ﷺ نے اُس کی تلوار ہاتھ میں لے کر پوچھا کہ اب بتاؤ تمہیں کون بچائے گا۔ اس یہود کے منہ سے نکلا ''اشهد ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله'' یعنی وہی اللہ جس نے اپنے رسول کو بچایا۔ اس غزوہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی نہ کچھ مال غنیمت دستیاب ہوا۔

کعب بن اشرف یہودی بڑا ہی بدذات شاعر تھا۔ مدینہ کے قریب ہی ایک ٹیلہ پر حصار میں رہتا تھا۔ اپنی قوم کا سردار اور دولت مند بھی تھا۔ جنگ بدر کے بعد یہ مکہ میں گیا اور جانے کی غرض صرف یہ تھی کہ قریش کو اپنی سحر بیانی سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے مستعد کرے۔ اس کا فساد مسلمانوں کو کھلتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے ایما سے چند انصار نے ''الحرب خدعة'' پر عمل کیا اور اُسے قتل کر ڈالا وہ اپنے کردار کو پہنچا اور اس لئے اس کے اعزہ نے زیادہ شور و غل نہیں کیا۔

زمین حجاز میں خیبر کے قریب ایک حصار میں ابورافع نام ایک بڑا متمول یہودی رہتا تھا۔ اور حجاز کا تاجر کہلاتا تھا۔

Marfat.com

مسلمان اس سے بھی تنگ تھے۔ چند مسلمانوں نے اس کے مار ڈالنے کا حکم آنحضرت ﷺ سے حاصل کیا تھا۔ غالباً کعب بن اشرف کے واقعہ نے ابو رافع کے قتل کی طرف طبیعتوں کو مائل کیا۔ اس کے قتل کی حکایت بہت دلچسپ ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عتبہ چند مسلمانوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے اور ابو رافع کی گھاٹی کے پاس پہنچ کر ساتھیوں سے الگ ہو گئے۔ وہ خود تنہا پھاٹک کے پاس پہنچ کر اس طرح میدان میں بیٹھے جیسے کوئی قضائے حاجت کے لئے شہر سے نکلا ہو۔ دربان نے آواز دی کہ جلد آؤ ورنہ پھاٹک بند ہوتا ہے۔ دن چھپ چکا تھا۔ عبداللہ جلدی سے گھاٹی کے اندر داخل ہو گئے اور دیکھتے گئے کہ دربان کنجی کہاں لٹکا دیتا ہے۔ جب لوگ سو گئے تو ابو رافع کی خوابگاہ میں حضرت عبداللہؓ پہنچے۔ اندھیرے میں پتہ کیونکر لگتا اس لئے اُنہوں نے پکارا۔ ابو رافع بولا تو اُس کی آواز پر اُنہوں نے ہتھیار مارا اور باہر نکل آئے لیکن زخم کاری ہونے میں شبہ تھا اس لئے فوراً پھر اندر داخل ہوئے اور آواز بدل کر حال پوچھا۔ اُس نے گھر کا آدمی سمجھ کر مدد کی درخواست کی۔ اُنہوں نے پھر آواز پر خنجر مارا۔ اب کی زخم کاری لگا۔ بھاگتے ہوئے زینہ سے لڑھکے، ٹانگ ٹوٹ گئیں۔ پگڑی سے اپنی ٹانگ باندھ کر اور ایک ہی پاؤں سے یہ کودتے ہوئے کسی طرح قلعہ سے باہر نکل آئے اور صبح کو زیر قلعہ سے ابو رافع کا مرنا تحقیق کر کے مدینہ میں آئے۔ اسی سال میں آنحضرت ﷺ کے ہاں فرزند پیدا ہوا۔ حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمر بن خطاب اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے آپؐ نے اسی سال میں یعنی 3ھ میں نکاح کیے اور اسی سال میں غزوۂ احد بھی ہوا۔

غزوۂ احد:

قریش نے پورے طور پر سامان کر کے دوبارہ مدینہ پر چڑھائی کی۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے پہلے سے آنحضرت ﷺ کو مطلع کر دیا تھا۔ مدینہ کے قریب قریش پہنچے تو مسلمانوں نے مشورہ شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ کی رائے تھی کہ لوگ مدینہ سے باہر نہ جائیں۔ شہر میں گھس کر قریش کیلئے لڑنا مشکل ہوگا اور مسلمانوں کو اس میں سہولت ہوگی۔ بعض اصحاب نے بھی یہی رائے دی لیکن وہاں مسلمانوں کا شوق شہادت بڑھا ہوا تھا اور جو لوگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ تو اور بھی زیادہ جذباتی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی یہی رائے منظور کی۔ جب آنحضرت ﷺ ہتھیار لگا کر باہر چلنے لگے تو بعض اشخاص نے سوچا کہ پیغمبر خدا ﷺ کی رائے سے اختلاف کرنا ٹھیک نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے سن کر کہا کہ ''پیغمبروں کی شان کے خلاف ہے ہتھیار باندھ کر کھول ڈالنا، اب جو ہونا تھا ہو چکا۔''

قریش تین ہزار کی جماعت سے آئے تھے۔ ان میں سات سو جوان زرہ پوش تھے۔ سردار فوج کا ابو سفیان تھا اور اس کے ماتحت بہت سے اکابر قریش تھے۔ مثلاً اسود بن مطلب، جبیر بن مطعم، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، عبداللہ بن ربیعہ، خوطب بن عبدالعزی، خالدؓ بن الولید۔ اب کے عورتیں بھی ساتھ آئی تھیں اور غرض یہ تھی کہ وہ گا بجا کر ہمتیں بڑھائیں، مقتولان بدر پر مرثیے پڑھ کر لوگوں کو جنگ کیلئے ابھاریں اور مُنہ موڑنے والوں کو شرم دلائیں۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ پہلے سے زائد مجاہدین تھے جن میں سے ایک سو زرہ پوش بھی تھے۔ مدینہ سے نکل کر آنحضرت ﷺ نے بمقام احد (مدینہ سے کچھ فاصلہ پر یہ ایک سُرخ پہاڑ واقع ہے) قیام کیا۔ اسی کوہ کی آڑ میں قریش کا لشکر پڑا تھا۔ صبح کو آنحضرت ﷺ نے فوج درست کی۔ صفیں باندھ کر اصحاب کھڑے ہوئے۔ کوہ احد کی طرف فوج کی پشت ہوئی اور مدینہ کی طرف منہ۔ بائیں جانب کوہ عینین رکھا گیا۔ اس پہاڑ میں ایک تنگ سی راہ تھی۔ حضرت عبداللہؓ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کی جمعیت سے آنحضرت ﷺ نے وہاں کھڑا کیا اور سمجھا دیا کہ ادھر سے کفار گھسنا چاہیں گے۔ تم لوگ یہاں سے ہرگز نہ ہٹنا۔ مسلمانوں کو فتح ہو تو مال غنیمت ہرگز لوٹنے نہ آنا اور نہ شکست کی حالت میں حمایت کو دوڑنا۔

عبداللہ بن ابی منافق اختلاف کرتے ہوئے فرار ہو گیا اور وجہ یہ بیان کی کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں رہ کر جنگ نہ کی اور میری رائے پر دوسروں کی رائے کو ترجیح دی اس لئے میں نہ ٹھہروں گا۔ اس کی واپسی کی مسلمانوں کو کچھ پروا نہ تھی۔ مسلمانوں کو جان نثار رفیقوں کی ضرورت تھی۔ تعداد کا بڑھانا انہیں منظور نہ تھا۔ جب ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے حمایت کا معاہدہ کرتا تھا تو ایسے معاہد کو حلیف کہتے تھے۔ عمر کا حلیف زید ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی غنیم زید پر چڑھے تو عمر زید کی مدد کیلئے آئے اور عمر پر کوئی وقت مصیبت آپڑے تو زید اُس کی مدد کیلئے آئے۔ عبداللہ بن ابی کے حلیف یہود مدد کیلئے آئے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے اُنہیں ٹال دیا۔ یہ پسند نہیں کیا گیا کہ بے دل لڑنے والوں کی شرکت سر بکف مسلمانوں کو بھی ناکارہ بنادے۔

مسلمانوں کی طرف سے میمنہ میسرہ اور مقدمہ لشکر کے لئے حضرت عکاشہؓ بن محصین۔ حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص منتخب کیے گئے اور کفار کی طرف یہ خدمتیں خالدؓ بن ولید، عکرمہؓ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ، عمروؓ بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کے متعلق کی گئیں۔

ابتدائے جنگ یوں ہوئی کہ ابو عامر فاسق پچاس آدمی کی جماعت سے باہر نکلا اور مسلمانوں پر تیر برسانا شروع کیا۔ مسلمانوں نے بھی تیر سے جواب دیا۔ ابو عامر کے پاؤں اُٹھ گئے۔ عورتوں نے بہتیرا شور وغل مچایا لیکن بھاگنے والے ذرا خبردار نہ ہوئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر طلحہ بن ابی طلحہ علم دار لشکر قریش نے آگے بڑھ کر مبارز طلب کیا۔ ادھر سے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نکلے اور نکلتے ہی طلحہ کو ایسی تلوار ماری کہ سر کا مغز نکل پڑا۔ اس کے بعد طلحہ کے دو بھائی عثمان اور ابوسعید علم بردار ہو کر میدان میں آئے اور حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ پھر طلحہ کے تین بیٹے مسافع، حارث اور کلاب باری باری علم بردار ہوئے اور مارے گئے۔ جب اس خاندان کا کوئی باقی نہ رہا تو ارطاۃ بن شرجیل وغیرہ نے علم اُٹھایا اور سب مارے گئے۔ اس کے بعد کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوئے۔

مسلمانوں کی فتح ہوئی، اس وقت مسلمان بھی ایسا ہی سمجھے تھے اور یہی سمجھ اُن کے حق میں زہر ہوگئی۔ عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے درہ کوہ چھوڑ کر مال غنیمت میں شرکت کی اور حضرت عبداللہؓ کو مع چند جانبازوں کے وہیں شہید ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔ قریش میں خالدؓ بن ولید ایک تجربہ کار جنگجو تھے جنہوں نے بعد میں مسلمان ہو کر سیف اللہ لقب پایا۔ قریش تو بھاگ گئے لیکن یہ مع چند ساتھیوں کے دبکے کھڑے رہے اور اسی وقت کے منتظر تھے۔ عبداللہ کو تنہا پا کر اُنہوں نے شہید کیا اور مسلمانوں کے پیچھے اچانک آپڑے۔ اُدھر بھاگے ہوئے قریش بھی واپس آگئے۔ اب مسلمان بالکل دشمنوں کے ہاتھ میں تھے۔ لڑائی کا اندازہ ہی بدل گیا۔ ہلڑ میں دوست دشمن کا امتیاز جاتا رہا۔ بعض مسلمان خود مسلمانوں کے ہاتھ سے زخمی ہوئے۔ پیغمبر خدا ﷺ کے دانت اسی لڑائی میں شہید ہوئے، حالت جنگ میں آپ گر پڑے۔ زرہ کی کڑی رخسار میں گھس گئی۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے اپنے دانتوں سے وہ کڑی نکالی۔ حضرت طلحہ بن عبداللہ، حضرت علی ابن ابی طالب و حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم وغیرہ سات مہاجر اور اسی قدر انصار آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے کھڑے تھے اور کفار تھے کہ خاص آنحضرت ﷺ کے (نعوذ باللہ) قتل کرنے کیلئے پلے پڑتے تھے۔ فوج میں کسی نے شور کیا کہ "محمد ﷺ مارے گئے" بس اس کلمہ نے مسلمانوں کے پاؤں اُکھاڑ دیے۔ حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ زخم سے خستہ پڑے تھے۔ ایک صحابی سے اُنہوں نے پوچھا۔ "محمد ﷺ کا حال کہو۔" اُس نے کہا زندہ ہیں۔ حضرت طلحہ رضی

Marfat.com

اللہ عنہ نے جواب دیا پھر کچھ پروانہیں اب سب مصیبتیں آسان ہیں۔

جب یہ معلوم ہوا کہ آپ کے مارے جانے کی خبر غلط تھی تو رفتہ رفتہ چند اصحاب جمع ہو گئے۔ کفار آنحضرت ﷺ کو مقتول سمجھ کر ہٹ گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے کوہ احد پر چڑھ جانا چاہا کہ کفار کو دسترس نہ ہو۔ جب پہاڑ پر آپ چڑھ چلے تو کفار نے تعاقب کیا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اُنہیں روکا اور آنحضرت ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر ایک شعبہ میں جا کر ٹھہرے۔ آہستہ آہستہ تمام جان نثار وہاں جمع ہوتے گئے۔ حضرت فاطمہ بنت رسول رضی اللہ عنہا مدینہ سے دوڑی آئیں اور اپنے شوہر کے ساتھ مل کر آنحضرت ﷺ کے زخموں کو اُنہوں نے دھویا اور کپڑا جلا کر اُس میں راکھ بھری۔ کھٹکا تھا کہ کہیں کفار مدینہ کا رخ نہ کریں۔ کچھ اُن پر ہیبت ایسی طاری ہوئی کہ وہ سوچ سمجھ کر واپس گئے۔ لیکن کچھ فاصلہ پر جا کر اُن کی رائے پھر بدلی اور اُنہوں نے چاہا کہ مدینہ پر حملہ کریں۔ یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی۔ جنگ احد کے دوسرے ہی دن پھر آپ نے کفار قریش کے تعاقب کا قصد کیا۔ مجروح جسم پر آپ نے ہتھیار لگائے اور تمام اصحاب نے بیعت کی۔ بمقام حمرا مسلمانوں کا لشکر اُترا۔ ابوسفیان کو خبر ملی کہ محمد ﷺ پھر آئے ہیں، اس کے ساتھیوں میں بھگدڑ پڑی۔ مسلمانوں نے کچھ دور تک تعاقب بھی کیا مگر کفار نے سامنا نہ کیا۔ آخر میں کفار ہی بھاگے اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا لیکن اس خیال سے کہ کفار سے کہیں زائد مسلمان اس میں کام آئے۔ کفار کے صرف 30 آدمی مارے گئے اور یہاں ستر زخمی اور ستر شہید ہوئے۔ مسلمانوں کو کچھ مال غنیمت نہیں ملا۔ عام طور پر یہی سمجھا گیا اور سمجھا جاتا ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی۔

شہدائے احد میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ آنحضرت ﷺ کے چچا اور رضاعی بھائی تھے۔ آنحضرت ﷺ کو اُن کے شہید ہونے کا بڑا ہی غم ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے جا کر اُن کی نعش میدان کارزار میں دیکھی کہ ناک اور کان کٹے تھے۔ پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا گیا تھا۔ ایسا ہی اور شہیدوں کے ساتھ بھی دل ہلا دینے والی جہالت کی گئی تھی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ کفار کی عورتوں نے یہ حرکت کی ہے۔ ان شہیدوں کے ہاتھ سے جو کفار جنگ بدر میں یا اب مارے گئے تھے اُن کی رشتہ دار عورتوں نے یوں بدلا لیا تھا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کیلئے ایک خاص حبشی غلام بہت بڑے انعام کی طمع پر ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان کی طرف سے تعینات کیا گیا تھا۔ عتبہ بدر میں مارا گیا تھا اور اُس کے بدلہ لینے کو ہندہ بے چین تھی۔ اسی ہندہ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ بھی چبایا تھا۔ اس حبشی سے مروی ہے کہ ہندہ کا کہنا تھا کہ حضرت محمد ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان میں سے وہ کسی ایک کو مار ڈالے تو وہ اسے گراں قدر انعام دے گی۔ وہ حبشی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کیا لڑتا۔ صورت دیکھ کر اُس کی روح پرواز کرتی تھی۔ ایک مقام پر وہ پتھر کی آڑ میں چھپ کر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ وہاں گذرے، اسے نیزہ مارنے کا موقع مل گیا۔ نیزہ بازی میں اسے مشاق تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے وار سے جانبر نہ ہو سکے۔

جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو مسلمانوں کے گھر ماتم سرا تھے۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا۔ "تمام گھروں سے تو رونے کی صدا آتی ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر کوئی رونے والا بھی نہیں ہے۔" یہ کہنا اس غرض سے نہ تھا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر کوئی روئے بلکہ ذہن میں یہ تھا کہ بے چارے مسلمان اپنی سوء تدبیر سے آج اس قدر ہلاک ہوئے کہ اُن کی تعداد بہت گھٹ گئی تھی اور مہاجر اس بیکسی میں مارے گئے کہ اُن پر کوئی رونے والا بھی نہیں ہے۔ انصار نے یہ سنا اور سنتے ہی اُنہوں نے اپنی عورتیں رونے کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیں کہ پہلے وہاں

لو پھر اپنے یہاں رونا۔ تھوڑی دیر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر کہرام مچ گیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ خبر ہوئی تو آپ نے فوراً رونا بند کروا دیا اور کہا۔ "میرا یہ مقصد نہ تھا کہ حمزہؓ کے گھر لوگ آ کر ماتم کریں۔"

۳ ہجری کے دیگر واقعات:

اسی سال 3ھ میں آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ قطن میں قبیلہ بنی اسد کے چند مفسد جمع ہو کر مسلمانوں پر حملے کا قصد رکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوسلمہ مخزومیؓ کو ڈیڑھ سو مسلمانوں کے ساتھ جن میں حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح اور حضرت سعدؓ بن وقاص وغیرہ اکابر بھی تھے، دشمن کی گوشمالی کیلئے روانہ کیا۔ مخالفین نے جم کر مقابلہ نہ کیا۔ مسلمان فتحیاب ہوئے اور مع مال غنیمت کے واپس آئے۔

اسی سال میں عرفہ (وادی عرفات کے پاس ایک مقام ہے) کے سفیان بن خالد ہذلی کے قتل کا واقعہ ہے۔ یہ مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا، چند مسلمانوں کے قتل کا بھی یہ سبب ہوا تھا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ مدینہ سے حضرت عبداللہؓ بن انیس اس کے پاس گئے اور "الحرب خدعۃ" پر عمل کر کے کسی طرح اس کا سر تن سے جدا کیا۔ دن کو چھپتے تھے اور رات کو چلتے تھے۔ افتاں وخیزاں انہوں نے آنحضرت ﷺ تک دشمن کا سر پہنچایا۔

بیر معونہ کا سانحہ:

ہجری سنہ کا چوتھا سال شروع ہوا۔ سال کے شروع ہی میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ بہت سے انصار شہید ہوئے۔ قبیلہ نجد و بنی عامر سے ابوبراء نامی ایک یہودی آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ میں آیا مسلمان تو نہیں ہوا لیکن اسلام کا معتقد معلوم ہوا۔ بظاہر یہ سمجھا گیا کہ وہ تنہا مسلمان ہونا نہیں چاہتا، کل خاندان کے ساتھ مومن ہونا دنیاوی مصلحتوں کے اعتبار سے مناسب سمجھتا ہے۔ خود اس کی درخواست پر چالیس یا ستر اصحاب جن میں اکثر انصار تھے روانہ کیے گئے تاکہ وہ لوگ اس کے وطن میں جا کر اسلام کا وعظ کریں۔ آنحضرت ﷺ ذرا رُکے۔ لیکن جب ابوبراء نے اپنی حمایت کا ذمہ لیا تب پھر کچھ اندیشہ نہیں کیا گیا۔ ابوبراء کے بعد یہ لوگ گئے اور بستی کے قریب بیر معونہ پر ٹھہرے۔ خرام بن ملحان سب کے حکم سے ابواء کے بھتیجے عامر بن طفیل کے سامنے ایلچی ہو کر گیا کہ اگر وہ بلائے تو مسلمان شہر میں آئیں۔ یہ ایلچی وہاں مارا گیا۔ عامر نے بنی نجد و سے مدد چاہی لیکن اُنہوں نے ابوبراء کا معاہدہ یاد کر کے شرکت سے انکار کیا۔ پھر عامر نے دوسرے قبیلوں سے مدد لے کر بیر معونہ کے پاس مسلمانوں کو گھیر لیا۔ یہ بیچارے مسلمان فن جنگ سے کم واقف تھے۔ ان کے پاس زرہیں یا عمدہ ہتھیار بھی نہ تھے۔ قرآن پڑھنا پڑھانا اور مزدوری کر کے پیٹ پالنا ان کا کام تھا۔ سب کے سب وہیں شہید ہو گئے۔ ان کی جماعت کے دو شخص حضرت حارثؓ بن ضمہ اور حضرت عمرؓ بن ضمیری اونٹ چرانے گئے تھے۔ گدھ اڑتے دیکھ کر انہیں شبہ ہوا، ٹیلے پر چڑھے اور اپنے ساتھیوں کو مقتول دیکھا۔ انہوں نے مدینہ جا کر خبر پہنچانا جانبازی کے خلاف سمجھا اور جرأت وشجاعت سے حریفوں کا مقابلہ کیا۔ حضرت حارثؓ نہایت دلیری کے ساتھ چار شخص مار کر خود شہید ہوئے اور حضرت عمرؓ کی نسبت مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گرفتار ہوئے اور پھر عامر نے اُنہیں آزاد کر کے اپنی ماں کی منت پوری کی جس نے ایک غلام آزاد کرنا کسی وجہ سے اپنے اوپر واجب کر لیا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو صرف ایک کے ذریعہ سے مفصل حالات مسلمانوں کو معلوم ہوئے اور نہیں تو مدت تک کوئی حال کا کہنے والا بھی پیدا نہ ہوتا۔ ہے کہ ابوبراء کے بیٹے ربیعہ نے عامر کو کسی موقع پر نیزہ مار کر ہلاک کیا۔ اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ

Marfat.com

اس واقعہ میں ابو براء پر کچھ الزام مسلمانوں کے نزدیک ثابت نہ تھا۔

بنو نضیر کی شہر بدری:

ایک مرتبہ تمام اکابر اصحاب کو ساتھ لے کر آنحضرت ﷺ یہودی قبیلے بنو نضیر کے ہاں گئے۔ وہاں اہل قبیلہ نے آنحضرت ﷺ پر پتھر لڑھکا کر شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کو پتہ لگ گیا۔ آپ اس طرح اُٹھے جیسے کوئی حاجت بشری کو اُٹھتا ہے اور پھر مکان سے باہر نکل کر مدینہ کی راہ لی۔ تھوڑی دیر کے بعد تمام اصحاب واپس آئے لیکن حیرت کے ساتھ۔ یہاں آنے پر اصلی حالات معلوم ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے قبیلہ بنو نضیر کی سزا جلاوطنی تجویز کی اور اُنہیں حکم دیا کہ تم لوگ اپنا تمام مال ومتاع لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ وہ لوگ اس پر راضی ہوئے لیکن پھر جلد ہی منحرف ہو گئے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے ان پر چڑھائی کا حکم دیا۔ مسلمانوں کی تیاری دیکھ کر وہ قلعہ بند ہو گئے۔ پندرہ روز تک مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ جب بنو نضیر نے دیکھا کوئی ان کا حلیف مدد کیلئے نہیں آتا تو مصالحت کیلئے گفتگو شروع کی۔ جلا وطنی اب بھی تجویز ہوئی لیکن اس بار یہ شرط سختی کے ساتھ عائد کی گئی کہ وہ اپنے ہتھیار اور زرہیں وہیں چھوڑ دیں گے جو کہ مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی، نیز یہ کہ وہ صرف اتنا ہی مال ومتاع اُٹھا سکتے ہیں جتنا ان کے بار برداری کے جانور اُٹھا سکیں۔ اس طرح بہت کچھ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا لیکن چونکہ لڑائی کی نوبت نہیں پہنچی تھی اس لئے فوج والوں کا وہ حق نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے تمام مال غنیمت کو بیت المال میں داخل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو جو خمس ملتا تھا، وہ عموماً مستحق مسلمانوں میں ہی بٹ جایا کرتا تھا یا پھر کچھ حصہ ازواج نبیؐ کے نان اور نفقہ میں خرچ ہوتا تھا۔ جب سے مسلمان مکہ سے آئے تھے، تمام مہاجر انصار ہی کے گھر میں مہمان تھے۔ ایک ایک مہاجر کو انصار نے لے لیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فیصلہ کیا کہ یہ مال صرف مہاجرین میں تقسیم ہو تاکہ مہاجر اپنا گھر الگ بنائیں اور انصار کی گردنوں سے اُن کے بار اُٹھ جائیں چونکہ مال غنیمت سے مہاجر اور انصار سب کو نفع پہنچا، انصار نے نہایت مسرت سے اسے قبول کیا اور کہا کہ ہم تو اس میں راضی ہیں کہ یہ مال مہاجرین کو دیا جائے۔ غرضیکہ وہ مال اکثر مہاجرین میں تقسیم ہوا اور بعض مفلس انصار کو بھی دیا گیا۔

غزوۂ بدر صغریٰ:

4 ہجری میں آنحضرت ﷺ کے نواسہ عبداللہ بن عثمانؓ نے چھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ کھیلتے ہوئے مرغ نے آنکھ میں پنجہ یا چونچ ماری، جس کے صدمہ سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ نے انتقال کیا۔ عبدالسلام مخزومی کے مرنے پر اُن کی زوجہ اُم سلمہ آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کی ماں فاطمہ بنت اسد بھی اسی سال فوت ہوئیں۔ حضرت حسینؓ بن علی کی پیدائش اسی سنہ میں ہوئی۔

اسی سنہ میں غزوۂ بدر صغریٰ بھی واقع ہوا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جنگ احد سے واپسی کے وقت ابو سفیانؓ کہتا گیا تھا کہ اب سال آئندہ ہم لوگ پھر آئیں گے۔ مسلمانوں کو اس کا خیال رہا۔ جب وقت قریب آیا تو مسلمانوں نے جنگ کی تیاری کی۔ اس سال مکہ میں قحط پڑا تھا۔ کفار مکہ جنگ کے لئے آنا پسند نہ کرتے تھے اور وہاں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے خفت ہو۔ ابو سفیانؓ نے ایک شخص اس لئے بھیجا کہ وہ اجنبی بن کر کفار قریش کے سامان جنگ سے مسلمانوں کو ڈرا دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی شخص کے آنے سے مسلمانوں کی راہیں پلٹ گئیں۔ اُس نے کچھ اس شدومد سے کفار قریش کی تیاریوں کا تذکرہ کیا کہ مسلمان پریشانی سے دوچار ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کا اشارہ پاتے ہی دفعتہً مسلمانوں کو

Marfat.com

جوش آیا اور تیاریاں ہونے لگیں۔ وہ شخص مایوس ہو کر قریش کے پاس آیا۔ قریش کی ہمتیں بالکل چھوٹ گئیں۔ کسی طرح وہ لوگ مکہ کے باہر بھی نکلے تو مدینہ تک پہنچتے پہنچتے ان کا رہا سہا منصوبہ بھی جاتا رہا اور یہ سمجھ کر لوٹ گئے کہ آئندہ سال دیکھا جائے گا اور یہاں مسلمان ڈیڑھ ہزار کی جمعیت سے بدر تک آئے۔ بدر میں لوگوں کے جمع ہونے کا موسم تھا۔ بازار یا میلہ کا دن تھا۔ وہاں بیچنے کے لئے مسلمان تجارت کا مال بھی لیتے آئے تھے۔ کسی قسم کی جنگ تو نہیں ہوئی اور نہ مال غنیمت حاصل ہوا لیکن تجارت میں نفع اتنا ہوا کہ محنت وصول ہوگی۔

احکام توریت:

زنا کی حالت میں سنگسار کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے محکوم تھا۔ توریت میں حکم تھا لیکن عمل درآمد نہیں تھا۔ سن ۴ ہجری میں ایک مالدار یہود کے لڑکے نے کسی عورت سے زنا کیا۔ یہودیوں نے چاہا کہ دونوں صرف رسوا کر کے چھوڑ دیے جائیں، ہلاکت کی سزا نہ دی جائے اور آنحضرت ﷺ سے بیان کیا کہ توریت میں ایسا ہی محکوم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کہا کہ توریت میں ضرور رجم کی سزا ہوگی۔ یہودیوں نے ہیر پھیر کر کے اپنا مطلب توریت سے نکالنا چاہا لیکن حضرت عبداللہؓ بن سلام کی موجودگی میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ توریت نے بھی رجم ہی کا فتویٰ دیا اور وہ دونوں سنگسار کیے گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو تعینات کیا کہ وہ لوگوں کو توریت پڑھائیں تاکہ یہود اس میں تحریف نہ کر سکیں۔

شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال میں نازل ہوا اور بعضوں کے نزدیک 6ھ یا سنہ 8 میں ایسا ہوا۔ ابتدائے اسلام میں لوگ برملا شراب پیتے تھے۔ شراب سے جو مضرتیں پیدا ہوتی ہیں اُن پر اصحاب اکثر غور کرتے تھے اور پیغمبر خدا ﷺ سے شراب کے متعلق سوالات کرتے تھے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے تمام مدینہ میں منادی کرادی کہ شراب حرام ہوئی کہ کوئی نہ پیے۔ مسلمانوں میں قاعدے کی پابندی ایسی تھی کہ حکم سنتے ہی لوگوں نے شراب کے خم لنڈھا دیے۔ مدینہ کے گلی کوچوں میں پانی کی جگہ شراب ہی شراب نظر آنے لگی۔ اُس روز سے آج تک شراب نوشی بہت بڑی معصیت مسلمانوں کے نزدیک ہے۔ مسکرات سے علیحدگی عموماً شعار اسلام سمجھا جاتا ہے۔

غزوۂ بنو مصطلق:

۵ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچی کہ بنوالمصطلق کا سردار حارث بن ضرار مسلمانوں پر لشکر کشی کا ارادہ رکھتا ہے۔ تصدیق خبر کے بعد آنحضرت ﷺ نے پیش قدمی کی۔ یہود کی طرف سے دس آدمی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور پھر صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔ لڑائی میں یہودیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ مال غنیمت کے ساتھ مسلمان واپس آئے۔ اِس غزوہ کو غزوۂ مریسیع بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ قبیلہ بنوالمصطلق کی آبادی چشمۂ مریسیع کے کنارے پر تھی۔ حارث کی بیٹی حضرت جویریہؓ مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں داخل ہوئی اور اسی سال میں حضرت زینبؓ بنت جحش سے بھی آنحضرت ﷺ نے نکاح کیا۔

اسی غزوۂ بنوالمصطلق سے پھرتے ہوئے راہ میں مہاجر اور انصار سے کچھ بے لطفی ہوگئی۔ عبداللہ بن ابی نے فساد بڑھانا چاہا اور کہا کہ اب مہاجروں کو ہم مدینہ میں رہنے نہ دیں گے اور آنحضرت ﷺ کی شان میں بھی کچھ ذومعنی الفاظ استعمال کیے۔ عبداللہ بن ابی کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ مدینہ والوں کا سردار ہونے والا تھا۔ اگر آنحضرت ﷺ نہ آتے

Marfat.com

تو قوم اسی کو حاکم بناتی۔ وہ مصلحت وقت پر نظر ڈال کر مسلمان ہو گیا تھا لیکن دل سے آنحضرت ﷺ کا بدخواہ اور حاسد تھا اور اسی لیے اس کو 'منافق' کہتے تھے اس کے علاوہ اور بھی چند منافق تھے۔ یہ لوگ جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے لیکن دل سے جنگ نہیں کرتے تھے، بہ نیت ثواب نہیں جاتے تھے بلکہ محض غنیمت کی طمع سے شریک ہوتے تھے۔ یہ وہی ابن ابی ہے جو جنگ اُحد سے واپس گیا تھا۔ اسی نے بنونضیر کو بھی بہکایا تھا کہ وہ جلاوطنی کے حکم پر راضی ہو کر پھر منحرف ہو گئے۔ یہ مسلمانوں کا مار آستین تھا۔ عبداللہ بن ابی کی گفتگو آنحضرت ﷺ کے گوش مبارک تک پہنچائی گئی۔ وہاں تو تحمل کی انتہا نہ تھی لیکن حضرت عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا آپ نے فرمایا کہ حکم ہو تو اس منافق کی گردن ماردی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے کہا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو بھی مارتے ہیں اس لئے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

عبداللہ بن ابی کا ایک بیٹا تھا اور اس کا نام بھی عبداللہ تھا۔ یہ بڑا سچا مومن تھا۔ اس کو خبر ہوئی تو دوڑ کر آیا اور آنحضرت ﷺ سے کہنے لگا اگر میرا باپ لائق گردن زدنی ہے تو یہ کام میرے سپرد کیجئے۔ میں ابھی اُس کا سر حاضر کرتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے کو حکم دیں، نفس پر کسی کو قدرت نہیں۔ کہیں میرے نفس کو یہ برا لگے اور میں جہنمی ٹھہروں۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اُس کی ہلاکت نہیں چاہتا۔ جب لوگ مدینہ کے قریب پہنچے تو عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے اپنے باپ عبداللہ بن ابی کو مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور کہا کہ تم مدینہ میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہو۔ آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے کہا جانے دو اور تب بیٹے نے باپ کو چھوڑا۔ ایسی ہی بہت سے مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ ماں باپ سے کہیں زیادہ رسول ﷺ کو پیار کرتے تھے۔

واقعہ افک:

اسی سفر میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ آپ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں ساتھ تھیں۔ راستہ میں ہیکل گر گئی، اس کی تلاش میں آپ کو دیر ہوئی اور اونٹ والے نے کچھ خیال نہ کیا۔ قافلہ چل کھڑا ہوا۔ قافلہ کے پیچھے ایک شخص چیزوں کی دیکھ بھال کے لئے رہتا تھا۔ آپ کو اُس نے دیکھا اور ساتھ لایا۔ یہ منافق مار آستین کب چوکتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بچھڑ جانے کو بدنیتی پر محول کیا۔ بات تو مُنہ سے نکلتے ہی بڑھ جاتی ہے۔ تمام لشکر میں شہرہ ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کو بھی اس کا خیال ہوا لیکن چند دنوں کے بعد اس کی پوری تکذیب ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ اُنس تھا اس لئے اس غلط خبر کے مشہور کرنے والوں سے آنحضرت ﷺ کو رنج بھی بہت ہوا۔ اس قصہ کو قصہ افک کہتے ہیں۔ سورۂ نور کے گیارہویں رکوع کے شروع میں ہے۔ ان الذین جاؤا با لافك عصبة منكم لا تحسبوه شرا لكم بل هو خيرلكم. یہ آیۃ اکثر مؤرخین اور مفسرین کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کی نسبت نازل ہوئی۔

غزوۂ خندق:

اکثر مؤرخین کا بیان ہے کہ غزوۂ خندق 5ھ میں واقع ہوا۔ اس غزوۂ کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ بنونضیر مدینہ سے جلاوطن ہو کر اطراف عالم میں منتشر ہو گئے۔ حیئ بن اخطب جو مع اپنے ساتھیوں کے خیبر میں جا کر مقیم ہوا تھا چند یہودیوں کو ساتھ لے کر مکہ پہنچا۔ وہ لوگ آنحضرت ﷺ سے تو لڑنے والے تھے ہی ان یہودیوں کی مدد نے انہیں اور اُبھارا۔ سرداران قریش نے غلاف کعبہ کے اندر گھس کر تصمیم ارادت کی نسبت قسمیں کھائیں اور بہت ہی مستعدی اور

Marfat.com

یکدلی سے یہ لوگ باہر نکلے۔ چار ہزار آدمی تو قریش کے تھے اور چھ ہزار یہود اور اطراف مکہ کے لوگ جملہ دس ہزار کی جمعیت سے مسلمانوں پر چڑھائی کی گئی۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر حئی بن اخطب نے قبیلہ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسید کو بھی گانٹھا اور اس طرح بنو قریظہ بھی قریش کے ساتھ مل گئے۔

سلیمانؓ فارسی کی رائے سے مسلمانوں نے اپنے لئے ایک چھوٹی سی گھاٹی تیار کی۔ مدینہ کے قریب ایک پہاڑی سلع نام کی ہے۔ اسی کے نیچے مسلمان ٹھہرے اور سامنے پانچ گز چوڑی اور اسی قدر گہری خندق کھود لی۔ ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف خندق بیچ میں بیضاوی شکل یا کمان کی صورت میں ایک محفوظ جگہ بنائی گئی جس میں آنحضرت ﷺ کے لئے سُرخ چمڑے کا خیمہ نصب کیا گیا اور پھر کل مسلمان اس میں پناہ گزیں ہوئے۔ خندق کھودنے میں خود آنحضرت ﷺ شریک تھے۔ خندق کھودنے کی محنت، بھوک کی تکلیف، دشمنوں کا مقابلہ اور اوپر سے سردی۔ 24 یا 27 روز تک مسلمان اسی حالت میں محصور رہے۔ ہاں ایک مصیبت اور تھی رات کو جاگنا پڑتا تھا کہ کفار رات کو دھاوا نہ کریں اور دن کو بھی پتھر اور تیر لیے مسلمان مستعد رہتے تھے۔

بعض منافقین مسلمانوں کو بہکاتے تھے کہ مدینہ پھر چلو۔ اپنی جانیں کیوں دیتے ہو۔ خندق کی کھدائی کے وقت آنحضرت ﷺ نے ایک بڑے پتھر پر کئی ضربیں لگائیں، پتھر پر لوہے کی رگڑ سے کبھی کبھی آگ نکل پڑتی۔ تین چار مرتبہ کسی قدر غیر معمولی روشنی ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے کہا کہ اس روشنی میں مجھے یمن اور شام اور فارس کے محل دکھائی دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے قبضہ میں یہ ملک عنقریب آیا چاہتے ہیں۔ جب کفار کا محاصرہ عرصہ تک قائم رہا تو متعصب بن قشیر کے مُنہ سے نکلا کہ کہاں محمد ﷺ یمن اور شام اور فارس کی حکومت مسلمانوں کو عطا کرتے ہیں اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ میں بھی چین سے رہنا دشوار ہے۔

کفار کے لشکر میں لوگ بے حد زیادہ تھے کہ کسی طرح اُن سے مقابلہ کرنا مناسب نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ اُن کے حمایتی ہٹ جائیں تو پھر اچھی طرح سے جنگ ہو۔ قوم غطفان اور فزارہ کے بہت سے لوگ قریش کے ساتھ آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اُن کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر وہ قریش سے الگ ہو جائیں تو مدینہ میں ایک سال کے اندر جتنا میوہ پیدا ہو گا اُس کا ایک ثلث اُنہیں دیا جائے گا۔ وہ نصف مانگتے تھے۔ انصار نے کہا کہ "ہمارے میوؤں پر انہیں کبھی جرأت نہ ہوئی۔ مسلمان ہونے پر ہم اور دلیر ہوئے نہ کہ کمزور، ان سے یوں مصالحت کریں، ہم کسی طرح لڑائی میں دبنے والے نہیں ہیں۔" آنحضرت کو انصار کی بات پسند آئی اور وہ بات گئی گزری ہوئی۔

خندق درمیان میں تھی اس لئے کفار کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ یک دم سے حملہ کر کے مسلمانوں کو کچل ڈالیں لیکن پھر بھی کوئی روز لڑائی سے خالی نہیں جاتا تھا۔ کفار خندق سے گزر کر آنے کا ارادہ کرتے تے۔ جہاں وہ خندق کودنے کی طرف مصروف ہوئے مسلمانوں نے پتھر مارنے شروع کیے۔ ایک روز عمر بن عبدود اور نوفل بن عبداللہ وغیرہ چند نامی جنگجو خندق سے گھوڑے کود کر اس پار آ گئے اور مبارز طلب کیے۔ اُدھر لڑائی کی کیفیت دیکھنے کیلئے ابوسفیان بھی بہت سے کفار کے ساتھ براجمان کھڑا تھا۔ عمر بن عبدود بڑا ہی شجاع تھا۔ ہزار آدمی کے ساتھ تنہا لڑنے کی جرأت رکھتا تھا۔ حضرت علیؓ میدان کارزار میں آئے۔ عمر بن عبدود سے مقابلہ ہوا۔ عمر کی تلوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سپر کاٹتی ہوئی سر تک پہنچی۔ کوئی ایسا زخم نہ آیا لیکن جب سنبھل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ مارا تو عمر کا سر کئی قدم کے فاصلہ پر جا پڑا۔ مسلمانوں کو اس لڑائی کی بڑی فکر تھی۔ ہر ایک دست بہ دعا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکبیر سُن کر مسلمانوں نے کہا "وہ مارا" بھاگتے ہوئے نوفل کا

گھوڑا خندق نہ پھاند سکا وہ خندق میں گر کے مرا۔ عمر اور نوفل کی نعش کفار نے خریدنا چاہی۔ مسلمانوں نے یوں ہی واپس کر دی۔ اسی طرح کئی مرتبہ مقابلہ ہوا اور مسلمانوں ہی کا بول بالا قائم رہا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مسلمانوں کو کفار کا محاصرہ سخت ناگوار تھا۔ یہ خبر اُڑی کہ کفار مدینہ پر حملہ کریں گے تو کچھ لوگ خندق سے نکل کر مدینہ کی حفاظت کو بھی گئے۔ مسلمانوں کی عورتیں مدینہ کے قلعوں میں پناہ گیر تھیں۔ خندق کی لڑائی مسلمانوں کے لئے سخت مصیبت تھی۔

غطفان کا ایک شخص نعیم بن مسعود آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ کفار کو کسی حیلہ سے ہزیمت ہو۔ آنحضرت ﷺ کی اجازت سے وہ بنی قریظہ کے پاس گیا اور دوست بن کر (کیونکہ اس کا مسلمان ہونا مشہور نہیں ہوا تھا) کہنے لگا: ''ہم تم یہود ہیں اور کفار قریش بت پرست ہیں۔ ہم کو اُن سے کچھ ہمدردی ہے تو صرف محمد ﷺ کی عداوت کی وجہ سے ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ قریش کل کو چلے جائیں اور اصحاب محمد ﷺ تم لوگوں سے بدلہ لیں۔ بہتر ہے کہ تم کچھ سردار قریش کے بطور ضمانت کے طلب کرو تاکہ کفار تمہاری حمایت سے کبھی دست بردار نہ ہوں۔'' اور پھر قریش سے جا کر یوں کہا کہ ''بنو قریظہ محمد ﷺ سے مل گئے ہیں اور تمہارے سرداراںِ نہیں گرفتار کر کے محمد ﷺ کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں۔'' ابو سفیانؓ نے بنو قریظہ کے پاس امتحاناً کہلا بھیجا کہ ہم لوگ کل شنبہ کو مسلمانوں پر دھاوا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تم بھی تیار رہو۔ ادھر سے جواب گیا کہ شنبہ کو ہم لوگ تو کوئی کام نہیں کرتے البتہ اس کے بعد ہم ضرور شریک ہیں لیکن اس شرط سے کہ تم چند سرداران کو ہمارے پاس ضمانت کے طور پر بھیج دو کہ وہ ہماری حراست میں رہیں تاکہ تم ہماری حمایت سے کبھی دست کش نہ ہو سکو۔ ابو سفیانؓ کو نعیم کا کہنا صحیح معلوم ہوا اور ساتھیوں کے پھوٹ جانے سے بہت بددل ہوا۔ اتفاقاً اسی رات کو آندھی آئی اور وہ بھی پہاڑ کی طرف سے نہایت ہی سرد۔ قریش تکلیف نہ برداشت کر سکے۔ خیمے اکھڑ گئے چیزیں پراگندہ ہو گئیں۔ محاصرہ کرتے کرتے کفار کا جی بھی اُکتا گیا تھا، اب بنو قریظہ کی بدگمانی نے ان کا دل اور چھوٹا کر دیا۔ سبھوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور کچھ رات باقی تھی کہ دشمن کی فوج مکہ کی طرف روانہ ہونے لگی۔ مسلمان یہ خبر سن کر مسرور ہوئے اور ایک طور پر خود کو فتح یاب سمجھے اور پھر اس کے بعد خوشی خوشی مدینہ میں واپس آئے۔

بنو قریظہ کی گوشمالی:

ابھی اچھی طرح ہتھیار کھولنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے بنو قریظہ سے بدعہدی کا معاوضہ لینا ضروری سمجھا۔ حکم ہوتے ہی پھر مسلمان گھر سے نکل پڑے اور دوسری نماز کے وقت سب کے سب قبیلہ بنو قریظہ میں تھے۔ حیی بن اخطب ہی کے ورغلانے سے بنو قریظہ کی نیت بگڑی تھی ورنہ وہ لوگ آنحضرت ﷺ سے بدعہدی کرنے اور کفار کے شریک حال ہونے پر ابتدا میں راضی نہ تھے اس لئے حیی بن اخطب بھی بنو قریظہ کا شریک حال ہوا اور اُن کے ساتھ وہ بھی قلعہ میں پناہ گیر ہوا۔ پندرہ یا کچھ زیادہ دنوں تک محاصرہ ہونے کے بعد بنو قریظہ نے اپنے کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔ بنو نضیر کے ساتھ رعایت کرنے کا پھل مسلمان چکھ چکے تھے، اس لئے تمام مرد بنو قریظہ کے جن کی تعداد چار سو سے نو سو تک بیان کی جاتی ہے، قتل کیے گئے اور عورتیں سبایا بنائی گئیں۔ مال غنیمت بھی بہت کچھ مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ بنو قریظہ کے مکانات مہاجرین کو رہنے کے لئے دیے گئے اور انصار نے بخوشی اس کو پسند کیا۔

غزوۂ دومۃ الجندل:

5ھ کے آخر میں آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ دومۃ الجندل میں کچھ لوگ جمع ہو کر قطاع الطریقی کرتے ہیں۔ راہ

چلنے والوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہے۔ ہزار آدمی کی حمایت سے آنحضرت ﷺ روانہ ہوئے۔ وہ لوگ تو بھاگ گئے لیکن اُن کے مواشی مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور مال غنیمت سمجھے گئے۔ دومۃ الجندل ایک قلعہ ہے جو مدینہ اور دمشق کے بیچ میں واقع ہے۔

غزوۂ ذات الرقاع:

چھٹا سال ہجری شروع ہوا۔ بعضوں نے لکھا ہے اسی سنہ میں حج فرض ہوا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ نویں سال میں فرض ہوا۔ نویں سال مسلمانوں کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کو جانا اور دسویں سال آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج کعبہ کو جانا آگے مذکور ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچی کہ جماعت انمار اور ثعلبہ نے لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے خود سبقت کی۔ دشمنوں نے مسلمانوں کی مستعدی دیکھ کر فرار اختیار کیا۔ مسلمانوں کے پاؤں اس سفر میں زخمی ہو گئے تھے۔ زخموں پر چیتھڑا لپیٹنے سے یا جھنڈوں میں پیوند لگانے سے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہتے ہیں یہ واقعہ ابتدائے 6ھ کا ہے۔ اسی سفر میں آنحضرت ﷺ نے جابر کا اونٹ خریدا اور پھر جابر کی تنگ دستی پر نظر ڈال کر اونٹ کی قیمت دے دی اور اونٹ نہیں لیا۔

غزوۂ بنولعیان:

حجاز کے کنارے ایک مقام رجیع نام ہے۔ وہاں سے کچھ لوگ مدینہ میں آ کر بظاہر مسلمان ہوئے اور چھ مسلمان ارکان دین سکھانے کو اُن کے ساتھ گئے۔ وہ گھر پہنچ کر اُن سے لڑے اور اکثروں کو مار ڈالا۔ قصاص خون کے لیے آنحضرت ﷺ نے بنولعیان پر چڑھائی کی لیکن ان کے بھاگ جانے سے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

سریہ قضا محمد بن مسلمہؓ:

اسی سلسلہ میں حضرت محمد بن سلمہ کو آنحضرت ﷺ نے قضاابا کی طرف بکر بن کعب کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا۔ تھوڑے سے مقابلہ کے بعد دشمن بھاگ نکلے اور مسلمان کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔

غزوۂ ذی قرود:

آنحضرت ﷺ کے اونٹ مدینہ کے قریب چرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عتبہ نے اونٹوں پر چھاپا مارا۔ حضرت سلمہ بن عمر بن رکوع نے لٹیروں کا تعاقب کیا۔ جنگل میں سے وہ لوگ اونٹ لے چلے اور حضرت سلمہؓ نے درختوں کی آڑ سے مارنا شروع کیا۔ حضرت سلمہؓ بے طرح اُن کے پیچھے پڑے۔ اُنہوں نے اونٹ چھوڑ دیے لیکن حضرت سلمہؓ نے اُنہیں نہیں چھوڑا۔ اپنے اپنے زرہ اور ہتھیار اُنہوں نے پھینک دیے کہ اُنہیں لے کر سلمہؓ پھر نہ جائے گا لیکن حضرت سلمہؓ نہیں ہٹے اور دشمن بہت تنگ ہوئے۔ اس کے بعد فریقین کی طرف سے مدد پہنچ گئی اور دشمنوں کو بھاگنے کا راستہ بھی صاف مل گیا۔ دور تک مسلمانوں نے دشمنوں کا تعاقب کیا۔ اور جب واپس آئے تو چشمہ ذی قرود کے پاس دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابیوں کے مسلمانوں کو لئے تشریف رکھتے تھے۔ مسلمانوں نے پھر تعاقب کرنا چاہا مگر آنحضرت ﷺ نے رائے دی اور وہیں سے واپس آئے۔ اس کے بعد حضرت عکاشہؓ بن محصن محمد بن سلمہ، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح اور حضرت زید بن حارثہ کو تھوڑی تھوڑی فوج کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے ادھر اُدھر مدینہ کے قریب وجوار میں روانہ کیا لیکن کوئی نا

...قعہ ظہور میں نہ آیا۔

...ریہ عیص:

آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ قریش کچھ مال لے کر شام کی طرف جاتے ہیں۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو آنحضرت ﷺ ...نے اس مہم کے لئے تعینات کیا۔ بمقام عیص قریش کا کارواں ملا۔ مال مسلمانوں نے لوٹ لیا اور اہل کاروان کو گرفتار کر... اسیروں میں آنحضرت ﷺ کے داماد ابوالعاصؓ بھی تھے۔ ان کی بیوی حضرت زینبؓ نے انہیں اپنی جوار میں لیا۔ ...ضرت ﷺ نے منظور کیا اور مال اُن کا واپس کر دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ نے 6ھ میں حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کو دعوت اسلام کے لئے دومۃ الجندل میں بھیجا۔ ان کا ...و اصبغ بن عمر کلبی عیسائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوا اور چند دیگر اشخاص نے (جو ایمان نہیں لائے) جزیہ دینا قبول کیا۔ ...ضر بنت اصبغ سے حضرت عبدالرحمنؓ نے عقد کیا۔ ابوسلمہؒ نامی فقیہ جو اکابر تابعین سے شمار کیے جاتے ہیں انہیں کے بطن ...ے پیدا ہوئے۔

...ریہ علیؓ بن طالب:

6ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ بنو بکر بن سعد خیبر کے یہودیوں کے ساتھ سازش کر کے مدینہ پر چڑھائی کا ...دہ رکھتے ہیں۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ باغیوں کی سرکوبی کیلئے روانہ کیے گئے بمقام فدک دشمنوں نے ...ے مقابلہ ہوا۔ دشمنوں کو ہزیمت ہوئی اور مسلمان مال غنیمت کے ساتھ کامیاب واپس آئے۔

...رنیہ کا واقعہ:

عرنیہ کے چند بدمعاش مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے۔ آب و ہوا مدینہ کی موافق آئی۔ اس لئے آنحضرت ﷺ ...نے قبا کے پہاڑوں پر جہاں اونٹوں کی چراگاہ تھی انہیں بھیج دیا۔ وہاں دودھ پی کر جب یہ تندرست ہوئے تو نیت ڈانواں ...ول ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کے غلام یسارؓ کو ہلاک کر کے اونٹوں کو بھگا لے گئے۔ مدینہ میں میں خبر آئی تو مسلمان دوڑ ...ے اور راہ ہی میں ان چوروں کو گرفتار کر لیا۔ چونکہ یسار کو اِن لوگوں نے برے طور پر ہلاک کیا تھا، ہاتھ پیر کاٹ کر ...نکھوں میں کانٹے چبھو دیے تھے اور پھر مصلوب کیا تھا۔ ایسا ہی برتاؤ اُن کے ساتھ بھی کیا گیا۔ مدینہ کے قریب عرنیہ نام ...ک میدان ہے، وہیں ایک باغ میں یہ چور رہتے تھے اس لیے اس واقعہ کو قصہ عرنیہ کہتے ہیں۔

...دیبیہ کی روانگی:

آنحضرت ﷺ نے خواب میں خود کو مع اصحاب کے حج کرتے ہوئے دیکھا۔ صبح کو حج کا ارادہ کیا۔ کچھ تو زیارت ...عبہ کا شوق اور کچھ وطن میں جانے کی خوشی۔ اکثر مہاجر اور اُن کے ساتھ انصار بھی سامان سفر میں مشغول ہوئے۔ کوئی ...درہ سولہ سو مسلمان آنحضرت ﷺ کے ساتھ چلے اور ستر اونٹ قربانی کے لئے ساتھ ہوئے۔ یہ خبر قریش کو پہنچی اور انہوں ...نے مزاحمت کا ارادہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کو بھی قریش کا ارادہ معلوم ہوا۔ مکہ کے قریب ایک منزل پر چاہ حدیبیہ کے پاس ...سلمان ٹھہر گئے اور وہیں سے ایلچیوں کی آمد و رفت شروع ہوئی۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر مکہ روانہ کرنا چاہا مگر اس خیال سے کہ اُن کے دشمن مکہ میں

زیادہ تھے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ منتخب کیے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش سے جا کر کہا کہ ''مسلمان زیارت کعبہ کو آئے ہیں۔ کسی سے لڑنا مقصود نہیں ہے۔ تم کیوں رہبر فساد ہو غرضیکہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''تم چاہو تو زیارت کرلو لیکن اوروں کو ہم آنے نہ دیں گے'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں تنہا زیارت نہیں کرسکتا۔'' یہ جواب سن کر قریش برافروختہ ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کرلیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واپس آنے میں دیر ہوئی تو مسلمان سمجھے کہ وہ زیارت میں مشغول ہوئے لیکن آنحضرت ﷺ نے کہا کہ ''میرے بغیر وہ زیارت ہرگز نہیں کریں گے۔'' اور پھر عام طور پر یہ مشہور ہوا کہ کفار نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہلاک کر دیا۔ خبر سن کر آنحضرت ﷺ کو بہت ملال ہوا اور مسلمانوں کو سخت طیش آیا۔ اب حالت ایسی تھی کہ بغیر جنگ کے چارہ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے کسی قدر زیادہ اہتمام سے اس لڑائی کی تیاری کی۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام اصحاب سے اس مضمون کا معاہدہ اپنے ہاتھ پر لیا کہ وہ لڑائی سے کبھی منہ نہ موڑیں گے۔ اس معاہدہ کو بیعۃ الرضوان کہتے ہیں۔ مکہ میں بعض کفار عاقبت اندیش بھی تھے۔ انہوں نے لوگوں کو باز رکھنا چاہا۔ کثرت رائے فساد ہی پر قرار پائی تھی لیکن مسلمانوں کا اہتمام سن کر کفار گھبرائے اور کچھ صلح کی طرف مائل ہوئے۔

سب کے پہلے عروہ بن مسعود کفار کی طرف سے تفحص حال کے لئے آیا۔ وہ واپس گیا تو اہل مکہ سے کہنے لگا میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی ان تینوں کا دربار دیکھا لیکن محمد ﷺ کے ساتھ جو برتاؤ اُن کے اصحاب کا ہے اُس کی شان ہی اور ہے۔ اس کے بعد جلیس آیا اور یہی مسلمانوں ہی کا طرفدار بن کر کفار کے پاس واپس گیا۔

صلح کی گفتگو کرنے کیلئے سہیل آیا۔ مسلمانوں کے سامنے اس نے تین شرطیں پیش کیں۔

(1) دس برس کے لئے مصالحت کی جائے اور اس درمیان میں ایک فریق دوسرے فریق کے مال یا جان سے کوئی تعرض نہ کرے۔

(2) اس سال مسلمان واپس جائیں اور آئندہ سال حج کرنے آئیں۔

(3) کوئی شخص کفار کا مسلمان ہو کر مدینہ میں جائے تو آنحضرت ﷺ اُس کے ولی کی درخواست پر اُنہیں ولی کے حوالہ کردیں لیکن کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ میں واپس جائے تو قریش واپس نہ کریں۔

پہلی شرط تو معقول تھی لیکن پچھلی دو شرطیں مسلمانوں کو بہت بری معلوم ہوئیں مگر آنحضرت ﷺ نے کل شرطیں منظور کرلیں اور تیسری شرط کی نسبت یہ کہا کہ مرتد ہمارے کس کام کا وہ کفار ہی کے پاس رہے۔ رہے مسلمان وہ سچے دل سے مسلمان ہو کر اگر اہل قریش ہی میں رہیں گے تو کیا ہرج ہے۔ اسی اثنا میں سہیل کا بیٹا ابوجندلؓ مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ گھر والوں نے مجھے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے قید کر رکھا تھا کسی طرح چھڑا کر میں آیا ہوں۔ سہیل نے آنحضرت ﷺ سے اپنے بیٹے کو طلب کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ تحریر صلح نامہ کے بعد واقعات ہوں اُنہیں سے شرط صلحنامہ متعلق ہونا چاہئے۔ سہیل نے اصرار کیا اور تحریر صلح نامہ روک دی۔ آپ نے ابوجندل کو سہیل کے حوالے کردیا۔ پھر سہیل نے صلح نامہ کو گواہی سے مکمل کیا اور اپنے بیٹے کو مارتا ہوا گھر لے گیا۔ مسلمانوں پر یہ واقعہ بہت شاق گزرا اور اس سے بھی زیادہ سخت یہ امر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم لوگ یہیں سے قربانی کر کے اور بال منڈا کر مدینہ لوٹ چلو۔ صلح حدیبیہ سے بہت زیادہ اسلام کو ترقی ہوئی۔ اب تمام قریش کے لوگ بے کھٹکے مسلمان ہونے لگے۔ مکہ میں برابر قرآن خوانی ہوتی تھی کفار شرائط صلح کے مطابق مسلمانوں سے مزاحم نہیں ہوتے

تے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اِن دو سالوں میں مسلمانوں کی تعداد دو چند ہوگئی۔ مشہور ہے کہ کچھ عورتیں قریش کی مسلمان ہو کر بیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں لیکن آنحضرت ﷺ نے اُنہیں واپس نہیں کیا کیونکہ مسلمان عورتوں کا فار کے قبضہ میں دینا خدا کے حکم کے خلاف تھا۔

صلح نامہ کی تیسری شرط جو بظاہر مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت تھی خود کفار کے لئے مضر ہوئی۔ اس کی صورت ں پیدا ہوئی کہ ابو بصیر بن اسید مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ بھاگ آگیا۔ یہاں اس کے لینے کو دو شخص مکہ سے آئے اور ضرت ﷺ نے صلح نامہ کے مطابق ابو بصیر کو ان کے حوالے کر دیا۔ وہ یہاں سے تو اُن کے ساتھ چلا لیکن راہ میں اُس ھوکے سے ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کا تعاقب کیا۔ وہ بھاگتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آنحضرت ﷺ اُسے ابو بصیر کے ہاتھ سے بچایا۔ ابو بصیر کو یہ کھٹکا ہوا کہ شاید وہ دوسروں کے ساتھ پھر مکہ بھیج دیا جائے۔ اس لئے ایک وہ مدینہ سے چل کھڑا ہوا اور ساحل بحر کے قریب ایک مقام عیص نام میں جا کر رہنے لگا۔ ابو جندلؓ بھی خبر پا کر اُس کے ں کسی طرح پہنچ گیا۔ پھر تو یہ ہوا کہ جو مکہ سے بھاگتا وہ سیدھا عیص میں چلا جاتا۔ مدینہ کا رخ بھی نہ کرتا کہ ضرت ﷺ کو صلح نامہ کی پابندی حوالگی پر مجبور کرتی۔ آہستہ آہستہ ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی وہاں اکٹھا ہوگئی اور وں نے قریش کے قافلوں کے ساتھ وہی برتاؤ شروع کیا جو ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں نے اختیار کیا تھا یعنی شام آتے جاتے کوئی قافلہ اُن کی زد سے نہ خالی جاتا۔ کفار قریش نے تنگ آ کر آنحضرت ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم شرط سوم سے باز آئے۔ آپ اپنے مسلمانوں کو عیص سے طلب کر لیجئے۔ اب یوں گویا ہجرت مدینہ کے چھ برس کے سلمان ہونا قریش کے قومی قانون کا کوئی جرم باقی نہیں رہا۔

ں الاقوامی تبلیغ اسلام:

صلح حدیبیہ کے بعد تمام حجاز میں مسلمانوں کی حکومت تو نہیں قائم ہوئی لیکن اتنا ہو گیا کہ اللہ کا نام لینا اور محمد ﷺ کو کا رسول کہنا کوئی جرم نہ رہا۔ ہر شخص اطمینان کے ساتھ علانیہ ارکان اسلام ادا کرتا تھا اور دوسروں کو مسلمان ہونے کی ب دیتا تھا۔ جب حجاز میں یک گونہ اسلام نے جڑ پکڑی تو آنحضرت ﷺ کو دوسرے ملکوں میں دعوت اسلام کی فکر ا۔ آپ اللہ کے رسول تھے تو رسالت کا انجام دینا بھی لازم تھا۔ چنانچہ گرد و نواح کے بادشاہوں کے پاس آپ نے ت اسلام کے خطوط بھیجے۔ یہ خطوط آخر 6 ہجری میں بھیجے گئے۔ اور بعض مؤرخوں کے نزدیک شروع 7ھ کا یہ واقعہ ہے:

نام خط لے جانے والے	نام ملک جہاں خط بھیجا گیا	نام بادشاہ جس کیلئے خط لکھا گیا
عمرؓ بن امیہ	حبشہ یا ابی سینا	نجاشی
وحیہ کلبیؓ	حمص (شام)	ہرقل
عبداللہؓ بن خداقہ	مدائن (فارس یا ایران)	کسریٰ پرویز
حاطبؓ بن ابی بلتعہ	سکندریہ (مصر)	مقوقس
شجاع بن وہبؓ	دمشق (شام)	حارث بن ابی شمر غسانی
سلیط بن عمرؓ	یمامہ	ہوذہ بن علی حنفی

بجز شاہ مدائن کے کہ وہ آتش پرست تھا اور تمام سلاطین جن کے پاس یہ ایلچی بھیجے گئے تھے عیسائی مذہب رکھتے

Marfat.com

تھے۔ روم کی شہنشاہی کمزور ہونے پر یہ خود مختار بادشاہتیں جابجا قائم ہوگئی تھیں۔ لوگوں نے رائے دی کہ سلاطین کے نام لکھنے کو مُہر کی ضرورت ہے اور مُہر کے لئے انگوٹھی چاہئے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے طلائی انگوٹھی بنوائی۔ دوسر دن اکثر اصحاب کے ہاتھ میں طلائی انگوٹھی نظر آئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ طلائی انگوٹھی مردوں کو حرام ہے اور انگوٹھی بھی پھینک دی۔ پھر آنحضرت ﷺ کے لئے چاندی کی انگوٹھی بنائی گئی اور اُس پر محمد رسول اللہ ﷺ کندہ کیا گیا او یہ مُہر خطوط قاصدوں کے حوالے ہوئے۔

نجاشی تو پہلے ہی سے محمد ﷺ کو رسول اللہ کہہ چکا تھا۔ اس خط کے پہنچنے پر وہ علانیہ مسلمان ہوگیا۔ اس نے جو خط میں رسالت کی تصدیق کی اور لکھا کہ میں اپنے بیٹے کو خدمت مبارک میں بھیجتا ہوں۔ حکم ہو تو میں بھی حاضر ہو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ نجاشی کا بیٹا مدینہ کو روانہ ہوا لیکن کشتی ڈوبنے سے غرقاب ہوگیا اور مدینہ تک نہ پہنچ سکا۔ مہا حبشہ میں چند لوگ ایسے تھے جو اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے مدینہ نہ آسکتے تھے من جملہ ان کے ابوسفیانؓ کی لڑکی حـ ام حبیبہؓ بھی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے دوسرا خط نجاشی کو بایں مضمون بھیجا کہ ''وہ مہاجرین کو مدینہ پہنچوا دے اور حضر حبیبہؓ سے میرے عقد کے لئے کہے۔'' حضرت ام حبیبہؓ نے منظور کیا۔ نجاشی نے مسلمانوں کے لئے سامان سفر درست اور اُنہیں مدینہ پہنچوا دیا۔ مشہور ہے کہ نجاشی نے آنحضرت ﷺ کے دونوں خطوط تبرک کے طور پر اپنے پاس ر عرصہ تک وہ سلاطین سوڈان (حبشہ) کے پاس تھے۔

ہرقل کے نام کا خط لے کر قاصد بصرہ میں گیا کہ حاکم بصرہ کی وساطت سے ہرقل کے پاس جائے۔ حا حمص میں تھا اور ہرقل حمص (اپنے پائے تخت) کو چھوڑ کر فارسیوں پر جو فتح ہوئی تھی اُس کی خوشی منانے کی غرض المقدس گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا ایلچی بصرہ سے حمص اور حمص سے بیت المقدس پہنچا۔ یہاں ہرقل سے ملاقات ہرقل نے کچھ دنوں پہلے ایک خواب پریشان اپنی زوال سلطنت کا دیکھا تھا۔ کچھ تو وہ خیال اور کچھ آنحضرت ﷺ حالات سن کر وہ گرویدہ بھی رہا تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ جب مسلمانوں کے ایلچی بادشاہوں کے در جاتے تھے تو سر نہ جھکاتے تھے اور پوچھنے پر کہتے تھے کہ محمد رسول عربی ﷺ نے ہم لوگوں کو تعلیم کی ہے کہ قادر مطلق دوسروں کے سامنے سر نہ جھکائیں۔

خستہ حال مسلمانوں کے منہ سے یہ کلمے نکل کر بادشاہوں کے غرور توڑنے میں جادوئی عمل بن جاتے تھے نے تعظیم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے خط کا ترجمہ سنا اور پھر کہا زمین حجاز کا کوئی شخص یہاں اور ہے جس سے اس کے حالات دریافت کیے جائیں۔ اتفاق سے ابوسفیانؓ اسی طرف تھا۔ بادشاہ کے متوسلین نے اُسے دربار شاہی کیا۔ ہرقل نے اُس سے بہت سے سوالات کیے۔

ہرقل: محمد ﷺ تم لوگوں میں نسبت کے اعتبار سے کیسا ہے؟

ابوسفیانؓ: بہت اچھا ہے۔

ہرقل: پہلے بھی کوئی تم میں اس طرح پیغمبر بنا تھا؟

ابوسفیانؓ: نہیں۔

ہرقل: محمد ﷺ کے آبا اجداد میں کوئی بادشاہ تھا؟

ابوسفیانؓ: کوئی نہیں

Marfat.com

ہرقل: بڑے بڑے لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں یا فقراء اور ضعفاء؟

ابوسفیانؓ: فقرا اور ضعفاء اس کے پیرو زیادہ ہیں۔

ہرقل: اس کے پیرو روز بروز بڑھتے ہیں کیا؟

ابوسفیانؓ: بڑھتے جاتے ہیں۔

ہرقل: اس کے دین سے کوئی مرتد بھی ہوتا ہے؟

ابوسفیانؓ: نہیں۔

ہرقل: ادعائے نبوت سے پہلے کبھی وہ دروغ کے ساتھ متہم ہوا تھا؟

ابوسفیانؓ: کبھی نہیں

ہرقل: کبھی بدعہدی کرتا ہے؟

ابوسفیانؓ: ابھی تک تو کوئی بدعہدی اس کی دیکھی نہیں گئی۔

ہرقل: کبھی تم لوگوں میں لڑائی ہوئی؟

ابوسفیانؓ: ہاں ہوئی۔

ہرقل: نتیجہ کیا ہوا؟

ابوسفیانؓ: کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔

ہرقل: وہ تم سے کیا کہتا ہے؟

ابوسفیانؓ: کہتا ہے کہ "ایک اللہ کی پرستش کرو، کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ، باپ دادا کی رسموں کی پیروی نہ کرو، نماز، صدقہ، صدق اور صلہ رحم کا خیال رکھو۔

یہ سن کر ہرقل نے مترجم کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ شخص تو پیغمبر معلوم ہوتا ہے۔ ایک پیغمبر کا آنا تو یقینی ہے۔ لیکن ہم سمجھتے تھے کہ وہ ہماری قوم سے ہوگا۔ ابوسفیان یہ سن کر بہت پشیماں ہوا اور سمجھا کہ اب محمد ﷺ کا بخت چمکا چاہتا ہے۔ گو یہ وہ زمانہ تھا کہ روم (دارالسلطنت اٹلی) کی سلطنت کی عظمت جا چکی تھی۔ بہت سی خود مختار عیسائی سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں۔ لیکن امور مذہبی میں روم کو اب بھی پیشوا مانتے تھے۔ ہرقل ایک خود مختار بادشاہ تھا لیکن مذہبی امور میں کوئی آزادانہ رائے دینے کی اُس کو جرأت نہ تھی۔ اُس نے وجیہ کو مشورہ کے لئے روم روانہ کیا۔ وہاں ایک بڑا اسقف عیسائیوں کا صنعاطر نام کا تھا۔ مسلمان مؤرخوں کے قول کے مطابق آنحضرت ﷺ پر ایمان لایا اور کہنے لگا۔ یہی وہ نبی آخر الزماں ہے جس کا تذکرہ توریت اور انجیل میں ہے۔ عیسائیوں نے صنعاطر کو مار ڈالا۔ وجیہ ہرقل کے پاس واپس آیا۔ ہرقل نے وجیہ سے کہا کہ جو درجہ عیسائیت میں صنعاطر کا تھا وہ میرا ہرگز نہیں۔ تم نے دیکھا کہ اُس کی قوم نے اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بھلا یہ مناسب ہے کہ میں مسلمان ہو کر اپنے کو خرابی میں ڈالوں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ ہرقل نے معزز عیسائیوں کو جمع کر کے مسلمان ہو جانے کا مشورہ پیش کیا۔ وہ لوگ بہت برہم ہوئے۔ ہرقل نے رفع الوقتی سے کام لیا اور یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ میں تم لوگوں کا امتحان لیتا تھا کہ تم اپنے مذہب میں کہاں تک پکے ہو۔ ہرقل نے وجیہ کی بڑی خاطر کی۔ بعض لکھتے ہیں کہ وہ مسلمان ہوا لیکن سچ یہ ہے کہ دنیا کو اُس نے دین پر ترجیح دی اور علانیہ مسلمان نہیں ہوا۔

آنحضرت ﷺ کے وقت یمن میں کوئی خود مختار بادشاہ نہ تھا۔ شاہ ایران کا ایک گورنر باذن وہاں حکمران تھا۔

Marfat.com

ایرانیوں نے یمن پر کیونکر قبضہ پایا اس کی کیفیت شروع کتاب میں لکھی جا چکی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یمن میں کو
ایلچی اپنا نہیں بھیجا۔ سیدھے کسریٰ پرویز کے پاس عبداللہ بن حذاقہ کو روانہ کیا۔ کسریٰ پرویز ہرمز بن نوشیرواں کا بیٹا تھا
آنحضرت ﷺ کا خط پڑھ کر کسریٰ بہت بد دماغ ہوا۔ ایلچی کو یوں ہی واپس کر دیا اور ایک خط باذن گورنر یمن کو لکھا کہ
عرب میں جس نے دعویٰ پیغمبری کا کیا ہے اُسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ باذن بھی کچھ سوچا سمجھا نہیں۔ دو شخص
کو آنحضرت ﷺ کی گرفتاری کے لئے تعینات کر دیا۔ یہ دونوں پہلے مکہ میں آئے اور پھر مدینہ پہنچے۔ ابوسفیانؓ ان کی آمد کا
حال سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا اب شاہ ایران مخالفت پر آمادہ ہے تو محمد ﷺ کا رہنا مشکل ہے۔ مدینہ میں پہنچ کر
دونوں شخص جب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو کہنے لگے "خیریت اسی میں ہے کہ آپ خود کو کسریٰ کے پاس
پہنچا دیں۔" پیغام تو کہہ گئے لیکن ان پر ہیبت ایسی طاری ہوئی کہ وہ بمشکل اپنے کو سنبھال سکے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے جواب
دیا کہ اچھا آج ٹھہرو کل جواب ملے گا۔ دوسرے دن صبح کو دونوں سامنے آئے تو ارشاد ہوا کہ جس نے مجھے بلایا تھا، وہ رات
مارا گیا۔ اللہ نے اُس کے بیٹے شیرویہ سے اُس کا پیٹ چاک کروایا۔ جاؤ باذن سے یہ حال کہو اور کہو کہ ہمارا دین بہت
ایران میں پھیلا چاہتا ہے۔ تو اگر مسلمان ہو جائے گا تو جو کچھ تیرے قبضہ میں ہے بدستور تیرے قبضہ میں چھوڑ دیا جا
گا۔ یہ دونوں باذن کے پاس واپس گئے اور اُدھر ایران سے شیرویہ نے باذن کے پاس کہلا بھیجا کہ کسریٰ پرویز بڑا ظالم
اس لئے میں نے اسے مار ڈالا اور اب میں تخت پر بیٹھا ہوں۔ لوگوں سے میرے لئے بیعت لو۔ باذن یہ خبر سن کر مسلمان
ہو گیا اور اُس کے ساتھ ہی بہت سے لوگ یمن اور ایران کے مسلمان ہوئے۔

حجاز کے لوگ ایران سے بہت کم آمد و رفت رکھتے تھے۔ یہ دو ایرانی کو ڈاڑھی منڈائے مونچھیں بڑھائے کمر
زریں پٹکا باندھے اور ریشمی لباس سے بدن چھپائے بڑی تمکنت سے مدینہ پہنچے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ
ان عجیب الخلقت آدمیوں کو پسند نہیں کیا۔ مسلمان جو مونچھیں بڑھاتے اور ڈاڑھی منڈانے کو برا کہتے ہیں اور وہ یہ واقعہ
سند میں پیش کرتے ہیں۔

جو قاصد اسکندریہ روانہ کیا گیا تھا اُس کے ساتھ مقوقس نے بہت اچھا برتاؤ کیا۔ ایمان تو نہیں لایا لیکن بظاہر بڑی
عزت کی اور آنحضرت ﷺ کے لئے تحفے بہت سے بھیجے۔ منجملہ ان کے ماریہ قبطیہؓ نام ایک جاریہ تھی جو مسلمان ہو
آنحضرت ﷺ کے تصرف میں رہی اور ایک سفید اونٹ دُلدُل نام تھا جو بعد آنحضرت ﷺ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ
اور بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت حسینؓ کی سواری میں امیر معاویہؓ کے زمانہ تک تھا۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی
اللہ عنہ کو اس رعایت سے صاحب دُلدُل سوار کہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا خط جب دمشق میں شجاع بن دہب کے پاس پہنچا تو اُس نے شجاع کو ابتدا میں بہت
برافروختہ کیا۔ لیکن شجاع نے ہرقل سے استصواب رائے کیا تو ہرقل کے خیالات اور قسم کے ظاہر ہوئے اور اس لیے شجاع
کی حرارت کم ہوئی۔ قاصد وہاں سے بھی ناکام پھرا لیکن شجاع کے دربان کو اپنے فیض صحبت سے مسلمان کرتا آیا۔

یمامہ سے ہوذہ بن علی حنفی نے آنحضرت ﷺ کو جواب میں لکھا کہ آپ جس طرح لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں
طریقہ نہایت پسندیدہ ہے۔ میں آپ کا ہم زباں بننے کو تیار ہوں لیکن آپ نبوت میں مجھے شریک کر لیں یا کچھ ملک
دے دیں۔ علاوہ صاحب اختیار ہونے کے میں فصیح البیان شاعر بھی ہوں۔ میں زبان سے بہت کچھ مدد آپ کو پہنچا سکوں
گا۔ ہوذہ تو تھوڑے دنوں کے بعد مر گیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد یہیں سے مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت پیش

Marfat.com

جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

6 ہجری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں ام رومانؓ نے اسی سال انتقال کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا بھی یہی زمانہ ہے۔ تیرہ برس تک تو مکہ میں اسلام کو کوئی رونق نہیں ہوئی۔ لیکن مدینہ کی ہجرت کے بعد ہی سے اس کی حالت بالکل دوسری ہوگئی۔ اور چھ برس پورے نہیں ہونے پائے تھے کہ ایران شام اور مصر تک ایک شور مچ گیا۔ صلح حدیبیہ میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اسلام کو دور دور پھیلانے کی کوشش ہونا چاہئے۔ آپس ہی میں لڑ جھگڑ کر قوت زائل کر دینا بے سود ہے۔

غزوۂ خیبر:

اب ہجرت کا ساتواں سال شروع ہوا۔ اس میں غزوۂ خیبر سب سے بڑا واقعہ پیش آیا۔ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے خیبر پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے آٹھ منزل شام کی طرف ہے۔ اُس زمانہ میں یہاں یہودی رہتے تھے۔ یہ لوگ بڑے زبردست اور سرکش تھے۔ بنونضیر جب مدینہ سے اجڑ کر وہاں بسے تو ان کے کہنے سے اہل خیبر نے جنگ خندق میں قریش کی مدد کی۔ حدیبیہ کی لڑائی میں بھی ان کی شرکت کا مسلمانوں کا اندیشہ تھا۔ اور بڑا سبب تو یہ تھا کہ اللہ کے نام کا ظاہر کرنا مسلمانوں کو مقصود تھا۔ مسلمانوں کی روانگی کی خبر منافقین نے پہلے سے خیبر والوں کو پہنچا دی۔ وہ ہر طرح سامان حرب سے درست ہو چکے تھے لیکن پھر بھی یہ ہمت اُنہیں نہ ہوئی کہ مسلمانوں سے دو بدو لڑتے۔ مسلمانوں کے پہنچنے پر وہ اپنے قلعہ میں پناہ گیر ہوگئے اور مسلمانوں کا لشکر شہر کی دیوار سے کچھ فاصلہ پر اُترا۔

مسلمان ہر روز دیوار کے گرد چکر لگاتے تھے لیکن فتح نصیب نہ ہوتی تھی۔ تیر سے برابر مقابلہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی یہودی عمداً یا اتفاقاً دیوار شہر کے باہر آپڑتا تو مسلمانوں سے مڈ بھیڑ بھی ہو جاتی تھی۔ آخر میں مسلمانوں نے گھبرا کر فتح میں جلدی کرنا چاہی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی بیماری کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اب وہ بھی آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں قلعہ فتح کرنے کا حکم دیا۔ طبیعت اُن کی بالکل صحیح نہ تھی۔ آنکھوں میں کچھ آشوب تھا۔ لیکن ایک طرف رسول خدا ﷺ کا حکم اور دوسری طرف راہ خدا میں لڑنے کا شوق۔ آپ نے دوسرے ہی دن مقابلہ کی تیاری کر دی اور کچھ مسلمانوں کو ساتھ لے کر دیوار قلعہ کے نیچے پہنچے۔ مرحب اُس قلعہ کا سردار تھا۔ اُس کا بھائی حارث، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کیلئے باہر نکلا۔ حارث، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا ممکن تھا کہ اس سے زیادہ اور کچھ مسلمانوں کے ہاتھ نہ آتا لیکن حارث کے مارے جانے سے مرحب کو طیش آیا۔ بھائی کا بدلہ لینے کو وہ خود نکل پڑا اور اُس کے ساتھ اُس کی فوج بھی باہر آئی۔ مرحب بہت بڑا پہلوان اور فن جنگ کا پورا ماہر تھا۔ اپنے گھمنڈ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہ کچھ نہ سمجھا اور یہاں ذوالفقار چمک کر اُس کے خود پر آئی تو گردن تک اور بعضوں کے نزدیک زین تک اُس کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہوئی اتر گئی۔ یہ حالت دیکھ کر یہود بھاگے اور مسلمانوں نے تعاقب کیا۔ مشہور یوں ہے کہ قلعہ کا دروازہ یہودیوں نے بند کر لیا تھا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے جوش میں اُسے اُکھاڑ ڈالا۔ یہ دروازہ بہت بڑا تھا۔ مؤرخوں نے اس واقعہ کو بہت اہم لکھا ہے۔ یہود اپنے تئیں مسلمانوں کے ہاتھ میں دیکھ کر امن کے طلب گار ہوئے اور مسلمانوں نے اپنے ہاتھ اُن کے قتل سے اُٹھائے۔ یہودیوں کے تمام مال اسباب اور اُن کی عورتیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔

زینب نامی ایک عورت نے اس لڑائی کے بعد ایک روز گوشت میں زہر ملا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے اصحاب کو اُس کے کھانے سے منع کیا اور کہا اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ زینب نے جرم کا اقبال کیا اور کہا کہ میرے اعزہ جنگ خیبر میں بہت سے مارے گئے۔ گوشت میں زہر ملانے سے میری غرض یہ تھی کہ اسے کھا کر مسلمان مریں گے تو خون کا بدلا مجھے مل جائے گا اور اگر رسالت محمد ﷺ کی صحیح ہے اور میرے اعزہ کا مارا جانا حق بجانب ہے تو خدا خود اپنے پیغمبر ﷺ کو مطلع کر کے زہر سے بچا لے گا۔ اس لڑائی میں پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے یہود مارے گئے۔ مسلمان خیبر سے کامیاب پھرے۔ خیبر کے باغوں اور پیداوار اراضی کی نسبت یہ بندوبست کیا گیا کہ جو لوگ وہاں اطاعت پذیر تھے اُن کے حوالے اہتمام کیا گیا کہ نصف پیداوار وہ اپنی اُجرت میں لیں اور جو بچے اُسے بیت المال میں داخل کیا کریں۔

اہل فدک:

خیبر کے قریب پہنچ کر ایک آدمی اہل فدک کے پاس دعوت اسلام کے لئے آنحضرت ﷺ نے بھیجا۔ ان لوگوں نے کہا پہلے مسلمان اہل خیبر سے فرصت پالیں تب ہم لوگوں کو اسلام پر بلائیں۔ خیبر فتح ہونے پر مسلمان ادھر متوجہ ہوئے۔ فدک کے یہود نے نہ مسلمان ہونا پسند کیا اور نہ لڑنے پر جرأت کی۔ مجبور ہو کر مصالحت پر رجوع ہوئے۔ نصف زمین فدک کی رسول اللہ ﷺ کی نذر کی اور بقیہ نصف پر امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد تک وہ قابض رہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصالح ملکی پر نظر ڈال کر پچاس ہزار درہم پر اُن کا نصف حصہ بھی بیت المال کے لئے خرید لیا اور اُنہیں شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اس کے بعد وادی القریٰ اور تیما کے یہودیوں نے جزیہ دینا قبول کر کے مسلمانوں کی بیعت اختیار کی۔ اس کے بعد بہت سے چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے مقابلے میں فوجیں بھیجی گئیں جن کا تذکرہ تاریخی اغراض کے لئے ضروری نہیں ہے۔

7ھ تک مکہ اور مدینہ کے درمیان میں جتنے یہود تھے سب مسلمانوں کے زیر فرمان ہو چکے تھے۔ ان سے اب کسی قسم کا کھٹکا باقی نہیں رہا تھا۔ ماہ ذیقعدہ میں آنحضرت ﷺ نے زیارت کعبہ کا ارادہ کیا۔ قریب دو ہزار مسلمان آپ کی معیت میں روانہ ہوئے۔ جو لوگ ایک سال پہلے حدیبیہ تک جا کر واپس آئے تھے اُن میں سے تو کوئی بھی بلاوجہ معقول کے جانے سے باقی نہیں رہا۔ کچھ تو اپنے قول کا مکہ والوں کو پاس تھا اور زیادہ تر مسلمانوں کی ہیبت اُن پر چھائی ہوئی تھی وہ ذرا بھی مزاحم نہیں ہوئے۔ تین روز تک مکہ میں رہ کر مسلمان واپس آئے اور اچھی طرح کعبہ کی زیارت کی۔ مکہ میں حضرت عباسؓ ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی بی بی ام فضل کی بہن حضرت میمونہؓ بنت حارث ہلالیہ سے آنحضرت ﷺ نے عقد کیا اور چلتے وقت حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی لڑکی مسلمانوں کی صورت دیکھ کر رونے لگی۔ اس یتیم کی لڑکی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ لائے اور مدینہ میں پہنچ کر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی ولایت میں اُسے سپرد کیا۔

آنحضرت ﷺ نے اسی سال ایک خط جبلہ بن اہم بادشاہ غسان کے پاس لکھا۔ وہ آپ کا خط پڑھ کر مسلمان ہوا لیکن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں پھر مرتد ہو گیا اور حال اس کے مرتد ہونے کا یہ لکھا گیا ہے کہ ایک غریب مسلمان کو اس نے طمانچہ مارا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ وہ اس غریب کو راضی کرے ورنہ وہ بھی طمانچہ کھائے گا یعنی اُس پر قصاص جاری ہوگا۔ جبلہ نے کہا ایک ادنیٰ شخص کو میں نے بادشاہ ہو کر طمانچہ مارا تو کیا حرج؟ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسلام میں امیر اور غریب دونوں برابر ہیں۔ جبلہ نے کہا کہ اگر اسلام میں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز نہیں ہوتا تو میں اسلام سے باز آیا۔ جواب میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر

اسلام سے باز آؤ گے تو پھر گردن ماری جائے گی کہ ارتداد کی یہی سزا ہے۔ جبلہ نے رات بھر کی مہلت مانگی اور دن نکلنے کے پہلے بھاگ گیا۔ آخر عمر تک وہ شام میں ہی رہا اور مشہور ہے کہ مرنے سے پہلے پھر مسلمان ہو گیا تھا۔

اسی سال ارض بلقا کا عامل فروہ بن جزامی خود بخود مسلمان ہو گیا۔ جب روم کے بادشاہ کو اپنے عیسائی عامل کا مسلمان ہونا معلوم ہوا تو اُس نے اُسے بلا کر بہت سمجھایا اور جب سمجھانے سے کام نہ چلا تو اُس کو قتل کر ڈالا۔ ایسے ہی اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گرد و نواح کے عیسائی کفار اور یہود دین محمدی ﷺ اور اُس کے تابعین کے سخت مخالف تھے اور اس لیے دین دار مسلمانوں کے باامن زندگی بسر کرنے کے لئے ضرور تھا کہ گرد و نواح کی قوموں پر دباؤ ڈالا جاتا۔ ساتویں سال کے آخر یا آٹھویں سال کے شروع میں حضرت عمروؓ بن عاص اور حضرت خالدؓ بن ولید مسلمان ہوئے اور ان کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کو بہت تقویت ہوئی۔ آگے چل کر اِن دونوں نے بڑے بڑے نمایاں کام کیے۔

حدیبیہ کی صلح کے بعد قریش کی کمزوری اور مسلمانوں کا عروج دیکھ کر حضرت خالدؓ کا دِل بہت کڑھا۔ اس بہادر سپاہی نے چاہا کہ مکہ چھوڑ کر حبشہ یا شام کو چلا جائے۔ وہ یہ سمجھے کہ عرب میں رہ کر محمد ﷺ کا تابع ہونا یقینی ہے۔ اسی سوچ میں تھے کہ نجاشی کے مسلمان ہونے کی خبر آئی۔ حضرت خالدؓ نے یہود یا نصرانی ہو جانے کا بھی خیال کیا اور دل میں سوچنے لگے کہ قریش مغلوب ہوئے تو پھر ان کا دین کس کام کا؟ وہ اسی کشمکش میں تھے کہ ان کے بھائی ولید بن ولید نے خط لکھا کہ ''محمد رسول اللہ ﷺ تم کو پوچھتے تھے تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ ناحق پس و پیش کرتے ہو۔'' خط پڑھ کر اس کا دل کچھ ایسا مائل ہو کہ وہ فوراً مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ راہ میں حضرت عمروؓ بن عاص سے ملاقات ہوئی۔ یہ بھی حضرت خالدؓ کی طرح قریش کو مغلوب دیکھ کر شرم سے حبشہ چلے گئے تھے وہاں نجاشی کے مسلمان ہونے سے ان کا بھی خیال بدلا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جس طرح یہ دونوں کفر میں باہم دوست تھے ویسے ہی اسلام میں بھی ساتھ رہے۔ ایک ساتھ اسلام لائے اور پھر بڑے بڑے کام ان سے ظہور میں آئے۔ حضرت خالدؓ نے شام اور مصر کی فتوحات میں نام پیدا کیا اور حضرت عمروؓ بن عاص نے ایران فتح کرنے کی عزت حاصل کی۔ یہ دونوں بڑی عقیدت سے مسلمان ہوئے تھے اور مسلمان ہوتے وقت یہ سن کر انہیں بہت خوشی ہوئی تھی کہ ''مسلمان ہونا تمام پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' تو مسلم ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ ماں کے پیٹ سے نکلا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے احکام پر سچے دل سے ایمان لانا گویا پچھلی برائیوں سے توبہ کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ جو کوئی اپنے کیے پر سچی پشیمانی ظاہر کرتا ہے اللہ اُس کے گناہ عفو کرتا ہے۔

اسی سال میں بنی بلوح اور اہل فدک کی سرکوبی کیلئے حضرت غالبؓ روانہ کیے گئے تھے لیکن یہ کوئی بڑا واقعہ نہ تھا۔ تاریخ میں اسے سریہ غالب بن عبداللہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

سریہ موتہ:

آنحضرت ﷺ نے حاکم بصرہ کو ایک نامہ بھیجا۔ حضرت حارثؓ بن عمر نامہ بر تھے۔ راستہ میں انہیں شرجیل عمر عیسائی نے (وہ امراء قیصر میں سے ایک امیر تھا) شہید کیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ خبر سن کر جہاد کا حکم دیا۔ کوئی تین ہزار مسلمان اکٹھا ہو کر چلے۔ کچھ دور تک آنحضرت ﷺ بھی انتظام درست کرنے کے لئے ساتھ آئے، اس لئے اس کا شمار غزوات میں کیا جاتا ہے۔ شرجیل کا بھائی سدوس مقابلہ میں آ کر مارا گیا۔ شرجیل نے ڈر کر خود کو قلعہ میں بند کیا اور ہرقل سے مدد مانگی۔ بعض مسلمانوں نے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کو مدد کے لئے لکھنا چاہا لیکن کثرت رائے اس پر ہوئی کہ جب

Marfat.com

شہادت میں بھی عین کامیابی ہے تو پھر مدد مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ عیسائیوں کی فوج کوئی لاکھ کے قریب جمع ہوئی تین ہزار مسلمانوں کا اتنے لوگوں سے لڑنا آسان نہ تھا مسلمان شہید ہونا شروع ہوئے۔ حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ باری باری سے علم بردار (سردار لشکر) ہوئے اور شہید ہو گئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید سب کے بعد علم بردار ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد آفتاب چھپنے سے لڑائی موقوف ہوئی۔ مسلمان تو مرنے گئے ہی تھے انہیں کیا ڈر ہوتا۔ لیکن مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر عیسائیوں کو بڑی تشویش ہوئی۔ دوسرے دن خالد نے فوج کی آراستگی نئے طور سے کی۔ آگے کی فوج پیچھے اور داہنے جانب کی بائیں جانب کر کے کچھ اس طور پر کھڑا کیا کہ دشمنوں کو یقین ہو گیا کہ کچھ نئے لوگ مدد کیلئے آئے ہیں اور پھر ہراس سے اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اس اثنا میں مسلمان بھی مُنہ موڑ چلے تھے لیکن بعض جانبازوں کے شرم دلانے سے پھر اُن کے جی کڑے ہو گئے۔ عیسائیوں کے بھاگنے پر حضرت خالدؓ نے کچھ دور تک تعاقب کیا اور تعاقب میں کچھ مال بھی ہاتھ لگا۔ اسی لڑائی سے آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو سیف اللہ خطاب دیا۔ یہ لڑائی علاقہ شام میں دمشق کے قریب موتہ نام ایک گاؤں میں ہوئی تھی اس لیے اس سریہ کو سریہ موتہ کہتے ہیں اور چونکہ کچھ دور تک آنحضرت ﷺ بھی ساتھ گئے تھے اس لیے غزوۂ موتہ بھی کہتے ہیں۔

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ باغ جنت میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ اُسی دن سے اُن کے نام کے ساتھ طیار کا لفظ بڑھایا گیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔

غزوۂ ذات السلاسل:

مدینہ میں خبر پہنچی کہ قبیلہ بلی، قضاعہ اور بنو القین کے لوگ جمع ہو کر مدینہ پر چھاپا مارنا چاہتے ہیں۔ حضرت سعدؓ بن وقاص کو آنحضرت ﷺ نے سرکوبی کے لئے تعینات کیا۔ حضرت سعدؓ کو فن جنگ میں بڑی مہارت تھی اور اس کے علاوہ قبیلہ بلی سے اُن سے قرابت بھی تھی۔ ان کی تعیناتی میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ باہمی مصالحت سے معاملہ طے ہو جائے گا۔ اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی سعد کی مدد کے لئے بھیجے گئے۔ حضرت سعدؓ رات کو چلتے تھے اور دن کو ٹھہرتے تھے۔ رات کو آگ جلانے نہ دیتے تھے تا کہ مسلمانوں کی قلت مخالفین پر ظاہر نہ ہو۔ رات کو سردی کی تکلیف تھی اور اس پر سے آگ جلانے کی ممانعت۔ اہل فوج حضرت سعدؓ سے رنجیدہ تھے۔ حضرت سعدؓ اپنی حکمت عملی میں کامیاب ہوئے۔ مخالفین کی تعداد کہیں زیادہ تھی لیکن اُنہیں مسلمانوں کی حالت کا اندازہ نہ ہو سکا اور ہیبت اسلام نے اُنہیں بھاگنے پر مجبور کیا۔ جنگ وجدل کی نوبت نہیں آئی۔

سریہ خبط:

اسی سال حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ قبیلہ جہنیہ کی سرکوبی کیلئے روانہ کیے گئے تھے۔ راستہ میں فوج نے بھوک کی تکلیف اُٹھائی۔ درختوں کی پتیاں کھانے کی نوبت پہنچی۔ اسی سفر میں دریا کے کنارے پر ایک مردہ مچھلی پہاڑ کے ٹیلے کی طرح پڑی ہوئی دستیاب ہوئی۔ تمام فوج نے عرصہ تک اس کا گوشت کھایا اور سکھا کر مدینہ تک ساتھ لائے۔

فتح مکہ کے محرکات:

غیب سے فتح مکہ کا سامان مہیا ہو گیا۔ حدیبیہ کی صلح کے وقت یہ شرط ٹھہری تھی کہ قریش مسلمانوں کے حلیفوں سے مزاحم نہ ہوں اور نہ قریش کے حلیفوں سے مسلمان مزاحم ہوں۔ مکہ کے قریب بنوخزاعہ اور بنوبکر یہ دو قومیں آباد تھیں۔ اوّل

Marfat.com

لذکر مسلمانوں کے حلیف تھے اور ثانی الذکر قریش کے حلیف تھے۔ کسی وجہ سے ان میں باہم تکرار ہوئی۔ قریش نے بنو بکر کی طرفداری کی۔ بنوخزاعہ کے چند آدمی مسلمانوں کے پاس دوڑے آئے۔ آنحضرت ﷺ نے نقض عہد کے لئے ایک معقول وجہ پائی اور فوراً مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کر دیا۔

ابوسفیانؓ کو مسلمانوں کی طرف سے کھٹکا تھا لہٰذا وہ تجدید عہد کے لئے مدینہ میں آیا اور سمجھا کہ بنوخزاعہ کے حالات بھی مسلمانوں تک پہنچے نہ ہوں گے۔ یہاں آ کر اُس نے بڑی لجاجت سے گفتگو کی اور کتنوں سے سفارش کروانی چاہی۔ پہلے اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ زوجہ رسول ﷺ کے پاس گیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے پاس گیا۔ لیکن کسی نے اسے امان نہیں دی۔ ایام جہالت کا دستور تھا اور مسلمانوں نے بھی اسے پسند کر رکھا تھا کہ اگر کوئی شخص بھولے سے بھی کسی کو زبان دیتا تھا تو کل قوم اس کی پابند ہو جاتی تھی۔ ابوسفیانؓ اسی حکمت سے تمام پھرا لیکن کسی نے بھی اسے زبان نہیں دی۔ وہ مکہ واپس آیا ہی تھا کہ مسلمانوں نے مکہ پر چڑھائی کی۔ مکہ سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر مسلمانوں کی فوج پہنچ گئی تب کہیں قریش کو اطلاع ہوئی پھر اتنا وقت اُن کے پاس نہ تھا کہ لڑائی کی وہ تیاری کرتے اور اپنے حلیفوں سے حمایت چاہتے۔

سریہ ابوقتادہؓ:

اپنے ارادہ کے چھپانے کے لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوقتادہؓ انصاری کو قبیلہ اضم (ازم) کی طرف بھیج دیا جو مدینہ سے تین منزل پر مکہ اور یمامہ کے بیچ میں واقع ہے تا کہ لوگ سمجھیں کہ اُسی طرف مسلمانوں کا ارادہ ہے۔

فتح مکہ:

10 رمضان 8ھ کو آنحضرت ﷺ چلے اور راستہ میں تمام گردونواح کے مسلمان شریک ہوتے گئے۔ مکہ تک پہنچتے پہنچتے دس بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جاتے تھے۔ راہ میں ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کے لواحقین تو مع اسباب کے مدینہ گئے اور یہ خود مجاہدین کے ساتھ ہوئے۔ پیغمبر خدا ﷺ کو ان کے آنے سے بڑی مسرت ہوئی۔

ابوسفیانؓ تفحص حال کے لئے مکہ سے باہر نکلا۔ رات کا وقت تھا۔ آگ روشن دیکھ کر اس کو تعجب ہوا کہ شب عرفہ کی طرح آج اتنے لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ نزدیک آیا تو حضرت عباسؓ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت عباسؓ کے کہنے سے یہ طالب امان ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور ادھر حضرت عمرؓ بن خطاب اسے قتل کرنے پر مستعد ہوئے۔ ابوسفیانؓ کو رات بھر کی مہلت دی گئی اور صبح کو وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر مسلمان ہوا۔ مسلمان ہونے سے اُس کی جان بچ گئی اور مصالح وقت اور حرمت کعبہ پر نظر ڈال کر اور نیز عام اخلاق کے لحاظ سے بھی آنحضرت ﷺ نے عام حکم دیا کہ جو کوئی ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو، خانہ کعبہ میں چلا جائے، اپنے گھر کے دروازے بند کر لے یا بلا ہتھیار لگائے سامنے آئے، اس پر مسلمان ہاتھ نہ اُٹھائیں۔

حضرت عباسؓ نے ابوسفیانؓ کو راستہ میں کھڑا کیا اور مسلمانوں کی فوج کی عظمت کوچ کے وقت دکھا دی کہ اُس کے اسلام میں کچھ ضعف بھی ہو تو ڈر سے اُس کی تلافی ہو جائے۔ ابوسفیانؓ بارہ ہزار فوج کی شان دیکھ کر حیران ہو گیا اور فوج سے پہلے خود مکہ میں داخل ہو کر آنحضرت ﷺ کی منادی کی۔ وقت ہی نہ تھا کہ کفار جنگ کی تیاری کرتے۔ ہر ایک ان میں سے خود ششدر تھا۔ مختلف راستوں سے مسلمان مکہ میں داخل ہونے لگے۔ آنحضرت ﷺ مکہ سے اپنا بے سروسامانی

Marfat.com

کی حالت میں نکلنا اور پھر اس شاہانہ شکوہ سے وہاں داخل ہونا خیال کر کے ایک خاص کیفیت سے متکیف ہوئے اور اپنی گردن اظہار شکر گزاری کے لئے اونٹ کے کوہان کی طرف جھکالی۔

کچھ دنوں تک مکہ میں مسلمان رہے اور پھر واپس آئے۔ لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ صرف حضرت خالدؓ کی جماعت نے سوءِ اتفاق سے کچھ کفار اس لئے مار ڈالے کہ مزاحمت کی ابتداء اُدھر سے ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر خونریزی کی سخت ممانعت کی۔

گیارہ مردوں اور چھ عورتوں کی نسبت آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ اُن کا خون مسلمانوں کو معاف ہے کیونکہ ان لوگوں سے مسلمانوں نے سخت اذیتیں اُٹھائیں تھیں لیکن ان لوگوں میں سے بھی بہت کم لوگ مارے گئے کچھ بھاگ گئے کچھ مسلمان ہوگئے اور کتنوں کی خطا دوسروں کی سفارش پر آنحضرت ﷺ نے معاف کر دی۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ لطف سے خالی نہیں ہے۔

عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کاتب وحی منافقین میں تھا۔ وحی لکھتا تھا تو الفاظ بدل ڈالتا تھا اور کہتا تھا کہ قرآن تو میرے اختیار میں ہے جو چاہوں لکھ لوں۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو عبداللہ چھپ کر مدینہ سے مکہ چلا آیا اور مرتد ہوگیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا خون بھی معاف کر دیا تھا۔ لیکن یہ حضرت عثمانؓ بن عفان کا رضاعی بھائی تھا۔ حضرت عثمان نے اس کو اپنے گھر میں چھپایا اور کئی دن کے بعد آنحضرت ﷺ کے سامنے خطا معاف کرانے کے لئے پیش کیا۔ حضرت عثمانؓ کی بات کو دو مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ٹالا اور پھر تیسری مرتبہ منظور کر لیا۔

ابو جہل کا بیٹا عکرمہؓ فتح مکہ کے دن بھاگ گیا، مسلمانوں کے ہاتھ نہ آیا کہ قتل کیا جاتا۔ اس کی بیوی مسلمان ہوئی اور پھر اس نے اپنے شوہر کو بھی مسلمان ہونے پر راضی کیا۔ عکرمہؓ مسلمان ہو کر مدینہ چلا آیا اور پھر برابر مسلمانوں کی طرف سے جہاد میں شریک ہوتا رہا اور تلافی مافات میں ساعی رہا۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہ ایک لڑائی میں شہید ہوا اور یوں اس کا خاتمہ بخیر ہوا۔

کعب بن زہیر ایک شاعر تھا جو ہجو کے قصائد لکھا کرتا تھا اور اپنی زبان سے مسلمانوں کو بہت ایذا پہنچاتا تھا۔ فتح مکہ کے دن وہ بھاگ گیا اور پیچھے سے وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوا اور آتے ہی قصیدہ "بانت سعادہ قلبی الیوم مقبول" پیش کیا۔ یہ قصیدہ اب تک مسلمانوں میں مشہور ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ قصیدہ بہت پسند کیا۔

جس حبشی نے حمزہ کو مارا تھا وہ بھی آ کر مسلمان ہوگیا اور پھر برابر جہاد میں مسلمانوں کا شریک رہا۔ مسیلمہ کذاب کو اسی نے نیزہ مار کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قتل کیا۔ تذکرہ کے طور پر یہ حبشی کہا کرتا تھا کہ کفر میں جس طرح خیر الناس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ میرے ہاتھ سے شہید ہوگئے اُسی طرح اسلام میں شر الناس مسیلمہ کذاب میرے ہاتھ سے فی النار ہوا۔

ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ جس نے حمزہ کا کلیجہ نکال کر دانت سے چبایا تھا بہت متخوف تھی کہ اس کا خون بھی مسلمانوں کو جائز کر دیا گیا تھا۔ فتح مکہ کے دن بہت سے مرد اور عورتیں مسلمان ہوئیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ عورتوں کی بیعت کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ پر کپڑا رکھ لیا تھا تاغیر عورت کے جسم سے آنحضرت ﷺ کا جسم مس نہ ہوا و بعض کہتے ہیں کہ ایک برتن میں پانی رکھ کر آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ اُس میں ڈال دیا تھا جو عورت بیعت کرتی تھی اُسی

Marfat.com

پانی میں وہ بھی ہاتھ ڈال دیتی تھی۔ اسی حالت بیعت میں وہاں ہندہ بھی برقعہ پوش آئی اور بیعت سے مشرف ہوگئی۔

6 شوال تک آپ مکہ میں مقیم رہے۔ اس اثنا میں ایک بڑے گھرانے کی عورت چوری میں گرفتار ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے اُس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ بہت سے لوگ سفارشی ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے کچھ نہ سنا اور فرمایا کہ "امیر اور غریب سب کے ساتھ اللہ کے حدود مساوی ہیں۔ پہلی امتوں میں اسی سے تو خرابی واقع ہوئی کہ لوگوں نے غریبوں ہی کے لئے تمام قاعدے نافذ کیے اور اونچے لوگوں کے لئے کوئی قید نہ رہی۔ قسم ہے اُس خدا کی جس کی قدرت میں محمد کی جان ہے، اگر محمد کی لڑکی فاطمہؓ چوری کرے تو اُس کا ہاتھ بھی اسی طرح کاٹا جائے گا۔" اس کے بعد وہ عورت نیک چلن رہی اور آنحضرت ﷺ اُس پر مہربان رہتے تھے۔ یہیں سے مسلمانوں نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ گنہگاروں کا سزا پانا ہی اچھا ہے، اُن کے لئے سفارش درست نہیں ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ گنہگار شریر اور موذی نہ ہو اور اتفاقیہ اُس سے کوئی جرم سرزد ہو جائے تو تعزیر میں شفاعت درست ہے۔

فتح مکہ کے بعد جتنے بت اور انبیاء کی تصویریں خانہ کعبہ میں تھیں سب ضائع کر دی گئیں اور مٹا دی گئیں۔ خود آنحضرت ﷺ اس کام پر بہ نفس نفیس موجود تھے۔ حتیٰ کہ جو بت طاق پر تھے اُن کے توڑنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اوپر چڑھایا اور اپنے کندھے مبارک کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چڑھنے کے لئے زینہ بنایا۔ حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت سعدؓ بن زید اور حضرت عمرؓ بن عاص وغیرہ گرد و نواح کے بت مسمار کرنے کے لئے مامور کیے گئے۔

غزوۂ حنین:

مکہ میں خبر پہنچی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار ہیں اور کہتے ہیں کہ قریش شہر کے رہنے والے فن جنگ سے واقف نہ تھے تب ہی مسلمانوں نے اُنہیں دبا لیا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آنحضرت ﷺ نے جنگ کا سامان کیا۔ بارہ سولہ ہزار کی جمعیت سے آنحضرت ﷺ مکہ سے نکلے۔ وادی حنین (جو ایک مقام مکہ اور طائف کے بیچ میں ہے) تک مسلمان پہنچے تھے کہ اُدھر سے غنیم کی فوج بھی آگئی۔ رات کو ان سب نے جا بجا پہاڑ کے دروں میں خود کو چھپا لیا اور مسلمان اس سے واقف نہ تھے۔ صبح کو راستہ کی تنگی کی وجہ سے مسلمان متفرق ہو کر آگے بڑھے اسی اثنا میں دشمن کمین گاہ سے نکل پڑے اور ایسے نکلے کہ مسلمانوں کو حیرت سی ہوگئی۔ لڑنے کا موقع نہ تھا۔ مسلمان بھاگ چلے۔ فتح مکہ کے بعد جو لوگ مسلمان ہوئے تھے اُن کے اسلام میں بالکل ضعف تھا۔ زیادہ تر وہی بھاگنے کا سبب ہوئے اور پھر وہی مسلمانوں پر استہزا بھی کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس لوگ بہت کم رہ گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیانؓ بن الحارث اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود یہی چار شخص دشمنوں کی زد سے آنحضرت ﷺ کو بچاتے تھے۔ اس حالت میں ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے خود حملہ کرنا چاہا لیکن ان اصحاب نے روک رکھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند تھی۔ آنحضرت ﷺ کے کہنے پر انہوں نے مسلمانوں کو پکارا۔ مسلمان آواز پہچان کر جمع ہونے لگے۔ کفار نے خود میں مقابلہ کی تاب نہ پا کر گریز کی۔ فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی۔ لیکن ابتدا میں ذرا سی ہزیمت اس نخوت کا نتیجہ تھی جو کفار کی قلت پر مسلمانوں کے دل میں تھی۔ اس لڑائی میں چار مسلمان کام آئے اور ستر کفار مارے گئے۔ بھاگنے والوں کے تعاقب میں حضرت ابو عامرؓ اشعری روانہ کیے گئے۔ اوطاس میں یہ شہید ہو گئے اور پھر ان کے بھتیجے حضرت ابو موسیٰؓ کے ہاتھ پر فتح ہوئی۔

غزوہ طائف:

حنین سے کفار بھاگ کر طائف چلے گئے۔ آنحضرت ﷺ خود وہاں تشریف لے گئے۔ طائف والے قلعہ بند ہوئے اور باہر سے مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ طائف کا محاصرہ عرصہ تک رہا لیکن اُس کی فتح کی نوبت نہیں آئی۔ آنحضرت ﷺ وہاں سے واپس آئے کوئی بڑا شخص یہاں مارا نہیں گیا صرف عبداللہ بن ابی بکر صدیقؓ کی نسبت مشہور ہے کہ وہ تیر سے زخمی ہو کر یہیں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حنین، اوطاس اور طائف کی غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کی گئی۔ مکہ کی طرف آنحضرت ﷺ نے مراجعت کی۔ جعرانہ سے احرام باندھا اور مکہ میں پہنچ کر ہر شخص کو مطیع پایا۔ انصار کو یہ کھٹکا ہوا کہ اب شاید آنحضرت ﷺ مکہ ہی میں رہ جائیں لیکن آنحضرت ﷺ کا خیال ایسا نہ تھا۔ مکہ سے آپ مدینہ تشریف لائے اور مکہ میں حضرت عتابؓ بن اسید کو حاکم مکہ مقرر کیا اور اُن کی ماتحتی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل کو احکام شرعی کی تعلیم کے لئے چھوڑا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک درہم روزانہ حضرت عتابؓ بن اسید کے لیے بیت المال سے مقرر کیا گیا تھا اور یہی گویا اُن کی تنخواہ تھی۔

اسی سال میں حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔ حضرت زینبؓ بنت رسول نے اسی سال میں وفات پائی۔ اب تک آنحضرت ﷺ ستون سے لگ کر بیٹھتے تھے اور کبھی کبھی کھڑے ہو کر خطبہ سناتے تھے۔ اس سال کے آخر میں لکڑی کا ممبر بنایا گیا۔ جس پر خطبہ کے وقت آنحضرت ﷺ بیٹھنے لگے۔ اور اب تک تمام مسجدوں میں لکڑی یا اینٹوں سے پختہ ممبر اسی کی تقلید میں بنایا جاتا ہے اور خطبہ کے وقت پیش نماز اسی پر کھڑا ہوتا ہے۔

آخر 8ھ میں حضرت علاء بن اخضر کو آنحضرت ﷺ نے منذر بن ساری حاکم بحرین کے پاس روانہ کیا۔ وہ مسلمان ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ کی تحریر کے مطابق یہود اور مجوسی سے جزیہ وصول کرنے لگا۔ اب آٹھواں سال ختم ہوا اور نواں شروع ہوا۔ نویں سال آنحضرت ﷺ کو شہنشاہ عرب کی پوری حیثیت حاصل تھی۔ مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض تھی۔ ہر متمول مسلمان اپنے سرمایہ کا چالیسواں حصہ بیت المال میں جمع ہونے کے لئے ادا کرتا تھا اور جو مسلمان نہ تھے وہ کچھ رقم خفیف بطور جزیہ کے دیتے تھے۔ بس یہی خراج تھا جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں رعایا سے وصول ہوتا تھا۔

سریہ عنیتہ:

شروع 9ھ میں مسلمان قبیلوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے عمال صدقات مقرر کیے گئے۔ بنوتمیم کے بہکانے سے بنوکعب باوجود مسلمان ہونے کے راہ حق سے منحرف ہو گئے۔ عامل رسول خوف زدہ ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس بھاگ آیا یہاں سے حضرت عنیتہؓ بن حص کو مخالفوں کی گوشمالی کے لئے تعینات کیا گیا۔ مخالفین مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ گئے۔ اور کچھ لوگوں کو اسیر کر کے مسلمان واپس ہوئے۔ اس کے بعد اس قبیلہ کے چند سردار آئے اور خطائیں معاف کروا کے اپنے قیدیوں کو چھڑا لے گئے۔

قبیلہ بنو المصطلق سچے مسلمان تھے وہ خود زکوٰۃ لے کر ضرور آنے والے تھے دور سے عامل رسول کو دیکھ کر وہ خود پیشوائی کو نکلے۔ عامل رسول انہیں آتے دیکھ کر سمجھا کہ خیر نہیں ہے اور بھاگ کر پیغمبر خدا ﷺ کے پاس آیا پھر وہ لوگ بھی آئے تو عامل کی غلط فہمی ظاہر ہوئی۔ اسی سال میں قبیلہ خثعم کی طرف قطبہ بن عامر کسی مہم کے لئے تعینات ہوئے تھے فریقین مجروح ہوئے لیکن غلبہ مسلمانوں کو ہوا اور کچھ مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اس واقعہ کو سریہ قطبہ بھی کہتے ہیں۔

9ھ کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ نواحِ حبشہ سے کچھ لٹیرے جدہ میں اُتر آئے تھے ان کی سرکوبی کیلئے حضرت علقمہؓ بن محرز تعینات کئے گئے۔ مسلمانوں کو دیکھ کر یہ ڈاکو بھاگ گئے اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

کثرت ازواج سے جو بے لطفی کبھی کبھی پیدا ہو جاتی ہے آنحضرت ﷺ بھی اِس سے نہیں بچے۔ آنحضرت ﷺ اپنی بیبیوں کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ محبت میں تو فرق ضرور تھا لیکن برتاؤ میں کوئی امتیاز نہ تھا اور نہ نفقہ میں کوئی کمی بیشی تھی۔ جب کوئی وافر مال آتا تھا تو اکٹھا سال بھر کا یا ایک معتد بہ زمانہ کا نفقہ آپ سب کو دے دیتے تھے اور پھر اپنے پاس کچھ نہ رکھتے تھے۔ کوئی چیز آپ کے پاس رہ جاتی تھی تو نہ دو ور رہتا تھا۔ ہمیشہ آپ اس طرح رات بسر کرتے تھے کہ کل کے لئے کچھ پاس نہ ہوتا تھا۔ فقر اور توکل پر پورے طور سے عمل تھا۔ یوں آپ چاہتے تو شروع سے حضرت خدیجہؓ کے مال کی بدولت آپ کا شمار متمولوں میں ہوتا اور شاہِ عرب ہونے پر تو فقر پاس نہ پھٹکنے پاتا لیکن آپ اپنی عادت بدلنے کو توکل اور شانِ پیغمبری کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس شاہی حالت میں بھی کبھی کبھی آپ کو فاقہ کو نوبت آتی تھی اور آپ کے متعلقین پر بھی ایسا ہی گزر جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی زوجاتِ مطہرات کے دو حصے تھے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت صفیہؓ کا ایک ہم خیال تھیں اور باقی بیبیوں کی جماعت الگ تھی۔ اس غول بندی کا یہ منشا نہ تھا کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے لڑتی تھی۔ بس اتنا ہی ہوتا تھا کہ جو رائے ایک کی ہوتی تھی وہی اُس کے ساتھ کی سب عورتوں کی ہوتی تھی اور اس طرح کبھی باہمی مذاق اور شکر رنجی کی نوبت بھی پہنچ جاتی تھی۔ اسباب مختلف بیان کیے جاتے ہیں لیکن یہ محقق ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے اپنی بیبیوں سے ناخوش ہو کر مہینہ بھر کے لئے مسجد کا حجرہ اپنی آرام کے لئے پسند کیا۔ وجہ کچھ ہی ہو لیکن یہ ضرور تھا کہ بعض بیبیوں کا صبر و قناعت نہ کرنا آپ کی خفگی کا سبب ہوا۔ لوگوں میں مشہور ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے بیبیوں کو طلاق دے دی۔ اس حکایت سے یہ نہ سمجھنا چاہے کہ یہ بیبیاں اعلیٰ درجہ کی بیبیاں نہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے فیضِ صحبت سے یہ مشرف تھیں اور اس لئے ان کے اخلاقِ حمیدہ میں کیا کلام ہو سکتا ہے لیکن بشریت کے اقتضا سے کوئی بشر خالی نہیں اگر تمام عمر میں آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی بیبیوں کو تنبیہ کی تو اِس سے اُن کے مدارج میں کچھ کمی نہیں آسکتی۔

پینتالیس سال کی عمر کے بعد آپ نے عقدِ نکاح کرنے شروع کیے۔ وصالِ مبارک دم سات بیبیاں موجود تھیں لیکن ان بیبیوں میں بجز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور کسی باکرہ سے آپ نے عقد نہیں کیا، برابر بیواؤں ہی سے عقد کیا۔ سب سے زیادہ آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کو چاہتے تھے لیکن ساتھ ہی عدل کا بھی خیال رکھتے تھے۔ اِن عورتوں کا بڑھنا گویا حضرت عائشہ ایسی پیاری بی بی کی ملاقات میں فرق ڈالنا تھا اور اس لئے یہ قیاس کہ یہ عورتیں لطف بڑھانے کے لئے عقدِ نکاح میں لائی گئیں بالکل قائم نہیں ہوتا۔ جس فقر و فاقہ سے آپ بسر کرتے تھے وہ اظہر من الشمس ہے نہ آپ کی زوجات کے گھر درست تھے نہ اُن کے پاس اور کوئی سامان عیش و نشاط کا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اتنی بہت سی بیبیوں کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب تھوڑے غور کے بعد بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ قانونِ ربانی جاری کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ قرآن تو گویا ایک اصول کی کتاب ہے۔ فقہ کے مسئلے حدیث کو قرآن کے ساتھ ملا کر پیدا کیے گئے ہیں۔ حدیث نقل کرنے کے ذریعہ تھے اصحابؓ۔ غیر عورتوں سے محبت رکھنا مناسب نہ تھی اور جو باتیں فقہ کی عورتوں کے متعلق ہیں وہ مردوں کے سامنے بیان کرنے کی نہیں تھیں، اور نہ مردوں کے پوچھنے کی تھیں۔ یہی باعث تھا کہ اتنی بہت سی عورتیں آنحضرت ﷺ کے پاس تھیں جن کی بدولت آج حیض، نفاس، طہارت وغیرہ وغیرہ کے مسئلے اور

Marfat.com

نیز بہت سی مفید باتیں ازواج مطہرات سے دوسری مسلمان عورتوں کو معلوم ہوئیں اور پھر اُن کے ذریعہ سے عام مسلمانوں میں پھیلیں۔ ایک یہ غرض بھی تھی کہ لوگ بیواؤں سے عقد کرنے میں عیب نہ سمجھیں۔ باکرہ کے ساتھ نکاح کرنا ہر زمانہ میں انسانی طبیعت کا مقتضا رہا ہے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے چاہا کہ لوگوں میں بیواؤں کے عقد ثانی کی تحریص اپنے فعل سے پیدا کریں۔ باوجود اس کے آنحضرت ﷺ کے بعد ہی ایران میں "زن بیوہ مکن اگر چہ حور است" کا مقولہ جاری ہوا اور پھر برصغیر میں آ کر تو بیواؤں سے عقد کرنا بند ہی ہو گیا۔ اگر پیغمبر خدا ﷺ کی سنت نہ ہوتی تو شاید شرعی تحریم بھی قائم کر لی جاتی۔

غزوۂ تبوک:

شام سے کچھ لوگوں نے آ کر بیان کیا کہ نواح شام میں وہاں کے بادشاہ کی طرف سے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا سامان ہو رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ کر کے خود شام کی طرف چلے۔ اس سفر کا اعلان عام طور پر کیا گیا اور متمول مسلمانوں سے تہیہ سفر کے لئے مدد بھی مانگی گئی۔ حضرت عثمانؓ بن عفان کچھ مال تجارت شام کی طرف بھیجنا چاہتے تھے وہ سب اُنہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کر دیا۔ آنحضرت ﷺ اُن کے اس فعل سے بہت ہی محظوظ ہوئے کیونکہ اُس وقت سب سے زیادہ مدد حضرت عثمانؓ ہی سے ملی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام گھر کی دولت اُٹھا لائے اور کہا کہ بال بچوں کو خدا کے سپرد کر دیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی تمام دولت کا نصف لائے۔ غرضیکہ بہت سے لوگوں نے اسی طرح مدد کی لیکن پھر بھی فوج تبوک لیے یہ مدد کافی نہ ہوئی اور راستہ میں بھوک کی تکلیف مسلمانوں کو اُٹھانی پڑی۔ فوجی سامان صرف اس قدر درست ہو سکا۔ آنحضرت ﷺ نے کہا کہ تم لوگ اپنے جوتے درست کرا لو کہ پاؤں میں جوتا رہنے سے آدمی سوار کے حکم میں رہتا ہے۔

منافقین مدینہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے اپنے عزیز کو اس سخت سفر میں ساتھ نہیں لیا۔ اس لئے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی راستہ میں آنحضرت ﷺ سے جا ملے اور کہنے لگے کہ جب میں تمام غزوات میں شریک رہا تو اس میں کیوں پیچھے رہوں۔ یہ سفر دور دراز تھا اور بہت سخت تھا۔ اس کے متعلق مؤرخین نے بہت سی حکایتیں اور نقلیں لکھی ہیں اور یہ ایک اہم سفر خیال کیا جاتا ہے۔ چشمہ تبوک کے پاس مسلمانوں کی فوج جا کر ٹھہری اور وہاں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے کچھ بھی تیاری نہیں کی گئی تھی۔ کسی سے مقابلہ نہیں ہوا اور نہ کچھ مال غنیمت حاصل ہوا۔ مسلمان جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس آئے۔ غزوۂ تبوک آخری غزوہ تھا۔ اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کو کسی لڑائی میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ راہ میں حضرت خالدؓ بن ولید کو آنحضرت ﷺ نے اکید بن عبدالملک نصرانی پر چڑھائی کرنے کیلئے روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ گئے اور ظفریاب پھرے۔ اسی سال نجاشی وفات کا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا۔ آپ نے کہا کہ اس کے لئے دعائے خیر کرو کہ وہ مسلمان تھا اور بعض لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ ہی میں اُس کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

اس سال میں عرب کے مختلف مقامات سے لوگ آ کر مسلمان ہوئے اور پھر اپنے وطن پہنچ کر اسلام پھیلانے کی کوششیں کیں۔ اب مسلمان ہونا یا عام طور پر اسلام کی وعظ تمام عرب میں رائج ہو چلی تھی۔ وفود (لوگوں کا ایمان لانے کے لئے آنا) کی وجہ سے اس سال کو عام الوفود کہتے ہیں۔ حضرت ام کلثومؓ دختر رسول ﷺ نے اِسی زمانہ میں وفات پائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے امیر ہو کر حج کعبہ کے لئے مکہ روانہ کیے گئے۔ پہلے آنحضرت ﷺ نے اپنی قربانی کے اونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیے تھے۔

اب دسواں سال ہجری شروع ہوا۔ اس سال میں طے، خولان، فدامان، فد عامد وغیرہ بڑے بڑے قبیلے

Marfat.com

سلمان ہوئے۔

نجران کے عیسائیوں کے پاس آنحضرت ﷺ نے خط بھیجا۔ اُن میں سے چودہ آدمی مدینہ میں آئے۔ ضرت ﷺ سے جب گفتگو آئی تو یہ لوگ اسلام پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ آنحضرت ﷺ سے کچھ گستاخی سے پیش آئے۔ نحضرت ﷺ نے کہا کہ "عیسیٰ اللہ کے نزدیک ایسا ہی تھا جیسا کہ آدم کہ مٹی سے اُسے بنا کر کہا "ہو جا وہ ہو گیا" ائیوں نے کہا کہ نہیں وہ خدا کا بیٹا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے کہا اگر تم سچے ہو مباہلہ کرو یعنی تم لوگ میرے ساتھ میدان چلو اور میرے ساتھ میرے گھر کے لوگ بھی ہوں۔ الگ الگ بیٹھ کر ہم دونوں کہیں کہ جو جھوٹا ہو اُس پر اللہ کی مار ے۔ اُس وقت اتنا ہی ہو کر رہ گیا۔ عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کی مستعدی دیکھ کر خوف کھایا اور آپس میں کہنے لگے رسول خدا اُسے شرط ٹھیک نہیں ایسا نہ ہو کہ آسمان سے کوئی بلا نازل ہو۔ نصرانیوں نے کہا۔ "ابوالقاسم! (محمد) ہم آپ ے مباہلہ نہیں کر سکتے۔" آنحضرت ﷺ نے کہا کہ مباہلہ نہیں کرتے تو اسلام قبول کرو اور پھر تم بھی اور مسلمانوں کی طرح جاؤ۔ انہوں نے کہا یہ ہم سے نہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے کہا کہ اچھا ہم سے لڑائی کرو۔ انہوں نے کہا کہ لڑنے کی ہم طاقت نہیں لیکن بطور جزیہ کے کچھ ادا کرنا منظور ہے اور یہی اُن سے معاہدہ ہوا۔ چلتے وقت انہوں نے ایک امین ۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو منتخب کیا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب کو امین کے لفظ پر یہ خیال تھا کہ ے کس کو آنحضرت ﷺ امین سمجھتے ہیں اور ابوعبیدہ کے انتخاب پر آپ کو یہ خیال بھی گزرا کہ میں کیوں نہ منتخب ہوا اور اسی ں نے خلافت کے بعد ہی خالدؓ بن ولید کی جگہ پر حضرت ابوعبیدہؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مقرر کروایا جس کا تذکرہ رہ آئے گا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ تھوڑے ہی دنوں کے بعد مسلمان بھی ہو گئے۔

اسی سال میں باذان حاکم یمن نے وفات پائی اور شہر بن باذان، عامر بن شہر ہمدانی، ابوموسیٰ اشعریؓ، علی ابن امیہ عاذ بن جبلؓ ارزائی پانچ شخص مقرر ہوئے اور یمن کے قصبوں کا علیحدہ علیحدہ انتظام کیا گیا اور پھر حضرت علی ابن ابی ب رضی اللہ عنہ یمن کی طرف سواروں کے ساتھ روانہ کیے گئے اور یہ تاکید کی گئی کہ جب تک کوئی مقابلہ کی ابتدا نہ کرے ھیار نہ اُٹھانا۔ یمن میں قبیلہ ہمدان کے سب لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ آنحضرت ﷺ یہ خبر سن کر سجدۂ شکر ادا کیا۔

الوداع:

آنحضرت ﷺ نے حج کا احرام باندھا۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان ساتھ تھے۔ تمام بیبیاں آنحضرت ﷺ کے تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں۔ بروز شنبہ 25 ذیقعدہ 10ھ کو آنحضرت ﷺ مدینہ سے چلے۔ ملا ہوا کپڑا یعنی تہبند اور چادر سے احرام باندھا۔ عرفہ کے دن آنحضرت ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر نہایت بلیغ خطبہ ور عام طور پر پند و نصائح کے کلمات کہے۔ سب سے زیادہ آپس میں لڑنے جھگڑنے کی ممانعت کی۔ عورتوں اور ں کے طریقہ گزران کی نسبت بہت کچھ ارشاد فرمایا۔ احکام قرآن کے مطیع رہنے کی سخت تاکید کی۔ پھر لوگوں سے کہ قیامت کے دن اگر تم سے پوچھا جائے کہ محمد تم میں کیسا تھا تو کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ نے رسالت اور امانت کا حق ادا کیا۔ ارشاد اور نصیحت کی شرط پورے طور پر بجا لایا۔ اسی حالت میں حضرت عبداللہؓ ابن کی ماں نے دودھ کا بھرا پیالہ بھیجا اور آنحضرت ﷺ نے اُسے پی لیا۔ آنحضرت ﷺ نے اُس روز فرمایا کہ میں نے رے پہلے تمام پیغمبروں نے جو کچھ کہا سب سے بہتر کلام لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہٗ لہ الملك و لہ

Marfat.com

الحمد و هو علی کل شی قدیر ہے۔یعنی سوائے اللہ کے دوسرا نہیں، وہ تنہا ہے اور اپنا شریک نہیں رکھتا۔ملک اُس کا ہے اور تعریفوں کا سزاوار وہی ہے کیونکہ تمام چیزوں پر اُسی کو قدرت ہے۔اسی روز آیت ''الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا'' اُتری جس کا ترجمہ ہے۔آج میں نے تم لوگوں کے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔اپنی نعمت تم پر پوری کی۔تمہارے لیے دین اسلام کا میں نے پسند کیا۔اور اس آیت سے سمجھا گیا کہ پیغمبر خدا ﷺ کی وفات کا زمانہ قریب ہے کیونکہ تکمیل دین کے بعد رسول کے رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند مہینوں کے بعد آنحضرت ﷺ نے دنیا سے رحلت کی۔اس حج کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کا مکہ میں آنا نہ ہوا اس لئے اس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں اور اس خیال سے کہ یہی ایک بارونق حج حضرت ﷺ کی موجودگی میں ہوا حجۃ الاسلام بھی اس کا نام رکھا گیا ہے۔اس حج میں آنحضرت ﷺ نے اپنے سر کے بال مونڈوائے تھے۔

کذابیت کی ابتدا:

اسی دوران چند لوگوں نے جھوٹے دعوے نبوت کے پیش کیے۔طائف کا ایک بادشاہ ذوالکلاع تو نمرود کی طرح اپنے کو کدا ہی کہلانے لگا۔لوگ اس کو سجدہ کرتے تھے اور وہ لوگوں سے بالکل الگ ایک بڑی شان سے رہتا تھا۔آنحضرت ﷺ کو یہ خبر ملی تو حضرت جریرؓ بن عبداللہ وہاں روانہ کیے گئے لیکن اُن کے واپس آنے سے پہلے آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے یہ معاملہ یوں ہی رہ گیا۔حضرت عمرؓ بن خطاب کے عہد خلافت میں ذوالکلاع مدینہ آکر اپنے 18 ہزار غلاموں کے ساتھ مسلمان ہوا اور پھر اُن غلاموں کو آزاد کر کے اور اپنی بادشاہت سے الگ ہو کر اُس نے عام لوگوں کی سی زندگی اختیار کی۔ایک راوی کہتا ہے کہ ذوالکلاع کو میں نے اُس حالت میں دیکھا تھا کہ لوگ اُسے سجدہ کرنے کے لئے مہینوں انتظار کرتے تھے اور پھر اُسی ذوالکلاع کو میں نے آخر میں دیکھا کہ قصاب کی دوکان سے خود گوشت خرید کر گھوڑے کی زین میں لٹکا رہا تھا۔اسی سال میں حضرت ابراہیمؓ ابن رسول ﷺ نے انتقال کیا۔اس بیٹے سے آنحضرت ﷺ بہت مانوس تھے اس کے وصال پر آپ کو بہت رنج ہوا۔حج سے واپس آکر آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے۔بیماری کی خبر پھیلی تو باغیوں نے سر اُٹھایا اور اِن باغیوں کے بعض سرداروں نے بھی اپنے کو نبی ظاہر کیا اِن کاذب نبیوں کے مسیلمہ بن ثمامہ طلیحہ بن خویلد اسدی اور اسود بن کعب تھے۔حارث کی ایک لڑکی سجاح نامی بھی نبیہ بنی تھی۔

ان میں مسیلمہ سب سے زبردست تھا۔مسلمان مؤرخ اسے مسیلمہ کذاب لکھتے ہیں۔یمامہ میں اس نے خروج کیا۔کوئی لاکھ آدمی تک اس کا معتقد تھا۔یہ بہت بڑا شعبدہ باز تھا۔لوگوں سے کہتا تھا کہ میں رسالت میں محمد ﷺ کا شریک ہوں۔اُس نے کہا کہ آپ رسول ﷺ بے شک ہیں لیکن مسیلمہ بھی رسول ہے اور آپ کا شریک ہے۔آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت خالدؓ بن ولید کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تو مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار آدمی تھے۔حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس صرف بیس ہزار فوج تھی۔مسیلمہ کے دس ہزار ساتھی مارے گئے اور ایک ہزار مسلمان کام آئے۔مسلمانوں کی یہ پہلی ہزیمت تھی جو مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں نصیب ہوئی آخر میں مسیلمہ کے ساتھیوں کے پیر اُکھڑ گئے اور مسلمانوں نے تعاقب کیا۔آگے بڑھ کر مسمانوں نے اُسے گھیر لیا اور حبشی نے اُس کا کام تمام کیا۔

سجاح نامی ایک عورت بنی تغلب سے تھی اور اس نے بھی دعوی نبوت کیا۔لوگ گرویدہ ہونے لگے۔لوگوں کی گرویدگی کچھ عقیدت سے نہ تھی بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دشمنی لوگوں کو بہکا کر ''اپنا کعبہ الگ بنائیں گے'' پر عمل کرواتی تھی

اور کچھ لوگ ایسے بھی جاہل تھے کہ فی الواقع سچے دل سے معتقد تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مسلمان تھے مگر صحبت محمدی ﷺ سے فیض نہیں پایا تھا۔ اُن کے بہکنے کے لئے شعبدہ بازیاں بڑا کام کر گئیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ بنی اسرائیل کی طرح اس زمانہ میں متعدد نبی ہوں تو کچھ عجب نہیں ہے۔ یہیں سے یہ بات نکلتی ہے کہ اچھے آدمیوں کے جانچنے کے لئے صرف اُن کے اخلاق واطوار پر لحاظ کرنا چاہئے۔ خرق عادات اور کرامات پر نظر ڈالنا بالکل فضول ہے۔ حسن اخلاق میں یہ کوئی نسبت آنحضرت ﷺ سے نہ رکھتے تھے لیکن شعبدہ بازیوں میں ایسے اُستاد تھے کہ جاہل پھنس ہی جاتے تھے۔ اسلام میں اگر ایسی کراتیں کچھ قابل لحاظ ہوتیں تو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو نبوت کے دعوئ دار ہوئے تھے وہ کذاب نہ کہلاتے۔

مسیلمہ نے حکمت عملی سے اُس عورت کے ساتھ عقد کر لیا۔ اس عقد نے مسیلمہ کو اور بھی قوت پہنچائی۔ مسیلمہ کے مرنے پر سجاح ایک گمنام حالت میں رہی اور پھر حضرت معاویہؓ کے عہد میں مسلمان ہو کر مری۔

اسود ایک شعبدہ باز اور کاہن تھا۔ اس نے بھی خود کو پیغمبر ظاہر کیا اور باذان کے مرنے پر صنعا یمن کی دارالخلافت پر قابض ہو گیا۔ مسلمان جو یمن کے مختلف حصوں پر آنحضرت ﷺ کے حکم مامور تھے۔ اُنہوں نے آنحضرت ﷺ کو مطلع کیا۔ آنحضرت ﷺ نے لکھا کہ تم سب ایک ساتھ ہو کر اسود کا مقابلہ کرو۔ اب یہاں سے مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کے عہد میں اسود کو مسلمانوں نے کسی حکمت سے سوتے ہوئے قتل کیا اور بعض لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وہ اس فوج کی مدد سے قتل کیا گیا جو عکرمہؓ بن ابی جہل کی ماتحتی میں مسلمانان یمن کی کمک کے لئے بھیجی گئی تھی۔

قبیلہ بنی اسد سے طلیحہ نے خروج کیا۔ اُس کے خروج کی خبر آنحضرت ﷺ کی حیات میں مدینہ میں نہیں پہنچی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سیف اللہ حضرت خالدؓ بن ولید اس کی سرکوبی کیلئے مامور ہوئے۔ اس کے ساتھی خالد کے حملہ کی تاب نہ لا سکے اور وہ سب بھاگ گئے۔ طلیحہ بھی بھاگ کر شام چلا گیا۔ طلیحہ کے سبب سے جو قبائل مرتد ہوئے تھے وہ پھر مسلمان ہو گئے اور طلیحہ بھی آ کر مسلمان ہوا اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہاوند میں شہید ہوا۔

31 صفر 11ھ کو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو جنگ روم کی تیاری کا حکم دیا اور دوسرے دن حضرت اسامہ بن زید بن حارثہؓ سے کہا کہ "نواحی ابنی میں اپنے باپ کے مقتل پر جاؤ اور اتنی عجلت کرو کہ وہاں کے لوگ تیرے پہنچنے سے پہلے تیرے آنے کی خبر نہ پائیں۔ اللہ چاہے گا تو تجھے فتح نصیب ہوگی۔" 28 صفر کو آنحضرت ﷺ پر بیماری کے آثار پھر ظاہر ہوئے اور اب کے مرض الموت تھا۔ حالت مرض میں آپ نے اسامہ کا جھنڈا اپنے ہاتھ سے درست کر کے فوج کو روانہ کیا۔ اور تمام اکابر اصحاب حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ ذی النورین، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح، حضرت سعیدؓ بن زید، حضرت قتادہؓ بن نعمان کو اسامہ کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ حضرت اسامہؓ کے باپ حضرت زیدؓ بن حارثہ غلام تھے۔ غلام کا سردار فوج ہونا لوگوں کو برا معلوم ہوا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر پہنچی۔ آپ نے سب کو بلا کر سمجھایا کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ برابر فوج کا سپہ سالار رہتا تھا، پھر تو کوئی معترض نہ ہوا اسامہ اُسی کا بیٹا ہے تو اس میں کیا ہرج ہے۔ علاوہ بریں حضرت زیدؓ اولین مسلمان ہوا اور اسلام سے پہلے سے آنحضرت ﷺ کا رفیق بھی تھا۔ مسلمانوں میں اس کا درجہ بہت بلند تھا۔ جب لوگ یہ سمجھے تو اپنی حرکت پر نادم ہوئے اور حضرت اسامہؓ کے ساتھ چلنے کو شہر سے نکل کر باہر لشکر میں جمع ہونے لگے۔

بروز اتوار کو آپ کی طبیعت بہت ناساز ہوئی لوگ لشکر سے ملنے آئے۔ حضرت اسامہؓ بھی رخصت ہونے کیلئے

Marfat.com

آئے۔ لشکر میں پہنچ کر دوسرے دن وہ کوچ کی تیاری کر رہے تھے۔ کوچ کے ذرا پہلے آنحضرت ﷺ سے بھی مل گئے کہ دفعتہً روانگی لشکر کے وقت فوج میں خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ کی حالت خراب ہے۔ روانگی رُک گئی اور پھر رُکی ہی رہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت اسامہؓ کو پھر روانہ کیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

وفات رسول خدا ﷺ:

بیماری کی آخری حالت میں تین روز تک آنحضرت ﷺ صاحب فراش رہے اور امامت حضرت ابوبکر رضی اللہ کے متعلق رہی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محض تعمیل حکم سے امامت قبول کی ورنہ اُنہیں خدا ﷺ کی جگہ پر کھڑا ہونا بہت ہی گراں گزرتا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی کوشش کی تھی کہ نماز پڑھانے لئے کوئی اور مامور ہو۔ وہ سمجھتی تھیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رقت قلب اس کام میں حارج ہوگی لیکن آنحضرت ﷺ دوسرے کا امام ہونا پسند نہیں کیا۔ تریسٹھ برس سے دو چار روز زائد کی عمر میں آپ نے 11ھ میں دردسر اور بخار میں مبتلا انتقال کیا اور مسجد نبوی کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دفن کیے گئے۔ حالت بیماری میں آپ ایک انصار اور مہاجر کی تسکین کے لئے مسجد میں تشریف لائے تھے۔ تیمارداری آپ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ ہوئی اور تمام بنوہاشم آپ کے تیماردار رہے جن میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبا اور فضل بن عباس وغیرہ زیادہ حاضر باش رہے۔ وفات کے پہلے آپ کے پاس پانچ دس اشرفیاں تھیں جو حضرت عا رضی اللہ عنہا کی تحویل میں رکھ دی گئی تھیں۔ آپ نے اُس کے صدقے کا حکم دیا تاکہ نبی مرتے وقت دنیا میں کوئی مال چھوڑے۔ مسجد میں آپ نے باآواز بلند کہا: ”مجھ پر کسی کا دین ہو وصول کرلے۔ قیامت کا مواخذہ نہ رہے۔“ ایک نے کہا حضرت آپ ﷺ نے مجھ سے کسی فقیر کو تین درہم یا دینار دلوائے تھے لیکن پھر مجھے آپ نے نہ د آنحضرت ﷺ نے فوراً اُس کے دیے جانے کا حکم دیا۔“

آنحضرت ﷺ کو حضرت فاطمہ ؓ سے بہت اُنس تھا۔ وصال کے وقت اُن کا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھا اور حسنین بلا کر پیار کیا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میرے مرنے پر ”انا اللّٰہ و انا الیہ راجعون“ کہنا۔ ”ہم اللہ ہی کے ہیں اُسی کے پاس ہم کو جانا ہے۔“ اب تک یہ دستور مسلمانوں میں جاری ہے کہ مرنے کی خبر سن کر وہ یہ آیت پڑھتے ہیں۔

حضرت علی ؓ سے بھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں۔ علی ؓ نے کہا فرما آپ نے جواب میں کہا: ”الصلوٰۃ و ما ملکت ایمانکم“ یعنی نماز اور اپنے متعلقین سے بے خبر نہ رہنا۔ آپ کو مسواک کا بہت خیال تھا۔ مسواک کا استعمال آپ بہت کرتے تھے۔ چنانچہ بوقت وفات بھی آپ نے مسواک کی۔

آپ کی وفات پر شور وغل کی آواز مسجد میں پہنچی۔ تمام اصحاب یہ خبر سن کر بدحواس ہو گئے۔ منافق کہنے لگے کہ رسول تھا کہ مر گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شبہ ہوا کہ کہیں سکتہ تو نہیں ہوا۔ لوگوں کے شور وغل پر عمر فاروق رضی عنہ نے نیام سے تلوار کھینچ لی اور کہنا شروع کیا۔ ”محمد ﷺ زندہ ہیں کوئی اُنہیں مردہ کہے گا تو میں سر اُس کا قلم کر دوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی وہ دوڑے آئے پہلے اندر جا کر آنحضرت ﷺ کی وفات کی تصدیق کی اور پھر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اُنہیں باز رکھنا چاہا۔ تین مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ خیال نہ کیا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باآواز بلند کہا: ”من کان یعبد محمداً محمداً قد مات و من کان یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حی لا یموت۔“ اگر محمد کی بندگی کی جاتی تھی تو وہ بے شک وفا

Marfat.com

گئے۔اور اگر بندگی اللہ کی ہے تو اللہ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا۔اور اُس کے بعد کچھ آیتیں قرآن کی پڑھیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن سب کو مرنا ہے کوئی مستثنیٰ نہیں رہ سکتا۔حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ "ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر میرے ہوش درست ہوئے۔اس کے پہلے یہ باتیں گویا مجھے معلوم ہی نہ تھیں۔"

امہات المومنین، ازواج مطہرات رسول ﷺ

آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہ کبریٰؓ سے بیاہ کیا۔حضرت خدیجہؓ کی پہلی شادی ابو ہالہ بناش سے ہوئی تھی۔ان کے مرنے پر دوسرا بیاہ عتیق ابن عابد سے ہوا۔پہلی شادی سے دو بیٹے ہند اور ہالہ دونوں زندہ تھے اور دونوں آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے تھے۔دوسرے خاوند سے ایک بیٹی تھیں وہ بھی ہند کے نام سے مشہور تھیں۔تیسرا نکاح ان کا چالیس برس کی عمر میں آنحضرت ﷺ سرور کائنات ﷺ سے ہوا۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قبیلہ قریش سے تھیں۔متمول، عقلمندی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے ایام جاہلیت میں بھی مکہ کی تمام عورتوں میں ممتاز تھیں اور طاہرہ اُن کا لقب تھا۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قریش کی نسل سے تھیں۔پہلا نکاح ان کا سکران ابن عمر سے ہوا تھا اور دوسرا نکاح آنحضرت ﷺ سے ہوا۔پہلے نکاح سے عبدالرحمن صحابی تھے جو کسی لڑائی میں شہید ہوئے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی پہلے حضرت خنیسؓ سے بیاہی تھیں۔حضرت خنیسؓ بدری صحابی تھے۔اُن کی وفات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت حفصہ کو بیاہنا چاہا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا۔"اچھا میں غور کر کے جواب دوں گا۔" پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی شادی نہ کروں۔پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درخواست کی۔آپؓ خاموش رہے۔ہاں ناں کچھ بھی نہ کہا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سکوت برا معلوم ہوا لیکن جب آنحضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کا پیغام بھیجا اور میں نے انہیں آپ سے بیاہ دیا اُس وقت معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ سرور کائنات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کر چکے تھے اور یہی وجہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سکوت کی تھی۔

حضرت اُم سلمہ بھی قریشی النسب تھیں۔پہلا نکاح ان کا عبداللہ ابن عبدالاسد ابن مغیرہ سے ہوا۔عبداللہ کی کنیت ابوسلمہ تھی۔یہ بدری صحابی تھے۔ابوسلمہ کے مرنے پر اُم سلمہ آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔پہلے شوہر سے دو بیٹے سلمہؓ اور عمرؓ اور دو بیٹیاں دُرہؓ اور زینبؓ پیدا ہوئیں۔سلمہ کو امامہ بنت امیر حمزہؓ سے آنحضرت ﷺ سے بیاہا تھا۔حضرت عمرؓ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں فارس اور بحرین کی حکومت ملی تھی۔

حضرت اُم حبیبہ سردار مکہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔یہ اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش کے ساتھ حبش کو ہجرت کر گئیں۔وہاں عبیداللہ کے مرنے پر تنہا رہ گئیں۔حضرت عمروؓ ابن امیہ ضمیری کو بھیج کر آپ نے نجاشی بادشاہ حبش کو اپنا وکیل کیا اور اُس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ام حبیبہ کا عقد کیا اور اُنہیں آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ بھیج دیا۔

حضرت زینب بنت جحش یہ پہلے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے عقد میں تھیں۔حضرت زیدؓ نے طلاق دی۔تب آنحضرت ﷺ نے خواستگاری کی اور حضرت زیدؓ ہی کو پیغام بر بنایا۔حضرت زینبؓ نے حضرت زیدؓ کو دیکھ کر منہ پھیر لیا اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام سن کر کہا کہ میں نماز پڑھ لوں تو جواب دوں گی۔اسی اثنا میں آیت "فلما قضی زید منها وطرا زوجنا کها لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاهم اذا قضوا منهن وطرا" اُتری۔

ترجمہ: ''جب زید اس (زینب) سے اپنی غرض پوری کر چکا یعنی طلاق دے چکا تو ہم نے اُس کو تجھؐ سے بیاہا تا کہ مومن اپنے لے پالکوں کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں جب وہ مطلقہ ہو جائیں کوئی ہرج نہ سمجھیں۔'' آنحضرت ﷺ حضرت زیدؓ کو بہت چاہتے تھے۔ گویا وہ آنحضرت ﷺ کے مُنہ بولے بیٹے تھے۔ منافق کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہو سے نکاح کیا۔ اُس وقت آیہ ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول الله و خاتم النبیین'' نازل ہوئی۔ ممکن ہے کہ اُس وقت آنحضرت رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینبؓ کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا جہلاء کے نزدیک نامناسب امر ہو لیکن اس زمانہ کی موجودہ حالت پر نظر رکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا فعل بڑی ہی مصلحت مبنی تھا۔ پیغمبر ﷺ نے ہر طور پر نکاح کی آزادیوں کا سبق خود اپنے فعل سے اپنی امت کو دیا۔

حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے معاملات میں بہت کچھ شرعی تعلیم کی گئی ہے۔ سوائے حضرت زیدؓ کے اور کسی صحابی کا نام قرآن میں نہیں ہے۔ حضرت زیدؓ ایک شریف عرب کے لڑکے تھے۔ ایک ظالم کسی طرح اُنہیں پکڑ لے گیا تھا پیغمبر خدا ﷺ کے ہاتھ یہ غلام ہو کر بکے۔ جب ان کے باپ کو خبر ہوئی تو وہ اُنہیں لینے آئے۔ پیغمبر ﷺ نے آزاد کر لیکن وہ ایسے مہربان کا ساتھ کب چھوڑتے تھے۔ وہ اپنے گھر نہ گئے اور آزاد ہو کر پیغمبر ﷺ ہی کے پاس رہنے لگے آنحضرت ﷺ نے اُنہیں بیٹے کی طرح پالا تھا۔ یہ جوان ہوئے تو چاہا کہ اپنی پھوپھی زاد بہن زینب کے ساتھ اُنہیں دیں۔ حضرت زینبؓ اور اُن کے بھائی عبداللہؓ نے حضرت زیدؓ کی سابق غلامی پر نظر کر کے تامل کیا اُس وقت یہ آیہ ''ما کان لمومن و لا مومنة اذا قضی الله و رسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم'' نازل ہوئی۔ ترجمہ: ''کسی مسلمان مرد یا عورت کو زیبا نہیں ہے کہ جب خدا اور رسول ﷺ اُن کے کام میں حکم دیں تو پھر وہ اپنی رائے کو دخل دیں۔'' ظاہر ہے کہ اس آیت سے صرف یہ مقصود تھا کہ ایک دوسرے کو خارجی اسباب کی وجہ سے معاملاتِ نکاح میں ذلیل سمجھے۔ حضرت زینبؓ نے بیاہ تو کیا لیکن یہ خیال دل سے نہ گیا کہ غلام کو انہوں نے شوہر بنایا ہے۔ حضرت زیدؓ کو حضرت زینب سے ہمیشہ بے لطفی رہی۔ پیغمبر خدا ﷺ نے سمجھایا لیکن اُس سے بھی کام نہ نکلا تو حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اختلاف مزاج کی حالت میں فریقین کے لئے طلاق سے عمدہ کوئی دوسرا چارہ کار نہیں ہوتا۔ ممکن ہے اس طلاق سے حضرت زینبؓ کچھ ملول ہوئی ہوں۔ انہیں یہ خیال ہوا ہو کہ غلام بھی مجھے اپنے قابل نہ سمجھا۔ آنحضرت ﷺ نے اُن کی تسکین کے لئے خود اپنی زوجیت میں اُنہیں لینا چاہا اور حضرت زیدؓ ہی کی معرفت پیغام نکاح بھی بھیجا حضرت زینبؓ کے پہلے نکاح میں آیت قرآنی نازل ہوئی تھی۔ اُنہوں نے یہ کہا کہ جیسا خدا حکم دے گا کیا جائے گا۔ عجب کہ حضرت زینبؓ کو بھی پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ نکاح کرنے میں وہی تامل تھا جو منافقوں کے دل میں آیہ قرآنی اُترنے کے بعد بھی قائم تھا۔ اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب حضرت زینبؓ کا پہلا نکاح وحی سے حضرت زید کے ساتھ تھا تو وہ دوسرے نکاح کے لئے بھی نص قرآنی کی منتظر تھیں۔ وہ نہایت مسرت سے پیغمبر خدا ﷺ کی زوجیت میں داخل گئیں۔ لیکن منافقین اس پر بھی ہنستے تھے۔ منافقوں کی شان میں تیسری آیت اس مضمون کی نازل ہوئی کہ محمد کسی کا نہیں ہے یعنی یہ خیال کہ لے پالک کی بیوی سے نکاح بے جا ہے بالکل غلط ہے یہ سب اہتمام صرف اس لئے تھا کہ امت محمدی ﷺ کو نکاح کی حقیقت معلوم رہے لیکن افسوس کہ پھر بھی لوگ اسے نہیں سمجھتے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ بھی آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات سے ہیں۔ پہلے ان کے کئی نکاح

Marfat.com

چکے تھے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ان کا پانچواں نکاح تھا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی نسبت بھی مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا تیسرا یا پانچواں نکاح تھا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا جب آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں اُس وقت اُن کا پہلا شوہر مر چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا دوسرا نکاح تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آنحضرت ﷺ کے ساتھ تیسرا تھا۔

❀❀❀❀

Marfat.com

خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اگر خلافت باعتبار وراثت ہوتی تو مردوں میں حضرت عباسؓ عم رسول یا اُن کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جانشینی کے مستحق تھے۔ اگر عام مسلمانوں میں سے کسی کا منتخب کیا جانا مناسب ہوتا تو اس میں شک نہیں کہ یہ انتخاب انہیں لوگوں میں سے ہونا چاہئے تھا جو جنگ بدر سے پہلے زمرہ مہاجرین میں شامل ہو چکے تھے یعنی جنگ بدر سے پہلے مسلمان ہو کر مکہ کی سکونت ترک کر چکے تھے۔ غرض کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم جب سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بعض انصار نے حضرت سعدؓ بن عبادہ کو خلیفہ رسول ﷺ قرار دیا ہے یا دیا چاہتے ہیں۔ بعض انصار کی حجت یہ تھی کہ مدینہ کے رہنے والے ہم لوگ ہیں۔ پیغمبر کی بات اور تھی۔ اب اُن کے بعد دوسری جگہ رہنے والا ہم لوگوں پر حکمران نہیں ہو سکتا۔ مہاجروں کی یہ گفتگو تھی کہ خاص قبیلہ کی حکومت زیر بحث نہیں ہے تمام عرب سلطنت کا انتظام پیش ہے۔ سوائے قریش کے کوئی دوسرا فرمانروا ہوا تو تمام ملک میں بدامنی پھیل جائے گی۔ لوگ اس دباؤ نہ مانیں گے اور بعض انصار بھی اس میں مہاجروں کے ہم زبان تھے۔ مخالفوں نے کہا: ''اچھا دو بادشاہ منتخب ہوں ایک مہاجرین میں سے ہو اور دوسرا انصار میں سے۔'' مہاجروں نے یہ شرکت بھی پسند نہ کی۔ مہاجروں میں سنجیدہ گفتگو کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور سختی سے بات کرنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شیریں کلامی نہ ہوتی تو شاید مقابلہ کی نوبت پہنچ جاتی۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عمر کی سخت کلامی سے انصار دب نہ جاتے تو پھر کچھ کام بھی نہ چلتا۔ کسی طرح انصار گفتگو میں دبے تو مہاجر وقت کو غنیمت سمجھے۔ جو لوگ موجود تھے ان میں سرسری طور پر انتخاب کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہی کہ پیغمبر ﷺ نے اُنہیں ایک مرتبہ ''امین ہذہ الامۃ'' کہا تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت ابوبکر کے لئے رائے دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ بڑھا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوعبیدہؓ میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''یہ نہ ہوگا۔ آپ کے ہوتے ہوئے دوسرا مستحق نہیں ہو سکتا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ والوں کے نزدیک بہت معزز تھے۔ عمر کے اعتبار سے بھی بزرگ تھے۔ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بڑے دوست تھے۔ ان کا بڑا درجہ تھا۔ غرضیکہ سرسری طور پر حضرت ابوبکر منتخب ہوئے۔ لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد پیغمبر ﷺ کا جنازہ دفن کیا گیا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد سلطنت شخصی تھی لیکن تقرر خلیفہ کا کچھ دنوں تک کثرت رائے سے ہوتا رہا۔ گو کثرت رائے حاصل کرنے کے طریقے مختلف حالتوں میں مختلف رہے۔ لیکن عرصہ تک معاملات سلطنت میں شوریت جاری نہیں رہی۔ ابتدا میں شخصی سلطنت کا بھی یہ رنگ تھا کہ محض نام کو شخصی سلطنت کہی جاتی تھی ورنہ خلفا کوئی کام بلا مشورہ نہیں کرتے تھے۔ سلطنت کرنا بھی ان لوگوں کے نزدیک ایک قسم کی عبادت تھی۔ خلیفہ چہارم علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک یہی اعتبار قائم رہا۔ اور اُن کے وقت تک مسلمانوں کا خلیفہ دینی اور دنیاوی امور میں مسلمانوں کا پیشوا سمجھا جاتا تھا۔ پھر اس کے

Marfat.com

سلاطین عجم کا رنگ پیدا ہونے لگ اور نبی کی خلافت کا منصب گھٹنے لگا۔ بعد پیغمبر ﷺ کے کچھ تو اصحاب ایسے تھے کہ وہ خلافت کے بارے سے گھبرا کر یا اپنے کو دوسروں سے لیاقت میں کم سمجھ کر ادھر رُخ ہی نہیں کرتے تھے اور کچھ ایسے تھے کہ خلافت کے خواہش مند تھے لیکن دنیاوی طمع سے نہیں بلکہ محض اس خیال سے کہ وہ نیک نیتی سے باور کرتے تھے کہ امور سلطنت وہ سب اچھی طرح سے انجام دیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ بھی کہا تھا کہ ''فوری انتظام کے طور پر میں مسلمانوں کا امیر بنایا گیا۔ اب اطمینان کی حالت ہے۔ سب مسلمان جمع ہو کر جسے چاہیں سردار بنالیں۔'' لیکن آئندہ چل کر معلوم ہوگا کہ پیغمبر خدا ﷺ کی وفات کے بعد ہی تمام عرب کی کیا کیفیت ہوگئی تھی۔ بغاوت کے علم تمام بلند تھے۔ ایسے نازک وقت میں کیا مناسب تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے دوسرا امیر بنایا جاتا اور دشمنوں کی نظروں میں خود کو کمزور دکھایا جاتا۔ گو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب سرسری تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ بعد کو کثرت رائے نے یہ انتخاب پسند کیا۔ خلیفہ ہونے کے دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بازار کی طرف چلے۔ یہ لوگ زراعت پیشہ تو تھے نہیں۔ تجارت پیشہ تھے بازار نہ جاتے تو گھر کا خرچ کس طرح چلتا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بازار جانے سے آپ کو روکا اور کہا کہ بازار کی آمدورفت امور سلطنت میں خلل انداز ہوگی اور پھر ایک خفیف رقم بیت المال سے ان کی گزراوقات کے لئے مقرر کردی گئی۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں منصب قضاء حضرت عمرؓ بن خطاب کو دیا گیا۔ حضرت عثمان بن عفان، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت عبداللہؓ بن ارقم صاحب قلم دان یعنی وزیر سلطنت مقرر ہوئے۔ اگر یہ لوگ وزیر تھے تو ملکی امور کے لحاظ سے حضرت عمرؓ بن خطاب وزیر اعظم تھے اور قاضی القضات بھی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت اثاثؓ ابن اسید، حضرت عثمانؓ ابن ابی العاص، حضرت مہاجرؓ ابن ابی امیہ، حضرت زیادؓ ابن لبید، حضرت یعلیٰؓ ابن امیہ، حضرت معاذؓ ابن جبل، حضرت علاءؓ ابن الحضر امی، بالترتیب مکہ، طائف، صنعا، حضرموت، خولان۔ نجد، بحرین کے عامل یا گورنر تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں بالکل کثرت رائے کے مطیع تھے اور حضرت عمرؓ ابن خطاب گویا اُس جماعت کے صدر انجمن تھے جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق مشہور تھے۔ مشہور ہے کہ صرف ایک ہی مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے کام لیا اور صرف ایک ہی مرتبہ حضرت خالدؓ کے معاملہ میں عمر ابن خطاب کی رائے سے اختلاف کیا۔ یہ دونوں واقعات آئندہ مفصل بیان کیے گئے ہیں۔

پہلے اُس واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو تاریخ اسلام میں آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے اہم واقعہ ہے۔ حضرت اُسامہ کا لشکر آنحضرت ﷺ کے حکم سے مدینہ کے باہر پڑا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات نے اُسے روک رکھا ورنہ وہ کب کا کوچ کر چکا ہوتا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا۔ لوگوں نے اُس کے خلاف رائے دی لیکن آپؓ نے کہا کہ جس علم کو پیغمبر خدا ﷺ نے خود درست کیا میں اُسے میدان جنگ میں جانے سے روک نہیں سکتا۔ اسی اثنا میں خبر آئی کہ زکوٰۃ دینے سے نواح مدینہ کے مسلمان انکار کرتے ہیں۔ عرب کے مختلف قبیلوں کے مرتد ہونے کی بھی خبریں آئیں۔ جھوٹے پیغمبر جو آنحضرت ﷺ کے وقت ہی میں پیدا ہو گئے تھے اُن کا بھی خوف لگا تھا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے استقلال میں فرق نہ تھا۔ حضرت اُسامہؓ کے ساتھ بڑے بڑے اکابر دمشق کی طرف روانہ کیے گئے۔ لوگوں کے کہنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ روک لیے گئے تھے۔

Marfat.com

میدان خالی دیکھ کر مدینہ پر گردونواح کے مفسدوں نے حملہ کیا۔ جولوگ اُسامہ کے ساتھ جانے سے رہ گئے تھے وہ باغیوں کے مقابلے کیلئے مدینہ سے نکلے۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر باغی بھاگے۔ بہت سے لوگ اُن میں سے مارے گئے اور گرفتار ہوئے۔ حضرت اُسامہ کا دمشق جانا اور مدینہ میں آ کر باغیوں کا شکست پانا تمام عرب پر ہیبت چھا جانے کا سبب ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد دشمنوں کے تعاقب کا حکم دیا اور عام طور پر گردونواح میں مسلمان سرداروں کو روانہ کیا کہ مرتدوں سے وہ مقابلہ کریں اور جو مرتد پھر مسلمان ہو جائے اور زکوٰۃ دینا منظور کرلے تو اُس سے مقابلہ نہ کیا جائے لیکن جو صرف اسلام ظاہر کرے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اُس سے بے تکلف مقابلہ کیا جائے۔ مسلمانوں نے یہ حکم تامل کے ساتھ منظور کیا۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی پس وپیش تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں تلوار کس طرح اُٹھائی جاسکتی ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ بغاوت زیادہ تر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استقلال سے فرو ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ ابتدائے ہجرت میں پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ ابوبکرؓ کا شریک ہونا اور پھر اپنی ابتدائے خلافت میں کسی قدر غیر معمولی مستقل مزاجی سے کام لینا یہ دونوں اعمال اُن کے میری تمام زندگی کے اعمال سے اچھے ہیں۔

طلیحہ اور مسیلمہ کذاب کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مغلوب ہونا اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اِن دونوں فتوحات میں حضرت خالدؓ بن ولید سردار فوج تھے۔ مالک بن نویرہ کا معاملہ طلیحہ پر فتح پانے کے بعد اور مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں روانہ ہونے سے پہلے وقوع میں آیا تھا۔ اوپر لکھا گیا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کے زمانہ میں اہل بحرین مسلمان ہو چکے تھے۔ علاء بن الحضرمی دعوت اسلام کے لئے وہاں بھیجے گئے اور پھر وہی دوبارہ عامل ہو کر بھیجے گئے۔ اسی اثناء میں آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور وہاں کے لوگ دین سے مُرتد ہو گئے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام پر قائم تھے۔ بنوبکر عموماً مرتد تھے اور عبدالقیس اکثر اسلام پر قائم تھے۔ اس اختلاف کی وجہ سے بنوبکر اور عبدالقیس میں لڑائی شروع ہوئی۔ بنوبکر نے کسریٰ شاہ فارس سے مدد چاہی۔ اور عبدالقیس نے مسلمانانِ مدینہ سے اعانت طلب کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کچھ فوج مدینہ سے روانہ کی اور حکم دیا کہ راہ میں جتنے مسلمان قبیلے ملتے جائیں، اُن سے مجاہدین لیے جائیں۔ مسلمانوں نے قریب پہنچ کر دشمنوں پر شبخون مارا اور فتح پائی۔ دشمن بھاگے اور مسلمانوں کے لئے مال غنیمت چھوڑتے گئے۔ مدینہ سے مدد آنے کے وقت عبدالقیس قلعہ بند تھے اور علاء بن الحضرمی بھی اُن کے ساتھ تھے۔ اپنے دینی بھائیوں کی فتح یابی کے بعد یہ لوگ قلعہ سے نکلے۔ پھر اس کے بعد مسلمانوں نے گردونواح کے مفسدوں کی خبر لینی شروع کی۔ بہت سے بنوبکر مارے گئے۔ لشکر فارس کے لوگ بھی اکثر مارے گئے اور جو بچے وہ کسریٰ کے پاس ہزیمت کی خبر پہنچانے گئے لیکن منذر بن نعمان جو لشکر عجم کا سردار تھا، صدقِ دل سے مسلمان ہو گیا۔

اسی اثنا میں عمان، مہرہ اور یمن کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ ان کی سرکوبی کیلئے حضرت حذیفہ بن محصن اور عرفجہ بارقی روانہ کیے گئے۔ حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل جو جنگ مسیلمہ کذاب سے فارغ ہو کر ابھی یمامہ ہی میں تھے بالا بالا یمن میں پہنچے اور کفار کے مغلوب کرنے میں شریک ہوئے۔ یمن میں بہت کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اور کفار جو قتل ہوئے اُن کی تعداد بھی مؤرخوں نے بہت زیادہ بیان کی ہے۔

کندہ اور حضرموت کے قبیلے جو مرتد ہو گئے تھے اُن کی گوشمالی کیلئے حضرت زیادؓ تعینات ہوئے اور پیچھے سے حضرت عکرمہؓ بھی آ کر شریک ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کو یہاں بھی فتح نصیب ہوئی اور کفار کو ہزیمت ہوئی۔

اس وقت تک قرآن کی تدوین نہیں ہوئی تھی۔ لوگ عموماً حافظ قرآن تھے۔ جو لکھے پڑھے لوگ تھے اُن کے پاس

Marfat.com

متفرق آیتیں بھی لکھی ہوئی تھیں۔ پتھروں کے ٹکڑوں پر، مٹی کے برتنوں پر، لکڑیوں پر، چمڑوں اور تختوں پر آیتیں لکھ رکھی تھیں۔ یمامہ کی لڑائی میں بہت سے قاری (حافظ قرآن) شہید ہوئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ان کے مرنے پر تدوین قرآن کی طرف توجہ ہوئی۔ پہلے تو لوگ اس بدعت سے رُکے لیکن پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار پر ادھر متوجہ ہوئے۔ قرآن کی تدوین تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی لیکن سورتوں کی ترتیب جس طرح پر اب قائم ہے یہ حضرت عثمانؓ بن عفان کے عہد میں پسند کی گئی اور اس لئے موجودہ قرآن کو لوگ طنزاً عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا جمع کیا ہوا قرآن کہتے ہیں اور طنز کرنے والے وہ لوگ ہیں، جو کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کی ترتیب دوسرے طور پر کی تھی لیکن اُس کا رواج نہیں ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ نفس قرآن کی صحت میں تامل کرتا ہے۔ اس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں ہے بلکہ جو لوگ اسلام کی ضمنی تقسیموں کو ناپسند کرتے ہیں اُن کی بڑی حجت یہی ہے کہ جب قرآن سب فرقوں کا ایک ہی ہے تو پھر ضمنی تقسیمیں کیسی؟ جزئیات میں اگر اختلاف آراء ہے تو اِس سے فرقوں کے الگ الگ ہو جانے کی ضرورت نہیں پیدا ہوتی۔

حضرت ابوبکر ؓ کی خلافت کے دوسرے سال کے ساتھ ہجرت کا بارھواں سنہ شروع ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں فارس اور شام کی سرحد تک اسلام پھیل اتھا۔ آپ کی وفات سے جو ضعف اسلام میں آچلا تھا حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خلافت کا پہلا سال اُسی کی اصلاح میں گذرا۔ اور دوسرے سال کے شروع ہونے پر پھر وہ خیالات تازہ ہوئے جو آنحضرت ﷺ کے فرمانے سے پیدا ہوئے تھے یعنی ''بہت قریب ہے وہ زمانہ کہ فارس، شام اور مصر میں اسلام کی روشنی پھیلے گی۔ اِن ممالک کی فتح کے اسباب جس طرح پیدا ہوئے اُن کا ذکر آگے آئے گا۔ ایران کی سلطنت بہت قدیم تھی۔ ہندوستان، مصر اور ایران ان تین ملکوں کی نسبت یہ کہنا مشکل ہے کہ ان میں سے پہلے کس نے ترقی کی۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر ملک نے ایران پر پہلے کبھی سلطنت نہیں کی تھی۔ اسکندر اعظم کے عہد میں یونانیوں نے ایران پر غلبہ پایا تھا لیکن وہ محض ایک حملے کی صورت تھی۔ یونانیوں کو ایران پر کبھی حکومت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے بعد رومیوں کی ترقی کا زمانہ آیا لیکن یہ لوگ بھی ایران پر غلبہ حاصل نہ کر سکے۔ ترکوں سے ایرانیوں کا ہمیشہ مقابلہ رہا اور رومیوں سے سرحدی نزاعیں آخر آخر میں ہوتی رہیں۔ افغانستان ایران کا باجگذار صوبہ ہمیشہ رہا۔ غرضیکہ ایران کی سلطنت بہت قدیم اور بڑی زبردست تھی۔ لوگ اس کے نام سے ڈرتے تھے کبھی خیال میں بھی نہیں آتا تھا کہ عرب کے بدوی ایران پر حکومت کر سکتے ہیں۔

ایران کے حدود اربعہ:

ترکستان اور کسپین سی (بحیرہ خزر) دکن خلیج فارس، حدود اربعہ خلیفہ عمان، بحر عرب، مشرقی افغانستان، بلوچستان، مغربی عراق عرب۔ لیکن جس وقت مسلمانوں نے حملہ کیا۔ عراق عرب بھی ایرانیوں کے قبضہ میں تھا بلکہ پائے تخت بغداد کے قریب مدائن میں تھا۔ اب تو ایران کے حدود ارضی کو ترکی اور روسی سلطنتوں نے بہت کم کر دیے ہیں لیکن مسلمانوں کے حملہ کے وقت عراق عرب، عراق عجم فارس، خراسان، مازندران، کرمان یہ سب ممالک ایرانیوں کے قبضہ میں تھے۔ ایرانیوں کو عرب اپنی اصطلاح میں عجمی کہتے تھے اور اُن کے ملک کو ملک عجم بولتے تھے اور کہیں کہیں مؤرخوں نے ایران کو فارس اور ایرانیوں کو اہل فارس بھی لکھا ہے۔ ایران کے علاوہ اور ممالک کو بھی اہل عرب عجم کہتے تھے۔ کبھی کبھی غیر ملک کے معنی میں بھی عجم کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔

Marfat.com

زمین کا وہ ٹکڑا جس کے مشرق میں بحر اسود۔ شمال میں عرب۔ جنوب میں ایران اور مغرب یورپ اور بحر میڈیٹرینین واقع ہے اس وقت ترکوں کے مقبوضہ ہونے کی وجہ سے ایشیائی ترکی کہلاتا ہے لیکن فی الواقع اس میں ارض مقدس، فلسطین، شام عراق عرب، الجزیرہ، کردستان، ارض روم۔ آرمینیہ، تریز بند وغیرہ مختلف مشہور مقامات داخل ہیں۔

مسلمانوں کے حملہ کے وقت یہ تمام زمین کسی قدر شرقی حصہ چھوڑ کر کہ وہ ایرانیوں کے دخل میں تھا اور عیسائیوں کا مقبوضہ تھا، یہاں عیسائیوں کی مختلف خودمختار ریاستیں قائم تھیں لیکن مذہبی پیشوا کی حیثیت سے ہرقل سب کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ اصلی پایہ تخت تو قسطنطنیہ تھا لیکن تھوڑے دنوں سے انطاکیہ مشرقی مقبوضات کا دارالامارت قرار دیا گیا تھا۔ ہرقل سے بھی بڑا بادشاہ (مذہبی خیال سے) روم کا پوپ سمجھا جاتا تھا اور اسی لیے عیسائیوں کی سلطنت کو بعض مسلمان مؤرخ رومیوں کی سلطنت لکھتے ہیں اور شام سے آگے بڑھ کر جو فتوحات ہوئیں انہیں فتوح روم سے جابجا تعبیر کرتے ہیں۔ جس طرح آج کل تفریق قوم کے لئے گورے اور کالے کا لفظ بولتے ہیں اور کالا آدمی تحقیر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات کے وقت شام اور شام کے شمالی حصہ کے عیسائی باشندے بنوالاصفر (زرد آدمی) بولے جاتے تھے۔

افریقہ کے صحرائے کنان کے مغرب اور شمال جو تھوڑی سی آبادی سواحل بحر احمر اور بحر میڈیٹرینین پر واقع ہے اُسی کا نام مصر ہے۔ مشہور ہے کہ یونانیوں کے معلم یہی مصری لوگ تھے۔ مدت سے یہ ٹکڑا آباد تھا اور تہذیب اور شائستگی میں بھی شہرہ آفاق تھا۔ مصریوں کے زوال کے بعد یونانیوں کو عروج ہوا۔ یونان کے عہد روم کا دن پھرا۔ رومیوں کا جب عروج تھا تو ایران اور ترکستان کے مغرب میں جتنے ممالک ہیں سب ان کے زیر فرمان تھے۔ رومیوں سے یہاں مراد ہے اٹلی کی دار السلطنت روم کے باشندے۔ رومیوں کے عروج کے وقت مصر بھی ان کا ایک باج گزار صوبہ ہو گیا تھا۔ لیکن زوال سلطنت کے بعد جب بیسوں خودمختار ریاستیں قائم ہوئیں وہاں مصر بھی آزاد ہو گیا۔ مسلمانوں کی چڑھائی کے وقت مصر کا بادشاہ ایک خودمختار عیسائی مقوقس تھا۔

حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ:

12ھ میں بنوشیبان کا ایک رئیس حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ مدینہ میں آکر مسلمان ہوا اور مدائن پر چڑھائی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُسے مدائن روانہ کیا۔ حضرت مثنیٰؓ کے قبیلہ کے گردونواح میں جتنے لوگ تھے وہ سب ایران کی حکومت سے ناخوش تھے۔ سب نے حضرت مثنیٰؓ کا ساتھ دیا۔ حضرت مثنیٰؓ کی کامیابیوں کی خبر مدینہ پہنچی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سننے میں آیا کہ دشمنوں نے ایک دل ہو کر جنگ کا بڑا سامان کیا ہے۔ یہاں سے حضرت خالدؓ بھیجے گئے۔ کہنے کو تو وہ مدد کے لئے گئے لیکن فی الواقع وہی سپہ سالار فوج تھے۔ فارس، حیرہ اور مدائن کی فتح اُن کی تعیناتی عمل میں آئی اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ ان مہموں کے طے ہونے پر ایلہ کی طرف بھی بڑھنا چاہیے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب مدائن اور عراق عرب میں حضرت خالدؓ پہنچے تو اُن کے ساتھ دس ہزار مسلمان کا لشکر تھا۔ پہلے ابن صلوبا حاکم سواد اور پھر ابن ذویب طائی حاکم حیرہ سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ان دونوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اس کے بعد خالد ایلہ کی طرف گئے۔ وہاں کا گورنر حضرت خالدؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور پھر کسریٰ کے حکم سے اہواز کا گورنر قارن پچاس ہزار کی جمعیت سے حضرت خالدؓ کے مقابلے کیلئے چلا۔ یہ معرکہ بہت سخت تھا۔ تیس ہزار آدمی دشمن کے مارے گئے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ جب حضرت خالدؓ نے غنیمت کا خمس مدینہ روانہ کیا تو سب نے حضرت خالدؓ کو دعائے خیر دی۔ اس مال کے ساتھ کچھ قیدی بھی تھے۔

Marfat.com

حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے باپ انہیں لوگوں میں تھے۔اس کے بعد کچھ فوج شاہ ایران کی قارن کی کمک کیلئے اور آئی تھی جس سے دجلہ اور لیس میں مسلمانوں سے مقابلہ ہوا تھا اور مسلمان ہی فتح یاب ہوئے تھے۔لیس کے مقام پر جو کشت وخون ہوا اس کو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ دشمن کا خون پانی کی طرح بہ چلا تھا۔اسؓ کے بعد انبار،عین التمر او دومۃ الجندل وغیرہ چند نامی قلعے مسلمانوں نے فتح کیے۔اسی زمانہ میں اردشیر شاہ (کسریٰ) ایران نے وفات پائی۔حضرت خالدؓ کی طبیعت ان فتوحات سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اور یوں تبدیل سلطنت بھی خواہ مخواہ ایک انقلاب کی صورت پیدا کر ہی دیتی ہے۔یہ موقع غنیمت سمجھ کر حضرت خالدؓ نے ایک خط کسریٰ کے نام بھیجا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خالدؓ کی طرف سے بادشاہ عجم کسریٰ کو لکھا جاتا ہے۔اللہ جس نے تمہاری جمعیت کو متفرق کر دیا اور تمہاری سعادت بختی کو شقاوت سے بدل دیا،اُس کے شکر اور اُس کی تعریف کے بعد لکھا جاتا ہے کہ تم اسلام قبول کرو یا جزیہ دو نہیں تو میں ایسی قوم کو تمہارے پاس بھیجوں گا جو موت کو اُسی طرح پسند کرتی ہے جس طرح تم زندگی کو چاہتے ہو۔

یہ خط پڑھ کر کسریٰ کے ہوش جاتے رہے لیکن استقلال کو اس نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا خالد کے مقابلہ کے لئے اُس نے فوراً فوج کی درستگی کا حکم دیا۔

فارس اور روم کی سلطنتیں بہت قدیم تھیں۔فارس کے متعلق تو صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ ملک نہ معلوم کس زمانہ سے خود مختار تھا۔دوسری قوم نے یہاں کبھی حکومت نہیں کی تھی۔اور نہ فارس کی سلطنت کبھی مستقل طور پر اور ملکوں تک پھیلی تھی۔ترکستان،شام یا عرب کے بعض صوبوں پر کبھی ایران کی حکومت ہو جاتی تھی لیکن اس کی حیثیت سرحدی نزاعوں سے زیادہ نہ تھی۔سکندر کے زمانہ میں ایران پر یونانیوں کا قبضہ ہو گیا تھا لیکن وہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہا۔ایران میں آتش پرستوں کا مذہب جاری تھا اور وہاں کے بادشاہ کو کسریٰ کہتے تھے جیسا کہ روم کے بادشاہ کو قیصر اور حبشہ کے حاکم کو نجاشی کہتے تھے۔پیغمبر خدا ﷺ کے زمانہ میں ایرانیوں اور شامیوں میں کچھ نزاع ہو گئی تھی۔پہلے ایرانی غالب ہوئے۔اس کے بعد شامیوں کو غلبہ ہوا۔عرب کے دو حصے ایرانیوں کے قبضہ میں تھے۔ایک تو یمن جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا تھا اور دوسرا عراق عرب جس میں حضرت خالدؓ بن ولید کی مداخلت ابھی بیان کی جا چکی ہے۔ عراق عرب کے بعد اصل ایران پر مسلمانوں کا حملہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

رومیوں کی سلطنت کا ایک وہ زمانہ تھا کہ باستثنائے ہند،چین،ایران ترکستان اور تاتار کے تمام دنیا پر وہ حکمران تھے۔سکندر کے زمانہ کا یہ ذکر نہیں ہے بلکہ اُس وقت کا ذکر ہے جب عیسائیت نے اٹلی کی دارالسلطنت روم میں عروج پکڑا تھا۔عیسائیوں کا یہ زمانہ کامل عروج کا خیال کیا جاتا ہے۔تمام یورپ میں تو ان کا زور تھا ہی۔ایشیا اور افریقہ کے اکثر سواحل بحر بھی ان کے قبضہ میں تھے۔رومیوں کی سلطنت کا حال کسی قدر وضاحت سے لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سکندر اعظم کے بعد یونانیوں کی تہذیب سے اٹلی والوں نے فائدہ اُٹھا کر جو سلطنت قائم کی اُس کا پایہ تخت روم قرار پایا۔عیسائیت کے پھیلنے سے پہلے ہی سے رومیوں کی سلطنت کو پورا عروج ہو چکا تھا۔عیسوی سنہ کی تیسری چوتھی صدی میں روم کے ایک بادشاہ نے عیسوی دین قبول کیا اس سے عیسائیت کو اُسی طرح زور ہوا جیسا دنیاوی قوت کے اعتبار سے

Marfat.com

عربوں کے بعد مغلوں اور ترکوں کے مسلمان ہونے سے اسلام کو قوت پہنچی۔ عیسائی ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک رومیوں کی سلطنت کا عروج بدستور قائم تھا پھر زوال یا شروع ہوا باہم خانہ جنگی ہوئی اور اس خانہ جنگی سے رومیوں کی سلطنت کے دو حصے ہو گئے، شرقی اور غربی۔ غربی حصہ کا دارالسلطنت روم رہا اور شرقی حصہ کے لئے قسطنطنیہ دارالحکومت قرار پایا۔ قسطنطنیہ قسطنطین اعظم نے بسایا تھا۔ اپنے موقع کے اعتبار سے قسطنطنیہ یورپ کے تمام شہروں میں اچھا سمجھا جاتا تھا اور اب بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ روم کی سلطنت مغربی یورپ پر حاوی تھی اور قسطنطنیہ کی سلطنت میں وہ تمام حصے یورپ اور ایشیا کے شامل تھے جو بیسویں صدی کے آغاز تک کل عثمانی ترکوں کے ماتحت تھے اور جنہیں ٹرکش ایمپائر کے نام سے یورپین مؤرخ تعبیر کرتے ہیں اور اس کے علاوہ سواحل افریقہ پر بھی بعض بعض جگہ یہ قابض تھے۔

روم اور قسطنطنیہ کی سلطنت میں روز بروز ضعف آتا گیا۔ روم کی سلطنت یورپ کی عام ترقیوں سے ضعیف ہو گئی۔ صرف مذہبی امور میں وہ سولھویں صدی تک پیشوا سمجھی جاتی تھی لیکن اس کے بعد اس کی وہ حالت بھی زائل ہوئی اور آج وہ یورپین طاقتوں کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی ریاست سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ رہی قسطنطنیہ کی سلطنت تو اس میں اسلام سے پہلے ہی ضعف آ گیا تھا اس کے زرخیز حصے شام اور مصر جاتے تھے۔ شام کی دارالسلطنت انطاکیہ میں تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستیں تھیں لیکن نہ اس طرح کہ شاہ قسطنطنیہ کی مخالف ہوں۔ مذہبی اور دنیوی امور میں اس سے بے نیاز ہوں یا یہ کہ اس تقسیم سے عیسائیت یا عیسائی قوت میں کمی آئی ہو۔ بلکہ ہر ایک بجائے خود ایک مستحکم سلطنت تھی۔ ممکن ہے کہ ان میں کسی وقت نفاق رہا ہو۔ لیکن مسلمانوں کے حملوں نے تو ان کے باہمی اتفاق کو بہت کچھ بڑھا دیا۔ اور جس استقلال اور باہمی اتفاق سے ان لوگوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا آئندہ بیان کیا جائے گا۔

شام اور مصر کی سلطنتیں عمر خلیفہ دوم کے وقت ہی میں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئیں۔ ہاں قسطنطنیہ کا بادشاہ عرصہ تک مسلمانوں سے موافق رہ کر اور مصلحت وقت کا پابند ہو کر عربوں کی سلطنت کے زمانہ کو کسی طرح ٹالتا گیا لیکن بعد کو ترکوں کی نمایاں فتوحات کا مقابلہ نہ کر سکا یا یہ کہ ترکوں نے قسطنطنیہ ایسے عمدہ مقام سے الگ رہنا پسند نہیں کیا۔

مفصل بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ روم جدا ملک ہے۔ قسطنطنیہ الگ ملک ہے۔ شام کی چھوٹی چھوٹی نیم خودمختار یا باجگذار ریاستیں ہیں لیکن مسلمان آسانی کے لحاظ سے ان تمام عیسائیوں کو رومی لکھتے ہیں اور ان کے مقابلے کو رومیوں کا مقابلہ کہتے ہیں کیونکہ یہ سب قوتیں اجزا تھیں اس زبردست عیسائی سلطنت کی جو روم (رومۃ الکبریٰ) میں کسی زمانہ میں تھی۔ قانون مذہب، طرز معاشرت اور اخلاق خلاصہ یہ کہ تمام امور میں یہ لوگ اگر پیرو تھے تو اُن رومیوں کے تھے جن کا زمانہ تاریخی صفحوں میں ہمیشہ کیلئے یادگار ہے۔

اندرونی فسادات مٹنے کے بعد 13ھ میں رومیوں کے مقابلہ کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تیاری کی۔ انطاکیہ کے متعلق جو نیم خودمختار ریاستیں یا گورنروں کے رہنے کے بڑے بڑے چار مقامات فلسطین، حمص، دمشق اور اردواں تھے اُن کے فتح کرنے کیلئے حضرت عمرؓ بن عاص۔ حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت زیدؓ بن ابوسفیان اور حضرت شرجیلؓ ابن حسنہ الگ الگ تعینات کیے گئے اور یہ کہا گیا کہ اگر اتفاقاً چاروں لشکر ایک جگہ جمع ہو جائیں تو حضرت ابوعبیدہؓ کو امیر یا سپہ سالار سمجھنا چاہئے ورنہ عام طور پر ہر ایک اپنے لشکر کا امیر ہے یہ لوگ جدا جدا روانہ ہوئے۔ ان سب کے ساتھ جتنی فوج تھی اُس کی مجموعی تعداد سات ہزار سے زیادہ نہ تھی جو اتنے بڑے اہم کام کے لئے ناکافی سمجھی جا سکتی تھی۔

حضرت عمرؓ بن العاص جب فلسطین میں پہنچے تو اُنہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی خبر پا کر ہرقل شاہ انطاکیہ نے اپنے

Marfat.com

بھائی تدارق کو مقابلہ کے لئے تعینات کیا ہے اور پچاس ہزار سے زیادہ فوج اُس کے ساتھ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس سے اطلاع دی گئی تو انہوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بھتیجے ہاشم کو تین ہزار آدمیوں کے ساتھ کمک کے لئے روانہ کیا اور پیچھے سے پھر برابر مسلمان جہاد میں شریک ہونے کو آتے گئے اور اس کے ساتھ ہی حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی حکم دیا گیا کہ عراق عرب سے شام کی طرف توجہ کریں اور بجائے حضرت ابوعبیدہؓ کے فوج کی امارت اُن کے تعلق رہے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے عراق عرب کی حکومت حضرت مثنیؓ بن حارثہ کے متعلق کر کے شام کا قصد کیا۔ عراق عرب کو حضرت خالدؓ نے ایسی حالت میں چھوڑا کہ کسریٰ کے پاس ان کا ایلچی جا چکا تھا اور وہ لڑنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حکم نہ پہنچتا تو حضرت خالدؓ ضرور فارس پر چڑھائی کرتے۔ شام کی لڑائی چھڑ جانے سے اس وقت کسریٰ کا مقابلہ ملتوی رہا۔ حضرت خالدؓ شام کی طرف روانہ ہوئے اور راستہ میں چند قلعے فتح کرتے ہوئے بصرے میں حضرت ابوعبیدہؓ سے آملے۔ بصرے والوں نے مسلمانوں کی کثرت دیکھ کر جزیہ دینے پر صلح کر لی اور اس لئے شام کے ملکوں میں سے بصرہ سب سے پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اب حضرت خالدؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ آگے بڑھتے ایلہ اور بیت جبرین کے قریب اجنادین ایک مقام ہے۔ وہیں مسلمانوں اور رومیوں سے مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد 36 ہزار تھی اور رومیوں کی تعداد بیان کرنے میں مؤرخوں نے اختلاف کیا ہے لیکن اس میں کلام نہیں کہ مسلمانوں سے ہر حالت میں وہ زیادہ تھے۔ مسلمانوں نے جب ایک ساتھ حملہ کیا تو رومیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ کوئی تین ہزار آدمی دشمنوں کے مارے گئے۔ میدان حضرت خالدؓ کے ہاتھ رہا اور بہت کچھ نقد و جنس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔

اجنادین سے بھاگ کر دشمنوں نے گرد و نواح کے قلعوں میں پناہ لی۔ مسلمانوں نے ان قلعوں پر چڑھائی کا ارادہ کیا چنانچہ پہلے دمشق کا محاصرہ کیا گیا جس میں بہت سے عیسائی اجنادین سے بھاگ کر پناہ گیر تھے۔ حضرت خالدؓ نے عرصہ تک دمشق کا محاصرہ کیا لیکن اس کے فتح کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ حضرت خالدؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، یزید بن ابی سفیان ہر طرف سے دمشق کو گھیرے ہوئے تھے۔ اندر جانے کی راہ نہ ملتی تھی نہ شہر والے مقابلے کو باہر نکلتے تھے۔ اسی اثنا میں یہ خبر آئی کہ دمشق والوں کی مدد کیلئے 20 ہزار فوج رومیوں کی آتی ہے۔ حضرت خالدؓ نے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ ہزار پانچ سو مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن دمشق میں گھسنے کی کوئی راہ نہ نکلی۔

اب وہاں ہرقل کی یہ کیفیت تھی کہ اجنادین کی لڑائی کا حال سن کر اُس نے بڑے اہتمام سے فوج فراہم کی اور کوئی تین لاکھ فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کی۔ حضرت خالدؓ نے یہ حال دمشق میں سنا۔ دمشق میں رہ کر لڑنا مناسب حال نہ سمجھا اس لئے دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر حضرت خالدؓ آگے بڑھے اور میدان یرموک میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی جمعیت تیس چالیس ہزار سے زیادہ نہ تھی اور دشمنوں کی فوج کا تخمینہ تین لاکھ کیا جاتا تھا۔ حضرت خالدؓ کو کسی قدر غیر معمولی اہتمام اور استقلال سے کام لینا پڑا۔ انہوں نے کہا کہ فتح اور شکست فوج کی قلت اور کثرت پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ مشیت ایزدی پر موقوف ہے۔ فوج میں سے ایک ہزار مسلمان ایسے چنے گئے جو پیغمبر ﷺ کی صحبت سے بہرہ یاب تھے اور وہ سب کے آگے کیے گئے۔

حضرت خالدؓ فوج کی درستگی میں مشغول تھے کہ سامنے سے ایک قاصد مدینہ سے آتا ہوا نظر آیا۔ حضرت خالدؓ کے پاس چپکے سے آکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر سنائی۔ حضرت خالدؓ نے کہا کہ یہ خبر کسی کو معلوم نہ ہو ورنہ پھر لڑائی کا رنگ بدل جائے گا۔ قاصد نے کہا بہت اچھا۔ پھر حضرت خالدؓ نے پوچھا کہ خلافت کس کو پہنچی۔ قاصد نے کہا عمر

Marfat.com

بن خطاب رضی اللہ عنہ کو۔ حضرت خالدؓ نے کہا میں خدا کے لئے لڑتا ہوں۔ امارت کا مجھے شوق نہیں ہے لیکن یہ خبریں کسی پر لڑائی ختم ہونے تک ظاہر نہ ہوں۔ لڑائی شروع ہونے پر ایک لاکھ 30 ہزار عیسائی مارے گئے اور تین ہزار مسلمان بھی کام آئے۔ آخر میں رومیوں کے پاؤں اُٹھ گئے۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور بے انتہا نقد و جنس ملا۔ لڑائی فتح ہونے کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خط حضرت ابو عبیدہؓ کو دیا گیا۔ جس کا ما حصل یہ تھا کہ حضرت خالدؓ کو معزول کرتا ہوں اور حضرت ابو عبیدہؓ کو اُس کا قائم مقام کرتا ہوں۔ ابو عبیدہ بیت المال کا چارج لے لیں اور جو دولت غنیمت کے ذریعہ ہے خالدؓ نے اب تک حاصل کی ہے اُس میں سے نصف بیت المال میں لے لیا جاوے اور نصف خالدؓ کو دے دیا جاوے۔ دستور تھا کہ مقتول کا گھوڑا اور ہتھیار تو قاتل کو ملتا تھا باقی مال غنیمت کا ایک جا جمع ہو کر ایک خمس بیت المال خزانہ شاہی کا جزو ہوتا تھا اور بقیہ کا خمس سپہ سالار کو تنہا ملتا تھا اور اس کے بعد جو بچتا تھا وہ فوج میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ حضرت خالدؓ نے فوج کی سرداری سے بخوشی الگ ہونا قبول کیا اور اپنے مال کا نصف جس کی مقدار چالیس ہزار درہم تھی حضرت ابو عبیدہؓ کے سپرد کر دی۔ حضرت خالدؓ سرداری سے الگ ہوئے لیکن فوج سے علیحدہ نہیں ہوئے۔ جس کوشش اور شوق سے وہ اب تک فوجی کام انجام دیتے آئے تھے، وہ مرتے دم تک اُس پر قائم رہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ بزرگی اور درجہ کے لحاظ سے امیر تھے، ورنہ جنگی امور میں خالد کی رائے کو وہ بھی بالا سمجھتے تھے اور تمام فوج کے لوگ خالد کو نائب سپہ سالار سے زیادہ موقر جانتے تھے۔

تمام مسلمان حضرت خالدؓ کے مداح تھے۔ فوج والے تو ان پر جان دیتے تھے۔ یہ ایک پورے سپاہی اور تجربہ کار سپہ سالار تھے۔ سپاہیوں کو دوست رکھتے تھے فن جنگ سے بخوبی واقف تھے۔ اُن کے ساتھ تھے۔ عربی مؤرخ تو خالد کے مداح ہیں ہی۔ یورپین مؤرخوں نے بھی ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ حضرت خالدؓ کو سب پیار کرتے تھے لیکن پھر حضرت عمر ﷜ کو کسی نے الزام نہیں دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیک نیتی سب پر ظاہر تھی خصوصاً ایسی حالت میں کہ خالد کا جانشین ایسا شخص تجویز کیا گیا جس پر پیغمبر ﷺ کی خلافت کا مسئلہ طے کرتے وقت نظریں پڑتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جتنے سخت دل تھے اُتنے ہی نرم دل بھی تھے۔ سختی کے موقع پر سخت تھے اور نرمی کے موقع پر نرم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی فوج صالحوں کا ایک گروہ ہے جو اسلام پھیلانے اور سچی راہ بتانے کو اطراف عالم میں بھیجا گیا ہے۔ اس کی امامت کے لئے ایسا شخص لائق ہے جو تمام محاسن اخلاق میں آپ اپنا نظیر ہو اور اپنی خوبی اخلاق سے بھی دلوں کے مسخر کرنے کی قابلیت رکھتا ہو۔ حضرت خالدؓ کے ظاہری اخلاق گو اچھے نہ تھے لیکن پھر بھی حضرت ابو عبیدہؓ سے انہیں کوئی نسبت نہ تھی اور ایک بات اور بھی تھی کہ حضرت عمر ﷜ سمجھتے تھے کہ حضرت خالدؓ اگر اللہ کے لئے لڑتے ہیں تو سرداری جانے پر بھی وہ بدستور لڑتے رہیں گے اور دنیاوی عزت یا طمع کی وجہ سے وہ شریک جنگ ہیں تو پھر وہ کسی طرح اسلامی فوج کی سپہ سالاری کے قابل نہیں ہیں۔

عراق میں مثنیؓ کو چھوڑ کر حضرت خالدؓ تو شام کی طرف چلے آئے اور وہاں کا حال یہ ہوا کہ اردشیر مرا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا شہریار تخت پر بیٹھا۔ ہرمز جاذ نام کے ایک شجاع کو تیس ہزار فوج کے ساتھ شہریار نے عراق عجم کی طرف روانہ کیا۔ مثنیؓ نے نہایت دلیری سے مقابلہ کیا۔ دشمنوں کی فوج کے ساتھ ہاتھی بہت تھے جو معرکہ جنگ میں دیوار قلعہ کی طرح کھڑے کیے گئے تھے مسلمانوں کے نیزوں سے ہاتھی جو پیچھے بھاگے تو خود وہ ہاتھی دشمنوں کی ہزیمت کے سبب ہو گئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس کے بعد شہریار مر گیا۔ ایرانی سلطنت کا انتظام نابالغ لڑکوں اور شاہی عورتوں کے متعلق ہوا۔ اس لیے پھر کوئی حملہ ایرانیوں کی طرف سے نہیں ہوا لیکن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خود مسلمانوں

نے ایران پر چڑھائی کی اور تمام ملک فتح کر لیا۔اس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

وفات حضرت ابوبکر صدیقؓ:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے 65 یا 63 برس کی عمر میں ہجرت کے تیرہویں برس وفات پائی۔ان کی خلافت کی مدت کم وبیش دو برس تھی۔وفات سے 2 ہفتہ پہلے انہیں بخار آنے لگا اور کچھ سل کی بھی شکایت شروع ہوگئی۔بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ ایک یہودی نے زہر دے دیا تھا،اس کا اثر سال بھر کے بعد پورے طور پر نمایاں ہوا۔بہر حال یہ اپنی طبعی موت عالم سے کوچ کر گئے اور اپنی حیات میں تحریری وصیت نامہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی جانشینی کیلئے نامزد کرتے گئے۔بیان کیا جاتا ہے کہ یہ انتخاب کثرت رائے سے ہوا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کی۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی عزیز کو نامزد نہیں کیا اس لیے اُن کی نیک نیتی میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ پر نظر ڈال کر تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے اعمال میں شمار کیے جانے کے قابل ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امور سلطنت کو اس لیاقت اور دیانت داری سے انجام دیا کہ پھر اُن سا کوئی دوسرا حکمران مسلمانوں میں پیدا نہیں ہوا۔

❀❀❀❀

Marfat.com

خلافت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوحفصہ تھی اور الفاروق ان کا لقب آنحضرت ﷺ کا دیا ہوا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ابوتراب تھا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں یہ رکن اسلام تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وزیر اعظم اور قاضی القضاۃ تھے اور اب ان کی وفات پر امور دینی کے پیشوا اور عرب، شام، ایران اور مصر کے خلیفہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر کو لوگ خلیفہ رسول ﷺ کہتے تھے۔ امیر المومنین کا لقب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مستعمل ہوا اور پھر اس کے بعد تمام عربی النسل سلاطین خلیفہ اور امیر المومنین کہلائے۔ امیر المومنین کے معنی ہیں مسلمانوں کا سردار۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے از راہ انکسار اپنے لیے یہ لقب اختیار کیا اور مسلمانوں سے کہا کہ خلافت رسول ﷺ کے لائق تو ابوبکر تھے، میں محض تمہارا سردار ہوں۔

آپ کے مزاج میں پرہیز گاری بہت تھی۔ عیش پسندی بالکل نہ تھی۔ کھانا سادا اور تھوڑا کھاتے تھے۔ مزاج میں حلم و تواضع بہت تھی۔ عبادت اور ریاضت کا بہت شوق تھا اور اس کے ساتھ ہی امور سلطنت کے جزئیات پر بھی خیال رکھتے تھے۔

آپؓ رات کو مدینہ کے بازار میں ضعیفوں اور بیماروں کے حالات دریافت کرنے کی غرض سے نکلتے تھے اور ان کی دستگیری کرتے تھے۔ ایک رات کوئی عورت اپنے شوہر کی مفارقت کا تذکرہ کر رہی تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو الزام دیتی تھی کہ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مزے کرتے ہیں اور میرا شوہر مدت سے فوج کے ساتھ مارا مارا پھرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے دوسرے ہی دن اُس کے شوہر کی طلبی کا خط بھیجا اور عام حکم جاری کر دیا کہ کوئی فوجی شخص چھ مہینے سے زیادہ اپنی بی بی سے الگ نہ رہے کیونکہ اس سے زیادہ عورتوں کو شوہروں کی مفارقت کی برداشت نہیں ہوتی۔ ایک روز اور آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی ہے کہ "دودھ میں پانی ملا دے" لڑکی نے انکار کیا۔ ماں نے کہا کہ "اس وقت نہ امیر المومنینؓ ہیں نہ اُس کے اہل کار موجود ہیں تجھے خوف کیا ہے؟" لڑکی نے کہا۔ "یہ مناسب نہیں ہے کہ سامنے تو امیر المومنین کے حکم کی اطاعت کی جائے اور پیچھے اُس کے حکم کا خیال نہ رہے۔" حضرت عمرؓ کو یہ بات بہت پسند آئی اور اپنے بیٹے عاصم کی زوجیت کے لئے اُسے پسند کیا۔ اسی لڑکی کی نسل میں یعنی اس کی بیٹی کی بیٹی سے عمرؒ بن عبدالعزیز کی ماں ہوئی اور اسی لڑکی کے فیض صحبت کا اثر درجہ بدرجہ عمر بن عبدالعزیز پر ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں بعد خلفائے اربعہ کے قابل استناد حکمران ہوا تو یہ ہوا۔

ایک مرتبہ کوئی مفلس بڑھیا تنگ دستی سے رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ خدا سمجھے گا عمر سے، جس کی خلافت میں حال ایسا تنگ ہے اور وہ اپنی رعایا سے اس قدر غافل ہے۔ عمر یہ سن کر آبدیدہ ہوئے اور فوراً واپس آ کر کھانے پینے کی چیزیں خود اپنے کندھے پر لادیں اور بیت المال سے اُس بڑھیا تک پہنچا دیں۔ بڑھیا اس ہمت اور کرم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی: "اے مرد اجنبی تو خلافت کے لئے عمرؓ سے اولیٰ اور انسب ہے۔" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسکراتے ہوئے گھر چلے آئے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ آپ دھوپ میں پریشان پھر رہے تھے اور پھرنے کی وجہ یہ تھی کہ صدقہ کا اونٹ گم ہو گیا تھا۔ کسی نے کہا میر المومنینؓ یہ کام آپ کے لائق نہیں کسی دوسرے کے سپرد کیجئے۔ آپ نے کہا کہ حفاظت میرا تعلق ہے اور اس لئے یامت میں بازپُرس بھی مجھ سے ہی ہوگی۔ اگر کسی دوسرے سے باز پرس ہوتی تو میں یہ کام اُس کے متعلق کر دیتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بقدر ضرورت بیت المال سے لینا شرع کیا تھا اور یہ طریقہ حضرت عمر فاروق ی اللہ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہا۔ گھر کا خرچ وہ بیت المال سے چلاتے تھے لیکن اوسط حالت میں۔ نہ تنگدستی میں بسر رتے تھے اور نہ شان وشوکت میں۔ ایک اوسط درجہ کے قریش کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ رے اختیار میں بیت المال یعنی خزانہ شاہی اس طرح ہے، جیسے کسی یتیم کا مال اُس کے ولی کے سپرد ہوتا ہے۔ اگر وہ اور ر پر گزر کر سکتا ہے تو مال یتیم چھونا اُس کو روا نہیں اور اگر کوئی صورت دوسری نہیں ہے تو وہ اپنی گذر اوقات کے لئے کچھ لے سکتا ہے لیکن وہیں تک کہ ضرورت مجبور کرے۔ یہی سختی آپ اپنے عاملوں کے ساتھ بھی رکھتے تھے۔ جب کوئی عامل پ تعینات کرتے تھے تو تعیناتی کے فرمان کا یہ مضمون ہوتا تھا۔ "تم تجمل اور تزئین سے دور رہنا، ترکی گھوڑے پر سوار نہ نا، قیمتی اور باریک کپڑا نہ پہننا، میدے کی روٹی نہ کھانا، مکان کا دروازہ بند نہ رکھنا اور نہ دروازہ پر حاجب تعینات کرنا کہ وں کو تم تک پہنچنے میں دقت ہو۔" تمام عاملوں سے آپ اسی قسم کا عہد لیتے تھے اور آپ کے تمام بڑے بڑے عامل رمان رعیت سمجھے جاتے تھے۔ جب آپ نئے طور کی نصیحت کسی کو کرتے تھے تو بالالتزام اپنے گھر والوں کو بھی آ کر سنا یتے تھے اور کہتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ میرے گھر والوں کے فعل سے لوگ پکڑیں۔

موسم حج میں آپ تمام عمال کو بلا بھیجتے تھے۔ یہ موقع رعایا سے عمال کی کیفیت دریافت کرنے کے لئے بہت اچھا تھا۔ اُس وقت ہر طرف کے مسلمان جمع ہوتے تھے اور عمال کے چال چلن کی تفتیش شروع ہوتی تھی۔ بدچلن عمال پھر پنے عہدوں پر جانے نہ پاتے تھے۔ اس سالانہ امتحان کا خوف عمال کو جادہ اعتدال سے بڑھنے نہ دیتا تھا۔ حضرت عمر وق رضی اللہ عنہ کے وقت کی زیادہ تر مشہور باتیں یہ ہیں کہ انہوں نے ......

امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔
قرآن کی تدوین کا حکم دیا۔
نماز تراویح قائم کی۔
اسی کوڑے شرابیوں کی سزا مقرر کی۔
رات کو چھپ کر رعایا کے حالات دریافت کرنے کا دستور نکالا۔
قیدیوں کے لئے زندان بنایا۔
بیت المال کو باقاعدہ مرتب کیا۔
ہجو گوئی جو عرب میں مدت سے جاری تھی اس پر سختی سے نظر ڈالی۔
اُن لونڈیوں کے بیچنے کی ممانعت کی جن سے لڑکے پیدا ہو جائیں۔
نماز جنازہ پر چار تکبیریں معین کر دیں۔
اسلام میں وقف کا دستور قائم کیا۔
بڑے بڑے شہروں میں جامع مسجدیں بنوانے کا حکم دیا۔

Marfat.com

13- تادیب کے لئے دُرے کا دستور قائم کیا۔

14- منفصل مقامات انہوں نے فتح کیے یا اُن کے عہد میں فتح ہوئے۔

اب کچھ مختصر حال فتوحات اسلام اور سیاسی امور کا بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر کی خلافت کی مدت دس سال چا مہینہ تھی۔ پیغمبر خدا ﷺ کے وقت یہ مشیر سلطنت تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مشیر خاص تھے اب خو حکمران ہوئے یا یوں کہئے کہ اپنی ذاتی قابلیت سے رسول اللہ ﷺ اور خلیفہ اوّل کی صحبت سے جو تجربہ حاصل ہوا تھا اُ سے کام لینے کا وقت آیا۔ ان کے زمانہ میں اسلام نے بڑی رونق پکڑی۔ ملک بہت زیادہ فتح ہوئے اور ہر جگہ امن ر عمال کے انتخاب میں آپ کمال لیاقت صرف کرتے تھے اور پھر اُن کی نگرانی میں بڑی بیدار مغزی سے کام لیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جو سیاسی کام کیا وہ مسلمانوں میں پیدا ہونے والی شخصیت پرستی کا خا تھا یعنی حضرت خالدؓ کے بارے میں یہ اعتقاد جڑ پکڑ چکا تھا کہ ان کی سالاری میں شکست نہیں ہو سکتی، وہ جس لشکر کی کما کریں گے وہ یقیناً فتح یاب ہوگا۔ آپؓ نے اس نئی سوچ پر فوراً پہرہ لگایا اور حضرت خالدؓ کو ان کے عہدے سے معزول کر تھا۔ اس کے بعد نجران کے عیسائیوں (نصرانیوں) کو آپؓ نے جلاوطن کرنے کا حکم دیا اور مصلحت اس میں یہ سوچی جب تک کل عرب میں ایک مذہب نہ ہوگا۔ قومی اتفاق جو ایک بہت بڑی نعمت ہے پیدا نہ ہوگا لیکن افسوس یہ معلوم کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کیا کیا فتنے برپا ہوں گے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں حضرت مثنیؓ عراق عرب سے مدینہ آ گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ نے چاہا کہ ان کو جنگ فارس کے لئے روانہ کریں کہ موت نے جلدی کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت مثنیؓ کے ساتھ کچھ مہاجر و انصار بھیجنے چاہے۔ حضرت خالدؓ کی معزولی سے لوگ بددل رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر لوگوں کو تامل ہوا۔ ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رعب بھی خوب نہیں بندھ اور نہ لوگوں پر ان کی قابلیت اچھے طور پر ثابت ہوئی تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن مسعود کے کہنے سے لوگ آمادہ ہوئے اور لیے وہی اس ایک ہزار فوج کا سپہ سالار قرار پائے جو حضرت مثنیؓ کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کی گئی تھیں۔ ایرانیوں کی طر سے پہلے رستم سپہ سالار تھا اور بہمن نئی فوج لے کر آیا۔ پہلے رستم کے وقت میں چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں مسلمان کام ہوئے لیکن پھر بہمن کی کمک آنے پر ایک بہت بڑی شکست مسلمانوں کو ہوئی جس میں چار ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔ کے ساتھ ایک سفید ہاتھی تھا جس کی سونڈ کاٹنے کی بدولت حضرت ابوعبیدہؓ بھی شہید ہوئے۔ اس جنگ سے تمام مدینہ کھلبلی مچ گئی اور لوگوں کو اپنے اعزہ کے ضائع جانے کا سخت صدمہ ہوا۔ لیکن ایک طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس لڑائی مسلمان ہی کامیاب ہوئے۔

رستم اور بہمن کے ساتھیوں میں کچھ ایسی بدمزگی پیدا ہوئی کہ وہ باہم دو فرقہ ہو گئے۔ اس سے بہمن جاد کے لشک بے دلی پھیلی اور وہ سب مدائن (پایہ تخت) واپس چلے گئے۔ ایرانیوں کے انقلاب سلطنت اور آپس کی نااتفاقی نے مسلمانوں کی ہمتیں بڑھا دیں۔ اس وقت اسکندر اعظم (شاہ یونان) کے حملوں کی کیفیت یاد پڑتی ہے کہ اُس وقت فارسی سپہ سالاروں ہی کی باہمی نااتفاقیوں نے اسکندر کو آسانی سے فارس میں اندر آنے کا راستہ دے دیا تھا۔

اس لڑائی میں مسلمانوں کو پوری کامیابی نہیں ہوئی لیکن عراق عرب پر ان کا قبضہ مستحکم ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات پر عراق عرب سے مسلمانوں کا قبضہ اُٹھ چلا تھا۔ حضرت مثنیؓ جب حضرت ابوعبیدہؓ کو لے کر آئے تھے تو

Marfat.com

عرب خطرہ کی حالت میں تھا۔ جابجا بغاوتیں اور سازشیں پھیل چلی تھیں۔ رستم نے باشندوں کو ڈرا کر ہموار کر لیا تھا۔ خیر اس لڑائی سے اتنا تو ہوا کہ عراق عرب کا قبضہ مخدوش نہیں رہا۔ اس زمانہ میں حیرہ (حلہ) تک مسلمانوں کی سلطنت پھیلی تھی۔ کوفہ اور بصرہ پہلے سے کوئی شہر نہیں تھے بلکہ اسی زمانہ میں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے سیاسی مصالح پر نظر ڈال کر آباد کئے گئے تھے اور بہت جلد اس کی آبادی اور رونق میں ترقی ہوئی۔

14ھ کی ابتداء میں دمشق فتح ہوا۔ یزید ابن ابی سفیان یہاں کا گورنر مقرر کیا گیا۔ مورخوں نے فتح دمشق کا بیان یوں لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ کی معزولی سن کر ہرقل کو دلیری ہوئی اور اُس نے بمقام یرموک فوجیں روانہ کرنا شروع کیں۔ اس حال سے خلیفہ دوم (عمرؓ بن الخطاب) کو اطلاع دی گئی۔ یہاں سے یہ ہدایت ہوئی کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ دمشق فتح کر لیں اور دمشق کی لڑائی شروع کرنے سے پہلے یہ بندوبست کر لیں کہ حمص اور فلسطین سے نصرانیوں کی مدد وہاں نہ آسکے چنانچہ ایسا ہی ہوا کچھ لوگ حمص اور فلسطین کے راستوں پر تعینات کیے گئے کہ دشمنوں کی کمک اور رسد روکیں اور باقی لوگ حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ کے ساتھ دمشق کی طرف بڑھے۔ دمشقیوں نے اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ پا کر فرار اختیار کیا اور کچھ شہر میں جا چھپے اور شہر پناہ کا دروازہ بند کر لیا۔ مسلمانوں نے عرصہ تک محاصرہ کیا اور اس کے بعد حضرت خالدؓ نے حکمت سے شہر کے اندر اپنا گزر کیا اور شہر فتح ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر حضرت خالدؓ پیش دستی نہ کرتے تب بھی وہ شہر فتح ہو جاتا کیونکہ اہل شہر صلح پر آمادہ تھے۔ بہر حال شہر کا فتح ہونا بزور شمشیر سمجھا گیا اور گرد و نواح کے باشندوں پر مسلمانوں کا خوف طاری ہوا لیکن شہر والوں نے جزیہ دینا قبول کیا اور کچھ مال و متاع لے کر صلح نامہ مرتب ہوا۔ اسی طرح اور بھی کئی شہر فتح ہوئے۔ دمشق کے آس پاس بہت سے قصبے یزید بن ابی سفیان اور حضرت معاویہؓ نے فتح کیے۔ غسان کو شرجیل حسنہ نے فتح کیا اور ابوالاعور کی طرف طبریہ کی فتح منسوب ہوئی لیکن یہ کل فتوحات نتیجہ تھیں اس ہیبت کی جو حضرت خالدؓ نے بٹھا رکھی تھی۔ اسی سال میں بعلبک کو حضرت خالدؓ نے فتح کیا اور شراب خمر پر اجرائے حد کا حکم بھی اسی عہد میں نافذ ہوا۔ خلیفہ دوم نے خود اپنے بیٹے عبید اللہ یا عبد الرحمن پر دُرے لگائے جس کے صدمہ سے (غالباً) وہ مہینہ کے اندر ہی مر گیا۔ یہ تھی اسلام کی پابندی اور سختی جس سے اسلام نے استحکام کے ساتھ جڑ پکڑی تھی۔

اسی سال میں حضرت مثنیؓ بن حارثہ کی مدد کیلئے حضرت جریرؓ مع اپنی فوج کے بھیجے گئے اور لکھا گیا کہ حضرت جریرؓ آنحضرت ﷺ کے صحبت یافتہ ہیں ان کی تعظیم حضرت مثنیؓ پر لازم ہے۔ اب ایسی حالت میں یہ تمیز کرنا ذرا مشکل تھا کہ سردار لشکر کون قرار پایا۔ بہر حال حضرت مثنیؓ اور حضرت جریرؓ کی شرکت میں جو لڑائی فارسیوں سے ہوئی اُس میں فارسیوں کا سردار مہران تیر کھا کر گھوڑے سے گرا اور اُس کے ساتھیوں کا استقلال جاتا رہا۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور مال غنیمت اتنا ہاتھ آیا کہ اب تک کسی لڑائی میں نہ ملا تھا۔ اس کے بعد حضرت مثنیؓ نے اُس مقام کا رُخ کیا جہاں آج بغداد آباد ہے۔ پہلے یہاں سالانہ بازار یا ایک میلہ ہوتا تھا۔ جہاں دور دور سے لوگ آ کر جمع ہوتے تھے اور بہت کچھ مال تجارت لاتے تھے۔ اس بازار سے مسلمانوں نے ہزار اونٹ سونے چاندی اور جواہرات اور قیمتی چیزوں سے بھرے ہوئے پائے اور ان کے تمول میں اس سے بہت زیادہ ترقی ہوئی۔

ایرانیوں کی اب آنکھیں کھلیں ان میں مشورے ہونے لگے۔ کثرت رائے سے شہزادہ یزدجرد (یہی سلاطین ایران کی اولاد ذکور میں باقی تھا) تخت پر بٹھایا گیا اور عربوں سے لڑنے کی فکر ہونے لگی۔ 14ھ کے آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع پہنچی۔ آپ نے بھی تیاری شروع کی۔ تمام عربی فوجوں کو مدینہ کے باہر جمع کیا اور پھر تمام اکابر شہر سے مشورہ

Marfat.com

شروع کیا۔ بعض نے یہ رائے دی کہ خود خلیفہ وقت کو ایرانیوں کے مقابلہ میں جانا چاہئے۔ لیکن حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اسے خلاف مصلحت سمجھے اور اسی پر کثرت رائے قرار پائی۔ چنانچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص لشکر عراق کے سپہ سالار تجویز ہوئے اور کفار عجم سے یہ لڑنے کے لئے روانہ کیے گئے۔ حضرت مثنیٰؓ اور حضرت جریرؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اُن کی قیادت میں فرائض انجام دیں۔

غرضیکہ 15ھ کے شروع میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص قادسیہ میں پہنچے اور اُن کی مدد کیلئے برابر مدینہ سے فوج آتی رہی۔ جو کوئی مسلمان مدینہ میں واپس آتا تھا اُسے حضرت عمرؓ بن الخطاب حضرت سعدؓ کے پاس بھیجتے تھے۔ اسی طرح بہت سا لشکر حضرت سعدؓ کے پاس جمع ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے بھی کچھ فوج خلیفہ وقت کے حکم کے مطابق شام سے بھیجی۔ علاوہ حضرت مثنیٰؓ اور حضرت جریرؓ کے حضرت مغیرہؓ، حضرت شعبہؓ، حضرت طلیحہؓ بن خویلد اسدی، حضرت عمرؓ بن سعد یکرب، حضرت عاصمؓ بن عمر، حضرت شرجیل کندیؓ، حضرت عاصمؓ بن زرارہ وغیرہ نامی صحابہ حضرت سعدؓ کے پاس پہنچ گئے تھے۔ بہت سے لوگ تو ایسے تھے جو جنگ بدر میں شریک رہ چکے تھے۔ یزدجرد نے بھی مسلمانوں کا حال سن کر خوب تیاریاں کیں اور رستم بن فرخزاد کو امیر لشکر قرار دے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ حضرت سعدؓ نے کچھ لوگ رفع حجت کے لئے یزدجرد کے پاس پہلے بھیجے۔ یزدجرد سے دو بدو گفتگو ہوئی۔ ان قاصدوں نے اپنی گذشتہ حالت جاہلیت کو تسلیم کر کے شاہ فارس سے کہا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے اور اسلام کی برکت سے ہم لوگ کچھ سے کچھ ہو گئے۔ آپ اور آپ کی رعایا بھی اس سے فیض یاب ہو ورنہ ہم لوگ ایران کی تمام دولت چھین لیں گے اور کافروں کو تباہ کر دیں گے۔ یزدجرد کو بہت غصہ آیا۔ قاصدوں کا قتل کرنا شاہ سلطنت کے خلاف تھا اس لیے وہ اپنا غصہ پی گیا۔

رستم مسلمانوں سے لڑنے چلا لیکن نہایت مایوسی کی حالت میں۔ علم نجوم سے وہ عربوں کی قسمت جان چکا تھا یہ تو بعض مؤرخوں کا قول ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ عربوں کی مستعدی اور مستقل مزاجی نے اس کی ہمت کھو دی ہو۔ اُس کی بے دلی کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ مدائن (پایہ تخت) سے قادسیہ تک وہ چار مہینوں میں آیا۔ بہانہ یہ تھا کہ فوج جمع کرنے میں عرصہ ہوتا ہے اور دلی مقصود یہ تھا کہ مسلمان بے لڑے ہوئے واپس چلے جائیں تو اچھا ہو گا۔ خلیفہ وقت کا حکم تھا کہ مسلمان قادسیہ سے آگے نہ بڑھیں اور لڑائی میں ایرانیوں کی طرف سے سبقت ہونے دیں۔ رستم کب تک ٹال مٹول میں وقت کاٹتا۔ آخر کار ایرانیوں کی فوج عربوں کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوئی اور لڑائی چھڑ گئی۔ رستم بہت بڑا سردار اور بہادر جنرل تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ لڑے بغیر چارہ نہیں ہے، عرب پیچھا نہیں چھوڑتے تو نہایت مردانگی سے وہ لڑا اور مسلمانوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ ایرانیوں سے لڑنا آسان نہیں تھا۔ تین روز تک برابر لڑائی رہی۔ صبح سے شام تک لڑائی ہوتی تھی۔ طرفین کے لوگ مارے جاتے تھے۔ جنگ کا خاتمہ ہوتا تھا تو دوسرے دن جنگ پھر شروع ہو جاتی تھی۔ مختصر یہ کہ ایرانیوں کے نامی گرامی سردار مارے گئے تیسرے یا چوتھے دن رستم کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس لڑائی میں لاکھ کفار (عجمی) مارے گئے اور ساڑھے آٹھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

مرج الروم کی فتح:

اسی سال حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ نے مرج الروم، حمص، لزوقیہ، جمن سرین، انطاکیہ اور حلاۃ وغیرہ فتح کیے۔ مختصر بیان ان فتوحات کا یہ ہے کہ اس جنگ کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ حمص کے فتح کرنے کیلئے آگے بڑھے۔ حمص میں اس وقت ہرقل کا تخت شاہی تھا۔ ہرقل نے خبر سن کر دو معروف رومی سپہ سالاروں نوذر اور اسنش کا

Marfat.com

مسلمانوں کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ بمقام مرج الروم دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے آپ کو اسنش کے مقابلہ میں رکھا اور حضرت خالدؓ کو نوذر کا حملہ روکنے پر تعینات کیا۔

یہاں کسی قدر جغرافیہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ دمشق تک شام کا ملک سمجھنا چاہئے۔ دمشق فتح کرنے سے گویا شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ دمشق سے آگے کوئی ایسی قدرتی تقسیم نہ تھی جس سے اُدھر کوئی نیا ملک سمجھا جاتا۔ زبان کا بھی چنداں اختلاف نہیں تھا۔ لیکن دمشق سے شمال میں جو حصہ واقع ہے اسے ارض روم کہتے تھے اور اُس کو ترکی ایشیا یا ایشیائے کوچک بولتے ہیں۔ جس طرح ترکوں کے قابض ہونے سے اُسے ترکی کہتے ہیں، ویسے ہی روم (دار السلطنت اٹلی جس کیلئے عربوں میں روم الکبریٰ بولتے ہیں) کی سلطنت جب ان اطراف میں پھیلی تو عرب اور ایران کے لوگ رومیوں کی سلطنت کہنے لگے گو سیاسی اعتبار سے شامیوں کا مقابلہ بھی ایک طور سے رومیوں ہی کا مقابلہ تھا لیکن عربی مؤرخوں نے دمشق وغیرہ کی لڑائیوں کو فتح شام اور اس سے شمال کی لڑائیوں کو فتح روم سے تعبیر کر کے اِن لڑائیوں کو فتوح الشام والروم لکھا ہے۔

جب حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ کی فوجیں نوذر اور اسنش کے مقابلہ میں اُتریں تو نوذر نے مسلمانوں کی قوت تولنے میں غلطی کی۔ وہ سوچا کہ اسنش اِن دونوں کے مقابلے کیلئے کافی ہے۔ میں ذرا گھوم کر دوسری راہ سے شام کی طرف چلا جاؤں اور وہاں کے ممالک جو مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے ہیں چھین لوں۔ نوذر کے آنے کی خبر سن کر یزید والی دمشق مقابلہ کیلئے بڑھا۔ اور عقب سے حضرت خالدؓ بھی آگئے۔ حضرت خالدؓ فن جنگ سے بہت واقف تھے، ایسے موقع پر وہ چوکنا جانتے ہی نہ تھے۔ نوذر پر فتح پا کر حضرت خالدؓ مرج الروم میں واپس آئے اور وہاں حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ مل کر اسنش کو مغلوب کیا اور مرج الروم پر قبضہ کیا۔

حمص کی فتح:

اس کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ حمص کی طرف بڑھے۔ ہرقل نے بطریق (گورنر حمص) کے متعلق مسلمانوں کا مقابلہ چھوڑا اور خود الرہا میں جا کر فوج جمع کرنے لگا۔ حمص والوں نے دوبدو لڑنے کی جرأت نہ کی اور قلعہ بند ہو گئے۔ انہوں نے یہ امید رکھی کہ ہرقل کی مدد جلد ہی پہنچے گی۔ ملک جزیرہ سے انہیں زیادہ تر مدد کی امید تھی لیکن وہاں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی فتوحات نے لوگوں کو ایسا سہا دیا تھا کہ وہ خود اپنی فکر میں مبتلا تھے، حمصیوں کی مدد کیلئے کیا جاتے۔ غرضیکہ شہر والے دمشقیوں کی طرح مصالحت کو اولیٰ سمجھے اور اس طرح حمص بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ کچھ عرصہ تک حمص میں حضرت ابو عبیدہؓ نے قیام کیا اور پھر اُس کی حکومت حضرت عبادہؓ بن صامت کے حوالے کر کے وہ آگے بڑھے۔

حمی، شیراز اور لاذقیہ کی فتح:

حمی اور شیراز نامی شہر بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ لاذقیہ میں معمولی سی مزاحمت کا سامنا ہوا۔ اسلامی لشکر کو وہاں محاصرہ کی وقت بھی نہیں اُٹھانا پڑی۔ اُس کا انتظام یوں کیا گیا کہ شہر والوں پر مقابلے سے پہلے مسلمانوں کی آمد کھلنے نہ پائی اور پھر مسلمانوں کے پہنچ جانے پر نہ اُن میں لڑنے کی قوت تھی اور نہ شہر بند کرنے کا وقت تھا۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد یہ شہر بھی فتح ہو گیا۔ اس کے بعد قزوین پر چڑھائی کی گئی۔ وہاں کے لوگوں نے بھی اہل حمص کی طرح

Marfat.com

مصالحت کرلی۔ راستے میں اسلامی لشکر کو رومیوں سے بھی لڑنا پڑا تھا اس لیے شرائط صلح میں ذرا سختی برتی گئی۔

ہرقل کا فرار:

حضرت خالدؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے استصواب رائے کر کے الرہا پر جہاں ہرقل مقیم تھا فوج کشی کرنا چاہی۔ ہرقل یہ خبر سن کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ہرقل نے لوگوں سے مسلمانوں کا حال دریافت کیا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ "یہ دن بھر گھوڑے پر سوار رہتے ہیں اور رات بھر خدا کے سامنے ناک رگڑتے ہیں" ہرقل نے یہ سن کر نہایت افسوس سے کہا کہ "اگر ایسا ہی ہے تو پھر سب کچھ انہیں کا ہے" ہرقل نے قسطنطنیہ پہنچ کر اسی دار السلطنت پر قناعت کی۔ اور حدود روم کے قریب جتنے شہر اجنادین، قیساریہ، انطاکیہ وغیرہ تھے، انہیں خوب فوجوں سے مستحکم کیا۔ میدان خالی پا کر حضرت ابو عبیدہؓ نے تھوڑے سے محاصرے کے بعد حلب فتح کرلیا اور نواحی حلب میں مسلمانوں کا سکہ بیٹھ گیا۔

قیساریہ اور اجنادین کی فتح:

قیساریہ کی فتح کیلئے پانچ ہزار سوار کے ساتھ حضرت معاویہؓ تعینات کیے گئے۔ خلیفہ وقت نے ایسا ہی لکھ بھیجا قیساریہ کے حاکم قفقاژ کے پاس پچاس ہزار فوج تھی اور اس کے بعد انطاکیہ سے بھی کچھ مدد آئی۔ فتح حضرت معاویہؓ کے ہاتھ رہی اور وہی وہاں کے حاکم مقرر کیے گئے۔ اس کے بعد امیر المومنینؓ کے حکم سے حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو غزہ اور اجنادین فتح کرنے کیلئے روانہ کیا۔ ارطبون حاکم غزہ اور اجنادین نے عمرو سے شکست کھا کر بیت المقدس کی راہ لی۔

جنگ یرموک ثانی:

یرموک کی لڑائی خلیفہ اول کے عہد میں لکھی جا چکی ہے۔ مؤرخوں نے خلیفہ دوم کے عہد میں بھی یرموک کی لڑائی بیان کی ہے۔ ممکن ہے کہ ایک ہی واقعہ غلطی سے دو ادوار سے منسوب کیا گیا ہو لیکن صحیح یہ ہے کہ یرموک میں دو مرتبہ لڑائیاں ہوئیں۔ خلیفہ دوم کے عہد میں جو جنگ ہوئی وہ بہت ہی سخت تھی۔ ہرقل جب قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا تو شمالی شام کا ملک سرداروں کے حوالے کرتا گیا۔ یہ لوگ مذہبی جوش سے اور نیز اس خیال سے کہ اگر مسلمان مغلوب ہوئے تو شام کی سلطنت ہمیں مل جائے گی بہت ہی جوانمردی سے لڑے۔ ماہان اس لڑائی کا مدار المہام تھا۔ مسلمان یرموک سے بہت آگے بڑھ گئے تھے لیکن رومیوں کی تیاریاں دیکھ کر پلٹ آئے اور ملک عرب سے بالکل دور جانا کسی قدر خلاف مصلحت سمجھے۔ یہ پست خیالی کسی قدر حضرت عمرؓ بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ناپسند ہوئی لیکن نتیجہ برا نہیں نکلا اس لئے اس پر کچھ خیال نہیں کیا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس لڑائی میں کئی لاکھ فوج غنیم کی تھی۔ ستر ہزار تو صرف لڑائی میں مارے گئے۔ مسلمانوں کی تعداد صرف چالیس ہزار تھی۔ اس لڑائی میں حضرت خالدؓ نے بڑی حکمت سے کام لیا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کی سات تلواریں دوران لڑائی ٹوٹیں اور سینکڑوں آدمی انہوں نے ہلاک کیے۔

حضرت عمرؓ اور بیت المقدس:

جب ارطبون بیت المقدس کی طرف بھاگا تو حضرت عمروؓ بن العاص نے اُس کا پیچھا کیا۔ ارطبون نے باب شہر بند کرلیا اور حضرت عمروؓ نے محاصرہ کرلیا۔ کچھ دنوں کے بعد ارطبون نے حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس کہلا بھیجا کہ تم ناحق کوشش کرتے ہو اس شہر کا فتح کرنا تم کو نصیب نہ ہوگا۔ اس شہر کا فتح ہونا جس شخص کے ہاتھ سے ہماری کتابوں میں لکھا ہے

اُس کا حلیہ تم سے نہیں ملتا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ خبر مدینہ بھیجی۔ حضرت عمرؓ بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خود بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ ان کا منشاء اس سفر سے اپنی صورت کا دکھانا تھا یا بیت المقدس کی زیارت اصلی منشاء تھا۔ بہر حال وہ خود وہاں پہنچے اور اس طرح پہنچے کہ ایک اونٹ پر بالکل معمولی کپڑا پہنے ہوئے عام لوگوں کی طرح سادی وضع میں در شہر کے سامنے نمودار ہوئے۔ دشمنوں کے دل پر خلیفہ وقت کی سادگی کا بہت اثر پڑا اور اُس کے ساتھ اسلام کے سادے طریقوں کی وقعت بھی اُن کے دلوں میں قائم ہوئی۔ اکثر مؤرخوں کے قول کے مطابق اس امر کے بیان کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ دشمنوں نے بیت المقدس کے فاتح کا حلیہ اپنے پیشوایان مذہب کی پیشین گوئیوں کے مطابق پایا۔

حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان اور حضرت خالدؓ بھی وہاں آ گئے۔ بیت المقدس بنا جنگ فتح ہو گیا، بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ اسی سلسلے میں اور بھی چھوٹے چھوٹے مقامات پر قبضہ ہوا۔ بیت المقدس کے فتح ہونے کے بعد مکمل طور پر شام میں مسلمانوں کا دور دورہ ہو گیا۔ جس طرح عرب کی حکومت فتح مکہ تک ادھوری تھی، ویسے ہی بیت المقدس کی فتح تک شام کی حکومت سے مسلمان مطمئن نہ تھے۔

فتح مدائن:

خلیفہ وقت نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ تم تمام اہل و عیال اور لشکر کو قادسیہ میں چھوڑ کر فتح مدائن کے لئے آگے بڑھو۔ راستے میں نہر سرویں، بابل اور ساباط کو فتح کرتے ہوئے حضرت سعدؓ مدائن کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ حضرت سعدؓ کے پاس ساٹھ سوار تھے۔ یزدجرد نے دیکھا کہ اُس کے امراء لڑائی کا بیڑہ نہیں اُٹھاتے۔ مدائن کے درمیان میں دجلہ بہہ رہا تھا جس کے ایک طرف شاہی مکانات تھے اور دوسری طرف عوام کے رہنے کا مقام تھا۔ یزدجرد نے مغرب کا حصہ مسلمانوں کے لئے خالی کرا دیا اور خود دریا پار ایوان شاہی میں جا چھپا اور بیچ کا پل تڑوا دیا تا کہ مسلمان دریا عبور نہ کر سکیں۔ اسلامی لشکر میں اکثر لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنے ملک میں دریا کی صورت بھی نہ دیکھی تھی چنانچہ پانی سے ڈرنا ان کی فطرت کا مقتضی تھا۔ لیکن حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ پانی کیا آگ کا دریا ہوتا تب بھی یہ لوگ منہ نہ موڑتے۔ اِن سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ یزدجرد نے دشمنوں کی یہ جرأت دیکھ کر راہ گریز اختیار کی اور جہاں تک ہو سکا کچھ دولت بھی اپنے ساتھ لی۔ عبور دریا میں عربوں کی ایک سوئی بھی ضائع نہیں ہوئی۔ صرف ایک لکڑی کا پیالہ کسی سپاہی کا بہہ گیا تھا۔ جو کنارے سے پرل گیا اور مالک تک پہنچ گیا۔

یزدجرد بھاگتے وقت یہ کہتا گیا تھا کہ اس کا مقابلہ آدمیوں سے نہیں، جنوں سے ہے۔ جب بادشاہ کی یہ حالت تھی تو لڑنے والا کون باقی رہتا۔ بغیر جنگ کے یا کسی قدر تردد کرنے کے بعد مدائن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ چار ہزار برس کی سلطنت کا سرمایہ اور اندوختہ تھا۔ سونے چاندی کے علاوہ جواہرات کی قسم سے بہت سی چیزیں ملیں۔ عیش و نشاط کے سامان ایسے ایسے دیکھنے میں آئے کہ عربوں کی عقل حیران ہو گئی۔ جو دولت شہنشاہ یزدجرد ساتھ لے کر چلا تھا، وہ بھی مسلمانوں نے تعاقب کر کے چھین لی تھی۔ خمس غنیمت جب مدینہ میں پہنچا تو تقسیم کا نظارہ قابل دید تھا۔ ہر شخص اپنی قسمت اور عجائبات دنیا پر متعجب تھا۔ ایک ریشمی فرش جواہرات سے مرصع نہایت قیمتی کوئی سو سو گز کے عرض و طول میں بادشاہ کے خاص خاص مواقع پر استعمال کرنے کا ہاتھ آیا جو بجنسہ مدینہ میں بھیج دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی شاہانہ زندگی نہ تھی اور نہ وہاں کوئی دوسرا ایسا تھا جو اُس بساط کو خرید سکتا۔ لامحالہ وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کیا گیا۔ تقسیم غنیمت میں خلیفہ نے اپنے بیٹوں سے کہیں زیادہ حصہ حسنین علیہم السلام کو دیا۔

Marfat.com

شہزادی شہر بانو:

شہنشاہ فارس یزدجرد کی بیٹی شہر بانو بھی مال غنیمت کے ساتھ مدینہ آئی تھی، عربوں نے اُس کے جسم کے زیورات تقسیم کرنے کے لئے اُتارنا چاہے۔ وہ بے بسی میں تھی لیکن پھر بھی بادشاہ کی لڑکی تھی۔ اُس کے چہرے کی رنگت غصہ سے متغیر ہوگئی۔ اس تغیر نے عربوں کو برافروختہ کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کی مکافات یوں کی کہ مع زیورات کے اُسے حضرت امام حسن بن علیؓ کے حوالے کر دیا، اس طرح وہ نوجوان شہزادی نواسہ رسول کی زوجیت میں آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا شہزادی اشہزادہ ہی کو مناسب ہے۔

فتح حلوان:

یزدجرد مدائن سے حلوان چلا گیا۔ امیر المومنین کے حکم سے ہاشم بن عتبہ اُس کی گرفتاری پر تعینات ہوا۔ یزدجرد نے کچھ فوج بھیجی جو بمقام حلولہ مسلمانوں سے مقابل ہوئی۔ مسلمانوں نے حلولہ فتح کیا اور اُس کے بعد حلوان بھی فتح کیا گیا۔ حلوان فتح ہونے سے پہلے یزدجرد رَے کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

موصل کی فتح:

مدائن کی طرف سے کچھ لوگ بھاگ کر موصل پہنچے۔ وہاں ہرقل کی طرف سے ایک عیسائی حکمران تھا۔ ان عجمیوں نے حاکم موصل سے مل کر مسلمانوں سے لڑنے کا بندوبست کیا۔ حضرت عبداللہ ابن مغنم نے آگے بڑھ کر موصل فتح کیا۔ اسی زمانہ میں حضرت ضرار بن خطاب نے باسندان اور شروان فتح کیا اور اس کے علاوہ بہت سے شہر حضرت عیاضؓ ابن غنم اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فتح کیے اور اسی سال میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو امارت بصرہ تفویض ہوئی۔

کوفہ کی آبادکاری:

17ھ میں شہر کوفہ آباد کیا گیا۔ مدائن کی آب و ہوا ناموافق تھی، اس لئے فوج کے رہنے کے لئے ایک ایسی زمین تلاش کی گئی جسے عربی زبان میں کوفہ کہتے تھے۔ پہلے وہ لشکر کے رہنے کی جگہ (چھاؤنی) قرار پائی۔ پھر یہاں حضرت سعدؓ آکر رہنے لگے اور رفتہ رفتہ یہ شہر بہت آباد ہو گیا۔ حضرت سعدؓ نے قصر کسریٰ کے نمونے پر اپنے لئے ایک بہت بڑا گھر بنوایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ایک عتابی فرمان بھیجا کہ اتنا بڑا گھر غیر ضروری ہے۔ حاکم کو محکوم کے حالات سے اس میں خبر نہ ہوگی۔ حاجب اور دربان رعایا کی خبر پہنچنے میں مانع ہوں گے۔ یہ گھر فوراً جلا دیا جائے۔ اور دوسری جگہ دو نیچے نیچے گھر بنوائے جائیں۔ ایک بیت المال کے لئے اور دوسرا سعدؓ کے لئے۔ اور یہ بھی لکھا کہ اگر بڑے بڑے محلوں میں کوئی خاص برکت ہوتی تو آج مدائن پر عربوں کا قبضہ نہ ہوتا۔ حضرت سعدؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نصیحت پر لفظ بلفظ عمل کیا۔ یہ جلا ہوا گھر حضرت معاویہؓ ابن ابی سفیان کے عہد خلافت تک یوں ہی ویران پڑا رہا۔ معاذ کے زمانہ میں جب زیاد گورنر عراق ہوا تو اُس نے اس ایوان کو درست کر کے اپنا ایوان قرار دیا اور اس کا نام قصر الامارۃ رکھا۔

سن ہجری کی ابتدا:

حاکم بصرہ نے امیر المومنین کے پاس لکھا کہ اکثر احکام ہمارے پاس ایسے آتے ہیں جو باہم ایک دوسرے کے متضاد ہوتے ہیں۔ مقدم اور مؤخر معلوم نہ ہونے سے ناسخ اور منسوخ کا پتہ نہیں چلتا۔ اس دقت کے رفع کرنے کیلئے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطوں میں سنہ اور تاریخ لکھنے کا قاعدہ جاری کیا۔ اور سنہ کی ابتدا اس سال کے محرم سے کی جس میں پیغمبر خدا ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ سنہ ہجری کی ابتداء یوں ہی قائم ہوئی اور رفتہ رفتہ تمام اسلامی ممالک میں اس کا رواج ہوا۔ ورنہ عربوں میں اس سے پہلے مختلف واقعات سے مختلف سنون کا شمار کیا جاتا تھا۔ یوں کہنے کو تو کئی سنہ نافذ تھے لیکن لکھنے پڑھنے میں تاریخ اور سنہ کا دستور نہ تھا۔

شاہ ہرقل کا حملہ:

شاہ ہرقل قسطنطنیہ چلا گیا تھا۔ لیکن عراق اور شام میں مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر اُسے یہ خیال ہوا کہ مبادا یہ لوگ بڑھتے بڑھتے قسطنطنیہ تک آ ئیں اور اس خیال نے اُسے پھر مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ حمص میں خبر پہنچی کہ شاہ ہرقل نے مسلمانوں سے لڑنے کیلئے بڑی تیاری کی ہے اور اُس کی فوج آ رہی ہے۔ حضرت خالدؓ کی رائے سے مسلمان حمص سے باہر نکل کر ہرقل کی فوج کثیر سے مقابل ہوئے۔ چار ہزار دشمن مارے گئے اور چار ہزار نے دین اسلام قبول کیا۔ باقی لوگ مفرور ہو گئے۔ یہ لڑائی بالکل اجنبی ملک میں ہوئی۔ مسلمانوں کے اہل و عیال ساتھ تھے اس لئے ابتداء میں حضرت ابوعبیدہؓ کو بڑا تردد تھا لیکن ختم جنگ ہونے پر پہلے سے زیادہ اطمینان ہوا اور یہ سمجھا گیا کہ اب دشمنوں کی ہمتیں بالکل قاصر ہو گئیں۔

حضرت خالدؓ کی معزولی:

حضرت خالدؓ نے اس جنگ میں بڑا نام پیدا کیا۔ اس لڑائی کے فتح ہونے میں جو بہادری حضرت خالدؓ نے کی تھی اُسے ایک شاعر نے منظوم کیا اور خالد نے اِس قصیدہ مدحیہ کے صلہ میں دس ہزار درہم شاعر کو عطا کیا۔ جب یہ خبر امیر المومنینؓ کے پاس پہنچی تو امیر المومنینؓ نے فوراً حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ حضرت خالدؓ کا عمامہ اتار کر اس سے اُس کے بازوؤں کو باندھو اور میرے پاس بھیج دو۔ حضرت خالدؓ قیسرین سے طلب کیے گئے اور اُن کے ساتھ امیر المومنین کے حکم کے مطابق برتاؤ کیا گیا۔ انہوں نے اطاعت امیر المومنینؓ میں گردن نیچی کر لی اور مدینہ چلے آئے۔ الزام یہ تھا کہ اگر خالد نے بیت المال سے دس ہزار دیا تو خیانت کی اور اپنے پاس سے دیا تو اسراف کیا۔ اور اللہ اسراف کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت خالدؓ ایک بہادر سپاہی تھے اور لشکر اسلامی کو اُن سے کمال اُنس تھا، خالد کی برطرفی نے ایک عام ناراضگی پیدا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہنا پڑا کہ میں نے خالدؓ کو الزام خیانت میں برطرف نہیں کیا بلکہ مصلحت ملکی پر نظر کر کے میں نے ایسا کیا۔ لوگوں نے حد سے زیادہ اُس کی بڑائی شروع کی۔ مجھے خوف ہوا کہ جو فتوحات تائید ایزدی سے حاصل ہوئی ہیں، لوگ اُسے کہیں خالدؓ کی طرف منسوب نہ کرنے لگیں۔

اسی دروں کی سزا:

اس سال امیر المومنین نے کعبہ کی زیارت کی اور مسجد حرام کو وسعت دی۔ مدینہ سے مکہ تک سرائیں اور کنوئیں بنوا دیئے تاکہ سفر مکہ میں مسافروں کو تکلیف نہ ہو۔ 18ھ میں حضرت ابوعبیدہؓ نے لکھا کہ بعض لوگ شراب پیتے ہیں اور منع کرنے سے باز نہیں آتے۔ امیر المومنینؓ نے لکھا کہ شراب کی حرمت میں شبہ نہیں جو اُسے حرام نہ سمجھے اُس کی گردن مار دو کہ وہ مرتد ہو گیا اور برا سمجھ کر پیتا ہے تو اُس پر حد شرع (اسی تازیانہ) جاری کر دو۔ پھر کیا تھا شراب پینا لوگوں نے یک لخت ترک کر دیا۔

Marfat.com

عام الرمادہ:

سنہ 18ھ میں مدینہ میں بڑا قحط پڑا۔ امیر المومنینؓ نے گوشت، گھی اور دودھ کا استعمال چھوڑ دیا اور کہا جب رعایا کو کھانا نہیں ملتا تو مجھے اچھی غذا کب روا ہے۔ امیر المومنینؓ کے حکم پر حضرت ابوعبیدہؓ نے شام سے اور حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر سے غلہ بھیجا تو کہیں قحط رفع ہوا۔ اس قحط سالی کا نام مؤرخوں نے 'عام رمادہ' لکھا ہے۔ جب مدینہ میں قحط سالی تھی تو شام میں طاعون (وبائی مرض) پھیلا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اسی مرض میں رحلت کی اور بوقت وفات حضرت معاذؓ بن جبل کو اپنا قائم مقام کر گئے۔ حضرت معاذؓ نے بھی حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنا قائم مقام کر کے وفات کی۔ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان اور بہت سے اکابر اس بیماری سے وفات پا گئے۔ مؤرخوں نے طاعون کی وجہ سے 25 ہزار مسلمانوں کی وفات کا تخمینہ کیا ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت یزیدؓ کی وفات پر امیر المومنینؓ نے بڑا تاسف کیا اور لشکر شام کی امارت یزید کے بھائی حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کے سپرد کر دی گئی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ:

جب حضرت ابوعبیدہؓ روانہ ہوئے تھے تو اُن کے ساتھ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عمروؓ بن العاص بھی روانہ ہوئے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ شام کے لئے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص عراق و عجم کے لئے اور حضرت عمروؓ بن العاص مصر کے لئے مامور ہوئے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ جب تک تینوں سردار یکجا رہیں امارت حضرت ابوعبیدہؓ کے سپرد رہے گی۔ عراق عرب کی سمت ہی دوسری تھی اس لئے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص تو بہت جلد الگ ہو گئے لیکن حضرت عمروؓ بن العاص کچھ دنوں تک حضرت ابوعبیدہؓ کے ساتھ رہے۔ اسی لیے وہ حضرت معاویہؓ کے پہنچنے تک حضرت معاذؓ کے بعد لشکر شام کے امیر تھے۔ لیکن عام رمادہ میں مصر سے حضرت عمروؓ بن العاص کا غلہ بھیجنا یہ بتاتا ہے کہ وہ شروع ہی سے حضرت سعدؓ کی طرح علیحدہ ہو گئے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس ان کا مصر سے کبھی کبھی آ جانا بھی قرین قیاس ہے۔ بہرحال بعض مؤرخوں کی تحریر کے مطابق حضرت عمرو بن العاص کے کارنامے 20ھ سے بیان کیے جائیں گے۔ مصر کی لڑائی شروع ہونے کے زمانہ میں مؤرخوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کا قریب قریب رہنا بس یہی سبب اس اختلاف کا ہے۔

فتوحات مصر:

بیت المقدس میں چڑھائی ارطیون (یا ارطفون) کی وجہ سے کی گئی تھی لیکن ارطیون وہاں بھی گرفتار یا مقتول نہیں ہوا بلکہ بھاگ کر مصر چلا آیا۔ اب امیر المومنینؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کی طرف روانہ کیا۔ مصر لڑائی سے فتح ہوا اور ارطیون وہاں مارا گیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے رعایا سے کہا ہمارا پیغمبر اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے جو تمہارے بادشاہ مصر کا نواسہ تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو تم لوگوں سے ایک خاص قسم کا تعلق ہے۔ مصر کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے اور بڑے استحکام سے وہاں اسلام کی بنیاد پڑی۔ اس واقعہ کو بعض مؤرخوں نے 30ھ میں بیان کیا ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اس کے بعد سکندریہ کو مسلمانوں نے صلح سے فتح کیا۔

سنہ 20ھ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کوفہ سے واپس بلا لیے گئے۔ وہاں کے لوگ اُن کے شاکی ہو گئے تھے۔ اس لئے اُن کا وہاں رہنا امیر المومنین کے نزدیک سیاسی مصالح کے خلاف تھا۔ حضرت سعدؓ کی جگہ پر حضرت عمارؓ بن یاسر

Marfat.com

قرر ہوئے۔اسی سنہ میں ہرقل نے وفات پائی اور اُس کے بیٹے قسطنطین کو سلطنت ملی۔

جنگ نہاوند:

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی معزولی کی خبر سن کر یزدجرد نے پھر ہمت باندھی۔رے، خراسان، ہمدان اور نہاوند کے لوگ ڈیڑھ لاکھ کے قریب نہاوند میں جمع ہوئے۔ فیرزان امیر لشکر مقرر کیا گیا۔امیر المومنینؓ کو یہ خبر سن کر کسی قدر تشویش ہوئی اور حضرت علی ابن ابی طالب ؓ کی رائے کے مطابق حضرت نعمانؓ بن مقرن مزنی کوفہ سے مقابلے کیلئے روانہ کیے گئے۔کوفہ، بصرہ اور مدینہ سے فوجیں بھیجی گئیں۔21ھ میں حضرت نعمانؓ نے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور نہایت ہی ثابت سے جنگ کی صفیں آراستہ کیں۔معرکہ عظیم کے بعد فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی۔اور فیرزان مارا گیا۔حضرت نعمانؓ بھی شہید ہوئے لیکن آثار فتح دیکھنے کے بعد۔حضرت نعمانؓ کے بعد حضرت حذیفہؓ بن الیمان (جیسا کہ امیر المومنین نے ہدایت کی تھی) امیر لشکر مقرر ہوئے۔ایک لاکھ آدمی دشمنوں کے مارے گئے۔اور بہت بڑی ناکامی یزدجرد کو حاصل ہوئی۔اس کے بعد وہ عراق عجم کی طرف چلا گیا اور اس فتح کا نام مسلمانوں نے فتح الفتوح رکھا کیونکہ اس کے بعد کوئی بڑی لڑائی ایرانیوں سے نہیں ہوئی۔رفتہ رفتہ تمام ملک چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آتے گئے۔

22ھ کے واقعات:

اس کے قبل عجمیوں کا سکہ ملک میں جاری تھا۔اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا سکہ جاری کرنا پڑا۔سونے چاندی کے سکے ڈھلنے لگے۔لا الٰہ الّا اللّٰہ. الحمد للّٰہ یا سورۂ اخلاص ان سکوں پر مضروب ہوتا تھا۔قل ھو اللّٰہ احد والی اشرفیاں احدیہ کہلاتی تھیں۔

اسی سنہ میں برقہ اور طرابلس (دیار مصر) کو بطریق صلح خود حضرت عمروؓ بن العاص نے فتح کیا اور عتبہ بن رافع کو بھیج کر زویلہ (صلح سے) فتح کروایا۔اسی سال ایران میں اصفہان عبداللہ بن عتبان کے ہاتھ پر فتح ہوا۔مکران کا حکم بن عمر، کرمان کا سہیل بن عدی اور ناحیہ سستان کا عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہونا اکثر مورخوں نے اسی سنہ کا واقعہ لکھا ہے۔

کوفہ کے لوگوں نے امیر المومنینؓ سے شکایت کی کہ حضرت عمارؓ یاسر ارکانِ نماز عمدہ طور پر ادا نہیں کرتے۔حضرت عمارؓ کو بے حد غصہ آیا اور اُنہوں نے ایسی امارت پسند نہ کی۔اُن کے مستعفی ہونے پر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ گورنر کوفہ مقرر ہوئے۔

23ھ کے واقعات:

22ھ میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے جو لشکر فارس کے ایک امیر تھے۔آذربائیجان فتح کیا۔ہمدان والوں نے کچھ سرکشی اختیار کی تھی اس پر اُن کی گوشمالی کی گئی۔کچھ لوگ وہاں سے رے کی طرف بھاگ گئے تھے۔مسلمانوں نے اُن کا پیچھا کیا اور اسی طرح ملک رے پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور اسی سلسلہ میں قومس اور دامغان بھی ہاتھ آ گئے۔

اسی سال حضرت احنفؓ بن قیس نے امیر المومنینؓ کے حکم سے خراسان پر چڑھائی کی۔یزدجرد وہاں سے ترکوں کے ملک میں بھاگ گیا اور خراسان پر مسلمان قابض ہو گئے۔ترکستان کے خاقان نے یزدجرد کا ساتھ دینا چاہا اور خود خراسان تک آیا۔لیکن مسلمانوں سے لڑنے کی ہمت نہ پڑی۔بلا جنگ واپس ہو گیا اور یزدجرد بھی اس کے ساتھ ساتھ چلا گیا۔

Marfat.com

اسی سال والی مازندان نے گرگان اور دوہستان کا خراج دینا منظور کیا۔ طبرستان والوں نے بھی مسلمانوں سے مصالحت کی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے تشتر فتح کیا۔

23ھ کے واقعات:

23ھ میں عسقلان اور دیگر بلاد روم عموزیہ وغیرہ پر حضرت معاویہؓ نے قبضہ کیا۔ کرمان سہیل بن عدی کے ہاتھ سے، شبستان عاصم بن عمر تیمی کی مدد سے اور مکران حکم بن عمیرہ کے ذریعہ سے فتح ہوا۔ اسی وقت یہ خبر پہنچی کہ شیراز کا حاکم مقابلہ کا سامان کر رہا ہے۔ امیر المومنینؓ نے اس کے مقابلے کیلئے فوجیں بھیجیں۔ اسی لڑائی میں توج اور شیراز مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اور قلعہ اصطرخ قدیم دارالملک سلیمان پیغمبر پر بھی مسلمانوں کا جھنڈا لہرا گیا۔

فسا اور دارالجرد کی طرف جو فوج امیر المومنینؓ نے بھیجی تھی اُس نے بھی کسی قدر دقت کے ساتھ کامیابی حاصل کی غرضیکہ شام، عراق، عرب، مصر اور ملک فارس میں مسلمانوں کا تسلط خلیفہ دوم کے عہد میں ہو چکا تھا۔

اسی سنہ میں امیر المومنینؓ نے حج کعبہ کا ارادہ کیا۔ تمام امہات المومنین ان کے ساتھ تھیں۔ بڑے وقار سے ان کے ہودج روانہ ہوئے۔ سب کے آگے حضرت عثمانؓ بن عفان اور پیچھے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف محافظت کے لئے تعینات تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت:

فیروز نامی ایک شخص نہاوند کا رہنے والا لڑائی میں رومیوں کی قید میں غلام بنا۔ پھر مسلمانوں نے رومیوں کی لڑائی میں اُسے قید کر کے مدینہ میں پہنچایا اور یہاں وہ اپنی کنیت ابولولو سے مشہور ہوا۔ نہاوند کی لڑائی کے قیدی جب مدینہ میں آئے تو ابولولو ہم وطنوں سے لپٹ لپٹ کر بہت رویا اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمانوں کا ممنون ہوتا کہ اُن کی بدولت اپنے ہم وطنوں کی اس نے صورت دیکھی۔ مسلمانوں کی طرف سے اس کے دل میں گرہ پڑی اور امیر المومنینؓ کی طرف سے تو گویا ایک خاص نفرت اُس کے دل میں پیدا ہوگئی۔ اس پر طرّہ یہ ہوا کہ ایک روز اپنے مدنی آقا کی کچھ شکایت اس نے امیر المومنینؓ کے سامنے پیش کی جس پر امیر المومنینؓ نے کچھ توجہ نہ کی یا یہ کہ اس کے موافق فیصلہ نہیں کیا۔ ابولولو کے دل میں کدورت بڑھی اور اُس نے امیر المومنینؓ کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اُس نے وہ بدو گستاخانہ کلمات کہے۔ ایک طور پر صریح دھمکی دی اور امیر المومنین کو اُس کی برائی کا پتہ بھی چلا۔ لیکن عجمی یا رومی سلطنت تو تھی نہیں کہ وہ فوراً سر قلم کر دیا جاتا۔ بلکہ اُس کے ساتھ کسی قسم کی سختی بھی نہیں کی گئی۔ کچھ دن وقفہ دے کر ایک دن وہ مسجد میں آیا۔ ادھر امیر المومنین نے نماز صبح کی نیت باندھی اور اُدھر ابولولو نے اُن کے پہلو اور پیٹ میں خنجر کے مہلک وار کئے۔ زخم ایسا کاری لگا کہ آپؓ جانبر نہ ہو سکے دوا پی تو وہ زخم سے باہر نکل آئی۔ اسی صدمہ سے اگلے دن امیر المومنینؓ نے چہارشنبہ 27 ذی الحجہ 23ھ کو ساٹھ برس (علی اختلاف المؤرخین) کی عمر میں وفات پائی۔

حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ میں آپؓ بھی دفن کیے گئے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان تینوں کی قبور قریب قریب بنیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وفات سے قبل اپنے بیٹے سے کہا کہ "جا کر عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھو وہ اپنے حجرہ میں عمرؓ کو جگہ دیں گی۔ امیر المومنینؓ نہ کہنا کیونکہ میں اب امیر المومنینؓ نہیں رہا۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ "گو وہ جگہ میں نے اپنے لئے تجویز کی تھی لیکن عمر رضی اللہ عنہ کو

Marfat.com

میں ترجیح دیتی ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر بہت بڑا امر خلافت کا پیش آیا۔ آخری عہد میں اُنہوں نے حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت طلحہؓ بن عبداللہ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف چھ افراد کو نامزد کیا اور کہا کہ انہیں میں سے ایک شخص خود ان کے باہمی شوریٰ سے مقرر کیا جائے۔ کسی نے کہا کہ آپؓ نے اپنے بیٹے کو کیوں نامزد نہیں کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت برا مانا۔ پھر لوگوں نے کہا کہ ان چھ میں سے کسی ایک کو آپ خود کیوں نہیں نامزد کرتے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "اتنا بڑا بار اپنے اوپر رکھنا میں پسند نہیں کرتا ہوں۔ ہاں ابو عبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں بے تکلف انہیں نامزد کرتا کہ اُنہیں محمد رسول اللہ ﷺ نے 'امین اُمت' کہا تھا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت جو لوگ مختلف مقامات پر گورنر تھے اُن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

مکہ	نافعؓ بن عبدالحراث	دمشق	معاویہؓ بن ابی سفیان
یمن	یعلیٰؓ بن امیہ	حمص	عمر بن سعد
بحرین	عثمانؓ بن ابی العاص	اردن	عمر بن عبہ
عمان	حذیفہؓ بن محصن	کوفہ	مغیرہؓ بن شعبہ
طائف	سفیانؓ بن عبداللہ ثقفی	بصرہ	ابو موسیٰ اشعریؓ

Marfat.com

خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دانشمندی نے معاملہ کو بہت مختصر کر دیا تھا لیکن پھر بھی انتخاب کا زمانہ بڑی ہی دشواری کا زمانہ تھا۔ چھ اصحاب مجلس میں جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا مجھے خلافت کی خواہش نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اپنا قائم مقام قرار دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو تو خواہش خلافت نہیں تھی۔ البتہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ خواہشمند تھے۔ اب حضرت عبدالرحمٰنؓ کی رائے جدھر جھکے، وہی پلہ بھاری ہوتا۔ جب حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دیکھا کہ خلیفہ بنانا میری رائے پر آ رہا تو انہوں نے غور کرنے کے لئے دو تین روز کی مہلت چاہی اور اس اثنا میں فریقین (یعنی عثمان اور علی) کے رفقاء اپنا اپنا زور لگانے لگے۔ عبدالرحمٰن عجب کشمکش میں تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حلم، حیا، جود و سخا، ورع، تقویٰ، حسن معاش، آرا اور معاملہ ایک طرف کھینچتا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم و فضل لیاقت و نفاست، قرابت و شجاعت، حلاوت و مروت، جوانمردی، عدالت، متانت، نجابت اور کرم دوسری طرف دامن دبا رہا تھا۔ بنو ہاشم تو بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھے لیکن ان کے سوا اور جتنے لوگ تھے ان میں کثرت رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بار احسان تمام مسلمانوں پر تھا۔ اور عمر میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے تھے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نہایت ذہین شخص تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان کی معاونت حاصل کی اور باہم مشورہ کیا۔ بعد از حضرت عمروؓ باری باری دونوں اصحاب کے پاس گئے۔ انہوںؓ نے اپنی گفتگو سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ اپنی رائے کس کی طرف دیں۔ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال جواب کئے اور اس کے بعد وہ حضرت عثمان غنیؓ کے پاس پہنچے اور وہاں گفتگو کا سلسلہ چھیڑا۔ وہاں سے واپس لوٹ کر وہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے پاس آئے اور انہیں یہ صلاح دی کہ وہ دونوں اصحابؓ سے ایک سوال دریافت فرمائیں اور جو جواب آپ کو معقول لگے، اسے خلافت کا عہدہ تفویض کر دیں۔ سوال یہ تھا کہ اگر آپ کو خلافت کی مسند دی جائے تو کیا آپ رسول اللہ ﷺ اور ان کے دونوں خلفاء کی پیروی کریں گے؟ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اگلے روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمان غنیؓ کو بلوایا اور ان کے سامنے سوال رکھ دیا گیا۔ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اپنا ہاتھ بڑھا کر حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ کیا آپ اللہ کی کتاب، رسول ﷺ کی سنت اور شیخین رضی اللہ عنہم کی اتباع پر میری بیعت لیں گے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نہیں، میں اپنی ہمت اور حوصلے کے مطابق کوشش کروں گا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ہاتھ چھوڑ دیا، اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، کیا آپ اللہ کی کتاب رسول اللہ ﷺ کی سنت اور شیخین رضی اللہ عنہم کی اتباع پر میری بیعت لیں گے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا خدایا تو گواہ ہے، خدایا تو گواہ ہے، خدایا تو گواہ ہے۔ اس کے بعد لوگ بڑھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

خلیفہ اول اور دوم کا زمانہ اتنا محمود تھا کہ عام طور پر لوگ خوش تھے اور عام خواہش یہی تھی کہ جو امن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھا، وہی قائم رہے اور اس سے چنداں بحث نہیں کہ کون صاحب حکومت ہو۔ اکثر سرداروں کی رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تھیں لیکن عبدالرحمٰنؓ کا میلان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف تھا اور اس کا ثبوت یہ تھا کہ انہوں نے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے استفسار کیا۔ غالباً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جواب کا مطلب یہ سمجھا گیا کہ انہیں خلیفہ اول اور دوم کی سنت پر چلنے میں تامل ہے اور حضرت عثمان قدم بقدم چلنے کو تیار ہیں۔ مجلس کا رنگ دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ تھاما اور انہیں خلیفہ نامزد کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بلا تامل ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد اکابر صحابہ اور امرائے مدینہ نے بھی بیعت کر لی۔ حضرت طلحہؓ مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ وہ بیعت سے اگلے دن واپس لوٹے تو حضرت عثمانؓ غنی ان کے پاس تشریف لے گئے اور بلا جھجک ان کی رائے دریافت کی اور فرمایا کہ اگر آپؓ کو کسی قسم کا اعتراض ہو تو میں یہ حق آپ کو تفویض کرنے کیلئے ہمہ تن تیار ہوں۔ حضرت طلحہؓ نے فرمایا کہ جب مسلمانوں اور اکابرین کا آپ پر اتفاق ہے تو میں کیونکر مخالفت کر کے امت مسلمہ کو تفریق میں ڈالوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے بخوشی آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت عثمانؓ خلیفہ اول و دوم کی طرح اعلیٰ درجہ کے خطیب نہیں تھے، اس لئے انہوں نے بیعت کے بعد جو خطبہ دیا اس میں حمد وثنا کے بعد فرمایا۔ "لوگو! پہلی ہی سواری مشکل ہوتی ہے، آج کے دن کے بعد بہت سے مواقع آئیں گے، اگر میں زندہ رہا تو آپ قاعدہ اور ڈھنگ کے خطبے سنیں گے اور ہمارا شمار خطباء میں نہیں ہے، اللہ ہماری مدد کرے گا۔" لیکن طبری نے جو خطبہ اس موقع پر نقل کیا ہے (طبری ج ۴ ص ۲۴۳) وہ قدرے طویل اور بڑا اثر انگیز ہے۔ اس میں حضرت حمد وثنا اور درود وسلام کے بعد فرماتے ہیں۔

"اے لوگو! تم سب دار مسافرت میں ہو، عمر کا جو باقی ہے بس اس کو پورا کرنے والے ہو، اس لئے تم زیادہ سے زیادہ جو نیکی کر سکتے ہو اپنے اپنے مقررہ وقت سے پہلے اسے کر گزرو۔ بس یہ سمجھو کہ موت آئی یا جب آئی بہر حال اسے آنا ہے۔ خوب سن لو کہ دنیا کا سارا تار و پود ہی مکر اور فریب سے تیار ہوا ہے۔ اس لئے دیکھو! کہیں تم کو یہ دنیا کی زندگی دھوکہ نہ دے جائے اور اللہ سے تم کو غافل نہ کر دے، لوگو! جو لوگ گزر گئے ہیں ان سے عبرت حاصل کرو اور ہاں سعی اور جدوجہد کرو، غفلت نہ برتو، کیوں کہ تم سے غفلت نہ برتی جائے گی، کہاں ہیں وہ ارباب دنیا جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، اسے آباد رکھا اور اس سے ایک مدت تک بہرہ اندوز ہوئے! کیا دنیا نے ان لوگوں کو اپنے اندر سے باہر نہیں نکال پھینکا؟ تم دنیا کو اسی مقام پر رکھو جس پر خدا نے اسے رکھا ہے اور آخرت کی طلب کرو، اللہ نے دنیا کی اور جو چیز خیر ہے اس کی مثال اس طرح بیان کی ہے۔ "اے پیغمبر آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی جیسی ہے جسے ہم آسمان سے نازل کرتے ہیں۔" (کہف: ۱۸/۴۵)

مؤرخین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ کے بعد چار خلفاء تک امامت وحکمرانی مکروہات دنیا سے بچی رہی مگر رفتہ رفتہ عام بادشاہوں کے سے معمولی خصائل خلفائے مابعد میں پیدا ہوتے گئے اور سنت رسول ﷺ کو چھوڑ کر وہ دنیائی بادشاہوں کا ڈھنگ اختیار کرتے گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ پیغمبر خدا ﷺ کی دو لڑکیاں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے

Marfat.com

بیاہی گئیں اور اسی وجہ سے اُنہیں ذوالنورین لقب دیا گیا۔ اگر ان کے کمال میں کوئی نقص ہوتا تو رسول ﷺ اپنی دامادی میں انہیں قبول نہ کرتے۔

2- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ کے مالداروں میں سے تھے۔ ان سے قبل صرف دو تین آدمی ایمان لائے تھے۔ دین آبائی چھوڑ کر ابتدائی حالت میں اسلام کا ساتھ دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

3- ان کی عبادت مشہور ہے، رات رات بھر یہ نماز میں کھڑے رہتے تھے اور طویل مدت تک روزنے پر روزہ رکھتے تھے۔

4- جیش عشیرہ کا کل سامان عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے روپے سے کیا۔ جب مسلمان مدینہ میں آئے تو پانی پینے کے واسطے کوئی کنواں نہ تھا۔ ایک یہودی کا کنواں تھا جس کا پانی وہ بہت گراں قیمت پر فروخت کرتا تھا۔ مسلمانوں کی ابتدائی حالت پانی کی خریداری کے لائق ہرگز نہ تھی آپ نے وہ کنواں 35 ہزار درم پر خرید کر کے وقف کر دیا۔ مسجد نبوی کی وسعت کے لئے عثمان ہی کے روپے سے زمین خریدی گئی۔

5- آپ نے حبشہ کی ہجرت گوارا کی اور پھر مدینہ کی ہجرت قبول کی۔ باوجود متمول ہونے کے صرف اسلام کی محبت میں آپ نے دو دفعہ جلاوطنی اختیار کی اور اس لئے 'ذوالہجرتین' کہلائے۔

6- آپ کے مزاج میں انکسار اتنا تھا کہ ایام خلافت میں کبھی کبھی مسجد میں آ کر سو جاتے تھے۔ مجلس خلافت میں لوگوں کو اچھے اچھے کھانے کھلواتے تھے اور خود روٹی اور سرکہ پر قناعت کرتے تھے۔ ایام خلافت میں بھی اپنے غلام کو پر اپنے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود کہا کرتے تھے کہ دس فضیلتیں مجھ میں ذخیرۂ آخرت ہیں۔

1- مسلمان ہونے میں باعتبار ترتیب کے میرا چوتھا نمبر ہے۔

2- میں نے کبھی اظہار تمول نہیں کیا۔

3- میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

4- جس ہاتھ سے میں نے دست رسول سے مبایعت کی پھر اُس کو شرم گاہ پر کبھی نہیں رکھا۔

5- اسلام قبول کرنے کے بعد کوئی ہفتہ میں نے غلام آزاد کرنے سے نہیں چھوڑا۔ ناغہ جب ہوا کہ میرے ملک میں کوئی غلام نہ تھا۔

6- میں نے اپنی عمر میں کبھی زنا نہیں کیا۔

7- اسلام سے پہلے بھی میں نے شراب نہیں پی۔

ابولولو اور سازشی گروہ کی ہلاکت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل فیروز ابولولو نے خودکشی کر لی اور اس لئے اُسے سزا دینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے چار افراد کو اس گمان سے قتل کیا کہ وہ شریک سازش تھے۔ عبید اللہ کا یہ فعل بے جا تھا۔

حضرت عمرؓ فاروق کی شہادت سے چند روز پیشتر ابولولو ایک روز اپنا خنجر لئے ہرمزان کے پاس پہنچا۔ ہرمزان ایرانی سردار تھا جو گرفتار ہو کر مدینہ لایا گیا تھا اور پھر اس نے خلیفہ دوم کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہرمزان چونکہ

کا ہم وطن تھا اس لئے ان دونوں کی خوب چھنتی تھی۔ اس وقت ہرمزان کے پاس حیرہ ایک باشندہ جفینہ بھی موجود تھا جو کہ غلامی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ نے ان تینوں کو ایک جگہ بیٹھے اور باتیں کرتے دیکھا۔ ان کے قریب پہنچنے پر ابولولو جلدی سے اُٹھا اور چل دیا۔ اُٹھتے وقت اس کے ہاتھوں سے خنجر نکل کر زمین پر گر پڑا۔ خنجر کو گرتے اور اٹھاتے ہوئے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بخوبی دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے اس بات کو قابل غور نہیں سمجھا اور فراموش کر گئے۔ لیکن جب ابولولو نے امیرالمومنینؓ پر وار کیا اور بعد میں گرفتار ہوا تو اس کے پاس سے وہی خنجر برآمد ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے وہ خنجر پہچان لیا اور قیاس کیا کہ اس نشست میں وہ تینوں افراد باہم بیٹھ کر امیرالمومنینؓ کے قتل کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ اور قیاس بیان کر دیا۔ اتفاق سے اس مجلس میں امیرالمومنینؓ کے صاحبزادے عبیداللہ بن عمر بھی موجود تھے۔ جب انہوں نے یہ سب سنا تو فرط طیش سے چل دیئے اور جوش انتقام میں موقع پاتے ہی ہرمزان پر حملہ کر دیا۔ ہرمزان کو گرتے دیکھ کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اسے پکڑنے کیلئے لپکے جبکہ عبیداللہ عیسائی غلام جفینہ کی طرف دوڑے۔ اس سے پہلے عبیداللہ اسے قتل کر پاتے حضرت سعدؓ نے انہیں گرفتار کر لیا اور حضرت صہیبؓ کی خدمت میں پیش کیا جو کہ اس وقت خلافت کے ضروری امور انجام دے رہے تھے۔ حضرت صہیبؓ نے انہیں زنداں میں بھجوا دیا اور معاملے کو خلیفہ کے انتخاب تک ملتوی کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پہلا معاملہ یہی پیش ہوا کہ عبیداللہ کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ عبیداللہ پر جرم ثابت تھا۔ حضرت عثمانؓ خطبہ خلافت سے فارغ ہوئے تو عبیداللہ بن عمر کو ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ عبیداللہ سے جب ہرمزان کے قتل کی نسبت دریافت کیا گیا تو انہوں نے اقرار کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ انہیں ہرمزان کے قصاص میں قتل کی سزا دی جانی چاہیے لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ابھی کل پرسوں کی بات ہے کہ باپ ہلاک کیا اور آج اس کے بیٹے کو بھی قتل کر دیا جائے۔ اکثر صحابہؓ نے بھی ان ک رائے کی تائید کی۔ حضرت عثمانؓ یہ سن کر شش و پنج میں پڑ گئے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ یہ معاملہ نہ تو عمرؓ کے عہد خلافت کا ہے اور نہ ہی میری خلافت کا کیونکہ میرے منتخب ہونے سے پہلے ہی یہ واقعہ ظہور میں آ چکا تھا لہٰذا میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے یہ بہترین صورت اختیار کی کہ خود عبیداللہ بن عمر کا ولی بن کر اپنے پاس سے ہرمزان کے قتل کی دیت ادا کر دی اور منبر پر چڑھ کر ایک پُراثر تقریر کی جس سے تمام لوگ مطمئن ہو گئے اور عبیداللہ قصاص سے بچ گئے۔

بغاوتیں وشورشیں:

خلیفہ دوم کی وفات سے چھ مہینے کے بعد اہل ہمدان نے نقض عہد کر کے بغاوت اختیار کی۔ اہل رے نے بھی ان کا اتباع کیا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت براءؓ بن عازب اور قرظ بن کعب کی کوشش سے یہ ممالک خلیفہ سوم کے عہد میں پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ اسکندریہ والوں نے بھی کچھ سر اُٹھایا لیکن فوراً دبا دیئے گئے۔

عمال کی معزولی وتقرری:

عمال کے عزل ونصب کے متعلق سب سے پہلے حضرت عثمانؓ نے یہ حکم جاری کیا کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو کوفہ کی امارت سے معزول کر کے مدینہ میں بلا لیا اور ان کی جگہ پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو کوفہ کا امیر مقرر کیا۔ لوگوں نے اس

Marfat.com

تقرر و معزولی کا سبب دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ مغیرہؓ کو کسی خطا پر معزول نہیں کیا گیا بلکہ میں نے یہ انتظام وصیت فاروقی کے موافق کیا ہے کیونکہ عمرؓ اپنے اس منشاء کو مجھ پر منکشف کر چکے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے ایک برس تک نظام فاروقیہ میں کوئی تغیر و تبدیل نہیں کیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی طرح حضرت عثمانؓ کا نظام حکومت بھی قطعاً جمہوری تھا۔ ایک جمہوری حکومت کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ فرمانروائے مملکت اور عوام دونوں قانون کی نگاہ میں یکساں ہوں اور ان میں کوئی فرق و امتیاز نہ ہو۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہر شخص کو اظہار رائے کی آزادی تھی کہ حضرت عمرؓ نے تو اکابر مہاجرین و قریش پر پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ مدینے سے باہر اجازت کے نہیں جا سکتے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے یہ پابندی اٹھا دی اور اب ہر شخص آزاد تھا کہ جہاں چاہے جائے، جس میں مکان چاہے بنائے، اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے اہل کوفہ کے نام ایک مراسلہ اس مضمون کا بھیجا کہ جس کسی شخص کا کوئی حق، درہم و دینار یا زدوکوب کی صورت میں میرے ذمہ ہو وہ یہاں آئے اور اپنا حق مجھ سے وصول کرے یا مجھے معاف کر دے، تو یہ صدقہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے یہ اعلان عام سنا تو ان پر گریہ طاری ہو گیا اور بولے "تصدقنا" "ہم نے صدقہ کر دیا"۔

کعب بن عبیدہ کا واقعہ:

اسی طرح کعب بن عبیدہ نام کا ایک شخص کوفہ میں تھا جو اشتر نخعی اور اس کی جماعت کے لوگوں سے متاثر تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی ترنگ میں امیر المومنین کے نام ایک خط لکھا جس میں اس نے بزعم خود نہایت تند و تیز لہجے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ خط پڑھا تو ناگواری ہوئی اور مدینہ بلوا کر اس سے باز پرس کی، اس پر کعب اور زیادہ برہم ہوا اور نہایت بدتمیزی اور گستاخی سے پیش آیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو بیس کوڑوں کی سزا دی اور سعید بن العاص گورنر کوفہ کو لکھا کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے، لیکن کچھ دنوں کے بعد حضرت عثمانؓ کو کچھ خیال آیا تو آپ نے سعید کو لکھا کہ کعب بن عبیدہ کو قید سے رہا کر کے فوراً میرے پاس بھیج دو، وہ مدینہ آیا امیر المومنین نے اس سے کہا کہ تم نے مجھ کو نصیحتیں کی تھیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے، لیکن تمہارا طرز ولہجہ سخت گستاخانہ اور بدتمیزی کا تھا، اس پر مجھ کو غصہ آ گیا اور میں نے تم کو کوڑے لگائے، اب میں اس پر نادم ہوں، لو میں موجود ہے، تم اٹھاؤ اور مجھ سے اپنا انتقام لے لو، اس پر کعب کی گردن شرم سے جھک گئی اور قصاص معاف کر دیا۔

حضرت سعدؓ اور حضرت عبداللہؓ کا معاملہ:

حضرت عبداللہؓ بن مسعود عامل بیت المال کوفہ اور حضرت سعدؓ کے مابین کچھ رنج بڑھا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ اور السابقون الاولون میں شامل تھے لیکن جب انہوں نے بیت المال سے ایک بیش رقم عبداللہؓ بن مسعود جو خزانچی کے عہدہ پر فائز تھے ادھار لی اور عبداللہؓ بن مسعود کے تقاضے اور مطالبے کے باوجود اسے ادا نہ کر سکے اور معاملہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا تو امیر المومنینؓ نے یہ سن کر حضرت سعدؓ کو امارت سے برطرف کر دیا اور اُن کی جگہ ولید بن عقبہ عامل جزیرہ کو مقرر کر دیا جو کہ رشتے میں آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔

ولید بن عقبہ:

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی معزولی کے بعد ولید بن عقبہ بن ابی معیط جو خلافت فاروقی میں عرب الجزیرہ

عامل رہ چکے تھے کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے، لیکن کوفہ اور بصرہ کے لوگوں کی فطرت عجیب وغریب تھی کہ جو شخص ان کے ہاں گورنر مقرر ہو کر آتا تھا، شروع میں اس سے خوش رہتے اور اس کی تعریف کرتے تھے لیکن چند سال گزرتے ہی اس سے بیزار ہو جاتے۔ چنانچہ ولید بن عقبہ کے ساتھ بھی ان کا معاملہ یہی ہوا۔ طبری کا بیان ہے کہ اوّل اوّل جب ولید بن عقبہ کوفہ آئے تو لوگ ان سے بے حد خوش تھے اور ان سے محبت کرتے تھے، پانچ برس تک یہی کیفیت رہی پھر ان لوگوں کی طبیعت حسب معمول برگشتہ ہوگئی۔ یہاں تک کہ ایک جماعت نے باقاعدہ منصوبہ بنا کر دربار خلافت میں ولید بن عقبہؓ کی شراب نوشی کی شکایت پہنچائی۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی تحقیق کی تو اگرچہ الزام صاف طور پر ثابت نہیں تھا کیونکہ ایک شخص بھی شراب نوشی کا عینی شاہد نہیں تھا۔ تاہم رفع شر کے خیال سے حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہؓ کو گورنری سے معزول کر دیا۔

کوفہ کے ذمیوں کا وفد:

نجران کے عیسائی جن کو حضرت عمرؓ نے کسی مصلحت سے جلاوطن کر کے شام اور عراق میں آباد کر دیا تھا ان کا ایک وفد ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں چند شکایات لے کر حاضر ہوا تو آپ نے ولیدؓ بن عقبہ کو جو کوفہ کے گورنر تھے یہ فرمان ارسال فرمایا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امیر المومنین عبداللہ عثمان کی طرف سے ولید بن عقبہ کے نام السلام علیکم! میں اس معبود برحق کا شکر گزار ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اسقف، عاقب اور نجرانی عیسائیوں کے اکابر جو اس وقت عراق میں مقیم ہیں وہ مجھ سے ملے اور اپنی شکایات و مشکلات بیان کیں، اور انہوں نے عمرؓ کی وہ تحریر دکھائی جس میں انہوں نے یمن میں متروکہ اراضی کے بدلہ میں نجرانیوں کو عراق و شام میں اراضی دینے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں تم ان زیادتیوں سے بھی واقف ہو جو مقامی مسلمان ان لوگوں کے ساتھ کر رہے ہیں، ان امور کے پیش نظر میں نے ان کے جزیہ کی رقم میں سے تیس حلے (چھ سو روپیہ سالانہ) کی تخفیف کر دی ہے، اور میں سفارش کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو وہ سب اراضی دے دی جائے جو عمرؓ نے عراق میں ان کو دلوائی تھی۔ علاوہ ازیں لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دو کہ نجرانیوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئیں، کیونکہ یہ ذمی ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا ہم نے ذمہ لیا ہے، پھر میں ان سب سے پہلے سے واقف ہوں۔ عمرؓ نے جو دستاویز ان کو لکھ کر دی تھی اسے خود بھی دیکھو اور اس میں جو وعدہ ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے اس کو پورا کرو، اور پڑھنے کے بعد یہ دستاویز ان کو واپس کر دو۔"

اسکندریہ پر رومی حملہ:

سکندریہ اس زمانہ میں مصر کا دارالسلطنت تھا جہاں رومی شہنشاہیت جس کا مستقر اب قسطنطنیہ میں تھا، اس کا مقرر کیا ہوا گورنر رہتا تھا، اس گورنر کو مقوقس کہتے تھے جو قیصر کے ماتحت ہوتا تھا۔ مصر کی عام آبادی قبطیوں پر مشتمل تھی۔ اسی بناء پر آنحضرت ﷺ نے اپنے والا نامہ میں مقوقس کو عظیم القبط کے لقب سے مخاطب کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر پر حملہ کیا تو مقوقس جزیہ دینے کی شرط پر صلح کرنا چاہتا تھا لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے ... نہایت سخت جنگ ہوئی اور آخر اسکندریہ فتح ہو گیا، مصر کا دوسرا شہر فسطاط (جو آج کل قدیم قاہرہ کہلاتا ہے) پہلے فتح

Marfat.com

ہو چکا تھا۔ قیصر روم کو اس کی سخت ناگواری تھی، لیکن وہ موقع کا منتظر تھا، ادھر یہ ہوا کہ ایک طرف حضرت عمرؓ کا انتقال ہو گیا اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کی گورنری سے اس لئے معزول کر دیا کہ مصر سے خراج کم رہا تھا اور ان کے بجائے حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو گورنر مقرر کیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر قیصر روم، شہنشاہ قسطنطین کو حوصلہ ہوا اور اس نے اپنے ارمنی امیر البحر مینول کی قیادت میں تین سو جہازوں کا بیڑا روانہ کیا۔ مسلمان اس اچانک حملہ کے لئے تیار نہیں تھے، اس لئے انہوں نے مقابلہ تو کیا، لیکن آخر شکست کھا گئے اور ایک بڑی تعداد قتل ہو گئی۔ اب اسکندریہ پر رومیوں کا قبضہ ہو گیا۔

یہ واقعہ خلافت عثمانی کے دوسرے سال ۲۵ھ مطابق ۶۴۵ء کا ہے۔ حضرت عثمانؓ کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو فوراً حضرت عمروؓ بن العاص کو ان کے عہدہ پر بحال کر کے حکم دیا کہ اسکندریہ کو واپس لینے کے لئے پیش قدمی کریں، حضرت عمرو بن العاص نے تعمیل کی، ایک لشکر جرار لے کر روانہ ہوئے، مقام نکوئی کے قریب دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا۔ حضرت عمرو بن العاص نے پینترا بدل کر اس زور کا حملہ کیا کہ غنیم تاب نہ لا کر پسپا ہوا اور عظیم جانی اور مالی نقصان کے ساتھ میدان جنگ سے فرار ہو گیا، مسلمانوں نے اسکندریہ پر پھر قبضہ کر لیا جسے پھر کوئی طاقت چیلنج نہ کر سکی اور آئندہ بغاوت کے خیال سے اسکندریہ کی نہایت مضبوط چہار دیواری بھی حضرت عمروؓ بن العاص کے حکم سے مسمار کر دی گئی۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا کہ تم مصر میں فوج کے نگران اور اس کے سپہ سالار ہو، لیکن مصر کا مالیاتی نظم عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کے ماتحت رہے گا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب میں لکھا کہ پھر تو میری پوزیشن اس شخص کے مانند ہوگی جو گائے کے دونوں سینگ پکڑے کھڑا ہے اور ایک دوسرا شخص اسے دوہ رہا ہے اور اس جواب کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

فتح طرابلس:

حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر کے دارالسلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد آگے بڑھ کر مغرب میں برقہ اور طرابلس بھی فتح کر لیا تھا۔ موجودہ جغرافیہ میں افریقہ اس براعظم غربی کا نام ہے۔ جس میں حبشہ، مصر، مراکش، سوڈان وغیرہ بہت سے ممالک شامل ہیں لیکن ملک افریقہ سے مسلمان مؤرخوں نے اسکندریہ سے مغرب کی جانب جو حصہ ملک واقع ہے وہ مراد لیا ہے۔ جغرافیہ میں طرابلس کا پتہ نہیں لگتا۔ ٹریپولی ایک شہر ساحل بحر پر واقع ہے۔ کیا عجب ہے کہ اسی کو طرابلس ہو۔ ملک افریقہ میں برائے نام قیصر روم کی بادشاہت تھی۔ جرجیر نام وہاں کے عیسائی حاکم کو خود مختار حکمران سمجھنا چاہئے جرجیر نے بڑی ہمت سے مقابلہ کیا۔ چالیس روز تک برابر لڑائی ہوتی رہی۔ اب حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو آپ نے ۵ میں حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو لکھا کہ افریقہ یعنی تیونس کی طرف پیش قدمی کریں، حضرت عبداللہؓ نے حکم کی تعمیل کی لیکن تیونس فتح نہ ہو سکا۔ آخر ۲۷ھ میں دوبارہ حضرت عثمانؓ نے ایک لشکر جرار روانہ کیا جس میں حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم ایسے اکابر صحابہ شامل تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح اس لشکر کو لے کر روانہ ہوئے تو طرابلس میں رومیوں کے ایک عظیم لشکر نے مقاومت کی لیکن آخر شکست کھائی، حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح آگے تیونس کی طرف بڑھے۔ یہاں رومیوں کے گورنر نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج سے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا، بڑی سخت جنگ ہوئی، حضرت عبداللہؓ ابن زبیر جو مدینہ سے تازہ دم کمک لے کر پہنچے تھے اس نے اس جنگ میں بڑا کام کیا۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دیکھا کہ حضرت عبداللہؓ ابن سعد فوج سے دور دور رہتے ہیں اور وجہ یہ معلوم ہوئی کہ جرجیر نے حضرت عبداللہؓ ابن سعد کے قاتل کو اپنی بیٹی دینے کا اعلان کر رکھا تھا، جسے سن کر حضرت عبداللہؓ بن سعد متخوف رہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر کی صلاح سے مسلمانوں نے بھی مشورہ کیا کہ جرجیر کے مارنے والے کو جرجیر کی بیٹی انعام میں دی جائے گی اور لاکھ دینار سُرخ غنیمت سے ملیں گے۔ اب جرجیر کے قتل کے لئے مسلمان مستعد ہوئے اور جرجیر نے اپنی فوج سے علیحدگی اختیار کی۔ عاقبۃ الامر جرجیر حضرت عبداللہؓ ابن زبیر ہی کے ہاتھ سے مارا گیا اور جرجیر کی لڑکی حضرت عبداللہؓ ابن زبیر ہی کو دی گئی۔ آخر رومیوں کو شکست فاش ہوئی اور مسلمانوں کا تیونس پر قبضہ ہوگیا۔ جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس کی بہتات کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک ایک سوار کو تین تین ہزار دینار اور پیادہ فوج کو فی کس ایک ہزار دینار حصہ میں ملے۔

تیونس کے اس عظیم معرکہ میں کامیابی کے بعد بھی عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح نے شمالی افریقہ میں مشرق سے مغرب کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور راستے میں جو شہر اور قلعے ملتے گئے وہ مفتوح ہوتے رہے۔ چنانچہ الجزائر فتح ہوا، آخر جبل طارق جو مراکش کا آخری سرا ہے وہاں جا کر دم لیا اور اس طرح مصر سے لے کر مراکش تک کے پورے علاقہ پر خلافت عثانی کا پرچم لہرانے لگا اور رومی افواج کا یہاں سے کلی طور پر انخلاء ہوگیا، بلاذری کا بیان ہے کہ اگرچہ بربری اہل کتاب نہیں تھے لیکن شریعت اسلام جو رعایتیں اہل کتاب کے لئے روا رکھتی ہے، حضرت عثمانؓ نے بربری لوگوں کے لئے ان رعایتوں کا اعلان کر دیا۔

آذربائیجان کی بغاوت:

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے سال میں ولید بن عقبہ نے کوفہ پہنچ کر سب سے پہلے آذربائیجان کے صوبے پر حضرت سعدؓ کے مقرر کردہ عامل عتبہ بن فیروز کو معزول کیا۔ عتبہ کے واپس آجانے سے وہاں فتنہ اور فساد شروع ہوا اور نوبت بغاوت کی شکل اختیار کر گئی۔ حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوا تو فوراً حضرت امیر معاویہؓ کے نام حکم بھیجا کہ اس کا بندوبست کریں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے قریش کے نامور جنرل حبیب بن مسلمہ فہری کو چار ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ فوج دے کر آذربائیجان کے لئے روانہ ہو جانے کا حکم دیا۔ حبیب بن مسلمہ نے تعمیل کی اور شام سے روانہ ہوگئے۔ جب یہ فوج مقام شمشاط کے قرب و جوار میں پہنچی تو اطلاع ملی کہ مرزبان یعنی حاکم علاقہ کم و بیش تیس ہزار فوج لئے شمشاط میں پڑا ہے۔ حبیب بن مسلمہ نے اس کیفیت سے حضرت امیرؓ معاویہ کو مطلع کیا اور حضرت امیرؓ معاویہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا تو حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو جو کوفہ کے گورنر تھے حکم بھیجا کہ کوفہ کے دس ہزار مجاہدین کی ایک فوج سلمان بن ربیعہ الباہلی کی قیادت میں حبیب بن مسلمہ کی مدد کے لئے فوراً روانہ کر دی جائے۔ بعض مؤرخین کے مطابق ولید لشکر کو روانہ کرنے کے بعد خود بھی مزید کمک لے کر خود مفسدوں کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوا اس کے پہنچنے پر آذربائیجان میں پھر مسلمانوں کا تسلط جما اور ملک آرمینیا صلح سے فتح کیا گیا۔

طبری اور بلاذری کا بیان ہے کہ اس فوج کے جنرل کمانڈر خود ولید بن عقبہ تھے۔ اگرچہ مختلف دستے الگ الگ دوسرے قائدین جنگ کے ماتحت تھے۔ اس موقع پر ابن اعثم کا بیان تو یہ ہے کہ ولید بن عقبہ کا لشکر ابھی پہنچا بھی نہیں تھا کہ شامی لشکر نے حبیب بن مسلمہ کی قیادت میں اچانک اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن پسپا ہوگیا لیکن دوسرے مؤرخین اس فتح کا سہرا ولید بن عقبہ کے سر باندھتے ہیں، چنانچہ طبری کا بیان ہے کہ ولید بن عقبہؓ نے اہل آذربائیجان سے آٹھ لاکھ سالانہ

درہم پر مصالحت کر لی، حضرت عمر کے عہد ۲۲ھ میں حضرت حذیفہؓ بن الیمان نے جب آذربائیجان فتح کیا تھا تو اتنی ہی رقم پر صلح کی تھی۔

آرمینیہ کی فتح:

جب آذربائیجان کا معرکہ فتح ہو گیا تو اب سلمان بن ربیعہ الباہلی کے نام حضرت عثمانؓ کا حکم پہنچا کہ بلادِ آرمینیہ کی طرف پیش قدمی کریں۔ سلمان بن ربیعہ اپنی عراقی فوج کے ساتھ آگے بڑھے تو آرمینیہ کے راستے میں چھوٹے بڑے جتنے شہر اور قلعے پڑے ان سب کو صلحاً فتح کرتے ہوئے پیش قدمی کرتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ بلنجر نامی شہر میں پہنچے تو ان علاقوں کا بادشاہ جو خاقان کہلاتا تھا اس نے تین لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مسلمان دشمن کی ٹڈی دل فوج سے بڑی بہادری سے لڑے، لیکن دس ہزار اور تین لاکھ کا کیا مقابلہ ہو سکتا تھا، ابن اعثم کا بیان ہے کہ مسلمان اس جی داری اور ہمت سے لڑے کہ لڑتے لڑتے سب ختم ہو گئے اور ان میں سے ایک بھی نہیں بچا، چنانچہ ان سب شہداء کی قبریں آج بھی بلنجر میں موجود ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو سخت غمگین اور مضطرب ہوئے یہاں تک کہ رات کی نیند اڑ گئی اور اب حبیب بن مسلمہ کو حکم بھیجا کہ وہ آرمینیہ کا رخ کریں، حبیب بن مسلمہ نے تعمیل کی اور صرف چھ ہزار کا ایک لشکر جس میں سوار بھی تھے اور پاپیادہ بھی، لے کر روانہ ہو گئے، راستے میں چھوٹے بڑے جو شہر اور قلعے ملتے رہے انہیں صلح کے ذریعے مفتوح بناتے چلے گئے، یہاں تک کہ ایک مقام پر جس کا نام سراج تھا اور جو آرمینیہ کا ایک حصہ تھا، پہنچے تو وہاں کے روساء اور اعیان و امراء نے اسی ہزار درہم سالانہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ حبیب بن مسلمہ نے اسی شہر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا اور یہیں سے رفتہ رفتہ آرمینیہ کے مختلف علاقوں میں فوجی دستے بھیج بھیج کر ان پر قبضہ کرتے رہے، یہاں تک کہ پورا آرمینیہ ہی زیر نگیں آ گیا۔

سنہ 26 کے واقعات:

26ھ میں حضرت عثمان نے مکہ کی مسجد حرام کو کسی قدر اور وسعت دی اور اسی سال عثمان بن العاص نے شہر گازروم اور قلعہ بحرہ کو سلطنت اسلامی میں شامل کیا۔ اسی سال حضرت عبداللہؓ بن سعد خراج مصر کے عامل مقرر کیے گئے اور فوجی امارت بدستور حضرت عمروؓ ابن عاص کے متعلق رہی۔ پھر حضرت عمروؓ بن العاص بالکل برطرف کیے گئے اور حضرت عبداللہؓ ابن سعد کو مصر اور اسکندریہ میں پورے اختیارات دیے گئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے مدینہ میں آکر رہنا اختیار کیا۔

عبداللہ بن نافع:

ایک سال تین مہینہ تک حضرت عبداللہؓ ابن سعد افریقہ میں مقیم رہے اور اُس کے بعد امیر المومنین کے حکم سے افریقہ کی حکومت عبداللہ ابن نافع کو سپرد کر کے مصر کو پھر آئے۔ مراکش کے فتح ہو جانے سے اسپین کا دروازہ کھل گیا تھا، اس لئے اب 27ھ میں حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن نافع بن الحصین اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس کو لکھا کہ تم دونوں اندلس کی طرف پیش قدمی کرو اور ساتھ ہی جن بربریوں کو حضرت عثمانؓ ان دونوں کے لشکر میں بھیجنا چاہتے تھے ان کو تحریر فرمایا کہ قسطنطنیہ کی فتح کا دروازہ اندلس کی طرف سے کھلے گا۔ ان سب نے تعمیل ارشاد کی اور روانہ ہو گئے، ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس معرکہ میں مسلمانوں کو جو کامیابی ہوئی اس سے مسلمانوں کی طاقت و قوت اور شوکت و حشمت میں اضافہ ہوا۔ عبداللہ ابن نافع کچھ اور مغرب میں بڑھے اور اندلس پر بھی قبضہ کر لیا۔ خلیفہ سوم کے عہد میں افریقہ ہی ایک ایسا مقام تھا جس کی

Marfat.com

غنیمت مدینہ میں زیادہ تر آئی۔ اندلس سے غالباً فیض مراد ہے۔ آگے چل کر معلوم ہو گا کہ اسپین بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آکر اندلس مشہور ہوا۔

قبرص کی فتح:

28ھ میں جزیرہ قبرص پر جسے انگریزی میں سائپرس کہتے ہیں، بحر روم میں رومی حکومت کا ایک بڑا بحری مرکز اور شام کے ساحل سے قریب ہونے کے باعث شام میں مسلمانوں کے مقبوضات کے لئے ہر آن ایک خطرہ تھا۔ اس بناء پر حضرت امیر معاویہؓ نے جو شام کے گورنر تھے حضرت عمرؓ سے اس جزیرہ پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی۔ حضرت عمرؓ بحری جنگ کو ناپسند فرماتے تھے، اس لئے اجازت دینے سے انکار کر دیا، اسی قسم کی اجازت سعد بن ابی وقاصؓ نے جب وہ عراق کے گورنر تھے، مانگی تو ان کو بھی منع کر دیا اور لکھا۔ ''مسلمانوں کے اور میرے درمیان سمندر حائل نہیں ہونا چاہئے۔''
حضرت امیر معاویہؓ نے جزیرۂ قبرص کی اہمیت اور اس پر قبضہ کی ضرورت کے بارے میں حضرت عثمانؓ کو باصرار پھر لکھا تو آپ نے ان کو اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ وہ اس مہم میں اپنی بیوی کو بھی اپنے ہمراہ لے جائیں گے اور اس بحری جنگ میں شرکت پر کسی کو مجبور نہیں کریں گے۔ اجازت ملنے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کیا تو یہاں کے باشندوں نے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ یہ مسلمانوں کی پہلی بحری لڑائی تھی۔

روڈس کی فتح:

جزیرہ روڈس بحیرہ روم میں ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل سے بارہ میل کے فاصلہ پر واقع اور تقریباً پینتالیس میل طویل ہے۔ اس جزیرہ کی زمین سطح سمندر سے تدریجی طور پر بلند ہوتی چلی گئی ہے، یہاں تک کہ اس کی سب سے اونچی چوٹی کی بلندی چھ ہزار فٹ ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جغرافیائی اعتبار سے قدیم دنیا کے براعظموں میں بحری جنگ کے نقطہ نظر سے یہ جزیرہ کس درجہ اہمیت کا مالک تھا۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پھر لکھا کہ سمندر میں ایک اور جزیرہ ہے جس کا نام روڈس ہے، اس کو بھی فتح کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے، حضرت عثمانؓ نے مجلس شوریٰ سے رائے طلب کی، تو ان حضرات نے فرمایا۔ ''امیر المومنینؓ! جزیرہ قبرص کی فتح نے مسلمانوں کے حوصلہ اونچے کر دیئے ہیں اور ان کو بحری جنگ کرنے میں کوئی تامل نہیں، اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ آپ معاویہؓ کو اجازت عطا فرمادیں۔'' اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا۔ ''جس چیز کی تم نے اجازت مانگی تھی میں تم کو اس کی اجازت دیتا ہوں، اب تم اللہ سے ڈرو، دور اندیشی کو ہاتھ سے مت جانے دو، اور اگر تم کو سمندر کا ذرا سا بھی ہو تو ہرگز اس پر سوار مت ہونا، کیونکہ سمندر کا ہول بہت ہوتا ہے۔''

حضرت عثمانؓ کی اجازت مل گئی تو حضرت امیر معاویہؓ اپنا بحری بیڑہ لے کر روانہ ہوئے، جزیرہ روڈس کے لوگوں نے سمندر میں ہی مسلمانوں کے بیڑہ کا مقابلہ کیا، نہایت سخت جنگ ہوئی، فریقین کے آدمی کثرت سے قتل ہوئے، آخر کار مسلمانوں کو فتح ہوئی اور وہ جزیرہ میں داخل ہو گئے، یہاں ان کو مال غنیمت تو بہت کچھ ملا، لیکن آبادی نہیں ملی۔ بچے کھچے جو لوگ رہ گئے تھے انہوں نے خودکشی کر لی تھی، امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو جزیرہ کی فتح کا حال لکھا تو آپ نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ لیکن فتح ہونے کے باوجود جزیرہ ویران رہا۔ یہاں تک کہ امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس جزیرہ کو آباد کیا، وہاں مسلمان بسائے، مسجد تعمیر کی، اور اسے ایک مضبوط اسلامی چھاؤنی بنا دیا غالباً اسی وجہ سے عام

Marfat.com

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ جزیرہ امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی معزولی:

بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ خلافت فاروقی کے زمانہ سے ہی چلے آ رہے تھے۔ خلافت عثانی میں بھی چھ برس تک اس عہدہ پر رہے۔ آخر بصرہ کے لوگ چین سے کہاں بیٹھنے والے تھے۔ ان کے خلاف بھی خلافت کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ ایک روایت ہے کہ ایک دن غیلان بن فرشتہ ضمی حضرت عثانؓ سے ملا اور بولا کیا آپ کو کوئی جوان آدمی نہیں ملتا جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے بوڑھے کو بصرہ کا گورنر بنا رکھا ہے۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ایذج کے لوگوں اور وہاں کے کردوں نے بغاوت کر دی تھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان باغیوں کے خلاف پاپیادہ جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے مجمع عام میں ایک نہایت پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جو جس حال میں تھا اسی حالت میں جہاد کے لئے چل پڑنے پر آمادہ ہو گیا، لیکن چند لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے مجمع سے کہا کہ آپ لوگ روانہ ہونے میں عجلت نہ کریں، ہم کو ذرا یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ ہمارے گورنر کا کیا حال ہے؟ اب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جہاد میں شرکت کی غرض سے دارالامارت سے باہر آئے تو اس شان سے کہ چالیس خچروں پر ان کا سامان لدا ہوا تھا، یہ دیکھتے ہی مجمع مشتعل ہو گیا، آگے بڑھ کر جس خچر پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سوار تھے، اس کی لگام پکڑ کر کھڑے ہو گئے، بڑی مشکل سے کچھ کہہ سن کے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے پیچھا چھڑایا۔ اس وقت تو بات رفت گزشت ہو گئی۔ لیکن پھر اہل بصرہ نے اپنا ایک وفد حضرت عثانؓ کے پاس بھیجا، جس نے شکایات کر کے بصرہ کی گورنری سے ان کی سبکدوشی کا پرزور مطالبہ کیا۔ بصرہ کے لوگوں کی دلجوئی کے لئے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ گورنری سے سبکدوش تو کر دیئے گئے لیکن حضرت عثانؓ نے ان کو لکھا کہ: ''میں آپ کو کسی کمزوری یا بددیانتی کی وجہ سے الگ نہیں کر رہا ہوں۔ آپ مہاجرین اور السابقون الاولون میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور مجھے اس کا اعتراف ہے۔'' ساتھ ہی تحریر فرمایا: ''میں نے عبداللہ بن عامر کو حکم دیا ہے کہ وہ تمیں ہزار درہم آپ کی خدمت میں پیش کر دے۔'' بہرحال یہ حالات تھے جن کے تحت حضرت ابوموسیٰؓ معزول کئے گئے۔ یہ سنہ 29ھ کا واقعہ ہے۔ ان کی جگہ پر عبداللہ ابن عامر کی تقرری کی گئی جو کہ امیر المومنینؓ کے خالہ زاد بھائی بھی تھے۔

اہل فارس کی شورش:

سنہ 29ھ میں اہل فارس نے حضرت عبداللہ ابن معمر کو قتل کر کے بغاوت اختیار کی تھی۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایران کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے بحرین اور ساتھ ہی کوفہ و بصرہ کو ایک فوجی چھاؤنی بنا لیا گیا تھا اور ایران حملے شروع ہو گئے تھے اور اصفہان و ہمدان وغیرہ متعدد شہر فتح ہو گئے تھے، انہیں میں ایک شہر اصطخر بھی تھا لیکن یہ شہر بڑی مشکل سے فتح ہوا تھا۔ پھر بھی حضرت عمرؓ کے بعد 29ھ میں یہاں بغاوت شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ خراسان تک پھیل گئی۔ حضرت عثانؓ کو اطلاع ہوئی تو عبداللہ بن عامر کو جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی معزولی کے بعد ابھی بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے تھے لکھا کہ ماہک بن شاہک تیس ہزار فوج کے ساتھ خروج کر کے جو علاقے فتح ہو چکے ہیں ان کو مسلمانوں کے ہاتھ سے نکالنے کی سعی کر رہا ہے، تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور فارس سے لے کر خراسان تک کے تمام شہر فتح کرو۔ عبداللہ بن عامر ایک لشکر جرار لے کر بصرہ سے روانہ ہوئے، فارس کے قریب پہنچے تھے کہ صحرائے اصطخر میں دشمن سے مقابلہ ہوا۔ صبح سے لے کر ظہر کی نماز کے وقت تک سخت جنگ ہوتی رہی۔ آخر ماہک شکست کھا کر بھاگا، مسلمانوں نے تعاقب کیا، یزید بن الحکم الازدی نے ماہک کے سر پر پہنچ کر اس کا سر قلم کرنا چاہا تھا کہ خواہاں امن ہوا اور اپنا تاج سر سے اتار کر یزید کی طرف

پھینک دیا۔ یزید نے تاج اٹھالیا اور ماہک کو عبداللہ بن عامر کے سامنے پیش کیا۔ عبداللہ نے جزیہ ادا کرتے رہنے کی شرط پر ماہک کو اصطخر میں قیام کرنے کی اجازت دے دی۔ اصطخر فارس کا سب سے بڑا اور مرکزی شہر تھا۔ اس کے فتح ہوتے ہی فارس پر قبضہ ہوگیا۔ اسی سلسلہ میں قلعہ اصطخر اور جود جس سے غالباً فیروز آباد، شیراز مراد ہے ہاتھ آیا۔

سنہ 29ھ کا حج:

اسی سال مہاجرین وانصار کی جماعت کے ہمراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کیلئے روانگی اختیار کی اور بمقام منیٰ پہنچ کر خیمہ نصب کروایا تا کہ حجاج کی ضیافت کا اہتمام کیا جاسکے۔ صحابہؓ نے اس بات کو ناپسند قرار دیتے ہوئے بدعت سمجھا کیونکہ رسول خدا ﷺ اور اُن کے بعد دونوں خلفاء کے عہد میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

رجم کا واقعہ:

سنہ 29ھ کے حج کے سفر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے قبیلہ جہنیہ کی ایک عورت پیش کی گئی۔ یہ عورت پہلے بیوہ تھی پھر اس نے عقد ثانی کرلیا تھا۔ نکاح کے بعد صرف چھ ماہ کی مدت میں اس کے ہاں لڑکا تولد ہوگیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس عورت پر رجم کا حکم جاری فرمایا۔ جونہی اس حکم کی اطلاع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس پہنچی تو وہ فوراً خدمت میں حاضر ہوئے اور معاملے کی وضاحت فرمائی۔ حمل کی اکثر مدت دو برس اور اقل مدت چھ مہینہ خود قرآن سے مستنبط ہوسکتی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے وضاحت جاننے کے بعد ہرکارہ دوڑایا کہ سزا کو روک دیا جائے مگر اس ہرکارہ کے پہنچنے سے قبل ہی وہ عورت سزا پاچکی تھی۔ حضرت عثمانؓ کو اس کا سخت رنج وملال ہوا۔

مسجد نبویؐ کی توسیع:

سنہ 29ھ میں حضرت عثمانؓ نے مدینے میں مسجد نبویؐ کی توسیع کا کام شروع کرایا۔ مسجد کا طول ایک سو پچاس گز رکھا گیا اور اس میں پتھر کے ستون نصب کیے گئے۔ تمام دیواریں پختہ بنوائی گئیں۔ جب مسجد نبوی ﷺ تنگ ہوگئی تو لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کو کشادہ کرنے کی درخواست کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہؓ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ مروان بن حکم موجود تھا۔ اس نے کہا: امیر المومنینؓ! اس معاملہ میں مشورہ کی کیا ضرورت ہے؟ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد میں اضافہ کا ارادہ کیا تو کسی سے اس کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ سن کر برہم ہوگئے، فرمایا: خاموش! عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ لوگ ان سے اس درجہ خوف کھاتے تھے کہ اگر وہ لوگوں سے کہتے کہ گوہ کے بھٹ میں گھس جاؤ تو لوگ اس میں گھس جاتے لیکن میرا معاملہ یہ ہے کہ میں نرم خُو ہوں۔ اس لئے محتاط رہتا ہوں کہ وہ احتجاج نہ کریں۔

ولید بن عقبہ کی معزولی:

سنہ 30ھ میں ولید ابن عقبہ کے متعلق لوگوں نے امیر المومنین کے پاس شکایت کی۔ ولید کی رفاقت میں ایک شاعر ابوزبیدہ نامی بیٹھتا تھا۔ یہ پہلے نصرانی تھا اور بعد میں مسلمان ہوگیا تھا۔ وہ شراب کا بے حد رسیا تھا اور قبول اسلام کے بعد بھی باز نہیں آتا تھا۔ لوگوں نے ابوزبیدہ کی کئی بار شکایت کی مگر ولید بن عقبہ نے چشم پوشی اختیار کی۔ جس پر کوفہ میں یہ ہوا گرم ہوگئی کہ ولید خود ہی ابوزبیدہ کے ہمراہ جام چڑھاتا ہے۔ کوفہ کا ایک وفد باقاعدہ شکایت لے کر مدینہ گیا۔ حضرت

Marfat.com

عثمانؓ نے ولید بن عقبہ کو صفائی کیلئے طلب کرلیا۔ ولید نے مدینے میں پہنچ کر امیر المومنین سے مصافحہ کیا تو کوفہ کا وفد جل بھن گیا اور ناگواری و عدم اعتمادی کا اظہار کرنے لگا۔ شراب خوری کے بارے میں تفتیش کا دور شروع ہوا۔ کوئی چشم دید گواہ پیش نہ کیا جاسکا جو حلفاً یہ کہتا کہ میں نے خود ولید کو شراب نوشی کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ لہٰذا گومگوئی کی حالت میں حضرت عثمانؓ نے سزا سنانے میں تامل کیا تو کسی نے آگے بڑھ کر یہ کہا کہ میں نے خود ولید کو شراب کی قے کرتے دیکھا تھا۔ یہ سن کر آپؓ نے درے لگانے کا حکم دے دیا۔ ولید بن عقبہ کو درے لگنا شروع ہوگئے۔ حضرت علیؓ بھی دربار میں براجمان تھے جونہی چالیس درے مکمل ہوئے تو آپؓ نے اُٹھ کر سزا روک دی اور فرمایا۔ اگرچہ عہد فاروقی میں شراب پینے والے کی سزا اسی درے تھی اور یہ بھی درست ہے کہ ابی بکرؓ کے عہد میں یہ سزا چالیس درے تھی، مجھے اس معاملے میں ابی بکرؓ کا عمل زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی صلاح کو مقدم کیا اور سزا چالیس درے مقرر کردی۔ ولید بن عقبہ کی جگہ پر سعید بن العاص کو کوفہ کا نیا امیر مقرر کیا گیا۔

سنہ 30ھ میں حضرت معاویہؓ ابن ابی سفیان اور حضرت ابوذر غفاری کے درمیان ایک شرعی مسئلہ پر نزاع کا آغاز ہوا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوذرؓ شام تشریف لے گئے تھے اور کسی دیہات میں رہنے لگے۔ شیخین کے عہد خلافت میں بھی یہیں قیام پذیر رہے، حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو دمشق میں سکونت اختیار کرلی۔ شام دولت و غربت کی بنا پر طبقاتی کشمکش کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اسے کس طرح برداشت کرسکتے تھے، دیکھا کہ طبقہ امراء عیش و عشرت کی زندگی بسر کررہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دولت میں غریبوں اور محتاجوں کا جو حق مقرر کیا ہے، اس کو کما حقہ ادا نہیں کیا جارہا ہے تو اب انہوں نے اپنا معمول یہ بنالیا کہ وہ امیروں کے پاس جاتے اور فرماتے۔ اے لوگو! تم فقیروں کی خبر گیری کرو، اور جن آیات میں جمع زر کی مذمت کی گئی ہے، انہیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور عذاب آخرت سے ڈراتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ کی ان برملا تقریروں کا اثر یہ ہوا کہ غرباء نے امراء پر دست درازی کردی، جس سے ان کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ ان لوگوں نے حضرت امیرؓ معاویہ امیر شام سے شکایت کی، حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو خط لکھا کہ ابوذرؓ نے میرا ناک میں دم کردیا ہے، یہاں وہ ایسی ایسی باتیں کررہے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب میں لکھا۔ فتنہ نے اپنی سونڈ ہلانی شروع کردی ہے، اس لئے تم اغماض اور مصالحت سے کام لو اور زخم مت کریدو، اور ابوذرؓ کو ایک رہنما اور سامان سفر کے ساتھ میرے پاس روانہ کردو، اور دیکھو! ابوذرؓ کے ساتھ ملاطفت اور نرمی کا معاملہ کرنا، اور جہاں تک ہوسکے تم خود اپنے آپ کو اور لوگوں کو ان سے تعرض کرنے سے روکے رہو۔

حضرت امیر معاویہؓ نے حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابوذرؓ کو مدینہ روانہ کردیا، لیکن مدینہ وہ نہیں تھا جو پہلے تھا۔ اب یہاں شاندار عمارتیں اور مکانات کھڑے تھے، حضرت ابوذرؓ نے یہ رنگ دیکھا تو بولے: اے مدینہ والو! ڈرو اس لوٹ مار اور ضرب و حرب سے جس کا ہنگامہ یہاں برپا ہونے والا ہے۔ پھر حضرت عثمانؓ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے پوچھا کیا بات ہے کہ شام کے لوگ آپ کی شکایت کرتے ہیں؟ تو حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: ''مال کو یوں نہ کہو کہ وہ اللہ کا مال ہے، بلکہ یہ کہو کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے۔'' اس کے علاوہ انہوں نے فرمایا: ''میں دولت مندوں سے کہتا ہوں کہ مال کا جمع رکھنا جائز نہیں ہے، اس کو ضرورت مندوں پر تقسیم کردو۔'' حضرت عثمانؓ نے جواب میں کہا: ''ابوذرؓ! تم اس معاملہ کو میرے اوپر چھوڑ دو، میرا جو فرض ہے میں اس کو انجام دوں گا اور لوگوں پر جو واجب ہے وہ میں ان سے وصول کروں گا۔'' پھر فرمایا: ''میں لوگوں کو زہد پر مجبور نہیں کروں گا بلکہ میں ان کو جد و جہد اور میانہ روی کی دعوت دیتا ہوں۔'' ان حالات میں حضرت

ابوذر کا مدینہ میں قیام کرنا مشکل تھا، اس لئے حضرت عثمانؓ کی اجازت سے ربذہ (جو مکہ کے راستے میں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک دیہات ہے، وہاں) آئے اور سکونت پذیر ہو گئے۔ یہاں انہوں نے ایک مسجد تعمیر کی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی گزر بسر کے لئے دو غلاموں اور چند اونٹوں کا انتظام کر دیا اور درخواست کی کہ آپ وقتاً فوقتاً مدینہ آتے جاتے رہیں، تا کہ آپ پر بدویت غالب نہ ہو، چنانچہ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذرؓ مدینہ آتے جاتے رہتے تھے۔

مہر نبویؐ کی گمشدگی:

خلافت عثمانی سے جو احکام یا فرامین صادر ہوتے تھے ان پر باقاعدہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا حکم ہوتا اور پھر اس پر مہر خلافت ہوتی تھی یہ مہر خلافت وہی تھی جو آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے چاندی کی بنوائی تھی۔ اس پر ''محمد رسول اللہ'' تین سطروں میں کندہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی اسی مہر کو استعمال کرتے رہے، حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے بھی اپنا معمول یہی رکھا لیکن ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ اس انگشتری کو پہنے بیرارلیس نامی ایک کنویں کی منڈیر پر بیٹھے تھے کہ اچانک انگشتری گر گئی، عجیب بات یہ ہے کہ پورا کنواں کھنگال ڈالا گیا مگر انگشتری کا سراغ نہ ملا، اس کے بعد آپ نے ایک دوسری انگوٹھی بنوائی اس پر بھی حسب سابق ''محمد رسول اللہ'' کا نقش تین سطروں میں کندہ تھا۔

طبرستان کی فتح:

ولید بن عقبہ کے بعد سعید بن العاص الاموی القرشی کوفہ کے گورنر ہوئے، ان کی تعلیم و تربیت حضرت عمرؓ کی آغوش میں ہوئی تھی۔ زرکلی نے ان کو من الامراء الولاۃ الفاتحین لکھا ہے۔ نہایت بہادر اور اعلیٰ درجہ کے جنرل تھے، 30ھ میں جب یہ خراسان کی مہم پر کوفہ سے روانہ ہوئے ہیں تو ایک فوج گراں ان کی قیادت میں تھی جس میں اکابر صحابہ حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہؓ بن عمر، عبداللہؓ بن زبیر، عبداللہؓ بن عمرو بن العاص، حذیفہؓ بن الیمان اور دونوں جگر گوشہ ہائے رسول حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ شامل تھے، اس فوج گراں کو دیکھ کر کعب بن جعیل شاعر نے سعیدؓ بن العاص کی مدح میں جو ایک قصیدہ لکھا تھا اس میں کہتا ہے۔ ''اے سعید! تم آج جتنے بڑے لشکر کی قیادت کر رہے ہو تم سے پہلے کسی نے نہیں کی، یہ لشکر اسی ہزار مجاہدین پر مشتمل ہے جس میں زرہ بند بھی ہیں اور بغیر زرہ کے بھی۔'' طبرستان جو ایران کا ایک بڑا صوبہ ہے۔ وہ انہیں کے ہاتھ فتح ہوا تھا اور اسی وجہ سے سعید بن العاص کا تاریخ میں لقب ہی فاتح طبرستان ہو گیا۔

اہل فارس و خراسان کی بغاوت و دیگر فتوحات:

31ھ میں اہل خراسان نے نقض عہد کیا، ان کی گوشمالی کیلئے روانہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ بجستان اور کرامان میں بھی بغاوت ہے۔ عبداللہ بن عامر نے حضرت عثمان کی ہدایت اور حکم کے مطابق شمال مشرق میں خراسان کا رخ کیا۔ خراسان کی سرحد پر پہنچ کر مجاشع بن مسعود کو کرمان کا گورنر مقرر کر کے ایک ہزار سوار فوج کے ساتھ وہاں روانہ کر دیا۔ خود خراسان کی طرف بڑھے، لشکر کے ہراول کا انچارج احنف بن قیس کو بنا دیا، یہ لشکر جب نیشاپور پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے مقاومت کی، عبداللہ بن عامر نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، آخر طوس کے امیر کناریک نے عبداللہ بن عامر کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ مجھ کو جان کی امان دیں تو میں نیشاپور کی بازیافت میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ عبداللہ بن عامر نے اسے منظور کیا، امیر طوس ایک لشکر لے کر عبداللہ بن عامر کی خدمت میں پہنچا۔ اب دونوں لشکر نیشاپور کی طرف بڑھے۔ نیشاپور کا بادشاہ اسوار ایک فوج گراں کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ کئی روز تک جنگ رہی۔ آخر اسوار نے عبداللہ بن عامر سے جان کی امان لے کر شہر کے سب

دروازے کھول دیئے اور عبداللہ بن عامرؓ نے نیشاپور پر قبضہ کرلیا اور کناد یک امیر طوس نے جس وفاداری کا مظاہرہ کیا تھا اس کی وجہ سے اس کو نیشاپور کا بھی امیر بنا دیا گیا۔

مرو کے لوگوں کو جب نیشاپور اور طوس کے فتح ہونے کی خبر پہنچی تو ہمت ہار بیٹھے اور عبداللہ بن عامر کے پاس اپنا ایک سفیر بھیج کر اس شرط پر صلح کی پیش کش کی کہ ایک بہت بڑی رقم تو وہ ابھی نقد ادا کریں گے اور تین لاکھ درہم سالانہ بطور جزیہ کے ادا کرتے رہیں گے۔ عبداللہؓ بن عامر نے اس پیش کش کو منظور کیا اور عبداللہ بن عوف حنظلی کو مرو کا امیر مقرر کر کے وہاں بھیج دیا۔ مرو سے فراغت ہوئی تھی کہ ہرات کا بادشاہ جس کا نام کشمود تھا، عبداللہ بن عامر کی خدمت میں پہنچا اور اس شرط پر صلح کا خواست گار ہوا کہ ہرات اور بوشنج دونوں اس کے قبضہ میں رہنے دیئے جائیں اور وہ ہر سال ایک لاکھ درہم بطور جزیہ کے ادا کرتا رہے گا۔ عبداللہ بن عامر نے اسے منظور کیا اور ہرات کا پروانہ امارت اس کے نام لکھ کر اسے روانہ کر دیا۔ اس کے بعد سرخس کا فرماں روا ماہویہ عبداللہ بن عامر کے پاس آیا اور اس نے بھی یہی درخواست کی کہ سرخس اور اس سے ملحق گاؤں اور دیہات اس کے پاس رہنے دیئے جائیں تو وہ اس کے بدلہ میں ہر سال ایک لاکھ درہم، ایک ہزار بورے گیہوں کے اور ایک ہزار بورے جو کے ادا کرتا رہے گا۔ عبداللہ بن عامرؓ نے اسے بھی منظور کر کے ماہویہ کو سرخس واپس کر دیا۔ اسی طرح باری باری سے نسا اور ابیورد کا فرمان روا بہمہ، فاریاب اور طالقان کا فرماں روا ادا ویہ اور ان کے علاوہ اور بھی آس پاس کے علاقوں کے حاکم عبداللہؓ بن عامر کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے علاقہ کی طرف سے سالانہ ایک معین رقم بطور جزیہ ادا کرنے کی شرط پر جان کی امان اور صلح کے خواہاں ہوئے اور عبداللہ بن عامرؓ نے ان شرائط کو منظور کر کے ان سب علاقوں پر ان لوگوں کی امارت کو بحال رکھا اور انہیں وہاں واپس کر دیا۔

سیستان کو عربی میں بحستان کہتے ہیں، ایران کا ایک بڑا صوبہ تھا۔ اس کے حدود اربعہ یہ ہیں: شمال میں ہرات جنوب میں مکران، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان۔ اس کا مشہور شہر زرنج تھا جہاں میوہ کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے بالکل آخری سال 23ھ میں عاصم بن عمر کے ہاتھ فتح ہو چکا تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں عراق عجم میں بغاوت کی جو لہر پیدا ہوئی اس کی لپیٹ میں سیستان بھی آ گیا تھا، اسی لئے عبداللہ بن عامر نے فارس اور خراسان کی مہم سے فارغ ہو کر اس طرف توجہ کی اور اپنے چچیرے بھائی عبدالرحمٰن بن سمرہ بن جندب کو ایک لشکر کے ساتھ سیستان کی مہم پر روانہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن جب شہر زرنج کے قریب پہنچے تو اہل شہر نے مقاومت کی، دونوں فریق میں سخت جنگ ہوئی آخر کار اسلامی لشکر فتح یاب ہوا اور شہر بزور شمشیر فتح ہو گیا۔ اب عبدالرحمٰن بن سمرہ نے اپنے لشکر کے مشورہ سے کابل کا ارادہ کیا اور وہاں پہنچ کر شہر کے بیرونی میدان میں خیمہ لگا دیا۔ شاہ کابل جو اعرج کے لقب سے مشہور تھا ایک لشکر جرار لے کر شہر سے نکلا اور لشکر اسلام سے نبرد آزما ہوا، سخت جنگ ہوئی لیکن پھر بھی کوئی فیصلہ نہ ہوا تو شاہ کابل اپنی فوج لے کر شہر میں واپس آیا اور حصار بند ہو گیا۔ اب اس نے یہ معمول کر لیا کہ جب کبھی موقع پاتا قلعہ سے باہر نکل کر جنگ کرتا اور پھر لوٹ کر حصار بند ہو جاتا، کامل ایک برس تک یہ کیفیت رہی، اس مدت میں عبدالرحمٰن اور اس کے لشکر کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، آخر کار بزور شمشیر شہر فتح ہوا۔ شاہ کابل گرفتار ہو کر عبدالرحمٰن کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ عبدالرحمٰن نے نہ صرف یہ کہ جان بخشی، بلکہ اس کی حیثیت کے مطابق اس کا احترام ملحوظ رکھا اور سیستان و کابل کی فتح سے مطلع کرنے کے ساتھ مال غنیمت جو کچھ ہاتھ آیا تھا اس کا پانچواں حصہ بھی عبداللہ بن عامرؓ کے پاس روانہ کر دیا اور خود اپنے لشکر کے ساتھ کابل میں قیام کیا۔ ان مقامات کی بغاوتیں رفع ہوئیں اور بہت سے نئے شہر

سلسلہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اور منجملہ ان کے ایک مقام مشہور نیشا پور بھی تھا، بلخ، طغارستان اور جوز جان، طالقان بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ان فتوحات کی شکر گزاری میں عبداللہ ابن عامر نے زیارت مکہ کا قصد کیا اور نیشا پور ہی سے احرام باندھا۔

اب 31ھ میں مسلمانوں کے مفتوح ملکوں کی حد شمالی و مشرقی دریائے جیحوں تک تھی۔دریا پار کے ٹکڑے کا نام ماورا والنہر (دریا پار) اُسی وقت سے مشہور ہوا۔اس طرح بلخ اور ہندوکش کے سلسلہ کے تمام شمالی حصے ممالک مفتوحہ میں داخل ہو گئے اور حد شرقی وہ ناہموار ٹکڑہ قرار پایا جو ہندوکش کے سلسلہ سے سمندر تک شرقاً غرباً پھیلا ہوا تھا۔

شہنشاہ فارس کا قتل:

آلِ ساسان کی آخری یادگار شہنشاہ فارس یزدجرد بن شہریار جو کہ اپنی سلطنت کا وسیع وعریض حصہ کھو چکا تھا اور خلافت فاروقی میں مدائن کی جنگ میں شکست کھا کر بھاگا تھا، شہر بہ شہر پھرتا رہا۔چنانچہ مدائن سے حلوان گیا پھر یہاں سے بھی نکلا تو اصفہان آیا، اصفہان بھی فتح ہوا تو اصطخر پہنچا۔جب اصطخر پر بھی اسلامی علم لہرانے لگا تو یہاں سے نکل کر کرمان کی راہ لی، کرمان میں بھی اسے تقدیر کا ستارہ گردش میں نظر آیا تو وہاں سے سیستان اور سیستان سے خراسان پہنچا۔خراسان کے شہر مرو میں ۲۹ یا ۳۰ھ میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔اس سلسلے میں مختلف روایتیں ہیں جن کو طبری اور بلاذری نے یکجا کر دیا ہے، لیکن عام طور پر مشہور یہی ہے کہ یزدجرد نے مرو میں ایک شخص کے گھر میں پناہ لی تھی جو آٹا پیسنے کی چکی چلاتا تھا، اس شخص کی نظر یزدجرد کے تاج پر پڑ گئی اور اس نے اس کے لالچ میں یا ماہویہ جو مرو کا مرزبان تھا اس کے ایما اور اشارہ پر یزدجرد کو قتل کر دیا۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ یزدجرد کے نوکر نے خاقان چین سے ملی بھگت کر کے اُسے چینی فوج سے گھر وا دیا تھا۔وہ بیچارہ کوٹھے سے کود کر کسی غریب کے مکان میں چھپا جہاں لالچیوں نے بدن کے کپڑوں کی طمع سے اُسے ہلاک کیا۔یزدجرد کے مرنے پر مسلمانوں کا تسلط خراسان میں مستحکم ہو گیا۔اور بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خراسان کی بغاوت دیکھ کر یزدجرد مقابلہ میں آیا اور مسلمانوں کے ہاتھ سے دریائے جیحون کے قریب مارا گیا۔یزدجرد نے بیس سال سلطنت کر کے وفات پائی۔چار سال اس کے عیش میں اور سولہ سال مصیبت میں کٹے تھے۔اس طرح ایران کی شہنشاہیت جو ایک معمولی وقفہ کے ساتھ مسلسل بارہ صدیوں تک بڑی شان اور شوکت کے ساتھ قائم رہی تھی اس کا مکمل خاتمہ بھی خلافت عثمانی کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

رومی حملہ اور محمد بن ابی بکر کی بدتمیزی:

سنہ 32ھ میں شاہ ہرقل کے بیٹے قسطنطین نے مصر، اسکندریہ، اندلس اور افریقہ مسلمانوں سے چھین لینے کے قصد سے بحری طرف سے چڑھائی کی۔حضرت عبداللہؓ ابن سعد بحری بیڑے میں بیٹھ کر آگے بڑھے۔سمندر میں فریقین میں مقابلہ ہوا۔پہلے تو مسلمان بہت گھبرائے۔ایک تو بحری لڑائی جس سے مسلمان کم واقف تھے اور اس پر طرہ یہ کہ دشمن بڑے ساز و سامان سے آئے تھے اور یہاں بے سروسامانی کا عالم تھا۔بالآخر جہاز سے جہاز ملا کر مسلمانوں نے زوردار حملہ کیا اور بالآخر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔قسطنطین نے ہزیمت اُٹھا کر مراجعت اختیار کی۔اس جنگ کے خاتمے کے وقت محمد بن ابی بکر اور حضرت عبداللہؓ ابن سعد میں کچھ بے لطفی پیدا ہوئی اور بات اتنی بڑھی کہ حضرت عبداللہؓ ابن سعد کے سامنے خلیفہ کی شان میں بھی بے ادبی کی باتیں محمد بن ابی بکر کے منہ سے نکل گئیں۔محمد بن ابی بکر نے امیرالمومنینؓ کے بارے میں بہت سی باتیں سنت نبویؐ اور سیرت شیخین کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی۔جس پر حضرت عبداللہؓ بن سعد نے ناپسندیدگی کا

اظہار کیا۔ محمد بن ابی بکر نے یہاں تک کہہ دیا کہ امیر المومنینؓ نے ایسے افراد (عبداللہ بن سعد) کو عمال مقرر کر رکھا ہے جن سے نبی کریم ﷺ ہمیشہ ناخوش رہے۔ یہ باتیں سن کر حضرت عبداللہ بن سعد سے برداشت نہ ہو سکا اور انہوں نے محمد کو اُن کے ساتھیوں کے بحری بیڑے سے نکلوا دیا۔

سنہ 32ھ کے واقعات:

32ھ میں عبدالرحمٰن ابن ربیعہ نے کالنجر کا محاصرہ کیا اور وہیں وہ شہید ہوا۔ جیلان اور جرجان میں بھی بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے۔ عبداللہ ابن عامر کے مکہ چلے آنے سے قارن نامی عجمی شخص نے خراسان میں خروج کیا اور اُسی کی دیکھی طلبین، ہرات، بادغیس اور قہستان وغیرہ میں بھی غیر قوموں نے خروج کر کے نیشاپور پر چڑھائی کی۔ قیس ابن نیشاپور سے بھاگ کر عبداللہ ابن عامر کے پاس خبر دینے چلا۔ عبداللہ ابن حازم بموجب وصیت عبداللہ ابن عامر کے قارن کے مقابلے کیلئے بڑھا۔ جب لشکر قارن کے پڑاؤ کے قریب پہنچا تو شام ہو کر رات ہو چکی تھی۔ عبداللہ بن حازم نے حکم دیا کہ تمام نیزوں کے کپڑوں کو آگ لگا دی جائے اور دشمن پر حملہ کر دیا جائے۔ اس اچانک حملہ آوری اور نیزوں کے شعلوں نے دشمن کو حواس باختہ کر ڈالا۔ مقابلہ کرنے کا ہوش باقی نہ رہا ہر کوئی اپنی جان بچانے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ اسلامی نے دشمنوں کو چن چن کر ہلاک کیا اور قارن مع بہت سے ساتھیوں کے ہلاک ہوا۔ عبداللہ بن حازم نے اس فتح کی خبر مع خمس غنیمت کے مدینہ روانہ کی اور اُسی وقت سے عبداللہ ابن حازم حاکم خراسان مقرر ہوا۔ بلخ، جوزجان، طالقان، جوال غور اور گرجستان کی قوموں نے بھی جا بجا بغاوت کے جھنڈے بلند کیے لیکن اخیر میں احنف بن قیس کی کوششوں سے وہ سب ذلیل وخوار ہوئے۔

سنہ 33ھ کے واقعات:

33ھ کے ساتھ اختلاف مسلمانوں کا ظاہر ہونے لگے۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مالک بن حارث الاشتر مع چند سرداروں کے کوفے میں حضرت عثمانؓ کی سوء تدابیر کا تذکرہ علانیہ کرنے لگا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سیاسی امور پر غور کر کے یا تو اُن کے اعتراضات کو رفع کرنا تھا یا سختی سے اُنہیں دبانا تھا۔ سعید ابن عاص کی تحریر پر حضرت عثمانؓ نے محض یہی کیا کہ اُن لوگوں کو کوفہ سے دمشق میں بھیج دیا گیا اور حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ اِن لوگوں کو سمجھاؤ۔ جب معاویہؓ کا سمجھانا کارگر نہ ہوا تو انہیں حمص میں عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس بھیج دیا۔ عبدالرحمٰن نے ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیے لیکن اس کا کچھ عمدہ نتیجہ نہ ہوا اور وہ لوگ خود حمص سے کوفہ میں چلے آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سعید کوفہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلا آیا۔ جب یہ پھر واپس چلا تو راستہ میں معلوم ہوا کہ مالک اشتر برسر فساد ہے اور وہیں سے پھر مدینہ چلا آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ سوچ سمجھ کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو پھر کوفہ میں تعینات کیا۔ حضرت ابوموسیٰؓ کے آنے پر وہاں کے باشندے بڑی اطاعت سے پیش آئے اور کہا کہ عثمانؓ کی اطاعت سے ہمیں گریز نہیں اور نہ تمہاری حکومت سے کچھ عذر ہے۔ سعید کی حکومت ہم پر بار تھی اور بہتر ہوا کہ وہ اُٹھا دی گئی۔ حضرت عثمانؓ کو کوفہ کی طرف سے اطمینان ہوا لیکن اس کے سوا اور بھی بہت سے فتنے تھے جن کے رفع کرنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کامیابی نہ ہوئی۔

اصحاب رسولؐ کی فکر مندی:

34ھ میں بعض صحابہ نے مدینہ میں آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صلہ رحمی اور نرم دلی پر نظر ثانی کی ضرورت

Marfat.com

زور دیا۔ اس ضمن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمانؓ سے ملاقات کیلئے آئے اور فرمایا کہ "آپؓ امور سلطنت میں ضرورت سے زیادہ نرم مزاجی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ جس پر ملت اسلامیہ کے خیر خواہوں میں تشویش پھیلنے لگی ہے۔ آپ لوگوں کے اعتراضات پر غور فرمائیں۔ اگر وہ درست ہیں تو ان کے رفع کا انتظام فرمائیں اگر وہ غلط اور من گھڑت ہیں تو ان کے محرکات کو تلاش کر کے انہیں کڑی سزائیں دیں تاکہ معاشرہ میں بدامنی نہ پھیل پائے۔"

حضرت عثمانؓ نے جواباً کہا۔ "اے علی! اگر تم خلیفہ ہوتے اور اقارب کے ساتھ احسان کرتے تو میں برا نہ مانتا۔ مغیرہؓ ابن شعبہ کی خصلتیں اچھی نہ تھیں اور عمرؓ نے اسے بصرہ کی ولایت عطا کی پھر کوفے کا بھی اُسے والی کیا اور کسی کی مجال نہ ہوئی کہ زبان کھولے۔" حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب میں کہا۔ "یہ صحیح ہے کہ عمرؓ نے بعض ایسوں کو حاکم اور امیر مقرر کیا جن سے اچھے موجود تھے لیکن اس کے ساتھ وہ ڈانٹ ڈپٹ ایسی رکھتے تھے کہ اُن لوگوں کو اعتدال سے متجاوز کرنے کی ہمتیں نہ ہوتی تھیں۔ جب کوئی بات اُن کے کان میں پڑتی تھی وہ فوراً ہی تحقیقات شروع کر دیتے تھے اور جرم ثابت ہونے پر سخت سزائیں دیتے تھے۔ آپ اس کے برعکس تحقیقات کے نتیجے میں صلہ رحمی اور نرم دلی کا اظہار فرما کر لوگوں کو سر چڑھنے کا موقعہ دیتے ہیں۔" حضرت عثمان نے کہا۔ "اچھا معاویہؓ تو عمرؓ کے وقت سے حاکم شام ہے پھر اس بارے میں لوگ مجھ پر کیوں الزام رکھتے ہیں۔" حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا۔ "عمرؓ کے عہد میں معاویہؓ دبتا تھا اور اب وہ آپ سے دبتا نہیں۔ کتنی باتیں اپنے جی سے کر گزرتا ہے اور آپ کا نام لیتا ہے۔ آپ سنتے ہیں اور کچھ نہیں بولتے۔"

حضرت عثمانؓ نے کچھ جواب نہ دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اُٹھ کر اپنے گھر چلے آئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جا کر مسجد میں خطبہ دیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لوگ دبتے تھے اور اُن کی سختیوں کو برداشت کرتے تھے۔ میں نے تم لوگوں پر نرمی کی میرے تحمل کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگ مجھ سے گستاخیاں کرنے لگے۔ بتاؤ تو سہی میں نے تمہارا کیا بگاڑا؟ تمہارے بیت المال سے میں نے کبھی ایک دانہ نہیں لیا اور ابوبکرؓ مع اپنے اہل و عیال کے بیت المال سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اگر تم یہ کہو کہ میں اپنے اعزہ کو زیادہ دیتا ہوں تو کیا مجھے اپنی ذاتی دولت سے انہیں دینے کا اختیار نہیں؟ ان باتوں سے تم لوگ مجھے رنجیدہ نہ کرو۔

مروان بن حکم کا قصہ:

مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچیرہ بھائی تھا۔ رسول خدا ﷺ نے اسے اور اس کے باپ حکم کو ناپسندیدہ قرار دے کر مدینہ سے شہر بدر کر دیا تھا۔ خلیفہ اول اور دوم کے عہد میں بھی یہ باپ بیٹا مدینے میں داخل نہیں ہو پائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حکم نے درخواست کی کہ ان کی سزا کو معاف کر دیا جائے اور انہیں مدینے میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے حاکم وقت کے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے ان کی درخواست کو منظور فرما کر ان کی شہر بدری کو منسوخ کر دیا جس سے وہ دونوں مدینے میں آ کر مقیم ہو گئے۔ آپؓ کے اس فعل پر کئی اصحابؓ میں تشویش ہوئی مگر آپ نے جب اس کی وضاحت فرمائی تو ان کے ذہن صاف ہو گئے۔ مروان حضرت عثمان کا ابن عم (داماد) اور آپ کا میر منشی بھی تھا اور اس بنا پر آپ کے مزاج میں دخیل اور بے تکلف تھا۔ اس بے تکلفی دیکھ کر اکثر لوگ افواہوں کی زد میں آنے لگے۔

صحابہ کبار کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک یہ بھی شکایت تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جتنے افعال لائق اعتراض صادر ہوئے وہ اکثر مروان ہی کی تحریک پر مبنی تھے۔ اس موقع پر مروان نے زہر اگلنا موقوف نہیں کیا۔ حضرت

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ کے خطبہ ختم ہونے پر مروان کھڑا ہو گیا اور حصار سے نہایت سختی سے باتیں کیں۔ گو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُسے ڈانٹ کر بٹھا دیا لیکن لوگوں کے دلوں کی حالتیں مروان کی تقریر سے کچھ اور ہی رنگتیں پکڑ گئیں۔

سبائی فتنہ:

سنہ 34ھ میں عبداللہ ابن سبا المعروف ابن السوداء نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تحریک کو عام کیا اس سے پہلے وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک خفیہ تحریک چلائے ہوا تھا۔ یہ صنعاء یمن کا رہنے والا مذہبا یہودی تھا حضرت عثمان ہی کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔ اُس کا مسلمان ہونا ایک منافقانہ فعل تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے میں کدورت لے کر یمن سے حجاز، پھر وہاں سے بصرہ، پھر کوفہ پہنچا۔ وہاں سے شام اور شام سے مصر میں داخل ہوا تمام مقامات پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تقریریں کر کے وہ لوگوں کو اُبھارتا گیا۔ مصر کے لوگ عبداللہ سے آزردہ تھے۔ عبداللہ بن ابی سبا نے تمام علاقوں میں اس قسم کا تاثر دیا کہ ہر صوبے میں عامل ظالم اور بے ایمان جن کی پشت پناہی حضرت عثمانؓ کرتے ہیں اور ان کے خلاف نہ کوئی شکایت سنتے ہیں بلکہ الٹا شکایت کرنے والے سزائیں دیتے ہیں۔ دوسرا تاثر جو اس نے نو مسلموں کے ذہن میں ڈالا تھا وہ یہ تھا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصی حضرت ہارون علیہ السلام تھے اسی طرح نبی کریم ﷺ کے وصی حضرت علیؓ ہیں کے بعد امامت وخلافت کے اصل حقدار صرف وہی ہیں، خلفاء ثلاثہ نے انہیں ان کے حق سے محروم کر رکھا ہے۔ عثمانؓ کو معزول قرار دے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنانا ہی اصل عبادت کا کام ہوگا۔ کوفہ، بصرہ اور قیروان بن ابی سبا کے ہدف تھے۔ یہاں کے بااثر اور متمول افراد خاصی حد تک اس کے ہم خیال ہو چکے تھے۔ خفیہ خط وکتابت ذریعے افواہ آمیز خبروں کا تبادلہ زوروں پر تھا۔ روایت ہے کہ پہلے پہل جب عبداللہ بن ابی سبا مدینے میں مقیم تھا حرکات کی خبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہوئی۔ انہوں نے اسے گرفتار کر کے حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا اور کہ اس فتنہ پرداز کی گردن زنی کا حکم دیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نے نرمی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے مدینہ بدری کا عبداللہ بن ابی سبا بے حد ذہین اور یہودی عالم بھی تھا۔ اس نے اسرائیلی روایات کو قرآنی تشریح میں ایسا رنگا کہ لوگ قابلیت اور علمیت کے گرویدہ ہوتے چلے گئے۔ اس کی تحریک پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی لوگ کشیدہ خاطر مصر میں ابن سبا کا خوب رنگ جما۔ باہم خط وکتابت ہو کر یہ قرار پایا کہ مصر، کوفہ اور بصرہ سے لوگ مدینہ میں آ خلیفہ سوم کو ان کے عہدے سے معزول کریں۔

اختلاف انتخاب خلافت:

عبداللہ بن ابی سبا کے رنگ میں رنگی ہوئی یہ تینوں جماعتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معزول کرنے متفق تھیں۔ لیکن خلیفہ چہارم کون ہو؟ اس امر میں ان کے رائے میں تضاد واقع تھا۔ اہل مصر کی خواہش تھی کہ اپنے صحیح حقدار یعنی حضرت کرم اللہ وجہہ کو پہنچے۔ جبکہ اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے اور انہی کو خلافت حقدار سمجھتے تھے۔ اسی طرح اہل کوفہ حضرت زبیرؓ بن العوام کے خواہاں تھے۔ اِن تینوں گروہوں کے امراء مطلوب یعنی حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس چھپ چھپ کر آئے اور انہیں خلافت کے بارے کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن ان کی کوششیں بارآور نہ ہو پائی کیونکہ ان تینوں اصحابؓ نے ان لوگوں کے

Marfat.com

ن گھڑت قرار دے کر حضرت عثمانؓ پر اپنے کامل اعتماد کا اظہار کیا تھا۔

تحقیقات اور عمال کی مدینے میں طلبی:

کوفہ، بصرہ اور فسطاط کے وفود کی آمد سے صحابہ اکابر میں اضطراب بڑھا اور وہ حضرت عثمانؓ کے پاس تشریف ئے اور لوگوں کی شکایات کا ذکر کرتے ہوئے عمال کے بارے میں غور کرنے کیلئے مشورہ دیا۔ شہروں میں جب شورش وہ بڑھی اور اس کی خبریں مدینہ پہنچنے لگیں تو 35ھ میں بعض اہل مدینہ کے مشورہ پر حضرت عثمانؓ نے تحقیق و تفتیش حال لئے محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عمار بن یاسر کو مصر اور عبداللہ بن عمر کو شام روانہ کیا اور ساتھ ہی تمام شہروں پنا ایک مراسلہ بھیجا جس میں تحریر تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ بعض عمال ان کے ساتھ سب و شتم کا املہ کرتے ہیں، اگر ایسا ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ حج کے موقع پر میری تاکید اور ہدایت کے مطابق سب عمال مکہ میں ب معمول جمع ہوں گے۔ جن لوگوں کو اس قسم کی شکایات ہوں وہ حج کے موقع پر مجھ سے آ کر ملیں، اور میں خود یا میرے ل، جو کوئی بھی اس کا ذمہ دار ہو اس سے اپنا حق وصول کریں، یا اگر چاہیں تو معاف کر دیں، کیونکہ اللہ معاف کر دینے وں کو جزا دیتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ جب امیر المومنین حضرت عثمانؓ کا یہ مراسلہ شہروں میں پڑھ کر سنایا گیا تو اس کا اثر ہوا کہ لوگوں پر گریہ طاری ہو گیا اور امیر المومنین کے لئے دعائیں کرنے لگے۔

حضرت عثمانؓ نے ایک طرف شہروں کے عوام کے نام یہ مراسلہ بھیجا تو دوسری طرف عمال کو لکھا کہ ایوانِ خلافت حاضر ہوں، چنانچہ عبداللہ بن عامر بن کریز، امیرؓ معاویہ، عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح، یہ تینوں آئے اور ان کے علاوہ وؓ بن العاص اور سعید بن العاص کو مشورہ میں شریک کیا گیا۔ اب امیر المومنین نے فرمایا: بڑے افسوس کا مقام ہے، یہ ں کس قسم کی شکائتیں سن رہا ہوں اور یہ کیسی کیسی باتیں مشہور ہو رہی ہیں، بخدا مجھے اندیشہ ہے کہ جو باتیں تم لوگوں کی بت کہی جا رہی ہیں وہ کہیں سچ ہی نہ ہوں اگر ایسا ہوا تو ان سب باتوں کو مجھ سے منسوب کیا جائے گا۔ ان حضرات نے اب میں کہا: آپؓ نے تحقیق حال کے لئے شہروں میں وفود بھیجے تو تھے، انہوں نے کیا واپس آ کر رپورٹ نہیں دی کہ ہر لہ خیریت ہے؟ رہے یہ افواہ اڑانے والے لوگ تو یہ سچ نہیں بولتے، آپ کے لئے مناسب نہیں ہے کہ ایسی بے بنیاد توں پر کان دھریں اور ان کو کچھ اہمیت دیں۔ پھر حضرت عثمانؓ، حضرت عمروؓ بن العاص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: مروؓ! تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان فتنہ پردازوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر ہے ہیں اور آپ نے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے، عمرؓ جو کچھ کرتے تھے آپ نے ان لوگوں کے معاملہ میں اس پر زیادتی کی ہے، اس بنا پر میری رائے یہ ہے کہ آپ ابوبکرؓ و عمرؓ یعنی شیخین کے طریقہ پر عمل پیرا ہوں، اور سختی کی جگہ سختی اور نرمی کی جگہ نرمی کو اپنا معمول بنالیں۔

حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ آپ حضرات نے جو کچھ مشورے دیئے ہیں وہ میں نے سنے، اصل یہ ہے کہ ہر معاملہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ اندر داخل ہوتا ہے۔ یہ فتنہ، امت کو جس کے پیش آنے کا ندیشہ ہے، وہ پیش آنے والا ہے، اس کا دروازہ نرمی، ملاطفت اور پیروی اور موافقت سے ہی بند کیا جا سکتا ہے، ہاں! البتہ حدود اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ دروازہ تو خدا کی قسم ضرور کھلے گا۔ مگر میرے اوپر کوئی شخص الزام نہیں لگا سکتا، اللہ علیم و خبیر ہے کہ یں نے لوگوں کے ساتھ اور اپنے ساتھ بھی بھلائی کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے، فتنہ کی چکی تو گھومے گی ہی، البتہ عثمانؓ بڑا خوش نصیب ہو گا اگر وہ اس حالت میں مر جائے، کہ اس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی۔ پس آپ حضرات لوگوں کو فتنہ

Marfat.com

پردازی سے روکیں، اور ان کے جو حقوق ہیں ان کے ادا کرنے میں تساہل سے کام نہ لیں، اور ان کے لئے خدا سے مغفرت کی دعا مانگیں۔

حضرت امیر معاویہؓ جو حضرت عثمانؓ کی طلب پر مدینہ آئے ہوئے تھے، جب واپس ہونے کے لئے وداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ شام چلئے، وہاں کے حالات ٹھیک ہیں، لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کی درخواست یہ کہہ کر مسترد کردی کہ چاہے میری گردن اڑ جائے، میں کسی قیمت پر بھی رسول اللہ ﷺ کا شرف قرب و ہمسائیگی نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا: اگر یہ نہیں تو مجھے اجازت دیجئے کہ میں شام کا ایک لشکر بھیج دوں، وہ مدینہ کے عقب میں فروکش رہے گا تاکہ اگر کوئی حادثہ نازل ہو تو وہ اہل مدینہ کی اور آپ کی مدد کر سکے، لیکن حضرت عثمانؓ نے یہ تجویز بھی رد کر دی اور فرمایا۔ کیا میں فوج کے قیام کی وجہ سے اہل مدینہ کو جو رسول اللہ ﷺ کے پڑوسی اور دارالہجرت والنصرت کے رہنے والے ہیں، ضیق اور پریشانی میں مبتلا کردوں؟ نہیں! مجھ سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ حضرت معاویہؓ بولے: تو پھر اے امیر المومنینؓ! آپ کے ساتھ غدر اور خیانت کا معاملہ کیا جائے گا۔ امیر المومنین نے جواب دیا: حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلِ اس گفتگو کے بعد امیر معاویہؓ نے اجازت لی اور روانہ ہو گئے۔

باغیوں کی مدینے آمد:

ایک خفیہ قرارداد کے مطابق شوال کے مہینہ میں مصر، کوفہ اور بصرہ تینوں شہروں کی باغی جماعتیں اس طرح مدینہ کے لئے روانہ ہوئیں کہ مصر کے لوگوں کی تعداد چھ سو اور ایک ہزار کے درمیان تھی۔ یہ پوری تعداد چار ٹولیوں پر تقسیم تھی، یہ ٹولیاں الگ الگ عبدالرحمٰن بن عدیس بلوی، کنانہ بن بشر تجیبی، عروہ بن ہیثم لیثی، ابوعمرو بن بدیل بن ورقاء خزاعی، سواد بن رومان صبحی، زرع بن یشکر الیافعی، سودان بن حمران السکونی اور قتیرہ بن فلاں السکونی کے زیر اہتمام وانتظام تھیں اور ان سب کا عمومی قائد اور سردار غافقی بن حرب عکی تھا۔ یہ جماعت اس خاموشی سے مصر سے روانہ ہوئی کہ کانوں کان کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ پردہ یہ تھا کہ حجاج کا قافلہ جا رہا ہے، ابن السوداء یعنی عبداللہ بن سبا بھی ہمراہ تھا۔ کوفہ کے لوگ بھی تعداد میں اہل مصر کے لگ بھگ تھے اور انہی کی طرح چار ٹولیوں پر تقسیم تھے، یہ ٹولیاں جن لوگوں کے اہتمام وانتظام میں تھیں ان کے نام یہ ہیں، زید بن صوحان عبدی، اشتر نخعی، زیاد بن نضر الحارثی اور عبداللہ بن الاصم جو عامر بن صعصعہ کی اولاد میں سے تھا۔ عمرو بن الاصم ان سب کا جنرل کمانڈر تھا۔ بصرہ کے باغی گروہ کی تعداد بھی کم وبیش اتنی ہی تھی اور یہ بھی چار ٹولیوں پر تقسیم تھا، ٹولیوں کی قیادت ان لوگوں کے سپرد تھی: حکیم بن جبلہ العبدی، ذریح بن عباد العبدی بشر بن شریح، حطم بن ضبیعہ قیسی، ابن محرش بن عبد بن عمرو حنفی، ان سب کا جنرل کمانڈر حرقوص بن زہیر سعدی تھا۔ جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو راستہ میں جو ہم خیال ملتے رہے اس میں شریک ہوتے رہے۔ مدینہ سے تین کوس کے فاصلہ پر پہنچ کر یہ لوگ تین حصوں میں بٹ گئے، اہل بصرہ نے ذوخشب میں قیام کیا، کوفہ اور مصر کے کچھ لوگوں نے اعوض میں پڑاؤ ڈالا اور باقی لوگ ذوالمروۃ میں ٹھہرے۔ یہاں پہنچ کر رائے یہ ہوئی کہ آگے بڑھنے سے پہلے بہتر یہ ہے کہ اس معاملہ میں اہل مدینہ کے خیالات اور احساسات معلوم کر لئے جائیں چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے دو نمائندے، زیاد بن نضر اور عبداللہ بن الاصم مدینہ بھیجے۔ ان دونوں نے مدینہ میں ازواج مطہرات اور حضرات طلحہ، زبیر و علی رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی اور جماعتوں کے آنے کا مقصد بیان کیا کہ وہ امیر المومنین کو معزول کرانا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے بعض عمال نے بڑا اندھیر مچا رکھا ہے، اس پر ان سب حضرات نے بالاتفاق ان لوگوں کی مخالفت کی اور کہا کہ ہم تم کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، دونوں

Marfat.com

ن نے واپس جا کر اہل مدینہ کا جواب باغیوں کو پہنچا دیا۔ اب ان لوگوں نے یہ کیا کہ الگ الگ مصر کے لوگ حضرت
ر اہل بصرہ اور اہل کوفہ علی الترتیب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر ایک سے جدا جدا یہ
کہ ہم عثمانؓ کو معزول کر کے آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، لیکن ان بزرگوں پر ان لوگوں کی خوشامدانہ باتوں کا کیا اثر ہو
تھا! ان تینوں حضرات نے اپنے اپنے صاحبزادوں کو صورت حال سے باخبر کرنے کی غرض سے پہلے ہی حضرت عثمانؓ
دمت میں بھیج رکھا تھا۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ متعلقہ وفود پر سخت ناراض ہوئے، ان کو برا بھلا کہا اور
صلحائے امت کو معلوم ہے کہ ذی المروۃ، اعوض اور ذی خشب کے لشکروں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے، اس
م فوراً واپس جاؤ۔ اکابر صحابہ اور ازواج مطہرات کی اس زجر و توبیخ کے باعث انہوں نے خیریت اسی میں سمجھی کہ اس
لوٹ جائیں، لیکن صرف تین کوس کے فاصلہ پر جہاں ان کے لشکر پڑے ہوئے تھے واپس گئے اور اس کا انتظار کرنے
اہل مدینہ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر کچھ حج کے لئے روانہ ہوں اور کچھ ادھر ادھر ہو جائیں تو پھر یہ دوبارہ مدینہ پر
یں۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ دیکھا کہ باغی اپنا پڑاؤ ڈالے بیٹھے ہیں تو ان کے پاس گئے اور انہیں سختی
اپس لوٹنے کا حکم دیا۔ جب ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو برہم دیکھا تو پینترا بدلا اور کہنے لگے کہ ہمارے
کا عامل عبداللہؓ بن سعد بے حد ظالم شخص ہے، ہم اسے معزول کرائے بغیر واپس نہیں لوٹیں گے۔ ان فتنہ پردازوں
رار اور جرأت کو دیکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر اکابر صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ ان فتنہ پردازوں
ر پوری کر دیجئے تاکہ مدینے میں کوئی ہنگامہ نہ ہو پائے۔ حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ عبداللہؓ بن سعد کی جگہ کسے
قرر کیا جائے جو انہیں سمجھا بجھا سکے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے محمد بن ابی بکر کا نام تجویز کیا جس پر دیگر صحابہ نے
ی تو حضرت عثمانؓ نے محمد بن ابی بکر کے نام فرمان لکھ کر دے دیا۔ محمد بن ابی بکر کے نام پروانہ پا کر وہ لوگ چپ ہو
رنہ چاہتے ہوئے انہیں واپس لوٹنا پڑا۔ مدینے کے لوگوں نے ان گروہوں کی واپسی پر اطمینان کی سانس لی۔

ں کی مدینے میں دوبارہ آمد:

ایک دن مدینہ میں اچانک شور اٹھا کہ باغی اندر گھس آئے اور حضرت عثمانؓ کا گھیراؤ کر لیا ہے، حضرت علیؓ، حضرت
ر حضرت زبیرؓ کو اطلاع ہوئی تو یہ تینوں حضرات مدینہ کے اور بہت سے لوگوں کی معیت میں مصر، بصرہ اور کوفہ کے وفود
ی الترتیب الگ الگ ملے اور ہر ایک نے پوچھا۔ جب تم لوگ واپس چلے گئے تھے تو پھر دوبارہ کیوں آ گئے؟ ہر وفد کا
ب بس ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ واپس جاتے ہوئے ہم کو ایک نامہ بر ملا جو امیر المومنینؓ کا مصر کے گورنر کے نام ایک خط
ر جا رہا تھا۔ ہم نے نامہ بر کو پکڑ کر اس سے خط چھین لیا اور اب اسے پڑھا تو اس میں گورنر کو حکم دیا گیا تھا کہ مصری وفد کو
پہنچتے ہی گرفتار کر کے ہلاک کر دینا۔ محمد بن ابی بکر کو کسی صورت میں زندہ نہ رہنے دینا۔ لہٰذا ہم اپنے بھائیوں کی مدد
لئے ان کے ساتھ آ گئے ہیں، وفود کا یہ بیان سراسر فریب جھوٹ اور پہلے سے آپس کے ایک سمجھوتہ پر مبنی تھا، چنانچہ
ت علیؓ نے جرح کرتے ہوئے ان سے کہا۔ اے بصرہ اور کوفہ کے لوگو! تم واپسی میں اہل مصر سے کوسوں دور آگے چلے
پھر تم اچانک ہماری طرف مڑ گئے، تو اہل مصر کو جو واقعہ پیش آیا تم کو اس کا علم کیونکر ہوا؟ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ سارا
تم نے اسی وقت بنا لیا تھا جب تم مدینہ آئے تھے۔ حضرت علیؓ کی یہ جرح اس درجہ معقول تھی کہ مفسدین سے اس کا
ب نہ بن پڑا اور کھسیانے ہو کر بولے: اچھا! جیسا آپ سمجھیں! اور آپس میں حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کر کے کہنے
اگر یہ حضرت اس وقت ہم سے علیحدہ ہوتے ہیں تو ہو جائیں، ہمیں ان کی پرواہ نہیں ہے۔ بہر حال یہ لوگ حضرت

Marfat.com

عثمانؓ کے مکان کا گھراؤ ڈال کر پڑ گئے۔ یہ گھیرا شروع میں نرم تھا، حضرت عثمانؓ مسجد میں آتے جاتے اور امامت کرتے تھے اور یہ گروہ بھی آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرتا تھا۔ اسی اثناء میں اس گروہ نے حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہ سے درخواست کی کہ وہ ان کی موجودگی میں خلیفہ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں وہ اس کا انتظام کر دیں۔ دونوں نے ایک دن ظہر کے بعد وقت دربار خلافت سے منظور کرالیا اور ٹھیک وقت پر پہنچ گئے۔ اس موقع پر مفسدین نے حضرت عثمانؓ کو اس طرح سلام نہیں کیا جیسا کہ ایک خلیفہ کو کرنا چاہئے، بہرحال گفتگو شروع ہوئی۔ عبدالرحمٰن بن عدلیس نے مصری وفد کے نمائندہ کی حیثیت سے عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح گورنر مصر کی شکایت کر کے اس کے اور ساتھ ہی دوسرے عمال حکومت کے عزل اور ان کی جگہ خود ان کے پسندیدہ لوگوں کے تقرر کا مطالبہ کیا، حضرت عثمانؓ نے ان کا یہ مطالبہ یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اگر میں تم لوگوں کی خواہش اور پسند کے مطابق ہی عمال کا عزل ونصب کرنے لگوں تو پھر حکومت کا اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہوگا نہ کہ میرے ہاتھ میں۔ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ عبدالرحمٰن بن عدلیس نے مزید کہا: ہم پہلے بھی آئے تھے، مگر صحابہ کی ایک جماعت نے ہم کو آپ کی طرف سے یقین دلایا کہ ہماری شکایات جلد رفع ہوں گی، ہم مطمئن ہو کر (ذی خشب وغیرہ سے ہی) جانے کے لئے واپس ہو گئے، لیکن راستہ میں دربار خلافت کا ایک فرستادہ ملا جو گورنر مصر کے نام سربمہر خط لے جار ہا تھا ہم نے اس شخص سے وہ خط چھین کر پڑھا تو اس میں ہم لوگوں کے قتل کا حکم تھا۔ حضرت عثمانؓ نے قسم کھا کر اس خط سے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ مگر اس گروہ کو اس پر اصرار تھا کہ خلیفہ کا یہ انکار صحیح ہو یا غلط دونوں صورتوں میں خلیفہ عزل کا مستحق ہے اس کے جواب میں امیر المومنین نے فرمایا: میں وہ قمیض ہرگز نہیں اتاروں گا جس کو اللہ نے مجھے پہنایا ہے۔ مصری وفد نے کہا۔ ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک ہم آپ کو خلافت سے معزول یا قتل نہیں کر دیں گے، اگر آپ کے ساتھیوں نے مزاحمت کی تو ہم ان سے جنگ کریں گے، یہاں تک کہ ہم آپ تک پہنچیں، امیر المومنینؓ نے جواب دیا۔ مجھے قتل ہو جانا منظور ہے، لیکن خلافت سے دستبردار ہونا منظور نہیں ہے، رہا تمہارا یہ کہنا کہ تم میرے ساتھیوں سے جنگ کرو گے تو میں کسی شخص سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دوں گا۔ اب گفتگو ختم ہو گئی۔ مصری وفد اور حضرت علیؓ دونوں رخصت ہو گئے۔ جانے والا خط محمد بن ابی بکر نے بہت سے انصار اور مہاجرین کے سامنے پڑھا اور خط کے نیچے مہر خلافت بھی دکھائی۔ حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، اور حضرت سعید رضی اللہ عنہم نے اس خط کو دیکھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی لاعلمی میں تو کسی کو شک نہ ہوا۔ پھر کسی نے تحریر کو پہچان کر کہا یہ تو مروان بن حکم کی تحریر ہے۔ جس پر سب سمجھے کہ یہ مروان کی شرارت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ مروان کو باغیوں کے حوالے کر دیں تا کہ وہ اسے سزا دے سکیں۔ حضرت عثمانؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ واقعی قصوروار مروان ہے تب تک اسے مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا اور جرم ثابت ہونے پر سزا صرف خلیفہ ہی دے سکتا ہے۔ مروان نے اس خط سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ مروان نے حضرت عثمانؓ کو بھرپور یقین دلایا کہ یہ خط مفسدوں نے جعلی بنایا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو عہدہ میر منشی سے علیحدہ کرنے میں تامل کیا اور اس تامل نے تمام صحابہ کرامؓ کو تشویش میں ڈال دیا۔

پہلا حملہ:

حضرت عثمانؓ ایک دن جمعہ کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے، یہاں مصری وفد بھی موجود تھا۔ امامت حسب معمول حضرت عثمانؓ نے کی۔ اس سے فراغت کے بعد آپ منبر پر تشریف لائے اور مصری وفد کی طرف روئے سخن کر کے فرمایا۔ دشمنو! خدا کے قہر وغضب سے ڈرو، اہل مدینہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم لوگ رسول

Marfat.com

ﷺ کی زبان میں ملعون ہو، پس تم لوگوں نے جو خطائیں کی ہیں ان کی تلافی عمل خیر کر کے کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہی یہ ہے کہ وہ حسنات کے ذریعہ سیئات کو محو کرتا ہے۔ امیر المومنین نے یہ فرمایا ہی تھا کہ مسجد کے ایک گوشہ سے حضرت محمدؓ بن مسلمہ بولے۔ بالکل سچ فرمایا آپ نے! میں اس کا گواہ ہوں۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ کا یہ کہنا تھا کہ مصری وفد کے ارکان اور اہل مدینہ میں جھڑپ شروع ہوگئی، مصریوں نے کنکر پتھر اٹھا اٹھا کے پھینکنے شروع کر دیئے، اس پتھراؤ میں حضرت عثمانؓ بھی زخمی ہو کر بے ہوش ہوگئے اور اسی حالت میں آپ کو گھر پہنچایا گیا۔ صحابہ کرام میں سے حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت سعدؓ بن مالک، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت حسنؓ بن علی اور دوسرے حضرات جو موجود تھے۔ انہوں نے مصریوں کو ان کے کردار کی سزا دینے کا ارادہ کیا۔ مصری اس وقت مسجد سے نکل کر جا چکے تھے۔ حضرت عثمانؓ کو خبر ہوئی تو صحابہ کو تاکیداً کہلا بھیجا کہ مصریوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حضرت عثمانؓ کی عیادت اور اس واقعہ پر اظہار افسوس کے لئے آئے۔

محاصرہ:

کم وبیش ایک ماہ تک باغی گروہ پڑاؤ ڈالے پڑا رہا۔ اس اثناء میں حضرت عثمانؓ مسجد میں آتے جاتے اور نماز پڑھاتے تھے لیکن اب باغیوں نے آپ کو مسجد میں آنے جانے سے بھی روک دیا اور ان کا اپنا امیر غافقی امامت کرانے لگا۔ حج کے ایام بھی ختم ہونے کے قریب آرہے تھے، اس لئے ان لوگوں نے سوچا کہ امداد اور حاجیوں کی آمد سے پہلے پہلے انہیں اپنے منصوبہ کی تکمیل کر لینی چاہئے ورنہ ان کو اپنی کامیابی کی کوئی امید نہیں ہوسکتی۔ اسی بناء پر باغیوں نے گھر میں گھس آنے کی کوشش کی، لیکن کاشانہ خلافت میں چھ سو کے لگ بھگ جاں نثار پہرہ دے رہے تھے جن میں اکابر صحابہ وتابعین کے ساتھ حضرت حسنین، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ انہوں نے باغیوں کو اندر گھسنے نہیں دیا۔ باغیوں نے چاہا کہ وہ محاصرہ کو شدید سے شدید تر کر کے امیر المومنین پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالیں اور اس طرح آپ سے خلافت سے دست برداری کا اعلان جلد از جلد کرا دیں، چنانچہ اب محاصرہ اتنا شدید ہوگیا کہ مکان کے اندر سے کوئی شخص باہر اور باہر کا کوئی آدمی اندر نہیں جاسکتا تھا، یہاں تک کہ کاشانہ خلافت میں پانی بھی بند کر دیا گیا۔ ام المومنین حضرت امؓ حبیبہ کو علم ہوا تو حضرت عثمانؓ کی مدد کے لئے روانہ ہوئیں لیکن باغیوں نے نہیں جانے دیا اور ام المومنینؓ کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئے نیز آپ کی سواری کے خچر کو زخمی کر کے گرا دیا۔ چند آدمی جو موقع پر موجود تھے انہوں نے آپؓ کو وہاں سے نکالا۔ مدینہ میں عجیب خوف وہراس اور دہشت کا عالم تھا جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے فساد کے موقع پر ہوتا ہے۔ بہت سے اصحاب خانہ نشین ہوگئے اور کچھ مدینہ چھوڑ کر ادھر ادھر اپنی جاگیر وجائدادوں میں چلے گئے۔ بالکل آخری مرتبہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کی طلب پر کاشانہ خلافت میں جانے لگے تو باغیوں نے راستہ روک لیا اور نہیں جانے دیا، آپ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا کہ جو حالت تم دیکھ رہے ہو امیر المومنین سے جا کر بیان کر دینا۔ ابن سعد کے بیان کے مطابق محاصرہ کرنے والوں کی تعداد نو سو کے لگ بھگ تھی، جن میں سے چھ سو مصری تھے دو سو کوفہ اور سو بصرہ کے لوگ تھے۔ مصریوں کے قائد عبدالرحمٰن بن عدیس، کنانہ بن بشر الکندی اور عمرو بن حمق الخزاعی تھے، کوفیوں کا سردار اشتر نخعی تھا اور بصری گروہ حکیم بن جبلہ العبدی کی زیر امارت تھا۔ کاشانہ خلافت میں جو حضرات مجتمع تھے ان کی تعداد سات سو تھی، اب عراق اور شام کی امدادوں کے مدینہ کے قریب پہنچ جانے کی خبر اڑی تو دونوں طرف سخت ہیجان اور جوش کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ زیدؓ بن ثابت حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور بولے۔ انصار دروازہ پر حاضر ہیں اور عرض کرتے ہیں

Marfat.com

کہ ہم دوبارہ انصار بننے کے لئے حاضر ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ اگر مقصد جنگ کرنا ہے تو میں اجازت نہیں دوں گا۔ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں۔ میرا سب سے بڑا معاون اور مددگار وہ شخص ہوگا جو اپنا ہاتھ اور ہتھیار روکے رہے، حضرت ابوہریرہؓ آئے اور انہوں نے کہا۔ حضرت! جنگ کی اجازت ہے؟ امیر المومنینؓ نے فرمایا۔ ابوہریرہ! کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ تم مجھ کو اور سب لوگوں کو تہ تیغ کردو، انہوں نے جواب دیا نہیں! آپ نے پھر فرمایا۔ اگر تم نے ایک آدمی بھی قتل کیا تو گویا سب کو ہی قتل کر دیا۔ اسی سلسلے میں حضرت عبداللہؓ بن زبیر حاضر ہوئے اور زور ڈال کر حضرت عثمانؓ سے کہا۔ آپ باغیوں سے جنگ کیجئے، خدا کی قسم! اللہ نے آپ کے لئے ان لوگوں سے جنگ کرنا حلال کر دیا ہے، لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو بھی وہی جواب دیا اور جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ بھی آئے اور بولے آپ امت کے امام اور خلیفہ برحق ہیں۔ جو صورت حال اس وقت درپیش ہے اس کے پیش نظر صرف تین صورتیں ہیں، ان میں سے کوئی ایک اختیار فرمایئے۔ ایک یہ کہ آپ کے پاس طاقت کافی ہے، اس کو لے کر نکلئے اور دشمنوں کا مقابلہ کیجئے، آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، دوسری صورت یہ ہے کہ کاشانہ خلافت کے صدر دروازہ پر باغیوں کا ہجوم ہے، اس کو چھوڑ کر ہم عقب میں ایک دروازہ بنائے دیتے ہیں، آپ اس سے نکل کر سواری پر بیٹھ کر مکہ مکرمہ چلئے، وہاں حرم میں لوگ جنگ نہ کریں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عقبی دروازہ سے نکل کر شام چلئے، وہاں معاویہ موجود ہیں اور شام کے لوگ وفادار بھی ہیں، لیکن حضرت عثمانؓ ان تینوں صورتوں میں سے کسی پر راضی نہیں ہوئے اور فرمایا: میں مقابلہ نہیں کروں گا کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ پہلا خلیفہ بننا گوارا نہیں کرسکتا جس کے ہاتھوں امت میں خون ریزی کا آغاز ہوا ہو۔ میں مکہ بھی نہیں جاؤں گا کیونکہ یہ سروہاں بھی خونریزی سے باز نہ آئیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی ہے کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھائے گا، میں وہ شخص بننا برداشت نہیں کرسکتا اور رہا شام جانا! تو وہاں کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہؓ بھی وہاں ہیں لیکن جوار رسول اور دار الہجرت سے جدائی اور دوری کس طرح منظور کرسکتا ہوں۔ یہ آپؓ کے اختیار میں تھا کہ اہل غوغا سے لڑ جاتے، انصار نے لڑنے کیلئے کہلا بھیجا تھا۔ آپ کے آزاد کردہ غلام مدینہ میں ہزاروں تھے اور وہ ذرا اشارہ پاتے تو دشمنوں سے چمٹ جاتے۔ خود اُن کے غیر آزاد غلاموں نے ایک مرتبہ ہتھیار لگا کر دشمنوں سے لڑنا چاہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منع کیا اور اُنہیں اپنے ارادے سے پھرتا ہوا نہ دیکھ یہ فرمایا کہ جو ہتھیار کھول ڈالے گا میری ملکیت سے آزاد ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوٹھے پر سے منہ نکال کر کہا کہ ”تم لوگ عثمانؓ کو اس کنوئیں کا پانی پینے نہیں دیتے جسے خود عثمانؓ نے مسلمانوں کے لئے خرید کر کے وقف کر دیا تھا اور اُس مسجد میں نماز پڑھنے سے روکتے ہو جس کی وسعت خود اُس کے روپے سے ہوئی ہے۔“ لیکن اُنہوں نے کچھ خیال نہ کیا۔

شہادت حضرت عثمان غنیؓ:

باغیوں کو حضرت عثمانؓ کی مدد کیلئے جب دوسرے صوبوں سے فوج کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ طیش میں آگئے، کاشانہ خلافت کے دروازہ کی طرف بڑھے اور آگ لگا دی۔ اندر جو حضرات موجود تھے وہ باہر نکل آئے اور طرفین میں سخت نبرد آزمائی ہوئی، جس میں حضرت عبداللہؓ بن زبیر اور مروان بن حکم کو شدید ضربات پہنچیں۔ کاشانہ خلافت کے پڑوس میں عمرو بن حزم کا مکان تھا۔ اس مکان کی ایک کھڑکی حضرت عثمانؓ کے مکان میں کھلتی تھی۔ جب طرفین میں یہ نبرد آزمائی ہو ہی رہی تھی کہ محمد بن ابی بکر موقعہ پا کر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس کھڑکی میں سے چھلانگ لگا کر کاشانہ خلافت میں گھس آیا۔ حضرت عثمانؓ اس وقت روزہ سے تھے، عصر کے بعد کا وقت تھا۔ آپ کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ آپ کے پاس

Marfat.com

ہوئی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے قرآن مجید کھلا ہوا تھا اور آپ اس کی تلاوت کر رہے تھے۔ اسی عالم میں محمد بن
نے لپک کر امیر المومنین کی داڑھی پکڑ لی اور حد درجہ بدکلامی کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بھتیجے! داڑھی
دے، اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ ہرگز اس کو پسند نہ کرتا۔ محمد ابن ابی بکر یہ سن کر شرمندہ ہو گئے اور وہاں سے
چل دیئے۔ اسی اثناء میں کنانہ بن بشر بن عتاب نے لوہے کی ایک لاٹ اس زور سے ماری کہ عثمانؓ ذوالنورین تیورا
پہلو کے بل گر پڑے۔ اب سودان بن حمران نے تلوار کا وار کیا اور عمرو بن حمق نے سینہ پر بیٹھ کر نیزہ سے مسلسل کئی بار
کیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

نائلہ اپنے شوہر کے بچانے کو بڑھی تھی کہ اُس کی اُنگلیاں قاتلوں کی تلوار سے کٹ گئیں۔ ان کی کٹی ہوئی اُنگلیاں،
ت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون آلودہ کرتے کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق میں پہنچائی گئیں۔ یہ روز جمعہ
یں یا اٹھارہویں ذی الحجہ 35ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتنہ پردازوں کی نیتوں پر نگاہ کرتے ہوئے حضرت حسینؓ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
فاظت کے لئے تعینات کر دیا تھا۔ حضرت طلحہؓ کے بیٹے محمد اور حضرت زبیرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ بھی اسی غرض سے
رضی اللہ عنہ کے گھر کے محافظ بنائے گئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل غفلت سے ہوا۔ تمام لوگ دروازے پر
ں کو اندر گھسنے سے روکنے میں مصروف تھے اور انہیں اندر کی سلامتی پر کوئی شبہ نہیں تھا جب اندر سے صدا آئی حضرت
رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔" یہ خبر سنتے ہی تمام لوگ جمع ہو گئے اور ایک حشر برپا ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
غصے کی حالت میں اس بے خبری اور لاپروائی پر حضرت حسینؓ کو تھپڑ مارا اور حضرت محمد ابن طلحہ اور حضرت عبداللہؓ ابن
بھی بھلا برا کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُس وقت نہایت ہی غصہ میں تھے۔ حضرت طلحہؓ نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا
پ نے حسینؓ کو کیوں مارا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تمہارے نزدیک یہ تھوڑی بات تھی کہ عثمان رضی اللہ
یسا شخص ظالموں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

اس کے بعد باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گھر لوٹ لیا اور پڑوس میں ہونے کی وجہ سے حضرت ابوہریرہؓ
ر بھی لٹ گیا۔ بعض روایات کے مطابق دو دن اور بعض کے مطابق تین روز تک آپؓ کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔
ایات طبری کی ہیں لیکن ابن سعد نے نیار بن مکرم الاسلمی جو خود نماز جنازہ میں شریک تھے ان کی زبانی روایت نقل کی
کہ امیرؓ معاویہ کے دریافت کرنے پر انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین لیلۃ السبت یعنی ہفتہ کی
میں ہوئی ہے۔ ابن سعد نے روایت کو نقل کیا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ صرف چار آدمی تھے جن
نام یہ ہیں، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام، ابوجہم بن حذیفہ اور نیار بن مکرم الاسلمی، یہ حضرات جنازہ البقیع کی طرف
ے۔ جبیر بن مطعم نے نماز پڑھائی اور اس کے بعد البقیع کے پہلو میں ایک نخلستان تھا جو خود حضرت عثمانؓ کی ملکیت تھا۔ اس
جامہ شہادت کے ساتھ جسد اطہر کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ امیر معاویہؓ جب مدینہ آئے تو البقیع اور اس نخلستان کے درمیان
یوار حائل تھی آپ نے وہ دیوار گرا کے اس کو بقیع کا ایک جز بنا دیا۔

ایام جاہلیت اور زمانہ اسلام میں آپ نے نو (9) نکاح کیے مگر تحقیق سے ثابت نہیں ہوتا کہ شہادت کے وقت آپ کی
اج میں کون کون زندہ تھیں۔ ازواج کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔

قیہ بنت رسول اللہ ﷺ   2۔ اُم کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

3-تاجیہ بنت غزوان
4-ام عمر بنت جذب
5-فاطمہ بنت ولید بن عبدالشمس بن مغیرہ
6-اُم البین بنت غنیسہ بن حصیس
7-رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ
8-نائلہ بنت الفرافصہ
9-سریت

محققین کے مطابق حضرت رقیہؓ سے عبداللہ الاصغر پیدا ہوئے۔ تاجیہ سے عبداللہ الاکبر۔ ام عمر سے امان، عمر بیٹے جبکہ ایک بیٹی جن کا نام مریم تھا۔ فاطمہ سے سعید اور ولید دو بیٹے۔ اُم عثمان ایک بیٹی ام البین سے۔ رملہ سے ایک دو بیٹیاں، نائلہ سے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں سریت سے ایک بیٹی پیدا ہوئے۔

❀❀❀❀

Marfat.com

خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علی ؓ آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب کے فرزند تھے۔ حضرت ابوطالب نے اپنے یتیم بھتیجے کی بچپن
کفالت کی۔ حضرت ابوطالب مکہ کے بااثر اور ذی اقتدار لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے ہی آپؐ کو تجارت کے پیشے
روشناس کرایا۔ حضرت خدیجہؓ سے آپ کا نکاح کا خطبہ بھی انہی نے پڑھا۔ بعثت کے بعد آپؐ نے جب اعلانِ نبوت
تو انہوں نے قدم قدم پر آپ کی حمایت ونصرت کا فریضہ سرانجام دیا اور دشمنوں کے ظلم وستم سے آپ کو بچائے رکھا۔

حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ کو قبولِ اسلام اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت
ؓ بن اسد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ پہلی ہاشمی خاتون تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ وہ حضرت ابوطالب کی چچازاد
ں اس مناسبت سے حضرت علیؓ نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔

ینے میں باغیوں کی حکومت:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہونے کے وقت جن لوگوں پر نظریں پڑتی تھیں اب بھی وہی لوگ مرجع
تھے، صرف حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف وفات پا چکے تھے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اس ہنگامہ میں
المومنین ہونے کی جرأت نہ کی۔ باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید تو کر دیا لیکن رائے عامہ کے ردعمل سے گھبرائے اور
کہ کسی طاقتور شخصیت کے پیچھے اپنے آپ کو چھپائیں۔ اس موقع پر سب سے ممتاز شخصیت حضرت علیؓ کی تھی۔ سب
، پہلے انہی کے پاس آئے لیکن وہ گوشہ نشین ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ یہی حال حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا تھا۔
ا پر وہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پہنچے۔ انہوں نے بھی انکار کر دیا پھر وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے
ں بھی انکار ہی ملا۔ اس پر وہ گھبرائے کہ اگر ہم اپنے ہموطنوں کو ان حالات میں چھوڑ کر واپس چلے گئے تو ہماری خیر نہیں۔
ا پر بزدلوں کی طرح انہوں نے کمزوروں پر دباؤ ڈالا اور اہل مدینہ کو دھمکی دی کہ ہم تمہیں تین دن کی مہلت دیتے ہیں۔
تم کسی موزوں شخص کو خلافت قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکے تو ہم حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور بکثرت دوسرے
وں کا قتل عام کریں گے۔ یہ طریقہ کارگر ہوا اور اہل مدینہ حضرت علیؓ سے اصرار کرنے لگے۔ وہ انکار پر ڈٹے رہے پھر وہ
نرت طلحہؓ پھر حضرت زبیرؓ کے پاس گئے اور ان کے انکار پر مکرر حضرت علیؓ ہی کے پاس آ کر رونے لگے۔ اہل مدینہ کی گریہ و
ری پر حضرت علیؓ نے معذرت پر اصرار کرتے ہوئے کہا: "تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں تمہاری بات مان لوں تو
ہیں اپنی مرضی کے مطابق چلاؤں گا اور کسی کی بات یا عتاب کی پرواہ نہیں کروں گا۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو تم میں ایک فرد کی
رح رہوں گا، اور جس کو تم امیر بناؤ گے اس کا شاید تم سب سے زیادہ مطیع اور وزیر رہوں گا۔ یہ بات تمہارے ہی لیے زیادہ
تر ہے۔" سب نے کہا: "ہمیں آپ کی شرطیں منظور ہیں۔" اس پر فرمایا: "اچھا تو کل مجمع عام میں بیعت ہوگی۔"

یعت خلافت:

دوسرا دن جمعہ کا تھا۔ اطلاع ملنے پر لوگ سویرے ہی سے مسجد میں جمع ہونے لگے۔ حضرت علیؓ تشریف لائے، منبر

Marfat.com

پر چڑھے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر پوچھا: ''حضرات! میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ یہ (خلافت) تمہارا حق ہے جس کے تم سپرد کرو اس کے سوا کسی اور کو اس پر حق نہیں ہوگا۔ کل ایک سمجھوتے پر ہم نے باتیں ختم کی تھیں۔ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں (بیعت کے لیے) یہاں بیٹھتا ہوں، ورنہ مجھے کسی کے خلاف کوئی رنج نہ ہوگا۔'' اس پر بیعت شروع ہوئی۔ پہلے حضرت طلحہؓ نے پھر حضرت زبیرؓ نے بیعت کی۔ اس کے بعد ان لوگوں کو لایا گیا جو پیچھے رہ گئے تھے۔ اس سے مراد عام حضرت عبداللہ بن عمرؓ، زیدؓ بن ثابت، اسامہ بن زیدؓ اور صہیبؓ وغیرہ ہیں جو فتنے کے زمانے میں غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے۔ حضرت سعدؓ ابن وقاص، حضرت عبداللہؓ ابن عمر، حضرت محمدؓ بن مسلمہ اور حضرت اسامہؓ ابن زید نے فوری بیعت نہ کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو طلب کیا۔ حضرت عبداللہؓ ابن عمر نے صاف لفظوں میں کہا کہ مسلمانوں میں خونریزی کے سامان مہیا ہیں۔ حضرت سعدؓ ابن وقاص نے کہا کہ مجھے بیعت کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے لیکن مجھ سے نہ ہوگا کہ تمہارے حکم سے مسلمانوں پر تلوار چلاؤں اور اسی کے قریب قریب سب کا جواب تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خلیفہ کے بغیر چارہ نہیں اور خلیفہ کا حکم ماننا بھی ضرور ہے۔ مجھے نہیں تو کسی اور کو منتخب کرو۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ ہم اس بات پر بیعت کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کو قریب اور بعید، قوی اور کمزور سب پر نافذ کیا جائے۔ حضرت علیؓ نے ان سے اس پر بیعت لی۔ پھر عوام الناس اٹھے اور بیعت کی۔ بیعت کی رسم ختم ہونے کے بعد حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ ان کے پاس آئے اور قاتلین حضرت عثمانؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت علیؓ نے کہا، فی الوقت ان (باغیوں) کے پاس بڑی قوت ہے اور ان کے خلاف فی الحال کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر حضرت زبیرؓ نے کہا: ''مجھے کوفہ کا والی بناؤ میں وہاں سے فوجیں لے کر آتا ہوں۔'' اسی طرح حضرت طلحہؓ نے کہا: ''مجھے بصرے کا والی بناؤ تاکہ میں وہاں سے فوجیں لا کر ان خوارج اور جاہل بدوؤں کے مقابلے کے لیے قوت حاصل کروں۔'' حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں غور کروں گا۔ اور یہ بھی کہا کہ اس وقت تم لوگوں کا مدینہ سے باہر جانا مناسب حال نہیں ہے۔ تم سے یہاں مجھے ہر طرح کی مدد ملے گی۔

قاتلین حضرت عثمانؓ کی تفتیش:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت قبول کرنے کے بعد سب سے پہلے مروان کو طلب کیا لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ حضرت نائلہ زوجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قاتلوں کی بابت پوچھا گیا تو اُس نے دو نامعلوم الاسم شخصوں کے بارے میں بتایا اور محمد بن ابی بکر کی نسبت یہ انہوں نے صاف شہادت دی کہ وہ قتل سے پہلے مکان سے باہر ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کے قانون میں قصاص کے لئے دعویدار کا ہونا ضرور ہے۔ حضرت نائلہ کے سوا دوسرا دعویدار نہ تھا اور حضرت نائلہ کسی کا نام بتا سکتی نہ تھی۔ قاتل کا خود پتہ لگانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کام تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مختلف مواقع پر یہ ظاہر بھی کیا کہ قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سخت برتاؤ کیا جائے گا۔ لیکن قاتل عثمان رضی اللہ عنہ کی سُراغ رسانی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دل و جان سے متوجہ ہونا موجودہ فساد کے اور پھیلنے کا سبب ہوتا اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصلحت وقت پر نظر کر کے کسی دعویدار خون کے پیدا ہونے تک کارروائی روک دی۔

عمال کی برطرفی:

حضرت علیؓ نے عہد عثمانی میں جن عمال کے خلاف شکایات سن رکھی تھیں، انہیں برطرف کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ لوگوں کی جملہ شکایات کا ازالہ کیا جا سکے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مشورہ دیا کہ سارے پرانے عمال کو امن قائم

ہونے تک ان کی خدمتوں پر بحال رکھا جائے، خاص طور پر حضرت امیر معاویہؓ کو شام کے صوبے پر۔ حضرت علیؓ نے اس پر بات کو پسند نہ فرمایا۔ پھر شام کی گورنری حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو پیش کی، مگر انہوں نے انکار کیا، تو سہل بن حنیف کو وہاں کا گورنر نامزد کر کے بھیجا، مگر حضرت امیر معاویہؓ کی سوار فوج کے رسالے نے مقام تبوک ہی سے انہیں پسپا کر دیا۔ مصر پر قیس بن سعد کو نامزد کیا، مگر وہاں والوں نے اسے نہ مانا۔ اہل بصرہ نے بھی گورنر کو قبول نہ کیا۔ حضرت عمارہ بن شہاب کو کوفہ بھیجا تو راستے میں حضرت طلحہؓ بن خویلد نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرتے ہوئے ان کو کوفہ جانے سے روک دیا۔ والی کوفہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ نے حضرت علیؓ کو اہل کوفہ کو بھاری اکثریت کی بیعت کا حال لکھ بھیجا۔ پہلے پہل خود اہل مکہ نے بھی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا، غرض ہر طرف انتشار پھیل گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاکموں کا جو انتظام کیا اور اس کی تفصیل یہ ہے:

1- عبداللہ ابن عباس کو یمن کا حاکم کیا۔
2- سماحا بن عباس کو تھامہ کا حاکم کیا۔
3- عون بن عباس کو یمامہ کا حاکم کیا۔
4- سعید بن عباس کو بحرین کا حاکم کیا۔
5- قثم بن عباس کو مکہ کا حاکم کیا۔
6- عمارہ بن ہشام کو کوفہ کا حاکم کیا۔
7- قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کا حاکم کیا۔
8- سہل بن حنیف کو شام کا حاکم کیا۔
9- عثمان بن حنیف کو بصرہ کا حاکم کیا۔

حضرت عبداللہؓ ابن سعد ابن ابی سرح مصر کا عامل اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی تھا۔ اہل مصر اُس سے ناراض تھے۔ قتل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اُس نے اپنا مصر میں رہنا مناسب نہ سمجھ کر شام کا رُخ کیا اور مصر کو یوں ہی چھوڑ دیا۔

جنگ جمل:

عوام نے حضرت علیؓ سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر لی تھیں لیکن دن گزرتے گئے اور قاتلین حضرت عثمانؓ کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہونے سے ان کی مقبولیت روز بروز متاثر ہوتی گئی۔ اس پر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ مکہ مکرمہ چلے گئے اور امہات المومنینؓ سے کہا ہم حضرت عثمانؓ کا بدلہ لیں گے حضرت طلحہؓ کا بصرہ میں بڑا اثر تھا۔ انہوں نے وہاں کا قصد کیا تو حضرت عائشہؓ نے بھی ساتھ جانے پر رضامندی ظاہر کی مگر بعد میں حضرت عائشہ کو بصرے جانے پر ہمیشہ افسوس رہا۔ حضرت حفصہؓ بھی آمادہ تھیں لیکن ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روک دیا۔ باقی حضرات بصرے روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کے بصرے جانے میں وہاں کے خزانے اور چھاؤنی کی اہمیت کے باعث خانہ جنگی کا خطرہ محسوس کیا اور مدینے سے روانہ ہوئے کہ ان سے پہلے خود بصرے پر قبضہ کر لیں۔ عبداللہ بن سبا بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کے ہمراہ بصرے روانہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے والی کوفہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو کمک روانہ کرنے کا حکم دیا۔ مگر صریح احادیث نبوی کی موجودگی میں وہ خانہ جنگی روکنے کے لیے اپنے علاقے کے رضا کاروں کو باہر نہ جانے کی تاکید

Marfat.com

کرتے رہے، حتیٰ کہ جب حضرت امام حسنؓ نے جامع مسجد میں آکر لوگوں کو ساتھ چلنے کا مشورہ دیا تو بھی وہ اپنی امن پسندی پر قائم رہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے انہیں فوراً ولایت کوفہ سے معزول کر دیا۔ انہوں نے کوئی مخالفت نہ کی بلکہ خاموشی کے ساتھ معزول ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت علیؓ بھی عراق پہنچے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ بھی۔ جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو بہت سے سربرآوردہ مسلمان اس خانہ جنگی کو روکنے کی کوشش کرنے لگے۔ واقعہ یہ ہے کہ دونوں طرف بہت سی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں تھیں۔ حضرت علیؓ خیال کر رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ ان کے شخصی مخالف ہیں۔ فریق ثانی کو گمان تھا کہ حضرت علیؓ کا شہادت حضرت عثمانؓ میں ہاتھ ہے جس کی وجہ سے وہ ان کے قاتلوں کو سزا نہیں دے رہے تھے۔ جب غیر جانبدار بیچ میں پڑے تو غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور مصالحت مکمل ہو گئی، ابن سبا اور اس کے ساتھی گھبرائے کہ اب ان کی خیر نہیں۔ اس پر رات گئے اس گروہ نے حضرت عائشہؓ کے پڑاؤ کی طرف سے آکر حضرت علیؓ کی غافل اور مطمئن فوج پر ہلہ بول دیا۔ حضرت علیؓ نے فطرۃً گمان کیا کہ حضرت طلحہؓ وغیرہ نے غداری کی ہے۔ جب انہوں نے مدافعت میں جوابی حملہ کیا تو اب حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ کو بھی اس قسم کا گمان ہوا اور جلد ہی دونوں فوجیں گتھ گئیں۔ حضرت عائشہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر پوری جرأت سے معرکہ میں شریک ہوئیں اور اسی لیے اس لڑائی کو جنگ جمل کا نام دیا گیا ہے۔ لڑائی دیر تک جاری رہی۔ اسی اثنا میں حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو پیام بھیجے اور یہ دونوں اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ لڑائی سے کنارہ کش ہو کر میدان سے باہر جانے لگے، لیکن بعض مخالفین نے بظاہر ناواقفیت میں ان کو راستے میں شہید کر دیا۔ ان کے جانے پر فریق ثانی کی فوج کمزور ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھی نامساعد حالات میں بھی انتہائی بہادری سے لڑے مگر آخر مغلوب ہو گئے۔ اصحاب جمل میں سے تیرہ ہزار آدمی مارے گئے جن میں قبیلہ ازدہی کے چار ہزار افراد تھے۔ حضرت علیؓ نے جو فاتح تھے اس موقع پر اسلامی رواداری اور شرافت کا ثبوت دیا۔ میدان سے بھاگنے والوں کے تعاقب سے روکا اور مجروحین کو قتل کرنے سے منع کیا، مزید برآں جنگ کے اختتام پر اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کریں، کسی زخمی کو نشانہ نہ بنائیں اور لوگوں کے گھروں میں لوٹ مار کے لیے داخل نہ ہوں۔

حضرت عائشہؓ کی مدینے روانگی:

حضرت عائشہؓ کے ہودج کو مقتولین کے درمیان سے نکالا گیا اور بحفاظت تمام بصرہ میں عبداللہ بن خلف الخزاعی کے مکان میں پہنچا دیا گیا۔ حضرت علیؓ نے تین دن تک بیرونِ بصرہ میدانِ کارزار میں قیام فرمایا اور اصحاب جمل کا جو سامان ملا، اسے جمع کر کے جامع مسجد بصرہ میں لے جا کر رکھ دیا۔ پھر سوائے ہتھیاروں کے تمام سامان مالکوں کو واپس کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کی پوری عزت و تکریم سے ان کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور دیگر معتمد علیہ لوگوں کی حفاظت میں مدینہ منورہ واپسی کا انتظام فرمایا، حضرت عائشہؓ پہلے مکہ مکرمہ تشریف لے گئیں اور حج میں شرکت کے بعد مدینہ منورہ چلی گئیں۔ حضرت علیؓ ام المومنین کو دور تک الوداع کہنے کے لیے تشریف لے گئے۔ بعد ازاں حضرت علیؓ کے بیٹے تمام دن حضرت صدیقہؓ کے ساتھ چلتے رہے۔ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کے اس حسن سلوک سے بیحد متاثر ہوئیں اس طرح ان دونوں عظیم المرتبت ہستیوں میں باہمی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا۔

حضرت معاویہؓ سے مراسلت:

جنگ جمل کے بعد علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بڑی قوت ہو گئی تھی۔ شام سے شمال اور مشرق جتنے ممالک تھے

Marfat.com

سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں تھے اور مصر بھی ایک طور پر علی رضی اللہ عنہ ہی کے قبضہ میں تھا۔امیر المومنین علی یہ فکر لاحق ہوئی مبادا حضرت معاویہؓ عراق اور فارس پر اپنا تسلط جمالیں۔اس خیال سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فہ کو اپنا دار الخلافت قرار دیا۔اس پہلی فتح پر حضرت علیؓ کی پوزیشن کافی حد تک مستحکم ہوگئی اور حرمین اور عراق کے علاوہ سان آذر بیجان، بلاد الجبل (کوہستان) یمن اور مصر نے بھی ان کی بیعت کر لی چونکہ اس جنگ میں حضرت علیؓ کی ج کو مال غنیمت حاصل کرنے سے روک دیا گیا تھا اس لیے حضرت علیؓ نے اس کی تلافی کے لیے بیت المال سے بطور م پانچ پانچ سو درہم فی کس دیئے۔حضرت علیؓ جب اس جنگ سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اپنی تمام تر توجہ دمشق کے حضرت معاویہؓ کی طرف مبذول کر دی۔ابتدا میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کو جریر بن عبداللہ کے ذریعے ایک مکتوب ال کیا جس میں انہیں اپنی بیعت کرنے کی دعوت دی۔حضرت امیر معاویہؓ نے جواب میں بیعت سے پیشتر قاتلین نؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا۔اس سلسلے میں حضرت علیؓ کی کچھ مجبوریاں تھیں جن کی وجہ سے وہ ان لوگوں کے خلاف ی فوری اقدام کرنے سے معذور تھے،حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ پہلے اپنے خلاف پھیلی ہوئی بغاوت کو ختم کر کے اپنے م مضبوطی سے جمالیں پھر قاتلین عثمانؓ کے خلاف مؤثر کارروائی کریں لیکن مخالف فریق جس میں اکثریت بنوامیہ کی تھی ی قصاص کے مطالبے پر مصر تھا۔اس صورت حال سے شورش پسندوں نے فائدہ اٹھایا۔ادھر حضرت علیؓ کو یقین دلایا امیر معاویہؓ ان کی شخصی مخالفت کر رہے ہیں تو دوسری جانب امیر معاویہؓ کو باور کرایا کہ حضرت علیؓ کی قصاص کے سلسلے میں متول بے معنی نہیں۔یہ غلط فہمیاں تھیں جو ان کے درمیان اختلاف کی خلیج کو وسیع اور گہرا کرتی چلی گئیں اور بالآخر اس کا ہ جنگ صفین کی صورت میں نکلا۔

ین کی روانگی:

جب معاملہ اس طرح نپٹتا نظر نہ آیا تو حضرت علیؓ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور پھر ایک بھاری لشکر کے تھ جس میں ایک روایت کے مطابق اسی بدری صحابہؓ اور ایک سو پچاس حدیبی (تحت الشجرہ بیعت کرنے والے) صحابہ یک تھے،شام کا قصد کیا،حضرت امیر معاویہؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے بھی تیاری کر کے فرات کے ساحلی علاقے میں ام صفین پر پڑاؤ ڈال دیئے،یہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج پہنچ کر خیمہ زن ہوئی اور یہیں وہ تاریخی معرکہ لڑا گیا ے جنگ صفین کا نام دیا جاتا ہے۔دونوں طرف سے فوجیں آگے بڑھنے لگیں۔حضرت علیؓ کے ساتھ نوے ہزار اور رت امیر معاویہؓ کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی۔دونوں فوجیں مقام صفین پہنچ کر تین ماہ بیس دن تک آمنے منے پڑی رہیں اور اس اثنا میں صرف چپقلش ہوئی اور فریقین میں سے قاری حضرات بیچ میں پڑ کر لڑائی روکتے رہے۔ وگ قرآن مجید لے کر دونوں فوجوں کے مابین بیٹھ جاتے اور کسی کو جرأت نہ ہوتی کہ قرآن مجید پڑھنے والوں کو روندتا اجائے۔

گ صفین اور رومی حملہ:

اس اثنا میں خراسان اور ترکستان کی سرحد بظاہر پر امن رہی اور مصر میں بھی بیرونی حملہ کا خطرہ نہ پایا گیا۔رومی نشاہ قسطنطین نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھانا چاہا اور ان علاقوں پر حملہ کرنے کی تدبیریں کرنے لگا جو حضرت علیؓ ے ماتحت تھے۔اس نے اپنی سابق رعایا کو مسلمانوں کے خلاف بغاوت پر ورغلانا چاہا۔شام میں حضرت معاویہؓ کے حسن ظام سے عیسائی رعایا کو مذہبی متعصب رومی حکومت کا جوا دوبارہ گلے میں ڈالنے کی کوئی خواہش نہ تھی۔(اور ایسی

مثالیں صدیوں تک ملتی ہیں کہ غیر فرقے کے عیسائیوں کے ماتحت بننے پر یہ لوگ مسلمانوں کی ماتحتی کو ترجیح دیتے تھے، حتیٰ کہ حروبِ صلیبیہ کے زمانے میں بھی) مگر حضرت معاویہؓ نے اس موقع پر نہایت دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک طرف قسطنطین کو لکھا کہ اگر وہ حملہ کرے گا تو وہ حضرت علیؓ سے صلح کر کے حضرت علیؓ کی فوج کے مقدمۃ الجیش میں رہ کر اس کا مقابلہ کریں گے اور ساتھ ہی اسے پیشکش کی کہ اگر وہ پرسکون رہے تو اسے معقول رقم ''خراج'' میں دیں گے۔ یہ نرم گرم جوڑ توڑ کارگر رہا۔

جنگ صفین:

فریقین میں صف آرائیاں ہوئیں اور بمقام صفین لڑائی شروع ہوگئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے سات ٹکڑے کیے اور ان ٹکڑوں کے سردار مالک ابن اشتر، حجر ابن عدی، شیث ابن ربعی، خالد بن المعم، زیاد ابن النضر، معاویہ بن ریاحی، قیس بن سعد بن عبادہ تھے۔ معاویہ نے بھی اپنی فوج کے سات ٹکڑے کیے جن کے سردار عبدالرحمٰن بن خالد مخذومی، ابوالاعور سلمی، حبیب بن مسلم فہری۔ ذوالکلام حمیری، عبیدالہ بن عمر بن خطاب، بشر بن مالک کندی اور حمزہ بن مالک ہمدانی تھے۔ لڑائی میں ایک شخص آتا تھا اور مبازر طلب کرتا تھا اور جب دھوپ سخت ہوتی تھی تو واپس جاتا تھا۔ جنگ صفین میں جب لڑائی شروع ہوئی تو بالآخر حضرت علیؓ کو غلبہ حاصل ہوگیا اور قریب تھا کہ ان کی فتح پر جنگ ختم ہو جاتی، اس وقت فریق ثانی نے مہلت حاصل کرنے کی ایک جذباتی تدبیر کی۔ قرآن مجید کے کوئی پانچ سو نسخے سپاہیوں نے نیزوں کی نوک پر باندھ کر بلند کیے اور دمشق میں حضرت عثمانؓ کا روانہ کردہ مصحف اعظم بھی جو اتنا بڑا تھا کہ پانچ نیزوں پر باندھا گیا اور اسے پانچ سپاہیوں نے اٹھایا اور مطالبہ کیا کہ فریقین قرآن پر عمل کریں۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ جب انہوں نے مقدمۃ الجیش کے کمانڈر مالک بن الاشتر کو روکنے میں کامیابی حاصل نہ کی تو براہ راست حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ وہ ان کو روکیں۔ حضرت علیؓ کی فوج میں اصل جوش و خروش یمن کے قرار اور خوارج میں تھا اور انہی کی جانبازی سے حضرت علیؓ کو فتح حاصل ہو سکی تھی۔ ان کے اس دیندارانہ مطالبہ کو وہ اب رد نہیں کر سکتے تھے۔ ان کو سمجھانے کی کوشش میں جب وہ کامیاب نہ ہوئے تو مجبوراً مالک بن الاشتر کو ہتھیار روکنے اور واپس آنے کا حکم دے دیا۔

معاہدہ تحکیم:

اشعث بن قیس کندی نے رواداری کر کے اور بیچ میں پڑ کر فریقین میں مصالحت کرا دی۔ وہ مصالحت یہ تھی کہ فریقین ایک ایک حکم نامزد کریں اور دونوں حکم گفتگو کر کے قرآنی احکام کے مطابق فیصلہ سنائیں۔ عہد نامہ لکھا گیا تو فریقین کے ممتاز لوگوں نے اس پر دستخط کیے، اشعث نے بھی حضرت علیؓ کی طرف سے دستخط کرنے کی عزت حاصل کی۔ معاہدہ تحکیم درج ذیل ہے:

(۱) حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور ان کے ہم خیالوں نے باہمی قبول کی ہوئی چیزوں کے تحت فیصلہ کیا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت نبویہ کے مطابق حکم دیا جانا چاہیے۔

(۲) حضرت علیؓ کے فیصلہ کی موجود و غائب (سارے) اہل عراق پر (پابندی) لازم ہے اور حضرت معاویہؓ کے فیصلہ کی موجود و غائب تمام اہل شام پر۔

(۳) ہم نے باہمی رضامندی سے قبول کیا ہے کہ قرآن شروع سے آخر تک جو حکم دیتا ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔ جسے

زندہ کرتا ہے ہم زندہ کریں گے، جسے وہ مار ڈالتا ہے ہم بھی مار ڈالیں گے۔ اسی شرط پر ہم نے باہم فیصلہ کیا ہے اور باہمی رضامندی دی ہے۔

(۴) حضرت علیؓ اور ان کے ہم خیالوں نے حضرت عبداللہؓ بن قیس (ابوموسیٰ الاشعری) کو ناظر اور حکم بنانے پر رضا مندی دی ہے اور حضرت معاویہؓ اور ان کے ہم خیالوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو ناظر اور حکم بنایا ہے۔

(۵) حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں نے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص سے اللہ کا عہد و میثاق و ذمہ اور رسول خدا کا ذمہ لیا ہے کہ وہ قرآن مجید کو اپنا امام بنائیں گے اور اس میں جو چیز لکھی ہوئی ملے اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف نہ جائیں گے اور انہیں جو چیز وہاں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی متحد کنندہ سنت کی طرف رجوع کریں گے اور اس کی عمداً ہرگز نہ خلاف ورزی کریں گے اور نہ اس میں کوئی مشتبہ چیز تلاش کریں گے۔

(۶) حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ سے اللہ کا عہد و میثاق لیا ہے کہ یہ دونوں کتاب اللہ و سنت نبویہ (موجودہ چیز) کے ذریعہ سے جو حکم دیں گے اس کو وہ قبول کریں گے اور انہیں یہ حق نہ ہوگا کہ اس (فیصلہ تحکیم) کو توڑیں اور اس کے خلاف کسی اور چیز کی طرف جائیں۔

(۷) ان دونوں کو تحکیم کے بارے میں جان و مال، بال و پوست اور آل و اولاد کے متعلق امن رہے گا۔ یہ دونوں حق بات سے تجاوز نہ کریں گے، چاہے وہ کسی کو پسند آئے یا ناگوار گزرے۔ ساری امت ان دونوں کی کتاب اللہ میں مندرج اور اس کے مطابق کیے ہوئے فیصلہ کے متعلق، مددگار رہوگی۔

(۸) اگر دونوں حکموں میں سے کوئی تحکیم کے طے ہونے سے قبل فوت ہو جائے تو اسی کی جماعت اور اس کے مددگار اس کی جگہ کسی اور صاحب عدل و صلاح شخص کا انتخاب کریں گے اور اس پر بھی اسی عہد و میثاق کی پابندی لازمی ہو گی جیسا کہ اس (متوفی) رفیق پر تھی۔

(۹) اور اگر اس عہد نامہ تحکیم میں بیان کردہ مدت کے اندر دونوں امیروں (حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ) میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اسی کے ہم خیال ان کی جگہ کسی ایسے شخص کو منتخب کریں گے جس کی عدالت پر وہ رضامند ہوں۔

(۱۰) فریقین پر یہ فیصلہ گفت و شنید اور جنگ بندی نافذ ہوتا ہے۔

(۱۱) اس فیصلہ نے وہ چیز واجب کردی ہے جس کا اس تحریر میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ دونوں امیروں، دونوں حکموں اور دونوں فریقوں پر کیا شرط عائد ہوگی۔ اللہ سب سے زیادہ قریبی گواہ ہے اور اسی کی گواہی کافی ہے۔ اگر دونوں (حکم) اس کی خلاف ورزی اور تعدی کریں تو ساری امت ان کے حکم سے اپنے کو بری قرار دیتی ہے پھر ان کے لیے نہ (حفاظت) کا عہد برقرار رہے گا نہ ذمہ۔

(۱۲) تمام لوگوں کو مدت کے ختم ہونے تک جان و مال و اولاد اور اہل و عیال کے بارے میں امن دیا جائے گا ہتھیار اتار دیئے جائیں گے۔ راستے پر امن رہیں گے۔ فریقین کے غائب (غیر موجود) لوگوں کو بھی وہی (حق) حاصل ہو گا جو حاضر لوگوں کو ہے۔

(۱۳) دونوں حکموں کو حق ہوگا کہ اس مقام پر قیام کریں جو اہل عراق اور اہل شام کے مابین متوسط اور مساوی فاصلے پر واقع ہو۔

(۱۴) ان کے پاس اس کے سوا کوئی نہ جا سکے گا جس کو وہ پسند کریں اور راضی ہوں۔

(۱۵) مدت فیصلہ تا اختتام ماہ رمضان ہے۔ اگر دونوں حکم تحکیم کو اس سے قبل ہی کرنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں اور اگر وہ مدت کے آخر تک تاخیر کرنا چاہیں تو تاخیر بھی کر سکتے ہیں۔

(۱۶) اگر مدت کے آخر تک بھی دونوں حکم کتاب اللہ اور سنت نبویہ کے مندرجات کے مطابق تحکیم نہ کر سکیں تو فریقین اپنی سابقہ حالت پر عود کر آئیں۔

(۱۷) ساری امت پر اس بارے میں اللہ کا عہد و میثاق ہے کہ وہ ہر شخص کہ جو اس بارے میں الحاد، ظلم اور باہمی منافرت پھیلائے گا، خلاف ہو کر ایک ہاتھ بن کر مقابلہ کریں گے۔

تحکیم کی باہمی مشاورت:

حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ ان کی طرف سے ان کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباسؓ یا مالک بن الاشتر کو نمائندہ نامزد کیا جائے، لیکن لوگوں نے کہا کہ ابن عباسؓ غیر جانبدار نہ رہیں گے اور مالک الاشتر ہی فساد کی جڑ ہے اور اصرار کیا کہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ جیسے خدا ترس اور متقی کو جو خانہ جنگی کو روکنے کی ناکام کوشش بھی کر چکے تھے، نامزد کیا جائے چنانچہ حضرت علیؓ کو ماننا پڑا۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کوئی پیشین گوئیوں کی کتاب نہیں کہ اس میں حضرت علیؓ اور ان کے مخالفین یا اس خانہ جنگی کے متعلق کوئی صراحت ملتی۔ مقتول کے ورثاء کو قاتل سے قصاص لینے کا حق ضرور بیان ہوا ہے لیکن جھگڑا اس بات پر نہ تھا کہ قاتلین حضرت عثمانؓ سے کیا برتاؤ کیا جائے۔ دونوں فریق قصاص پر متفق تھے، بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ خلافت کے مستحق اس زمانہ میں حضرت علیؓ ہیں یا امیر معاویہؓ؟ اب قرآن و حدیث سے استنباط اور اجتہاد کا مسئلہ تھا کہ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ نے چونکہ کسی کو ولی عہد نامزد نہیں کیا تھا، اس لیے نئے خلیفہ کا انتخاب کس طرح ہو؟ حکمین کے مجتمع ہونے کے مقام کے متعلق اذرح اور دومۃ الجندل دونوں کا ذکر آیا ہے۔ دونوں حکم پہلے تدمر میں ایک مہینہ رہے۔ باہم بحث بھی ہوئی اور ہر ایک حکم اپنے اپنے امیر کو لکھ کر جوابات حاصل کرتا رہا، پھر تدمر سے دومۃ الجندل جا کر وہاں مہینہ بھر رہے۔ پھر وہاں سے اذرح چلے گئے۔ حکموں نے کبار صحابہؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص وغیرہ سے درخواست کی کہ وہ زحمت کر کے ان سے ملنے آئیں اور مشورے دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حکموں کی اولین ملاقات کے بعد ہی طے ہوا ہوگا، اور اس میں وقت بھی لگا ہوگا کہ دعوت نامہ جائے اور یہ لوگ (غالباً مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ سے) عرب کے شمال میں پہنچ سکیں۔ جب پہلی بار دونوں حکم ملے تو حضرت ابوموسیٰ الاشعری نے ایک طویل تقریر کی اور اسلام کی مصیبت کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ''اے عمروؓ! آؤ، ایسا کام کریں جس کے باعث اللہ مسلمانوں میں الفت پیدا کر دے اور جھگڑوں کو دور کر دے۔'' حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا۔ ''ٹھیک ہے لیکن مناسب ہے کہ بھول نہ جانے کے لیے ہم میں ہر طے شدہ چیز لکھ لی جائے۔'' پھر اپنے کاتب کو بلا کر کہا۔ ''تجھ سے جو چیز کہی جائے اگر اسے ہم دونوں حکم منظور کریں تو لکھ ورنہ نہیں۔'' پھر ایک عبارت لکھوانی شروع کی کہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کا متفقہ فیصلہ ہے شروع میں حمد و صلوٰۃ پھر حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے برحق اور اچھے خلفاء ہونے کا ذکر آیا۔ بعد ازاں یہ کہ حضرت عثمانؓ اجماع امت اور شورائے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے خلیفہ بنے، وہ دیندار مومن تھے، مظلوم قتل کیے گئے اور ان کا خون اللہ کے قریب ترین ولی حضرت معاویہؓ طلب کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ نے کہا کہ حضرت علیؓ کو شامی اور حضرت امیر معاویہؓ کو عراقی پسند نہیں کرتے اس لیے دونوں کو معزول کر کے کسی موزوں شخص کو خلیفہ نامزد کیا جائے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا نام پیش کیا اور حضرت عمروؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرو بن العاص

Marfat.com

کا، حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا۔ عبداللہ بن عمرؓ بھی موزوں تھے لیکن تمہی نے ان کو جنگ میں گھسیٹ کر داغدار کر دیا ہے۔ غالباً اس کے بعد عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ مشاورت کے لیے بلائے گئے کہ حضرت علیؓ و حضرت امیر معاویہؓ کی جگہ کسے چنیں؟ حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا: میں تمہیں خلیفہ بناؤں تو کیا مجھے مصر کا والی بناؤ گے؟" انہوں نے کہا: نہیں۔" بہر حال اس طرح دونوں حکموں میں مہینوں پیچیدہ سیاسی رسّہ کشی ہوتی رہی۔ بالآخر حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص اس بات پر متفق ہو گئے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو معزول کر کے آزادانہ انتخاب کیا جائے، یہ ممکن نہ تھا کیونکہ اس سے سیاسی خلا پیدا ہو جاتا، اور فریقین کی فوج کی موجودگی میں جبکہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ اپنی اپنی خلافتوں کو منوانے پر تلے ہوئے تھے، آزادانہ انتخاب کی فضا پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

تحکیم کا فیصلہ:

تحکیم کا فیصلہ سنانے کے لیے فریقین کے نمائندے جمع ہوئے۔ پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اٹھ کر کہا کہ امت میں دوبارہ اتحاد پیدا کرنے کے لیے بہتر ہے کہ موجودہ دونوں امیدواروں کو معزول کر کے کسی تیسرے انتخاب کیا جائے۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا کہ ابوموسیٰ کو صرف اپنے مؤکل کو معزول کرنے کا حق ہے اور میں اس پر صاد کرتا ہوں۔ رہا میں، میں اپنے مؤکل کو معزول نہیں کرتا بلکہ انہیں برقرار رکھتا ہوں۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں معاہدہ یہ ہوا تھا کہ تحکیم متفقہ ہو تو ان پر اس کی پابندی عائد ہوگی، وہ متفقہ نہ ہو سکی اس لیے ناقابل نفاذ تھی اور جیسا کہ معاہدہ کی شق ۱۶ میں صراحت ہے اس سے حضرت علیؓ کا کوئی نقصان نہ ہوا اور حالت سابقہ عود کر آئی۔ اعلان تحکیم کے بعد ظاہر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سیاست سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشیں ہو گئے۔ حضرت معاویہؓ کی پوزیشن پہلے سے بہتر ہو گئی۔ تحکیم سے ان کو اخلاقی تقویت ملی ہو یا نہیں، جنگ صفین کے بعد کی مہلت میں ان کی فوجی حالت ضرور بہتر ہو گئی۔

حضرت علیؓ کے ہاں اسی زمانے میں پھوٹ پڑ گئی۔ خوارج نے اس نازک عہد میں اتحاد و تعاون کی جگہ ایسے مباحث چھیڑ دیئے جو نہ علمی حیثیت سے معقول تھے اور نہ سیاسی نقطہ نظر سے۔ میدان صفین میں ہی تحکیم نامہ سنتے ہی چند لوگ کہنے لگے "لاحکم الا اللہ اور اس کے خلاف کرنے والا کافر ہے۔" پھر یہ لوگ حضرت علیؓ کی فوج سے نکل کر ہر جگہ فساد کرنے لگے۔ ان کے بعض گروہ حضرت علیؓ نے منتشر کیے تو آخر وہ مقام نہروان میں جمع ہونے لگے۔

جنگ نہروان:

جب صلح نامہ ہو گیا تو طرفین کے لوگ میدان جنگ سے روانہ ہونے لگے۔ ایک گروہ نے اس صلح پر شور مچایا کہ "علی رضی اللہ عنہ نے حکم پر رضامندی ظاہر کی تو وہ مسلمان نہیں رہا۔ جو حکم اللہ دیتا وہی ٹھیک تھا یعنی لڑائی سے فیصلہ کر لیا جاتا۔ علیؓ تم نے اللہ کے حکم کو چھوڑ کر تحکیم کے حکم کو بڑا سمجھا۔ تم نے سخت گناہ کیا۔ جلدی توبہ کرو اور فوج جمع کر کے دمشق کی طرف چلو۔" حضرت علیؓ نے کہا کہ مسلمانوں کی سلامتی کے لیے تو میں نے عہد کیا اب میں کسی طرح سے نقض عہد نہیں کر سکتا۔ وہ حضرت علیؓ سے کہنے لگے۔ "خیر ہم نے معصیت کی اور ہم توبہ کرتے ہیں۔ تم بھی اپنے گناہ کا اقرار کرو اور اس سے توبہ کرو اور پھر لڑنے کیلئے چلو۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے گناہ نہیں کیا تو اقرار گناہ کیا کروں؟" یہ لوگ لشکر اسلامی سے باہر نکل گئے اور خارجی کہلائے۔ ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مسجدوں میں یہ پکارنے لگے کہ حکم اللہ کا ہے دنیا میں کوئی حاکم یا امیر نہیں ہے۔ یہ لوگ حضرت علیؓ یا حضرت معاویہؓ کسی کی خلافت تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان لوگوں کو سمجھانے اور شرعی صورت حال کی وضاحت کیلئے حضرت علیؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کو دومۃ الجندل

Marfat.com

کی طرف بھیجا تو خوارج کے جنون نے پھر زور پکڑا۔ آخر میں یہ لوگ اعتدال سے بہت زیادہ بڑھ گئے۔ جب خوارج کی تعداد 15 ہزار سے کچھ اوپر ہوئی تو انہوں نے کوفہ چھوڑ دیا۔ جب یہ لوگ کوفہ سے نکلے تو عبداللہ ابن وہب کو ان لوگوں نے اپنا سردار مقرر کیا اور اُن کے انداز و اطوار رفتہ رفتہ شدت پسند ہوتے گئے۔ یہ لوگ جا کر نہروان میں ٹھہرے۔ بصرہ کی حکومت عبداللہ ابن عباس کے تعلق تھی اور یہ کسی کام کو کوفہ گئے تھے۔ کوفہ میں یہ خبر پہنچی کہ عبداللہ ابن وہب نے اپنا اثر فوج بصرہ پر بھی پہنچانا چاہا ہے۔ عبداللہ فوراً بصرہ روانہ کیے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصلاح کے مضمون کا ایک خط عبداللہ ابن وہب کے پاس نہروان بھیجا۔ اس کے جواب میں اُس نے کہا کہ ہم لوگوں کے کہنے کو آپؓ نے نہیں مانا اور حکم مقرر کر کے آپؓ بدعت اختیار کی۔ آپؓ اپنے کفر کا اقرار کر کے مسلمان ہوں تو ہی ہم آپ کی بیعت کریں گے۔ امیر المومنینؓ نے یہ جواب سن کر کہا کہ انہیں صرف فساد بڑھانا ہے۔ اس کے بعد خبر آئی کہ خوارج نے فساد پھیلا رکھا ہے۔ مسلمانوں کو کافر کہہ کر بلا وجہ وہ مار ڈالتے ہیں۔ خوارج کو لڑائی پر آمادہ پا کر اُن کے مقابل ہتھیار اُٹھائیں۔ یہ لوگ غیر خوارج مسلمانوں کے دودھ پیتے بچوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے اور ان کا استدلال تھا کہ قرآن مجید کے مطابق حضرت موسیٰؑ کے معلم خضرؑ نے ایک مستقبل کے برے بچے کو پیشگی ہی قتل کر دیا تھا۔ یہ لوگ بے عقل، لیکن بظاہر مخلص اور دیندار تھے۔ حضرت علیؓ نے نہروان میں ان پر حملہ کر کے ان کا قتل عام کیا۔ پہلے خوارج نے حملہ کیا اس کے بعد حضرت علی کی فوج نے تمام خوارج کو جن کی مقدار دس ہزار تھی گھیر لیا اور تہہ تیغ کر کے بے گور و کفن چھوڑ دیا۔ چنانچہ کوئی دس ہزار میں سے بمشکل دس بچ سکے۔ جنگ نہروان 37ھ کا واقعہ ہے۔ مگر سارے خوارج نہروان میں نہ تھے، بعد ازاں بھی ان خارجیوں نے صدیوں مسلمان خلفاء کی نیند حرام رکھی۔

انبار پر شامی قبضہ:

حضرت علیؓ نے جنگ نہروان کے بعد شام جانا چاہا تو فوج کے لوگ سمٹنے لگے اور بمشکل ایک ہزار آدمی باقی رہ گئے۔ اس وقت اطلاع آئی کہ حضرت معاویہ نے شہر انبار پر حملہ کر کے چھاؤنی کے لوگوں کو قتل کر دیا اور اس پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فوجی رضا کار طلب کیے، لوگ پھر بھی نہ آئے۔ اس پر جبراً فوج میں بھرتی شروع کی گئی، ظاہر ہے کہ ایسی فوج کس کام آ سکتی ہے! اس مایوسیؓ کے زمانے میں وہ بعض اوقات بلا اختیار کہا کرتے تھے۔ "وہ بڑا شقی آخر کیا انتظار کر رہا ہے؟" رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی تھی کہ حضرت علیؓ کو ایک بڑا شقی قتل کرے گا۔

معاہدہ امن:

یہ ہنگامہ آرائیاں اور قتل و غارت دیکھ کر حضرت علیؓ نے حضرت امیر معاویہؓ سے کہلا بھیجا کہ شام کے حملے عراق پر اور عراق کے حملے شام پر کب تک ہوتے رہیں گے۔ بہتر ہے کہ شام میں تم رہو اور عراق میں میری حکومت ہو۔ یہ تحریک کس کی جانب سے ہوئی؟ اس میں مؤرخوں نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن یہ سب نے لکھا ہے کہ یہ بات فریقین نے منظور کی۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں طویل خط و کتابت کے بعد 40ھ میں ایک معاہدۂ صلح ہو گیا کہ دونوں میں جنگ رک جائے، حضرت علیؓ کے پاس عراق اور حضرت معاویہؓ کے پاس شام کی حکومت رہے۔ ان دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے علاقے میں فوج لے کر نہ جائے اور نہ لوٹ مار کرے۔ ابن اسحاق کے مطابق جب دونوں میں سے کسی نے دوسرے کی اطاعت (بیعت) منظور نہ کی تو حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا۔ "اگر اس سے تمہیں انکار ہے تو

Marfat.com

راق تمہیں اور شام مجھے اور اس تلوار کو اس امت سے روک اور مسلمانوں کا خون نہ بہا۔" حضرت علیؓ نے اسے قبول کیا اور
ب اس پر راضی ہو گئے۔

بن ابی بکر کا انجام:

38ھ کی ابتدا میں پہلے محمد ابن ابو بکر کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ پہلے لکھا گیا ہے کہ قیس کی جگہ محمد بن ابی بکر کو امیر
منین علی رضی اللہ عنہ نے مصر میں تعینات کیا اور محمد بن ابی بکر نے دشمنوں کو ہزیمت بھی دی۔ مصر میں امیر المومنین علی رضی
عنہ کے خلاف سازش کرنے والا معاویہ بن خدیج تھا۔ جنگ صفین اور فیصلہ تحکیم کے بعد جب اس کو معلوم ہوا کہ اہل
م نے معاویہ کو امیر المومنین کا لقب دے دیا تو اُس نے محمد ابن ابی بکر پر خروج کیا۔ محمد نے امیر المومنین علی سے مدد
ی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مصر میں مالک میں اشتر اور قیس ابن سعد کے سوا دوسرا کام نہیں کر سکتا۔ قیس نے جانا
ں نہیں کیا۔ مالک کی جگہ قیس حاکم جزیرہ مقرر کیا گیا اور مالک مصر کی طرف بھیجے گئے۔ مالک غیر معمولی اور باتدبیر شخص
۔ مالک کی خبر سن کر حضرت معاویہؓ کو سخت تشویش ہوئی۔ اتفاق سے راستے میں مالک انتقال پا گئے۔ مؤرخین نے لکھا
کہ امیر معاویہؓ کی سازش سے ایسا ہوا۔ مالک کی موت نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ پہنچایا۔ آپ نے محمد
لکھا کہ مالک کے مرجانے پر اب کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ جس طرح ممکن ہو وہاں کا انتظام کرو۔" حضرت عمروؓ بن العاص
ہزار سپاہیوں کی جمعیت لے کر شام سے مصر کی طرف چلے۔ معاویہ بن خدیج بھی اپنی ہم خیال جماعت کے ساتھ
ان کے ساتھ ہو گیا۔ محمد بن ابی بکر نے دربار خلافت میں اطلاع بھیجی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو جنگ کی
ب دی تو بمشکل دو ہزار افراد آمادہ جنگ ہوئے۔ حضرت علیؓ نے مالک بن کعب کی قیادت میں یہ کمک مصر روانہ کی۔
ری طرف محمد بن ابی بکر نے کنانہ بشری کو دو ہزار سپاہیوں کی جمعیت دے کر حضرت عمروؓ بن العاص کے مقابلے پر بھیجا۔
یہ بن خدیج نے کنانہ بشری کو لڑائی میں مار ڈالا اور کہا تو ہی نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے گلے پر چھری پھیری
۔ محمد بن ابی بکر کا لشکر تباہ ہو گیا۔ بالآخر محمد بن ابی بکر اپنی جمعیت کو ہمراہ لے کر مقابلے پر نکلا مگر جونہی میدان جنگ
ب آیا تو جمعیت دغا دے گئی اور گنتی کے چند لوگ اس کے ساتھ رہ گئے۔ باعالم مجبوری محمد بن ابی بکر کو راہ فرار اختیار کرنا
۔ وہ وہاں سے نکل کر جبلہ بن مسروق کے گھر میں پناہ گزین ہوا۔ شامی مخبروں نے کھوج لگا لیا اور جبلہ کے گھر کا
رہ کر لیا گیا۔ محمد بن ابی بکر آخری بازی لگانے کیلئے باہر نکلا اور تن و جان سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ معاویہ بن خدیج کو محمد بن
لڑنے سے بیر تھا اسی لئے اس نے اس کی لاش کو گھوڑے کی کھال میں ڈال جلا ڈالا۔

بصرہ کی شورش:

مصر کے ہاتھ سے نکل جانے کے باعث حضرت عبداللہؓ ابن عباس، حضرت زیادؓ ابن ابی سفیان کو بصرہ میں اپنا قائم
م کر کے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی دلدہی کے لئے کوفہ میں آئے اور کہا کہ اب میرا آپ سے الگ رہنا مناسب
نہیں ہے۔ بصرہ میں میدان خالی پا کر حضرت معاویہؓ نے کچھ آدمی بصرہ میں روانہ کیے تا کہ وہاں حضرت علیؓ کی رائے کو
اثر کیا جا سکے اور شامی خلافت کیلئے راہیں ہموار کی جا سکیں۔ بصرہ میں ایک جمعیت ایسی موجود تھی جو قاتلین عثمانؓ کی
ابی میں تاخیر پر ناخوش تھی اور حضرت علیؓ سے مطمئن نہیں تھی۔ یہ لوگ جلد ہی شامی داعیوں کے ہم خیال ہو گئے۔ جب
حریک نے کچھ قوت پکڑی تو دربار شام سے عبداللہ بن عمر الحضرمی کو بصرہ روانہ کیا گیا۔ اہل بصرہ نے زیاد بن ابی
ان سے منہ موڑ کر شامی امیر کا بھرپور خیر مقدم کیا۔ جب اس بغاوت کی اطلاع کوفہ میں حضرت علیؓ کو پہنچی تو انہوں

Marfat.com

نے فوراً اعین بن ضبیعہ کو حالات پر قابو پانے کیلئے بصرہ روانہ کیا۔ اعین کامیاب ہوئے اور شامی داعی ہلاک ہو گئے عبداللہ بن عمر جان بچا کر نکلنا چاہتا تھا۔ وہ ایک گھر میں پناہ گزین ہوا۔ کوفی سپاہیوں نے جوش نفرت میں اس گھر کو آگ لگا دی جس سے وہ اپنے دیگر ساتھیوں سمیت اسی کے اندر جل کر خاکستر ہو گیا۔ اس طرح زیاد بن ابی سفیان کا تسلط شہر بصرہ میں ہوا۔ یہ واقعہ سنہ 38ھ کے اواخر میں پیش آیا۔

سنہ 39ھ کے واقعات

گروہ خوارج نے ایک بار پھر سر اُٹھایا اور فارس و خراساں میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ہدایت کی وہ زیاد بن ابی سفیان کو اس شورش کے خاتمے کیلئے روانہ کریں۔ اصفہان، کرمان، بجستان کی طرف زیاد ان کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا گیا۔ اُس وقت حارث خوارج کا سردار تھا۔ دن بھر لڑائی ہوئی اور رات دشمن پہاڑوں میں گھس جاتے۔ زیاد بصرہ واپس چلا آیا پھر دوسرے لوگ خوارج کی گوشمالی کو تعینات کے گئے۔ خوارج کا سردار حارث مارا گیا۔ اس کے بعد امیر المومنین نے زیاد کو فارس کی طرف بھیجا۔ زیاد نے نہایت سنجیدگی سے ملک کا وصول کر کے امیر المومنین علی کے پاس روانہ کیا اور حضرت علی کو بہت مسرور کیا۔ زیاد کا ملک فارس میں بہت اچھی طرح تسلط ہو گیا۔

مصر پر قبضہ کر کے حضرت امیر معاویہؓ کو یہ فکر ہوئی کہ مختلف مقامات پر فوجیں بھیج کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قوت کو کم کرنا چاہئے۔ حضرت معاویہؓ نے سب سے پہلے نعمان ابن بشیر کو عین التمر کی طرف بھیجا۔ وہاں کا عامل مالک بن کعب مقابلے میں ناکام رہا اور اسے حضرت علیؓ کی طرف سے کمک بھی نہ حاصل ہو پائی۔ جس کے باعث عین التمر قبضے میں چلا گیا۔ سفیان بن عوف کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ مدائن کی طرف روانہ کیا گیا۔ سفیان نے انبار اور دیگر اضلاع سے مال و اسباب لوٹ کر دمشق کی راہ لی۔ حضرت علیؓ کے عامل اسے روکنے میں ناکام رہے۔ حضرت علیؓ خود سفیان کے تعاقب میں روانہ ہوئے مگر وہ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا ان کی پہنچ سے نکل گیا تھا۔ بسر بن ارطاط کو بھاری جمعیت کے ساتھ حجاز و یمن روانہ کیا گیا۔ اہل یمن نے حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی اور عبیداللہ بن عباس کو صنعاء سے نکال دیا گیا۔ حضرت علیؓ پر یہ منکشف ہو چکا تھا کہ کوفی جنگ کے وقت ہمیشہ بے وفائی کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ کی طرف سے ایک امیر موصل کی طرف چلا اور راستے میں حضرت علیؓ کے عامل اسرش بن حسان سے مقابلہ ہوا۔ اسرش بن حسان کے ساتھی تو بھاگ گئے لیکن یہ خود تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ میدان میں قائم رہا اور مارا گیا۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس کی علیحدگی:

سنہ 40ھ کے ابتدا میں بصرہ کے ایک امیر ابوالاسود نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی شکایت دربار خلافت میں روانہ کی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیت المال کے مال کو آپؓ کی اجازت کے بغیر خرچ کر ڈالا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس ضمن میں ابوالاسود کا شکریہ ادا کیا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے وضاحت طلب کی اور ابوالاسود کی بابت بتایا۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب میں لکھا کہ آپؓ کو جو خبر ملی ہے وہ سراسر جھوٹی اور بے بنیاد ہے، میں نے جو مال لیا ہے وہ میری ذاتی ملکیت تھا، اس کا بیت المال سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت علیؓ نے دوبارہ خط لکھا کہ وضاحت کی جائے کہ تمہارے پاس یہ مال کہاں سے آیا تھا؟ اور تم نے اسے کیسے حاصل کیا تھا اور اب تک کہاں رکھا تھا؟ اس خط کے جواب میں حضرت عبداللہؓ نے صرف اتنا لکھا کہ میں ایسی امارت سے باز آیا، آپ جسے مناسب سمجھیں بصرہ کا عامل مقرر کر دیں۔

میں نے جو مال خرچ کیا تھا وہ میرا ذاتی تھا اور میں اسے اپنے اختیار سے خرچ کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ یہ لکھ کر انہوں نے اپنا سامان سفر باندھا اور بصرہ کو چھوڑ کو مکہ مکرمہ جا بسے۔

عقیل بن ابی طالب کی علیحدگی:

چند ہی دنوں بعد حضرت علیؓ کے سگے بھائی عقیلؓ بن ابی طالب بھی کسی معاملے میں حضرت علیؓ سے خفا ہو گئے اور ان کی حدود سے نکل کر حضرت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت معاویہؓ نے انہیں خیر مقدم کہا اور ان کیلئے معقول روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت علیؓ کو اپنے بھائی کے یوں جدا ہونے اور حضرت معاویہ کی معیت اختیار کرنے پر گہرا رنج ہوا۔ اصحاب کی وفاداری کی تبدیلی ایک خطرناک عمل تھا۔ حضرت علیؓ نے اس قضیئے کو ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپؓ نے کوفیوں کو شام پر حملے کیلئے ترغیب دی اور اس مرتبہ کوفیوں پر اس کا گہرا اثر ہوا اور ساٹھ ہزار کوفیوں نے آپؓ کے ہاتھ پر اس امر کی بیعت کی کہ ہم تا زیست آپؓ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ ان ساٹھ ہزار کوفیوں کے علاوہ بھی دیگر اضلاع کے لوگ لشکر میں شامل ہونے لگے۔ سامان حرب مرتب کیا جانے لگا اور حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف بڑی تادیبی کارروائی کو تشکیل دیا جانے لگا۔

عبدالرحمٰن ملجم:

جنگ صفین نے مسلمانوں میں ایک گروہ خوارج کا پیدا کر دیا۔ یہ اگرچہ تمام تر سیاسی اغراض و مقاصد رکھتا تھا، لیکن مسلمانوں کے دوسرے سیاسی فرقوں کی طرح اس کے عقائد بھی دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا سیاسی مذہب یہ قرار دیا تھا ان الحکم الا اللہ یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہیے لہٰذا وہ کوفہ اور دمشق دونوں حکومتوں کے مخالف تھے۔ جنگ نہروان میں صرف نو دس افراد جان بچا پائے تھے۔ ان افراد نے اپنی قوت کو از سر نو تشکیل دیا اور اپنے عقائد کی ترویج کے ساتھ ایک بار پھر بڑا گروہ بنا لیا۔ ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو بار بار زک پہنچانے کی کوشش کی مگر انہیں کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں حاصل ہوئی۔ سنہ 40ھ میں مکہ میں بیٹھ کر خارجیوں نے ایک سازش کی۔ تین آدمیوں نے بیڑا اٹھایا کہ پوری تاریخ اسلام بدل دیں گے اور انہوں نے بدل دی۔ عمرو بن بکر تمیمی نے کہا۔ ''میں حاکم مصر عمرؓو بن العاص کو قتل کر دوں گا، کیونکہ وہ فتنہ کی متحرک روح ہے۔'' برک بن عبداللہ تمیمی نے کہا: ''میں معاویہؓ بن ابوسفیان کو قتل کر دوں گا، کیونکہ اس نے مصر میں قیصریت قائم کی ہے۔'' عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے کہا۔ ''میں علیؓ کو قتل کر دوں گا۔'' ان ہولناک مہموں کے لیے 17 رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی۔ مکہ سے چل کر عبدالرحمٰن کوفہ پہنچا۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ عبدالرحمٰن ان کے ہاں آتا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ کے بعض اصحاب کو بھی اس سازش کا پتہ چل گیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے؟ چنانچہ ایک دن آپؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر عرض کی۔ ''ہوشیار رہئے کیونکہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپؓ کے قتل کی فکر میں ہیں۔''

شہادت:

رمضان 40ھ میں بوقت نماز فجر عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علیؓ کو زہر آلود خنجر مارا جس کے صدمہ سے آپ دو تین روز کے بعد جان بحق تسلیم ہوئے۔ صورت قتل کی یوں ہے کہ خوارج جو آخر آخر کہتے تھے کہ حکم اللہ کا ہے امیر المومنین کی ضرورت نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم کوفہ کی مسجد میں بیٹھا۔ برک ابن عبداللہ دمشق کی مسجد میں اور عمر ابن ابی بکر تمیمی مصر

Marfat.com

کی مسجد میں جا کر چھپا۔ عمر تمیمی نے تو حضرت عمروؓ بن العاص کے دھوکے میں خارجہ بن حبیبہ کو مار ڈالا کیونکہ اس حضرت عمروؓ بن العاص، خرابی طبیعت کی وجہ سے مسجد میں نہیں آئے تھے۔ برک کی تلوار حضرت معاویہؓ پر اوچھی پڑی۔ کچھ ہی دنوں بعد حضرت معاویہؓ صحت یاب ہو گئے۔ ابن ملجم کی تلوار سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو زخم کاری لگا اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زخم کھاتے ہی کہا: "فزت و رب الکعبه"۔ آپ کی زندگی ایسی کش مکش میں تھی کہ موت کو آپ فائز المرامی سے تعبیر کرنے کی وجہ رکھتے تھے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں دفن کیا۔ لیکن غیر معروف مقام پر تا کہ بنو امیہ کے ہوا خواہ یا اُن کفار اور یہود کے ورثاء جو لڑائی میں آپ کے ہاتھوں سے قتل ہوئے تھے۔ نعش سے بے ادبی نہ کریں۔ مشہور ہے کہ آپ نے اسی مضمون کی وصیت بھی کی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے آخری ساعتوں میں ارشاد فرمایا: "اگر تم میرے قاتل سے قصاص لینے ہی پر اصرار کرو تو چاہئے کہ اسے اسی طرح ایک ضرب سے مارو۔ جس طرح اس نے مجھے مارا، لیکن اگر معاف کر دو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، دیکھو زیادتی نہ کرنا، کیونکہ خدا تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔" پھر آپ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ نے حاضر ہو کر کہا: "خدانخواستہ اگر ہم نے آپ کو کھو دیا تو کیا حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں؟" آپ نے جواب دیا۔ "میں تمہیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو۔" دوبارہ اصرار کیا گیا کہ حسن کو اپنا خلیفہ کر جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اتنا بڑا بار میں اپنے سر پر نہیں لے سکتا اور یہ کہا کہ میں خود اپنے حال میں مشغول ہوں، تم لوگ جو مناسب سمجھو کرو۔ اس سے ضمناً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رضامندی پائی گئی اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بعد کوفہ میں حضرت حسن امیر المومنین ہوئے۔

حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ کی وفات کے بعد آٹھ عقد کئے۔ آپ کے ہاں چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عباسؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت محمدؓ بن حنفیہ نے شہرت پائی۔ باقی اولاد کے بارے میں تاریخ کے ابواب خاموش ہیں۔

خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ

حسن نام، ابو محمد کنیت، رسول اللہ ﷺ کے بڑے نواسے، حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے پہلے صاحبزادے ہیں۔ ۱۵ رمضان ۳ھ/ کیم اپریل ۶۲۵ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت علیؓ نے حرب نام رکھا تھا، مگر رسول اللہ ﷺ نے بدل کر حسن رکھا۔ ان کی کنیت ابو محمد بھی آنحضرت ﷺ نے تجویز فرمائی، لیکن اس نام کا ان کا کوئی فرزند نہ تھا۔ حضرت حسنؓ کو حضرت ام الفضلؓ نے اپنے بیٹے قثمؓ کے ساتھ اپنا دودھ پلایا تھا۔ یوں حضرت قثمؓ رشتے میں حضرت حسنؓ کے چچا ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھے۔ حضرت ابوبکر ثقفی فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ منبر پر تھے اور حسنؓ آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ آپ ایک مرتبہ لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور ایک مرتبہ حسنؓ کی طرف، اسی حال میں فرمایا "یہ میرا بیٹا ہے اور امید ہے کہ خدا اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔" حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ کوئی شخص حضرت حسن بن علیؓ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب دیوان (دفتر) اور بیت المال قائم کیا اور مسلمانوں کے لئے علی قدر مراتب سالانہ وظیفے مقرر ہوئے تو سب سے زیادہ رقم ان بزرگوں کے لیے تجویز ہوئی جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت حسنؓ اور

Marfat.com

حسینؓ اگرچہ غزوۂ بدر کے وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے، تاہم حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وہ دونوں بھی بدری صحابہ کے برابر پانچ پانچ ہزار درہم وظیفہ پاتے تھے۔ اس دیوان میں پہلا نام حضرت عباسؓ کا، دوسرا حضرت علیؓ اور تیسرا حضرت حسنؓ کا تھا۔ حضرت عثمانؓ کا برتاؤ بھی حضرت حسنؓ کے ساتھ شفقت آمیز تھا۔ ان کے عہد خلافت میں وہ جوان ہو چکے تھے، اس لیے مجاہدات میں بھی شریک ہوتے، چنانچہ 30ھ میں سعید بن العاصؓ کی ماتحتی میں طبرستان پر فوج کشی ہوئی تو حضرت حسنؓ نے بھی اس میں حصہ لیا۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنے کا طوفان اٹھا اور باغیوں نے مدینہ منورہ میں ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے متعین کر دیا۔ اس مدافعت میں حضرت حسنؓ زخمی بھی ہوئے، سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا۔ باغی اس دروازے سے داخل نہ ہو سکے جہاں حضرت حسنؓ کا پہرہ تھا، تاہم وہ ایک دوسری دیوار پھاند کر اندر پہنچ گئے اور حضرت عثمانؓ کو بہ حالت تلاوت قرآن پاک شہید کر دیا۔

حضرت علیؓ کی بیعت کے بعد جنگ جمل پیش آئی۔ جب یہ اطلاع مدینہ منورہ میں پہنچی کہ حضرت عائشہؓ کی جماعت جس میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی شامل تھے، مکہ معظمہ سے عراق کی طرف روانہ ہو گئی ہے تو حضرت علیؓ بھی عراق کے قصد سے روانہ ہوئے اور حضرت حسنؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو پیشتر کوفے بھیج دیا۔ صحیح بخاری سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ مسجد کوفہ میں منبر کے سب سے اونچے مقام پر تھے اور حضرت عمارؓ ان سے نیچے کھڑے تھے اور انہوں نے تقریر کی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد کے لیے آمادہ کریں۔ تاریخ کی کتابوں میں مزید تفصیلات ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت حسنؓ نو ہزار چھ سو پچاس کوفیوں کو ساتھ لے کر ذی قار پہنچے جہاں حضرت علیؓ ٹھہرے ہوئے تھے۔ جنگ جمل میں شرکت کے ذکر کے سوا حضرت حسنؓ کے متعلق مستند روایات میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ اس کے بعد 37ھ میں جنگ صفین پیش آئی۔ اس میں بھی بجز شرکت کے کوئی خاص عملی حصہ مستند روایات سے ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ التوائے جنگ کے لیے عہد نامہ لکھا گیا تو اس کے ایک شاہد حضرت حسنؓ بھی تھے۔

بیعت خلافت:

حضرت علیؓ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد کوفے کی مسجد جامع میں حضرت حسنؓ کے لیے بیعت خلافت ہوئی۔ سب سے پہلے قیس بن سعد انصاری نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور محلین سے جنگ پر آپ سے بیعت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: ''کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کافی اور تمام شرائط پر حاوی ہے۔'' قیس بنؓ سعد کی بیعت کے بعد تمام اہل عراق نے بیعت کی اور رمضان 40ھ میں حضرت حسنؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ نے خطبہ دیا۔

> ''لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ لڑائیوں میں اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر بھیجتے تھے۔ وہ کسی جنگ میں ناکام نہ لوٹا، میکائیلؑ و جبرئیلؑ چپ و راست اس کے جلو میں ہوتے تھے۔ اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے، سونے چاندی کا ایک ذرہ نہیں چھوڑا۔ یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لیے جمع کیے تھے۔''

جنگ مدائن:

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہی سے حضرت امیر معاویہؓ والیٔ شام کے دل میں عالم اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تھی۔ اس کے لیے انہوں نے جنگ بھی کی، لیکن حضرت علیؓ کی زندگی میں ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ حضرت حسنؓ بڑے

Marfat.com

نرم خو، متحمل مزاج، صلح جو اور امن پسند تھے۔ جنگ وجدال سے آپ کو طبعی نفرت تھی، حضرت امیر معاویہؓ کو اس کا اندازہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے فوراً عراق پر فوج کشی کر دی اور ان کا مقدمۃ الجیش عبیداللہ بن عامر کی قیادت میں عین التمر ہوتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا۔ حضرت امام حسنؓ کو شامی فوج کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ نے قیس بن سعد انصاری کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے آگے بھیج دیا اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوئے۔ طبری کا بیان ہے کہ عراقی فوج کے مدائن پہنچنے کے بعد کسی نے مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد قتل کر دیئے گئے۔ یہ خبر اڑتے ہی عراقی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ لوگوں نے حضرت حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور جس دری پر آپ بیٹھے تھے اسے چھین لیا۔ ساباط پہنچ کر آپ کو اپنی فوج کی کمزوری اور جنگ سے پہلوتہی کا اندازہ ہوا۔ اس لیے آپ وہیں رک گئے اور فوج کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی: ''لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں۔ میں تم لوگوں کے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اسے مسترد نہ کرو گے۔ جس اتحاد و یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو، وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے افضل و بہتر ہے۔ تم چاہتے ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلوتہی کر رہے ہیں اور کمزوری دکھا رہے ہیں اس لیے میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا۔''

یہ خیالات سن کر لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ خارجیوں کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی۔ انہوں نے کہا حسنؓ بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے۔ ان میں سے کچھ آدمیوں نے آپ کا مصلیٰ اور کپڑے چھین لیے۔ ان کا نرغہ دیکھ کر آپ گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی۔ انہوں نے دوڑ کر خارجیوں کو ہٹایا اور آپ ساباط سے مدائن روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے جو آپ کی تاک میں چھپا ہوا تھا لپک کر حملہ کر دیا۔ آپ کی ران میں زخم آیا، خارجی پکڑ کے قتل کر دیا گیا اور حضرت حسنؓ مدائن میں داخل ہو گئے اور زخم بھرنے تک یہیں مقیم رہے۔ زخم اچھا ہونے کے بعد دوبارہ شامی فوج کے مقابلہ کے لیے جو عبیداللہ بن عامر کی ماتحتی میں مدائن کے قریب پڑی ہوئی تھی، نکلے۔ اس درمیان میں امیر معاویہؓ بھی فوجیں لے کر انبار پہنچ چکے تھے۔ اس وقت حضرت حسنؓ نے اندازہ فرما لیا کہ دونوں میں سے کسی فریق کی شکست اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دوسرا فریق برباد نہ ہو جائے۔ یہی امر صلح کا محرک ہوا اور حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کو صلح کے لیے لکھا۔

معاہدہ صلح و دستبرداری خلافت:

حضرت حسنؓ، حضرت عمرو بن سلمۃ الارجبی کو حضرت معاویہؓ کے پاس اسی غرض کیلئے بھیجا۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہؓ اور عبداللہ بن عامرؓ کو حضرت حسنؓ کے پاس بھیجا۔ دونوں نے حضرت حسنؓ کی شرطیں مان لیں، پھر حضرت معاویہؓ اور حضرت حسنؓ ساتھ ساتھ کوفے میں داخل ہوئے۔ حضرت حسنؓ قصر میں اترے اور حضرت معاویہ نخیلہ میں۔ صحیح البخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت حسنؓ کی فوج پہاڑوں کے مانند حضرت معاویہؓ کی طرف بڑھی تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ سے کہا: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ایسا لشکر ہے جو اس وقت تک پیٹھ نہ پھیرے گا جب تک اپنے اقران کو قتل نہ کر لے گا۔'' حضرت معاویہؓ نے کہا: ''اگر یہ لوگ انہیں اور وہ انہیں قتل کر دیں تو میری طرف سے لوگوں کے معاملات کا نیز ان کی عورتوں اور بچوں کا ذمے دار کون ہوگا؟'' اس وقت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ اور عبداللہ ابن عامر کو حضرت حسنؓ کی طرف بھیجا گیا شرائط صلح مندرجہ ذیل تھیں۔

(۱) کوئی عراقی محض بغض و کینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائے گا۔

Marfat.com

(۲) سب کو بلا استثناء امان دی جائے گی۔
(۳) صوبۂ اہواز کا کل خراج حضرت حسنؓ کے لیے مخصوص کر دیا جائے گا۔
(۴) حضرت حسینؓ کو دو لاکھ درہم سالانہ الگ دیئے جائیں گے۔
(۵) صلات وعطیات میں بنو ہاشم کو بنو امیہ پر ترجیح دی جائے گی۔

حضرت حسنؓ نے یہ شرطیں عبداللہؓ بن عامر کے حوالے کیں اور انہوں نے حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجیں۔ حضرت معاویہؓ نے تمام شرطوں کی منظوری کا خط لکھ کر اپنی مہر لگائی اور معززین وعمائد کی شہادتیں لکھوا کر کاغذ حضرت حسنؓ کے پاس واپس بھیج دیا۔ ابن الاثیر کے نزدیک واقعے کی صورت یہ ہے کہ ادھر حضرت حسنؓ نے شرائط نامہ حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا، ادھر حضرت معاویہؓ نے سادے کاغذ پر مہر لگا کر اسے حضرت حسنؓ کے پاس بھیج دیا کہ جو شرطیں چاہیں لکھ لیں وہ سب منظور کر لی جائیں گی۔ الطبری کے بیان کے مطابق اس مضمون کی ایک تحریر بھی سادہ مہر زدہ کاغذ کے ساتھ بھیج دی گئی تھی۔ جب حضرت حسنؓ کی شرطیں حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچیں تو انہوں نے لبیک کہا۔ ساتھ ہی کہا کہ دس آدمیوں کو امان نہ دوں گا۔ حضرت حسنؓ نے استفسار کیا تو کہا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ قیس بن سعد پر قابو پاؤں گا تو اس کے ہاتھ اور زبان کٹوا دوں گا۔ اس پر حضرت حسنؓ نے لکھا کہ میں اس صورت میں کبھی مصالحت نہ کروں گا چنانچہ حضرت حسنؓ کی بات مان لی گئی۔ مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد امیر معاویہؓ کے دست راست حضرت عمرو بن العاصؓ نے انہیں مشورہ دیا کہ حسنؓ سے مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان کرا دو تاکہ لوگ خود ان کی زبان سے سن لیں۔ حضرت امیر معاویہؓ کو معلوم تھا کہ حضرت حسنؓ اپنی خوشی سے دستبردار ہوئے اور ان کی جانب سے آئندہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس لیے انہیں یہ پسند نہ تھا مگر حضرت عمرو بنؓ العاص کے اصرار سے مجبور ہو کر انہوں نے حضرت حسنؓ سے دستبرداری کے اعلان کی درخواست کی۔ آپ کو کیا عذر ہو سکتا تھا، آپؓ نے ان الفاظ میں اعلان فرمایا۔ ''امابعد! لوگو! اللہ نے ہمارے اگلوں کے ذریعے سے تم کو ہدایت دی اور پچھلوں کے ذریعے سے تمہاری خونریزی بند کرائی۔ دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ اور عجز میں سب سے برا عجز فجور (بداعمالی) ہے۔ یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہؓ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے، یا وہ اس کے واقعی حقدار ہیں یا میں ہوں۔ دونوں صورتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لیے اس سے دستبردار ہوتا ہوں۔'' پھر معاویہؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''یہ خلافت تمہارے لیے چندروزہ سرمایہ ہے۔'' یہ سن کر امیر معاویہؓ بولے، بس کیجیے اور عمرو بنؓ العاص سے کہا، تمہارا مقصد حاصل ہو گیا۔ تم یہی سنوانا چاہتے تھے۔ مجمع عام کی اس تقریر کے علاوہ جو کوفے کی مسجد جامع میں ہوئی حضرت حسنؓ نے ایک تقریر مدائن کے قصر میں روسائے عراق کو صلح پر راضی کرنے کی غرض سے بھی کی تھی۔ اس میں فرمایا ''تم نے مجھ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ میں جس سے صلح کروں گا صلح کرو گے اور جس سے لڑوں گا لڑو گے تو میں نے معاویہؓ کی بیعت کر لی ہے تو ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کرو۔ اس سلسلے میں بنو ہاشم سے بھی مشورہ ضروری تھا جن میں اس وقت حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب سے زیادہ بااثر شخص کوئی نہ تھا۔ حضرت حسنؓ نے ان سے کہا کہ میں نے ایک رائے قائم کی ہے، وہ یہ کہ میں مدینے چلا جاؤں اور وہیں قیام کروں۔ خلافت معاویہؓ کے حوالے کر دوں۔ اس لیے کہ فتنہ بہت لمبا ہو گیا ہے۔ خون بہنے سے راستے منقطع ہو چکے ہیں۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا تمہیں خدا امت محمدیؐ کی طرف سے جزائے خیر دے۔ حضرت حسینؓ کے سامنے اپنا خیال ظاہر کیا تو انہوں نے فرمایا، ''خدا کی پناہ'' یعنی ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن حضرت حسنؓ نے انہیں بھی راضی

Marfat.com

کرلیا۔ یوں حضرت حسنؓ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی پوری ہوئی کہ میرا بیٹا سردار ہے۔ امید ہے خدا اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ یہ سال مسلمانوں میں ''عام الجماعۃ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس لیے کہ ان کا تفرقہ مٹ گیا تھا اور وہ متحد ہو کر ایک جماعت بن گئے تھے۔ کوفیوں میں سے بعض لوگوں نے صلح کرنے پر آپؓ کو طعنے بھی دیئے لیکن آپ نے ہر طعنے کو صبر سے برداشت کیا اور اپنی اس رائے پر قائم رہے جس میں امت کی صلاح وفلاح کے سوا کچھ پیش نظر نہ تھا۔ آپ کی بیعت ۲۰ رمضان ۴۰ھ کو ہوئی اور ۱۵ جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کو آپ دستبردار ہو گئے۔ اس طرح کل مدت سات ماہ اور چھبیس روز ہوتی ہے۔

احوال حضرت حسنؓ:

صلح کے بعد حضرت حسنؓ مدینہ منورہ چلے گئے اور باقی عمر رسول اللہ ﷺ کے جوار میں گزار دی۔ وقت کا بڑا حصہ عبادتِ الٰہی میں صرف ہوتا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کیے تو اس نے کہا فجر کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک مصلے پر رہتے ہیں۔ پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں۔ دن چڑھے چاشت کی نماز ادا کر کے امہاتؓ المومنین کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ مکہ معظمہ میں ہوتے تو معمول تھا کہ عصر کی نماز حرم پاک میں ادا کر کے طواف میں مشغول ہو جاتے۔ صدقہ وخیرات میں بڑے دریا دل تھے۔ تین مرتبہ کل مال کا نصف حصہ خدا کی راہ میں دے دیا۔ یہاں تک کہ اگر دو جوڑے جوتے تھے تو ایک پاس رکھا اور دوسرا خیرات کر دیا۔ دو بار پورا مال اسباب اٹھا کر بانٹ دیا۔ دوسروں کی ضرورتیں پوری کرنا ان کے نزدیک عبادت تھی۔ ایک بار اعتکاف میں تھے۔ ایک سائل آیا تو اعتکاف کے دائرے سے نکل کر اس کی ضرورت پوری کر دی اور پھر معتکف ہو گئے۔ ایک مرتبہ طواف میں تھے کسی نے اپنی ضرورت کے لیے ساتھ لے جانا چاہا، طواف چھوڑ کر ساتھ ہو گئے اور واپس آ کر طواف پورا کیا۔ ۱۵ ہجری سے آپؓ کے لیے پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر تھا۔ اس وقت عمر مبارک بارہ برس کی تھی۔ یہ وظیفہ ۴۰ھ تک جاری رہا۔ حضرت معاویہؓ سے صلح کے بعد عہد نامے کی رو سے اہواز کا خراج آپ کے لیے مخصوص ہو گیا۔ جس کی مقدار دس لاکھ درہم سالانہ تھی۔ یہ رقم آپ کو دس سال تک ملتی رہی۔

وفات حضرت حسنؓ:

دستبرداری کے نو سال بعد ۵۰ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی موت کے سبب کے متعلق مشہور بیان ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارے سے دیا گیا تھا، لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بعض مصنفوں کے نزدیک یہ روایتیں اس لیے ناقابل قبول ہیں کہ حضرت امیرؓ معاویہ کو زہر دلوانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ خلافت سے دستبرداری کے بعد ان سے امیرؓ معاویہ کو شکایت کا موقع ہی نہ ملا تھا جس سے امن یا اتحاد المسلمین میں خلل آتا ہو۔ اگر زہر خورانی کی روایت تسلیم کر لی جائے تو سمجھنا چاہیے کہ جعدہ نے سوتاپے کی بناء پر یہ حرکت کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ کئی بار زہر دیا گیا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آخری علالت چالیس روز رہی۔ آخری بار جو زہر دیا گیا وہ فیصلہ کن تھا۔ زہر کھاتے ہی صاحب فراش اور زندگی سے مایوس ہو گئے۔ حضرت امام حسینؓ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے زہر دینے والے کا نام پوچھا، فرمایا پوچھ کر کیا کرو گے؟ عرض کیا قتل کروں گا۔ فرمایا، اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلا لینے والا ہے اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے۔ آپؓ

Marfat.com

کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی۔ حضرت عائشہؓ سے اس کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے نہایت مسرت سے اجازت دے دی۔ حضرت حسنؓ نے احتیاطاً پھر وصیت کر دی کہ میرے بعد دوبارہ اجازت لینا، ممکن ہے زندگی میں میری مروت سے دے دی ہو، اگر اس وقت بھی وہ اجازت دے دیں تو روضۂ نبوی میں دفن کرنا، مجھے خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے۔ اگر یہ صورت پیش آئے تو روضہ نبوی ﷺ میں دفن کرنے پر اصرار نہ کرنا اور بقیع کے گورِ غریباں میں دفن کر دینا۔ زہر خورانی کے تیسرے دن انتقال فرمایا۔ وفات کے بعد وصیت کے مطابق حضرت امام حسینؓ نے دوبارہ حضرت عائشہؓ سے اجازت چاہی تو انہوں نے اسی فراخدلی سے مرحمت فرمائی، لیکن بنی امیہ کی طرف سے حضرت حسنؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔ مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا، حسن کسی طرح روضۂ نبوی میں دفن نہیں کیے جا سکتے۔ ان لوگوں نے عثمانؓ کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا اور حسنؓ کو دفن کرنا چاہتے ہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام حسینؓ بزور دفن کرنے پر آمادہ ہو گئے اور قریب تھا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں تلواریں چل جاتیں۔ اتنے میں حضرت ابو ہریرہؓ پہنچ گئے اور چلائے ''یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول ﷺ کو نانا کے پہلو میں دفن کیے جانے سے روکا جاتا ہے!'' پھر حضرت حسینؓ کو حضرت حسنؓ کی وصیت یاد دلائی کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ اس یاددہانی پر حضرت حسینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ نمازِ جنازہ سعید بن العاصؓ نے پڑھائی۔ امام حسینؓ نے خود انہیں آگے کیا اور فرمایا کہ سنت یہی ہے کہ امیر شہر نماز پڑھائے۔ جنازے پر بے شمار لوگ جمع ہو گئے تھے۔

آپ نے بکثرت شادیاں کیں۔ عام روایتوں کے مطابق تو آپ کی بیویوں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کے حبالۂ عقد میں بہت سی عورتیں آئیں۔ ان سے آٹھ لڑکے تھے۔ حسن، زید، عمر، قاسم، ابوبکر، عبدالرحمٰن، طلحہ، عبیداللہ۔

خلافت راشدہ کی خصوصیات

جمہوریت: اس دور کی پہلی خصوصیت جمہوریت تھی۔ حضرت ابوبکرؓ سے حضرت علیؓ تک کی خلافت کے لیے نامزدگی میں جمہوری روح کارفرما تھی۔ ان میں کوئی خلیفہ ایسا نہ تھا جس کو امیر مقرر کرنے میں مسلمانوں کی عام رائے اور مرضی شامل نہ ہو یا جسے مسلمانوں پر زبردستی مسلط کر دیا گیا ہو۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں مسلمانوں کا حضرت ابوبکر کو نامزد کرنا، حضرت عمرؓ فاروق کے لیے حضرت ابوبکرؓ کی تمام صحابہ کرام سے رائے لینا اور مسلمانوں کا ان کے لیے متفق ہونا۔ حضرت عمرؓ فاروق کی چھ صحابہ کرام کی کمیٹی میں حضرت عثمانؓ کی خلافت کے لیے متفق ہونا اور حضرت علیؓ سے مسلمانوں کا خلافت کا بار اٹھانے پر اصرار۔ یہ تمام طریقے اسلامی سلطنت میں خلیفہ کے انتخاب کے لیے جمہوریت کی انتہائی عمدہ اور واضح مثالیں ہیں۔ پھر ان کے عہد میں ہر موقع پر اس نظام میں جمہوریت کی روح کارفرما رہی۔

شوریٰ: خلافت راشدہ کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس کا نظام ایک شورائی نظام تھا۔ مجلس شوریٰ کی بنیاد پر عام مسلمانوں سے رائے لی جاتی اور مشوروں پر عمل کیا جاتا۔ ہر مسلمان کو مشورہ اور رائے کا حق حاصل تھا اور حکومت پر نکتہ چینی کا حق بھی رکھتا تھا۔ صوبوں کے حکام اور والی بھی لوگوں سے مشورے کے بعد مقرر ہوتے اور لوگوں کی شکایات پر ان کی تبدیلی بھی کر دی جاتی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ میں عوام سے مشورے اور رائے کو کتنی اہمیت حاصل تھی۔

عوام کے حقوق: خلافت راشدہ میں تمام عوام کو بنیادی حقوق حاصل تھے۔ ان کی شخصی و سیاسی آزادی کی حفاظت کی

جاتی تھی۔ مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے حقوق یکساں تھے اور ان حقوق کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری تھی۔ کوئی شخص کسی دوسرے کی حق تلفی نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی پر زیادتی کی اجازت دی جاتی تھی۔ غیر مسلموں کو مذہبی آزادی دینے کے ساتھ ساتھ ان کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت بھی کی جاتی تھی۔ غرض سلطنت اسلامیہ میں اس عہد میں کوئی ایک فرد بھی اپنے حقوق سے محروم نہ تھا۔

عدل و انصاف: خلافت راشدہ میں عدل و انصاف فراہم کرنا ایک بڑی خصوصیت تھی۔ اس عدل کے لیے سب برابر تھے۔ نہ کوئی امیر تھا اور نہ کوئی غریب۔ نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ کوئی رعایا۔ نہ کوئی گورا تھا اور نہ کوئی کالا اور نہ ہی رنگ نسل اور طبقہ کا امتیاز قائم تھا۔ سب برابر کا درجہ رکھتے تھے۔ مجرم مجرم ہی تھا خواہ کوئی ہی کیوں نہ ہو۔

فلاحی ریاست: خلافت راشدہ میں فتوحات کا سلسلہ بھی جاری ہوا اور سلطنت وسیع ہوئی۔ نظام حکومت کی طرف بھی توجہ دی گئی اور ایک مکمل نظام جمہوریت کے مطابق قائم ہوا۔ اندرونی فتنوں کو بھی دبایا گیا اور بیرونی خطرات کا مقابلہ بھی ہوا لیکن ان تمام کاموں میں ایک چیز مشترک تھی وہ یہ کہ ان کا مقصد عوام کی فلاح، ان کی خوشحالی و آسودہ حالی اور اسلامی ریاست و اسلام کا تحفظ تھا۔ یہ ایک مکمل فلاحی ریاست تھی جس میں ہر شخص کے حقوق و فرائض اور ان کی ادائیگی کے طریقہ کار مقرر تھے۔ اس ریاست کا مقصد آئینی فلاح اور اسلامی تصور فراہم کرنا تھا جو اس کی بڑی خصوصیت تھی۔

حکام اور عمال کی باز پرس: اس عہد میں نظام حکومت کی توسیع کے ساتھ ہر صوبے میں حکام اور عمال کا تقرر ہوتا تھا جس کو خلیفہ خود مقرر کر کے بھیجتے لیکن ان کی طرف سے غفلت نہیں برتی جاتی تھی۔ ان کے لیے تاکیدی احکامات ہوتے اور ان کی نگرانی ہوتی۔ ان کے خلاف کسی بھی قسم کی شکایت کے لیے حج کے موقع پر تمام عماد کو جمع کرنے کی تاکید ہوتی اور اعلان کیا جاتا کہ جس کسی کو اپنے صوبے کے والی یا حاکم سے شکایت ہو کھلم کھلا پیش کرے۔ شکایات درج ہونے کے بعد ان کی تحقیق ہوتی اور درست ثابت ہونے پر ذمہ دار افراد کو سزا دی جاتی۔ حکام اور عمال کے خلاف اس طرح سختی سے باز پرس ہوتی جو اس کے بعد کے دور حکومت میں نظر نہیں آتی۔ ایک کامیاب حکومت کی یہ بڑی خوبی ہے کہ اس کے عوام کے مقرر کردہ عمال سے مطمئن رہیں۔

خلفاء کا کردار: ان تمام خصوصیات کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت خلفائے راشدین کا بلند کردار ہے۔ کیونکہ حکومت کی کامیابی کا تمام تر دارومدار خلیفہ کی ذات پر تھا۔ اگر سربراہ حکومت خوبیوں کا مالک نہ ہو، اس کا کردار بلند نہ ہو تو باوجود کوشش کے حکومت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ خلفائے راشدین کے کردار کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ ایسا پاک وصاف اور بلند کردار کسی اور حکمران میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ ایسا کردار جو ہر لمحہ امت کی بھلائی میں کوشاں رہے۔ عوام کی تکلیف پر خود تکلیف میں مبتلا ہو جائے۔ ذمہ داری کا احساس اتنا کہ بھوک پیاس، نیند آرام سب کچھ بھول کر عوام کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف رکھا۔ سادگی و انکساری اتنی کہ ان کی مثال خلافت راشدہ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔ شرم و حیا جود و سخا کے پیکر، خدا ترسی اور ایثار و خلوص، عزم و حوصلہ اور بے لوث خدمت کے جذبے جیسی خصوصیات اور کردار کے مالک خلفائے راشدہ تھے جن کا ہر لمحہ اسلام کی بقا اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے گذرا۔ خلافت راشدہ کے یہ خلفا اپنے بلند کردار کی وجہ سے دنیا کی دوسری تمام حکومتوں کے سربراہوں میں اولیت کا درجہ رکھتے ہیں جن کے کردار کی خوبیوں کی مثال کہیں اور تلاش کرنا ممکن نہیں۔

دینی حکومت: خلافت راشدہ تو ایک دینی حکومت تھی جس کی بنیاد قرآن و سنت تھی۔ دنیاوی غرض اور لالچ سے پاک

Marfat.com

ومت دین کو پھیلانے اور دینی علوم کو مسلمانوں تک پہنچانے کا کام کرتی رہی۔ اس حکومت کے تمام فرائض دین کا جزو
ے۔ لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیم اور صحیح اسلامی تصور بہم پہنچانا اس حکومت کی ذمہ داری تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
ئم کی ہوئی اسلامی ریاست اور 23 سال کی جدوجہد سے قائم ہونے والا دین 'دینِ اسلام' ہی اس حکومت کی بنیاد تھی۔
افت راشدہ کا دور ایک اہم دور تھا جس میں اسلام اور مسلمانوں کی بے لوث خدمت کا جذبہ تھا۔ اس دور کی تمام
صوصیات میں اس دور کو چلانے والی وہ مقدس ہستیاں تھیں جن کا نصب العین اسلامی ریاست کو سیاسی اور اجتماعی نظام
ین کے اصولوں کے مطابق فراہم کرنا تھا۔

❀❀❀❀

Marfat.com

خلافت بنواُمیہ قریشی النسل خلفاء

خلافت امویہ کا پس منظر:

قریش کے تمام خاندانوں میں سے بنی ہاشم اور بنوامیہ کو عظمت و شہرت اور دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے مقام حاصل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قبائلی دور ہونے کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں کبھی بنوہاشم سبقت لے جاتے اور کبھی بنی ہاشم اور بنی امیہ میں مدت تک تولیت کعبہ کی سرداری کے سلسلے میں تنازعہ رہا۔ آخر بااثر لوگوں کی مداخلت سے دونوں میں انتظامی امور تقسیم کر دیے گئے۔ اس خاندان کے جداعلیٰ امیہ بن عبدشمس تھے۔ قریش کا سپہ سالاری بنی مخزوم سے اس خاندان میں منتقل ہو گیا۔ زمانہ جاہلیت میں سپہ سالاری کا عہدہ اس خاندان میں سے حرب بن پھر ابوسفیانؓ کے پاس رہا۔ ابوسفیانؓ نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کر لیا اور ان کے بیٹے حضرت امیر معاویہؓ کے بنوامیہ کی حکومت کی بنیاد پڑی۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں بنوامیہ نے بڑے کارنامے سرانجام دیے۔ فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت امیر معاویہؓ دمشق کے گورنر بنے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں پورے صوبہ شام کے گورنر بنا دیئے گئے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد 35ھ میں حضرت امیر معاویہؓ نے قصاص کے لیے آواز اُٹھائی اور مرکزی حکومت سے خود مختار ہو گئے۔ جنگ صفین کے بعد مسلم ریاست دو حصوں میں تقسیم آدھی خلافت جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہی اور آدھی خلافت جو کہ حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خود حکومت سے دست بردار ہوئے اس طرح امیر معاویہ اسلامی ریاست کے خلیفہ بن گئے۔

حضرت امیر معاویہؓ

سلطنت بنوامیہ کے بانی حضرت امیر معاویہؓ تھے جو فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد اپنے اہل خانہ کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کا شمار ممتاز صحابہ میں ہوتا تھا اور آنحضرت نے انہیں کاتب وحی ہونے کا اعزاز بخشا تھا۔ آپ نے خلفائے راشدین کے دور میں بھی اسلامی سلطنت کے لیے خدمات انجام دیں۔ آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں دمشق کے گورنر مقرر ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ترقی کرتے ہوئے پورے شام کے گورنر بن گئے۔ اس بڑے عہدے نے ان کی طاقت کو کافی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کی خلیفہ چہارم سے کشمکش شروع ہو گئی اور جنگ صفین کی صورت میں اسلام کا عظیم سانحہ رونما ہوا۔ درحقیقت اس جنگ کے فوراً بعد ہی آپ کی سلطنت کا آغاز ہو گیا تھا جبکہ باقاعدہ آغاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے جن اصولوں پر خلافت کو چلایا وہ خلافت راشدہ سے بالکل مختلف تھے۔ ایرانی اور رومی طرز کی شخصی حکومت میں انہوں نے ایک

Marfat.com

ثیت سے حکومت کی لیکن اس کے باوجود حضرت امیر معاویہؓ بہت اچھے حکمران تھے، اتنے اچھے کہ بعد میں ان جیسے
ران اسلامی تاریخ میں کم آئے بلکہ اگر انہیں بادشاہ کی حیثیت سے دیکھا جائے تو ان کے دور میں خامیاں کم اور خوبیاں
وہ نظر آئیں گی۔ ان کے دور کی خامیاں دراصل ملوکیت کے استبدادی نظام کی فطری خامیاں ہیں ان کی ذات کی
میاں نہیں۔ تاریخ اسلام میں ان کے مقام کا تعین کرنے میں ہمیں اس لیے مشکل پیش آتی ہے کہ وہ خلافت راشدہ کے
لی دور کے فوراً بعد آتے ہیں جس کی وجہ سے خلفائے راشدین کے مقابلے میں ان کی شخصیت کئی عظیم الشان کارناموں
باوجود گہنا گئی۔ انہوں نے شام کے شہر دمشق کو دارالخلافہ قرار دیا جہاں وہ خلافت سے قبل گورنر کی حیثیت سے قیام پذیر
۔ ان کے دور کے اہم ترین واقعات میں سندھ، ترکستان اور شمالی افریقہ کی فتوحات اور قسطنطنیہ پر حملہ شامل ہیں۔

ائی زندگی:

حضرت معاویہؓ، ابوسفیانؓ بن حرب کے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ کا نام ہندہ تھا۔ جنہوں نے جنگ احد میں حضور
ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ ظہور اسلام سے قبل ابوسفیانؓ کا شمار روسائے عرب میں ہوتا تھا جبکہ
فیانؓ اسلام کے بڑے دشمنوں میں شمار ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جب نبی کریم نے عفو عام کا اعلان کیا تو ابوسفیانؓ،
اور ان کے تمام خاندان نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت معاویہؓ بھی ان میں شامل تھے۔ ہجرت مدینہ سے تقریباً 15
پیشتر مکہ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ اعلان نبوت کے وقت آپ کی عمر کوئی چار برس کے قریب تھی۔ جب اسلام لائے
رگی کے پچیسویں برس میں تھے۔ فتح مکہ کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ان لوگوں کی تالیف قلب کے لیے ابوسفیانؓ کے
کو بیت الامن قرار دیا۔ یعنی جو شخص ان کے گھر چلا جائے وہ مامون ہے اور ان کے بیٹے حضرت معاویہؓ کو کاتب وحی
کیا۔ اس کے علاوہ بیرونی علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں اور ملاقاتیوں کی مہمان نوازی اور دیکھ بھال کا کام بھی آپ
پرد تھا۔ یہ دور حضور نبی کریم کی زندگی کا آخری حصہ تھا۔ اس لیے حضرت معاویہؓ زیادہ عرصہ آستانہ نبوت سے منسلک نہ
سکے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے بھائی یزیدؓ بن ابوسفیان کو شام کے محاذ پر بھیجا تو حضرت معاویہؓ بھی ان کے
ہ تھے۔ عہد فاروقی میں یزیدؓ کی وفات کے بعد آپ کو ان کی جگہ دمشق کا حاکم مقرر کیا گیا۔ رومیوں کے خلاف جنگوں
سے قیساریہ کی جنگ آپ کی قیادت میں لڑی گئی جس میں 80 ہزار رومی قتل ہوئے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ
آپ کو دمشق، اردن، اور فلسطین تینوں صوبوں کا والی مقرر کیا اور اس پورے علاقہ کو شام کا نام دیا گیا۔ والی شام کی
بت سے آپ کا بڑا کارنامہ اسلامی بحری بیڑے کی تشکیل اور قبرص کی فتح ہے۔ حضرت عثمان آپ پر بہت اعتماد کرتے
اور آپ کا شمار عرب کے چار نامور مدبرین میں ہوتا تھا۔

ازِ خلافت کا احوال:

شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد آپؓ نے قصاص لینے کا مطالبہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت
نے سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ان کو معزول کرنا چاہا تو آپ نے ان کا مقابلہ کیا اور جنگ صفین کے بعد اپنی
ت کا اعلان کر دیا، اس طرح اسلامی مملکت دو حصوں میں بٹ گئی۔ حضرت علیؓ کو اپنے دور خلافت میں خوارج کا مقابلہ
پڑا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے حضرت حسنؓ کی بیعت کر لی لیکن آپ کے اعلان خلافت کے فوراً بعد
بت معاویہؓ نے عراق پر فوج کشی کر دی۔ کوفی قابل اعتماد نہ تھے۔ اس کے علاوہ حضرت حسنؓ کی حیثیت بھی مستحکم نہ تھی

Marfat.com

اس لیے آپ نے بہتر یہی سمجھا کہ امت مسلمہ کو مزید خونریزی سے بچانے کے لیے حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو جائیں۔ آپ کے اعلانِ دست برداری کے بعد 661ء میں حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ حضرت حسن نے معاویہؓ کے ساتھ صلح کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہیں سے اموی خلافت کا آغاز ہوا۔ معاویہؓ نے جب حضرت حسنؓ سے صلاح کرلی اور اپنی خلافت کے بارے میں کسی کو دشمن نہ پایا تو سب سے پہلے استحکام کیلئے کوششیں شروع کیں۔

اس وقت صورت حال یہ تھی کہ مسلمان تین گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ پہلا گروہ حضرت علیؓ کا طرف شیعان علی کہلاتا تھا۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کو مستحق خلافت سمجھتے تھے اور ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو ہی خلا حقدار قرار دیتے تھے۔ یہ گروہ عراق وایران میں زیادہ آباد تھا۔ حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری نے ان عقائد کو نقصان پہنچایا جس سے ان کی تعداد میں کافی کمی واقع ہوئی اور ان میں اکثر حضرت حسنؓ کی جان کے گئے۔ دوسرا گروہ شیعان معاویہ کہلاتا تھا۔ اس گروہ میں تمام ملک شام، بنوکلب اور بعض حجازی قبائل بھی شا لوگ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی وجہ سے حضرت معاویہؓ اور بنوامیہ کو ہی مستحق خلافت قرار دیتے تھے اور ان اعانت کیلئے ہمہ تن تیار رہتے تھے۔ تیسرا گروہ خوارج کا تھا جو ان دونوں گروہوں کے جانی دشمن تھے اور حضر حضرت معاویہؓ کو نااہل قرار دیتے تھے اور ان کی اعانت کو گناہ عظیم سمجھتے تھے۔ یہ نہایت متشدد مزاج اور جھگڑا دین و دلیل کو کسی خاطر میں نہیں لاتے تھے اور قرآن مجید کی آیات سے اپنی غرض کے مطالب اخذ کرتے تھے میں ایک طبقہ منافقین اور اسلام دشمن عناصر کا بھی چھپا بیٹھا جو درحقیقت یہود ونصاریٰ تھے بظاہر مسلمان بن کرا و دین کے ساتھ کھلواڑ کر رہے تھے۔ یہی طبقہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا موجب بنا تھا۔ ان کی تعداد ایران وع جگہ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ خوارج کو بھڑکاتے اور انہیں اپنے مذموم مقاصد میں عمدگی سے استعمال کرتے تھے گروہوں میں ایک چھوٹا سا گروہ یا طبقہ ایسے افراد پر مشتمل تھا جنہیں گرد کے حالات سے ذرا دلچسپی نہیں تھی اور ان سے الگ اپنے حال میں مست رہتا تھا۔ خاموش اور گوشہ نشینی والے اس طبقے میں اکثریت صحابہ کرامؓ کی شامل زیادہ تر حجاز میں پھیلا ہوا تھا اور مدینہ اور مکہ ان کے خاص مسکن تھے۔ یہ لوگ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے اور چرایا کرتے تھے۔

خوارج کا مقابلہ:

مخالفین بنوامیہ میں سب سے زیادہ منظم اور خطرناک گروہ خوارج کا تھا۔ حضرت معاویہؓ کے تخت نشینی فوراً بعد 661ء میں ایک خارجی فسردہ بن نوفل نے کوفہ کے قریب علم بغاوت بلند کیا۔ سرکاری افواج ان کا مقابلہ نہ کرسکیں اور شکست کھانے پر مجبور ہوئیں۔ حضرت معاویہؓ نے اس بغاوت کے لیے اہل کوفہ کو ذمہ انہیں تنبیہ کی کہ اگر انہوں نے فسردہ کو گرفتار کر کے حکومت کے سپرد نہ کیا تو انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے خاصا اثر ہوا اور کوفیوں نے فسردہ کو گرفتار کرا دیا لیکن خوارج نے اس کے باوجود عبداللہ بن ابی الحوسا کی جدوجہد کو بدستور جاری رکھا۔ حضرت معاویہؓ نے کوفہ میں خوارج کی سرگرمیوں کے تدارک کے لیے اب شعبہ کو مقرر کیا۔ حضرت مغیرہؓ مسلسل ایک برس تک ان کے خلاف برسرپیکار رہے۔ اس دوران خوارج نے حالت نماز میں اچانک حملہ کرنے کی سازش کی لیکن بروقت علم ہو جانے کی وجہ سے حضرت مغیرہؓ نے ان

Marfat.com

حضرت مغیرہؓ کی زبردست کوششوں کے نتیجہ کے طور پر خوارج کو دوبارہ سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اور ان کے رہنما گئے۔ کوفہ کے بعد خوارج کا دوسرا مرکز بصرہ تھا۔ بصرہ کے خوارج کی سرکوبی کے لیے زیاد بن ابیہ کو بصرہ کی ولایت ئی۔ زیاد بن ابیہ نے اہل بصرہ کے جذبہ خودسری کو کچل دیا۔ اس کی سخت گیری اور تشدد کی بدولت تمام عراق میں ن قائم ہوا۔ حضرت مغیرہؓ کی وفات کے بعد کوفہ کی ولایت بھی اس کے سپرد کر دی گئی۔

ت حجرؓ بن عدی اور ان کے ساتھیوں کا قتل:

حضرت حجرؓ بن عدی حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے ایک تھے۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے عہد اقتدار میں قاتلان سب وشتم کی بنیاد رکھی اور تمام صوبوں کے والیوں اور عمال حکومت کو حکم دیا کہ وہ بھی جمعہ کے خطبہ میں قاتلانِ عثمانؓ نبر برا بھلا کہیں۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو بر سر منبر برا بھلا کہنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ کو برا بھلا کہنے کی حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے ختم کروائی۔ اس بنا پر حضرت حجرؓ بن عدی نے حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو برا شروع کر دیا تھا۔ زیاد کی کوفہ کی امارت کے زمانہ میں حضرت حجرؓ بن عدی اور ان کے چند ساتھیوں کو قتل کرا دیا گیا۔ حجرؓ بن عدی بلند مرتبہ کے صحابی تھے۔ آپ کے قتل نے دنیائے اسلام پر بہت برا اثر چھوڑا۔

ں کی روک تھام:

661ء میں بلخ، بخارا، ہرات اور بادغیس کے حکمرانوں نے اموی اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی۔ امیر معاویہ بن ہثیم کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ عبداللہ ابن حازم اور قیس نے مل کر ان علاقوں پر لشکر کشی کی اور انہیں اطاعت نے پر مجبور کیا۔ 663ء میں کابل کے حکمران نے بغاوت کر دی۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ اس بغاوت کو فرو کرنے پر مامور نے شہر کا محاصرہ کرنے کے بعد فوج کو سنگباری کا حکم دیا۔ محصورین نے بقول یعقوبی از خود شہر کے پھاٹک کھول دیے۔ بعد اموی افواج اردگرد کے علاقوں کو فتح کرتی ہوئی غزنہ پہنچیں۔ اہل غزنہ نے تھوڑی سے مزاحمت کے بعد شکست لی۔ اس طرح بخارا سے لے کر غزنہ اور کابل تک کے تمام علاقہ کو اموی احاطہ اقتدار میں دوبارہ شامل کر لیا گیا۔

پر حملہ:

امیر معاویہ کے زمانہ میں سندھ پر دو طرفہ حملہ کیا گیا۔ ایک مہم مہلب کی کمان میں اور دوسری مکران سے منذر کی زیر روانہ کی گئی۔ مہلب کابل، قندھار، فتح کرتا ہوا سرزمین سندھ میں داخل ہوا۔ دوسری طرف منذر مکران کا علاقہ فتح وا قلات کی طرف آگے بڑھا۔ یہ دونوں مہمات بہت کامیاب رہیں اور بہت سا مال غنیمت حاصل کر کے واپس ۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی ایک مہمات روانہ کی گئیں جو کامیاب ہو کر واپس لوٹیں۔

ان کی فتوحات:

اگرچہ عبیداللہ ابن زیاد کے زمانہ میں ترکستان کی فتح کے لیے کئی ایک کامیاب مہمات روانہ کی گئی تھیں لیکن سعید بن ں ولایت کوفہ کے زمانہ میں ترکستان پر باقاعدہ لشکر کشی کی گئی۔ سعید دریائے جیحوں پار کر کے اہل سغد کے پایہ تخت پہنچا۔ ملکہ قبق نے صلح کی خواہش کا اظہار کیا لیکن سغدیوں نے ملکہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور ایک لاکھ بیس ج لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکل پڑے۔ بخارا میں دونوں افواج کے درمیان زبردست جنگ ہوئی لیکن سغدی باہمی پھوٹ کا شکار ہو گئے اس لیے ملکہ صلح کرنے پر مجبور ہوئی۔ بخارا پر قبضہ کے بعد اسلامی لشکر نے سمرقند کا

Marfat.com

محاصرہ کر لیا۔ اہل سمر قند نے کچھ عرصہ تو مزاحمت کی لیکن بالآخر سات لاکھ درہم سالانہ کے وعدہ پر صلح کر لی۔ سمر قند کے بعد ترمذ کا علاقہ بھی فتح کر لیا گیا۔ اس طرح ترکستان کا بیشتر حصہ اموی سلطنت کا جزو بنا۔

شمالی افریقہ کی فتوحات

شمالی افریقہ کا بیشتر حصہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ان علاقوں کی فتوحات میں مزید توسیع کی گئی۔ حضرت عمروؓ بن العاص شمالی افریقہ کے گورنر تھے۔ آپ نے عقبہ بن نافع اور معاویہ بن خدیج کو شمالی افریقہ کی فتح کے لیے نامزد کیا۔ 661ء میں عقبہ نے شمالی افریقہ پر فوج کشی کر کے طرابلس، تیونس اور الجزائر کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد بوزانہ اور زناطہ تک اپنے حلقہ اقتدار کو وسیع کیا۔ 663ء میں سوڈان پر لشکر کشی کی اور اس کے کثیر حصہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ افریقہ کے سرکش بربروں کو کچل دیا گیا اور قیروان کی مشہور چھاؤنی قائم کی گئی تاکہ افریقہ میں مستقل اور پائیدار امن قائم رہے۔

قسطنطنیہ پر حملہ:

شام اور مصر پر اسلامی غلبہ کے باوجود رومی آئے دن اسلامی سرحدوں پر حملے کرتے رہتے تھے کیونکہ رومیوں کو ایشیائے کوچک اور یورپی مقبوضات پر ابھی تک پوری طرح بالادستی حاصل تھی۔ نیز مشرقی کلیسا کے مرکز کی حیثیت سے بازنطینی حکمران عیسائیوں کی امیدوں کا مرکز تھے۔ اس بنا پر وہ اسی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ وہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے کو دوبارہ حاصل کریں۔ رومی حملوں کی روک تھام کے لیے حضرت معاویہؓ نے بالآخر بازنطینی حکومت کے دارالحکومت قسطنطنیہ کی تسخیر کا باقاعدہ منصوبہ بنایا۔ آپ کے اس منصوبہ کی اطلاع جب مکہ و مدینہ تک پہنچی تو اکابر صحابہ نے بھی اس میں شمولیت کے لیے آمادگی کا اظہار کیا کیونکہ رسول اللہ نے فاتحین قسطنطنیہ کو مغفرت کی بشارت دی تھی۔ 5... میں سفیان بن عوف ازدی کو اس فوج کا انچارج بنایا گیا۔ اس مہم میں حضرت ایوبؓ انصاری، حضرت عبداللہؓ بن عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہؓ بن زبیر جیسے مقتدر صحابی بھی شریک ہوئے۔ فوج کے ایک دستہ کی کمان حضرت معاویہؓ کے بیٹے یزید کے ہاتھ میں بھی تھی۔ قسطنطنیہ چونکہ مشرقی کلیسا کا مرکز تھا اس لیے رومیوں نے بھی اس کے دفاع کے زبردست انتظامات کر رکھے تھے۔ محاصرہ کے دوران شہر کی بلند فصیل سے وہ مسلمانوں پر آگ کے گولے برساتے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ جب کامیابی کی صورت نظر نہ آئی تو محاصرہ اٹھانے کا حکم دیا گیا۔ یہ حملہ اگرچہ ناکام رہا لیکن رومیوں پر اس قدر خوف طاری رہا کہ آئندہ کئی برسوں تک انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جارحانہ کارروائی نہ کی۔ اس محاصرہ کے دوران مشہور صحابی حضرت ابوایوبؓ انصاری وفات پا گئے۔ مسلمانوں نے آپ کو شہر کی فصیل کے نیچے لے جا کر دفن کر دیا۔ مسلمانوں نے رومیوں کو خبردار کر دیا کہ وہ لاش کی یا مزار کی بے حرمتی نہ کریں ورنہ اس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے لیکن آہستہ آہستہ خود رومی ان کا احترام کرنے لگے۔ ان کے مزار پر منتیں ماننے لگے۔ ترکوں کے زمانہ میں آپ کے مزار پر مقبرہ بنوایا گیا اور مسجد تعمیر کی گئی جو جامعہ ایوبیہ کہلائی۔

جزائر روڈس اور ارواڈ کی فتح:

شمالی علاقہ کے تحفظ کے نقطہ نظر سے جزائر روم کی فتح ضروری تھی چنانچہ اس مقصد کی خاطر اس سے پیشتر قبرص فتح کیا جا چکا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں ایک قدم مزید آگے بڑھا کر جزیرہ روڈس پر قبضہ کر لیا

کے قریب جنوب مغرب میں واقع ہے۔ جزیرہ صیقلہ (سسلی) پر بھی قبضہ کی کوشش کی گئی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس 5ھ میں جزیرہ ارواڈ پر قبضہ ہوا۔

مت اور انتظامی اصلاحات:

ہاں تک نظم و نسق کا تعلق ہے تو حضرت معاویہؓ نے اس کی کافی حد تک اصلاح کر کے حکومت کو استحکام بخشا اور یگر اصلاحات سے ملک کو بیرونی حملوں سے تحفظ دیا۔ ان کے نظام حکومت کا خاکہ درج ذیل ہے:

کے اختیارات میں اضافہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے انیس سالہ دور حکومت میں ملک سے خانہ جنگی دور کر کے ایک مضبوط حکومت قائم کی۔ جو داخلی انتشار اور خارجی حملوں کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ اس حکومت یفہ کے وسیع اختیارات پر تھی۔ انہوں نے خلافت راشدہ کے شورائی اور جمہوری طرز حکومت کی بجائے مضبوط مت قائم کی جو خدا کے سوا کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہو۔ اگرچہ دور خلافت کے قائم کردہ ادارے بظاہر اسی طرح لیکن ان کے اندر وہ جمہوری روح باقی نہیں رہی۔ مجلس شوریٰ کا وجود قائم تھا اور اس میں عرب کے معروف مدبر روؓ بن العاص، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ، زیادؓ بن ابی سفیان اور دیگر اکابرین سلطنت شامل تھے جن کا انتخاب خلیفہ کی یا ناپسند پر مبنی تھا۔ خلیفہ کسی بھی شخص کو شوریٰ کا رکن بنا سکتا تھا اور خود شوریٰ کے کسی فیصلے کا پابند نہ تھا۔ شوریٰ کے خلیفہ کی خواہش و مرضی کے خلاف رائے دینے سے اجتناب کرتے اور اگر اختلاف کرتے تو ادب و احترام کے ے باک تنقید جس کا رواج خلافت راشدہ میں تھا یہاں اس کی گنجائش نہ تھی۔

نظام: ملکی تقسیم اور صوبائی حد بندی کا نظام تقریباً وہی رہا جو حضرت عمرؓ فاروق کے زمانہ میں تھا۔ ہر صوبے کے ورنر تھا جسے والی کہتے تھے۔ صوبائی گورنروں کی تقرری اور تنزلی کا اختیار خلیفہ کو تھا اور وہ خلیفہ کی ہدایات اور وضع مات کے تابع فرمان تھے۔ بعض مقامی نوعیت کے معاملات میں انہیں فیصلوں کا اختیار تھا۔ حضرت معاویہؓ کے موبوں میں مکمل امن وامان قائم رہا۔

ام: بنی امیہ مکہ کے فوجی قائدین میں سے تھے۔ اس لیے عہد معاویہؓ میں فوج کی تنظیم کی طرف خصوصی توجہ دی کا ڈھانچہ عہد فاروقی کے خطوط پر قائم رہا۔ فوج کے دو حصے تھے جنہیں گرمائی اور سرمائی علی الترتیب صافیہ اور شاتیہ ۔ فوج کی تنخواہ اور بھرتی کے نظام کی اور زیادہ اصلاح کی گئی۔ غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف ملکی دفاع کے لیے نئی ں اور شہر آباد کیے گئے۔ دوران جنگ تلواروں، تیروں اور دیگر رائج الوقت اسلحہ کے علاوہ قلعہ شکن آلات کا عام تا تھا۔ جس کے ذریعہ بڑے بڑے قلعوں کی فصیلوں میں شگاف کر دیا جاتا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے فوج کی تنظیم ی کہ ڈسپلن اور استعداد کے لحاظ سے یہ دنیا کی صف اول کی افواج کی ہم پلہ بن گئی۔

تشکیل: حضرت معاویہؓ کا سب سے شاندار کارنامہ اسلامی بحریہ کی تشکیل ہے۔ رومیوں کے خلاف جنگوں میں یت محسوس ہو گئی تھی چنانچہ منصب خلافت سنبھالنے کے بعد آپ نے سب سے زیادہ توجہ بحریہ کی ترقی پر صرف ثانی میں 500 جنگی بحری جہاز موجود تھے۔ جن کے ذریعے قبرص کا جزیرہ فتح ہوا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اس ے کو مزید مستحکم بنایا اور مصر و شام کے ساحلی مقامات پر جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے گئے۔ بحری فوج کا سپہ و مقرر کیا گیا جسے امیر البحر کہتے تھے۔ اس عہد میں خبادہ بن ابی امیر اور عبداللہ بن قیس اس عہدہ پر فائز رہے۔

Marfat.com

پولیس: ملک کے اندرونی نظام اور امن وامان کے قیام کے لیے محکمہ پولیس کو باقاعدہ منظم کیا گیا۔ عراق میں بالخصوص پولیس کا بڑا زبردست انتظام تھا۔ شہر کوفہ میں چالیس ہزار پولیس کے سپاہی موجود تھے۔ راہ پڑی اشیاء وہیں کی وہیں پڑی رہ جاتیں اور کوئی دوسرا انہیں اٹھانے کی جرات نہ کرتا۔ ملک کے اندر ایک سرے سے دوسرے سرے تک مکمل امن وامان تھا۔ مشتبہ لوگوں کے نام رجسٹر میں درج تھے بعض ہنگامی حالات میں لوگوں کے باہر آنے جانے پر پابندی لگا دی جاتی جس طرح موجودہ حالات میں کرفیو آرڈر نافذ کیا جاتا ہے۔ پولیس کی اس نگرانی اور سختی کا خاطر خواہ اثر پڑا۔ تمام شورشیں اور غیر قانونی سرگرمیاں ختم ہوگئیں۔ اور لوگوں نے امن وسکون کا سانس لیا۔

دیوان البرید: اس سے پہلے خبر رسانی اور ڈاک کی ترسیل کے لیے مملکت اسلامی میں کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ امیر معاویہ نے اس کام کے لیے برید کے نام سے مستقل محکمہ قائم کیا۔ اس کام کے لیے ہر منزل پر تازہ دم گھوڑے ہر وقت موجود رہتے جو ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ڈاک پہنچاتے اور اس طرح حکومت ملکی حالات سے اچھی طرح باخبر رہتی۔

دیوان الخاتم: اس سے پہلے دفتروں میں سرکاری ریکارڈ کی نقل رکھنے کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص جعل سازی کر کے ایک لاکھ کی جگہ دو لاکھ وصول کر لیے۔ جب یہ بات حضرت معاویہؓ کے علم میں آئی تو انہوں نے دیوان خاتم کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا۔ جس کے ذمہ تمام ریکارڈ کی نقلیں رکھنا اور خطوط کو سربمہر کر کے متعلقین تک پہنچانا تھا۔

نئے شہروں کی تعمیر: جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے امیر معاویہ نے فوجی ضروریات کی بنا پر نئی نئی چھاؤنیاں تعمیر کیں برباد شدہ شہروں کو دوبارہ آباد کیا۔ یہ فوجی چھاؤنیاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے شہروں میں تبدیل ہوگئیں۔ واسط اور قیروان کی چھاؤنیاں بعد میں بڑے بڑے شہروں کی شکل اختیار کر گئیں۔ ارواڈ کے جزیرہ میں مسلمانوں کو آباد کیا اسی طرح انطاکیہ میں ایک مسلم نو آبادی قائم کی۔

رفاہ عامہ کے کام: زندگی میں کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو حضرت معاویہؓ کے اصلاحات سے متاثر نہ ہوا ہو۔ خوشحالی، زراعت کی ترقی کے لیے آبپاشی کے نظام کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ مدینہ کے قرب وجوار میں متعدد نہریں کھدوائی گئیں جن سے اناج اور پھلوں کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ نہر معقل جو بصرہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کھودی گئی تھی کو دوبارہ کھدوا کر آبپاشی کے قابل بنایا گیا۔ نئے شہروں میں لوگوں کے دینی فرائض کی بجا آوری کے لیے مسجدیں تعمیر کی گئیں۔

غیر مسلموں سے حسن سلوک: حضرت عمرؓ فاروق کے زمانہ میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ کے لیے کچھ طریقے مقرر کیے گئے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے انہیں بدستور جاری رکھا۔ تمام وعدے جو ان سے کیے جاتے ان کو پورا کیا جاتا۔ ان کی جان و مال عزت و آبرو محفوظ تھی۔ انہیں عبادت اور اجتماع کی آزادی تھی۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں غیر مسلموں کو کلیدی آسامیوں پر فائز نہیں کیا جاتا تھا لیکن حضرت معاویہؓ نے یہ روایت ترک کر کے انہیں اعلیٰ مناصب پر فائز کیا۔

حضرت معاویہؓ کی حکمت عملی: حضرت معاویہؓ قریش کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی شخصیت مجموعہ صفات تھی۔ عربی سوانحی اور تاریخی ادب میں شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جس میں حضرت معاویہؓ کی نرمی، ضبط کی صفات کو خراج عقیدت پیش نہ کیا گیا ہو۔ ان کی حکمت عملی کی سب سے نمایاں خصوصیت حلم تھی۔ ان کا یہ وصف

Marfat.com

مسلمات میں شمار کیا جاتا ہے۔وہ بے جا و بے وقت سختی کے قائل نہ تھے۔مخالفین اور معترضین کی نکتہ چینی کا خندہ پیشانی سے جواب دیتے۔اس معاملہ میں انہوں نے اپنے طرز عمل کی یوں وضاحت کی ہے:

''جہاں میرا کوڑا کام کرتا ہے وہاں میں تلوار کام میں نہیں لاتا اور جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا۔جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔''

حضرت امیر معاویہؓ نے ایک ایسی کامیاب حکمت عملی اختیار کی کہ حضرت حسن کو خلافت سے دست برداری پر آمادہ کر لیا نیز حضرت مغیرہؓ بن شعبہ حضرت، عمروؓ بن العاص اور زیاد بن سمیہ جیسے عرب اکابر اور دانشوروں کو اپنا معاون بنانے میں کامیابی حاصل کر لی۔یہی لوگ سیاسی معاملات اور انتظامی امور میں ان کے دست و بازو تھے اس کے علاوہ انہوں نے مختلف عرب قبائل مثلاً یمنی اور عدنانیوں میں اس طرح توازن قائم رکھا کہ ان کی قبائلی عصبیت دبی رہے اور انہیں دونوں قبیلوں کا عملی تعاون حاصل رہا۔اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ایک مدبر حکمران اور دور اندیش سیاستدان تھے۔

سیرت و کردار: امیر معاویہ کا شمار اپنے زمانہ کے پانچ بڑے سیاستدانوں میں کیا جاتا ہے۔ایک بار انہوں نے خود کہا کہ میں نے بہ نسبت زیاد کی تلوار کے اپنی زبان سے کہیں زیادہ ہمنوا اور حامی پیدا کیے۔ان میں لوگوں کو متاثر کرنے کی بے پناہ صلاحیتیں موجود تھیں۔اگر چہ وہ خلفائے راشدین کی خصوصیات کے حامل نہ تھے لیکن وہ ایک اعلیٰ درجہ کے حکمران ضرور تھے۔تدبر و رائے اور سیاست دانی میں روسائے عرب میں سے کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔فصاحت و بلاغت میں بھی وہ یکتا تھے۔اس کے علاوہ وہ ایک بہترین خطیب بھی تھے۔خورد و نوش، رہائش، لباس اور عادات و اطوار میں شاہانہ طرز زندگی کے خوگر تھے۔ان کے دربار سے قیصر و کسریٰ کی سی شان ٹپکتی تھی۔درباریوں، شاعروں، دوستوں اور حاجت مندوں کو خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو خسروانہ عنایات سے نوازتے۔اونچے ایوانوں میں رہنے کے باوجود رعایا کے کمزور اور غریب سے غریب آدمی کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کی شکایات سنتے اور وہیں ان کی تکالیف کا ازالہ کا حکم صادر فرماتے۔اہل دربار پر بھی یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ وہ لوگ جو ان تک نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات کو امیر تک پہنچانا ان کا ذمہ ہے۔ایک فوجی ماہر کی حیثیت سے ان کا مقام بہت بلند تھا۔رومیوں کے خلاف کامیاب فتوحات ان کی اس صفت کی شاہد ہیں۔سب سے بڑھ کر جو چیز ان کو ہمعصر حکمرانوں سے ممتاز اور نمایاں کرتی ہے وہ ان کی سیاست دانی، معاملہ فہمی اور تدبر ہے۔آپ کی سیاست ہمیشہ کامیاب رہی۔ان ہی اوصاف اور کارہائے نمایاں کی بدولت انہوں نے ایک مضبوط اموی حکومت کی بنیاد رکھی۔

یزید کی جانشینی

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے 50ھ میں پہلی بار حضرت معاویہؓ کے سامنے خلافت کو ان کے خاندان میں منتقل کرنے اور یزید کو ولی عہد مقرر کرنے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ ''عثمان کی شہادت کے بعد سے مسلمانوں میں جو اختلاف اور خونریزی قائم ہوئی ہے وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے اس لیے میری رائے میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے کر اسے جانشین بنا دینا چاہیے تا کہ جب آپ کا وقت آخر آئے تو مسلمانوں کے لیے ایک سہارا اور جانشین موجود ہو اور ان میں خونریزی اور فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔'' یہ حضرت معاویہؓ کے دل کی آواز تھی لیکن انہیں اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا پورا پورا احساس تھا۔سیاسی نقطہ نظر سے ملک کے تین طاقتور مرکز تھے اور امیر کی اس پر نگاہ تھی۔کوفہ و بصرہ دنیاوی لحاظ سے

Marfat.com

اور حجاز مذہبی نقطہ نظر سے نہایت اہم مراکز تھے۔ حضرت مغیرہؓ نے فوراً تجویز پیش کی کہ کوفہ کی ذمہ داری مجھ پر رہی۔ بصرہ کے لیے زیاد کافی ہیں اور حجاز کی ذمہ داری مروان بن حکم کے سپرد کی جائے۔ کوفہ کے ایک وفد نے حضرت معاویہؓ کے سامنے باقاعدہ یزید کی نامزدگی کی تجویز پیش کر دی۔ اس وفد کی قیادت خود حضرت مغیرہؓ کے بیٹے موسیٰ نے کی۔ زیاد حاکم بصرہ کو جب حضرت معاویہؓ کی رائے کا علم ہوا تو انہوں نے از خود کوئی معاملہ طے کرنے کی بجائے عبید بن کعب سے مشورہ کیا۔ زیاد کی رائے میں یزید کی نامزدگی کی وجہ سے بہت سے مسائل اور الجھنیں پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔ لہٰذا اس معاملہ میں عجلت موزوں نہ تھی۔ چنانچہ عبید نے یزید کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور اسے خلاف شرع حرکات سے باز رہنے کی تلقین کی۔ کہا جاتا ہے کہ یزید نے اس کے بعد اپنے کردار میں کافی اصلاح کر لی۔ لہٰذا بصرہ کا ایک وفد بھی حضرت معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یزید کی نامزدگی کی تجویز کو پسند کیا۔ حجاز کی نوعیت کوفہ اور بصرہ سے بالکل مختلف تھی۔ ایک تو وہ خطہ تھا جس پر آفتاب رسالت کی شعاعیں براہ راست پڑیں اور دوسرے ایسے مقتدر صحابی اور اکابرین بھی موجود تھے جو ہر لحاظ سے یزید پر فوقیت رکھتے تھے لہٰذا ایسے اہل الرائے اور اہل اللہ سے یزید کی نامزدگی کی تائید حاصل کرنا بے حد مشکل تھا۔ حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہؓ بن زبیر اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر خصوصی طور پر حضرت معاویہؓ کی نگاہ میں تھے۔ اس کام کے لیے راہ ہموار کرنے کے لیے مروان بن حکم کو تحریر کیا گیا اور اسے اہل مدینہ کا مشورہ اور رائے معلوم کرنے کی ہدایت کی گئی۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے پہلے خط میں یزید کی نامزدگی کا ذکر نہ کیا چنانچہ لوگوں نے آپ کے خیالات کو سراہا مگر اپنے دوسرے خط میں حضرت معاویہؓ نے یزید کی نامزدگی کی وضاحت کر دی۔ لوگوں نے یزید کا نام سنتے ہی اختلاف کیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر نے کہا کہ "یہ سنت ہرقل و کسریٰ کی ہے۔ اس سے امت کی کوئی بھلائی مقصود نہیں بلکہ معاویہؓ خلافت کو ہرقل کی شہنشاہی بنانا چاہتے ہیں کہ ایک ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل جانشین ہو۔"

مروان نے تمام صورت حال اور کیفیت حضرت معاویہؓ کو لکھ دی۔ اس دوران کوفہ، بصرہ اور حجاز کے وفود دمشق آ چکے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے بصرہ کے وفد کے قائد احنف بن قیس کی موجودگی میں دربار منعقد کیا اور حاضرین دربار کے روبرو یزید کی خوبیاں بیان کیں پھر احنف بن قیس سے رائے طلب کی۔ احنف صاف گو آدمی تھے کہا کہ "اے امیر! اگر جھوٹ بولوں تو خدا سے ڈر لگتا ہے اور اگر سچ بولوں تو آپ کا خوف لاحق ہے۔ آپ یزید کے شب و روز اور افعال سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی آپ اسے امت محمدی کے لیے بہتر سمجھتے ہیں تو پھر صلاح و مشورہ کی کیا ضرورت؟ اور اگر ایسا نہیں سمجھتے تو پھر خود دوسرے عالم کو جاتے ہوئے اس کو دنیا کا توشہ نہ دیجیے۔ ورنہ ہمارا کام تو آپ کا حکم سننا اور بجا لانا ہے۔" چونکہ حضرت معاویہؓ یزید کی نامزدگی طے کر چکے تھے اس لیے باوجود حق کے انہوں نے کچھ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر کچھ کو انعام و اکرام سے نواز کر ہموار کر لیا چنانچہ عراق اور شام کے باشندوں نے یزید کی بیعت کر لی۔ حجاز کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ 56ھ میں حضرت معاویہؓ نے خود مکہ اور مدینہ کا سفر اختیار کیا۔ انہیں حضرت عبداللہؓ بن عمر، حضرت عبداللہؓ بن عباس، حضرت عبداللہؓ بن زبیر، حضرت حسینؓ بن علی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر سے شدید مخالفت کا خطرہ تھا۔ یہاں بھی انہوں نے سیاست سے کام لیا اور ہر ایک کو فرداً فرداً بلا کر ہر ایک سے کہا کہ تم پانچ آدمیوں کے علاوہ سب نے یزید کی ولی عہدی قبول کر لی ہے اور تم ان چاروں کی رہبری کر رہے ہو۔ سوائے حضرت عبدالرحمٰنؓ ابی بکر کے سب نے جواب دیا کہ "میں کسی کی رہبری نہیں کر رہا ہوں۔ آپ چاروں آدمیوں کو کہیے کہ اگر وہ بیعت کا اعلان کر دیں تو مجھے عذر نہ ہوگا۔" بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ یہ حضرات حضرت معاویہؓ کی آمد کا سن کر مدینہ سے چلے گئے تھے۔ بہرحال

Marfat.com

بزرگوں نے بیعت سے انکار کر دیا لیکن حضرت معاویہؓ نے لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ یہ حضرات بیعت کر چکے ہیں۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے حضرت معاویہؓ نے دل کھول کر روپیہ خرچ کیا مگر اہل حجاز کو اپنی اس تجویز کا حامی نہ بنا سکے۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے باقی چار اصحاب کی نمائندگی کرتے ہوئے انہیں حضور اکرم اور خلفائے راشدین کے سلسلہ میں اختیار کردہ تین طریقہ ہائے انتخاب کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ان پر واضح کر دیا کہ جانشینی کا طریقہ انہیں کسی صورت میں بھی منظور نہیں۔حضرت معاویہؓ واپس دمشق پہنچے اور یزید کی نامزدگی کا اعلان کر دیا۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ کی وفات:

سنہ 57ھ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وفات پا کر جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔آپ چونکہ مروان کی مخالفت کیا کرتی تھیں، اس لئے مروان بن حکم نے ایک سازش کی، دھوکے سے دعوت کے بہانے بلا کر ایک گڑھے میں گرا دیا جہاں اس نے پہلے سے ننگی تلواریں اور خنجر چھپا دیئے تھے۔آپؓ چونکہ ضعیف العمر ہو چکی تھیں، ان نیزوں سے زخمی ہو گئیں اور زخموں کے صدمہ سے وفات پا گئیں۔کئی مورخین نے اس واقعے کو بیان کیا ہے مگر کوئی اس کی سند فراہم نہیں کر پایا۔نہ ہی کوئی ثقہ روایت اس ضمن میں پائی جاتی ہے۔یہ درست ہے کہ آپؓ اس سال میں وفات پا گئی تھیں مگر وفات کا کوئی تعلق واقعی مروان بن حکم سے تھا، ایسا کچھ قابل سند نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات:

سنہ 59ھ میں حضرت ابو ہریرہؓ نے وفات پائی۔وہ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا الٰہی! میں ان لڑکوں کی حکومت اور سنہ 60ھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ان کی دُعا قبول ہوئی اور وہ سنہ ساٹھ کی آمد سے قبل ہی وفات پا گئے۔

وصیت اور وفات:

رجب 60ھ/680ء میں حضرت معاویہؓ کا انتقال 79 برس کی عمر میں دمشق میں ہوا۔مدت خلافت انیس سال چند ماہ ہے۔آپ نے تجہیز و تکفین کے بارے میں وصیت کی کہ رسول اللہ کے کرتہ مبارک کا کفن پہنایا جائے اور آپ کے ناخن مبارک اور موئے مبارک کو منہ اور آنکھوں پر رکھ دیا جائے کہ ان کے طفیل خدا مجھے بخش دے۔یزید کی جانشینی کے بارے میں وصیت کی۔

"جان پدر! میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لیے راستہ ہموار کر دیا ہے۔دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں تمہارے سامنے جھکا دی ہیں اور تمہارے لیے ایک بڑا خزانہ جمع کر دیا ہے۔میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اہل حجاز کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھنا۔وہ تمہاری اصل بنیاد ہیں۔جو حجازی تمہارے پاس آئے، اس سے حسن سلوک سے پیش آنا۔اس کی عزت کرنا۔اس پر احسان کرنا اور جو نہ آئے اس کی خبر گیری کرتے رہنا۔اہل عراق کی ہر خواہش پوری کرنا۔اگر وہ روزانہ عاملوں کا تبادلہ چاہیں تو روزانہ کر دینا کہ عمال کا تبادلہ تلواروں کے بے نیام ہونے سے بہتر ہے۔شامیوں کو اپنا مشیر بنانا، ان کا خیال ہر حال میں مدنظر رکھنا۔جب کوئی دشمن تمہارے مقابلہ پر آئے تو ان سے مدد لینا۔لیکن کامیاب ہونے کے بعد ان کو فوراً واپس بلا لینا ورنہ دوسرے مقام پر زیادہ ٹھہرنے سے ان کے اخلاق بدل جائیں گے۔خلافت میں حسینؓ بن علی، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر، عبداللہؓ بن زبیر کے علاوہ

Marfat.com

کوئی حریف نہیں ہے۔ عبداللہؓ بن عمر سے کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں زہد و عبادت کے علاوہ کسی چیز سے واسطہ نہیں ہے۔ عام مسلمانوں کی بیعت کے بعد انہیں بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر میں کوئی ذاتی حوصلہ و ہمت نہیں ہے جو ان کے ساتھی کریں گے وہ اس کی پیروی کر لیں گے۔ البتہ حسینؓ بن علی کی جانب سے خطرہ ہے۔ اہل عراق انہیں تمہارے مقابلہ میں لاکر چھوڑیں گے۔ جب وہ تمہارے مقابلہ پر آئیں اور تم ان پر قابو حاصل کر لو تو درگزر سے کام لینا کہ وہ قرابت والے، بڑے حقدار اور رسول اللہ کے عزیز ہیں البتہ جو شخص لومڑی کی طرح دکھائی دے گا اور شیر کی طرح حملہ کرے گا وہ عبداللہؓ بن زبیر ہے۔ اگر وہ صلح کر لے تو خیر ورنہ قابو پانے کے بعد اس کو ہرگز نہ چھوڑنا اور اس کے ٹکڑے اڑا دینا۔"

مسلم بادشاہت کا آغاز:

حضرت معاویہؓ بنیادی طور پر ایک دنیاوی حکمران تھے لہٰذا ان کے عہد حکومت کو خلفائے راشدین کے معیا جانچنا ایک تاریخی غلطی ہے۔ ان کا اپنا قول ہے "انا اوّل الملکوک" یعنی عربوں میں سب سے پہلا بادشاہ میں ہو اگرچہ انہوں نے حکومت کا ظاہری ڈھانچہ خلفائے راشدین کے مطابق ہی قائم رکھا لیکن اسلامی طرز حکومت میں مند ذیل بنیادی تبدیلیاں کیں جس کی وجہ سے مسلم بادشاہت کا آغاز ہوا اور ان کی حکومت خلفائے راشدین کے راستہ ہٹ گئی۔ اسلامی تعلیمات میں شخصی حکومت کا کوئی تصور موجود نہیں۔ خلفائے راشدین عوامی تائید و حمایت سے ہی خلافت پر متمکن ہوئے تھے۔ عوام کو ان کے احتساب کا پورا پورا حق تھا لیکن امیر معاویہ نے یزید کو اپنی زندگی ہی میں جانشین نامزد کر دیا اور اس کے لیے بیعت بھی لے لی۔ یہ بیعت لالچ اور جبر کا نتیجہ تھی۔ یہیں سے اسلام میں شخصی موروثی حکومت کا آغاز ہوا۔ خلافت راشدہ کی بنیاد شورائیت پر تھی۔ ان کی رہنمائی کے لیے مجلس شوریٰ موجود تھی جس رکن مسلم اکابرین عرب میں سے تھے۔ یہ لوگ پوری آزادی سے ملکی معاملات میں خلیفہ کو مشورہ دیتے لیکن حضرت معاو نے مجلس شوریٰ ختم کر کے اس کی جگہ اپنے درباری مشیروں کو دے دی۔ یہ مشیر بالعموم ان کے رشتہ دار یا ان کے ہم ہوتے۔ بیت المال خلفائے راشدین کے زمانہ میں قومی امانت سمجھا جاتا تھا لیکن اب یہ خلیفہ کے ذاتی تصرف میں تھا خرچ میں بھی جائز و ناجائز کی تخصیص روا نہ رکھی جاتی۔ بیت المال کی رقوم عموماً عوامی تائید و حمایت حاصل کرنے استعمال کی جاتیں چنانچہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں بیت المال "شاہی خزانہ" کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اعلیٰ منا پر تقرری کے لیے تقویٰ اور اہلیت کی بجائے اب خلیفہ کے ساتھ خاندانی اور ذاتی تعلقات بنیادی حیثیت رکھتے تھے خلافت راشدہ سادگی کا انتہائی حسین نمونہ تھی۔ مسجد نبوی کا صحن قصر خلافت کا کام دیتا تھا لیکن حضرت معاویہؓ نے اپنے دفا اور محل قصر و کسریٰ کے نمونہ پر تعمیر کرائے۔ ان کا طرز رہائش بھی شاہانہ تھا۔ محل پر پہرہ دار اور دروازوں پر دربان مقرر کر کا طریقہ آپؓ نے پہلی بار اختیار کیا۔ آپ نے اپنے بیٹھنے کے لیے ایک ایسی چیز بنوائی تھی جو تخت کے مشابہ تھی اگر آپ مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرتے تھے لیکن وہاں آپ نے اپنے لیے آڑ (مقصورہ) بنوا رکھی تھی۔ یہ طور طر آپ نے رومی شہنشاہوں سے مستعار لے کر اپنے ملک میں رواج دیئے۔ لہٰذا ان تمام تبدیلیوں کی روشنی میں یہ کہنا درس ہوگا کہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں مسلم بادشاہت کا آغاز ہوا۔

Marfat.com

یزید بن معاویہ

یزید بن معاویہ بن ابوسفیان بن حرب بن امیہ الاموی الدمشقی

یزید بن معاویہ خلافت امویہ کا دوسرا خلیفہ تھا۔ اس کی ولادت 65ھ، 23 جولائی 645ء کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی، اُس نے حضرت معاویہؓ کے بعد 680ء سے 683ء تک مسند خلافت سنبھالا۔ یزید نے تخت سنبھالتے ہی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان والئی مدینہ کو لکھا کہ حضرت حسینؓ ابن علی، حضرت عبداللہؓ ابن زبیر، حضرت عبدالرحمٰنؓ ابی بکر اور حضرت عبداللہؓ ابن عمر سے جلد از جلد بیعت لو۔ ولید بن عتبہ نیک طبیعت اور صلح جو انسان تھا۔ جب یزید کا حکم کے پاس پہنچا تو اس نے اکابرین مدینہ کو جمع کیا اور یزید کا خط پڑھ کر سنایا۔ حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ کی وفات کی پر اظہار افسوس کیا اور ان کی مغفرت کیلئے دعا کی۔ مروان بن حکم ان دنوں مدینے میں بطور مشیر فرائض انجام دے رہا تھا۔ نے ولید بن عتبہ کو تحریک دی کہ موقع اچھا ہے، حضرت حسینؓ سے اسی لمحے بیعت لے لو پھر شاید موقع نہ مل پائے۔ ولید عتبہ نے مروان کے مشورے کو رد کر کے بیعت کا معاملہ اگلے دن پر مؤخر کر دیا۔ اسی طرح حضرت عبداللہؓ بن زبیر، دربار ت میں نہیں پہنچے۔ جب انہیں بلوایا گیا تو انہوں نے ایک شب کی مہلت طلب کی۔ ولید نے نرم خوئی کا مظاہرہ کرتے ئے انہیں بھی اگلے دن تک کا موقع دے دیا۔ رات کو موقع پا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے اہل وعیال سمیت مکہ روانہ ئے۔ ولید اور مروان کو ان کی رخصت کی خبر سے صدمہ ہوا اور وہ ان کی گرفتاری کیلئے نکل کھڑے ہوئے مگر شام گئے تک خبر نہ پا سکے۔ جب وہ دونوں تھکے ہارے مدینہ پہنچے تو شب کو موقعہ پا کر حضرت حسینؓ نے بھی مکہ کی راہ لی۔ صبح جب ان روانگی کا معلوم ہوا تو ولید نے ہاتھ کھڑے کر دیئے اور کہا کہ ''میں حسینؓ بن علی کا تعاقب ہرگز نہیں کروں گا، ممکن ہے کہ راہ ان تک پہنچ جاؤں اگر وہ مقابلے پر اتر آئے تو مجھے بھی مجبوراً اپنی تلوار بے نیام کرنا پڑے گی۔ ان کے خون سے میرے رنگے جائیں یہ مجھے کسی قیمت پر گوارا نہیں۔'' چونکہ ولید نے مروان کے کہنے کے مطابق سختی نہ کی اس لئے وہ مدینہ سے یا گیا لیکن اُس کے سامنے ہی تمام اہلِ مدینہ نے بخوشی یا بہ جبر یزید کے واسطے بیعت کر لی تھی۔

حضرت عبداللہؓ کی بیعت:

حضرت عبداللہؓ ابن زبیر اور حضرت حسینؓ مکہ چلے گئے۔ حضرت عبداللہؓ ابن زبیر نے مکہ میں پہنچ کر حارث امیر مکہ کو ل دیا اور اپنے کو پیشوا بنایا۔ حضرت حسینؓ مکہ میں تھے لیکن عزلت گزین تھے۔ حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کی سرکوبی کیلئے عمرو سعید تعینات کیے گئے۔ عمرو کو ہزیمت ہوئی اور ان کے بھائی عبیداللہ نے جو ملکی معاملات سے الگ تھے اُس کو اپنے گھر امان دی۔ اب حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کا پورا تسلط مکہ میں ہو گیا۔ سب نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن حضرت حسینؓ ن علی الگ رہے۔ حضرت عبداللہؓ کے ہاتھ پر خود اُن کے اہل بیت نے بھی بیعت نہ کی اور نہ اُنہوں نے اصرار کیا۔ یہ عہ ذی الحجہ 60ھ کا ہے۔

حضرت حسینؓ کو کوفہ آمد کی دعوت:

کوفی لوگ عبیداللہ ابن زیاد سے تنگ تھے اور یوں خود اُن میں بے وفائی اور سرکشی کا مادہ تھا۔ جب اُنہوں نے سنا کہ

حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے یزید کی بیعت سے انکار کیا لیکن حضرت حسینؓ نے ابھی تک حضرت عبداللہؓ سے بیعت نہیں کی ہے تو کوفہ والوں کے خیالات پراگندہ ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ حضرت حسینؓ کو مکہ سے بلا کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور وہی امیر مقرر کیے جائیں۔ حضرت معاویہؓ کی سلطنت بہت مستحکم تھی۔ وہ زندہ ہوتے تو کسی کو سر اُٹھانے کی مجال نہ ہوتی۔ لیکن یزید کا امیر المومنین ہونا صریح بے جوڑ بات تھی اور اس لئے جابجا طبیعتوں میں تحریک پیدا ہوگئی۔ حضرت حسینؓ کے پاس کوفیوں کا خط آیا۔ حضرت حسینؓ نے دریافت حال کے لئے اپنے چچازاد بھائی مسلمؓ بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ کوفہ میں خبر ہوئی کہ حضرت حسینؓ کے بھائی مسلمؓ آئے ہیں اور پیچھے حضرت حسینؓ بھی آتے ہیں یا آئیں گے۔ اس پر کوئی بارہ ہزار آدمیوں نے مسلمؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مسلمؓ نے نہایت خوشی سے حضرت حسینؓ ابن علی کو مطلع کیا اور حضرت حسینؓ نے کوفہ کا ارادہ کرلیا۔ حضرت حسینؓ کو جو ذرا توقف ہوا تو پے در پے طلبی کے خطوط آئے۔ کوفہ والوں کی جلدی حق بجانب تھی۔ مسلم کو بیعت لینا مناسب نہ تھی انہیں چاہیے تھا کہ عندیہ دریافت کر کے واپس چلے آتے اور جب وہ بیعت لے چکے تو حضرت حسینؓ کو جانا ہی مناسب تھا۔ یزید کی اطاعت سے وہ لوگ الگ ہو چکے اور یہاں کوئی دوسرا شخص نہیں جس کے سہارے پر وہ قوت پکڑتے۔ مسلم سے بیعت کرنے کی خبر منتشر ہوئی تو ہوا خواہوں نے یزید کو مطلع کیا اور لکھا کہ کوفہ میں حضرت حسینؓ کا آنا روکا جائے ورنہ غضب ہو جائے گا۔ یزید اب تک زیاد اور اُس کے لڑکوں سے کشیدہ خاطر تھا۔ حضرت معاویہؓ نے جو انہیں نسل ابوسفیان میں داخل کرلیا تھا، اس کا اسے رنج تھا اور اسی وجہ سے یزید کی ابتدائے حکومت میں کوفہ کی حکومت نعمان بن بشیر کے متعلق تھی۔ ابن زیاد کے قبضہ میں صرف بصرہ تھا۔ لوگوں کی صلاح سے یزید نے عبیداللہ ابن زیاد کو پھر بصرہ اور کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور اُسے حضرت حسینؓ سے مقابلہ کرنے کا حکم بھیجا۔ عبیداللہ ابن زیاد کے کوفہ پہنچنے کے قبل کوفہ کی یہ حالت تھی کہ نعمان بن بشیر کی موجودگی میں لوگ مسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور وہ سکوت کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے نواسے کا احترام اُسے مزاحمت سے روکتا تھا۔

عبیداللہ بن زیاد:

عبیداللہ رات کے وقت تنہا اونٹ پر سوار حضرت حسینؓ کا سا لباس پہنے کوفہ میں پہنچا اور سیدھا نعمان کے گھر کی طرف چلا۔ تمام خلقت عبیداللہ کے پیچھے ہوئی۔ عبیداللہ نعمان کے دروازہ پر جا کر خاموش کھڑا ہوا۔ نعمان نے دروازہ کھولنے میں تامل کیا۔ لوگوں نے نعمان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا نواسہ کھڑا ہے اور تم دروازہ نہیں کھولتے۔ نعمان نے کہا کہ ''میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا وقت حسینؓ کے قتل سے بدنام کیا جائے۔ حسینؓ آپ واپس جائیے، یزید پر آپ غالب نہ ہوں گے۔'' اس کے بعد جب معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ کی جگہ پر عبیداللہ کھڑا ہے تو نعمان نے دروازہ کھول دیا اور اُسی وقت سے خلقت کا رنگ بدل گیا۔ کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ عبیداللہ کے پہنچ جانے پر اپنے کو حسینی کہتا۔ یہ حالت دیکھ کر ہانی بن عروہ کے مکان میں مسلمؓ چھپے اور اُن کی تلاش ہونے لگی۔

مسلمؓ بن عقیل کی شہادت:

جب ہانی کی جان پر بنی تو مسلمؓ باہر نکلے اور لوگوں سے کہا کہ اب میرا چھپنا ممکن نہیں اور عبیداللہ مجھے قتل کیے بغیر نہ

Marfat.com

وڑے گا۔ لوگوں نے کہا کہ بغیر حسینؓ کے ہم تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ چار ہزار آدمی مسلمؓ کے ہمدرد بھی ہوئے تو ولیش بے اسلحہ۔ کوئی فوجی آدمی ان کا ساتھی نہیں تھا۔ ان چار ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلم دارالامارت میں پہنچے۔ عمارت محاصرہ کرلیا گیا اور اس وقت ابن زیاد کے پاس صرف تیس چالیس افراد تھے۔ انہوں نے چھت پر چڑھ کر محصورین پر اندازی شروع کردی۔ اسی دوران کچھ لوگوں نے مسلمؓ کے حمائتیوں میں پھوٹ ڈال دی اور وہ ایک ایک کر کے کھسکنے ے۔ مسلم بن عقیل کے ہمراہ صرف تیس آدمی رہ گئے۔ عورتیں آ کر اپنے مردوں کو کھانا کھلانے کے لئے گھر لے جاتی تھیں وہ کھانا کھا کر واپس نہ آتے تھے۔ شام تک مسلم تنہا رہ گئے۔ رات کو یہ پھر کسی کے گھر میں چھپے۔ لوگوں نے گھر گھیرا تو کے گھر کی طرح اُنہوں نے اس گھر کو بھی چھوڑا اور شمشیر بکف باہر نکل آئے۔ لیکن اب کے اُنہیں دھوکا ہوا لڑنے کی ت نہیں آئی۔ عمرو بن جریر نے کہا کہ تم امیر کے پاس چلو میں تمہیں امان دلوا دوں گا۔ جب یہ آئے تو ہانی کے ساتھ قید گئے۔ دوسرے دن اُن دس ہزار آدمیوں کو غیرت آئی جنہوں نے حضرت حسینؓ کے لئے بیعت کی تھی لیکن اُن کی رت ناپائیدار تھی۔ لوگوں کا مجمع دیکھ کر عبیداللہ نے سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہانی اور مسلم کو چھت پر قتل کیا اور اُن کے نیچے پھینک دیے۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر کوفیوں کی غیرت پانی ہوگئی اور وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دہشت منظر ان کی وفاداریوں کو بدلنے کیلئے کافی ثابت ہوا تھا۔ پھر کیا تھا عبیداللہ کا رنگ جم گیا اور کوفہ میں کوئی حضرت حسینؓ م بھی لینے والا نہیں رہا۔

رت حسینؓ کی روانگی:

مسلمؓ کے قتل ہونے کا حال حضرت حسینؓ کو مکہ میں نہیں معلوم ہوا بلکہ کوفہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا۔ جس روز مسلمؓ ہوئے اسی روز حضرت حسینؓ مکہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عبداللہؓ ابن عباس نے بہت منع کیا۔ حضرت عبداللہؓ ابن بھی مانع ہوئے اور کہنے لگے کہ "یہ سفر تمہیں سزاوار ہوتا نظر نہیں آتا۔ لوگ کہیں گے کہ حضرت عبداللہؓ ابن زبیر نے اپنی نت کو قوت پہنچانے کے لئے حضرت حسینؓ کو فریب دے کر مکہ سے باہر کر دیا۔ اگر تم کو خواہش ہو تو میں تمہارے ہاتھ پر ت کرتا ہوں تم یہیں رہو۔" حضرت حسینؓ نے کسی کی بات نہیں مانی اور اپنے اہل وعیال کے ہمراہ سفر اختیار کیا لیکن کوفہ قریب پہنچ کر حضرت حسینؓ کی رائے لوگوں کے سمجھانے سے بدل جاتی۔ تاہم وقت یہ تھی کہ جب ہزاروں آدمیوں نے کے لئے یزید سے مخالفت کی۔ اور ان کے منتظر تھے تو پھر یہ کہاں مناسب تھا کہ یہ اُن مسلمانوں کو دھوکا دے کر کہیں کا نہ ے۔ یہ حضرت حسینؓ کے خیالات تھے یہ خبر کہاں تھی کہ کوفہ میں نہ اب کوئی اُن کا ساتھی ہے اور نہ کوئی اُن کا منتظر ہے۔ رت حسینؓ تو مکہ سے کوفہ چلے اور وہاں عبیداللہ ابن زیاد کو کوفہ کے انتظام سے مطمئن ہونے کے بعد یہ فکر ہوئی کہ حضرت نؓ کو راستہ میں روکنا چاہئے۔ عمرو ابن سعد بن ابی وقاص کو رے کی حکومت کی پروانہ ابھی ابھی ملا تھا۔ عبیداللہ ابن زیاد اسی کو منتخب کیا۔ عمرو ابن سعد نے کہا کہ حضرت حسینؓ سے مزاحمت کرنے کا کام میرے سپرد نہ ہو تو اچھا لیکن جب ت رے معرض زوال میں نظر آئی تو یہ راضی ہو گیا اور مکہ کی راہ چلا۔ عمرو ابن سعد کے لشکر میں ایک شخص یزید تمیمی کا بیٹا م کا تھا۔ یہ لشکر سے آگے آگے چلتا تھا۔ آگے بڑھ کر حضرت حسینؓ سے اس کی ملاقات ہوئی اور یہ ملاقات نواح کوفہ ہوئی جہاں حضرت حسینؓ بالکل بے بس تھے۔ حُر کو آل علی رضی اللہ عنہ سے اُنس تھا۔ اُس نے تمام خبر حضرت حسینؓ کو

Marfat.com

سنائی۔ حضرت حسینؓ کے ساتھ کل چالیس سوار اور سو پیادے ہتھیار چلانے کے لائق تھے۔ حُر سے یہ حالات سن کر امام حسین متفکر اہل وعیال پاؤں کی بیڑی تھے۔ حُر نے یہ صلاح دی کہ راستہ چھوڑ کر آپ غیر متعارف راہ سے مکہ واپس جائیں۔ آپ نے اس پر عمل بھی کیا لیکن آپ کربلا تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ عمرو ابن سعد کا لشکر آ گیا اور آپ کو سینہ سپر ہونا پڑا۔ عمرو بن سعد نے حسین کو سمجھایا اور کہا کہ گو تمہیں لوگ حق پر ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے۔ علیؓ سے زیادہ تم لڑ نہیں سکتے۔ علیؓ نے کتنی کوششیں کیں لیکن اُنہیں کامیابی نہ ہوئی۔ تم اس جھگڑے سے الگ رہو تو زندگی آرام سے کٹے گی اور اگر الگ نہ رہو گے تو معلوم نہیں کون مارا جائے؟ حضرت حسینؓ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں مکہ پھر جاؤں اور اللہ کی عبادت کرتا رہوں یا یزید کے پاس شام چلا جاؤں۔ عمرو ابن سعدؓ نے عبیداللہ ابن زیاد کے پاس خط بھیجا۔ عبیداللہ نے لکھا کہ حسینؓ کو میرے پاس آنا چاہئے۔ میں اُنہیں یزید کے پاس بھیجوں گا۔ حضرت حسینؓ نے کہا۔ "میں خود یزید کے پاس چلوں گا کسی کو میرے ساتھ کر دو۔" عبیداللہ نے اپنی بات پر اصرار کیا اور کہا: "نہیں حسینؓ کو میرے پاس آنا ہوگا۔" خط و کتابت کا سلسلہ ایک ہفتہ تک رہا اور اس اثناء میں پہلی محرم سے حضرت حسینؓ ابن علی کربلا میں محصور تھے۔ عبیداللہ ابن زیاد نے عمرو ابن سعد کو نرم دل سمجھ کر جویرہ اور شمر ذی الجوش کو تعینات کیا اور یہ حکم دیا کہ جس طرح ممکن ہو حضرت حسینؓ کو زندہ یا مردہ میرے پاس لاؤ۔ یہ صورت دیکھ کر عمرو ابن سعد تیز ہوا اور 9 محرم کو اُس نے خیمہ حسین علیہ السلام کے پاس آ کر کہا کہ "میں نے بہت چاہا کہ خونریزی نہ ہو لیکن مجبوری ہے۔ جو تم کہتے ہو، امیر یعنی عبیداللہ ابن زیاد نہیں مانتا اور جو وہ کہتا ہے تم نہیں مانتے۔ دیکھو یہ قاصد آیا ہے اور پیغام لایا ہے کہ عمرو ابن سعد کو لڑائی میں تامل ہو تو اُسے قید کر کے جویرہ سردار فوج بنے اور لڑائی کرے۔" فی الواقع جویرہ کے ساتھ عبیداللہ نے ایسا ہی حکم بھیجا تھا اور اُس کے بعد شمر کو اُس نے یہ سمجھ کر بھیجا کہ مبادا جویرہ اور ابن سعد کی بے لطفی سے حسین کو کوئی فائدہ پہنچ جائے۔ مسلم کے ساتھ عبیداللہ ابن زیاد نے جو کچھ کیا وہ ظاہر تھا۔ اسی لیے حسین اس کے پاس جانے سے تامل کرتے تھے۔

سانحہ کربلا:

9 محرم کی لڑائی حضرت حسینؓ کی درخواست پر ملتوی رہی۔ دوسرے دن صبح سے لڑائی شروع ہوئی۔ اور عبیداللہ کے حکم کے مطابق نہر فرات کا پانی نویں شب سے بند کر دیا گیا۔ پانی بند ہونے کا حال حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کو پہلے سے معلوم نہ تھا اور اس لئے ضرورت سے زیادہ پانی ان کے پاس نہ تھا۔ صبح ہی سے پیاس شروع ہوئی۔ اُس پر سے دھوپ کی سختی نہایت تکلیف دہ تھی جو لوگ اہل بیت سے نہ تھے اُن سے حضرت حسینؓ نے کہا کہ لوگ تمہارے دشمن نہیں ہیں تم واپس جاؤ۔ اُن لوگوں نے کہا کہ ہم اہل بیت رسول ﷺ کو میدان جنگ میں تنہا چھوڑ کر جا نہیں سکتے۔ کسی نے حضرت حسینؓ کو یہ صلاح دی کہ لوگوں کو چھوڑ کر آپ تنہا نکل جائیے۔ جب اور لوگ یہاں ہوں گے تو آپ کے چلے جانے کا پتہ نہ لگے گا۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ میں اُن لوگوں کو کیونکر تنہا چھوڑ دوں جو اپنی جان بچانے کے لئے مجھے تنہا چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔

دونوں صفوں کے درمیان جو خطبہ حضرت حسینؓ نے پڑھا وہ بہت ہی پُر اثر تھا۔ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کا صرف یہ قصور تھا کہ وہ ایک گمراہ (یزید) کو اپنا رہنما بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس قصور پر لوگ اُن کے خون کے پیاسے کھڑے تھے۔ یہ سب اپنے کو مسلمان بھی کہتے تھے۔ اُس پُر اثر خطبہ نے بجز حُر کے کسی کے دل پر اثر نہ کیا۔ حر حضرت حسینؓ

...طرف چلا آیا اور آپ پر جان نثار ہو گیا۔ حضرت حسینؓ کے ساتھیوں نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ بہت سے دشمن ...ے گئے۔ حضرت حسینؓ کے ساتھیوں نے دکھا دیا کہ بنو ہاشم کے بازو میں کتنی قوت تھی۔ حضرت حسینؓ کو تو کبھی لڑنے کا ...ق نہیں ہوا تھا۔ آج ہی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح ان کی لڑائی بھی بہت سخت تھی۔ یہ جدھر پہنچ جاتے ...ان صاف کر دیتے تھے لیکن آپؓ ہزاروں کا مقابلہ کہاں تک کرتے۔ بالآخر حضرت حسینؓ مع اپنے تمام ساتھیوں کے ...ید ہوئے۔ کوئی شیر خوار بچہ بھی نہیں رہا۔ حضرت حسینؓ کی نسل کا قائم رہنا تھا۔ صرف علیؓ ابن حسین جن کا لقب آئندہ چل ...زین العابدین ہوا خیمہ کے اندر بیمار پڑے رہنے سے بچ گئے۔ حضرت حسینؓ کے ساتھ 88 یا 140 آدمی شہید ہوئے۔ ...ابن سعد سب کو دفن کر کے کوفہ چلا اور اپنے ساتھ علیؓ ابن حسین کو اور اُن کے ساتھ کی سب عورتوں کو لیتا گیا۔ علیؓ اپنے ...ر کی عورتوں سمیت پہلے ابن زیاد کے پاس کوفہ پہنچائے گئے۔ پھر وہاں سے یزید کے سامنے دمشق پہنچائے گئے۔ ...رت حسینؓ کا سر بھی نیزہ پر اِن آفت زدوں کے ساتھ ساتھ دمشق تک تھا جس سے اِن قیدیوں کی مصیبتیں روز بروز ...ی جاتی تھیں۔ یہ بڑا سخت واقعہ تھا۔ حضرت علیؓ ابن حسین جب تک زندہ رہے اس سے متاثر رہے۔

...عان علیؓ:

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک مذہبی اور ملکی امام ایک ہوتا تھا۔ ان کے بعد حضرت معاویہؓ کے عہد میں ...ت کچھ گڑبڑ ہوئی۔ یزید کے وقت سے تو یہ دو فرقے الگ الگ ہو گئے۔ یزید اور اُس کے بعد کے سلاطین بھی اپنے آپ امیر المومنین کہلواتے تھے لیکن بعض سچے مسلمان جو سنت نبوی کے پیرو تھے اُن سے دور رہتے تھے۔ یزید کے بعد ...لمانوں کا ایک گروہ کھلم کھلا الگ ہو گیا۔ وہ مسلمان بادشاہوں کے سامنے جانا معیوب سمجھنے لگے۔ حدیث نبوی جمع ...تے تھے اور قرآن کی تفسیریں لکھتے تھے۔ فقہ کی تدوین کرتے تھے۔ اسماء الرجال ترتیب دیتے تھے۔ عبادت کرتے ...، تجارت کرتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ اچھا نمونہ دکھاتے تھے اور اخلاف کے لئے عمدہ ذخیرہ ...وڑتے تھے۔ جہاں جہاں ملکی مسلمان تلوار لے کر پہنچتے تھے وہاں یہ لوگ اپنا سجادہ لے کر پہنچتے تھے۔ اہل فوج جہاں سو ...میوں کو بزور تلوار اپنا مطیع کرتے تھے وہاں یہ لوگ لاکھوں کو اپنے طرز عمل سے سنت نبوی کا نمونہ دِکھا کر اسلام کی محبت ...ں داخل کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد امر خلافت معاویہ اور یزید کی طرف منتقل ہوا لیکن شیعان علی نے ...ی امور میں اپنا امام حسنین علیہ السلام کو سمجھا اور حسنین کے بعد اُنہیں جو اُن کی اولاد میں سب سے زیادہ باوقعت نکلے۔ ...ب تشیع کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے علاوہ آٹھ ائمہ اُن کی نسل میں اپنے اخلاق ...ی وجہ سے بہت زیادہ برگزیدہ ہیں۔ آٹھ اور تین گیارہ یہ ہوئے۔ اور اُن کا خیال ہے کہ اسی نسل سے ایک بارھواں امام ...ی زمانہ میں غالباً قیامت کے قریب پیدا ہو کر راہ راست کی ہدایت کرے گا۔ یہ بارہ امام اہل سنت والجماعت کے ...دیک بھی بہت باوقعت ہیں۔ رسولؐ خدا کو تو سب افضل جانتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت بھی سبھوں کا ...ا خیال ہے کہ اپنے عہد کی تمام بیبیوں میں وہ اچھی ہیں بلکہ اُن چار بیبیوں میں ہیں جن سے افضل کوئی دوسری عورت نہیں ...ئی اور جن کا تذکرہ اوپر لکھا گیا ہے۔ اہل سنت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو باعتبار خلافت کے چوتھے درجہ میں مانتے ہیں۔

Marfat.com

عبداللہؓ بن زبیر کی فکر:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یزید سمجھا کہ میری حکومت میں اب کوئی خدشہ نہیں رہا لیکن اس کے بعد ہی اُسے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہؓ ابن زبیر، حضرت حسینؓ سے کہیں زیادہ سخت دشمن مکہ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہؓ ابن زبیر نے حضرت حسینؓ کے بعد کچھ قدم اور آگے بڑھائے۔ یزید سے قتل حسینؓ کا الزام جو عائد ہوا تو حضرت ابن زبیرؓ کو یزید کے خلاف آسانی ہوگئی اور یزید سمجھا کہ حضرت حسینؓ کے قتل کرنے میں عبیداللہ ابن زیاد سے سخت غلطی ہوئی۔ عبیداللہ ابن زیاد کو یہ توقع تھی کہ سر حسین رضی اللہ عنہ کے صلہ میں خراسان کی حکومت اُسے مل جائے گی لیکن یزید نے اس کا کوئی درجہ نہیں بڑھایا۔ اسی زمانہ میں مسلم بن زیاد نے خراسان کی حکومت یزید سے پائی۔ سمرقند اور خوارزم وغیرہ اُس نے مفتوح کیے۔ یزید کے مرنے تک مسلم خراسان میں تھا اور مسلم کی طرف سے سجستان طلحہ کے متعلق تھا۔ عبیداللہ ابن زیاد خراسان کا خواہاں تھا۔ مسلم کا وہاں تعینات ہونا اور بھی عبیداللہ بن زیاد کے رنج کا باعث ہوا۔ حضرت عبداللہؓ ابن زبیر نے لوگوں سے علانیہ مکہ میں بیعت لینا شروع کردی۔ ولید اس وقت یزید کی طرف سے مدینہ میں حاکم تھا۔ ولید کی طرف سے جو شخص مکہ میں خلیفہ تھا اُسے حضرت عبداللہؓ ابن زبیر نے مکہ سے نکال دیا اور اپنے ساتھی کو مکہ کا حاکم بنایا۔ عبداللہ ابن زبیر کے ساتھی الگ نماز پڑھتے تھے اور یزید کے ہواخواہوں کی الگ جماعت ہوتی تھی۔

ولید کی جگہ پر عثمان ابن محمد بن ابی سفیان مدینہ میں عامل تعینات ہوا۔ عثمان ابن محمد نے دس آدمیوں کو یزید کے پاس روانہ کیا۔ یزید نے اُن کے ساتھ بہت کچھ نقد و جنس سے سلوک کیا اور امید یہ رکھی کہ وہ لوگ مدینہ میں واپس آ کر یزید کے مداح ہوں گے لیکن نتیجہ برعکس ہوا۔ وہ لوگ جو واپس آئے تو عام طور پر یزید کی شراب خوری اور بداطواری کا اظہار کیا اور عثمان ابن محمد کی اطاعت سے منحرف ہو کر اُسے قید کر لیا۔ باستثناء عبدالملک ابن مروان کے کہ وہ ہر وقت مسجد میں عبادت کرتا تھا اور علم فقہ پڑھتا تھا باقی تمام بنی امیہ مع مروان کے عثمان کے ساتھ قید کیے گئے۔

مدینہ پر چڑھائی:

یزید نے عبیداللہ ابن زیاد کو لکھا کہ مدینہ کی جلد خبر لو۔ یزید سے ابن زیاد آزردہ تھا ہی اُس نے پہلوتہی کی اور لکھا کہ میں نے آل رسول کو قتل کیا۔ اب خانہ رسولؐ کی بربادی کسی دوسرے کے متعلق کیجئے۔ دونوں کام مجھ سے لینے مناسب نہیں ہیں۔ مدینہ کے سرکشوں کا سردار پہلے علیؓ ابن حسین کے پاس آیا۔ جب انہیں متوجہ نہ پایا تو حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کے ہاتھ پر سب لوگوں نے بیعت کی۔ یہ خبریں سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ کو روانہ کیا۔ لیکن حرمین کا اتنا احترام کیا یا مصالح ملکی پر نظر کر کے یہ ہدایت کی کہ حتی الوسع خونریزی نہ کرنا اور جب چارہ نہ ہو تو دریغ بھی نہ کرنا۔ جب مُسلم بن عقبہ کا لشکر قریب پہنچا تو قیدیان بنی اُمیہ بھی کسی طرح ان تک پہنچ گئے۔ عبداللہ ابن حنظلہ مدنیوں کا سردار مارا گیا اور مسلم نے غلبہ پا کر شہر والوں کو بڑی تکلیف پہنچائی۔ تین روز تک شامیوں نے مدینہ والوں کا خون حلال رکھا۔

عمرؓ بن زبیر:

عبداللہ ابن زبیر کے مقابلے کیلئے پہلے اُن کا بھائی عمرؓ بن زبیر یزید کی طرف سے تعینات ہو کر آیا۔ عمرؓ بن زبیر کو ہزیمت ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ ابن زبیر اسی اثناء میں بہت قوت پکڑ گئے تھے ممکن تھا کہ وہ مدینہ میں آ کر شامیوں کا مقابلہ

Marfat.com

کرتے لیکن حضرت حسینؓ کے واقعہ نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا۔

مکہ کا محاصرہ:

65ھ میں عبداللہ ابن زبیر نے حج کیا اور یہ اُن کے مکہ میں امیر ہونے کا پورا ثبوت تھا۔ مسلم بن عقبہ حضرت عبداللہ ابن زبیر کے دبانے کے لئے مدینہ سے مکہ آیا اور اپنے بیمار ہو جانے سے حصین بن نمیر کو شامیوں کا سپہ سالار کیا۔ دو مہینہ تک شامیوں نے مکہ کا محاصرہ قائم رکھا سپاہ شام جس میں بعض کافران حبشہ بھی تھے منجنیق سے شہر میں پتھر برساتے تھے۔ مسجد کعبہ کو ضرر پہنچا اور اُس کے بعد روئی میں گندھک بھر کر شامیوں نے اس طرح پھینکی کہ خانہ کعبہ کے پردہ میں آگ لگ گئی اور تمام دیواریں سیاہ ہو گئیں۔

یزید کی موت:

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ میں آگ لگنے اور یزید کے مرنے کی ایک تاریخ ہے۔ سپاہ شام نے مکہ سے واپس جانے کا ارادہ کیا تو اتنے میں یزید کے مرنے کی خبر آئی۔ حصین نے سنا کہ یزید کا بیٹا معاویہ گدی پر بیٹھا ہے۔ یزید کی وفات 39 برس کی عمر میں ہوئی۔ تین سال آٹھ مہینے تک اُس نے حکمرانی کی۔ اس کے 14 لڑکے اور 5 لڑکیاں تھی۔ معاویہ بن یزید جس کی کنیت ابولیلی ہے۔ اسے خلیفہ بنایا جانے لگا تو خلافت سے کنارہ کشی کی اور تسلیم کیا کہ یہ اس کا حق نہیں۔ اس بنیاد پر اس کے رشتہ دار اس کے سخت خلاف ہو گئے۔ مزید برآں خالد بن یزید جس کی کنیت ابوھاشم ہے، کہا جاتا ہے اس نے کیمیاء کا علم حاصل کیا تھا۔ ابوسفیان، ماں کا مکمل نام ام ھاشم بنت ابوھاشم بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس، جس سے مروان بن الحکم نے شادی کی تھی۔ عبدالعزیز ابن یزید اور اسے الاسوار کہا جاتا تھا، وہ ایک اچھا تیرانداز تھا، اس کی ماں ام کلثوم بنت عبداللہ عامر۔ اس کے علاوہ اس کی اولاد میں درج ذیل نام آتے ہیں: عبداللہ اصغر، ابوبکر، عتبہ، عبدالرحمٰن، ربیع، محمد، یزید، حرب عمر، عثمان، عاتکہ، رملہ، ام عبدالرحمٰن، ام یزید، ام محمد۔ تمام لوگوں نے یزید کی وصیت کے مطابق یزید کے مرنے پر اُس کے بیٹے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

معاویہ بن یزید

اموی خلیفہ یزید نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے معاویہ کو جانشین مقرر کر دیا تھا چنانچہ 64 ہجری میں باپ کی موت کے بعد وہ تخت نشین ہوا۔ 21 سال کا یہ نوجوان عادات و خصائل میں اپنے باپ کی ضد تھا۔ عبادت اور ریاضت اس کا معمول تھا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اسے کاروبار حکومت سے اس قدر نفرت ہو چکی تھی کہ صرف 3 ماہ کی حکومت کے بعد از خود خلافت سے دستبردار ہو گیا۔ ایک دن عمر ابن مقصوم نے معاویہ سے کہا کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح سے تم انصاف کرو گے تو سب کچھ ہے ورنہ تو دوزخ تمہاری جگہ ہے۔ معاویہ یہ سن کر منبر پر چڑھا اور بولا کہ "مجھ میں حکومت کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ابوبکر کی طرح کسی کو اپنا جانشین بنا دوں یا عمر کی طرح چھ آدمیوں کو نامزد کر کے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دوں لیکن نہ عمر جیسا کوئی نظر آیا اور نہ ویسے چھ آدمی اس لئے میں اس منصب سے دست بردار ہوتا ہوں۔ تم لوگ جسے چاہو اپنا خلیفہ بنا لو۔" یہ کہہ کر وہ منبر سے اترا اور گھر

Marfat.com

میں گھس گیا اور دروازے اندر سے بند کر لیے۔ اس کے بعد وہ چالیس روز تک زندہ رہا اور پھر مر گیا۔ چالیس روز تک شامیوں نے کسی دوسرے کو خلیفہ کرنا نہیں چاہا۔ شامی امرا معاویہ سے اصرار کرتے رہے لیکن وہ کسی صورت میں ہاتھ میں عنان حکومت لینا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی حیات میں کوئی خلیفہ نہیں کیا گیا اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ معاویہ بن یزید کی خلافت 40 روز تک تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حکومت چھوڑنے کے چند ماہ بعد معاویہ کا انتقال ہو گیا۔ اگر چہ اس کی دستبرداری سے ایک سیاسی خلا پیدا ہوا لیکن عبداللہ بن زبیر اور مروان بن حکم کی کشمکش سے بالآخر تاج وتخت مروان بن حکم کے ہاتھوں منتقل ہو گیا۔

معاویہ کے مرنے پر شامیوں کو خلیفہ بنانے کی فکر پیدا ہوئی۔ عثمان بن عتبہ بن ابوسفیان کی طرف لوگ رجوع ہوئے لیکن اُس نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس شرط پر خلیفہ ہوتا ہوں کہ کسی سے نہ لڑوں گا۔ ظاہر تھا کہ ایسا شخص کسی طرح خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد عثمان، حضرت عبداللہؓ بن زبیر کے پاس مکہ چلا آیا۔ عبیداللہ ابن زیاد نے معاویہ کے لئے بیعت حاصل کرنے میں کچھ کامیابی حاصل کی تھی کہ معاویہ کے مرنے کی خبر آئی۔ عبیداللہ ابن زیاد نے موقع پا کر کوفہ خزانہ چھپا دیا۔ حضرت ابن مسعودؓ اور عبداللہ ابن حارث بن نوفل بن حرب بن عبدالمطلب اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ جابجا خلافت کی خواہشیں کرنے لگے۔ اسی دوران حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کا حجاز، مکہ اور مدینہ میں پورا تسلط ہو گیا۔ لوگ شام میں انہیں بلاتے تھے۔ لیکن یہ کہتے تھے کہ میں مکہ سے باہر نہیں جا سکتا۔ کوفہ اور بصرہ میں بھی حضرت عبداللہ ابن زبیر کی طرف سے حاکم پہنچ گئے تھے۔

خلافت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

(64 تا 73ھ (685 تا 695ء))

حضرت عبداللہؓ بن زبیر، حضرت زبیرؓ بن عوام کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی بیٹی اور حضرت عائشہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ مدینہ منورہ میں 2ھ کو پیدا ہوئے۔ اس سے پہلے مہاجرین کے ہاں چونکہ کافی عرصہ تک کوئی اولاد نہ ہوئی اس لیے یہود مدینہ نے اسے سحر کاری کا کرشمہ قرار دے رکھا تھا۔ لہٰذا آپ کی پیدائش پر مسلمانوں نے خوب خوشیاں منائیں۔ تقریباً 8 برس کی عمر میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ کا شمار ان مشاہیر اسلام میں ہوتا ہے جنہوں نے حق وصداقت کا علم بلند رکھنے کے لیے اپنی جان تک بھی نثار کرنے سے دریغ نہ کیا۔ بچپن ہی سے آپؓ کی پیشانی سے بڑائی کے آثار ہویدا تھے۔ دلیری بہادری، شجاعت اور صاف گوئی کے اوصاف کی وجہ سے خواص وعوام میں معروف تھے۔ خلفائے راشدہ کے دور میں آپ کئی ایک مہمات میں شریک ہوئے اور قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حمایت میں بڑی بے جگری سے لڑے۔ اس لڑائی میں ان کے جسم پر 40 سے زیادہ زخم لگے۔ جب حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں یزید کو خلیفہ نامزد کیا تو آپ نے شدید مخالفت کی۔ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب یزید کے قاصد آپ سے بیعت لینے آئے تو آپ ایک دن کی مہلت لے کر مدینہ سے نکل کر مکہ میں آ گئے اور حدود حرم میں پناہ لی۔ آپ کی پیہم کوششوں کے نتیجہ کے طور پر اہل حجاز نے اموی خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔

Marfat.com

اعلان خلافت

شہادت حضرت حسینؓ نے لوگوں کے دلوں کے اندر سوئے ہوئے جذبات کو اس قدر شدت سے برانگیختہ کیا کہ ملک کے طول وعرض میں اموی اقتدار کے خلاف عام ناراضگی اور بغاوت کی ایک زبردست لہر اٹھ کھڑی ہوئی چنانچہ جب حضرت ابن زبیرؓ نے اہل حجاز کو انقلاب کی دعوت دی تو اہل مکہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس وقت دنیائے اسلام میں آپ جیسی موثر شخصیت کا حامل کوئی دوسرا شخص نہ تھا اس لیے اہل مدینہ نے بھی جلد آپ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔

واقعہ حرہ:

یزید نے اہل مدینہ کو بیعت پر مجبور کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوجیوں کے ساتھ حجاز روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے شامی افواج کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا مگر تین دن کی جنگ کے بعد شکست کھائی۔ شامی افواج میں اکثریت عیسائی فوجیوں کی تھی جنھوں نے مسلمانوں کی عزت وآبرو پر بڑے بے دردی سے ہاتھ ڈالا اور ان کے مال اسباب کو جی بھر کر لوٹا۔ اس تباہی سے جو لوگ زندہ بچ گئے انھوں نے بیعت کرلی۔ تاریخ اسلام میں اس واقعہ کو سانحہ حرہ کا نام دیا جاتا ہے۔

خلافت شام کی پیشکش:

مدینہ کو تاخت وتاراج کرنے کے بعد یزید کی افواج جب مکہ کی طرف بڑھیں تو مسلم بن عقبہ دوران سفر ہی میں مر گیا۔ لہٰذا حصین بن نمیر کو سربراہ مقرر کردیا گیا۔ ابن نمیر نے مکہ کا محاصرہ کرلیا جو 64 دن جاری رہا۔ اس دوران جب یزید کی موت کی خبر پہنچی تو محاصرہ اٹھالیا گیا۔ اس وقت حضرت ابن زبیرؓ ہی مسلمانوں میں سب سے معروف اور موثر شخصیت کے حامل تھے لہٰذا ابن نمیر نے آپؓ کو خلافت کی پیش کش کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔
حضرت ابن زبیرؓ اگرچہ ایک دلیر اور بہادر انسان تھے مگر انہوں نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ "جب تک ایک ایک حجازی کے بدلے دس دس شامیوں کو قتل نہ کرلوں گا تب تک کچھ نہیں ہوسکتا۔" یہ جواب سن کر حصین نے کہا۔ "جو شخص آپ کو عرب کا مدبر کہتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ میں آپ کو راز کی بات کہتا ہوں اور آپ چلا کر اس کا جواب دیتے ہیں۔ میں خلافت دلانا چاہتا ہوں اور آپ جنگ وخونریزی پر آمادہ ہیں۔" ابن نمیر مایوس ہوکر شام واپس لوٹ گیا۔ یہ آپؓ کی ایک سیاسی غلطی تھی۔ اگر آپ جذبات کی بجائے دور اندیشی سے کام لیتے تو حجاز کے علاوہ شام اور عراق بھی فوری طور پر آپ کی خلافت کو تسلیم کرلیتے اور اس طرح اموی خلافت حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی۔

عراق اور مصر کی اطاعت:

حضرت ابن زبیرؓ کی شخصیت اس وقت تمام عالم اسلام میں نمایاں اور محترم تھی۔ کوئی شخص بھی ان کے مدمقابل دعویٰ خلافت کرنے کی اہلیت اور حوصلہ نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ ان کے داعیوں اور ساتھیوں نے عراق مصر وشام کا رخ کیا۔ سوائے شام کے باقی سب ملکوں کے حکمرانوں اور عمائدین حکومت نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو اپنی وفاداریاں سونپ دیں۔ عوام نے بھی ان کی قیادت کو تسلیم کرلیا۔ اس طرح آپ کی خلافت کی حدود حجاز کے علاوہ عراق اور مصر تک وسیع ہوگئیں۔ مختصر یہ کہ 65ھ تک حضرت عبداللہ ابن زبیر کی خلافت تمام ممالک شرقی اور جنوبی میں قائم ہوچکی تھی۔

Marfat.com

معرکہ مرج رابط کے اثرات:

حضرت عبداللہؓ ابن زبیر نے تمام بنواُمیہ کو مدینہ سے شام بھیج دیا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے خصوصاً مروان بن حکم کو شام دھکیل کر زبردست سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا۔ شام میں مختلف لوگوں کے نام لئے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر کے لیے بھی لوگوں کی خواہش تھی۔ حصین بن نمیر نے شامیوں سے کہا کہ "عبداللہؓ شام میں نہ آئیں گے میں نے بہت کہا لیکن وہ مکہ چھوڑنا پسند نہیں کرتے ہیں اور شامی یہ چاہتے تھے کہ جو بھی خلیفہ ہو وہ دمشق میں رہے۔" چنانچہ مدینہ منورہ سے جب مروان بن حکم شام پہنچا تو تمام اموی اسکے گرد جمع ہو گئے۔ اس سے پہلے لوگوں کا خیال خالد بن یزید کی طرف رجوع ہوا۔ جب مروان بن حکم مدینہ سے دمشق پہنچا اور لوگوں کے دل میں یہ جمانا چاہا کہ خالد 16 برس کا لڑکا خلافت کا کام نہیں کر سکتا۔ اس کام کے لئے کوئی تجربہ کار بوڑھا آدمی چاہئے۔ ابھی تک مروان کی طرف کسی کا بھی خیال تھا۔ مروان کی نگاہ انتخاب بھی حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی طرف لگی ہوئی تھی۔ وہ ان کی خلافت پر بیعت کرنے پر رضامند مگر اسی اثناء میں حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کا عروج دیکھ کر کوفہ سے عبیداللہ بن زیاد شام میں آ پہنچا۔ آخر عہد میں اسے یزید سے رنج آ گیا تھا۔ یزید کے خاندان میں سلطنت کا رہنا اسے قطعی پسند نہ تھا، اس لئے یہ اُنہیں صفوں میں ہوا جو مروان خلیفہ بنانا چاہتی تھیں۔ اکثر امویوں نے مروان کے وجود کو غنیمت جانا اور باہمی مشورہ اور رائے کے بعد دوسرے خلافت کے دعویداروں کی بجائے، مروان بن حکم کو ہی 683ء میں اپنا خلیفہ چن کر اس کی بیعت کر لی۔ مروان اس اقرار سے خلیفہ ہوا کہ اُس کے مرنے پر سلطنت خالد بن یزید کو ملے لیکن اُس نے آئندہ چل کر ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے عبدالملک کو نامزد کیا۔ قبیلہ بنوقیس نے امویوں کے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مروان اور حامی حضرت عبداللہؓ بن زبیر (بنوقیس) کے درمیان معرکہ مرج رابط پیش آیا جس میں بنوقیس کو شکست ہوئی اور اس طرح حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کی قوت کو پہلی کاری ضرب لگی۔

توابین اور مختار ثقفی کی بغاوت:

مروان جب تخت خلافت پر بیٹھا تو علاوہ حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کے بہت سے دعویدار پیدا ہو گئے تھے۔ اکثر لوگ حسین بن علی کے خون کی دعویداری سے اپنا رنگ جمانا چاہتے تھے۔ ان خروج کرنے والوں سے حضرت عبداللہؓ ابن زبیر ایک طرف لڑتے تھے اور دوسری طرف مروان اور اُس کا بیٹا عبدالملک پے در پے لڑتا رہا اور اس لئے مروان یا اُس کے بیٹے عبدالملک کو حضرت عبداللہؓ ابن زبیر سے لڑنے کا موقع عرصہ تک نہیں آیا۔ یزید کی وفات کے بعد عراقیوں نے حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کی خلافت کو تسلیم کر لیا تھا کیونکہ بصرہ پر ان کے بھائی مصعبؓ ابن زبیر کا قبضہ تھا اور کوفہ ان کے مقرر کردہ والی عبداللہ بن مطیع کے ماتحت تھا۔ عراق ہمیشہ کی طرح شورشوں اور سازشوں کا مرکز تھا۔ افراتفری کے اس عالم میں کئی ایک گروہ اور اشخاص اس کشمکش سے فائدہ اٹھا کر اپنے لیے راہ ہموار کر رہے تھے۔ ان میں توابین کا گروہ سرفہرست تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی مگر خوف کی بنا پر ان کی کوئی مدد نہ کی۔ انہوں نے اپنے گناہوں کے کفارہ کے لیے یہ عہد کیا کہ خون حسینؓ کا بدلہ لیں گے چنانچہ اس وجہ سے توابین کہلائے۔ توابین کے سلیمان بن صرد نے عراق میں علم بغاوت بلند کیا لیکن شکست کھا کر شہید ہوا۔ مختار ثقفی نے جو کہ نہایت ہی زیرک مگر

Marfat.com

نسان تھا حالات سے خوب فائدہ اٹھایا۔مختار بن عبیدہ بن مسعود اُس وقت جبکہ عمر ابن زبیر نے چڑھائی کی تھی۔ حضرت بداللہؓ ابن زبیر کا ساتھی تھا۔حصین کے محاصرہ کے وقت بھی یہ حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کے ساتھ تھا۔حضرت عبداللہؓ ابن بیر نے کوفہ اور بصرہ پر قبضہ کیا تو مختار کی خواہش کے مطابق حضرت عبداللہؓ ابن زبیر سے سلوک نہ ہوسکا۔مختار بددل ہوکر ینہ سے کوفہ چلا گیا اور وہاں یزید کے خلاف سازش کرنے میں قید ہوا۔توابین نے سلیمان بن صرد کی ہلاکت کے بعد مختار کو اپنا رہنما بنا کر کوفہ پر حملہ کر دیا۔کوفہ کا حاکم عبداللہ بن مطیع جو کہ حضرت عبداللہؓ بن زبیر کا ہم نوا تھا، قتل کر دیا گیا۔ بدالملک بن مروان کے زمانے میں مختار کے مقابلے کیلئے عبیداللہ بن زیاد بھیجا گیا۔یہ 66ھ کا واقعہ ہے۔مختار نے اپنے کو حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ قرار دے کر شیعان علی سے مدد مانگنا شروع کر دی۔حضرت محمد بن علی پر حضرت بداللہؓ بن زبیر نے مختار کے حالات سن کر دباؤ ڈالا۔یہ دمشق چلے پھر راستہ سے واپس آ گئے۔مختار نے عبیداللہ بن زیاد کو نکست دی اور اُس کو مار ڈالا اور پھر اُس نے اُن تمام لوگوں کو چن چن کر مارا جو قتل حسینؓ میں شریک تھے یا اُن کے خلاف سازش میں ذرا بھی متہم تھے۔اس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ عام عرب آبادی کو بھی نشانہ ستم بنانا شروع کر دیا۔عرب کابرین نے مصعبؓ ابن زبیر سے شکایت کی چنانچہ مصعبؓ نے اپنے نامور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کو مختار ثقفی کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا۔پہلی جھڑپ میں ہی کوفیوں نے شکست کھائی اور ان کی فوج کا کثیر حصہ تباہ ہو گیا۔مختار ثقفی نے ب محصور ہو کر لڑنے کو ترجیح دی۔یہ محاصرہ تقریباً چار ماہ قائم رہا لیکن بالآخر مختار قتل ہو گیا۔مختار کے قتل کے بعد عراق ضرت عبداللہؓ ابن زبیر کی عملداری میں آ گیا۔مختار کے مارے جانے سے حضرت عبداللہؓ کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

ارجیوں کے خلاف اقدامات:

مختار کی سرکشی کے خاتمہ کے بعد حضرت عبداللہؓ ابن زبیر نے اب اپنے دوسرے طاقتور حریف خوارج کی طرف جہ دی۔اگرچہ یزید کے مقابلہ میں انھوں نے حضرت ابن زبیرؓ کا ساتھ دیا لیکن اپنے انتہا پسندانہ نظریات کی بنا پر کسی کے ساتھ بھی زیادہ عرصہ چل نہ سکتے تھے۔چنانچہ خوارج کے سردار نافع بن ارزق نے عراق میں بڑی سخت بدامنی اور شورش پا کی۔عبداللہ بن حارث والئی بصرہ کے ساتھ مقابلہ میں نافع مارا گیا لیکن خوارج کی مزاحمت میں کوئی کمی نہ آئی لہٰذا ضرت ابن زبیرؓ نے مہلب ابن ابی صفرہ کو خارجیوں کا قلع قمع کے لیے روانہ کیا۔جس نے بڑے خونریز معرکوں کے بعد ن کی طاقت کو کچل دیا۔

عراق پر عبدالملک کا قبضہ:

حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کی سیاسی غلطیوں کی بنا پر حالات آہستہ آہستہ امویوں کے لیے سازگار ہو رہے تھے۔ بدالملک بن مروان کسی صورت بھی یہ برداشت نہ کر سکتا تھا کہ عراق پر حضرت ابن زبیرؓ کا قبضہ بدستور بحال رہے۔لہٰذا س نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ عراق پر حملہ کر دیا۔مصعبؓ بن زبیر جو ایک بہادر اور نڈر سپاہی تھے بڑی جانبازی اور جاعت سے لڑے مگر عراقیوں نے پھر بے وفائی کی اور ان کے بڑے بڑے سردار عبدالملک سے مل گئے۔ان سے اگرچہ صعبؓ کی قوت کمزور ہو گئی مگر انھوں نے مقابلہ جاری رکھا۔ابراہیم بن مالک الاشتر جو اس جنگ میں مصعبؓ کے دست است تھے، کام آئے۔اس کے بعد مصعبؓ خود بھی لڑتے ہوئے شہید گئے۔مصعبؓ کی افواج کو شکست ہوئی۔اب عراق

Marfat.com

عبدالملک کے قبضہ میں تھا۔

محاصرہ مکہ:

حضرت ابن زبیرؓ کا اقتدار پہلے ہی روبہ زوال تھا لیکن مصعبؓ بن زبیر کے قتل نے عبدالملک اور حضرت ابن زبیرؓ کے درمیان سیاسی کشمکش کا حتمی فیصلہ کر دیا۔ عراق کے ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد حضرت ابن زبیرؓ کی سیاسی اور فوجی قوت بہت زیادہ کمزور ہو چکی تھی۔ لہٰذا ان حالات میں عبدالملک کے لیے زبیری اقتدار پر ضرب کاری لگانا آسان تھا۔ چنانچہ حجاج بن یوسف کو حضرت ابن زبیرؓ کے خلاف مہم کا امیر بنا کر روانہ کیا گیا۔ حجاج نے 695ء میں مکہ کا محاصرہ کر کے شہر پر سنگباری شروع کر دی۔ حدود حرم بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکیں اور خانہ کعبہ کی عمارت کو بھی خاصہ نقصان پہنچا۔ محاصرہ طویل مدت تک جاری رہا جس کی وجہ سے اہل مکہ کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ محاصرہ اس قدر شدید تھا کہ کوئی چیز باہر سے اندر نہ جا سکتی تھی۔ اشیائے خوردونوش کی قلت پیدا ہو چکی تھی عام آبادی قحط اور بھوک کا شکار تھی لیکن یہ مصائب حضرت ابن زبیرؓ کے پایہ استقلال میں کوئی لغزش پیدا نہ کر سکے۔ محصورین ان صعوبتوں کو آخر کب تک برداشت کر سکتے تھے آہستہ آہستہ حضرت ابن زبیرؓ کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی شہادت:

یہ محاصرہ تقریباً 7 ماہ جاری رہا۔ دونوں افواج نے حج کے دوران طواف وغیرہ کے لیے جنگ روک دی۔ حج کے اختتام پر جنگ دوبارہ شروع ہوئی تو حجاج نے شہر پر سنگباری کا حکم دیا جس سے شہر کا اکثر حصہ منہدم ہو گیا۔ جب مقابلہ جاری رکھنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو آپ مشورہ کی غرض سے اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس گئے اور عرض کیا "اب جبکہ میرے بیٹے بھی میرا ساتھ چھوڑ گئے ہیں اور جو چند باقی رہ گئے ان میں بھی لڑنے کی تاب نہیں ہے۔ ہمارا دشمن ہمارے ساتھ کوئی رعایت کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ایسی حالت میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟" حضرت اسماءؓ جو حضرت صدیق اکبرؓ کی بیٹی تھیں، نے جواب دیا۔ "بیٹا تم کو اپنی حالت کا اندازہ خود ہو گا۔ اگر تم حق پر ہو اور حق کے لیے لڑتے رہے ہو تو اب بھی اس کے لیے لڑو کیونکہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس کے لیے جان دی ہے اور اگر دنیا طلبی کے لیے لڑتے تھے تو تم سے برا کون خدا کا بندہ ہو گا؟ تم نے خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا۔ اگر یہ عذر ہے کہ حق پر ہو لیکن اپنے مددگاروں کی وجہ سے مجبور ہو تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے۔ جاؤ حق پر جان دینا دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔" یہ جواب سن کر حضرت ابن زبیرؓ نے کہا ماں مجھے ڈر ہے کہ میرے قتل کے بعد بنو امیہ میری لاش کو مثلہ کر کے سولی پر لٹکائیں گے۔ اس خدا پرست خاتون نے جواب دیا "ذبح ہو جانے کے بعد بکری کو کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو۔" ماں کے اس جواب سے حضرت ابن زبیرؓ ایک نئے ولولہ اور جذبہ سے اُٹھے۔ ماں کو آخری بار الوداع کہہ کر دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور ان کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا لیکن بالآخر میدان جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ حجاج آپ کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا جو تین دن وہیں لٹکتی رہی۔ آپ کی والدہ حضرت اسماءؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو دیکھ کر بولیں۔ "وہ شہسوار ابھی اپنی سواری سے نہیں اترا۔" حجاج بن یوسف اور اس کی فوج نے شہر فتح کر کے کعبے پر منجنیقوں سے پتھر برسائے اور پھر آگ لگا دی جس

سے کعبہ کی دیواریں شق ہو گئیں اور حجر اسود کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ لوگ کعبہ کی دیواروں کے ٹکڑے اور حجر اسود کے ٹکڑے اٹھا کر لے گئے جنہیں بعد میں منگوا کر کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی ناکامی کے اسباب:

حصین بن نمیر کا مشورہ ماننے سے انکار: یزید کی موت کی خبر پا کر شامی فوج کے سربراہ حصین بن نمیر نے مکہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور حضرت عبداللہؓ بن زبیر کو بیعت کی پیشکش کی لیکن حضرت ابن زبیرؓ نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا اور شامیوں سے حجازیوں کے قتل کا انتقام لینے کا اعلان کر کے شامیوں میں اپنے خلاف شدید ردعمل پیدا کر دیا۔ اس وقت اگر وہ حصین بن نمیر کی بات مان لیتے تو شام پر ان کا قبضہ ہو سکتا تھا اور ان کی بزرگی اور زہد و تقویٰ کی بدولت عام مسلمان بھی ان کی خلافت کو تسلیم کر سکتے تھے لیکن حضرت ابن زبیرؓ نے اپنے مخالفین کو طاقتور ہونے کا موقع دے دیا۔

مروان بن حکم کا مدینہ سے اخراج: یزید کی موت کے وقت مروان بن حکم مدینہ میں تھا اور حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی بیعت کرنے کو تیار تھا لیکن حضرت ابن زبیرؓ کو بنو امیہ سے سخت نفرت تھی۔ انہوں نے اس سے بیعت لینے کی بجائے اسے مدینہ سے نکال دیا۔ اس نے دمشق میں پہنچ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اس کے بیٹے عبدالملک نے حضرت ابن زبیرؓ کی حکومت کو ختم کر ڈالا۔

خوارج کی شورش: خوارج اپنے عجیب و غریب عقائد اور سرکش مزاج کی وجہ سے تمام حکومتوں کے خلاف برسرپیکار رہتے۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر کو بھی ایک نہایت نازک موقع پر ان کی شورش کو فرو کرنے کے لیے فوج بھیجنی پڑی۔ فیصلہ کن مراحل میں جب حضرت عبداللہؓ بن زبیر کو فوجی قوت کی شدید ضرورت تھی، ان کی بہترین فوج مہلب بن ابی صفرہ کی قیادت میں خوارج کی شورش ختم کرنے میں مصروف تھی۔

توابین اور مختار ثقفی: حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی قوت مختار ثقفی اور توابین کی شورشوں کو فرو کرنے میں زائل ہو گئی۔ ان تمام ہنگاموں کے بعد حضرت ابن زبیرؓ کی قوت چونکہ کمزور پڑ چکی تھی اس لیے اموی انہیں آسانی سے شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔

عراقیوں کی غداری: عراقی تلون مزاجی اور وفاداریاں تبدیل کرنے میں بدنامی کی حد تک مشہور تھے۔ چنانچہ جب حجاج نے عراق پر فوج کشی کی تو مصعبؓ کی فوج میں افسروں کی ایک کثیر تعداد انعام و اکرام اور عہدوں کے لالچ میں جنگ کے دوران حجاج سے جا ملی اور حضرت ابن زبیرؓ کی شکست کا باعث بنی۔

مصعبؓ بن زبیر کی شہادت: حضرت عبداللہؓ بن زبیر کے بھائی مصعبؓ بن زبیر ایک اچھے منتظم اور بہادر انسان تھے۔ عراق پر عبدالملک کے حملہ کے وقت ان کی شہادت سے حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی خلافت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

حجاج بن یوسف کی سفاکی: حجاج بن یوسف نہایت ظالم و سفاک تھا۔ اس نے مکہ کے محاصرہ میں تمام اخلاقی و مذہبی حدود کو پامال کرتے ہوئے خانہ کعبہ پر پتھراؤ سے بھی گریز نہ کیا۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی سفاکی اور طویل محاصرہ

Marfat.com

مکہ سے اہل مکہ کے حوصلے جواب دے گئے اور وہ حضرت ابن زبیرؓ کا ساتھ چھوڑنے لگے اور تنہا لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

شخصیت و کردار: قبیلہ قریش کا یہ قابل فرزند حضرت عبداللہؓ بن زبیر جو تقریباً نو سال تک اموی اقتدار کے خلاف نبرد آزما رہا۔ دو ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ وہ حسب و نسب، عزت و وقار، بہادری اور شجاعت میں کسی سے کم نہ تھے۔ صغیر سنی ہی میں کئی مہمات میں شامل ہو کر اپنی عملی زندگی کا آغاز کر چکے تھے۔ صرف چودہ برس کی عمر میں اپنے باپ کے ساتھ جنگ یرموک میں موجود تھے۔ تین برس بعد حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر کے لشکر میں تھے۔ آپ نے اپنے باپ کے ساتھ کئی ایک مہمات میں شرکت کی۔ افریقہ کی فتوحات کے ضمن میں بھی آپ نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ شہادت عثمانؓ کے وقت آپ ان کے زبردست ہمنواؤں میں سے تھے اور جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی کمان میں بہادری اور شجاعت کے بے مثال جوہر دکھائے۔ حق کی راہ میں آپ ایک نڈر اور بے باک سپاہی تھے۔ آپ نے حضرت حسینؓ کی شہادت تک خلافت کے حصول کی کبھی تمنا نہ کی تھی۔ یزید کی نامزدگی کے آپ شدید مخالف تھے۔ آپ کا شمار چونکہ اکابرین عرب میں ہوتا تھا اس لیے یزید کی موت کے بعد عوام اور خواص نے آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ نو سال کے مختصر عرصے میں چونکہ آپ کا اکثر وقت جنگ و جدل اور بغاوتوں کے فرو کرنے میں گزرا، اس لیے آپ نظام حکومت کی طرف کما حقہ توجہ نہ دے سکے لیکن پھر بھی رفاہ عامہ کے کاموں سے بے اعتنائی نہ کی۔ کعبہ کی تعمیر کا کام بھی آپ ہی نے شروع کیا تھا۔ آپ کا زہد و تقویٰ مثالی تھا۔ عوام و خواص میں آپ اپنے بلند اخلاق اور زہد و تقویٰ کی بناء پر مقبول تھے۔ علم و ادب سے بھی خدا نے بہرہ ور رکھا تھا۔ چنانچہ آپ ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت جذبہ جہاد، بہادری اور شجاعت تھی۔ وہ ایک نڈر سپاہی تھے۔ آپ کی شہادت کے ساتھ مملکت اسلامیہ سے ایک ایسی شخصیت اٹھ گئی جو سنت نبوی کی علم بردار اور خلفائے راشدین کے دور کی عملی تصویر تھی۔ اس کے بعد حجاز دنیائے اسلام کا سیاسی مرکز نہ رہا۔ شمع رسالت کے اس آخری پروانے کی شہادت کے ساتھ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا آفتاب غروب ہو گیا۔

❀❀❀❀

خلافت آلِ مروان کا آغاز

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، مروان اور حضرت معاویہؓ یہ تینوں اشخاص امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف کی نسل سے تھے۔ عبد مناف کے بیٹے ہاشم سے بنو ہاشم کا سلسلہ چلا جس میں رسول اللہ ﷺ کا خاندان بھی شامل ہے اور دوسرے بیٹے عبد الشمس سے بنو اُمیہ کا خاندان شروع ہوا۔ حضرت عثمانؓ بن عفان سے لے کر ابراہیم بن ولید تک جو زمانہ گزرتا ہے یہ سلطنت بنو اُمیہ کا زمانہ کہا جا سکتا ہے لیکن مؤرخوں نے حضرت عثمانؓ ابن عفان کو خلفائے اربعہ میں شمار کر کے حضرت معاویہؓ سے سلاطین بنو اُمیہ کا شمار کیا ہے کیونکہ یہ سب کے سب اُمیہ کی نسل سے تھے لیکن مروان سے لے کر ابراہیم بن ولید تک اگر مروانیوں کی سلطنت کہی جائے تو بھی مناسب ہے۔ سفیانی خاندان کے بعد بنو امیہ کا جو دوسرا خاندان تختِ خلافت پر بیٹھا وہ مروان بن حکم کی اولاد سے تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ کا کاتب رہ چکا تھا۔

خلافت مروان بن حکم

مروان بن حکم کا تعلق بنو امیہ کی دوسری شاخ بنی عاص سے تھا۔ حکم نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ حضور ﷺ نے اسے اور اس کے بیٹے مروان کو اس وجہ سے شہر بدر کر دیا تھا کہ وہ اپنی محفلوں میں ان کی نقلیں اتارتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اسے اور مروان کو واپس بلا لیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے حکم کے بیٹے مروان کو اپنا معتمد خاص مقرر کیا تھا۔ یہ نہایت زیرک شخص تھا۔ حضرت عثمان کو اس پر بے حد اعتماد تھا۔ اس لیے مہر خلافت بھی اس کے سپرد کر رکھی تھی۔ جب آپ کے خلاف فسادیوں نے شورش پیدا کی تو حاکم مصر کے نام منسوب خط وغیرہ کی جعلسازی کی ذمہ داری بھی مروان پر عائد کی جاتی ہے۔ شہادت عثمان کے بعد مدینہ چھوڑ کر بھاگ نکلا اور حضرت معاویہؓ کے ساتھ جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے خلاف لڑا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اس کے ہاتھوں ہوئی جو اسی کی فوج کے سربراہ تھے۔ حضرت معاویہؓ کے برسر اقتدار آنے کے بعد اسے مدینہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ یزید کی موت کے وقت یہ مدینہ ہی میں مقیم تھا۔

مروان کی شام میں آمد اور خلافت

حضرت ابن زبیرؓ محاصرہ مکہ کے بعد حصین بن نمیر کی تجویز اور مشورہ کو رد کر کے پہلی سیاسی غلطی کے مرتکب ہو چکے تھے لیکن انھوں نے مروان بن حکم کو مدینہ سے شام دھکیل کر دوسری بار پھر یہی غلطی کی اور یہی غلطی ان کی ناکامی کا باعث بنی۔ جب یزید کی وفات کی خبر مدینہ پہنچی تو حاکم مدینہ مروان بن حکم کی ہمت دیگر اموی افراد کی طرح اس حد تک پست ہو چکی تھی کہ اس نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے آمادگی کا اظہار کیا۔ اس کا بیٹا عبد الملک بھی بیماری کی حالت میں مدینہ میں موجود تھا۔ حضرت ابن زبیرؓ نے بنو امیہ کے خلاف اپنی انتقام اور نفرت کی رو میں بہہ کر مروان اور دیگر امویوں کو فوراً اسی حالت میں مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ مجبوراً مروان نے عبد الملک کے ساتھ سفر شام کیا۔ بعد میں حضرت ابن زبیرؓ نے اپنی غلطی محسوس کرتے ہوئے انھیں پکڑنے کے لیے آدمی روانہ کیے لیکن اب سب کچھ

Marfat.com

بے سود تھا۔ وہ لوگ تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکے۔ اگر ابن زبیر سے یہ سیاسی غلطی سرزد نہ ہوئی ہوتی تو تاریخ اسلام ایک نیا موڑ اختیار کر لیتی۔ جب مروان شام پہنچا تو اموی اس وقت خوف اور پریشانی کے عالم میں باہم اختلاف کا شکار تھے۔ معاویہ بن یزید کی خلافت سے دستبرداری کے بعد خلافت کے لیے دو نام سامنے تھے۔ خالد بن یزید اور عمرو بن سعید بن العاص۔ خالد کے ساتھ قبیلہ کلب کی ہمدردیاں تھیں اور قبیلہ قیس حضرت ابن زبیرؓ کی حمایت میں تھا اور کچھ دیگر اراکین عمرو بن سعید کے ساتھ تھے۔ مروان کے دمشق آجانے سے بنو کلب کے بہت سے افراد اس کی حمایت پر اتر آئے۔ مروان اس صورت حال سے سخت پریشان تھا اور چاہتا تھا کہ حضرت ابن زبیرؓ کی اطاعت کرے لیکن عین اس وقت عبیداللہ ابن زیاد نے پہنچ کر تمام نقشہ بدل دیا۔ اس نے مروان کو قریش کا سردار ہونے کی حیثیت سے حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی بیعت کرنے سے منع کر دیا۔ مروان کو ابن زیاد کے مشورہ سے حوصلہ ہوا اور حضرت ابن زبیرؓ کی بیعت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بالآخر مقام جابیہ میں بنوامیہ کے حامی جمع ہوئے تا کہ کوئی متفقہ لائحہ عمل تیار کیا جا سکے۔ وہاں تمام بڑے بڑے اموی سردار اور عمائدین حکومت جمع تھے۔ چنانچہ بحث وتمحیص کے بعد فیصلہ ہوا کہ مروان کو خلیفہ نامزد کر دیا جائے اور خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کو علی الترتیب ولی عہد مقرر کر دیا جائے۔ وہیں مروان کے ہاتھوں پر بیعت کر لی گئی اور اسے 64ھ میں خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔

معرکہ مرج راہط

قبیلہ بنو قیس نے امویوں کے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بنو قیس کے سردار ضحاک بن قیس نے حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی حمایت کا اعلان کر دیا اور مرج راہط پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ دوسری طرف مروان بنو کلب اور دیگر اموی حامیوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے روانہ ہوا۔ مرج راہطہ کے مقام پر دونوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ ضحاک میدان جنگ میں کام آیا اور اس واقعہ کے بڑے دوررس نتائج ظاہر ہوئے۔ جہاں کہیں بھی حضرت ابن زبیرؓ کے حامی موجود تھے انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ چنانچہ شام ہمیشہ کے لیے اموی دائرہ اقتدار میں چلا گیا۔ اور امویوں کی ایک دوسری شاخ جو آل مروان کہلاتی تھی، نے ایک مستحکم حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس کے علاوہ عربوں کے دو بڑے قبیلوں کے درمیان دشمنی کی ایک مستقل دیوار حائل ہو گئی جو بعد کے ادوار میں خانہ جنگیوں کی صورت میں ظاہر ہوتی رہی۔

مصر پر قبضہ

شام پر اپنے قبضہ کو مستحکم کرنے کے بعد مروان نے مصر کا رخ کیا۔ مصر پر دو طرف سے حملہ کیا گیا۔ ایک طرف سے عمرو بن سعید حملہ آور ہوا اور دوسری طرف سے مروان خود بڑھا۔ عبدالرحمٰن حجدم جو حضرت ابن زبیرؓ کے ہم نواؤں میں سے تھے مقابلہ کے لیے نکلے لیکن جب عمرو بن سعید کے داخلہ مصر کی اطلاع پائی تو مروان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس طرح بغیر جنگ کے مصر بھی اموی دائرہ اقتدار میں آ گیا۔

وفات

مروان صرف دس مہینہ تک سلطنت پر بیٹھا۔ مروان نے رمضان 56 ہجری 63 سال کی عمر میں وفات پائی عام روایت کے مطابق مروان کی موت اس کی بیوی ام خالد کے ہاتھوں ہوئی۔ اگرچہ مقام جابیہ پر مروان کی خلافت کے ساتھ ساتھ خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کی تقرری بطور جانشین کی توثیق کی گئی تھی مگر مروان کی یہ خواہش تھی کہ اس کی اپنی

Marfat.com

اولادہی اس کی وارث ہو چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے خالد کی بیوہ ماں کے ساتھ شادی کرلی جس کا تعلق بنوکلب سے تھا۔ مقصد اس طرح بنوکلب کی ہمدردیاں حاصل کرنا تھا۔ اس کے علاوہ انعام واکرام دے کر اس نے بالآخر خالد اور عمرو بن سعید کی تقرری منسوخ کردی اور اعلانیہ عبدالملک اور عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کردیا۔ مروان نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ خالد کو ذلیل کرنے کے لیے خالد اور اس کی ماں کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کیے جن کی شکایت خالد نے ماں سے کی۔ چنانچہ اس نے مروان کو زہر دے کر یا گلا گھونٹ کر مروا دیا۔ مروان نے اموی اقتدار کو از سر نو قائم کیا تھا ورنہ اموی حکومت کا خاتمہ صاف نظر آرہا تھا۔ اس کا ایک بیٹا اور چار پوتے خلیفہ یا بادشاہ بنے۔ مروان کی سلطنت کا زمانہ 9 مہینے سے کم نہیں تھا لیکن چونکہ حضرت عبداللہؓ بن زبیر دعویدار خلافت موجود تھے اور اپنے دعویٰ میں کامیاب بھی نظر آتے تھے۔ اس لئے اس کو امیر المومنین یعنی کل مسلمانوں کا بادشاہ نہیں کہہ سکتے ہاں شام میں اُس کی خود مختار حکومت ضرور تھی۔

خلافت عبدالملک بن مروان

ابتدائی زندگی اور تخت نشینی

مروان بن حکم کی وفات کے بعد 685ء میں عبدالملک مسند خلافت پر متمکن ہوا۔ اس کی پیدائش حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سنہ 26ھ میں ہوئی۔ تخت نشینی کے وقت کی عمر 39 سال تھی۔ مروان نے اپنی زندگی میں خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کو ولی عہدی سے خارج کر کے عبدالملک کے لیے بیعت حاصل کرلی تھی۔ مروان نے اس کی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ دی۔ اس کی پرورش مدینہ کے علمی ماحول میں ہوئی اور ارباب علم و فضل اور اہل کمال کی صحبتوں سے فیض یاب ہوا۔ اسی وجہ سے وہ اموی حکمرانوں میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا خلیفہ شمار ہوتا ہے۔ اگرچہ عبدالملک انتہائی ناسازگار ماحول میں تخت نشین ہوا لیکن وہ محض اپنے عزم و استقلال، تدبر اور دوراندیشی کی بدولت مخالفین پر قابو پانے میں کامیاب ہوا۔ اس طرح ایک مستحکم اموی حکومت کی بنیاد رکھی۔ تخت نشین ہونے کے بعد عبدالملک کو بے حد مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔

عبداللہ ابن زبیر کی خلافت:

سانحہ کربلا نے مسلمانوں میں ایک ہمہ گیر اضطراب پیدا کردیا تھا۔ اہل حجاز نے مسلمانوں کے ان جذبات کی ترجمانی کی اور امویوں کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ حضرت عبداللہؓ ابن زبیر چونکہ اکابرین میں شمار ہوتے تھے اور لوگوں میں مقبول بھی تھے، اس لیے جب آپ دعوۃ خلافت لے کر اٹھے تو اہل مکہ اور مدینہ نے فوراً آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ مصعبؓ ابن زبیر نے عراق، کوفہ، بصرہ، وغیرہ پر اپنا قبضہ جمالیا چنانچہ ان حالات میں حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کی خلافت امویوں کے لیے بہت بڑا چیلنج تھی۔

عوامی ردعمل:

اموی خلافت شخصی بادشاہت کا رنگ اختیار کر چکی تھی۔ مسلمان چونکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسے خلافت راشدہ کی راہ سے ہٹا ہوا سمجھتے تھے اس لیے وہ دل سے اموی خلافت کے قیام پر خوش نہیں تھے۔ سانحہ کربلا نے نفرت کے ان جذبات کو مزید تقویت دی چنانچہ جابجا بغاوتیں اور شورشیں اس اجتماعی ردعمل کا مظہر تھیں۔

Marfat.com

ترکوں اور بربروں کی شورش پسندی:

ترکستان اور شمالی افریقہ کے ترک اور بربر چونکہ خودسر تھے اس لیے ان کی طرف سے بغاوتیں اور شورشوں کا خطرہ بھی عبدالملک کے لیے انتہائی تشویش کا باعث تھا۔ یہ لوگ کسی بھی ایسے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے جس کو استعمال میں لا کر وہ اپنی خودمختارانہ حیثیت برقرار رکھ سکیں۔ رومی اپنے سابقہ علاقوں کو واپس حاصل کرنے کی خاطر اکثر اسلامی سرحدات پر حملے کرتے رہتے تھے اس وقت چونکہ ملک میں افراتفری کا عالم تھا اس لیے رومی حملہ کا خطرہ بھی عبدالملک کے لیے انتہائی پریشان کن تھا۔

جنگ توابین:

توابین نے ایک تحریک کی شکل میں منظم ہو کر کوفہ سے امویوں کے خلاف اپنی جدوجہد کا اعلان کر دیا۔ عبداللہ ابن زیاد عبدالملک کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ عین الورہ کے مقام پر توابین کے گروہ اور عبیداللہ کی افواج کے درمیان جنگ ہوئی، یہ سلسلہ تین روز تک جاری۔ ابن زیاد کے لشکر کو دوبار ناکامی ہوئی لیکن بالآخر تیسری بار کامیاب رہا۔ سلیمان بن صرد، میدان میں قتل ہوا جو لوگ بچ گئے وہ کوفہ واپس چلے گئے۔

مختار ثقفی کی شورش:

وہ لوگ جنہوں نے عبدالملک کے ابتدائی ایام میں سیاسی انتشار سے فائدہ اٹھا کر عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لینے کی کوششیں کیں ان میں مختار ثقفی نہایت اہم ہے۔ اس شخص نے توابین کی کمان سنبھالی اور کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ جس کے بعد مختار نے چن چن کر ان لوگوں کو قتل کیا جو امام حسینؑ کے قتل میں ملوث تھے۔ جن میں شمر والجوشن، عمرو ابن سعد اور سنان وغیرہ شامل تھے۔ ابن زیاد بھی دریائے زاب کے کنارے شکست کھا کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ امویوں سے فارغ ہونے کے بعد مختار حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی جانب متوجہ ہوا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے مصعبؓ بن زبیر کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا اور کوفہ میں مصعبؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ ابن زیاد کی ہلاکت کے بعد چونکہ مختار کا رُخ حضرت عبداللہؓ کی طرف ہو گیا تھا اس لئے عبدالملک کو اس طرف سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا۔ البتہ اسے عبیداللہ بن زیاد کی ہلاکت کا بے حد رنج تھا۔

کوفہ و عراق پر عبدالملک کا قبضہ:

مختار ثقفی کے خلاف جنگ سے مصعبؓ کی قوت کمزور ہو گئی تو عبدالملک نے 637ء میں عراق پر حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ کا مرکزی سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ چونکہ فارس کے مہمات میں مشغول تھا، اس لیے مصعب کو بروقت امداد نہ پہنچ سکی۔ دوسری طرف عراقیوں نے لالچ میں آ کر مصعبؓ کا ساتھ چھوڑ دیا اور عبدالملک سے مل گئے۔ مصعبؓ اور ابراہیم بن مالک الاشتر بڑی پامردی سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کا کٹا ہوا سر عبدالملک کو پیش کیا گیا تو اس نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''اب قریش میں ایسے آدمی کہاں پیدا ہوں گے۔''

محاصرہ مکہ:

مصعبؓ بن زبیر کی شکست حضرت عبداللہؓ بن زبیر کے لیے ناقابل تلافی نقصان تھا۔ عراق پر عبدالملک کے قبضہ

نے سیاسی صورت حالات یکسر بدل دی۔ حضرت ابن زبیرؓ کی مالی اور فوجی قوت کمزور ہوگئی۔ عبدالملک کے لیے سرزمین حجاز کو اپنے تصرف میں لا کر حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کی قوت کو ختم کرنا آسان تھا۔ چنانچہ عبدالملک نے اپنے نامور سپہ سالار حجاج بن یوسف کو 693ء میں مکہ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ حجاج نے محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی۔ یہ محاصرہ کئی ماہ جاری رہا۔ اس حملہ کے دوران خانہ کعبہ بھی سنگ باری کا نشانہ بنا اور گر گیا یہاں تک کہ لوگ حجر اسود کے ٹکڑے اٹھا کر لے گئے۔ محاصرہ اس قدر شدید تھا کہ باہر سے کسی قسم کی رسد اور امداد کا پہنچانا ناممکن تھا۔ سامان رسد کی کمی، اشیائے خورد و نوش کی قلت، قیمتوں میں اضافہ عوام کے لیے قابل برداشت نہ رہا۔ اکثر لوگ ابن زبیر کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کے ہاں پناہ گزین ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپؓ کے بیٹوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ مگر آپؓ کے پایہ استقلال میں فرق نہ آیا چنانچہ لڑتے ہوئے میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ آپ کی لاش تین دن سولی پر لٹکی رہی۔ آپ کی وفات کے بعد مکہ پر اموی اقتدار قائم ہو گیا۔

جنوبی افریقہ کی فتوحات

یزید اول کے زمانہ میں ایک بربری سردار کسیلہ بن مکرم نے سرکشی اختیار کی اور افریقہ کے والی عقبہ کو قتل کر کے خود شمالی افریقہ پر قابض ہو گیا۔ عبدالملک نے شمالی افریقہ کی از سر نو تسخیر کے لیے 69ھ میں ایک آزمودہ کار جرنیل زہیر بن قیس کو روانہ کیا۔ کسیلہ قیروان چھوڑ کر ممص چلا گیا۔ زہیر بھی اس کے تعاقب میں وہاں پہنچ گیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد خود برقہ میں قیام پذیر ہوا اور فوج کو قیروان کے اردگرد کے علاقوں کی فتح پر مامور کیا۔ اس دوران رومیوں نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ برقہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ زہیر میدان جنگ میں مارا گیا۔ اس کی موت کے بعد رومی سارے علاقے پر قابض ہو گئے۔ عبدالملک نے حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کے خلافت مہمات سے فارغ ہو کر 694ء میں حسن بن نعمان کو 40 ہزار فوج کے ساتھ افریقہ روانہ کیا۔ شمالی افریقہ کے بربروں کو رومیوں کی تمام باج گزار ریاستوں کی حمایت حاصل تھی۔ حسن نے ان میں سے قرطاجنہ کی اہم ریاست پر قبضہ کر کے ان مراکز پر حملوں کا سلسلہ شروع کیا جہاں سے رومی اسلامی سرحدات پر حملے کرتے تھے۔ بعد ازاں حسن علاقہ جبل کی ملکہ وامیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ بربریوں اور رومیوں میں عام تاثر یہ تھا کہ ملکہ کی ساحرانہ قوتوں کی وجہ سے اسے شکست دینا مشکل ہے۔ اس کے خلاف پہلی جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اس واقعہ سے شمالی افریقہ میں مسلمانوں کے رعب و دبدبہ کو ایک دھچکا لگا۔ حسن برقہ میں قیام پذیر ہو کر پانچ سال تک مرکز کی امداد اور کمک کا منتظر رہا۔ بالآخر اس دوران ملکہ کے حامیوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ انہوں نے توڑ پھوڑ کی پالیسی اختیار کی۔ آباد اور پر رونق شہر مسمار کر دیے۔ لہلہاتے ہوئے کھیت، سرسبز و شاداب وادیاں اور زرخیز علاقے تباہ و برباد کر دیئے گئے جس کی وجہ سے ملک میں قحط کی سی حالت پیدا ہو گئی۔ مفلوک الحال رعایا نے اسلامی لشکر کو ان کا نجات دہندہ قرار دے کر خوش آمدید کہا۔ ملکہ نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن شکست کھائی۔ ملکہ کی شکست کے بعد تمام شمالی افریقہ پر اموی حکومت دوبارہ قائم ہو گئی۔

ترکستان کی فتح:

خارجیوں کے خلاف کامیاب مہموں کے بعد مہلب نے ترکستان کا رخ کیا۔ امیر سبل کو شکست دینے کے بعد مہلب نے مزید پیش قدمی کو جاری رکھا تاکہ ترکستان کی فتح مکمل کی جا سکے۔ بخارا کا بادشاہ مہلب کا مقابلہ کرنے کے لیے 40 ہزار فوج لے کر آیا۔ مہلب نے اپنے بیٹے حبیب کو اس کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان کئی

Marfat.com

ایک جنگیں لڑی گئیں لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس دوران مہلب نے وفات پائی۔ عبدالملک نے یزید بن مہلب کو والئی خراسان مقرر کر کے ترکستان کی فتح پر مامور کیا۔ یزید کے بھائی فضل نے بادغیس اور اردگرد کے بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا اور اس طرح ترکستان بھی اموی سلطنت کا جزو بنا۔

اہل روما کے خلاف جنگیں:

مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھا کر قیصر روم نے اسلامی سرحدوں پر یلغار شروع کر دی تھی۔ عبدالملک نے قیساریہ کے مقام پر رومیوں کو زبردست شکست دے کر ان کے کئی ایک دیگر علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد کافی عرصہ تک رومی سر نہ اٹھا سکے۔

خوارج کا استیصال

خوارج کے قلع قمع کے لیے سب سے پہلی مہم مہلب ابن ابی صفرہ اور عبدالعزیز بن عبداللہ کی ماتحتی میں روانہ کی گئی۔ شامی افواج کو شکست ہوئی اور عبداللہ میدان جنگ میں کام آیا۔ اس پر عبدالملک خود میدان جنگ میں اترا۔ شامی افواج اہواز کے خوارج پر قابو پانے کے بعد بحرین کے خارجی سردار ابوفدیک کے خلاف سرگرم عمل ہوئیں۔ اس کے بعد ہرمز کے خوارج کو شکستیں دے کر ان کی قوت کا خاتمہ کیا گیا۔ سب سے خطرناک بغاوت حجاز میں شبیب خارجی کی تھی جسے ایک بااثر بزرگ صالح تمیمی کی تائید بھی حاصل تھی۔ مروان بن محمد کے ساتھ شبیب کا پہلی بار مقابلہ ہوا تو وہ قلعہ بند ہو گیا لیکن ایک دن اچانک حملہ کر کے شامی افواج کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ حجاج بن یوسف نے غضب آلودہ ہو کر تین مہمات یکے بعد دیگرے روانہ کیں جو ناکام ہوئیں۔ اس دوران اموی افواج کے سپہ سالار محمد بن اشعث نے حج کے دنوں میں جنگ بند کر دی۔ حجاج نے ناراض ہو کر اسے معزول کر کے عثمان بن قطن کو شامی فوج کا کمانڈر مقرر کیا۔ عثمان نے جنگ کا دوبارہ آغاز کیا لیکن شکست کھا کر مارا گیا۔ حجاج نے اب ایک دوسرا لشکر جرار عباب بن ورقا کی ماتحتی میں روانہ کیا لیکن شبیب نے کمال بہادری سے کام لے کر صرف ایک ہزار جان نثاروں کے ساتھ اتنے بڑے لشکر کو بھی شکست دی۔ حجاج تنگ آ کر خود میدان جنگ میں اترا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد شبیب کو شکست ہوئی لیکن شبیب کرمان ہوتا ہوا ہواز نکل گیا۔ شامی افواج نے تعاقب کیا۔ خوارج نے پامردی سے مقابلہ کیا لیکن ایک رات دریا عبور کرتے ہوئے شبیب ڈوب کر مر گیا۔ اس کی موت کے بعد خوارج کی قوت مزاحمت دم توڑ گئی۔

رتبیل کی بغاوت:

حاکم سیستان رتبیل نے ملکی انتشار سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کر دی۔ پہلی مہم اس کے خلاف عبداللہ کی سرکردگی میں روانہ کی گئی یہ علاقہ چونکہ پہاڑی تھا اس لیے رتبیل نے اسے نہ روکا۔ عبداللہ غلط فہمی میں مسلسل آگے بڑھتا رہا چنانچہ رتبیل نے اسے پہاڑی دروں کے درمیان گھیرے میں لے کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ عبداللہ جنگ نہ کرنے کا وعدہ کر کے واپس لوٹا۔ دوسری مہم بھی ناکام لوٹی۔ تنگ آ کر حجاج نے تیسرا لشکر محمد بن اشعث کے ماتحت روانہ کیا۔ اس نے رتبیل کے نصف سے زیادہ علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ کوئی فوج مسلسل جنگوں میں مشغول رہنے کی وجہ سے تھک چکی تھی، اس لیے ابن اشعث نے تھوڑے عرصہ کے لیے جنگ ملتوی کر دی۔ حجاج نے اس پر ابن اشعث کی سرزنش کی اور اسے معزول کرنے کی دھمکی دی۔ ابن اشعث نے اس رویہ کو توہین آمیز سمجھتے ہوئے بغاوت کر دی۔ جس کی وجہ سے رتبیل کے خلاف مہمات کا معاملہ

کھٹائی میں پڑ گیا۔

ابن اشعث کی بغاوت:

ابن اشعث نے اعلان کیا کہ چونکہ اموی حکومت خلاف شرع ہے اس لیے وہ خلافت راشدہ کی بحالی کے لیے ان کے خلاف لڑے گا۔ سپاہیوں نے ان کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔ ابن اشعث نے بصرہ پر قبضہ کرلیا۔ حجاج کے جوابی حملہ کے بعد بصرہ سے نکل کر کوفہ پر قابض ہوگیا۔ بصرہ سے بچے کھچے سپاہی بھی اس کے ساتھ کوفہ میں آملے۔ یہ بغاوت چونکہ خطرناک صورت اختیار کرتی جارہی تھی اس لیے عبدالملک نے خود مداخلت کی اور اشعث کو مندرجہ ذیل شرائط پیش کیں:

1۔ حجاج کی بجائے محمد بن مروان کو عراق کا گورنر مقرر کیا جائے گا۔

2۔ عراقی فوج کو شامی فوج کے برابر تنخواہ دی جائے گی۔

ابن اشعث نے یہ شرائط عراقیوں کے سامنے پیش کیں تو فوج نے انہیں تسلیم کرنے سے انکار کردیا چنانچہ جنگ دوبارہ چھڑ گئی۔ ابن اشعث کوفہ سے شکست کھا کر بصرہ پہنچا لیکن وہاں بھی نہ ٹھہر سکا بالآخر رتبیل کے ہاں پناہ گزیں ہوا لیکن رتبیل نے بے وفائی کی اور اس کا سر کاٹ کر خلیفہ کو روانہ کردیا۔ اس طرح عراق اور سیستان میں امن وامان قائم ہوا۔

عربی بطور دفتری زبان:

ان اصلاحات میں سب سے زیادہ اہم اور نمایاں عربی زبان کو بطور دفتری زبان کے اختیار کیا جانا تھا۔ اگرچہ حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں ایران، شام اور افریقہ کے بیشتر علاقے فتح کیے جاچکے تھے لیکن دفتری نظام بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے عبدالملک کے زمانہ تک علاقائی زبانوں میں ہوتا تھا۔ قدیم ساسانی سلطنت کے اہم صوبوں ایران اور عراق میں پہلوی زبان رائج تھی۔ شام میں سریانی زبان مستعمل تھی اور مصر میں قدیم مصری زبان یا یونانی دفتری زبان تھی۔ لہٰذا ان تمام علاقوں میں دفتری نظام کے تمام شعبوں بالخصوص مالیہ، لگان داری اور مالی شعبوں میں مقامی غیر مسلم باشندے چھائے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ لوگ مقامی زبانوں پر عبور رکھتے تھے اس لیے عربی عمال حکومت ان کا خاطر خواہ محاسبہ نہ کرسکتے تھے۔ عبدالملک کے زمانہ میں اموی حکومت مستحکم تھی اور اصلاحات ملکی کے لیے حالات بھی سازگار تھے۔ اس لیے اس نے نظم ونسق ملکی میں انقلابی اقدامات اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس کی سب سے پہلی کڑی عربی زبان کا بطور دفتری زبان کے نافذ کیا جانا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس تبدیلی کا حقیقی سہرا حجاج بن یوسف کے سر ہے۔ ایک بار اس نے صالح بن عبدالرحمن ایرانی کلرک کو ایرانی اور عربی دونوں زبانوں میں لکھتے ہوئے دیکھا اور اس کی سرپرستی شروع کردی تاکہ وہ پوری دفتری زبان کا عربی میں ترجمہ کردے۔ عجمیوں کو جب اس تجویز کا علم ہوا تو انھوں نے صالح کو اس کام سے باز رکھنے کے لیے بھاری رقوم بطور رشوت پیش کیں لیکن وہ اپنی سازش میں کامیاب نہ ہوسکے۔ عربی زبان اگرچہ ملکی اور سرکاری زبان قرار دی جاچکی تھی۔ لیکن اس کے رسم الخط میں ابھی کچھ خامیاں تھیں جو زبان دانی میں رکاوٹ تھیں۔ مثلاً عربی حروف پر نقطے نہیں ہوتے تھے جن کی وجہ سے مشابہ الفاظ کے پڑھنے میں دقت ہوتی تھی۔ جیسے (ب، ت، ث، ج، ح، خ وغیرہ) اس کے علاوہ حروف پر اعراب یعنی زیر زبر اور پیش لگوائے تاکہ عربی زبان کی تحصیل میں عجمیوں کو کوئی دقت پیش نہ آئے۔ مملکت اسلامیہ کے تمام علاقوں میں عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دینے کی وجہ سے ملکی اور قومی وحدت کے تصور کو فروغ حاصل ہوا چونکہ تمام ملک کی سرکاری زبان ایک تھی لہٰذا اقوام میں یگانگت اور وحدت کے تصورات کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ اس

سے ملکی استحکام میں اضافہ ہوا۔ عربی زبان کے سرکاری درجہ ملنے سے قبل چونکہ علاقائی زبانیں دفتری زبان شمار کی جاتی تھیں اس لیے مقامی لوگوں کو دفاتر میں بالادستی حاصل تھی لیکن اب فوج کے علاوہ سول میں بھی عربی عنصر عجمیوں کے ساتھ ساتھ مختلف انتظامی شعبوں میں داخل ہو کر حکومتی ذمہ داریوں کی تربیت پانے لگا۔ نیز غلط دفتری ملازمین کا محاسبہ بھی آسان ہو گیا۔ عربی زبان کی سرکاری حیثیت کے تعین کے بعد مقامی باشندوں نے عربی زبان کو سیکھنا شروع کر دیا حتیٰ کہ شمالی افریقہ کے لوگوں کی زبان بھی عربی ہو گئی جبکہ فارسی زبان کی ترقی وقتی طور پر رک گئی۔ اس دور میں بڑے بڑے عجمی عربی دان پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ قرآن قوافی اور قرآن فہمی کے لیے راہیں ہموار ہوئیں اور اشاعت اسلام میں بھی ترقی ہوئی۔

نئے سکوں کا اجراء:

عبدالملک کا دوسرا قابل فخر کارنامہ اسلامی سکوں کا اجراء ہے۔ ابھی تک اسلامی مملکت کے تمام علاقوں میں رومی اور پہلوی سکے رائج تھے۔ یہ سکے سونے اور چاندی سے بنائے جاتے تھے۔ اور تمام تجارتی اور سرکاری لین دین ان ہی سکوں کے توسط سے ہوتا تھا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں بھی ایرانی درہم کے نمونہ پر سکے بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے بھی اپنی عہد حکومت میں اپنے سکے جاری کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اس ناتمام کوشش کے بعد کسی بھی مسلمان حکمران سوائے حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کے بھائی مصعبؓ بن زبیر کے اس اہم قومی ضرورت کی طرف توجہ نہ دی مگر مصعبؓ کے جاری شدہ سکے معیاری نہ تھے اور انھیں قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔ عبدالملک نے خالص اسلامی سکوں کی ترویج کا آغاز کیا۔ اس نے رومی درہم دینار کے مقابلہ میں نئے درہم اور دینار جاری کئے جن پر 'قل ھواللہ احد' کی عبارت کندہ تھی۔ یہ سکے علی الترتیب چاندی اور سونے کے تھے۔ اس کے علاوہ ان سکوں پر تاریخ اور ٹکسال کا نام بھی درج کیا جاتا تھا۔ شہنشاہ روم نے اس انقلابی تبدیلی پر دھمکی دی کہ اگر عبدالملک نے اسلامی سکوں کا ڈھالنا بند نہ کیا تو وہ اپنے سکوں پر ایسے نازیبا کلمات درج کروائے گا جن سے رسول اللہ کی شان میں گستاخی ہو۔ عبدالملک نے اس دھمکی کا کوئی اثر نہ لیا اور اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ سنہ 695ء، 76ھ میں دمشق میں ٹکسال تعمیر کی گئی۔ حجاج بن یوسف نے کوفہ میں بھی ایسی ہی ایک ٹکسال قائم کی۔ سونے اور چاندی کے دینار میں بالعموم ایک اور دس کی نسبت تھی اگرچہ اس نسبت میں بعض اوقات تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں۔ اسلامی سکے کی معیار قدر و قیمت اور خوبصورتی کی بدولت بہت جلد اقوام عالم نے ان کو قبول کر لیا۔

محکمہ برید کی توسیع:

حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں محکمہ ڈاک قائم ہو چکا تھا۔ عبدالملک نے اس میں مزید اصلاح اور توسیع کی۔ دارالخلافہ دمشق سے گھوڑے ڈاک اور خطوط مملکت کے مختلف حصوں اور اطراف کی جانب لے کر روانہ ہوتے اور منزل مقصود تک بحفاظت پہنچاتے۔ محکمہ برید کی اس تنظیم جدید سے ملک کے دور و نزدیک علاقے ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے۔ اس کے علاوہ محکمہ برید خلیفہ وقت کو ملکی معاملات اور وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے بھی باخبر رکھتا۔ گویا جاسوسی کا کام بھی اس محکمہ کے سپرد تھا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو:

حضرت عبداللہؓ بن زبیر کے زمانہ حکومت میں خانہ کعبہ کی تعمیر کی طرف توجہ دی گئی تھی۔ اور اس میں کچھ اضافے بھی

کیے گئے تھے۔ عبدالملک نے خانہ کعبہ کی عمارت کو گرا کر از سرِ نو قدیم نقشہ کے مطابق دوبارہ تعمیر کی۔ نیز خانہ کعبہ پر ہر سال غلاف چڑھانے کی رسم کی ابتدا بھی کی۔ یہ ریشمی غلاف ہر سال دمشق سے روانہ کیا جاتا تھا۔

مسلم فن تعمیر کے نادر نمونے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ جامع دمشق اور قبۃ الصخرٰی اس دور کی اہم تاریخی یادگاریں ہیں۔ اس کے علاوہ جامع مصر اور کئی ایک دیگر مساجد کی توسیع اور مرمت بھی اسی دور میں کی گئی۔

ہروں کی آبادی:

فوجی نقطہ نظر سے کوفہ اور بصرہ کے درمیان عبدالملک نے واسطہ کا نیا شہر تعمیر کرایا جو بعد میں مشہور چھاونی اور تجارتی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا۔ علاوہ ازیں وہ شہر جو امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مٹتے جا رہے تھے ان کی آبادی کی طرف بھی توجہ دی گئی مثلاً آذر بائیجان اور اردبیل وغیرہ۔ عوامی بہبود اور خوشحالی کے لیے عمومی اور خصوصی اقدامات اختیار کیے۔ 80ھ میں مکہ میں زبردست سیلاب آیا جس کی وجہ سے عوام کا بے پناہ جانی و مالی نقصان ہوا۔ خانہ کعبہ کی دیواروں تک پانی بہ نکلا۔ مکہ کے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں لہٰذا سیلاب کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے عبدالملک نے وادی کے کنارے مستحکم بند تعمیر کروائے تاکہ اہلِ شہر محفوظ و مامون رہیں۔ اس کے علاوہ جابجا سڑکیں بنائیں اور پرانی سڑکوں کی مرمت کی گئی۔ تاکہ رسل و رسائل اور نقل و حمل میں آسانیاں پیدا ہوں۔

ی عجمی آویزش کا آغاز:

ایرانی بڑے قوم پرست تھے۔ انھوں نے جب اپنی زبان و ادب اور تہذیب کو عربی زبان اور تمدن کے غلبہ کی بنا پر دیکھا تو ان کے اندر قومی شعور کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی۔ حکومتی شعبوں میں بھی جب عربی عناصر ہر جگہ غالب آنے لگے تو سے عرب و عجم کی باہمی آویزش کا آغاز ہوا۔ بنو ہاشم کی تحریک کو بھی اس وجہ سے ایرانیوں کی مکمل ہمدردیاں حاصل ۔ شاہنامہ فردوسی فارسی ادب میں اس جذبہ کی شاندار مثال ہے۔

ت:

705ء میں مختصر سی علالت کے بعد عبدالملک نے وفات پائی اور دمشق میں دفن ہوا۔ مدت خلافت تقریباً 21 برس پنی زندگی میں اپنے دونوں لڑکوں ولید بن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک کو یکے بعد دیگرے جانشین نامزد کر چکا نچہ وفات سے قبل ولید کو بلایا اور اسے ملکی معاملات اور حکومت کے بارے میں نصیحتیں کیں۔ حضرت ابن زبیرؓ کی 73ھ میں ہوئی۔ اسی وقت سے عبدالملک کو خلیفہ سمجھنا چاہئے اور یوں تخت نشینی کے وقت سے شمار کیا جائے تو 21 اس نے سلطنت کی۔ 65ھ میں تخت پر بیٹھا اور 86ھ میں وفات پائی۔

ت و کردار

عبدالملک بلاشبہ بنو امیہ کے کامیاب ترین حکمرانوں میں سے ایک تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت ہر لحاظ سے مکمل تھی۔ ے علمی ماحول نے اس کی شخصیت کو باوصف بنایا۔ خلافت کا بارِ گراں اٹھانے سے پہلے منصب قضاء و افتا پر فائز رہا۔ بالعموم ریاضت و عبادت کی طرف مائل تھی لیکن خلیفہ بننے کے بعد اس دینی شعار کو اتار کر میدان سیاست میں وہ رسازیاں کیں جو دنیاوی حکمرانوں کا کمال سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے عہد حکومت میں کچھ زیادتیاں بھی ہوئیں۔

Marfat.com

بہت سے لوگ بے گناہ موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ عمرو بن سعید کو دھوکہ سے قتل کیا گیا مگر اس کے کارنامے ان خامیوں پر حاوی ہیں۔ علم و فضل میں وہ یکتا تھا۔ بڑے بڑے آئمہ کرام اس کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ بقول شعبی: ''میں نے جس کسی سے گفتگو کی اپنے آپ کو اس سے برتر پایا سوائے عبدالملک کے کہ اس کے ساتھ کبھی حدیث یا شعر پر گفتگو ہوئی تو اس نے میرے علم میں اضافہ کیا'' ابوزیادان کے بارے میں کہتے ہیں۔ ''اس زمانے میں فقہاء میں چار ممتاز شمار ہوتے ہیں۔ سعید بن حبیب، عروہ ابن زبیر اور عبدالملک بن مروان''۔ بقول شاہ معین الدین ندوی ''اگر زمانہ نے اس کو سلطنت پر نہ بٹھا دیا ہوتا تو وہ مدینہ کے مسند علم کی زینت ہوتا۔'' جب تخت نشین ہوا تو اپنے آپ کو مشکلات اور مصائب کے نرغے میں پایا۔ صرف شام اور مصر ہی اموی حکومت کے ماتحت تھے۔ بقیہ تمام عالم اسلام عبداللہ ابن زبیرؓ کا ہمنوا تھا اور ان میں سے اکثر ان کی خلافت کو تسلیم کر چکے تھے۔ دوسری طرف خوارج، توابین اور دیگر مخالفین کی شورشیں اموی اقتدار کے لیے خطرہ تھیں۔ رومی حملہ کا خطرہ الگ تھا۔ ان حالات میں عبدالملک کی بجائے کوئی اور شخص ہوتا تو حوصلہ ہار دیتا لیکن عبدالملک قطعاً ہراساں نہ ہوا بلکہ وہ حالات کا خاموشی سے جائزہ لیتا رہا۔ جب تک حضرت عبداللہؓ بن زبیر اپنے مخالفین کے خلاف صف آراء رہے اس نے کوئی قدم نہ اٹھایا لیکن جونہی اس نے محسوس کیا کہ ان لڑائیوں کی بدولت حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی قوت کمزور پڑ چکی ہے تو وہ میدان عمل میں اترا اور دیکھتے ہی دیکھتے عراق، حجاز، ترکستان، اور شمالی افریقہ پر قبضہ کر لیا۔ مشہور مورخ المسعودی نے لکھا ہے کہ 686ء کو جب عبدالملک کوفہ میں مختار کے خلاف تیاری میں مشغول تھا، اسے پے در پے ناکامیوں اور شورشوں کی اطلاع دی گئی تو ان خبروں کو سن کر لمحہ بھر کے لیے ہراساں نہ ہوا۔ اس کی ہر ہر ادا سے اس کے عزم اور استقلال کا اظہار ہوتا تھا۔ یہی عزم و استقلال اس کی کامیابی کا سبب بنا۔ نازک نازک اوقات میں بھی مردانہ وار مقابلہ کرنا اس کا ذاتی وصف تھا۔ وہ ایک زبردست منتظم، بہادر اور نڈر حکمران تھا۔ اندرون ملک بغاوتوں اور شورشوں کا قلع قمع کرنے کے بعد اس نے ملکی فتوحات کر کے سلطنت کو وسعت بخشی۔ اس کی وسعت کا دامن سمٹنے کی بجائے ہمیشہ پھیلتا ہی رہا۔ اس نے نظام حکومت کو بہتر بنانے اور ملکی استحکام کے نقطہ نظر سے کئی ایک اصلاحات نافذ کیں۔ ان اصلاحات کے نتیجہ کے طور پر نہ صرف نظم و نسق کی اصلاح ہوئی بلکہ بنو امیہ کی سیاسی مرکزیت مضبوط ہوئی۔ معاشی استحکام کی بدولت ملکی خوشحالی میں اضافہ ہوا، اسلامی سکہ بین الاقوامی دنیا میں قبول عام حاصل کر چکا تھا۔ تعمیر و ترقی کا دور دورہ تھا۔ رومی جھنڈے سرنگوں ہو چکے تھے۔ عربی تہذیب اور تمدن کو پھیلانے کے لیے سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ سرکاری محکموں میں خواہ سول ہوں یا فوجی عرب عناصر کو بالادستی حاصل تھی اور عربی سکہ بھی رائج تھا۔ اس وجہ سے مورخین نے اسے نہ صرف عرب قومیت کی بنیاد رکھنے والا قرار دیا بلکہ بنو امیہ کا حقیقی بانی بھی تسلیم کیا گیا۔

خلافت ولید بن عبدالملک

بنو امیہ کا چھٹا نامور خلیفہ جو بڑا فیاض فاتح اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ جس نے اندلس اور وسط ایشیا کے علاقے فتح کیے۔ حجاج بن یوسف، طارق بن زیاد، قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم اس کے نامور سپہ سالار تھے۔ عبدالملک کے بیٹے ولید کا زمانہ فتوحات کی وجہ مسلمانوں کا عظیم الشان زمانہ ہے جس کے دوران قتیبہ بن مسلم نے بخارا، سمرقند، خیوہ اور کاشغر فتح کیے۔ محمد بن قاسم نے سندھ کو اموی حکومت کا حصہ بنایا، تیسری لشکر کشی موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد نے مغرب میں اسپین اور پرتگال پر کر کے اس کو خلافت کا حصہ بنایا۔ اس کے علاوہ مغربی بحیرہ

Marfat.com

جزائر بلیارک پر بھی قبضہ ہوا۔ اس طرح ولید کے دور میں اموی حکومت کا شغر سے بحیرہ اوقیانوس تک پھیل گئی۔ اس کے دور میں دارالحکومت دمشق میں ایک شاندار مسجد تعمیر کی گئی جو جامع اموی کہلاتی ہے۔ اس زمانے میں دنیا کی کوئی طاقت خلافت اسلامی کے سامنے آنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

ابتدائی حالات اور تخت نشینی

عبدالملک نے اپنی زندگی میں اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو علی الترتیب اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ چنانچہ باپ کی وفات کے بعد 705ء میں ولید سربراہ سلطنت ہوا۔ عبدالملک علم وفنون کا دلدادہ تھا لیکن ولید کو علم وادب سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جس قدر کوششیں تحصیل علم میں اس کے لیے کی گئیں وہ ناکام رہیں لیکن اس کمی کے باوجود ایک حکمران کی حیثیت سے وہ اصول جہانبانی اور کشور کشائی میں اپنے پیشرو سے کم نہ تھا۔ اس کا دور امن وامان کا زمانہ تھا۔ اسے باپ سے عظیم سلطنت ورثہ میں ملی تھی۔ خوش قسمتی سے اپنے زمانے کے بہترین سپہ سالار اس کے ساتھ تھے۔ جن کی بدولت فتوحات کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جس سے عہد فاروقی کی یاد تازہ ہو گئی۔ ان فتوحات کی بدولت اس دور کو تاریخ اسلام میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں سپین، ترکستان اور ہند کے وسیع علاقے فتح ہوئے۔ خلیفہ ولید کے دور میں عرب اپنی تاریخ کی سب سے بڑی سلطنت قائم کر چکے تھے جس کا دنیا میں کوئی حریف نہ تھا۔

بلخ وطخارستان کی فتح:

ترکستان (ماوراء النہر) کا علاقہ جو خراسان سے شمال مشرق کی جانب واقع تھا، کے حکمران اکثر سرکشی اور بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔ قتیبہ بن مسلم بھی بہادر اور نامور جرنیل تھا، اس نے ترکستان کے تمام علاقہ کی مکمل تسخیر کا جامع منصوبہ بنایا۔ 86ھ/705ء میں قتیبہ پہلی بار دریائے جیحوں کو عبور کر کے ماوراء النہر کے علاوہ میں داخل ہوا۔ ترکستان کے حکمران اس کی آمد سے گھبرا گئے اور یکے بعد دیگرے اطاعت قبول کرنے لگے۔ بلخ اور طخارستان کے حکمرانوں کو مطیع کرنے کے بعد قتیبہ نے اپنے بھائی صالح کو وہاں کا نگران مقرر کر کے واپسی اختیار کی اور مرو میں قیام پذیر ہوا۔ صالح نے کاشان اور فرغانہ کی تسخیر مکمل کر لی۔

بیکند کی فتح:

706ء قتیبہ نے بخارا کے ایک اہم شہر بیکند پر لشکر کشی کی۔ شعدی اور بخاری قبائل نے مل کر مزاحمت کی مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے یلغار جاری رکھی۔ اہل بیکند نے گھبرا کر صلح کر لی۔ قتیبہ صلح کے بعد ابھی واپس پلٹا ہی تھا کہ اہل بیکند نے بدعہدی کے مرتکب ہو کر مسلمان حاکم اور اس کے عملہ کو قتل کر دیا۔ چنانچہ قتیبہ فوراً پلٹا اور بیکند کو فتح کرنے کے بعد مجرمین کو قرار واقعی سزا دی۔

فتح بخارا:

بیکند کی تسخیر کے بعد دوسرے سال 89ھ/708ء میں قتیبہ دوبارہ ترکستان پر حملہ آور ہوا۔ خاقان چین کے بھتیجے نے قتیبہ کی آمد کی خبر پا کر 2 لاکھ ترک اور سغد قبائلیوں کے ہمراہ اس کی راہ روکنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ مقابلتاً بے حد کم تھی لیکن ان کے حوصلہ اور عزم کے سامنے دشمن کی ایک نہ چلی اور اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ قتیبہ نے پیش

Marfat.com

قدمی جاری رکھی اور خاص بخارا کا نقشہ منگوایا اور نئی ہدایات روانہ کیں۔ ان ہدایات کے مطابق قتیبہ نے 90ھ/710ء میں دوبارہ بخارا پر حملہ کیا۔ فریقین کے درمیان خونریز جنگ ہوئی۔ اہل سغد اور ترک بڑی بے جگری سے لڑے۔ قریب تھا کہ مسلمان فوج کے پاؤں اکھڑ جاتے کہ خیموں میں مقیم عورتیں باہر نکل آئیں اور مجاہدین کے گھوڑوں کو مار مار کر واپس میدان جنگ میں دھکیل دیا۔ مسلمان سپاہی دوبارہ میدان جنگ میں پلٹ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور انھیں شکست دے کر بخارا پر قبضہ کر لیا۔ قتیبہ نے وہاں ایک مسجد کی تعمیر کی اور مسلمانوں کے لیے مکانات بنوائے جہاں بنوتمیم اور دیگر عرب قبائل آباد ہوئے۔

تسخیر سمرقند:

اہل سمرقند نے ترکستانی مہمات کے دوران مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ دوستی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دیگر ترکستانی ریاستوں کی مدد کی تھی۔ قتیبہ سمرقندیوں کو ان کی بدعہدی کا مزا چکھانا چاہتا تھا اس لیے اب قتیبہ نے سمرقند کا محاصرہ کر لیا۔ اہل سمرقند نے اردگرد کے حکمرانوں کو مدد کے لیے پکارا اور خود قلعہ بند ہو گئے۔ قتیبہ کو ترک ریاستوں کے ارادوں کا علم ہو گیا تو اس نے اپنے بھائی صالح کو مامور کیا کہ وہ ترکستانی فوج کو راہ ہی میں روک دے۔ صالح نے ان پر اچانک حملہ کر کے ان کو تتر بتر کر دیا اور مال غنیمت لے کر سمرقند واپس لوٹ آیا۔ اس شکست نے سغدیوں کی کمر ہمت توڑ دی چنانچہ انھوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ سغدیوں نے 12 لاکھ درہم سالانہ خراج کی ادائیگی منظور کر لی۔ قتیبہ نے وہاں بھی مسجد کی تعمیر کی۔ اہل سغد کا عقیدہ تھا کہ جو کوئی ان بتوں کو توڑے گا وہ تباہ و برباد ہو گا۔ قتیبہ نے خدائے واحد کی برتری، توحید کے درس اور باطل عقائد کی بیخ کنی کے لیے تمام بتوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ جب اہل اسلام کو کوئی گزند نہ پہنچا تو بہت سے سغدی متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔ سمرقند کی تسخیر 93ھ/711ء میں مکمل ہوئی۔

خوارزم کی فتح:

713ء میں خوارزم شاہ کے بھائی خرزاد نے ملکی نظم و نسق پر زبردستی قبضہ کر لیا تھا۔ لہٰذا خوارزم شاہ کی درخواست پر قتیبہ نے خوارزم پر فوج کشی کی اور خرزاد کو شکست دے کر خوارزم شاہ کو تخت نشین کر دیا مگر خوارزم شاہ اپنی کمزوری کی بنا پر اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ چنانچہ قتیبہ نے خوارزم کو باقاعدہ سلطنت اسلامیہ میں شامل کر کے اپنے بھائی عبداللہ کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

شاش اور فرغانہ پر قبضہ:

شاش اور فرغانہ کے حکمران سابقہ جنگوں میں اپنے ترکستانی ہمسایوں کے حلیف رہ چکے تھے لہٰذا قتیبہ نے 715ء میں شاش اور فرغانہ پر قبضہ کر کے اموی سلطنت کی حدیں چین تک پھیلا دیں علاوہ ازیں خجستان بھی لشکر اسلامی کے آگے نہ ٹھہر سکا اور اموی سلطنت کا جزو بنا۔

چین پر حملہ:

715ء میں ترکستان کی باقاعدہ تسخیر کے بعد قتیبہ نے چین پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ کاشغر فتح کرنے کے بعد قتیبہ چینی حدود میں داخل ہو گیا۔ فریقین کے درمیان صلح کی گفتگو کا آغاز ہوا۔ مسلمان سفیر خاقان چین کے پاس گئے۔ خاقان

Marfat.com

سلمانوں کے وفد کو متاثر کرنے کی کوشش کی مگر وفد کی طرف سے خاقان کو بتا دیا گیا کہ قتیبہ نے قسم کھائی ہے کہ وہ اس قت تک چین سے نہ بیٹھے گا جب تک وہ چین سے خراج وصول نہ کر لے۔ خاقان چین کو مسلمانوں کے عزم و استقلال کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے لہٰذا جزیہ کی ادائیگی پر معاہدہ صلح ہوا۔ خاقان نے بیش قیمت تحائف بھی قتیبہ کے پاس روانہ لیے۔ اس طرح لشکر اسلام فتح مندانہ واپس لوٹا۔

کران و سندھ:

ولید بن عبدالملک کے دور میں سندھ، بلوچستان اور پنجاب کا کچھ حصہ بنو امیہ کی خلافت کا حصہ بن گیا۔ اس طرح ے ولید بن عبدالملک قدیم پاکستان کا پہلا خلیفہ تھا اور یہ علاقہ ایک ایسی ریاست کا حصہ بن گیا جس کی سرحدیں دریائے رھ سے فرانس تک تھیں، جس کا دارالخلافہ دمشق تھا اور جس کی زبان عربی تھی۔ پاکستان کا تعلق ہمیشہ کے لیے مذہبی طور سلام سے اور ثقافتی طور پر عرب سے جڑ گیا اس طرح سے پاکستان کی قریباً 4000 سالہ تاریخ میں یہ اموی خلیفہ ولید بن الملک ان چند گنے چنے لوگوں میں شامل ہے جنھوں نے پاکستان پر ہر لحاظ سے گہرے اثرات ڈالے۔ بدقسمتی سے بنو کی روشن خیالی اور علم پروری میں سیاسی وجوہات کی بنا پر پاکستان کو حصہ کم مل سکا جتنا کہ دوسرے علاقوں کو خاص طور پر ن کو ملا۔ یہ کریڈٹ اس شخص کو جاتا ہے کہ سندھ کے قید خانے سے ایک عورت مدد کو پکارتی ہے اور ولید کی انتظامیہ لبیک ی ہے اور فوری طور پر ایک دور افتادہ مشکل اور دشمن ملک میں اس عورت کی مدد اور رہائی کیلئے کمر بستہ ہو جاتی ہے۔ نکہ اموی ریاست اس وقت کئی اور محاذوں پر بھی برسر پیکار تھی۔ پاکستان میں ولید کے کردار کو کم کیا جاتا ہے اور محمد بن کے کردار کو زیادہ حالانکہ فیصلہ کرنے، سپہ سالار کا انتخاب، فوج اور وسائل کی فراہمی اور پھر مسلسل رہنمائی اور رابطہ یہ اور اسکی انتظامیہ کا ہی کام تھا۔

س، یورپ اور دنیا پر اثرات:

ولید کے دور میں اندلس کی فتح تاریخ کا اہم واقع ہے۔ جس نے مستقبل کی ہسپانوی، یورپی اور دنیا کی تاریخ کو کے لئے بدل کر رکھ دیا۔ بنو امیہ کی علم دوست انصاف پسند اور روادار طبیعت نے ایسے ماحول کو جنم دیا جو ایک شاندار ب کی تخلیق کا باعث بنا۔ سائنس، فلسفہ، ادب اور دوسرے فنون نے ایک نیا جنم اندلس میں لیا جس نے یورپ اور پھر دنیا کو گہرے طور سے متاثر کیا۔

ائے کوچک کی فتوحات:

قیصر روم کی حکومت اس زمانے کی دوسری عالمی طاقت تھی جو مسلم حکومت کے لیے مستقل چیلنج تھی۔ جب کہ لملک کو ایک زمانے میں روپیہ دے کر اس سے عارضی صلح کرنی پڑی تھی۔ ولید نے اس خطرے کے انسداد کے لیے ستقل فوج اس سرحد پر رکھی جو رومی حکومت سے مختلف قلعے چھینتی رہی۔ اس لشکر کے سالار اس کا بھائی مسلمہ بن لملک اور اس کا بیٹا عباس بن ولید تھے۔ انہوں نے اسی سال حصن یونق، حصین اخرام اور حصین بوسن فتح کیے۔ اگلے عباس اور رومیوں کے مسلسل دباؤ سے وہ پیچھے ہٹ کر طوانہ کے قلعہ میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے۔ بالآخر عباس نے عہ کو فتح کر کے انہیں پیچھے ہٹ کر طوانہ کے قلعہ میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔ بالاخر عباس نے قلعہ فتح کر کے انہیں دھکیل دیا۔ مسلمہ نے عموریہ کا قلعہ بھی فتح کیا اور عباس آرمینیہ میں گھس گیا۔ ولید کے عہد حکومت کے خاتمے تک یہ

Marfat.com

فاتحین طرسوس اور انطاکیہ تک علاقے فتح کر چکے تھے۔

ولید کا سنہری زمانہ:

بقول سر ولیم میور، ولید اوّل کا زمانہ تاریخ اسلام کا شاندار ترین دور ہے۔فتوحات، وسعت سلطنت، ملکی استحکام، امن وامان، خوشحالی اور تہذیبی وثقافتی ترقی کے لحاظ سے یہ دور انتہائی بلند اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔اس دور میں ہونے والی فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ عہد فاروقی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اگر محض فتوحات ہی کی عظمت ومعراج کی کسوٹی قرار دیا جائے تو بھی یہ بنوامیہ کا شاندار ترین دور کہلانے کا یقیناً مستحق ہے اس دور کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

وسعت وسلطنت اور فتوحات: اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت وہ عظیم الشان فتوحات ہیں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔سندھ میں محمد بن قاسم، ترکستان اور چین میں قتیبہ بن مسلم، سپین اور پرتگال میں موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد، ایشیائے کوچک میں مسلمہ بن عبدالملک اپنی شجاعت، بہادری اور سرفروشانہ یلغاروں کی بدولت دشمنان اسلام کو شکستوں پر شکستیں دے کر اسلامی عظمت کا علم بلند کر رہے تھے۔بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ اگر ولید دو چار برس ہی اور زندہ رہ جاتا تو چین اور ہندوستان بھی مملکت اسلامیہ کا جزو ہوتے۔

امن وامان کا قیام: بیرون ملک فتوحات کے علاوہ اندرون ملک امن وامان کا قیام، اعلیٰ نظم ونسق اور خوشحال عوام اس دور کی دوسری نمایاں خصوصیات ہیں۔حجاج بن یوسف کی زیر سرکردگی خوارج کا مکمل استیصال کیا جا چکا تھا اور کسی بھی دشمن تحریک کو سر اٹھانے کی جرات نہ تھی۔اگر ملک کے اندر مکمل امن امان نہ ہوتا تو اس دور کی دیگر تعمیری خصوصیات بھی اجاگر نہ ہوتیں۔

علمی ترقی وسرپرستی: اگرچہ ولید خود تو علم حاصل نہ کر سکا۔لیکن علوم کی سرپرستی بدستور پہلے خلفا کی طرح کی۔قرآن وحدیث کی تعلیم اور ترقی کے لیے اس نے ذاتی توجہ اور دلچسپی سے کام لیا۔قرآن پاک سے اسے بڑی محبت تھی۔اس کا اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی حاجت روا اس کے در پر روپیہ مانگنے آتا تو وہ قرآن پڑھوا کر سنتا اور اگر قرآن پڑھنا آتا تو اس کی خوب مدد کرتا۔عربی گرائمر میں بھی کافی سرگرمی سے کام کیا گیا۔بصرہ کا شہر بالخصوص قواعد گرائمر کے سلسلے میں مشہور ہوا۔نئے شعراء کی حوصلہ افزائی اور قدردانی کی جاتی تھی۔علماء وفقہا کے وظائف مقرر تھے۔

مسجد نبوی کی تعمیر: مسجد نبوی کی تعمیر ولید کا سنہری کارنامہ ہے۔ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو مسجد نبوی کی تعمیر کا حکم دیا چنانچہ اس کی نگرانی میں جب کہ وہ عامل مدینہ تھے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا۔فن تعمیرات کے نقطہ نظر سے یہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔عمر بن عبدالعزیز نے اردگرد کی زمین خرید کر اسے وسعت دی۔باہر کے ملکوں سے کاریگر بلوائے گئے۔شاہ روم نے ایک لاکھ مثقال سونا اور پچی کاری کا کام کرنے والے کاریگر فراہم کیے۔پوری مسجد پتھر سے بنوائی اور اس کی دیواروں پر طلائی مینا کاری کی گئی اور ایک فوارہ بھی بنایا گیا۔مسجد کی بنیادیں صحابہ کرام کے بیٹوں سے ہاتھ سے اٹھائی گئیں۔اس کی تعمیر میں 3 سال صرف ہوئے۔اس کے صحن میں 20 ہزار آدمی اکھٹے بیٹھ سکتے تھے۔اس مسجد کی چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور دور دور سے سیاح دیکھنے کے لیے آئے۔جب تعمیر کا کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا تو ولید میں خود اسے دیکھنے کے لیے آیا اور اس نے اسے بہت پسند کیا۔

جامع مسجد دمشق: دمشق کی جامع مسجد حسن جمال کا ایک مرقع تھی۔اس کی تعمیر پر بھی کاریگر ہندوستان، ایران

یقہ سے لائے گئے۔ 8 سال کے عرصہ میں اس کی تکمیل ہوئی اور 12 ہزار مزدوروں نے اس پر کام کیا۔ مختلف رنگوں کے
کے استعمال کے علاوہ سونے اور چاندی کا بھی بہت زیادہ استعمال ہوا۔ 18 جہازوں پر سونا چاندی لاد کر جزیرہ قبرص
دمشق لایا گیا۔ اس کی تزئین و آرائش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق 56 لاکھ اشرفیاں اس پر
ت آئی۔ بعض مورخین کے اقوال کے مطابق ملک شام کا سات برس کا خراج اس پر صرف ہوا۔ اس کی چھتوں اور
روں پر طلائی مینا کاری اور طرح طرح کے نقش و نگار سے کام لے کر اسے دلکش بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ چھت
ساتھ چھ سو مرصع قندیلیں طلائی زنجیروں کے ساتھ لٹکائی گئیں۔ وسیع اتنی تھی کہ 20 ہزار آدمی بیک وقت اس میں بیٹھ
تھے۔ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے یہ مسجد زیارت گاہ خواص و عوام تھی۔ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آتے تھے۔ ایک
ربن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ میں جب اس کے سونے چاندی اور دیگر اشیا کو اتروا کر بیت المال میں داخل کرنے کا
کیا تو اتفاقاً قیصر روم اسے دیکھنے کے لیے آنکلا۔ دس ہمراہیوں کے ساتھ مسجد کو بھی دیکھنے گیا اس پر اس کی ساخت اور
ائی حسن کا اس قدر اثر ہوا کہ رنگ فق ہو گیا اور اپنے ہمراہیوں سے یونانی زبان میں کہا کہ ہمارا تو خیال تھا کہ عربوں کی
ت شام میں چند روزہ ہے لیکن یہاں تو انہوں نے اپنے استقلال کے سامان جمع کر رکھے ہیں۔ خلیفہ کو اپنے آدمیوں
جو وہاں موجود تھے اس گفتگو کے مطالب سے آگاہ کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ مسجد تو کفار کو غیظ دلاتی ہے لہذا اپنا ارادہ
کر دیا۔ اس واقعہ ہی سے جامعہ مسجد دمشق کی لافانی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔

تعمیراتی کام: علاوہ ازیں نبی کریم کے روضہ مبارک کے چاروں طرف دوہری مضبوط دیوار کھڑی کی گئی۔ مملکت
یگر حصوں میں نئی مساجد کی تعمیر کی گئی اور پرانی کی مرمت کا کام کیا گیا۔ ولید نے تعمیرات پر بہت فراخدلی سے روپیہ
کیا۔

عامہ: مسافروں کے آرام کے لیے سڑکوں کی تعمیر اور مرمت کی گئی۔ ان کے کناروں پر سنگ میل نصب کرائے
سرائیں اور کنوئیں کھدوائے تاکہ آنے جانے میں پیش آنے والی دقتیں کم ہوں۔ ملکی پیداوار بڑھانے کے لیے
ہا کھدوائی گئیں۔ مریضوں کے علاج کے لیے سرکاری ہسپتال تعمیر کیے گئے جہاں مریضوں کو مفت دوائیں دی جاتی
۔ سرکاری طعام خانے کھولے گئے جہاں ناکارہ، بیکار اور مسافر کھانا کھا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ نادار لوگوں کی امداد
لیے وظائف مقرر کیے گئے۔ ملک سے گداگری کا خاتمہ کیا مختصر یہ کہ لوگوں کو ہر طرح کی رعائتیں اور آسائشیں فراہم
نے کے پوری پوری کوشش کی گئی۔

ی بیڑہ کی تنظیم: ولید کے زمانہ میں فوجی نظام کو درست کرنے کے لیے خصوصی توجہ دی گئی۔ اس ضمن میں بحری بیڑہ
وسیع بھی ولید کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ بحری جنگوں میں کامیاب بحری فوج کی تنظیم کی بنا پر تھی۔ اس لیے نئے جہاز
نے اور پرانے کی مرمت کے لیے ملک میں کارخانے تعمیر کئے گئے۔ سب سے بڑا کارخانہ ٹیونس میں تھا۔ بحیرہ روم کی
ں میں کامیابی کا بہت بڑا ہاتھ بحری بیڑے کی مضبوطی تھا۔

دی جائزہ

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ کہنا درست ہے کہ ولید اوّل کا دور بنو امیہ کا شاندار ترین اور سنہری زمانہ تھا۔
ات کے میدان میں کامیابیاں ہی کیا کم تھیں لیکن اس کے علاوہ علم و ادب تعمیرات اور رفاہ عامہ کے میدان میں ولید

Marfat.com

کے زمانہ میں شاندار کارہائے نمایاں انجام دیئے گئے۔ جہاں قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، مسلمہ بن عبدالملک کی کامرانیاں اس دور کو ایک خاص عظمت اور شان بخشتی ہیں، وہاں اس دور میں ہونے والی دیگر تعمیر خصوصیات بھی کم اہم نہیں۔ قصر الخلافت ہو یا شاہی محلات، قصر الزہرا ہو یا قرطبہ، عالیشان یونیورسٹیاں ہوں یا عمو درسگاہیں یہ سب اپنی خاص صنعت، کاریگری اور فنی خوبیاں کے لحاظ سے نوادرات زمانہ میں شمار ہوتی ہیں۔ یہ سب ا نقوش اسلامی عہد کی ایسی یادگاریں ہیں جو ابنائے زمانہ کی دست درازیوں اور امتداد زمانہ کے باوجود مٹائے نہ مٹ اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ اور درخشندہ دور کی آئینہ دار ہیں۔ ولید بن عبدالملک سے پہلے دربار خلافت میں ہر شخص بول تھا۔ اسی نے یا اس کے باپ عبدالملک نے یہ حکم دیا کہ بلا اذن بادشاہ کے کوئی لب نہ ہلا سکے۔ حجاج کا ظلم اس کے عہد اور بھی ترقی پکڑ گیا تھا۔ مشہور ہے کہ اسی کے عہد میں حجاج نے قرآن کے لئے زیر۔ زبر۔ پیش (اعراب) ایجاد کیا تا زبان نہ جاننے والے بھی اُسے صحت سے پڑھ سکیں۔ حجاج اسی کے عہد میں 95ھ میں طبعی موت مرا۔

وفات:

عبدالملک نے اپنی زندگی ہی میں اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان بن عبدالملک کو علی الترتیب اپنا جانشین کر دیا تھا۔ عبدالملک 705ء میں وفات پا گیا۔

خلافت سلیمان بن عبدالملک

97 تا 99ھ، 717 تا 719ء

ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔ اس نے اگرچہ صرف ڈھائی سال حکومت کی لیکن کے دور حکومت میں کئی اہم واقعات پیش آئے جن میں ولید کے دور کے تین مشہور سپہ سالاروں محمد بن قاسم، موسیٰ بن اور قتیبہ بن مسلم کا افسوسناک انجام بھی شامل ہے۔ اس کے دور کا دوسرا اہم واقعہ قسطنطنیہ کا ناکام محاصرہ ہے۔ اس کے خلافت کا تیسرا اور اہم ترین واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانشینی ہے۔

تخت نشینی:

ولید بن عبدالملک کی وفات کے بعد سلیمان تخت نشین ہوا۔ اگرچہ ولید نے سلیمان کو ولی عہدی سے خارج کر کی کوشش کی تھی لیکن اچانک موت کی بناء پر وہ اپنے ارادوں کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن اس معاملہ میں ولید کے ہمنوا تھے۔ سلیمان نے تخت نشین ہونے کے بعد انتقامی جذبہ سے کام لیتے ہوئے اسلام کے نامور افراد کو اپنے عہدوں سے برخاست کر دیا۔ محمد بن قاسم کو بڑے ظالمانہ طریقے سے قتل کروا دیا گیا۔ قتیبہ بن مسلم اسی انجام سے دوچار ہوا۔ موسیٰ بن نصیر کے آخری ایام تنگ دستی اور پریشان حالی میں گزرے۔ علاوہ ازیں حجاج کے میں مقرر کیے گئے عاملوں کو ہٹا کر ان کی جگہ دوسرے حاکم مقرر کیے گئے۔ یہ غلط اقدامات مجموعی حیثیت سے سلطنت وقار میں کمی کا باعث ہوئے۔ شخصی زندگی کے اس انتقامی پہلو کے علاوہ سلیمان کی شخصیت کے اچھے پہلو دن بدن نکھ چلے گئے۔ وہ کئی لحاظ سے اپنے پیشرو حکمرانوں کے مقابلہ میں بہتر تھا۔ ولید کے زمانہ کے تمام قیدیوں کو جنہیں بغیر کسی کے یا محض شک وشبہ کی بناء پر قید خانہ میں ڈال دیا گیا تھا رہائی ملی اور جیل خانے خالی ہو گئے۔

Marfat.com

محمد بن قاسم کا قتل:

محمد بن قاسم حجاج کا رشتہ دار تھا اور سلیمان کو حجاج سے نفرت تھی اس لیے تخت نشین ہوتے ہی سلیمان نے محمد بن قاسم کو معزول کر کے دارالحکومت واپس پلٹنے کے احکامات صادر کر دیے۔ 17 سال کا یہ نوجوان جس کی ہمت و شجاعت کی بدولت سندھ فتح ہوا اور برصغیر ہندوپاک میں پہلی بار کلمہ توحید کی منظم طور پر آبیاری ہوئی، اپنوں ہی کے ہاتھوں افسوس ناک انجام سے دوچار ہوا۔ اس کے حسن انتظام اور رعایا پروری کا یہ عالم تھا کہ اس کی واپسی اور موت کی خبر سن کر سندھ کے لوگوں نے اس کی مورتیوں کو دیوتا کے روپ میں پوجنا شروع کر دیا۔ سلیمان نے اسے گرفتار کر کے عراق کے گورنر صالح بن عبدالرحمٰن کے ہاں روانہ کیا۔ حجاج نے اپنے زمانہ اقتدار میں صالح کے بھائی کو قتل کروایا تھا۔ چنانچہ صالح نے اب اپنے بھائی کے قتل کے بدلہ میں محمد بن قاسم کو جیل میں اذیتیں دے دے کر قتل کروایا اور اس طرح دنیائے اسلام اپنے ایک فرزند اور بہترین جرنیل سے محروم ہو گئی۔

قتیبہ بن مسلم کا قتل:

قتیبہ بن مسلم بھی حجاج کا وفادار ساتھی تھا اور سلیمان کی خلافت سے علیحدگی کے معاملہ میں ہم نوا تھا۔ لہٰذا سلیمان کی تخت نشینی کے بعد اسے یہ خطرہ لاحق تھا کہ ذاتی عناد یا گروہی تعصب کی بناء پر سلیمان اس کو اپنے انتقام کا نشانہ نہ بنائے۔ اس نے خلیفہ کو اپنی اطاعت اور وفاداری کے اظہار اور یقین دہانی کے لیے خطوط لکھے۔ سلیمان نے بھی اس کے خلاف ابھی تک کوئی عملی قدم نہ اٹھایا تھا۔ لیکن قتیبہ نے حفظ ماتقدم کے طور پر سلیمان کا خطرہ آنے سے پیشتر ہی بغاوت کر دی۔ خلاف توقع فوج نے ساتھ نہ دیا۔ قبیلہ بنوتمیم کے افراد میں سے ایک نے اسے قتل کر کے اس کا سر سلیمان کے پاس روانہ کر دیا۔ قتیبہ کے بعد یزید بن مہلب کو خراسان کا والی مقرر کیا گیا۔

موسیٰ بن نصیر کی تذلیل:

فاتح سپین موسیٰ بن نصیر بھی سلیمان کی آتش انتقام سے بچ نہ سکا۔ ولید نے موت سے قبل موسیٰ کو دمشق واپس پہنچنے کے احکامات دیے تھے۔ موسیٰ بن نصیر غنیمت اور زروجواہر کے ساتھ پایہ تخت واپسی کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ ولید کے مرض الموت میں مبتلا ہونے کے بعد سلیمان کی خواہش تھی کہ موسیٰ کا ورود دمشق میں ولید کی موت کے بعد اور اس کی اپنی تخت نشینی کے وقت ہو لیکن موسیٰ بن نصیر اپنے محسن اور مربی کی خدمت میں جلد از جلد حاضر ہو کر تحفے اور تحائف اور مال غنیمت پیش کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا سلیمان کی خواہش کے خلاف نہایت سرعت سے پایہ تخت پہنچا۔ ولید کی طرف سے موسیٰ کی بے حد عزت افزائی ہوئی۔ انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے سلیمان نے تخت نشین ہونے کے بعد موسیٰ کے تمام اعزازات اور مناصب سے یکسر محروم کر دیا اور اس کی تمام جائیداد ضبط کر لی۔ یہی نہیں بلکہ جب کسی صاحب اثر شخصیت کے ایماء پر موسیٰ کو قید سے نکالا گیا تو سلیمان نے اس پر کئی لاکھ کا جرمانہ نافذ کر دیا۔ موسیٰ اس قدر کثیر رقم بطور جرمانہ ادا کرنے کے قابل نہ تھا۔ کہاں فاتح سپین کی حیثیت سے شاہانہ تزک و احتشام اور کہاں اب ایک تنگ دست انسان جو دو وقت کی روٹی کا بھی محتاج ہو۔ اسی کسمپرسی اور تباہ حالی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ سلیمان نے اپنے کینہ کی مزید تسکین کی خاطر موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز کو قتل کرا دیا۔ یہ تمام واقعات سلیمان کے کردار پر بدنما داغ ہیں۔

Marfat.com

فتوحات:

فتوحات کا سلسلہ جو ولید کے زمانہ سے شروع ہوا تھا اس دور میں بھی جاری رہا چنانچہ یزید بن مہلب نے خراسان کا والی تھا، 98ھ میں ایک لاکھ فوج سے جرجان پر فوج کشی کی۔ قہستان، جرجان، طبرستان وغیرہ فتح کیے مواقع پر اسلامی افواج کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا لیکن بحیثیت مجموعی یہ مہمات کامیاب رہیں اور مخالفین کی طاقت کو کچل دیا

قسطنطنیہ پر حملہ اور ناکامی:

سلیمان کے زمانہ میں سلطنت روم اندرونی خلفشار سے دوچار تھی۔ سلیمان نے اس موقع کو غنیمت جان کر سلطنت کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ اس دوران لیون نے جو کہ ایشیائے کوچک میں رومی افواج کا سالار تھا، سلیمان کو اپنے تعاون کی پیش کش کی چنانچہ 98ھ میں بڑے زبردست پیمانہ پر جنگی تیاریوں کا آغاز کیا گیا۔ ازبیش افواج اس مہم میں شمولیت کے لیے منظم کی گئیں۔ سامان جنگ، اسلحہ، قلعہ شکن آلات اور سامان رسد کے ذخائر جمع کیے گئے۔ یہ لشکر جرار مسلمہ بن عبدالملک کی ماتحتی میں روانہ ہوا۔ بری اور بحری دونوں اطراف سے قسطنطنیہ گیا۔ خود مسلمہ خشکی کے راستہ ایشیائے کوچک سے ہوتا ہوا بڑھا۔ عموریہ کے مقام پر لیون بھی اسلامی افواج سے آملا۔ کی رہنمائی میں مسلمہ قسطنطنیہ پہنچا اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ کئی ماہ جاری رہا۔ ناکہ بندی سے تنگ آکر لوگوں کی درخواست کی جسے مسلمہ نے رد کردیا۔ لیون چونکہ مسلمانوں کی تمام کمزوریوں اور منصوبے کی تفصیلات سے آگاہ تھا اس لیے اس نے بڑی پامردی سے مدافعت کی۔ موسم سرما کی شدت برفباری اور اشیائے ضرورت کی کمی کی وجہ سے مسلمان بھوکوں مرنے لگے۔ دوسری طرف اگرچہ سلیمان سرحد روم پر خیمہ زن تھا لیکن بروقت امدادی فوج اور سامان نہ بھیج سکا۔ وہ اس قدر تباہی کے باوجود فوج کی واپسی کے احکامات صادر کرنے پر رضامند نہ تھا مگر صفر 99ھ دسمبر میں سلیمان نے وابق کے مقام پر وفات پائی تو اس کے جانشین حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے مسلمہ کو فوری واپسی کے احکامات صادر کیے اور اس طرح یہ مہم ناکام ہوئی۔

شخصیت کا مجموعی جائزہ:

سلیمان کا کردار مجموعہ اضداد تھا۔ خدا ترسی، نیک نفسی اور رعایا پروری کی بے شمار مثالیں ایسی موجود ہیں جس سے اسے بالعموم ایک اصلاح پسند شخصیت مانا جاتا ہے۔ اس نے حجاج کے مقرر کردہ ظالم عاملوں سے عوام کو نجات دلائی پینے کے لیے میٹھے پانی کا بندوبست کیا، ولید کے زمانہ کے قیدی رہا کردیئے گئے اور جیل خانوں کے دروازے کھول دیئے گئے لیکن ان کارہائے خیر کے باوجود وہ بے حد کینہ پرور تھا۔ اس نے محض انتقامی جذبہ سے سرشار ہو کر دنیائے اسلام کے سپہ سالاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور کچھ کو ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا۔ بہرحال اس کے دور کا سب سے قابل قدر کارنامہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا بطور خلیفہ تقرر ہے اور اسی بنا پر مؤرخین اسے 'مفتاح الخیر' کا لقب دیتے ہیں۔

وفات:

719ء بمقام مرج وابق (سرحد روم پر واقع فوجی مرکز) اچانک خلیفہ سلیمان وفات پا گیا۔ وفات کے وقت اس کی عمر 45 سال اور مدت خلافت دوسال آٹھ ماہ تھی۔ اپنی زندگی ہی میں ایک وصیت کے ذریعہ عمرؓ بن عبدالعزیز اور یزید بن عبدالملک کو علی الترتیب اپنا جانشین نامزد کر کے بیعت حاصل کرلی تھی۔

Marfat.com

خلافت عمرؓ بن عبدالعزیز

نرت عمرؓ بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم، آپ کی کنیت ابوحفصہ تھی، خلافت بنوامیہ کے آٹھویں خلیفہ تھے اور عبدالملک کے بعد مسند خلافت پر بیٹھے۔ انہیں ان کی نیک سیرتی کے باعث پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے لیفہ صالح کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا دور سلطنت بنوامیہ کا سب سے نرالا اور شاندار نے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کردی حالانکہ آپ کا دور خلافت محض دو سال پانچ ماہ رہا لیکن اس مختصر مدت میں وہ کارنامے انجام دیے کہ مسلمان انہیں پانچواں خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں۔ عمرؓ بن عبدالعزیز کا سب سے بڑا وزیادتی کا خاتمہ ہے۔ انہوں نے ظالم اور جابر عہدیداروں کو عہدوں سے ہٹایا، بیت المال کو رعایا کی ملکیت تی وکردار کی بلندی کے لحاظ سے وہ تابعین کے اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے عمل میں صحابہ کرامؓ سے خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت کے دور میں ان کا عہد پہلی اور آخری مثال ہے کہ جب خلافت کے اسلامی تصور قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی قبیح رسم کو بند کرایا اور نومسلموں سے کرنے کی بھی بندش کرائی۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی ان انقلابی اصلاحات نے ملوکیت کے اس استبدادی ں کے تحت پرورش پانے والے مفاد پرست طبقے پر کاری ضرب لگائی تھی۔

زندگی:

پ نے 61ھ میں مدینہ منورہ میں آنکھ کھولی۔ آپ کی والدہ کا نام ام عاصم تھا جو عاصم بن الخطاب کی صاحبزادی حضرت عمر فاروق کی پوتی ہوئیں۔ اس لحاظ سے آپ کی رگوں میں فاروقی خون تھا۔ 61ھ/186ء کو مدینہ منورہ دئے۔ ان کے والد مسلسل 21 برس مصر کے گورنر رہے۔ دولت وثروت کی فراوانی تھی لہٰذا ناز ونعم کے ماحول میں ورش ہوئی۔ جس کا اثر خلیفہ بننے تک قائم رہا۔ وہ ایک نفیس طبع خوش پوش مگر صالح نوجوان تھے۔ عہد شباب میں چھا لباس پہنتے۔ دن میں کئی پوشاک تبدیل کرتے، خوشبو کو بے حد پسند کرتے، جس راہ سے گزر جاتے فضا مہک ظاہری علامات کو دیکھ کر اس امر کی پیشگوئی نہیں کی جاسکتی تھی جو خلیفہ بننے کے بعد ظاہر ہوئے لیکن چونکہ طبیعت سے پاکیزگی اور زہد وتقویٰ کی طرف راغب تھی اس لیے یہ ظاہری اسباب نشاط ان کو قطعاً متاثر نہ کرسکے۔ ان کا اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خوف سے لبریز رہا۔ پاکیزگی نفس اور تقدس آپ کی شخصیت کا ایک نہایت ہی اہم اور صف تھا۔ آپ کے والد نے آپ کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ مشہور عالم اور محدث صالح بن کیسان اتالیق مقرر کیا۔ اس دور کے دیگر اہل علم مثلاً حضرت انسؓ بن مالک، سائبؓ بن یزید اور یوسفؓ بن عبداللہ جیسے در صحابہ اور تابعین کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہوئے۔ بچپن ہی میں قرآن کریم حفظ کرلیا اور قرآن وحدیث تعلیم مکمل کرکے ایک خاص مقام حاصل کیا۔ اسی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی شخصیت ان تمام برائیوں سے جن میں بیشتر بنوامیہ مبتلا تھے۔ نگرانی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار عمرؓ نماز میں شریک نہ ہوسکے استاد نے پوچھا تو آپ کہ میں اس وقت بالوں کو کنگھی کررہا تھا۔ استاد کو یہ جواب پسند نہ آیا اور فوراً والد والئی مصر سے شکایت لکھ دی۔ وہاں خاص آدمی انہیں سزا دینے کے لیے مدینہ آیا اور ان کے بال منڈا دیئے اور ان کے بعد ان سے بات چیت کی۔ ا صالح اور نیک تھے۔ اس کی نشان دہی ان کے استاد صالح بن کیسان، عبدالعزیز کے ساتھ ایک ملاقات کے

Marfat.com

دوران ان الفاظ میں کر چکے تھے۔ ''مجھے ایسے کسی آدمی کا علم نہیں، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس لڑکے سے نقش ہو۔'' یہی وجہ تھی کہ خلافت سے پہلے جب کئی دیگر اعلیٰ عہدوں پر آپ کو فائز کیا گیا تو انہوں نے اپنی اس نیک نفسی خدا خوفی کی روش کو قائم رکھا۔ عبدالملک نے ہمیشہ ان کو دیگر اموی شہزادوں سے زیادہ پیار و محبت اور قدر و منزلت کی سے دیکھا اور اپنے بھائی عبدالعزیز کی وفات کے بعد عبدالملک نے اپنی چہیتی بیٹی فاطمہ کی شادی عمرؒ سے کر دی اس وجہ بنو امیہ میں عمرؒ کے وقار میں مزید اضافہ ہوا۔

بطور گورنر مدینہ:

707ء میں ولید بن عبدالملک کے کہنے پر آپ نے مدینہ کی گورنری اس شرط پر قبول کی کہ وہ اپنے پیش روحکمر کی طرح لوگوں پر ظلم اور زیادتی نہ کریں گے۔ ولید نے بھی اس شرط کو قبول کیا اور کہا کہ آپ حق پر عمل کیجیے گو ہم کو ایک بھی وصول نہ ہو۔ جب مدینہ پہنچے تو اکابر فقہا کو جمع کر کے کہا کہ ''میں نے آپ لوگوں کو ایک ایسے کام کے لیے طل ہے جس پر آپ لوگوں کو ثواب ملے گا اور آپ آپ حامی حق دار قرار پائیں گے۔ میں آپ لوگوں کی رائے اور مشورہ بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا پس آپ لوگ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ لوگوں میں سے کسی کو میرے عامل کے حال معلوم ہو تو میں خدا کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ وہ مجھے تک اس معاملہ کو ضرور پہنچائے۔'' تمام اخلاقی خوبیوں کے طبیعت ابھی تک شاہانہ وقار اور اطوار سے برقرار رکھے ہوئے تھی۔ چنانچہ جب مدینہ آئے تو آپ کا ذاتی سامان اونٹوں پر لد کر آیا۔ 707ء سے 713ء تک مدینہ کے گورنر رہے اس دوران آپ نے عدل و انصاف سے حکومت کی اہل حجاز کے دل جیت لیے۔ مسجد نبوی کی تعمیر آپ کے زمانہ گورنری کا شاندار کارنامہ ہے۔ 713ء میں ولید نے مدینہ کی گورنری سے علیحدہ کر دیا۔ سلیمان آپ کی شخصیت سے بے حد متاثر تھا چنانچہ اس نے وفات سے پہلے آپ خلافت کے لیے نامزد کر دیا۔

بارِ خلافت:

718ء میں مرج وابق کے مقام پر (جو فوج کی اجتماع گاہ تھی) سلیمان بن عبدالملک بیمار ہوا۔ جب زندگی کی امید باقی نہ رہی تو اپنے وزیر رجاء بن حیوۃ کو بلا کر اپنے جانشین کے بارے میں رائے لی۔ سلیمان نے رجاء کے مشورہ مطابق عمرؒ بن عبدالعزیز اور یزید بن عبدالملک کو علی الترتیب اپنا جانشین مقرر کر کے ایک وصیت نامہ لکھا اور مہر بند کر کعب بن جابر افسر پولیس کے حوالہ کیا کہ وہ اس وصیت نامہ پر بنو امیہ سے بیعت لے چنانچہ سلیمان کی زندگی ہی میں ر بن حیوۃ نے اس پر بیعت لی لیکن چونکہ سلیمان کو بنو امیہ کی طرف سے خطرہ لاحق تھا اس لیے مرنے سے پہلے رجاء کو دو بیعت کی تاکید کی۔ اس دوران خلیفہ کی موت واقع ہوگئی۔ رجاء کو خدشہ لکھا کہ بنو امیہ آسانی سے عمرؒ بن عبدالعزیز کی خلا قبول نہ کریں گے اس لیے کچھ دیر کے لیے سلیمان کی موت کو چھپائے رکھا تا آنکہ وابق کی جامع مسجد میں افراد بنو امیہ کو کر کے دوبارہ بیعت لے لی۔ اس کے بعد وصیت نامہ کھول کر پڑھا گیا۔ جب اعلان خلافت ہو رہا تھا تو اس وقت ''انا '' کی دو آوازیں بیک وقت سنی گئیں۔ ایک ہشام کے منہ سے جسے حکومت کھو جانے کا غم تھا، دوسرے عمرؒ بن عبدالع جنہیں حکومت مل جانے کا افسوس تھا۔ ہشام نے بیعت سے انکار کیا تو رجاء نے اسے ڈانٹ دیا اور کہا اٹھو بیعت کر دو تمہارا سر قلم کر دوں گا۔ یہ کہہ کر عمرؒ بن عبدالعزیز کو پکڑ کر منبر پر کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد عمرؒ بن عبدالعزیز اس عظیم ذمہ دا

Marfat.com

ٹھانے سے لرزاں تھے۔ خلیفہ مقرر ہونے کے بعد آپ پر گھبراہٹ کا عالم طاری تھا۔ آپ خود اس کے خواہشمند نہ ان کے نزدیک خلافت موروثی نہیں بلکہ ایک جمہوری ادارہ تھی لہٰذا سلیمان کے دفن کرنے کے بعد مسجد میں آئے، پر چڑھے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لیے بغیر مجھے خلافت مہ داری میں مبتلا کیا گیا ہے اس لیے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردن میں ہے خود اسے اتارے دیتا ہوں، تم جسے اپنا خلیفہ بنالو۔'' یہ تقریر سن کر سب نے بلند آواز سے کہا ہم نے آپ کو اپنے لیے پسند کیا اور آپ سے راضی ہو گئے۔ کے بعد آپ نے خدا اور اس کے رسول کے احکامات کے منشاء کے بیان کرنے کے لیے لوگوں سے کہا۔ ''اے لوگو! نے خدا کی اطاعت کی، اس کی اطاعت انسان پر واجب ہے جس نے خدا کی نافرمانی کی، اس کی نافرمانی لوگوں پر ی نہیں۔ میں اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت ضروری جانو اور اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو میری نہ مانو۔'' لوگوں نے ایک بار پھر آپ کی تائید کی اور اس طرح بیعت عامہ حاصل کرنے کے بعد آپ نے خلیفہ اسلام حیثیت سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ خلیفہ مقرر ہونے کے بعد جب آپ عوام کے سامنے آئے تو لوگ ان کے احترام میں ے ہو گئے۔ عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اے لوگو! اگر تم ہمارے اعزاز میں کھڑے ہو گئے تو ہم بھی ے ہو جایا کریں گے۔ اگر تم بیٹھو گے تو ہم بیٹھیں گے۔ لوگ خدا کے حضور کھڑے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ انسانوں پر فرض کیں اور کچھ سنن قرار دیں۔ جنہوں نے ان کی پابندی کی وہ کامیاب ہوئے اور جس نے ان کا لحاظ نہ وہ تباہ ہوا۔'' اس کے بعد فرمایا: ''تم میں سے جو کوئی میرے پاس آئے وہ ان باتوں کا خیال رکھے، مجھ تک ایسی ت پہنچائے جس کا مجھے علم نہ ہو۔ مجھے ایسے عدل و انصاف کی طرف توجہ دلائے جو مجھ سے نہ ہو سکا ہو۔ سچائی میں میرا دے۔ مسلمانوں کی امانت کا نگہبان اور محافظ ہو۔ میرے پاس کسی کی غیبت نہ کرے۔''

ساس فرض اور طرز زندگی میں تبدیلی:

خلافت کا بار گراں اٹھاتے ہی فرض کی تکمیل کے احساس نے آپ کی زندگی بالکل بدل کر رکھ دی۔ وہی عمرؓ جو ت پسندی اور خوش لباسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، جو خوشبو کے دلدادہ تھے، جن کی چال امیرانہ آن بان کی آئینہ ی، جن کا لباس فاخرا تھا اب سراپا عجز و نیاز تھے۔ سلیمان کی تجہیز و تکفین کے بعد پلٹے تو سواری کے لیے اعلیٰ ترین ڑے پیش کیے گئے مگر عمرؓ بن عبدالعزیز نے ان پر سوار ہونے سے انکار کر دیا اور کہا ''میرے لیے میرا خچر کافی ہے'' اور ں واپس بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ جب افسر پولیس نیزہ لے کر آگے آگے روانہ ہوا تو اسے ہٹا دیا اور کہا ''میں بھی تمام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں'' پھر جب سلیمان کے اثاثہ کو ورثاء میں تقسیم کرنے کی تجویز کی تو پ نے سارے سامان کو بیت المال میں داخل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ واپسی کے وقت دستور کے مطابق خیال تھا کہ وہ ر خلافت میں ضرور داخل ہوں گے لیکن عمرؓ اس کے بجائے یہ کہہ کر کہ ''میرے لیے میرا خیمہ کافی ہے'' اندر داخل ہو گئے۔ پ کی ملازمہ نے چہرہ بشرہ دیکھ کر اندازہ لگایا کہ آپ پریشان ہیں۔ پوچھا تو کہا۔ ''یہ تشویشناک بات ہی تو ہے کہ رق سے مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ و اطلاع اس کا ادا کرنا مجھ پر ں نہ ہو۔'' اس کے بعد مسجد جا کر وہ خطبہ دیا جس کا ذکر اس سے بیشتر کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے باغ فدک ہا بیت کو ان کا حق سمجھ کر واپس کر دیا جس پر اس سے قبل اختلاف تھا۔ اگرچہ فدک اگلے خلیفہ نے بعد میں دوبارہ ان سے پس لے لیا۔ ہر وقت امت مسلمہ کے حقوق کی نگہداشت اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل اور نفاذ کی فکر دامن گیر رہتی

Marfat.com

جس کی وجہ سے ہمیشہ چہرے پر پریشانی اور ملال کے آثار دکھائی دیتے۔ اپنی بیوی فاطمہ کو حکم دیا کہ تمام زر و جواہر بیت المال میں جمع کرا دو ورنہ مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ وفا شعار اور نیک بیوی نے تعمیل کی۔ گھر کے کام کاج کے لیے کوئی ملازم مقرر نہ تھی تمام کام ان کی بیوی خود کرتیں۔ الغرض آپ کی زندگی درویشی اور فقر و استغنا کا نمونہ کر رہ گئی۔ آپ کی تمام مساعی اور کوششیں اس امر پر لگی ہوئی تھیں کہ وہ ایک بار پھر سنت فاروقی اور عہد فاروقی کی یاد تازہ کر دیں۔ آپ اس پاکیزہ زندگی اور کارہائے نمایاں کی بدولت ہی پانچویں خلیفہ راشد قرار پائے۔ آپ نے اہل بیت کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ کیا۔ ان کی ضبط کی ہوئی جائیدادیں ان کو واپس کر دی گئیں۔ حضرت علیؓ پر جمع خطبہ کے دوران تبرا کا سلسلہ ختم کر دیا۔ احیائے شریعت کے لیے کام کیا۔ بیت المال کو خلیفہ کی بجائے عوام کی ملکیت قرار دیا۔ اس میں سے تحفے تحائف اور انعامات دینے کا طریقہ موقوف کر دیا۔ ذمیوں سے حسن سلوک کی روایت اختیار کی۔ اس کے علاوہ معاشی و سیاسی نظام میں اور بھی اصلاحات کیں۔ دو درہم روزانہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے خرچ کو یہ بیت المال سے لیتے تھے اور جو دولت ان کے پاس پہلے سے تھی خلیفہ ہوتے ہی اس نے بیت المال میں داخل کر دی۔

اقدامات:

آپ نے بار خلافت سنبھالنے کے بعد منادی کروادی کہ لوگ اپنے مال و جائیداد کے بارے میں اپنی شکایت پیش کر دیں جس کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ اسے زبردستی ہتھیا لیا گیا ہے۔ یہ کام بہت خطرناک اور نازک تھا۔ آپ کے پاس بڑی موروثی جاگیر تھی۔ بعض افراد نے آکر آپ سے کہا کہ اگر آپ نے اپنی جاگیر واپس کر دی تو اولاد کی کفالت کیسے کریں گے؟ آپ نے فرمایا ان کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ نے اعلان عام کروایا کہ اموی خلفاء نے جس کے مال، جاگیر یا جائیداد پر ناجائز قبضہ جمالیا ہے وہ ان کے حقداروں کو واپس کی جا رہی ہیں۔ اس اعلان کے بعد جاگیروں کی دستاویزات منگوائیں اور آپ کے ایک ماتحت ان دستاویزات کو نکال کر پڑھتے جاتے تھے اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز اسے پھاڑ پھاڑ کر پھینکتے جاتے تھے۔ آپ نے اپنی اور اہل خاندان کی ایک ایک جاگیر ان کے حقداروں کو واپس کر دی اور اس میں کسی کے ساتھ کسی قسم کی رعایت سے کام نہ لیا۔ خلیفہ بننے سے قبل حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی نفاست پسندی کا یہ حال تھا کہ نہایت بیش قیمت لباس زیب تن کرتے تھے اور تھوڑی دیر میں اسے اتار کر دوسرا قیمتی لباس پہنتے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے سب سے خوش لباس اور جامہ زیب شخص مانے جاتے تھے لیکن عہدہ خلافت سنبھالتے ہی ان کی زندگی میں بڑا تغیر آ گیا۔ انہوں نے گھر کا ایک ایک نگینہ بیت المال میں داخل کروادیا، خاندان کے تمام وظائف بند کر دیئے اور اپنی تمام سواریاں فروخت کر کے رقم بیت المال میں داخل کروادی۔ انہوں نے خلفاء کے ساتھ نقیبوں اور علمبرداروں کے چلنے کا سلسلہ بھی بند کروادیا۔ مسلمانوں کے دونوں اہم فرقے اہل سنت اور اہل تشیع آپ کی بے حد عزت کرتے ہیں۔

دورِ خلافت کی خصوصیت:

بنی امیہ کی حکومت کے 92 سالہ دور میں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی خلافت کے ڈھائی سال تاریکی میں روشنی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کا زمانہ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح بہت ہی مختصر تھا۔ لیکن جس طرح عہد صدیقی بہت اہم زمانہ تھا اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ بھی عالم اسلام کے لیے قیمتی زمانہ تھا۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ خلافت اسلامیہ کو خلافت راشدہ کے نمونے پر قائم کر کے

صدیقی اور عہد فاروقی کو دنیا میں پھر واپس لے آئے تھے۔

شہادت:

حضرت عمرؓ کی ان تیز رفتار اصلاحات سے خاندان امیہ کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ وہ خاندانی بادشاہت بھی ختم کر دیں گے اور خلافت کو عام مسلمانوں کے حوالے کر جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ رجب 101ھ بمطابق جنوری 720ء میں آپ بیمار پڑ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ بنوامیہ نے آپ کے ایک خادم کو ایک ہزار اشرفیاں دے کر آپ کو زہر دلوا دیا تھا۔ آپ کو علالت کے دوران ہی اس کا علم ہو گیا تھا لیکن آپ نے غلام سے کوئی انتقام نہ لیا بلکہ اشرفیاں اس سے لے کر بیت المال میں داخل کروا دیں اور غلام کو آزاد کر دیا۔ زہر دینے کی وجوہات میں ایک تو یہ بات شامل تھی کہ آپ خلفائے راشدین کی مانند خلافت کے امور چلاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کی وجہ سے بنو امیہ اپنی مخصوص مالی لوٹ مار نہیں کر سکے کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز بیت المال کو مسلمانوں کی امانت سمجھتے تھے۔ طبیعت بہت خراب ہو گئی تو آپ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک کے نام وصیت لکھوائی جس میں انہیں تقویٰ کی تلقین کی۔ 25 رجب 101ھ بمطابق 10 فروری 720ء کو آپ نے اپنا سفر حیات مکمل کر لیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف 40 سال تھی۔ آپ کو حلب کے قریب دیر سمعان میں سپرد خاک کیا گیا جو شام میں ہے۔

کارنامے:

آپؒ نے اپنے مختصر دور خلافت میں رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے بھی وسیع پیمانے پر اقدامات کئے۔ خلیفہ بننے سے قبل نومسلموں سے بھی جزیہ وصول کیا جاتا تھا، آپ نے اسے ظلم قرار دیتے ہوئے اس کی ممانعت کر دی۔ اس پر مصر میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی اور وہاں کے حاکم نے آپ سے شکایت کی کہ آمدنی کم ہونے کی وجہ سے قرض لے کر مسلمانوں کے وظیفے ادا کرنے پڑ رہے ہیں جس پر آپ نے لکھا کہ "جزیہ بہرحال ختم کر دو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، محصل بنا کر نہیں"۔ آپ نے بیت المال کی حفاظت کا نہایت سخت انتظام کیا، دفتری اخراجات میں تخفیف کر دی۔ ملک کے تمام معذورین اور شیرخوار بچوں کے لیے وظیفے مقرر کئے۔ نومسلموں پر جزیہ معاف کر دینے سے آمدنی گھٹنے کے باوجود سرکاری خزانے سے حاجت مندوں کے وظائف مقرر کئے لیکن ناجائز آمدنیوں کی روک تھام، ظلم کے سدباب اور مال کی دیانتدارانہ تقسیم کے نتیجے میں صرف ایک سال بعد یہ نوبت آ گئی کہ لوگ صدقہ لے کر آتے تھے اور صدقہ لینے والے نہ ملتے تھے۔ آپ نے جگہ جگہ سرائیں بنوائیں جن میں مسافروں کی ایک دن اور بیمار مسافروں کی دو دن میزبانی کا حکم دیا، شراب کی دکانوں کو بند کروا دیا اور حکم دیا کہ کوئی ذمی مسلمانوں کے شہروں میں شراب نہ لانے پائے۔ آپ نے اپنے دور میں علم کی اشاعت پر خصوصی توجہ دی۔ آپ نے تدریس و اشاعت میں مشغول علمائے کرام کے لیے بیت المال سے بھاری وظیفے مقرر کر کے ان کو فکرِ معاش سے آزاد کر دیا۔ آپ کا سب سے بڑا تعلیمی کارنامہ احادیثِ نبوی کی حفاظت و اشاعت ہے۔ آپ کے دور میں بڑے پیمانے پر تبلیغ اسلام کے باعث ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے جن میں سندھ کے راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ بھی شامل تھا۔

پانچویں خلیفہ راشد:

عنان حکومت جب بنوامیہ کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے خلافت کو موروثی بنا کر ملوکیت میں تبدیل کر دیا حالانکہ

Marfat.com

اسلامی نظریات کے مطابق خلافت جمہوری ادارہ تھی۔ خلافت راشدہ کا نظام عوام کی رائے اور مشورہ اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے اصول پر قائم تھا۔ ان میں نہ کوئی خلیفہ تھا اور نہ غلام۔ خلیفہ اپنے اعمال کے لیے خدا اور خلق دونوں کے سامنے جواب دہ تھا۔ عمرؒ بن عبدالعزیز کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ آپ نے زمانے کی باگ پھیر کر اس کا ناطہ ایک بار پھر خلافت راشدہ سے جوڑ دیا۔ خلیفہ مقرر ہونے کے بعد آپ نے عوام کے سامنے جا کر اپنی دست برداری کا اعلان کیا۔ اور جب تک عوام نے ان کو خلیفہ نہ چنا آپ اس ذمہ داری کو اٹھانے سے انکاری رہے۔ آپ نے ہر معاملہ میں حضرت عمر فاروق کی مثال کو سامنے رکھا اور اپنے فکر و عمل سے ایک بار پھر عہد فاروقی کی یاد تازہ کر دی۔ آپ سے پہلے مختلف حکمران اسلام کے دیئے ہوئے نظام مذہب و اخلاق اور سیاست و حکومت میں طرح طرح کی رنگ آمیزیاں کر رہے تھے۔ آپ نے ان سب خرابیوں سے حکومت و معاشرہ کو پاک کرنے کی کوششیں کیں۔ ملوکیت کی امتیازی خصوصیات مٹانے کی پوری کوشش کی۔ آپ نے بیت المال کو پھر قومی امانت کا درجہ دیا۔ چھوٹے بڑے کے امتیازات، جبر و استبداد کے نشانات اور حکمرانوں کے ظلم و ستم کو ختم کر کے آپ نے خلافت راشدہ کے نقش قدم پر چل کر اسلام کا نظام عدل دوبارہ قائم کیا۔ آپ نے خلافت کی موروثی حیثیت ختم کرنے کی کوشش کی لیکن بنو امیہ کی ریشہ دوانیوں نے انہیں یہ تبدیلی لانے کی مہلت نہ دی۔ تجدید و اصلاح کے ان کارنامہ کی بدولت آپ کا زمانہ خلافت راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے اور آپ کو پانچواں خلیفہ راشد مانا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ مسلمہ کو خلیفہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے قسطنطنیہ سے بلا بھیجا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ مسلمہ کے مطبخ میں ایک ہزار درہم روزانہ خرچ ہوتا ہے، مسلمہ کو آپؒ نے ایک دن مدعو کیا اور باتوں میں اتنی دیر کی کہ مسلمہ بھوک سے بے تاب ہوا۔ دیر بعد مسور کی اُبلی ہوئی دال اس کے سامنے پیش کی گئی۔ مسلمہ نے خوب پیٹ بھر کے کھا لیا۔ اس کے بعد عمدہ عمدہ کھانے پیش کیے گئے تو مسلمہ نے سیر شکم ہونے کا عذر پیش کیا۔ حضرت عمرؒ نے کہا۔ ''مسور کی دال ہی سے تمہارا شکم سیر ہو گیا تو ہزار درہم روزانہ مطبخ کا خرچ رکھ کر تم کیوں مسرف بنتے ہو۔'' مسلمہ نے یہ نصیحت نہایت خوشی سے سنی۔ حضرت معاویہؓ کے وقت سے یہ دستور تھا کہ خطبہ کے بعد حضرت علیؓ کو برا کہا کرتے تھے اور غرض اس سے صرف حفظ سلطنت تھی کہ لوگ آل علی کی طرف رجوع نہ کریں۔ حضرت عمرؒ نے اس دستور کو مٹایا اور حضرت علی کو برا کہنے کی جگہ بابر'' ربنا اغفرلنا و لاخواننا اللذین سبقونا بالایمان '' اور ایک روایت کے مطابق آیت ''ان اللہ یأمر کم بالعدل و الاحسان و ایتای ذی القربی و ینھی عن الفحشاى و المنکر و البغی۔'' داخل کی۔

خلافت یزید بن عبدالملک

یزید بن عبدالملک، ولید اور سلیمان سے چھوٹا تھا اور لا اُبالی مزاج شخص تھا۔ اس کے عہد حکومت میں مضری اور حمیری آویزش دوبارہ زندہ ہوئی۔ اور اسی باہمی کش مکش کی بدولت بنو امیہ کا زوال قریب سے قریب تر ہو گیا۔

تخت نشینی:

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ یہ ایک اوباش اور عیاش طبع انسان تھا۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز، سلیمان بن عبدالملک کی وصیت کو کالعدم قرار دے کر یزید کی نامزدگی کو ختم نہ کر سکے تاہم وفات سے قبل بلا کر اسے عدل و انصاف سے حکمرانی کرنے کی تلقین کی لیکن اس کا جذبہ عیاشی عود کر آیا اور عمرؒ ثانی کی وفات کے چالیس روز بعد ہی جاری کردہ تمام اصلاحات کا دوبارہ خاتمہ کر کے وہی پرانا استبدادی نظام دوبارہ نافذ کر دیا۔

یزید بن مہلب کی بغاوت:

بنوامیہ کے زمانہ میں آل مہلب کو کافی عروج حاصل ہوا۔ خلیفہ سلیمان کے زمانہ میں یزید بن مہلب خراسان کی ولایت پر مامور تھا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے بیت المال کی رقم میں خرد برد کے الزام میں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ یزید کا تعلق حمیری قبیلہ سے تھا۔ یہ اپنے ایام اقتدار میں حجاج کے خاندان کے ساتھ سختی سے پیش آیا تھا۔ یزید بن عبدالملک چونکہ مضری قبیلہ کا ہم نوا تھا اس لیے یزید بن مہلب کو اپنی زندگی خطرہ میں نظر آئی چنانچہ عراق پہنچ کر اپنے بھائی کی مدد سے بغاوت کردی۔ خلیفہ یزید ثانی نے مسلمہ بن عبدالملک اور عباس بن ولید کی ماتحتی میں مقابلہ کے لیے فوج روانہ کی۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا انبار کے مقام پر ہوا۔ امویوں نے دریائے فرات کے پل کو آگ لگا دی۔ مہلب کی سپاہ میں افراتفری مچ گئی اور وہ میدان سے بھاگ گئے۔ ابن مہلب مارا گیا۔ اس کے دوسرے بھائی بھی یکے بعد دیگرے مارے گئے اور اس طرح آل مہلب کی خوفناک بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس بغاوت کے نتیجے اور آل مہلب کے قتل کے نتائج بڑے دور رس تھے۔ اس واقعہ نے بنوامیہ کی تاریخ کے رخ کو تباہی اور زوال کی طرف موڑ دیا۔ مضری اور حمیری (یمنی) عربوں کی قدیم کشمکش نے دوبارہ سپین، شمالی افریقہ، سندھ اور خراسان وغیرہ میں جنم لیا۔ اس باہمی عداوت اور قبائلی عصبیت کی بدولت ان ملکوں کے حالات بد سے بدتر صورت اختیار کر گئے اور دشمنان اسلام کو کامیابی حاصل کرنے کا موقع ملا۔ بالآخر ملک کے اندر ایک خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی جس سے فائدہ اٹھا کر بنو عباس نے اموی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

مزید بغاوتیں:

یزید ثانی ایک نااہل حکمران تھا۔ چنانچہ اس کے عہد حکومت میں قبائلی تعصبات کے علاوہ خوارج اور دیگر مخالفین نے سر اٹھانے کی کوششیں کیں۔ آل مہلب کے زوال کے بعد یزید ثانی نے عراق کی ولایت مسلمہ بن عبدالملک کے سپرد کی۔ مسلمہ نے اپنے داماد سعید بن عبدالعزیز کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ یہ بھی عیش پسند اور کمزور حکمران تھا۔ اس کی کمزوری اور بزدلی سے فائدہ اٹھا کر چند ترک اور سغدی قبائل آمادہ بغاوت ہوئے۔ ترکوں نے بڑھ کر قصر باہلی کا محاصرہ کر لیا۔ والئی سمرقند عثمان بن عبداللہ بن میتب بن بشیر رحاجی کو ترکوں کے مقابلہ پر فوج دے کر روانہ کیا۔ ابن میتب نے بڑی شدت سے ترکوں پر حملہ بول دیا اور وہ محاصرہ اٹھا کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے سغدیوں کا تعاقب کیا کیونکہ انھوں نے قصر باہلی کے محاصرہ کے دوران ترکوں کی مدد کی تھی۔ اس دوران سعید بن عبدالعزیز کو برخاست کر کے سعید بن ہبیرہ کو خراسان کا والی بنا دیا گیا۔ اس نے انتہائی چابکدستی کے ساتھ ان کی طاقت کا قلع قمع کر دیا اور کش اور نسف کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس دوران 104ھ میں آذربائیجان کے علاوہ میں بغاوت کی آگ پھیل گئی۔ خزر، قچاق اور ادمن قبائل نے متحد ہو کر مسلمانوں کو شکست دی۔ یزید کو یہ حالات معلوم ہوئے تو جراح بن عبداللہ حکمی کو آرمینیہ کا حاکم مقرر کیا اور شام سے امدادی فوج روانہ کی۔ ابھی متحارب گروہوں میں کشمکش جاری تھی کہ یزید ثانی کا انتقال ہوا اور ان مہمات کی تکمیل ہشام کے زمانہ میں ہوئی۔ ان فتوحات کے علاوہ روم میں عباس بن ولید نے 103ھ، 726ء میں دلم اور مروان بن محمد نے قونیہ فتح کیے۔ خوارج نے بھی شورش برپا کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

وفات:

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یزید ثانی انتہائی عیاش اور نااہل حکمران تھا۔ وہ اپنی دو داشتاؤں حبابہ اور سلامہ کے

Marfat.com

عشق میں اندھا ہو چکا تھا۔ ملکی معاملات تباہی سے دوچار تھے لیکن اسے اپنی نشاط کی محفلوں سے غرض تھی۔ ایک دن وہ اپنی محبوبہ حبابہ کے ساتھ باغ میں دادِ عیش دے رہا تھا کہ ازراہ مذاق اس نے ایک گٹھلی حبابہ کے منہ میں پھینکی جو اتفاق سے اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئی جس کی بنا پر اس کی موت واقع ہو گئی۔ یزید ثانی پر اس ناگہانی حادثہ کا بے حد اثر ہوا اور وہ تین دن تک اس کی لاش سے لپٹے روتا رہا۔ بڑی مشکل سے جدا کیا گیا لیکن وہ اس صدمہ جانکاہ سے بچ نہ سکا اور ایک ہفتہ بعد خود بھی راہی ملک عدم ہوا۔ 4 سال 4 ماہ حکومت کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہو گیا۔

مجموعی جائزہ:

یزید ثانی کا دور بنو امیہ کا بدترین دور تھا۔ اس دور میں بنو امیہ کے زوال کا آغاز ہوا۔ تمام مملکت اس کی سیاہ کاریوں اور نااہلی سے متاثر تھی۔ لوگ معاشرتی برائیوں سے تنگ آ کر صدائے احتجاج بلند کر رہے تھے۔ ہر طرف ابتری اور ذہنی انتشار کا دور دورہ تھا۔ اس دور میں عباسی دعوت اور پروپیگنڈہ کا آغاز ہوا۔ حضرت معاویہؓ کی بادشاہت یزید کے جور و جفا، حضرت حسینؓ کی شہادت، حجاج کا ظلم و ستم، عرب اور غیر عرب کا فرق، نومسلموں کے ساتھ امتیازی سلوک اور مضری اور حمیری کشمکش ایسے واقعات تھے جو بنو امیہ کے خاتمہ کی ہر جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے بہترین فضا مہیا کر رہے تھے۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے تاریخ کے دھارے کو بدلنے کی کوشش کی لیکن یزید ثانی کی نااہلیت اور کوتاہ اندیشی کی بدولت بنو عباس کی کامیابی کے امکان روشن سے روشن تر ہو گئے اور چند ہی برس بعد اموی خلافت کی بساط لپیٹ دی گئی۔

خلافت ہشام بن عبدالملک

ہشام نے 20 سال حکومت کی اور وہ خاندان بنی امیہ کا آخری بڑا حکمران تھا۔ وہ بڑا اپاکباز، منتظم، کفایت شعار اور بیدار مغز حکمران تھا بلکہ مؤرخین کہتے ہیں کہ اس میں حضرت معاویہؓ کا علم و تدبر اور عبدالملک کی اولوالعزمی ایک ساتھ جمع ہو گئی تھی۔ اس کے زمانے میں سلطنت کی حدود داغستان، ایشیائے کوچک اور موجودہ سینی گال اور مالی تک پہنچ گئیں جبکہ مراکش کا انتہائی جنوبی حصہ بھی اسی کے دور میں سلطنت کا حصہ بنا۔ اس کے زمانے میں سندھ کے والی جنید نے کشمیر تک وہ تمام علاقہ فتح کر لیا جو اب پاکستان کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ہندوستان میں مارواڑ، اجین، گجرات اور بھڑوچ تک بھی علاوہ بھی فتح کیا۔ اس کے دور کا سب سے اہم واقعہ مسلمانوں کا فرانس پر ناکام حملہ تھا۔ جہاں مسلمان عبدالرحمان الغافقی کی قیادت میں کوہ پائرینیس عبور کر کے جنوبی اور مغربی فرانس فتح کرتے ہوئے ٹورس کے مقام تک پہنچے جو پیرس سے صرف ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں مسلمانوں کا یورپ کی متحدہ افواج سے مقابلہ ہوا جس میں امیر عبدالرحمان شہید ہو گیا اور مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔

خلافت:

یزید ثانی کی وفات کے بعد 724ء میں ہشام تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس وقت اس کی عمر 34 برس تھی۔ تخت نشینی کے وقت وہ رصافہ میں مقیم تھا۔ ہشام، عبدالملک کے لائق ترین فرزندوں میں سے تھا۔ اس کے پیشرو یزید بن عبدالملک کا دور بنو امیہ کا بدترین زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی نااہلی، عیش پرستی، قبائلی عصبیت اور اندرون ملک بے چینی

Marfat.com

نے کئی نئے پیچیدہ مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ ہشام نے جونہی تخت خلافت پر قدم رکھا تو اپنے آپ کو قبائلی تعصبات نفرت اور گوناگوں مشکلات میں گھرا پایا۔ اپنے عہد حکومت کے پونے بیس برس وہ مسلسل اس کوشش میں مصروف رہا کہ بنو امیہ کی روبہ زوال حکومت کو تباہی سے بچا سکے۔ اس کی یہ طویل جدوجہد ہمت وشجاعت اور حوصلہ وتدبر کی ایک شاندار داستان ہے۔ اگرچہ وہ بنو امیہ کو زوال سے تو نہ بچا سکا لیکن اس نے ان کے گرتے ہوئے قصر اقتدار کو وقتی طور پر سہارا دیا اور مختلف النوع کامرانیاں حاصل کرنے کے بعد اس کے وقار کو بحال کیا۔

ترکستان کی مہم:

تخت نشین ہونے کے بعد ہشام نے وسط ایشیا کے سرکش ترکوں کو مغلوب کرنے کے لیے کئی ایک مہمات روانہ کیں کیونکہ ترک سردار خاقان کی مدد سے خود مختاری کے لیے کوشاں تھے۔ ہشام کی تخت نشینی کے وقت عمرو بن ہبیرہ عراق کا گورنر تھا۔ ہشام نے اسے ہٹا کر خالد بن عبداللہ القسری کو گورنر مقرر کر دیا۔ القسری نے اسعد بن سعید کی جگہ خراسان کی ولایت پر اپنے بھائی اسد القسری کو مامور کیا۔ اس نے 726ء میں دوبارہ غور پر حملہ کر کے غوریوں کو شکست دی لیکن چونکہ اسد القسری قبائلی عصبیت کا شکار تھا اس لیے ہشام نے امیر اشرس بن عبداللہ سلمٰی کو خراسان کا حاکم مقرر کیا۔ اشرس نے جنگ سے ہاتھ روک کر تبلیغ اسلام کے ذریعہ سے اس علاقہ میں امن وامان قائم کیا لیکن نومسلموں کو جزیہ معاف نہ کیا۔ سات ہزار نومسلموں نے اس غیر منصفانہ پالیسی کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کر کے بغاوت کر دی۔ یہ بغاوت سغد اور بخارا تک پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس آگ نے سارے ماوراالنہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ترکوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس کے علاوہ حقیقت پسند عربوں نے بھی نومسلموں کے اس مطالبہ کی تائید کی۔ اشرس کو ہٹا کر جنید بن عبدالرحمٰن کو خراسان کا گورنر بنایا گیا۔ اس نے ترکوں کو ابتدائی شکستیں دینے کے بعد خارستان پر فوج کشی کی دوسری طرف ترکوں نے سغد، فرغانہ اور چاچ کی سپاہ کے ساتھ اشتراک کرتے ہوئے سمرقند پر حملہ کر دیا۔ جنید کے پاس چند ہزار سپاہی تھے جنہیں لے کر وہ فوراً آگے بڑھا اور سمرقند کے قریب دونوں افواج کے درمیان جنگ ہوئی۔ جنید نے حوصلہ قائم رکھا اور دو دن تک بڑی بہادری سے ترکوں کی مزاحمت کی مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس دوران حاکم سمرقند سورہ بارہ ہزار سپاہ لے کر جنید کی امداد کے لیے آگے بڑھا لیکن خاقان اور ان کی فوج نے زبردست ہلہ بول دیا۔ سورہ کی فوج میں بمشکل دو ہزار آدمی بچ سکے بقیہ مارے گئے۔ حالات سخت مایوس کن تھے۔ جنید نے آخری بار مقابلہ کی ٹھانی اور اعلان کر دیا کہ "جو غلام اس جنگ میں کارہائے نمایاں دکھائے گا وہ آزاد ہے۔" اس پر مسلمان اس جذبہ سے لڑے کہ ترکوں کو میدان چھوڑتے ہی بنی اور جنید فتح مندانہ سمرقند میں داخل ہوا۔ فتح کے بعد جنید نے خلیفہ کو تمام صورت حالات سے آگاہ کیا۔ ہشام نے دو ہزار فوج بطور کمک روانہ کی۔ اس دوران خاقان نے بخارا کی طرف پیش قدمی کی۔ جنید بھی فوراً وہاں پہنچ گیا چنانچہ ترک وہیں سے واپس چلے گئے۔

حارث بن شریح کی بغاوت:

خراسان کے والی عاصم بن عبداللہ بلالی کے زمانہ میں امیر حارث بن شریح نے اسلامی حکومت کے قیام کا نعرہ لگا کر سات ہزار آدمیوں کو اپنا ہم نوا بنا لیا۔ ان میں عرب نومسلم اور ترک سبھی شامل تھے۔ امیر حارث جب بلخ، جوزجان وغیرہ فتح کرنے کے بعد خراسان کے دارالخلافہ مرو کی طرف بڑھا تو عاصم کے ہاتھوں شکست کھائی لیکن اس کی قوت زائل نہ کی جا سکی چنانچہ عاصم کی جگہ اسد القسری کو خراسان کا گورنر مقرر کیا جس نے مسلسل معرکہ آرائیوں کے بعد حارث کو

خراسان کے علاقہ سے نکال دیا اور وہ خاقان کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ ان کامیابیوں کے بعد اسد القسری پھر ترکستان کی طرف متوجہ ہوا۔ ترکوں کے کئی ایک قلعوں پر قبضہ کے بعد کثیر مال غنیمت اور قیدی ہاتھ لگے۔

خاقان کا قتل:

موسم سرما گزرنے کے بعد خاقان نے پھر بخارا کا رخ کیا لیکن شکست کھائی۔ واپسی پر ایک ترک سردار کورصول کے ساتھ چوگان کھیلتے ہوئے خاقان کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ خاقان نے قسم کھائی کہ وہ کورصول سے ضرور بدلہ لے گا لیکن کورصول نے ایک رات شبخون مار کر خاقان ہی کو قتل کر دیا۔ خاقان کے قتل کے بعد ترکوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور ان کی طاقت ٹوٹ گئی۔

نصر بن سیار کا تقرر:

اسد القسری کی وفات کے بعد نصر بن سیار کو خراسان کا حاکم مقرر کیا گیا۔ نصر بڑا بہادر، منظم اور دور اندیش حکمران تھا۔ اس نے نظم و نسق حکومت کی اصلاح کو اولین اہمیت دی اور جنگ و غارت گری کے حقیقی اسباب کو ختم کرنے لیے اقدامات اٹھائے۔ نومسلموں سے جزیہ کی وصولی بند کر دی گئی۔ خراج کی وصولی کے نظام کو بہتر بنایا اور زمین کا مالیہ تمام عرب اور غیر عرب سے وصول کرنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ماوراء النہر پر مختلف سمتوں سے لشکر کشی کی، چاچ اور فرغانہ میں امن و امان قائم کیا۔ سغد اور ترک مسلسل لڑائیوں سے تنگ آ چکے تھے لہٰذا انھوں نے نصر سے ان مطالبات پر صلح کی تجویز کی کہ ان کے مذہبی امور میں مداخلت نہ کی جائے گی۔ جو نومسلم اپنے مذہب میں واپس آنا چاہے اسے کوئی سزا نہ دی جائے گی اور مسلمان قیدیوں کو بغیر قاضی کے فیصلے کے واپس نہیں لیا جائے گا تو ہم ہتھیار پھینک کر صلح کے لیے تیار ہیں۔ نصر ایک دور اندیش حکمران تھا اس نے ان تمام مطالبات کو منظور کر لیا اور اس طرح ترکستان کا یہ علاقہ جو مسلسل بدامنی کا اڈہ بن چکا تھا امن و سکون سے دوچار ہوا۔

آرمینیہ اور آذربائیجان:

علاقہ ترکستان کے علاوہ آرمینیہ اور آذربائیجان میں بھی ترک، من اور خزر کے قبائل نے متحد ہو کر مسلمانوں کے لیے ایک نازک صورت حال پیدا کر دی تھی۔ یہاں کے گورنر جراح بن عبداللہ مقامی حالت پر قابو نہ پا سکے۔ اس لیے ہشام نے انہیں معزول کر کے مسلمہ بن عبدالملک کو 726ء میں ان کی جگہ مقرر کیا۔ مسلمہ نے ترکوں کے کئی شہر فتح کر لیے۔ خاقان کا بیٹا مسلمہ کے ہاتھوں شکست کھا کر قتل ہوا۔ جراح کی موت سے ترکوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ موصل تک بڑھ آئے۔ چنانچہ ہشام نے ان کے تدارک کے لیے سعید حرشی کو آذربائیجان روانہ کیا۔ اس نے اس کے علاقوں پر پے در پے حملے کر کے بہت سے شہر فتح کر لیے۔ سعید کی پے در پے فتوحات کا سن کر ہشام نے اس کی کارگزاری پر اظہار خوشنودی اور اطمینان کیا۔ 113ھ میں ہشام نے سعید کو واپس بلا کر اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو دوبارہ آذربائیجان روانہ کیا۔ مسلمہ نے خزر کے سارے علاقے میں افواج پھیلا دیں۔ خاقان کا لڑکا ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اب خاقان نے جوش انتقام میں آس پاس کی سب قوموں پر مشتمل ایک لشکر جرار کو منظم کیا اور مسلمانوں پر امڈ آیا۔ مسلمہ نے مقابلہ کی سکت نہ پا کر پسپائی اختیار کی اور باب الابواب میں قیام پذیر ہوگیا۔ ہشام نے مسلمہ کی جگہ مروان ثانی کو آرمینیہ کا حاکم مقرر کیا۔ مروان نے ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل فوج کیل کانٹے سے لیس تیار کی۔ اس نے ترکوں کے سارے علاقے کو تاخت

Marfat.com

تاراج کیا ان کے متعدد شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر کے ان کی طاقت کو کچل کر رکھ دیا اور تمام علاقے جو مسلمانوں سے چھن چکے تھے دوبارہ سلطنت اسلامی کا جزو بنے۔

ایشائے کوچک:

ایشائے کوچک میں رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کی اکثر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ یہاں بالعموم شاہی افراد ہی گورنر بنا کر بھیجے جاتے تھے چنانچہ ہشام نے اپنے دو بیٹوں معاویہ اور سلیمان کے علاوہ مروان ثانی اور مسلمہ بن عبدالملک کو مہمات کا انچارج بنا کر رومیوں کے خلاف صف آراء ہونے کے لیے روانہ کیا۔ انھوں نے رومیوں کی ناکہ بندی کر کے ملطیہ، طوروہ تونیہ اور بہت سے سرحدی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

صقلیہ پر حملہ:

سسلی کا محاصرہ کافی عرصہ جاری رہا۔ جب اہل صقلیہ نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کو شکست دینا آسان نہیں تو انھوں نے اطاعت قبول کر لی اور اس طرح سسلی مملکت اسلامیہ کا جزو بنا۔

سندھ کی مہمات:

محمد بن قاسم کی واپسی کے بعد سندھ کا اکثر و بیشتر علاقہ مقامی حکمرانوں کے قبضہ اقتدار میں جا کر نیم خود مختارانہ حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ کافی عرصہ سے مسلمانوں نے سندھ کے معاملات کی طرف سے خاموشی اختیار کر رکھی تھی لیکن ہشام نے اپنے عہد حکومت میں سندھ کی از سر نو تسخیر کی طرف توجہ دی۔ 107ھ میں ہشام نے سندھ کی حکومت جنید بن عبدالرحمن کے سپرد کی۔ نئے والی نے دریائے سندھ کے کنارے کنارے پیش قدمی کا آغاز کیا۔ اس علاقہ کا حکمران داہر کا بیٹا راجہ جے سنگھ تھا۔ وہ اس سے بیشتر مسلمان ہو چکا تھا لیکن جنید کی سندھ میں آمد کے موقع پر مرتد ہو گیا اور بحری کشتیاں جمع کر کے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر اسلامی افواج کے مقابلہ میں صف آراء ہوا مگر گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ جنید نے اپنی پیش قدمی کو جاری رکھا اور کیرج پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد مارواڑ، مانڈل، بھروچ، اجین اور مالوہ کے علاقے فتح کیے۔ اس طرح راجپوتانہ کا بہت سا حصہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہوا۔ جنید نے اپنی سرکردگی میں گجرات اور بھین رال کے علاقوں کو فتح کر کے اسلامی حکومت کا جزو بنایا۔ 111ھ ہشام نے جنید کو والی خراسان مقرر کر دیا اور سندھ کی ولایت پر تمیم کو مامور کیا۔ جنید کی واپسی پر ملک کے اندر عام بے چینی پھیل گئی۔ تمیم حالات پر قابو پانے میں ناکام رہا۔ چنانچہ حکم بن خواز کو سندھ کا والی مقرر کیا گیا۔ حکم نے سب سے پہلے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے محفوظ کا شہر آباد کیا اور محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو کی مدد اور تعاون سے ان تمام علاقوں کو جو قبضہ سے نکل چکے تھے دوبارہ فتح کر لیا۔ اس اہم کارنامے کی یاد میں منصورہ آباد کیا جو بعد میں سندھ کا دارالخلافہ بنا۔ ایک معرکہ میں حکم بن عوانہ لڑتے ہوئے وفات پا گئے تو ہشام نے عمرو بن قاسم کو سندھ کی حکومت سپرد کر دی۔ عمر بن محمد بن قاسم نے سندھ کی مکمل فتح کے بعد نظم و نسق کی بہتری کی طرف توجہ دی اور ملکی خوشحالی میں اضافہ کیا۔

شمالی افریقہ اور اندلس:

شروع شروع میں چونکہ شمالی افریقہ میں امن و امان کا دور دورہ رہا اس لیے وہاں کے والی امیر عبداللہ بن حجاب نے اطراف و اکناف میں مہمات روانہ کر کے نئے علاقے فتح کیے۔ حبیب بن ابی عبیدہ فہری نے مغرب میں سوس اقصیٰ اور

Marfat.com

سوڈان کے علاقے فتح کیے۔ بحیرہ روم کے علاقہ میں حبیب بن ابی عبداللہ نے جزیرہ سردانیہ کی تسخیر کی۔ صقلیہ کے پایہ تخت سرقوسہ کو بھی سر کر لیا گیا۔ اس دوران شمالی افریقہ میں بربریوں نے بغاوت کر دی۔ بربریوں کی بغاوت کی کئی وجوہات تھیں۔ اولاً بنوامیہ عربی ہونے کی بنا پر بربریوں کو وحشی اور نیم متمدن قوم سمجھتے ہوئے ان سے اچھا سلوک نہ کرتے تھے۔ خوارج ویسے ہی بنوامیہ کے جانی دشمن تھے۔ اس کے علاوہ حاکم طنجہ عمر بن عبداللہ نے غیر مسلموں کی طرح ان سے بھی جزیہ وغیرہ وصول کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت اموی افواج سسلی کی مہم میں مشغول تھیں اور طنجہ خالی تھی۔ لہٰذا بربریوں نے ایک خارجی سردار میسرہ کو اپنا رہنما منتخب کر کے طنجہ پر حملہ کر دیا۔ جتنے عرب وہاں موجود تھے سب کا خوب قتل عام کیا۔ امیر طنجہ بھی مارا گیا۔ افریقہ کے دیگر علاقوں کے بربر بھی مشتعل ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑے بڑے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اب باغیوں کا مقصد طنجہ پر قبضہ کرنا تھا۔ طنجہ کی دوسری جنگ کو 'جنگ اشراف' کا نام دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس لڑائی میں عربوں کے بڑے بڑے شرفاء اور نامور لوگ مارے گئے۔ بربری بڑی سرعت سے کامیابیاں حاصل کر رہے تھے۔ اس کی صدائے بازگشت اندلس میں بھی سنی گئی اور وہاں پر بربریوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ چنانچہ ابن حجاب کو معزول کر کے کلثوب بن عیاض کو افریقہ کا والی بنا کر تیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ قیروان پہنچتے پہنچتے اس کی فوج کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ گئی لیکن کلثوب بن عیاض نے بھی بربریوں کے ہاتھوں شکست فاش کھائی اور دیگر بڑے بڑے فوجی جرنیلوں کے ساتھ قتل ہوا۔ جب اس عظیم تباہی کی خبر ہشام کو پہنچی تو اس نے حنظلہ بن صفوان کو تیس ہزار تازہ دم فوج دے کر افریقہ روانہ کیا قیروان پہنچ کر اس نے باغیوں کے سردار عکاشہ کو شکست دی لیکن جلد ہی بربری تین لاکھ کا ٹڈی دل جمع کر کے مقابلہ میں لے آئے اور قیروان پر حملہ کر دیا۔ عرب بہادری سے لڑے۔ عرب عورتیں ہتھیار باندھ کر شہر کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہو گئیں۔ چنانچہ بربریوں کا عظیم الشان لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اس جنگ میں کم وبیش ڈیڑھ دو لاکھ بربر قتل ہوئے اور ان کی طاقت کا طلسم ٹوٹ گیا۔

فرانس کی فتح کا منصوبہ اور جنگ ٹورس:

عبدالرحمٰن الغافقی بنوامیہ کے ایک جرنیل اور اندلس کا گورنر تھا جس کی زیر قیادت اموی افواج نے فرانس پر حملہ کیا اور 10 اکتوبر 732ء میں جنگ ٹورس میں شکست کھائی۔ اس شکست کے نتیجے میں مغربی یورپ میں اسلام کی پیش قدمی ہمیشہ کے لیے رک گئی۔ عبدالرحمٰن کا تعلق یمنی قبیلے غافق سے تھا جو پہلے افریقیا (موجودہ تیونس) اور بعدازاں المغرب (موجودہ مراکش) میں قیام پذیر ہوا۔ اندلس کی فتح کے وقت سے مسلمانوں کی یہ خواہش تھی کہ وہ فرانس پر قبضہ کریں۔ 721ء میں جنگ ٹورس میں السمح ابن ملک کی ہلاکت کے بعد عبدالرحمٰن نے مشرقی اندلس کی قیادت سنبھالی۔ تاہم عنبسہ بن سحیم الکلبی کی تقرری کے بعد وہ قیادت سے دستبردار ہو گیا۔ 726ء میں عنبسہ کی ہلاکت کے بعد متعدد کمانڈروں نے قیادت سنبھالی لیکن کسی کا دور طویل نہ رہا بالآخر 730ء میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے عبدالرحمٰن کو الاندلس کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے فرانس پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور فرانس پر باقاعدہ حملہ امیر اندلس عبدالرحمٰن الغافقی کی قیادت میں ہشام کے زمانہ میں ہوا اور مسلمان کافی حد تک فرانس کے علاقوں کو فتح کرنے میں کامیاب ہوئے۔ کوہ پائیرینیس عبور کر کے بورڈیکس پر قبضہ کر لیا لیکن ان کی فتوحات زیادہ عرصے تک برقرار نہ رہ سکیں اور 732ء میں ٹورس کے مقام پر ہونے والی جنگ میں اسے چارلس مارٹل کی زیر قیادت فرانسیسیوں سے شکست ہو گئی۔ اس جنگ میں عبدالرحمٰن بھی کام آیا۔ مسلم اور یورپی دونوں مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ جنگ ٹورس (بلاط الشہداء) میں اموی لشکر کو شکست نہ ہوتی تو تمام عیسائی

Marfat.com

پ مسلمانوں کے زیرنگیں ہوتا اور تاریخ بالکل تبدیل ہو جاتی۔ اس شکست کے بعد مسلمانوں نے کبھی فرانسیسی علاقوں پر ھائی نہیں کی اور چارلس کی فتح تاریخ عالم کی فیصلہ کن ترین فتوحات میں شامل ہے جس نے مغربی یورپ کو اسلام کے ھتے ہوئے طوفان سے بچایا۔

ارج:

حسب معمول خوارج ہشام کے دور میں بھی اپنی جارحانہ سرگرمیوں میں مصروف رہے لیکن ان کی سرگرمیوں کو سختی ے دبا دیا گیا۔ 111ھ میں والی سیستان یزید بن عریف ہمدانی کو خارجیوں نے برسرعام ان کے گھر پر قتل کر دیا۔ خالد بن اللہ القسری والی عراق نے اصبغ بن کلبی کو ان کی سرکوبی کے لیے مامور کیا لیکن سیستان کے پہاڑی علاقہ میں گھیر کر رج نے ان کی اکثر سپاہ کا صفایا کر دیا۔ موصل اور دیگر علاقوں میں بھی خوارج نے اودھم مچائے رکھا لیکن خالد القسری ے نہایت سختی اور ہوشیاری سے ان بغاوتوں کو کچل دیا۔

م زید بن علی کا خروج:

ہشام کے دور میں امام زید بن علی نے علم بغاوت بلند کیا۔ اہل کوفہ نے ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ اور آپ کے پر بیعت کی۔ یوسف بن عمر والی کوفہ نے ان سے مقابلہ کیا تو سب کوفی ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ ایک تیر لگنے سے امام بن علی کی شہادت واقع ہوئی۔ یوں ہشام نے اس بغاوت پر قابو پا لیا۔

اسی دعوت:

حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کے علاوہ خاندان بنو ہاشم میں سے خلافت کے دو اور گھرانے دعویدار تھے۔ ایک حضرت کی غیر فاطمی اولاد اور دوسرے آل عباس جو رسول اکرم کے چچا کی اولاد تھے۔ یوں حضرت عبداللہؓ بن عباس کے بیٹے محمد علی بن عبداللہ بن عباس نے اس تحریک کو مزید منظم کیا اور اہم مقامات پر اپنے داعیوں کا جال پھیلا دیا۔ سلیمان اور عمرؒ عبدالعزیز کے دور میں یہ تحریک کافی آگے بڑھی۔ ہشام کے دور میں بھی تحریک جاری رہی اور اس تحریک کو ابو مسلم سانی جیسے داعیوں کی حمایت حاصل رہی۔ اس لیے بعد میں اسی تحریک نے خلافت بنوامیہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نمہ کر دیا۔

ات:

6، 743ء ربیع الثانی 125ھ کو بمقام رصافہ ہشام نے خناق کے مرض میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ وفات کے وقت تقریباً 55 سال اور مدت خلافت پونے بیس سال تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ولید بن یزید ثانی کو جانشینی سے خارج کے اپنے بیٹے مسلمہ کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی لیکن امرائے دربار کی مخالفت کی بنا پر وہ کامیاب نہ سکا۔ اسی بنا پر ولید ہشام کے درمیان رنجش پیدا ہو گئی۔ ولید علاقہ اردن میں ہشام کی موت تک مقیم رہا۔

رت و کردار:

ہشام بن عبدالملک کا شمار بنوامیہ کے لائق اور کامیاب حکمرانوں میں کیا جاتا ہے۔ وہ نماز روزہ کا پابند تھا۔ لہو ب سے اسے نفرت تھی۔ مسئلہ خلق قرآن کے بانی کو اس نے قتل کرا دیا۔ فہم و فراست، انتظامی قابلیت، تدبر اور حوصلہ

مندی میں وہ امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ ان خصوصیات کے لحاظ سے مؤرخین اسے حضرت معاویہؓ اور عبدالملک کے بعد تیسرے نمبر پر شمار کرتے ہیں۔ جب تخت نشین ہوا تو اپنے آپ کو مصائب و مشکلات میں گھرا ہوا پایا۔ عربوں کی قبائلی عصبیت، مضری اور یمنی گروہ بندی، رعایا کے مختلف طبقات کے درمیان نفرت کے جذبات، یزید ثانی کی نااہلیت اور عیش پسندی کی بدولت ناقص نظام حکومت، عوامی بے چینی، خوارج کی شورشیں، عباسی دعوت اور جگہ جگہ رونما ہونے والی بغاوتیں اور سازشیں، داخلی خلفشار اور بحران کو ظاہر کر رہی تھیں جس سے ملک دوچار تھا۔ بیرون ملک ترک اور رومی اپنی مخالفانہ سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ ان حالات کی موجودگی میں ناممکن تھا کہ کوئی معمولی درجہ کا حکمران بنوامیہ کی حکومت کو خاتمے سے بچا سکتا۔ لیکن ہشام بن عبدالملک اپنے حوصلہ، تدبر اور مسلسل جدوجہد کی بدولت نہ صرف مخالفین کو کچل دینے میں کامیاب ہوا بلکہ عظیم الشان فتوحات بھی کیں اور اس طرح گرتے ہوئے اموی اقتدار کو سنبھالا دیا۔ سندھ، ایشیائے کوچک، شمالی افریقہ، فرانس غرض دور دور تک اسلامی افواج فتح کے جھنڈے لہراتے ہوئے آگے بڑھتی گئیں۔ اس نے اسلام کی سیاسی مرکزیت کو قائم کرنے کی کوششیں کیں۔ ہشام کی انتظامی صلاحیتیں بھی مسلمہ تھیں۔ عبداللہ بن محمد عباسی کہتا ہے میں نے بنوامیہ کے تمام خلفاء کے دفاتر کی جانچ پڑتال کی اور ہشام بن عبدالملک کو رعایا کے حق میں سب سے بہتر پایا۔ مدائنی کی رائے ہے کہ بنوامیہ کا کوئی خلیفہ ہشام سے زیادہ عمال حکومت اور دفاتر حکومت کی نگرانی کرنے والا نہ تھا۔ معاملات میں وہ کفایت شعاری کا پابند تھا چنانچہ بعض لوگ اسے بخیل کہتے ہیں۔ ان سب خوبیوں کے سے قطع نظر وہ شکوک شبہات اور بعض اوقات تنگ نظری کا شکار ہوا۔ اپنی اس شکی طبیعت کی وجہ سے آئے دن عمال حکومت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرتا رہتا۔ اعتماد کا یہ فقدان بہت نقصان دہ ثابت ہوا۔ عمال حکومت کو اگر بار بار تبدیل نہ کیا جاتا تو وہ پُر سکون اعتمادی کی فضا میں کام کرتے اور یقیناً بہتر نتائج میسر آتے۔ وہ بیس سال تقریباً نامساعد حالات کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس نے تمام دشمنوں کو کچل دیا اور ملکی نظم و نسق کو ان برائیوں سے پاک کیا جو اس سے پہلے موجود تھیں۔ لیکن ان سب شاندار کارناموں کے باوجود بنوامیہ کو تباہی اور زوال سے بچانا اس کے بس میں نہ تھا۔

خلافت ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک

ہشام بن عبدالملک کے بعد ولید ثانی ربیع الثانی 125ھ میں تخت نشین ہوا۔ وہ انتہائی نالائق اور غلط کار شخص تھا۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کی عادات کو سنوارنے کی کئی ناکام کوششیں کی تھیں۔ ولید ثانی کی بد اخلاقی کی بنا پر کئی امرا نے اس کی ولی عہدی کی مخالفت کی تھی۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اپنے مخالفوں کو چن چن کر مروا دیا۔ اس کی اس سفاکی پر بعض متاثر افراد اس قدر پریشان ہوئے کہ وہ ہشام بن عبدالملک کی قبر جا کر رویا کرتے تھے۔

قتل:

ظلم و ستم کے علاوہ اپنی حد سے بڑھتی ہوئے بد اخلاقی کی وجہ سے بھی اسکی مخالفت زور پکڑتی گئی۔ آخر کار ایک سال اور دو مہینے کی خلافت کے بعد اپنے مخالفوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ ایک مشہور مؤرخ نے تو یہ لکھا ہے کہ جب لوگ اسے قتل کرنے کے لیے چڑھ آئے تو وہ یہ کہہ کر قرآن خوانی میں مصروف ہو گیا کہ "جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوت قرآن کرتے ہوئے مارے گیے تھے میرا بھی خاتمہ اسی طرح ہو۔" ولید ثانی کو شعر و سخن اور رقص و موسیقی سے بے حد

Marfat.com

۔بادہ نوشی کے بارے میں اس کے اشعار تو اس وقت کے عظیم ترین شاعروں کو بھی شرما دیتے تھے۔اس کے عہد میں زید بن علی کے بیٹے یحییٰ بڑی بے رحمی سے شہید کیے گئے۔

خلیفہ یزید ثالث بن ولید عرف یزید الناقص

126ھ......744ء

ولید ثانی کے قتل کے بعد یزید ثالث 126ھ میں تخت نشین ہوا۔اگرچہ وہ نیک خلیفہ تھا، تاہم اس نے آتے ہی ایسے ناقص اقدام اٹھائے جس سے اس کی نااہلی کا شہرہ ہو گیا مثلاً اس نے ولید ثانی بن یزید کے دور میں کیے گئے فوجیوں کی تنخواہوں کے اضافے کو منسوخ کر دیا۔کل چھ مہینے کی خلافت کی 126ھ میں جب اسکی عمر 64 سال تھی، وہ انتقال کر گیا۔اس کا مختصر عہد خلافت بھی شورشوں اور بغاوتوں کی نذر ہو گیا تھا۔

خلافت ابراہیم بن ولید

126ھ سے 127ھ......744ء سے 745ء

یزید ثالث کے بعد اس کا بھائی ابراہیم بن ولید ذی الحجہ 126ھ میں تخت نشین ہوا۔وہ بے حد کمزور اور برائے نام خلیفہ تھا۔127ھ میں خلافت کے تھوڑے عرصے بعد ہی وہ اپنے مخالفوں کے خوف سے حکومت چھوڑ کر بھاگ نکلا۔اس کی سلطنت صرف دو مہینہ تک تھی۔مروان بن محمد دعویدار تخت، ابراہیم کی خلافت کے وقت آذربائیجان میں تھا۔یزید کی وفات کی خبر سنتے ہی وہ دمشق پر چڑھ دوڑا۔راستہ میں مزاحمت کرنے والوں کو شکست ہوئی اور دمشق کے قریب پہنچنے پر خود ابراہیم نے مروان کی خلافت تسلیم کر لی۔

خلافت مروان ثانی بن محمد بن مروان

ہشام کے بعد بنی امیہ کا زوال شروع ہو گیا اور بالآخر مروان ثانی کے عہد میں معرکہ زاب میں شکست کے ساتھ ہی سلطنت امویہ کا خاتمہ ہو گیا۔مروان شکست کھا کر مصر کی طرف بھاگا۔عباسی فوجوں نے اس کا تعاقب کیا اور حیرہ کے مقام پر اس کو قتل کر دیا گیا۔اس کے بعد ابوالعباس السفاح پہلے عباسی خلیفہ کی حیثیت سے تخت پر بیٹھا۔مروان کے قتل کے بعد بنو عباس نے چن چن کر امویوں کو قتل کیا اور مردوں کی قبروں کو اکھاڑ کر لاشوں کی بے حرمتی کی۔صرف ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن الداخل بچ کر اندلس جا پہنچا اور وہاں اس نے اموی حکومت کی بنیاد رکھی۔سپین میں امویوں کی حکومت 138ھ سے 428ھ تک قائم رہی۔ان میں جو بیس سلاطین گزرے جن میں بعض بڑے جلیل القدر حکمران تھے۔اور ان کے عہد حکومت میں ہسپانیہ تہذیب و تمدن کی انتہائی بلندیوں پر جا پہنچا۔قرطبہ اور دمشق کی رفیع الشان مساجد اور عمارات آج بھی امویوں کے شاہانہ عروج و کمال کی یاد دلاتی ہیں۔

تخت نشینی اور مشکلات:

مروان ثانی بنوامیہ کا آخری حکمران تھا۔740ء میں خلیفہ بنا۔مروان عمر رسیدہ، تجربہ کار، مستقل مزاج اور بہادر خلیفہ تھا۔جب تخت نشین ہوا اس وقت اموی حکومت درہم برہم ہو چکی تھی۔خود اموی حکومت میں اختلافات پیدا ہو چکے

Marfat.com

تھے۔ دربار شام مختلف گروہ بندیوں میں بٹ چکا تھا۔ مضری اور یمنی قبائل کی کش مکش نے خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ خارجی الگ سرگرم عمل تھے اور سب سے بڑھ کر دعوت عباسی سارے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی اور اس کے داعی ملک کے کونے کونے میں گھوم پھر کر عوامی جذبات کو امویوں کے خلاف بھڑکا کر اپنی کامیابی کے لیے راہ ہموار کر رہے تھے۔ اموی حکومت کی بنیاد اور اساس عرب تھے۔ ان کی ساری کامرانیاں فوج کی وفاداریاں اور اتحاد پر مبنی تھیں لیکن بدقسمتی سے اب عربوں کی قدیم قبائلی عصبیتیں جاگ اٹھی تھیں اور وہ باہم دست و گریباں تھے۔ یمنی اور مضری ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے لہٰذا فوج کی وفاداریاں بھی بٹ چکی تھیں۔ مروان نے تخت نشین ہونے کے بعد دمشق کی بجائے حران کو دارالخلافہ بنایا۔ اس تبدیلی نے شامیوں کے حاسدانہ جذبات کو برانگیختہ کیا اور وہ مروان کے خلاف متحد ہو گئے۔ اس تفریق سے عباسی داعیوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اگر شامی اپنی وفاداری اور اطاعت سے روگردانی نہ کرتے مضری اور یمنی قبائل خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہوتے تو مروان کو عباسی دعوت کچلنے کے لیے وقت حاصل ہو جاتا اور ایسی صورت میں خلافت بنو امیہ کے قائم رہنے کے امکانات ہو سکتے تھے لیکن چونکہ مروان اپنی گوناگوں مصروفیات کی بنا پر عباسی تحریک کو بروقت نہ دبا سکا لہٰذا انھوں نے بڑھ کر اموی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

شامیوں کی بغاوت:

مروان کی سب سے پہلی مخالفت شامیوں نے کی۔ شام کے مضری اور یمنی ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے۔ مروان کو مضریوں کی ہمدردیاں حاصل تھیں لیکن شام میں یمنیوں کی اکثریت تھی۔ حمص اور فلسطین کے باشندوں نے بھی مروان کی خلافت کو تسلیم نہ کیا اور اہل غوطہ نے شام پر حملہ کر دیا۔ سارے علاقے میں ابتری پھیل گئی۔ مروان نے حوصلہ سے کام لیا اور اہل حمص کو شکست دی۔ فلسطین کے باغیوں کو وہاں کے باشندوں اور بعد میں ابوالورد نے مطیع کیا لیکن اب شامیوں نے خلیفہ ہشام کے لڑکے سلیمان کو ساتھ ملا کر بغاوت کر دی۔ سلیمان ستر ہزار فوج لے کر شام کی طرف بڑھا۔ دونوں افواج کا مقابلہ خساف کے مقام پر ہوا جس میں سلیمان کو شکست ہوئی اور شامی بغاوت دبا دی گئی۔ لیکن اس بغاوت نے اموی خلافت کی بنیادیں ہلا دیں۔

عبداللہ بن معاویہ کی بغاوت:

مروان کی مشکلات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بنو ہاشم اور ان کے حامی میدان میں آنکلے۔ عبداللہ بن معاویہ حضرت جعفرؓ طیار کے پوتے تھے۔ چنانچہ شعیان علی کے علاوہ یمن اور ربیعہ کے قبائل نے ان کا ساتھ دیا۔ کوفہ کے والی عبداللہ بن عمر نے ان کو دبانے کے لیے کئی اقدامات اٹھائے۔ اس دوران انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ عبداللہ بن عمر نے ان کی جان بخشی کر دی۔ وہ عراق سے نکل کر ہمدان، رے اور وہاں سے اصفہان چلے گئے جہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ ابو مسلم خراسانی نے انہیں قتل کر دیا۔

خوارج کی بغاوتیں:

مروان نے والی کوفہ عبداللہ بن عمر کو معزول کر کے ان کی جگہ نصر بن سعید حرشی کو مقرر کیا۔ عبداللہ نے نامزد گورنر کو عہدہ دینے سے انکار کر دیا جس پر دونوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ اس باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ضحاک بن قیس شیبانی نے بغاوت کر دی۔ یہ خوارج کا رہنما تھا۔ حالات کے اس طرح بگڑنے پر نصر اور عبداللہ دونوں نے صلح کر

Marfat.com

ی کر خوارج کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور خوارج نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ اب عبداللہ نے ضحاک سے صلح کر لی اور
ن سے مقابلے کے لیے نصیبین کی طرف بڑھا لیکن شکست کھائی اور مارا گیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی دیگر
دوں کی قیادت میں خارجی کوفہ اور بصرہ میں لڑتے رہے۔ مروان نے ابن ہبیرہ کو ان کی بیخ کنی پر مامور کیا۔ اگرچہ اس
ئی ایک مہمات میں کامیابی حاصل کی لیکن خوارج کی طاقت کو نہ توڑا جا سکا۔ لہٰذا مروان خود ان کے مقابلہ کے لیے
ں پہنچا اور خوارج کی مسلسل ہنگامہ آرائی کا خاتمہ کر کے سرزمین حجاز کی طرف متوجہ ہوا کیونکہ اب حجاز خوارج کی
سیوں کی آماجگاہ بن چکا تھا، یمن کو بھی خارجی اپنا مرکز بنا چکے تھے۔ حج کے دنوں میں ایک خارجی سردار ابوحمزہ نے
ت کا آغاز کیا۔ والی مکہ عبدالواحد مدینہ بھاگ گیا۔ حج سے فراغت کے بعد خارجیوں نے مدینہ کا رخ کیا۔ عبدالواحد
اہل مدینہ پر مشتمل ایک فوج مقابلہ کے لیے روانہ کی۔ دونوں کا مقابلہ مقام قدید میں ہوا، جس میں اہل مدینہ کو
ست شکست ہوئی۔ اس تباہی کی بنا پر مدینہ ماتم کدہ بن گیا۔ مدینہ پر قبضہ کرنے کے بعد فتح مند خارجی اب شام کی
ف بڑھے مگر وادی القریٰ میں اموی فوج کے ساتھ مقابلہ کے بعد شکست کھائی۔ اس جنگ میں خوارج کی کثیر تعداد
گئی جس کی وجہ سے ان میں مزید مقابلہ کی قوت باقی نہ رہی۔

سیوں کا ظہور:

ان پریشان کن حالات میں جب کہ مروان کئی محاذوں پر مخالفین کے خلاف سرگرم عمل تھا، عباسی تحریک کے داعیوں
حالات کو سازگار محسوس کرتے ہوئے بنو ہاشم کے حامیوں کو کھلم کھلا بغاوت کی دعوت دی اور مئی 747ء کا دن مقرر
کے باقاعدہ خروج کا اعلان بھی کر دیا۔ امام ابراہیم عباس کے سوگ میں باغیوں کے علم اور لباس کا رنگ سیاہ قرار
یا۔ وقت مقرر پر خراسان کے کونہ کونہ سے ہزار ہا انسان اپنے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے ڈنڈے لیے نکل کھڑے
ئے جن کا نام انہوں نے کافر کوب رکھا ہوا تھا۔

و پر قبضہ:

اس خوفناک صورت حال کی بنا پر والئی خراسان نصر سخت پریشان ہوا۔ اس نے عرب قوم کو متحد ہونے کی دعوت
۔ اس درخواست کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ربیعہ اور یمن کے قبائل نے اپنے دشمن کا متحد ہو کر مقابلہ کرنے کا عزم کیا لیکن
سلم خراسانی کے غیرت دلانے پر قبیلہ ربیعہ کا رہنما علی بن جدیع کرمانی نصر سے الگ ہو گیا کیونکہ نصر نے علی کے باپ
یع کرمانی کو دھوکہ سے مروا دیا تھا۔ اب ابو مسلم خراسانی نے کمال ہوشیاری سے قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا اور مرو پر فوج
ی کی اور اس پر 747ء/129ھ میں قابض ہونے کے بعد عباسی خلافت کی بنیاد رکھی۔ ابو مسلم خراسانی کی عرب دشمنی
لم تھی چنانچہ جب اس نے محسوس کیا کہ اب اسے ربیعہ یمنی قبائل کی امداد کی ضرورت نہیں تو ان کے بیشتر افراد اور
داروں کو قتل کر دیا۔ دوسری طرف مروان اس دوران عباسی خلافت کے حقیقی باغیوں کا سراغ لگانے میں کوشاں تھا۔ اس
ران ابو مسلم خراسانی کا ایک کارندہ خفیہ پیغام لے کر ابراہیم کے پاس جا رہا تھا کہ مروان کو اس کی خبر ملی۔ مروان نے اس
صد کو گرفتار کر لیا۔ اسے دس ہزار کا لالچ دے کر ابراہیم کا جواب اسے واپس لا کر دینے پر رضامند کر لیا۔ چنانچہ جاسوس
اہیم کا جواب لے کر سیدھا مروان کے پاس پہنچا۔ اس خط میں ابو مسلم کو ہدایات تھیں کہ وہ دشمنوں کا جلد خاتمہ کر دے اور
ی عربی بولنے والے کو زندہ نہ چھوڑے۔ یہ قطعی ثبوت پا کر مروان نے ابراہیم کو گرفتار کر لیا اور ان سے باز پرس کی لیکن

Marfat.com

ابراہیم نے کسی بات کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اس پر مروان نے قید میں ڈال کر انہیں قتل کرا دیا۔ ابراہیم کی موت کے بعد ابومسلم خراسانی اور دیگر داعیوں نے مزید تیزی سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔

کوفہ پر قبضہ:

مرو پر قبضہ کے بعد ابومسلم خراسانی کے مشہور جرنیل قحطبہ نے طوس سوزقان، نیشاپور اور جرجان فتح کرتے ہوئے اپنی پیش قدمی جاری رکھی چنانچہ رے، اصفہان، نہاوند اور حلوان کے علاقے بھی ان کے قبضہ میں آ گئے۔ اب ان داعیوں نے کوفہ کا رخ کیا۔ قحطبہ کے ساتھ خالد برمکی بھی تھا۔ عباسی داعیوں اور ابن ہبیرا والئی عراق کی افواج کے درمیان زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ قحطبہ جنگ کے دوران قتل ہوا لیکن اس کے بیٹے حسن نے کمان سنبھال لی اور ابن ہبیرہ کو شکست دینے میں کامیاب ہوا۔ ابن ہبیرہ شکست کھا کر واسطہ پسپا ہو گیا۔

معرکہ زاب اور اموی خلافت کا خاتمہ:

ابراہیم عباسی کے خط اور نصر کی بار بار کی یاددہانی کی وجہ سے اموی خلیفہ مروان کی آنکھیں کھل چکی تھیں۔ خوارج سے نپٹنے کے بعد اب مروان ثانی ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر دریائے زاب کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ عباسیوں اور امویوں کے درمیان آخری بار اس مقام پر زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس میں مروان ثانی کو شکست ہوئی یہ تاریخ واقعہ 11 جمادی الثانی 132ھ 25 جنوری 750ء کو پیش آیا۔

قتل:

اس شکست نے تاریخ اسلام کا رخ بدل دیا۔ اب قوت اقتدار امویوں کی بجائے عباسیوں کے ہاتھوں منتقل ہو گیا۔ مروان شکست کھا کر موصل میں پناہ گزین ہوا۔ عبداللہ بن علی اس کے تعاقب میں وہاں پہنچا۔ مروان بھاگ کر حران اور شام ہوتا ہوا مصر جا نکلا۔ عباسیوں نے شام پر قبضہ کر لیا اور صالح بن عون کو مروان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اب مروان کے لیے نہ جائے رفتن اور نہ پائے رفتن کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ ذی الحجہ 132ھ کو اپنی مختصر سی جماعت کے ساتھ لڑتا ہوا ابوصیر کے مقام پر قتل ہو گیا اور اس کی وفات کے ساتھ ہی اموی اقتدار کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

سیرت و کردار:

مروان ثانی بنوامیہ کا آخری تاجدار تھا۔ ہمت شجاعت اور مستقل مزاجی میں کسی بھی اعلیٰ اموی حکمران سے کم نہ تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے تمام مشکلات، مصائب اور پیچیدہ مسائل کا نہایت ہی خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ اگر وہ سازگار حالات میں حکمران بنتا تو شاید ایک بہتر اور کامیاب حکمران ثابت ہوتا۔ اس کی جسمانی طاقت، قوت برداشت اور مسلسل جدوجہد کی بناء پر اسے الحمار (گدھا) کا لقب دیا گیا۔ وہ ایک تجربہ کار، معمر اور لائق خلیفہ تھا لیکن زوال و انتشار اس حد تک پھیل چکے تھے کہ بنوامیہ کو تباہی سے روکنا تنہا مروان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس ناکامی کا سبب سابقہ خلفاء کی کوتاہیاں اور غلطیاں اور عربوں کی باہمی پھوٹ تھی، اگر شامی بھی اسے دغا نہ دے جاتے تو نہیں معلوم تاریخ کون سا رخ اختیار کر لیتی۔
اس کی زندگی سادگی کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ عیش و آرام سے اسے نفرت تھی۔ اپنی اکثر زندگی فوجی کیمپ میں گزاری اور اپنے فوجیوں کے ساتھ ہر دکھ سکھ میں ان کا برابر کا شریک رہا۔ بہادری اور شجاعت کی اس میں کمی نہ تھی لیکن جیسا کہ ابن

ثیر کا بیان ہے کہ چونکہ تقدیر کا فیصلہ اٹل تھا اسی لیے اس کی بہادری اور دانائی اس کے کام نہ آسکی۔ ان سب خوبیوں کے جود قبائلی عصبیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا اور اسی خانہ جنگی کی بدولت بالآخر اسے بنو عباس کے مقابلہ میں شکست سے چار ہونا پڑا۔ اس کا جھکاؤ مضری قبائل کی طرف تھا اس لیے یمنی قبائل کی ہمدردیاں حاصل نہ کر سکا۔ ابومسلم خراسانی جیسے طر اور ذہین شخص نے عربوں کے اس باہمی انتشار سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اگر مروان وسعت نظر سے کام لیتا اور قبائلی عصبیت سے بالاتر رہ کر اپنی حکمت عملی اور پالیسی اختیار کرتا تو بنو عباس اتنی تیزی اور آسانی سے فتح یاب نہ ہوتے۔

❀❀❀❀

خلافت بنو عباس

خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد عربوں کی قائم کردہ دو عظیم ترین سلطنتوں میں سے دوسری سلطنت خلافت عباسیہ کہلاتی ہے۔ جس کا قیام 750ء (132ھ) میں عمل میں آیا اور 1258ء (686ھ) میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ خلافت ایک تحریک کے ذریعے قائم ہوئی جو بنو امیہ کے خلاف تھی۔ تحریک نے ایک عرصے تک اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد کی اور بالآخر بنو امیہ کو شکست دینے کے بعد برسر اقتدار آ گئی۔ خلافت عباسیہ کے عروج کے زمانے میں عباسیوں کی حکومت بھی امویوں کی طرح شخصی اور موروثی تھی اور ولی عہدی کا بھی وہی طریقہ کار تھا جو بنو امیہ نے اختیار کیا ہوا تھا۔ خاندان عباسیہ نے دارالحکومت دمشق سے بغداد منتقل کیا اور دو صدیوں تک مکمل طور پر عروج حاصل کیے رکھا۔ زوال کے آغاز کے بعد مملکت کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی جن میں ایران میں مقامی امراء نے اقتدار حاصل کیا اور المغرب اور افریقیہ اغالبہ اور فاطمیوں کے زیر اثر آ گئے۔ عباسیوں کی حکومت کا خاتمہ 1258ء میں منگول فاتح ہلاکو خان کے حملے کے ذریعے ہوا تاہم خلیفہ کی حیثیت سے ان کی حیثیت پھر بھی برقرار رہی اور مملوک سلطان ملک الظاہر بیبرس نے خاندان عباسیہ کے ایک شہزادے ابوالقاسم احمد کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ اس طرح خلافت بغداد سے قاہرہ منتقل ہو گئی تاہم یہ صرف ظاہری حیثیت کی خلافت تھی، تمام اختیارات مملوک سلاطین کو حاصل تھے۔ عثمانیوں کے ہاتھوں مملوکوں کی شکست کے بعد عباسیوں کی اس ظاہری حیثیت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور خلافت عباسیوں سے عثمانیوں میں منتقل ہو گئی۔ موجودہ عراق میں تکریت کے شمال مشرق میں رہنے والا العباسی قبیلہ اسی خاندان عباسیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

پس منظر:

خاندان بنو امیہ کی حکومت کے دور زوال میں سلطنت میں ہر جگہ شورش اور بغاوتیں شروع ہو گئی تھی جن میں سب سے خطرناک تحریک بنی ہاشم کی تھی۔ بنی ہاشم چونکہ اس خاندان سے تھے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے ہیں اس لیے وہ خود کو خلافت کا بنی امیہ سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔ بنی ہاشم میں بھی دو گروہ پیدا ہو گئے تھے۔ ایک وہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور ان کے بعد ان کی اولاد کو خلافت کا حقدار سمجھتا تھا۔ یہ گروہ شیعانِ علی کا طرفدار کہلاتا تھا۔ بعد میں اسی گروہ میں سے کچھ لوگوں نے شیعہ فرقے کی شکل اختیار کر لی اور وہ اثنا عشری کہلائے۔ دوسرا گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس کی اولاد کو خلافت دلانا چاہتا تھا۔ شروع میں دونوں گروہوں نے مل کر بنو امیہ کی حکومت کے خلاف بغاوتیں کیں لیکن بعد میں عباسی گروہ غالب آ گیا۔ بنو عباس کی دعوت عمرؒ بن عبدالعزیز کے زمانے میں ہی شروع ہو گئی تھی۔ ہشام کے دور میں اس نے سند حاصل کر لی۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعانِ علی نے منصب امامت امام کے صاحبزادے حضرت زین العابدینؒ کو پیش کیا لیکن جب انہوں نے قبول نہیں کیا تو شیعوں نے حضرت علی

غیر فاطمی فرزند محمدؓ بن حنفیہ کو امام بنالیا اور اس طرح امامت کا منصب اہل بیت نبوی سے علوی شاخ میں منتقل ہو گیا۔ محمد بن حنفیہ کے بعد ان کے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہ جانشین ہوئے اور ایران میں ان کی دعوت خفیہ انداز میں پھیلتی رہی۔ ...1ھ میں ابو ہاشم نے شام میں وفات پائی۔ اس وقت ان کے خاندان میں سے کوئی شخص ان کے پاس نہیں تھا۔ مشہور ... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن علی قریب موجود تھے اس لیے ابو ہاشم نے ان کو جانشین مقرر ... کے منصب امامت ان کے سپرد کر دیا اور اس طرح امامت علویوں سے عباسیوں میں منتقل ہو گئی۔ بنی ہاشم کی یہ دعوت ... بن عبدالعزیز سے ہشام تک خفیہ رہی اور عراق اور خراسان کے بڑے حصے میں پھیل گئی۔ 126ھ میں محمد بن علی کا انتقال ... گیا اور ان کے بڑے بیٹے ابراہیم بن محمد ان کے جانشین ہوئے۔ ان کا مرکز شام میں ایک مقام حمیمہ تھا۔ ان کے دور میں ... یک نے بہت زور پکڑ لیا اور مشہور ایرانی داعی ابو مسلم خراسانی اسی زمانے میں عباسی تحریک کے حامی کی حیثیت سے ... ل ہوا۔ اس نے ایک طرف عربوں کو آپس میں لڑایا اور دوسری طرف ایرانیوں کو عربوں کے خلاف ابھارا۔ اس جگہ یہ ... ت قابل ذکر ہے کہ محمد بن علی نے ابو مسلم کو ہدایت کی تھی کہ خراسان میں کوئی عربی بولنے والا زندہ نہ چھوڑا جائے۔ مروان ... کے دور میں اس سازش کا انکشاف ہو گیا اور ابراہیم کو قتل کر دیا گیا۔ اب ابراہیم کا بھائی ابو العباس عبداللہ بن علی جانشین ... ا۔ اس نے بھی حکم دیا کہ خراسان میں کوئی عرب زندہ نہ چھوڑا جائے۔ اس نے ابراہیم کے غم میں سیاہ لباس اور سیاہ جھنڈا ... باسیوں کا نشان قرار دیا۔ عربی اور ایرانی ہمیشہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے اور جب ایران پر عربوں کا قبضہ ہوا تو ... خلفائے راشدین نے منصفانہ حکومت قائم کر کے اس نفرت کو کم کرنے کی کوشش کی لیکن بنو امیہ کے حکمران خلفائے ... راشدین کے اصولوں پر نہ چلے۔ ایرانیوں کو بھی حکومت سے شکایت بڑھتی چلی گئی۔ وہ اب مسلمان ہو گئے تھے اور بحیثیت ... مسلمان عربوں کے برابر حقوق چاہتے تھے۔ جب ان سے برابری کا سلوک نہیں کیا گیا تو وہ بنو امیہ کی حکومت کا تختہ الٹنے کی فکر کرنے لگ گئے اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے انہوں نے بنو ہاشم کا ساتھ دیا۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے زمانہ میں محمد بن علی بن عبداللہؓ بن عباسؓ، عم رسول ﷺ کو دعویٰ خلافت کا ایک خیال پیدا ہوا۔ اسی زمانہ میں ابو مسلم نامی ایک آزاد غلام حج کرنے کی غرض سے مکہ آیا۔ وہاں محمد بن علی سے یہ اتفاقاً ملا، رسم ملاقات بڑھنے پر محمد نے اپنے خیالات سے ابو مسلم کو آگاہ کیا اور کہا کہ "ایک صدی کے بعد زمانہ کو پلٹا کھانا چاہیے۔ بنو اُمیہ کی سلطنت کی پہلی صدی ختم ہونے کو آئی اور اب غالباً اس خاندان کی تباہی کا زمانہ آئے گا۔ بنو اُمیہ کی تباہی کے بعد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو ہاشم کو ترقی ہوگی۔ بنو ہاشم میں اس وقت زیادہ تر میں اپنے خاندان کو سیاسی معاملات میں بظاہر قوی پاتا ہوں اگر وقت آئے تو تم میرے لڑکوں کی مدد کرنا۔ یہ خیال کوئی نیا نہ تھا۔ بنو اُمیہ کے عہد میں اور اُس کے بعد بنو عباس کے عہد میں بھی اس قسم کے بہت سے لوگ مسلمانوں میں پیدا ہوئے اور اپنے سر اپنے خیالات کی نذر کر گئے۔ لیکن کچھ عجب اتفاق ہے کہ اس سے واقعہ کو مطابق ہونا تھا۔ اس کے بعد ابو مسلم خراسان میں چلا آیا اور یہاں محمد بن علی فوت ہو گیا۔ لیکن جو خیالات ابو مسلم کے ذہن میں جمے تھے وہ محو نہیں ہوئے۔ برسوں کے بعد خراسان میں ایک صورت یہ پیدا ہوئی کہ مروان کے گورنر نصر سیار کے طرز حکومت نے رعایا کے دلوں میں ناراضگی پھیلا دی۔ ناراض گروہ کا سردار یوسف کرمانی مقابلے کیلئے کھڑا ہوا اور نصر کو شکست ہوئی۔ یہ کیفیت دیکھ کر ابو مسلم کو محمد کا قول یاد آیا اور وہ یوسف کرمانی کا شریک حال ہوا۔ یوسف کرمانی کو اُس کے دشمنوں نے مار ڈالا اور اس طرح اس گروہ کی سرداری ابو مسلم کو ملی۔ ابو مسلم نے اپنی فوج کے لئے سیاہ لباس اختیار کیا اور اس کے بعد یہی رنگ بنو عباس کے زمانے میں برابر مقبول رہا۔ سیاہ رنگ ہیبت پھیلانے

Marfat.com

کے لئے اختیار کیا گیا یا اس لئے اختیار کیا گیا کہ بنو اُمیہ کا رنگ سبز تھا اور مقصود یہ تھا کہ اس کی خلاف کوئی رنگ پیدا کیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ زید اور یحییٰ کی عزاداری میں سیاہ رنگ اختیار کیا گیا کہ رسول ﷺ اور آل رسول کے محبوں پر ایک خاص سیاسی اثر پہنچے۔ مرو تک ابو مسلم نے نصر کا تعاقب کیا۔ پھر وہ خود وہیں ٹھہر گیا اور اس کا سپہ سالار قحطبہ نصر کے تعاقب میں چلا۔ گرگان، بکرکان، اصفہان تک قبضہ کرتا ہوا وہ نصر کے تعاقب میں چلا گیا۔ اصفہان میں شامیوں نے مقابلہ کیا اور ہزیمت اُٹھائی۔ سردار فوج عامر کا سر ابو مسلم کے پاس بھیجا گیا اور اُس سے پہلے نصر مرگ ناگہانی سے مر چکا تھا۔ خراسانیوں کیلئے میدان صاف ہو گیا۔ اصفہان کے قریب قحطبہ اتفاقاً دریا میں ڈوب کر مر گیا اور اپنے بیٹے حسن کو ایسا ہی سا جانباز قائم مقام چھوڑتا گیا۔ حسن جب کوفہ میں پہنچا تو ابو سلمٰی ایک با تدبیر شخص (جو محبان خاندان رسول ﷺ تھا) اُس کا مشیر بنا۔ اب خراسانیوں کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ شامیوں سے مقابلہ کے لئے کوئی ہمسر کھڑا کرنا چاہئے۔ قریش میں ہاشم اور بنو ہاشم میں بنو عباس اور بنو عباس میں محمد کا خاندان اس کے لائق ثابت ہوا۔ بنو امیہ کے زمانے میں عربوں اور ایرانیوں کے درمیان نفرتیں بڑھنے کے علاوہ خود عربوں کے اندر قبائلی عصبیت اور اختلافات بھی بہت بڑھ گئے تھے۔ یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ رنگ و نسل کے یہ اختلافات جن کو مٹانے کے لیے اسلام آیا تھا اتنی جلدی پھر سر اٹھانے لگے اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ والوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے لگا۔ اس اختلاف کی وجہ سے عربوں کی قوت کمزور ہو گئی اور بنو امیہ کا سب سے بڑا سہارا چونکہ عرب تھے اس لیے ان کی قوت کمزور ہونے سے بنو امیہ کی سلطنت بھی کمزور پڑ گئی۔ اسلامی دنیا کی یہ حالت تھی کہ بنی ہاشم کے حامیوں نے ایرانیوں کی مدد سے خراسان میں بغاوت کر دی۔ ہشام کے نااہل جانشین اس بغاوت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس جدوجہد میں ابو مسلم خراسانی سے بنی ہاشم کو بڑی مدد ملی۔ وہ بڑا متعصب، ظالم اور سفاک ایرانی تھا لیکن زبردست تنظیمی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ بنی ہاشم کے یہ حامی ماوراء النہر اور ایران پر قبضہ کرنے کے بعد عراق میں داخل ہو گئے جہاں بنی امیہ کے آخری حکمران مروان بن محمد نے دریائے زاب کے کنارے مقابلہ کیا لیکن ایسی شکست کھائی کہ راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ بعد میں مروان پکڑا گیا اور اس کو قتل کر دیا گیا۔ دارالخلافہ دمشق پر بنی ہاشم کا قبضہ ہو گیا اور بنی ہاشم کی شاخ بنی عباس کی حکومت قائم ہو گئی۔

خلافت ابو العباس سفّاح

دورِ حکومت (749ء تا 753ء)

ربیع الاول 132ھ میں ابو العباس سفاح بمقام کوفہ خلافت کے لئے منتخب ہوا۔ کوفہ میں معلوم ہوا کہ مروان ابن محمد (بنو امیہ کا آخری خلیفہ) مقابلے کیلئے چلا ہے تو ابو العباس کا بھائی عبداللہ ابن علی مقابلے کیلئے روانہ ہوا۔ لڑنے میں شامیوں سے کچھ ایسی بے ترتیبی ہوئی کہ غلط فہمیوں سے مروان ابن محمد کی فوج پسپا ہوئی۔ مروان بھاگا اور عبداللہ نے تعاقب کیا۔ دمشق میں پہنچ کر مروان نے دیکھا کہ اکثر لوگ اُس کے مخالف ہیں۔ نہایت عبرت سے اُس نے یہ رنگ دیکھا اور مصر کا راستہ پکڑا۔ عبداللہ کے پہنچنے پر مروان کے ہوا خواہوں نے کچھ مقابلہ کیا لیکن بے سود ہوا۔ عبداللہ نے دمشق پر قبضہ کیا اور مروان کے تعاقب میں عامر ابن مروان کو روانہ کیا۔ مروان ملا اور محاربہ کر کے مقتول ہوا۔ مروان کے مرنے پر ابو العباس امیر المومنین ہوا۔ حرمین یعنی مکہ اور مدینہ کی ولایت اپنے چچا داؤد ابن علی کے سپرد کی۔ داؤد اور عبداللہ ابن علی امیر المومنین ابو العباس کے حکم سے بنو امیہ کا خون مباح سمجھے۔ عبداللہ بن محمد المعروف ابو العباس السفاح پہلا عباسی خلیفہ بنا۔ مورخین

Marfat.com

نے اس کی عقل، تدبر اور اخلاق کی تعریف کی ہے لیکن اس کے ظلم وستم نے تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ سفاح کے دست راست ابو مسلم خراسانی نے بنی امیہ کا اقتدار ختم کرنے کے لیے 6 لاکھ انسان ہلاک کیے۔ دمشق فتح کرکے عباسی افواج نے وہاں قتل عام کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام اموی حکمرانوں کی قبریں تک کھود ڈالی گئیں۔ ہشام بن عبدالملک کی لاش قبر سے صحیح سلامت ملی تو اس کو کوڑوں سے پیٹا گیا اور کئی دن سر عام لٹکانے کے بعد نذر آتش کر دیا گیا۔ بنوامیہ کا بچہ بچہ قتل کر دیا گیا اور اموی سرداروں کی تڑپتی لاشوں پر فرش بچھا کر کھانا کھایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مؤرخین نے ابوالعباس کو سفاح (یعنی خونریزی کرنے والا) کا لقب دیا ہے۔

بنوامیہ کی تباہی کا سبب ابومسلم تھا۔ ابتدا میں اُسے خیال بھی نہ تھا کہ اُس کی تحریک بنوامیہ کی گڑی ہوئی ہڈیوں کو بھی نہ چھوڑے گی۔ ابوالعباس کی خلافت کے لیے اُس نے کوشش نہ کی تھی اور نہ اُسے اس بات کا علم تھا کہ اُس کی کوششیں ابوالعباس کی خلافت تک منتج ہوں گی۔ ابومسلم سے کوئی فعل ابوالعباس کے خلاف ظاہر نہیں ہوا تھا۔ لیکن کوفہ اور دمشق پر پورا تسلط حاصل کرنے کے بعد ابوالعباس نے خراسان کی خبر لینا چاہی اور اپنے بھائی ابوجعفر کو اس کام کے لئے تعینات کیا۔ ابوجعفر مرو تک پہنچا تھا کہ ابومسلم پیشوائی کو حاضر ہوا اور ابوجعفر کے ہاتھ پر ابوالعباس امیر المومنین کے لئے بیعت کی۔ ابومسلم اس کے بعد حج کرنے کعبہ چلا گیا۔ تین سال سے کچھ زیادہ ابوالعباس نے سلطنت کی اور مرتے وقت ابوجعفر کو ولی عہد مقرر کر گیا۔ ابوالعباس تک بنوعباس اور بنوعلی (آل علی) کی غرض مشترک تھی اور وہ یہ کہ بنوامیہ کو تباہ کرنا۔ لیکن ان کے بعد جب ابوجعفر منصور کو پورا عروج ہو چکا اور بنوامیہ کے مظالم دلوں سے محو ہو گئے تو بنوہاشم میں بھی تفریق ہو گئی۔ بنوعباس اور بنوعلی میں وہ خلوص باقی نہ رہا جو پہلے تھا۔

خلافت ابوجعفر المنصور

اگرچہ پہلا خلیفہ ابوالعباس تھا لیکن عباسیوں کا پہلا نامور حکمران اس کا بھائی ابوجعفر المنصور تھا جو سفاح کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس نے 22 سال حکومت کی اور خلافت عباسیہ کی جڑوں کو مضبوط کیا۔ ابوجعفر منصور اپنے بھائی کے مرنے پر خلیفہ ہوا۔ اُس کا چچا عبداللہ ابن علی دمشق میں حاکم تھا اور اسی کی کوشش نے مروانیوں کا خاتمہ کیا تھا اور اُس کا یہ بھی بیان تھا کہ ابوالعباس نے دمشق فتح کرنے کے صلہ میں مجھے اپنا جانشین مابعد مقرر کیا تھا۔ عبداللہ نے ابوجعفر سے سرتابی کی۔ ابوجعفر نے ابومسلم کو اُس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ عبداللہ کو ابومسلم نے قتل کیا۔ یہ بادشاہ ہر دل عزیز اور منتظم تھا۔ خالد برمکی اس کا وزیر تھا۔ کوفہ کو پُر آشوب سمجھ کر اُس نے مدائن کے قریب دریائے دجلہ کے کنارے ایک نیا شہر آباد کر کے دارالحکومت وہاں منتقل کیا جو بغداد کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ شہر 145ھ میں تیار ہوا تھا۔ اس نے ابومسلم خراسانی کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو دیکھتے ہوئے اسے قتل کرا دیا کیونکہ اس میں کچھ سرکشی کے آثار نمایاں ہو چلے تھے۔ ابراہیم بن عبداللہ علوی حضرت علی کے خاندان سے تھے اور محمد المعروف نفس ذکیہ کے بھائی تھے۔ خاندان عباسی کی خلافت کے مخالف اور خاندان علی کی خلافت کے حامیوں کے قائد تھے۔ انہوں نے اہل بصرہ کی مدد سے عباسیوں کے خلاف بغاوت کی۔ کچھ عرصے تک اہواز، ایران اور واسط وغیرہ علاقوں پر قابض رہے۔ پھر عباسیوں نے یورش کر کے ان کا زور توڑ دیا۔ دریائے فرات کے کنارے عباسیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ یہ واقعہ ابوجعفر منصور کے عہد کا ہے۔ محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ بھی اسی کے دور میں شہید کیے گئے۔ 22 سال تک ابوجعفر منصور نے سلطنت کی 158ھ میں حج سے لوٹتے

Marfat.com

ہوئے اثنائے راہ میں وفات پائی۔

خلافت مہدی بن ابوجعفر

منصور کے بعد اس کا بیٹا محمد مہدی مسند خلافت پر بیٹھا۔ وہ اپنی طبیعت اور مزاج میں باپ سے بہت مختلف تھا۔ نرم دل اور عیش پرست و رنگین مزاج تھا لیکن اس کے باوجود بدکردار نہیں تھا بلکہ ایک فرض شناس حکمران تھا۔ اس کا عہد امن امان کا دور تھا۔ مہدی بن منصور اپنے باپ ابوجعفر منصور کے مرنے پر 158ھ میں بمقام بغداد تخت خلافت پر بیٹھا۔ تخت بیٹھتے ہی اُس نے اُن تمام قیدیوں کو جو حقوق العباد یا خون کی علت میں قید تھے چھوڑ دیا۔ اسی زمانہ میں ابن مقنع نے بمقام ماوراالنہر خروج کیا۔ یہ ایک ذی علم شخص تھا۔ اپنی علمی کراماتیں دکھا کر لوگوں سے کہتا تھا کہ میں خدا کا پرتو ہوں۔ چاہ نخشب اسی نے بنایا تھا جس سے مصنوعی مہتاب نکل کر دو فرسخ تک روشنی پھیلاتا تھا۔ جب مہدی کی فوج سے عاجز آ کر یہ ایک قلعہ میں بند ہوا تو اپنے تمام ساتھیوں کو اس نے تیزاب میں گلا دیا اور خود بھی تالاب میں تیزاب بھر کر کود پڑا۔ اس کی لونڈی نے جو چھپ کر بچ رہی تھی اس راز سے لوگوں کو آگاہ کیا ورنہ بعض جاہلوں کا یہ خیال تھا کہ وہ خدا تھا اور اپنے ساتھیوں سمیت آسمان پر چلا گیا۔ اور یہی خیال پیدا کرنے کیلئے اس نے تیزاب میں کودنے کی تدبیر سوچی تھی۔ 169ھ میں گیارہ سال سلطنت کر کے اس خلیفہ نے وفات پائی۔

خلافت موسیٰ بن مہدی

موسیٰ ابن مہدی اپنے باپ مہدی کے مرنے پر تخت پر بیٹھا۔ لوگ اس کو ہادی کہتے تھے۔ اس کے عہد میں حسین بن علی حسینی نے عباسیوں کے مقابلہ میں کچھ سرکشی کی تھی۔ جب حسین کا سر ہادی کے دربار میں مکہ سے لایا گیا تو لوگ ان کے خواہاں ہوئے اور اظہار مسرت کرنے لگے۔ ہادی نے یہ سن کر غصہ کیا اور کہا کہ ترک اور دیلم کے کسی بادشاہ کا یہ سر نہیں ہے کہ تم لوگ خوشی کرتے ہو بلکہ اولاد رسول ﷺ میں سے یہ ایک کا سر ہے۔ انتظام کی وجہ نے مجبور کیا جو ایسا ہوا۔ مسرت کا کوئی مقام نہیں ہے اس نے چاہا کہ اپنے چھوٹے بھائی ہارون کی حق تلفی کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد کرے۔ خالد برمکی کا بیٹا، یحییٰ اس وقت وزیر تھا اس نے ہادی کو روکا۔ ہادی نے یحییٰ کو قید میں بھیج دیا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یحییٰ کو ہارون نے قید سے رہا کیا۔ اور بعضوں نے لکھا ہے کہ ہادی کے مرنے پر یحییٰ نے رہائی پائی۔ ہادی کی ماں بھی ہادی سے ناراض تھی۔ اس کی خلافت کا زمانہ ایک سال تین ماہ ہے مرگ مفاجات سے یہ مرا۔ سبب صاف ظاہر نہیں ہوتا۔ اس خلیفہ کا مزاج بڑا سخت تھا۔ اسی خلیفہ کے عہد میں مسلمانوں کا ایک فرقہ دہریہ نکلا تھا جسے مؤرخین زنادقہ لکھتے ہیں۔ ان لوگوں کا قلع قمع اسی کے عہد میں ہو گیا۔

خلافت ہارون الرشید

ہارون الرشید (پیدائش 763ء، انتقال 24 مارچ 809ء) پانچویں اور مشہور ترین عباسی خلیفہ تھے۔ وہ 786ء سے 24 مارچ 809ء تک مسند خلافت پر فائز رہے اور ان کا دور سائنسی، ثقافتی اور مذہبی رواداری کا دور کہلاتا ہے۔ ان کے دور حکومت میں فن و حرفت اور موسیقی نے بھی عروج حاصل کیا۔ ان کا دربار اتنا شاندار تھا کہ معروف کتاب "الف لیلہ

یا انہی کے دربار سے متاثر ہو کر لکھی گئی۔ ہارون الرشید ابن مہدی اپنے بھائی کے مرنے پر 170ھ میں 22 برس کی عمر
میں خلیفہ ہوا۔ ہارون نے اپنی وزارت یحییٰ برمکی کے سپرد کی۔ تمام سیاہ و سفید یحییٰ کے ہاتھ میں تھا۔
عباسی خلفاء میں سب سے زیادہ شہرت اسی ہارون الرشید نے حاصل کی۔ اس کے دور میں بغداد اپنے عروج پر پہنچ
گیا اور یہ خوشحالی اور علم و فن کا زریں دور تھا۔ وہ متضاد اوصاف کا مالک تھا۔ ایک طرف عیش پرستانہ زندگی کا حامل تھا تو
دوسری طرف بڑا دیندار، پابند شریعت، علم دوست اور علماء نواز بھی تھا۔ ایک سال حج کرتا اور ایک سال جہاد میں گذارتا۔
اس کے دور میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف کو قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ اس نے بیت الحکمت کے نام سے ایک
ادارہ قائم کیا جس میں کام کرنے والے عالموں اور مترجموں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ اس کا دور خاندان برامکہ
کے ذکر کے بغیر ادھورا ہے جنہوں نے اپنی عقل و فراست سے ہارون کی سلطنت کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دی۔ ہارون کو
خاص طور پر جعفر برمکی سے بڑی محبت تھی جو اس کا قابل وزیر تھا۔ لیکن ہارون نے کسی بات پر اس سے ناراض ہو کر اسے قتل
کر دیا۔ اس خاندان کے زوال کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہارون کو ان کے غیر معمولی اختیارات، اثرات اور مقبولیت کی وجہ سے
خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں یہ خلافت پر قابض نہ ہو جائیں۔ جس دن انہوں نے مسند خلافت سنبھالا اسی دن ان کی اہلیہ نے
مامون کو جنم دیا۔ ہارون رشید کے دور میں عباسی خلافت کا دارالحکومت بغداد اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ انہوں نے بغداد میں
محل تعمیر کرایا جو اس سے قبل کے تمام محلات سے زیادہ بڑا اور خوبصورت تھا جس میں ان کا معروف دربار بھی تھا جس سے
سینکڑوں درباری وابستہ تھے۔ بعد ازاں انہوں نے شام کے حالات کے پیش نظر دربار الرقہ، شام منتقل کر دیا تاہم ان کا کہنا
تھا کہ بغداد دنیا کے کسی بھی مقام سے زیادہ بہتر ہے۔ ہارون ایک عادل بادشاہ تھا جو راتوں کو بھیس بدل کر دارالحکومت کی
گلیوں میں چکر لگا کر عوام کے مسائل پوچھتا تھا۔ ہارون علم، شاعری اور موسیقی سے شغف رکھنے کے علاوہ خود ایک عالم اور
شاعر تھا اور اسے جب بھی اپنی سلطنت یا پڑوسی سلطنتوں میں کسی عالم کا معلوم ہوتا تو وہ اسے اپنے دربار میں ضرور طلب
کرتا۔ اس کے دور میں خلافت عباسیہ کے چین اور فرانس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔

حکومت:

عسکری شعبے میں ہارون ایک جانباز سپاہی تھا جس نے اسی وقت اپنی بہادری کے جوہر دکھا دیئے تھے جب اس
کے والد خلیفہ تھے۔ انہوں نے بعد ازاں بازنطینی سلطنت کے خلاف 95 ہزار کی فوج کی کمان سنبھالی جو اس وقت ملکہ
آئرین کے زیر سربراہی تھی۔ آئرین کے معروف جنرل نیکٹس کو شکست دینے کے بعد ہارون کی فوج نے کریسوپولس
(موجودہ اسکودار، ترکی) میں پڑاؤ ڈالا جو قسطنطنیہ کے بالکل سامنے ایشیائی حصے میں قائم تھا۔ جب ملکہ نے دیکھا کہ مسلم
افواج شہر پر قبضہ کرنے والی ہیں تو اس نے معاہدے کے لئے سفیروں کو بھیجا لیکن ہارون نے فوری ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ
کرتے ہوئے تمام شرائط منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سفیر نے کہا کہ ملکہ نے بطور جنرل آپ کی
صلاحیتوں کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے حالانکہ آپ ان کے دشمن ہیں لیکن وہ بطور ایک سپاہی آپ کی قدر کرتی ہیں۔
ہارون ان کلمات سے خوش ہوا اور سفیروں کو کہا کہ اپنی ملکہ سے کہہ دو کہ وہ ہمیں سالانہ 70 ہزار اشرفیاں عطا کرتی رہے تو
کوئی مسلم فوج قسطنطنیہ کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔ ملکہ نے اس شرط کو تسلیم کر لیا اور پہلے سال کا خراج عطا کیا جس پر مسلم
افواج واپس گھروں کو لوٹ گئیں۔

برامکہ:

برمکی خاندان کو عباسیہ عہد میں اقتدار نصیب ہوا اور انھوں نے 803ء تک وزارت کے منصب پر فائز رہ کر عباسی سلطنت پر بالواسطہ فرمانروائی کی۔ اس خاندان کا بانی خالد بن برمک ایک ایرانی نژاد نومسلم تھا۔ جس کی ماں کو قتیبہ بن مسلم نے 705ء میں بلخ سے گرفتار کر کے خالد کے باپ (جو ایک بدھ راہب خانہ کا منتظم ہونے کے باعث سردار کاہن یعنی (برمک) کہلاتا تھا) کے عقد میں دے دیا۔ اس کے بطن سے خالد ابن برمک پیدا ہوا جو برمکی خاندان کا سب سے پہلا وزیر بنا۔ برمکیوں کے بنی عباس کے شاہی خاندان سے بہت اچھے مراسم تھے۔ خالد کی ایک لڑکی کو عبداللہ السفاح کی بیوی نے دودھ پلایا۔ اسی طرح خالد کی بیوی نے خلیفہ وقت السفاح کی لڑکی کو دودھ پلایا۔ خالد کے فرزند یحییٰ نے ہارون الرشید کو تعلیم دی۔ ہارون الرشید سریر آرائے سلطنت ہوتے ہوئے بھی اپنے سابق استاد و محسن کو ابا کہہ کر پکارتا تھا۔ یحییٰ کے بیٹے فضل، جعفر، محمد، موسیٰ...... ایک سے ایک بڑھ کر لائق اور فیاض تھے۔ عرصہ تک زمام حکومت انہیں لوگوں کے خاندان میں تھی۔ یہ لوگ حد سے زیادہ سخی تھے۔ تمام بلاد اسلام میں ان کی سخاوت سے فائدہ اُٹھانے والے پھیلے ہوئے تھے۔ برمکیوں کو عباسی دورِ حکومت میں وہ عروج حاصل ہوا جو بہت کم وزراء کو نصیب ہوا مگر اس اقتدار کے بعد جو زوال نصیب ہوا وہ بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ 803ء میں جعفر بن یحییٰ پر ناگہانی عتاب نازل ہوا اور اسے کسی نامعلوم جرم کی پاداش میں موت کا حکم سنایا گیا۔ اس کے بھائی اور باپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اور باقی برمکیوں کو چن چن کر تہ تیغ کر دیا گیا۔ مؤرخوں نے اس خاندان کے زوال کی مختلف وجوہ پیش کی ہیں۔ جن میں سے بعض مذہبی اور سیاسی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ مگر اس کی وجوہ کچھ ذاتی اور انفرادی بھی تھیں جو پردہ راز میں رہیں۔ کیونکہ بعض مؤرخین کے قول کے مطابق ہارون الرشید نے ایک دفعہ طیش میں آ کر کہا تھا کہ اگر میرے کرتے کو بھی پتا ہو کہ میں نے برمکیوں کو کیوں قتل کیا تو میں اسے پھاڑ ڈالوں گا۔

اسی زمانہ میں عبدالرحمٰن الداخل اندلس کے حکمران نے انتقال کیا۔

تقسیم سلطنت:

ہارون نے اپنے دو بیٹوں امین اور مامون میں سلطنت تقسیم کی۔ شرقی حصہ جس میں کرمان، نہاوند قم، کاشان، اصفہان، رے کومس، طبرستان، خراسان، زابل، کابل، ہندوستان، ماوراءالنہر اور ترکستان تھے، مامون کو دیا اور مرو کو اُس کا تخت گاہ قرار دیا۔ بغداد، واسط، بصرہ، کوفہ، شامات، عراق، موصل، جزیرہ حجاز، مصر انتہائے مغرب تک امین کو دے کر وصیت کی کہ میرے مرنے پر امین بغداد میں اور مامون مرو میں سریر آرائے سلطنت ہوں اور آپس میں ہرگز نہ لڑیں۔ لڑکوں سے اس تقسیم پر حلف لیا اور نوشتہ کو مزید اہتمام کے لئے درِ کعبہ پر لٹکا دیا۔ ہارون الرشید نے بڑے اہتمام سے اور حرمین میں بہت روپیہ خرچ کیا۔

وفات:

کئی سال کے تک خراج کی ادائیگی کے بعد 802ء میں نائسی فورس نے خراج کی ادائیگی سے انکار کرتے ہوئے جنگ کا اعلان کیا۔ ہارون ایک عظیم فوج لیکر نائسی فورس کے مقابلے پر آیا اور بحیرہ اسود کے کنارے شہر ہراکلیا کا محاصرہ کر کے نائسی فورس کو دوبارہ خراج کی ادائیگی پر رضامند کیا۔ لیکن خلیفہ کے بغداد پہنچتے ہی وہ ایک مرتبہ پھر مکر گیا۔

Marfat.com

ن 15 ہزار افراد کے ساتھ ایشیائے کوچک پر ایک مرتبہ پھر حملہ آور ہوا جبکہ رومیوں کی تعداد ایک لاکھ 25 ہزار تھی لیکن ن نے اسے زبردست شکست دی اور نائسیفورس زخمی ہوا اور اس کے 40 ہزار فوجی مارے گئے۔ خراج کی ادائیگی پر امندی کے اظہار کے باوجود رومی بادشاہ ایک مرتبہ پھر مکر گیا جس پر ہارون رشید نے اس کے قتل کا حکم جاری کیا اور ایک بہ پھر رومی سلطنت پر چڑھائی کی لیکن اسی وقت سلطنت عباسیہ کے ایک شہر میں بغاوت شروع ہوگئی جسے کچلنے کے لئے وہ جانب روانہ ہوا لیکن بیماری کے باعث 193ھ میں انتقال کر گیا۔ اسے طوس میں دفنایا گیا۔

ون رشید عیسوی سنین کے آئینے میں:

7: ہارون کی پیدائش۔

7: ہارون کی زیر قیادت بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ۔

7: ہارون کی زیر قیادت بازنطینی سلطنت کے خلاف ایک اور جنگ جس میں مسلم افواج آبنائے باسفورس تک پہنچ گئیں م معاہدہ امن طے پایا۔ ہارون کو الرشید کے خطاب سے نوازا گیا اور وہ خلافت کے لئے دوسرا امیدوار قرار دیا گیا۔

وہ ازیں اسے تیونس، مصر، شام، آرمینیہ اور آذربائیجان کا گورنر بھی مقرر کیا گیا۔

ستمبر 786: ہارون کے بھائی الہادی کی پراسرار موت۔ ہارون کو خلیفہ قرار دیا گیا۔

7: ہارون کی بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ۔

8: ہارون نے تیونس میں ابراہیم ابن الاغلب کو نیم خود مختار گورنر مقرر کر دیا۔

8: یحییٰ کا انتقال، ہارون کو مزید کئی اختیارات مل گئے۔

8: ہارون کی افواج نے قبرص پر قبضہ کر لیا۔

8: سلطنت کے مشرقی حصے میں سفر کے دوران انتقال، الامین نے خلافت سنبھالی۔

خلافت امین الرشید

محمد امین بن ہارون رشید اپنے باپ کی وفات کے بعد 193ھ میں تخت نشین ہوا اور وہاں عبداللہ مامون مرو میں کمران ہوا۔ ہارون رشید کی ایک وصیت یہ بھی تھی کہ ایک بھائی کے مرنے پر دوسرا بھائی کل بلاد اسلام پر قابض ہو۔ امین پنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد کرنا چاہتا تھا اور اس لئے باپ کی وصیت کا خیال دل سے محو کر کے اُس نے مامون کو قتل کا ارادہ کیا ور حیلہ سے اُس کے بلانے کو قاصد بھیجا۔ فضل ابن سہل ایک بڑے عالم اور مدبر شخص کی صلاح پر عمل کر کے مامون نے آنے سے انکار کیا تو امین نے مامون کی گرفتاری کے لئے علی ابن موسیٰ کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ مرو کی طرف بھیجا۔ امون کی طرف سے طاہر مقابلہ کے لئے روانہ کیا گیا۔ طاہر نے علی کو ہزیمت دی اور بغداد کی طرف بڑھا۔

امین بڑا نازک اندام اور لہو ولعب کا شائق تھا۔ شراب بہت پیتا تھا اور عیش میں بسر کرتا تھا۔ علی کے مارے جانے کی خبر امین کے پاس اُس وقت آئی کہ وہ مچھلی کا شکار کھیل رہا تھا۔ قاصد سے امین بولا، ٹھہرو۔ کوثر نے دو مچھلیاں پھنسائیں اور میں نے ابھی تک ایک بھی نہیں۔ مچھلی نہ پھنسنے کا اُسے افسوس تھا لیکن اپنی فوج کی شکست کا کچھ غم نہیں ہوا۔ امون کی فوج نے بغداد کا محاصرہ کیا۔ بغداد فتح کیا گیا اور امین کا سر مامون کے پاس روانہ کیا گیا۔ امین کا زمانہ خلافت 4 سال 8 ماہ ہے۔

خلافت مامون الرشید

عبداللہ مامون الرشید ربیع الاول 107ھ (675) میں پیدا ہوا۔ اُس کی ولادت کی رات بھی عجیب تھی۔ جس میں ایک خلیفہ ہادی نے وفات پائی۔ دوسرا ہارون الرشید تخت نشین ہوا اور تیسرا مامون عالم وجود میں آیا۔ خلیفہ مہدی وصیت کی تھی کہ میرے بعد ہادی تخت نشین ہو اور اس کے بعد ہارون۔ ہادی نے بدنیتی سے ہارون کو محروم کرنا چاہا مگر موت نے اس کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ مامون کی ماں ایک کنیز تھی جس کا نام مراجل تھا اور بادغیس (ہرات کا ایک ضلع) میں پیدا ہوئی تھی۔ علی ابن عیسیٰ گورنر خراسان نے اس کو ہارون کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ مراجل مامون کی پیدائش کے دو چار روز بعد انتقال کر گئی اور مامون کو مادر مہربانؒ کے دامن شفقت میں پلنا نصیب نہ ہوا۔ پانچ برس کی عمر میں مامون کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے شروع ہوئی۔ کسائی نحوی اور یزیدی قرآن پڑھانے کے لیے مقرر ہوئے۔ ہارون نے خلفا کے دستور کے مطابق مامون کو 182ھ (798ء) جعفر برمکی کے حوالے کیا جس سے مامون کی قابلیت اور لیاقت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ یزیدی کا بیٹا محمد بھی جو نہایت متبحر اور شاعر تھا مامون کی تربیت پر مامور تھا۔

مامون کو مؤرخوں نے حافظ القرآن لکھا ہے۔ (خلفا میں صرف حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ اور مامون الرشید حافظ القرآن گزرے ہیں۔ بحوالہ سیوطی) قرآن مجید ختم کرنے کے بعد مامون نے نحو و ادب پڑھنا شروع کیا اور مہارت حاصل کی کہ جب کسائی نے ایک موقع پر امتحان لیا اور نحو کے متعدد مسئلے پوچھے تو اس نے اس برجستگی سے سوالوں کے جواب دیے کہ خود کسائی کو تعجب ہوا اور ہارون نے جوش طرب میں سینے سے لگا لیا۔ مامون کی نسبت مؤرخین کے الفاظ یہ ہیں۔ تمام خلفائے بنی العباس میں کوئی تخت نشین دانائی، عزم، بردباری، علم، رائے، تدبیر، ہیبت، شجاعت، حوصلگی، فیاضی میں اس سے افضل نہیں گزرا۔ مامون کا ادعا کچھ بے جا نہ تھا کہ حضرت معاویہؓ کو حضرت عمرؓ بن العاص کا زور تھا، عبدالملک کو حجاج کا اور مجھ کو اپنا۔ ہارون الرشید اکثر کہا کرتا تھا کہ میں مامون میں منصور کا حزم، مہدی کی خدا پرستی، ہادی کی شان و شوکت پاتا ہوں۔ ان باتوں پر اگر اس کے عفو و انکسار، بے تکلفی، سادہ مزاجی کی صفتیں بڑھائی جائیں تو افضلیت کا دائرہ جس کو مورخین نے بنی العباس تک محدود کیا تھا، تمام سلاطین اسلام پر محیط ہو جاتا ہے۔ مامون کا اپنا قول ہے کہ مجھ کو عفو میں ایسا مزہ آتا ہے کہ اس پر ثواب ملنے کی توقع نہیں۔

خلافت:

مامون عبداللہ بن ہارون اپنے بھائی امین کے مرنے پر 198ھ میں خلیفہ ہوا اور بدستور مرو میں کچھ دنوں تک مقیم رہا۔ فضل وزیر ہوا اور لوگ فضل سے حسد کرنے لگے۔ مامون نے امام علیؑ ابن موسیٰؒ رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اُن کے بیٹے محمد کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کی۔ ابن موسیٰ رضا کو عباسیوں نے ہلاک کیا اور فضل کو اُس کے دشمنوں نے مار ڈالا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اِن دونوں امور میں خلیفہ کا اشارہ تھا۔ ابن موسیٰ رضا کے زندہ رہنے سے خلیفہ کو عباسیوں کی سرکشی کا خوف تھا اور فضل کی وجہ سے عربوں کے دل مامون سے پھر چلے تھے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ مامون کو اولاد علی کرم اللہ وجہہ سے ایک خاص اُنس تھا اور یہ خیال تھا کہ ان کے حقوق کی نگہداشت بنو عباس کے عہد میں نہ ہوئی تو افسوس ہے۔ اسی زمانے میں ابراہیم ابن مہدی عباسی نے بغداد میں لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دی۔ مامون اب بغداد میں آیا اور اُس کو اپنا دارالحکومت قرار دینا مناسب معلوم ہوا۔ مامون کے آنے پر ابراہیم چھپا۔ اور ابراہیم کے پکڑنے کا انعامی اشتہار دیا گیا

اہیم عورتوں کے لباس میں پھرتا تھا تاکہ کوئی اس کو پہچان نہ سکے۔ بالآخر پکڑا گیا۔ مامون نے اس کا قصور معاف کر دیا اپنے مصاحبین میں اس کو داخل کیا۔ مامون کے عہد میں ممالک روم کے 14 قلعہ فتح ہوئے اس کے عہد میں یونان کے م عربی میں ترجمہ کیے گئے۔ عالموں۔ درویشوں اور شاعروں کا یہ بھی قدردان تھا۔

نہ خلق قرآن:

ہارون کے بعد اگر کسی اور عباسی خلیفہ کا عہد ہارون کے دور کا مقابلہ کر سکتا ہے تو وہ مامون الرشید کا دور ہے۔ وہ ذات واطوار میں اپنے باپ کی طرح تھا بلکہ وہ ہارون سے بھی زیادہ نرم دل اور فیاض تھا۔ اس کے دور کا اہم واقعہ "فتنہ لق قرآن" ہے۔ مامون اس عقیدے کا قائل ہو گیا تھا کہ قرآن مخلوق ہے اور اس نظریے کو اس نے اسلام اور کفر کا پیمانہ بھ لیا اور علماء کو مجبور کیا کہ وہ اس نظریے کو تسلیم کریں یا پھر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ مامون کا تو جلد انتقال ہو گیا لن اس کے دو جانشینوں معتصم اور واثق کے زمانے میں خلق قرآن کے مسئلے کی وجہ سے علما خصوصاً امام احمد بن حنبل رحمت مذ علیہ پر بہت سختیاں کی گئیں۔ معتصم اور متوکل عباسیوں کے عہد عروج کے آخری دو خلفاء تھے جن کے دور کی خاص بات لطنت کی عسکری طاقت میں اضافہ تھا۔ تاہم متوکل کے بعد خلافت زوال کی جانب گامزن ہو گئی اور ان کی وسیع وعریض لطنت کی حدود کم ہوتی چلی گئیں۔ ساڑھے بیس سال سلطنت کر کے 218ھ میں اس نے بعمر 48 سال دُنیا سے رحلت ی۔ وفات کے وقت "یا من لا یموت ارحم من یموت" (ترجمہ اے نہ مرنے والے مرنے والے پر رحم کر) اس ی زبان پر تھا۔

خلافت معتصم باللہ

المعتصم باللہ ابو محمد اسحاق ابن ہارون رشید اپنے بھائی مامون الرشید کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ مامون کے بیٹے عباس نے بھی خوشی سے اپنے چچا کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس نے بغداد کی سکونت چھوڑ کر قاطون کے قریب سر من رائے نام ایک شہر بسایا۔ (جو کثرت استعمال سے سامرہ ہو گیا) اور اُسی میں وہ زیادہ رہتا تھا لیکن بغداد برابر دارالخلافت بنا رہا۔ بابک نام کا ایک زبردست شخص اس کے عہد میں بغاوت کے الزام میں قتل ہوا۔ فتوحات اسلامی کو اس کے عہد میں بھی ترقی ہوئی۔ ہندوستان سے بھی کسی راجہ نے اس کی خدمت میں تحفے بھیجے تھے۔ جن میں ایک بڑا ہاتھی تھا۔ معتصم ایک شجاع اور باہمت شخص تھا۔

معتصم باللہ کے بعد جتنے خلفا ہیں اُن کا تذکرہ سلاطین ہمعصر کے ساتھ دوسرے مقامات پر کیا جائے گا یہاں بالاختصار اُن کے حالات درج ہوتے ہیں۔

واثق باللہ بن معتصم 227ھ:

اس نے 5 سال تک خلافت کی۔ یہ علما اور مساوات کی بڑی خاطر کرتا تھا۔ سخاوت نے اسے ہر دل عزیز بنا رکھا تھا۔

متوکل باللہ بن معتصم 232ھ:

اس نے 14 سال تک حکومت کی۔ یہ خلیفہ متعصب تھا اور نشہ شراب میں بڑی خفیف حرکات کرتا تھا پھر بھی رعایا اس سے خوش تھی۔ ترکی خادموں نے اس کے بیٹے مستنصر کے اشارے پر اسے قتل کر دیا۔

Marfat.com

مستنصر باللہ بن متوکل 247ھ:

اس نے صرف 6 ماہ حکومت کی۔ لوگ اس سے ناراض رہے۔ سرسام میں وفات پائی اور بعضوں نے لکھا ہے ترکوں نے کچھ زہر کا اثر فصد کے ذریعہ سے اس کے بدن میں پہنچا دیا تھا۔ ان خلفا کے عہد میں ترک بہت زیادہ داخل ہو گئے تھے۔

مستعین باللہ بن مستنصر باللہ 247ھ:

اس نے 3 برس 9 ماہ حکومت کی اور اسے اراکین دربار نے جو اکثر ترک تھے تخت پر بٹھایا، اس کے چچا معتضد نے اسے قتل کرایا۔

معتز باللہ بن متوکل 251ھ:

اس نے 3 برس 6 ماہ حکومت کی۔ اس کو اراکین دولت نے جن میں اکثر ترک تھے تخت سے اتار کر قید کیا اور مہتدی باللہ کو تخت پر بٹھایا۔

مہتدی باللہ بن واثق 255ھ:

اس نے صرف ایک سال حکومت کی۔ یہ بالکل عمرؓ بن عبدالعزیز کا پیرو تھا۔ ان کے تخت پر بیٹھنے سے خلافت کا رنگ بالکل بدل گیا۔ زمانہ پرشور تھا۔ ایسے خلیفہ کی قدر کون کرتا۔ لوگوں نے اسے مار ڈالا۔

معتمد باللہ بن متوکل 256ھ:

اس نے ایک سال حکومت کی۔ سلطنت بالکل اس کے وزیر کے ہاتھ میں تھی۔ اسے عیش و عشرت سے فرصت نہ تھی۔ یہ طبعی موت سے وفات پا گیا۔

معتضد باللہ بن متوکل 179ھ:

اس نے 9 سال 9 ماہ تک حکومت کی۔ یہ خلیفہ شجاع اور کفایت شعار تھا۔

مکتفی باللہ بن معتضد 289ھ:

اس نے 6 سال 6 ماہ تک حکومت کی۔ یہ مال جمع کرنے پر اپنے باپ کی طرح بے حد حریص تھا۔

مقتدر باللہ بن معتضد 295ھ:

اس نے 24 سال 11 ماہ تک حکومت کی۔ نہایت فضول خرچ خلیفہ تھا۔ لوگوں نے تخت سے اتارنے کی غرض سے اسے قتل کیا۔

قاہر باللہ بن معتضد 319ھ:

اس نے ایک سال 6 ماہ تک حکومت کی۔ یہی بڑا ظالم خلیفہ تھا۔ اس کو لوگوں نے اندھا کر کے تخت سے اُتار دیا۔

راضی باللہ بن مقتدر 321ھ:

اس نے 6 سال 10 ماہ تک حکومت کی۔ آخری دور میں قاہر باللہ پر یہ مہربان ہوا لیکن قاہر نے اسے پھر خفا کر دیا۔

Marfat.com

متقی باللہ بن مقتدر 329ھ:

اس نے 3 سال 11 ماہ تک حکومت کی۔ اس کی آنکھ میں سلائی پھیری گئی اور یہ تخت سے اتار دیا گیا۔ مقتدر سے متقی تک ترکی امرا کے ہاتھ میں زمام سلطنت تھی اور پھر ترکی امرا کو نکال کر دیالمہ نے زور پکڑا۔ قادر کی تخت نشینی تک دیالمہ کا زور تھا۔ پھر وہ جاتا رہا۔

مستکفی باللہ بن مکتفی باللہ 333ھ:

اس نے 3 ماہ تک حکومت کی۔ اس کی آنکھ میں بھی سلائی پھیری گئی اور تخت سے اُتارا گیا۔

مطیع باللہ بن مقتدر 334ھ:

اس نے 29 سال 5 ماہ تک حکومت کی۔ یہ خلیفہ کٹھ پتلی کی طرح وزیروں کے ہاتھ میں تھا اور اسی لیے اتنے روز تک رہنے بھی پایا تھا۔ فالج کے عارضہ میں مبتلا ہونے سے یہ خلافت سے علیحدہ ہو گیا۔

طائع باللہ بن مطیع باللہ 363ھ:

اس نے 17 سال 9 ماہ تک حکومت کی۔ اسے بہاء الدولہ نے تخت سے اتار کر قادر باللہ کو بٹھایا۔

قادر باللہ بن اسحٰق بن مقتدر 382ھ:

اس نے 41 سال 3 ماہ تک حکومت کی۔ یہ خلیفہ متقی اور پرہیز گار تھا اس کی صفت یہ بھی تھی کہ اپنے جانشین سابق طائع کو اس نے اپنا مصاحب بنایا اس کو کچھ ایذا نہیں دی اس کے عہد میں دیالمہ کا جو خلیفہ کو کھیل سمجھتے تھے زور جاتا رہا اور اس نے عباسیہ خاندان کو گویا نئے سر سے زندگی دی۔

قائم بامر باللہ بن قادر باللہ 422ھ:

اس نے 44 سال 8 ماہ حکومت کی۔ اس کے عہد میں بڑے بڑے انقلاب ہوئے دیالمہ کا خاندان بالکل تباہ ہوا جس سے خلافت میں طاقت آئی۔ طغرل بیگ سلجوقی کو عروج ہوا لیکن وہ خلافت کا مٹانا پسند نہیں کرتا تھا۔ مستنصر باللہ علوی کی مدد سے بساسیری نے اس خلیفہ کو مغلوب کر کے قید کر لیا اور سال بھر تک بغداد میں مستنصر کا خطبہ پڑھا گیا۔ طغرل نے آ کر علویوں کو بھگایا اور نہایت تعظیم سے اس کو تخت خلافت پر بٹھایا۔

مقتدی باللہ بن قائم بامر باللہ 467ھ:

اس نے 19 سال 5 ماہ حکومت کی۔ دختر ملک شاہ سلجوقی سے اس نے نکاح کیا اور بڑا جشن کیا۔ شرع کا یہ بڑا پابند تھا۔

مستظہر باللہ بن مقتدی باللہ 487ھ:

اس نے 25 سال حکومت کی۔ برکیارق بن ملک شاہ سلجوقی نے بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

مسترشد باللہ بن مستظہر 512ھ:

اس نے 17 سال حکومت کی۔ سلطان مسعود سلجوقی پر اس نے لوگوں کی ترغیب سے چڑھائی کی۔ لڑائی میں ہزیمت

Marfat.com

ہوئی اور یہ گرفتار ہوا اس نے سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔ اس کی رہائی ہونے کو تھی کہ لوگوں نے سلطان مسعود کی لاعلمی میں اسے مار ڈالا۔

راشد باللہ بن مسترشد باللہ 529ھ:

اس نے یک سال حکومت کی۔ مسترشد کے مرنے کی خبر بغداد میں آئی تو اُس کا بیٹا راشد تخت پر بیٹھا۔

مقتفی باللہ بن مستظہر باللہ 530ھ:

اس نے 24 سال 3 ماہ حکومت کی۔ یہ خلیفہ عادل، نیک اور بیدار مغز تھا۔ دیالمہ کے وقت سے اب تک اور کوئی خلیفہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے خاندان عباسیہ کو رونق دی۔

مستنجد باللہ بن مقتفی باللہ 555ھ:

اس نے 11 سال 1 ماہ حکومت کی، بڑا سمجھ دار خلیفہ تھا۔

مستضی بامر اللہ بن مستنجد باللہ 566ھ:

اس نے 9 سال 8 ماہ حکومت کی۔ یہ خلیفہ بڑا سخی اور عادل تھا۔

ناصر الدین باللہ بن مستضی بامر اللہ 575ھ:

اس نے 46 سال 1 یوم حکومت کی۔ مزاج کا سخت اور بیدار مغز خلیفہ تھا۔ سلطان محمد شاہ خوارزم نے بغداد پر چڑھائی کی اور اولاد حضرت حسینؓ سے سید علاء الدین کو تخت پر بٹھانا چاہا۔ مگر فوج برف باری سے تباہ ہوئی اور وہ واپس ہوا اور اُس کے بعد ہی چنگیز خان کے حملے شروع ہوئے اور خوارزم شاہیوں کی بیخ کنی ہوگئی۔

ظاہر باللہ بن ناصر الدین باللہ 622ھ:

اس نے 9 ماہ 14 یوم حکومت کی۔ بڑا رحیم المزاج اور نیک نیت خلیفہ تھا۔

مستنصر باللہ بن ظاہر باللہ 623ھ:

مستنصر باللہ عہد عباسیہ کے آخری خلفاء میں سے ایک تھا جس نے 1226ء سے 1242ء تک خود مختار ریاست پر حکومت کی۔ وہ آخری دور کے عباسی خلفاء میں سب سے زیادہ نیک نام اور مشہور ہے۔ اس نے اپنے باپ الظاہر کے بعد حکومت سنبھالی اور اس کا دورِ حکومت عباسیوں کے آخری دور کا عہدِ زریں ہے۔ اس کے عہد میں بکثرت مساجد، خانقاہیں، مسافر خانے، سرائے اور شفا خانے تعمیر کیے گئے۔ اس نے بغداد میں ایک ایسا مدرسہ بنایا جس کے آگے نظام الملک طوسی کا مدرسہ نظامیہ بھی ماند پڑ گیا۔ اس مدرسے کا نام خلیفہ کے نام پر مدرسہ مستنصریہ تھا۔ اس مدرسے کی عمارت سات سال میں مکمل ہوئی۔ مدرسے کا کتب خانہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے لیے 60 اونٹوں پر کتابیں لد کر آئیں۔ جب مدرسہ کھلا تو اس میں ڈھائی سو طالب علم داخل ہوئے۔ مدرسے کی خاص بات یہاں تمام اشیاء اور ہر طالبعلم کو ماہانہ وظیفے کی فراہمی تھی۔ مدرسہ میں ایک شفا خانہ اور ایک عمدہ حمام بھی تھا۔ اس مدرسے کی عمارت شکستہ حالت میں آج بھی بغداد میں موجود ہے۔ مستنصر نے رفاہ عام کے ان کاموں کے علاوہ سلطنت کو بھی بڑا مضبوط کیا۔ اس کا زمانہ بڑا نازک تھا۔ چنگیز

Marfat.com

...لی تاتاری افواج ایران اور ماوراء النہر کو تباہ کر چکی تھیں اور اس کی سرحد عباسی خلافت سے مل گئی تھی۔ مستنصر نے اس ...ے کی روک تھام کے لیے ایک لاکھ سوار فوج تیار کی۔ پیادہ فوج اس کے علاوہ تھے۔ اس کے بعد مستعصم باللہ نے ...ت سنبھالی جو عباسی خلافت کا آخری فرمانروا تھا۔ اس نے 16 سال 2 ماہ 7 یوم حکومت کی۔ باپ کی طرح یہ بھی خیر و ... کا خلیفہ تھا نیک نیت اور سخی تھا۔ علمی مدرسہ میں اس کی ذات سے بڑی رونق تھی۔

...عصم باللہ بن مستنصر باللہ 640ھ:

ابو احمد المستعصم باللہ عبد اللہ بن منصور المستنصر (1213-1258) اس نے 16 سال حکومت کی۔ حضرت عباسؓ ...35ویں پشت میں تھا اور عباسیوں کا تینتیسواں خلیفہ تھا۔ ان کا سولہ سالہ دور خلافت زیادہ تر عیش و عشرت اور غفلت ...زرا۔ انہیں منگول یلغار اور ان کے ہاتھوں اسلام کی بیخ کنی کا بالکل ادراک نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ ان کا وزیر ابن العلقمی ...کے پہلو میں بیٹھ کر منگولوں سے خط و کتابت کرتا رہا اور انھیں بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دیتا رہا۔ 656ھ میں ہلاکو ...نے رکن الدین خورشاہ اسمٰعیلی کو شکست دے کر بغداد پر چڑھائی کی۔ یہ آخری عباسی خلیفہ تھا جن کے دور میں منگول ...بغداد پر حملہ آور ہوئے اور اسے تباہ و برباد کیا۔ اس کے لڑکوں اور ہزاروں عباسیوں کے قتل کیا اور اسے قالین میں ...کر گھوڑوں کی سموں سے ہلاک کیا گیا کیونکہ توہم پرست منگولوں کو باور کرایا گیا تھا کہ اگر خلیفہ کا خون دوران ہلاکت ...پر گرا تو رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا۔ اس کے ساتھ خلفائے عباسیہ کا خاتمہ میں ہو گیا۔ یہ بڑا سخت واقعہ تھا لیکن خلفا ...لمت سلاطین ترکی کے عروج تک مصر میں قائم تھی۔

...اوّل:

132ھ سے 247ھ تک یعنی ابوالعباس السفاح سے متوکل تک، جس میں 10 حکمران برسر اقتدار رہے۔ یہ ...ان غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ابو جعفر، مہدی، ہارون اور مامون جیسے عظیم و باصلاحیت حکمران اسی پہلے دور ...وابستہ تھے۔ اس دور میں تہذیب و ثقافت، علم و ادب اور صنعت و حرفت کی ترقی عروج پر رہی بلکہ اس کی ترقی دنیا کے ...ایک مثال بن گئی۔ دوسرا پہلو اس دور میں عجمی عنصر کا عروج تھا۔ عربوں کے مقابلے میں عجمیوں نے اثر و رسوخ حاصل ...۔ اس دور کے آخری خلفا نے عجمیوں کے بارے میں اپنی پالیسی بدل دی اور ترکوں کو عروج دیا۔ یہ پہلا دور ایک صدی ...رہا۔

...رثانی:

یہ 247ھ سے شروع ہو کر 447ھ تک دو صدیوں کا دور ہے۔ خلیفہ مستنصر سے لے کر قادر باللہ تک یہ عرصہ ...فت عباسیہ کے دوسرے دور میں شمار کیا جاتا ہے جو زوال کا دور ہے، خلافت کمزور پڑ گئی۔ سلطنت کے اختیارات ترکوں ...ر پھر امیر الامراء کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ ہر کام حتیٰ کہ خلفا کی نامزدگی بھی انہی کی مرضی سے ہوتی بلکہ وہ اپنی مرضی ...ے مطابق خلفا کو تخت پر بٹھانے اور اتارنے بھی لگے۔ اس دور میں آل بویہ نے عروج حاصل کیا اور ترکوں کی جگہ لی۔ قادر ...لد کے عہد میں سلجوقیوں نے قدم بڑھائے اور بغداد میں آل بویہ کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا گئی دیگر خود مختار ریاستیں مثلاً ...امانی اور صفاری قائم ہیں جنہوں نے سلطنت میں دراڑیں پیدا کر کے اسے کمزور کر دیا۔

دورِ ثالث:

تیسرا دور 447ھ سے 656ھ یعنی قادر باللہ سے مستعصم (آخری حکمران) تک ہے جو سلجوقیوں کے غلبے کا دور ہے۔ خلیفہ کی تمام حیثیت ختم ہوگئی۔ یہ عہد بغداد کی مرکزیت اور سیاسی وحدت کے مکمل خاتمے کا بھی دور ہے۔ تمام اختیارات سلجوقیوں کے ہاتھوں میں تھے اور آخر کار 656ھ میں ہلاکو خان کے حملے سے عباسیوں کے آخری تاجدار مستعصم باللہ کے اقتدار کا خاتمہ کرکے عباسی خاندان کا چراغ بھی گل کر دیا گیا۔ عباسیوں کی حکومت کا خاتمہ 1258ء میں منگول فاتح ہلاکو خان کے حملے کے ذریعے ہوا۔ تاہم خلیفہ کی حیثیت سے ان کی حیثیت پھر بھی برقرار رہی اور مملوک سلطان ملک الظاہر بیبرس نے خاندان عباسیہ کے ایک شہزادے ابو القاسم احمد کے ہاتھ پر بیعت کرکے اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ اس طرح خلافت بغداد سے قاہرہ منتقل ہوگئی تاہم یہ صرف ظاہری حیثیت کی خلافت تھی، تمام اختیارات مملوک سلاطین کو حاصل تھے۔ عثمانیوں کے ہاتھوں مملوکوں کی شکست کے بعد عباسیوں کی اس ظاہری حیثیت کا بھی خاتمہ ہوگیا اور خلافت عباسیوں سے عثمانیوں میں منتقل ہوگئی۔ موجودہ عراق میں تکریت کے شمال مشرق میں رہنے والا العباسی قبیلہ اسی خاندان عباسیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

بحیثیت مجموعی ان تینوں ادوار میں سے ہر دور کی اپنی علیحدہ حیثیت ہے۔ آخری دور میں تمام تر کمزوریوں کے باوجود خلافت کا روحانی لبادہ اور خلیفہ کا مذہبی تقدس بہرحال برقرار رہا گو کہ سیاسی یکجہتی کا خاتمہ ہوگیا تھا لیکن مذہبی حیثیت موجود رہی۔ خود مختار ریاستوں کے قیام نے بغداد کی مرکزی حیثیت تو ختم کردی لیکن دنیائے اسلام کے کئی حکمران خلیفہ سے وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ اسپین کی خود مختار سلطنت سب سے پہلے منصور خلیفہ بغداد سے الگ ہوئی۔ لیکن خلفائے بعد کی فتوحات نے یہ کمی پوری کردی۔ مامون رشید کے بعد جابجا خود مختار سلطنتیں قائم ہوئیں۔

فہرست عباسی خلفاء (بغداد)

1۔ ابو العباس السفاح

2۔ ابو جعفر المنصور

3۔ محمد بن منصور المہدی

4۔ موسیٰ بن مہدی الہادی

5۔ ہارون الرشید

6۔ محمد الامین

7۔ مامون الرشید

8۔ معتصم باللہ

9۔ واثق باللہ

10۔ متوکل علی اللہ

11 مستنصر باللہ

12۔ مستعین باللہ

13۔ معتز باللہ

14۔ مہتدی باللہ

15۔ معتمد علی اللہ

16۔ معتضد باللہ

17۔ مکتفی باللہ

18۔ مقتدر باللہ

19۔ قاہر باللہ

20۔ راضی باللہ

21۔ متقی باللہ

22۔ مستکفی باللہ

23۔ مطیع باللہ

24۔ طائع باللہ

Marfat.com

25۔ قادر باللہ
26۔ قائم بامر اللہ
27۔ مقتدی بامر اللہ
28۔ مستظہر باللہ
29۔ مسترشد باللہ
30۔ راشد باللہ
31۔ مقتفی لامر اللہ
32۔ مستنجد باللہ
33۔ مستضی بامر اللہ
34۔ الناصر الدین اللہ
35۔ ظاہر بامر اللہ
36۔ مستنصر باللہ
37۔ مستعصم باللہ

ہرہ کے عباسی خلفاء

38۔ ابوالقاسم محمد مستنصر باللہ
39۔ ابوالعباس احمد حاکم بامر اللہ
40۔ ابوالربیع سلیمان مستکفی باللہ
41۔ ابواسحاق ابراہیم واثق باللہ
42۔ ابوالعباس احمد حاکم بامر اللہ ثانی
43۔ ابوبکر معتضد باللہ
44۔ ابوعبداللہ محمد متوکل علی اللہ اول
45۔ ابوحفص عمر واثق باللہ
46۔ ذکریا مستعصم باللہ
47۔ متوکل علی اللہ (دوسری مرتبہ)
48۔ ابوالفضل عباس مستعین باللہ
49۔ ابوالفتح داؤد معتضد باللہ
50۔ ابوالربیع سلیمان مستعین باللہ
51۔ ابوالبقاء حمزہ قائم بامر اللہ
52۔ ابوالمحاسن یوسف مستنجد باللہ ثانی
53۔ عبدالعزیز متوکل علی اللہ
54۔ یعقوب متمسک باللہ
55۔ محمد متوکل علی اللہ ثالث

❀❀❀❀

اندلس میں اسلام

سپین یورپ کا ایک مغربی جزیرہ نما ہے۔ ہر طرف اس کے سمندر ہے۔ صرف شمال و مشرق میں یہ ذرا فرانس سے ملا ہوا ہے۔ افریقہ شمالی کے شمالی ساحل پر جبل الطارق کے قریب یہ افریقہ سے بھی اتصال پاتا ہے۔ وہاں بیچ میں آبنائے بحر روم کے حائل ہونے سے خشکی کا راستہ نہیں ہے۔ اس جزیرہ نما کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ زمین زرخیز ہے۔ میوے ہر قسم کے ہوتے ہیں۔ شام اور عرب کے درخت بھی یہاں عربوں کے عہد میں کامیابی کے ساتھ لگائے گئے۔

اسپین کے جنوبی حصہ سے مسلمانوں کو زیادہ تعلق رہا اور اس حصہ کو اندلس کہنے لگے۔ مسلمانوں کے عہد میں اندلس میں بڑی رونق ہوئی۔ یونان اور اٹلی کے زوال کے بعد یہی ملک تمام یورپ کی جان سمجھا جاتا تھا۔ یہاں کی علمی یونیورسٹی میں تمام اہل یورپ آ کر پڑھتے تھے اور عربی زبان میں علوم اور فنون سیکھتے تھے جو علوم یونان اور روم کے برباد ہونے پر مٹ چلے تھے وہ مسلمانوں کے عہد میں یہاں زندہ رکھے گئے۔ یورپ میں عام تہذیب پھیلنے سے قبل یہاں کے مسلمان تمام علوم اور فنون کا بار اپنے سر پر لیے ہوئے گویا اس انتظار میں کھڑے تھے کہ قسام ازل کی یہ ودیعت اہل یورپ کی نذر کر کے ہم اس مقام کو خیر باد کہیں۔ مسلمانوں کا قول کہ اُنہوں نے اہل یورپ کو تہذیب سکھائی اس کا مطلب یہی ہے کہ اندلس کی یونیورسٹی میں عربوں سے اہل یورپ نے علوم اور فنون پڑھے تھے۔ مسلمانوں نے اسپین کے ساتھ کیا کیا سلوک کیا اور پھر اسپین نے مسلمانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ اس کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔ پہلے یہ ظاہر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر ساتویں صدی عیسوی میں اسپین کی تمدنی اور سیاسی حالت کیسی تھی؟

افریقہ:

رومیوں کو جب عروج تھا تب اسپین بھی اُن کے زیر حکم تھا اور جب تنزل ہوا تو ایک مسیحی قوم ویزی گاتھ اسپین پر قابض ہو گئی۔ مسلمانوں کی چڑھائی کے وقت تک اسپین میں ان کی حکومت کو دو سو برس پورے ہو چکے تھے۔ شام مصر اور افریقہ کے سواحل شمالی اور مغربی پر رومیوں کی سلطنت تھی جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا۔ لیکن اسپین والوں کو بجز اخوت مذہبی کے اور کوئی تعلق رومیوں سے نہ تھا۔ کل اسپین ایک بادشاہ کے زیر حکومت نہ تھا بلکہ کئی خودمختار ریاستوں پر وہ منقسم تھا۔ اُس کا جنوبی حصہ جو ہر امور میں زیادہ باوقعت سمجھا جاتا تھا۔ راذرق (راڈرک) کے زیر فرمان تھا جس نے شاہ ویٹزا کو تخت سے اُتار کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ اسپین کے باشندے تین حصوں میں منقسم تھے۔ اوّل اراکین دولت، دوسرے کاشتکار، تیسرے ان دونوں کی درمیانی جماعت جسے زمیندار کے لفظ سے بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ کاشتکاروں کی حیثیت غلاموں سے کہیں بدتر تھی۔ کاشت کاروں سے زمیندار فی الجملہ اچھے تھے۔ لیکن اراکین دولت کے عیش و نشاط کے خرچ بہم پہنچانے کا سارا بار ان کی گردن پر تھا۔ غرض کہ ملک کی حالت ایسی ردی تھی کہ ایک کو دوسرے سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ اس حالت کو اندلس ہی کے ساتھ تخصیص نہ تھی۔ یہی بلا فارسیوں اور رومیوں کے ملکوں میں بھی نازل تھی۔ رعایا پر ظلم و

دی کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ قدرت نے عربوں کو بے کسوں کی دستگیری کے لئے جس طرح ہر جگہ پہنچایا اُسی طرح اسپین بھی اُنہیں داخل کیا۔

اندلس شمالی افریقہ کے بالکل سامنے یورپ کے جنوب مغربی کنارے پر ایک حسین وجمیل جزیرہ نما ہے۔ آج کل میں پرتگال اور سپین دو ممالک واقع ہیں۔ کسی زمانے میں یہ ملک مغربی دنیا کے عظیم ترین ممالک میں شمار ہوتا تھا۔ لمانوں کی فتح سے پہلے یہاں کی حکومت سلطنت روم کی ہمسر تھی۔ مسلمانوں کے دور میں یہ پورے یورپ کے لیے نی کا مینار تھا۔ فتح سندھ کی طرح اس حسین وجمیل خطہ زمین پر بھی ولید بن عبدالملک کے زمانے میں قبضہ کیا گیا۔ اس فتح سہرا طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کے سر ہے۔ جب کوئی معاشرہ گل سڑ جاتا ہے، اس کے عوام بدحال، درمیانہ طبقہ یشان حال اور اونچا طبقہ ظالم وعیاش ہو جاتا ہے تو قانون فطرت ہے کہ اس معاشرے میں انقلاب لانے کے لیے نچلا نہ باغی ہو جاتا ہے۔ یا اس پر کوئی بیرونی قوم مسلط ہو جاتی ہے۔ آٹھویں صدی کے آغاز میں اندلس کی بھی یہی حالت ی۔ غلام تو تھے ہی غلام، مزارعین کی حالت بھی ان سے کسی طرح بہتر نہ تھی۔ زمین پر پوری محنت کے باوجود انہیں سکھ کی ئی نصیب نہ تھی اور نہ ہی زمین ان کی ضروریات پوری کرتی تھی۔ وہ اپنے بچوں کی شادی بھی امراء اور زمینداروں سے چھے بغیر نہ کر سکتے تھے اور اگر جاگیر کے کسان کی شادی دوسری جاگیر کے کسی مزارع کی لڑکی سے ہو جائے تو اولاد دونوں گیرداروں میں تقسیم کر دی جاتی۔ درمیانہ طبقہ ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا اور وہ معاشی طور پر دیوالیہ اور ذہنی طور پر یشان ہو کر رہ گیا تھا۔ اونچا طبقہ جس پر ٹیکس معاف تھے اور وہ زمین کا مالک تھا دو قسم کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ فوجی امراء اور ری، عموماً معیاری زندگی اور مزارعین پر ظلم کرنے کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ عیش وعشرت اور بداخلاقی میں ی مذہبی امراء فوجی امراء سے کسی طرح کم نہ تھے۔ اس طرح معاشرے پر کسی بیرونی قوت کا حملہ کرنا قانون فطرت کے ن مطابق ہے اور ہر حملہ آور سمجھتا ہے کہ ایسے ملک کو فتح کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ نیز مسلمانوں کا مقصد زندگی بھی اسی چیز متقاضی ہے کہ اللہ کے بندوں کو خدا کے علاوہ دوسروں کی غلامی سے نجات دلائی جائے۔ گوتھوں کی بادشاہت انتخابی ی۔ بادشاہت کے امیدواروں کی تعداد کافی ہوتی تھی۔ اور بادشاہ کے انتخاب کے بعد بھی باہمی رنجشیں برقرار تھیں۔ لامی حملہ سے چند سال پہلے سپین پر ویٹ یزا کی حکومت تھی۔ جو یہودیوں کا بہی خواہ، غریبوں کا معاون اور شرافت کا ی تھا۔ اس وجہ سے فوجی امراء نے اس کے خلاف بغاوت کر کے فوج کے زور سے راڈرک RODERICK کو شاہ بنا ڈالا اور ویٹزا کو قتل کر دیا۔ لیکن بہت سے امراء اور ویٹزا کے رشتہ دار اس نئے بادشاہ کے مخالف تھے اور اس کا تختہ لٹنے کے کسی بھی منصوبے میں تعاون کے لیے تیار تھے۔ مسلمانوں نے اس سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

اؤنٹ جولین کا پس منظر:

بربر قوم حریت پسند اور جنگ جو تھی۔ اس قوم نے بڑی مشکل سے عربوں کی اطاعت قبول کی تھی۔ غالباً اسلامی حات میں سب سے زیادہ مشکل شمالی افریقہ ہی کی فتوحات تھیں۔ وہ بار بار مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہتے تھے۔ وہ اب مسلمان ہو چکے تھے۔ اس لیے عرب گورنر موسیٰ بن نصیر نے ان کی جنگی صلاحیتوں کو کسی دوسری طرف ستعال کرنے کا فیصلہ کیا تھا تا کہ ان کو مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کا موقع نہ مل سکے۔ اس مقصد کے لیے اندلس کی بہترین منصوبہ تھا کیونکہ قدیم زمانہ سے ہی بربروں اور اندلس کے درمیان جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ بالعموم بربروں کا حملہ ہ پر ہوتا تھا جسے اندلس حکومت نے اب بہت مضبوط بنا ڈالا تھا۔ اندلس کی فتح کا فوری سبب یہ ثابت ہوا کہ سبتہ کا

Marfat.com

حکمران کاؤنٹ جولین جس نے دو مرتبہ مسلمانوں کے حملے کو ناکام بنا دیا تھا خود موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُسے اندلس پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اندلس میں رواج تھا کہ امراء کی لڑکیاں شاہی محل میں ملکہ کی خدمت گاروں کے ساتھ تعلیم و تربیت پاتی تھیں۔ جولین کی لڑکی فلورنڈا بھی راڈرک کے محل میں تھی۔ فلورنڈا بہت خوبصورت تھی۔ اس وجہ سے راڈرک نے اخلاق و اعتماد کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کر کے اس کی عصمت دری کی۔ فلورنڈا نے اس بات کی اطلاع اپنے والد کو بھیجی تو وہ دارالحکومت پہنچا۔ اس نے اپنے جذبات کو بادشاہ پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ اور صرف یہ درخواست کی کہ فلورنڈا کی ماں بستر مرگ پر ہے اس لیے اسے واپس جانے کی اجازت دے دی جائے۔ راڈرک نے جولین کی بہت عزت افزائی کی اس کو بہت سے اعزازات سے نوازا۔ نیز بربروں کے حملے کے بارے میں اس سے مشورے کیے۔ اس کے کہنے کے مطابق ملک کی منتخب فوج اس کے ساتھ بھیج دی اور رخصت کرتے وقت اس سے فرمائش کی کہ شکار کے لیے عمدہ باز بھیجے جائیں۔ جولین نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔ ''اس مرتبہ میں ایسے باز بھیجوں گا کہ آپ نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔'' کاؤنٹ جولین دارالحکومت سے واپس لوٹا تو خود موسیٰ کے پاس گیا۔ موسیٰ نے اس کی عزت و تکریم کی۔ جولین نے سپین کی زرخیزی کے حالات بتائے اور اس پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ موسیٰ نے سوچ بچار کے لیے کچھ وقت طلب کیا اور اس دوران میں خلیفہ ولید بن عبدالملک سے اجازت طلب کی۔ اس کے بعد کاؤنٹ جولین کے ساتھ معاہدہ کیا گیا۔ جولین سابقہ بادشاہ ویٹزا کا قریبی رشتہ دار غالباً داماد تھا۔ اس لئے اس نے ویٹزا کے دوسرے رشتہ داروں کو بھی معاہدہ میں شامل کر لیا اور اندلس کی فتح کا منصوبہ تیار کر لیا گیا۔

طارق بن زیاد کے حملے:

طارق بن زیاد (انتقال 720ء) بربر نسل سے تعلق رکھنے والے مسلمان اور بنو امیہ کے جرنیل تھے جنہوں نے 711ء میں ہسپانیہ (اسپین) میں عیسائی حکومت کا خاتمہ کر کے یورپ میں مسلم اقتدار کا آغاز کیا۔ وہ ہسپانوی تاریخ میں TuertoelTaric کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ انہیں اسپین کی تاریخ کے اہم ترین عسکری رہنماؤں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ شروع میں وہ اموی صوبہ افریقیا کے گورنر موسیٰ بن نصیر کے نائب تھے جس نے ہسپانیہ میں وزیگوتھ بادشاہ کے مظالم سے تنگ عوام کے مطالبے پر طارق کو ہسپانیہ پر چڑھائی کا حکم دیا۔ افریقہ کے شمالی ساحل پر قلعہ سوٹا میں قریب اسپین کے رومیوں کا گورنر رہتا تھا۔ جب مسلمانوں کے حملوں سے رومی خود اپنی بلا میں مبتلا ہو گئے تو انہیں اتنی دور قلعہ کی محافظت مشکل معلوم ہوئی اور اس لئے قلعہ سوٹا کی حفاظت رازرق کے تعلق کر دی گئی۔ مسلمان بربر تک پہنچے تھے اسپین کے خواہشمند تھے کہ اسی اثناء میں رازرق شاہ اسپین اور جولین گورنر سوٹا میں بدمزگی ہوئی۔ اس بے لطفی سے مسلمانوں نے فائدہ اُٹھایا۔ عربی اور بربری فوج کا ایک سپہ سالار طارق تھوڑی فوج لے کر 710ء میں جنوبی اسپین کے بحری بیڑے سے اترا اور کچھ مختصر مال غنیمت کے ساتھ واپس گیا۔ جس ساحل پر یہ سپہ سالار جہاز سے اُترا تھا وہ اس کے نام سے طارقیہ یا ٹورکٹ موسوم ہوا۔

طریف کی مہم:

خلیفہ ولید نے احتیاط سے اقدام کرنے کی ہدایت کی تھی اس لیے موسیٰ بن نصیر نے پہلے صرف پانچ سو سواروں پر مشتمل ایک چھاپہ مار دستہ تیار کیا اور اپنے ایک بربر غلام طریف کو اس کا سربراہ بنا کر سپین کے ساحل پر چھاپہ مارنے

Marfat.com

لیے روانہ کیا۔ یہ دستہ جولائی 710ھ میں الخضر اُپر حملہ آور ہوا اور فتح مند اور کامران واپس لوٹا؛ اس حملہ سے سپین کی داخلی کمزوری، فوجیوں کی بزدلی اور نظام عسکری کی خامیوں کا پتہ چل گیا اور کاؤنٹ جولین کے خلوص کی بھی تصدیق ہوگئی۔

موسیٰ بن نصیر نے اس کے بعد 7 ہزار سواروں پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا جس کی قیادت اپنے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد کے حوالے کی۔ یہ لشکر 9 جولائی 711ء کو اس جگہ پر پہنچا جسے جبل الطارق کہا جاتا ہے۔ کاؤنٹ جولین اس کے ساتھ تھا۔ اندلس پہنچنے کے لیے بحری بیڑہ اسی نے مہیا کیا تھا۔ طارق نے ساحل اندلس پر اترتے ہی ان جہازوں کو آگ لگا دی جن پر سوار ہو کر وہ شمالی افریقہ سے یہاں آئے تھے۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اب مرنا جینا اس سرزمین میں ہے واپس بھاگنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ طارق کا پہلا مقابلہ تھیوڈ میر والئی مرسیہ کے ساتھ ہوا تھیوڈ میر راڈرک کا تجربہ کار جرنیل تھا لیکن وہ شکست کھا کر اس بری طرح سے بدحواس ہوا کہ اس نے بادشاہ کے پاس پہنچ کر اطلاع دی وہ یہ تھی۔

"ہمارے ملک پر ایسے لوگوں نے حملہ کیا ہے جن کا وطن معلوم ہے نہ اصلیت کہ کہاں سے آئے ہیں زمین سے نکلے یا آسمان سے اترے۔"

راڈرک کو شکست:

راڈرک نے اس اطلاع پر شمالی اسپین کی جنگوں کو ملتوی کر دیا۔ فوراً دارالحکومت پہنچا اور ہر طرف ہرکارے دوڑائے گئے۔ جاگیرداروں اور امراء کو فوجیں لے کر پہنچنے کا حکم دیا۔ پادریوں نے مذہبی جنگ کا وعظ کیا اور ایک لاکھ لشکر اکٹھا ہو گیا۔ طارق کو ان سب تیاریوں کا علم ہوا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کے پاس ہرکارے بھیجے اور اس نے مزید پانچ ہزار فوج بھیج دی۔ اس طرح سے ایک لاکھ کے اندلسی لشکر کے مقابلے میں 12 ہزار مجاہدین کی ایک جماعت تیار ہوگئی۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو عجیب منظر تھا ایک طرف ایک لاکھ ٹڈی دل جو ہر طرح کے اسلحہ سے لیس تھا۔ اور دوسری طرف صرف بارہ ہزار انسان جو اپنے وطن سے دور کمک و رسد سے مایوس تھے اور جن کے پاس دشمن کی بہ نسبت اسلحہ بھی بہت کم تھا۔ طارق بن زیاد نے اپنے ساتھیوں کے چہروں پر اس صورت حال کا ردعمل پڑھا تو اس نے ان کو خطاب کیا۔

> "اے جواں مردو! جنگ کے میدان سے اب مفروری کی کوئی صورت نہیں ہے۔ دشمن تمہارے سامنے ہے اور سمندر تمہارے پیچھے۔ صبر اور مستقل مزاجی کے علاوہ اب تمہارے پاس کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ تمہارے دشمن کے پاس فوج بھی ہے اور اسلحہ جنگ بھی۔ تمہارے پاس بجز تمہاری تلواروں کے اور کچھ بھی نہیں۔ اگر تم اپنی عزت و ناموس بچاؤ دشمن جو تمہارا مقابلہ کرنے کے لیے بڑھا آرہا ہے اس کے دانت کھٹے کر دو۔ اس کی قوت کو ختم کر دو۔ میں نے تم کو ایسے امر کے لیے نہیں پکارا جس سے میں گریز کروں۔ میں نے تم کو ایسی زمین پر لڑنے کے لیے آمادہ نہیں کیا جہاں میں خود لڑائی نہ کروں۔ اگر تم نے ذرا بھی ہمت سے کام لیا تو اس ملک کی دولت و حشمت تمہارے جوتوں کی خاک ہوگی۔ تم نے اگر یہاں کے شہسواروں سے نپٹ لیا تو خدا کا دین رسول اللہ کا حکم یہاں جاری و ساری ہو جائے گا۔ یہ جان لو جدھر میں تم لوگوں کو بلا رہا ہوں ادھر جانے والا پہلا شخص میں ہوں۔ جب فوجیں ٹکرائیں گی تو پہلی تلوار میری ہوگی جو اٹھے گی۔ اگر میں مارا جاؤں تو تم لوگ عاقل و دانا ہو کر کسی دوسرے کا انتخاب کر لینا مگر خدا کی راہ میں جان دینے سے منہ نہ موڑنا اور اس وقت تک دم نہ لینا جب تک یہ جزیرہ فتح نہ ہو جائے۔"

کئی روز مسلسل راڈرک کا لشکر داد عیش دیتا رہا اور مومنین سربسجود فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے رہے۔ بالآخر طبل

Marfat.com

جنگ بجے اور فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ ایک ہفتہ تک صبح سے شام تک جنگ ہوئی اور شام کو دونوں لشکر ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے۔ اسلامی لشکر بہت بہادری سے لڑ رہا تھا۔ لیکن اپنے سے آٹھ گنا لشکر کو جسے تمام سہولتیں حاصل ہوں شکست دینا اتنا آسان نہ تھا۔ آٹھویں روز طارق نے بھرپور حملہ کیا۔ سابق بادشاہ ویٹزا کے رشتہ دار راڈرک کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ راڈرک کی فوج کا دایاں و بایاں بازو انہی کے کمان میں تھا۔ قلب کی وہ خود کمان کر رہا تھا۔ طارق نے پورا زور قلب ہی پر لگا دیا۔ انہوں نے 7 ہزار کے مختصر لشکر کے ساتھ پیش قدمی شروع کی اور 19 جولائی کو معرکہ وادی لکہ میں وزیگوتھ حکمران روڈرک کے ایک لاکھ کے لشکر کا سامنا کیا اور بہادری کی عظیم داستان رقم کرتے ہوئے اسے ایک ہی دن میں بدترین شکست دی۔ جنگ میں روڈرک مارا گیا۔ فتح کے بعد طارق نے بغیر کسی مزاحمت کے دارالحکومت طلیطلہ پر قبضہ کرلیا۔ طارق کو ہسپانیہ کا گورنر بنا دیا گیا لیکن جلد انہیں دمشق طلب کیا گیا کیونکہ خلیفہ ولید اول سے ہسپانیہ پر چڑھائی کی اجازت نہیں لی گئی تھی۔

بلاد اندلس کی فتح:

اندلس کی مرکزی حکومت کی شکست کے بعد طارق بن زیاد نے اپنی فوج چھوٹے دستوں میں تقسیم کر کے مختلف شہروں کی طرف روانہ کی۔ اور کاونٹ جولین کی راہنمائی کے مطابق ملک کے طول وعرض میں اسلامی فوج کے دستے فتوحات حاصل کرنے لگے۔ مسلمانوں نے پہلا حملہ اسیجا پر کیا جہاں گاڈ ایسٹ کی شکست خوردہ فوج جمع ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور قرطبہ کی فتح کا سہرا مغیث رومی کے سر بندھا۔ مالقہ و غرناطہ بھی فتح ہو گئے۔ دارالحکومت طلیطلہ کے باشندے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ فتح کی بشارت ملتے ہی موسیٰ بن نصیر اندلس روانہ ہو گئے۔ موسیٰ نے فتح اندلس کی تکمیل کے لیے قرمونہ، اشبیلیہ اور ماردہ کو فتح کیا اور اس کے بعد دارالحکومت طلیطلہ میں طارق کے ساتھ جا ملے۔ سپین کے شمالی حصے کی تسخیر دونوں کی متحدہ فوجوں نے کی اور سرقونہ، اراگون اور برشلونہ کے علاقے فتح ہوئے۔

اس دوسرے حملہ میں رازرق کا مقابلہ ہوا اور اس کو ہزیمت ہوئی۔ وہ میدان سے بھاگا اور پھر مفقود الخبر ہو گیا۔ اکثروں کا یہ خیال ہے کہ وہ دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ طارق اور اُس کے بارہ ہزار دلاوروں نے صرف ایک لڑائی سے تمام جزیرہ نما فتح کرلیا۔ موسیٰ، گورنر افریقہ کو اس پر کسی قدر رشک آیا۔ وہ خود اسپین میں پہنچا اور جو کسر باقی تھی وہ اس نے پوری کی۔ طارق نے حملہ کے لئے موسیٰ سے اجازت نہیں لی تھی۔ خودسری کے باعث موسیٰ نے طارق کو سرزنش کی۔

719ء میں ایک عربی سپہ سالار عبدالرحمٰن الغافقی نے فرانس کے جنوبی حصہ پر مستقل طور پر قابض ہو کر مغرب کی طرف برگندی اور ایکوطونیہ پر حملے شروع کر دیے اور مشرق کی جانب وہ مارسلز تک پہنچ گئے۔ گو فرانس پر مسلمانوں کا پورا تسلط کبھی نہیں ہوا لیکن اُس کے بعض حصوں پر قابض ہو جانا اور فرانس کو اضطراب میں ڈال دینا اُس وقت بالکل مسلمانوں کے اختیار میں تھا۔ اتفاق سے 733ء میں چارلس مارٹل، شاہ فرانس شارلین کے سپہ سالار کے مقابلہ میں بمقام پاکاٹا اور ٹورز مسلمانوں نے شکست کھائی اور پھر اس کے بعد عربوں میں وہ جوش باقی نہ رہا جو ملک عرب کی آب و ہوا کے اثر اور صحبت رسول ﷺ کے فیض نے اُن کے باپ دادا کے دلوں میں پیدا کیا تھا۔ اب وہ لوگ مالک مفتوحہ پر قانع ہو کر ان کی محافظت اور تہذیب میں اپنی کوشش صرف کرنے لگے۔ 733ء کی لڑائی نے مسلمانوں کی آئندہ پیش قدمی روک دی اس لئے یورپین مورخ اس لڑائی کو بہت اہم سمجھتے تھے۔ اس جنگ کو معرکہ ٹورز / جنگ طورس / جنگ طلوشہ کہتے ہیں اور

کی پندرہ اہم فیصلہ کرنے والی لڑائیوں میں اس کو شمار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے قانون نے تمام عیسائی رعایا کو مسلمانوں کا گریفتہ بنادیا۔ مسلمانوں کا مذہب بھی لوگ اختیار کرنے لگے لیکن مسلمانوں کو مذہبی خیال زیادہ نہ تھا اور نہ یہاں مسلمانوں کو اپنے دین پھیلانے کی کبھی کوشش ہوئی۔ مسلمان اپنی اس بے تعصبی سے عیسائی مؤرخوں کے نزدیک ضرور ممدوح ٹھہرے لیکن اس سیاسی غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوسو برس کے بعد وہ اسپین سے اس طرح نکالے گئے جس طرح دودھ سے مکھی۔ اگر اور ممالک مفتوحہ کی طرح یہاں بھی سب مسلمان ہی مسلمان ہوتے تو آئندہ چل کر عربوں کی نسل کو جلاوطنی کی تکلیف ہرگز اٹھانا نہ پڑتی۔

امارت بنوامیہ کا خاتمہ:

750ء تک یعنی خلافت بنواُمیہ کے اختتام تک اسپین خلفائے دمشق کا ایک صوبہ تھا لیکن دمشق کی حکومت اسپین پر برائے نام تھی۔ اتنی دور کا انتظام بالکل بادشاہ کی مرضی پر منحصر ہو یہ ہو نہیں سکتا تھا۔ اور اُس پر طرہ یہ ہوا کہ عربوں اور بربری نومسلموں میں بے جا مخالفت شروع ہوگئی۔ اسپین میں مستقل اسلامی سلطنت کی ابتدا عبدالرحمٰن بن ہشام شہزادۂ بنو امیہ نے ڈالی۔ جب ابوالعباس سفاح کے عہد میں بنواُمیہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کیے جاتے تھے اُس وقت یہ شاہزادہ دمشق سے بھاگ کر بہزار خرابی اندلس میں پہنچا اور توڑ جوڑ کر کے کل اسپین کا حکمران بن بیٹھا۔ عبدالرحمٰن، خلیفہ منصور کا ہم عصر تھا۔ جس طرح منصور بغداد کا خلیفہ تھا، ویسا ہی عبدالرحمٰن اسپین میں بمقام قرطبہ سربراہ سلطنت تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ بلادِ اسلامی میں دوبارہ شاہ الگ الگ حکمران ہوئے۔

❀❀❀❀

Marfat.com

خلافت عبدالرحمٰن الداخل

عبدالرحمٰن اول (عبدالرحمٰن الداخل) اندلس میں خلافت امویہ کا بانی تھا جو 756 سے 788ء تک اندلس کا حکمران رہا۔ وہ 731ء میں پیدا ہوا۔

خلافت امویہ کا خاتمہ اور عبدالرحمٰن کا فرار

عبدالرحمٰن خلافت بنوامیہ کے 10ویں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پوتا تھا۔ جب عباسیوں نے دمشق پر قبضہ کر کے خلافت امویہ کا خاتمہ کیا تو اس وقت عبدالرحمٰن اول کی عمر 20 سال تھی۔ وہ عباسیوں کے ہاتھوں خاندان امویہ کے قتل میں بچ جانے والا واحد فرد تھا۔ وہ اس کے بھائی یحییٰ نے محل سے فرار ہو کر صحرا میں ایک بدوی قبیلے کے پاس پناہ لے لی۔ اس دوران عباسی اپنے حریفوں کو بے رحمی سے قتل کرتے رہے اور ان دونوں بھائیوں کی تلاش شروع کر دی۔ اس دوران انہوں نے عبدالرحمٰن اور یحییٰ کا بھی پتہ چلا لیا جس پر دونوں بھائی فرار ہو گئے اور دریائے دجلہ میں کود گئے۔ عباسی سپاہیوں نے واپس آنے پر امان دینے کا وعدہ کیا جس پر یحییٰ ان کے کہنے پر یقین کر کے دریا سے نکل پڑا تو عباسیوں نے اسے ہی قتل کر دیا جبکہ عبدالرحمٰن تیر کر دریائے دجلہ عبور کر گیا اور بعد ازاں شام اور فلسطین سے ہوتا ہوا شمالی افریقہ پہنچ کر عباسیوں کی دسترس سے باہر ہو گیا۔

افریقہ میں قیام

خلافت بنوامیہ کے خاتمے کے بعد افریقہ کے صوبوں میں مقامی سرداروں نے حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ سلطنت امویہ کے یہ سابق امیر امویوں اور عباسیوں دونوں سے آزادی چاہتے تھے اس لئے عبدالرحمٰن کو ان کی جانب سے زندگی کا خطرہ لاحق تھا اور اس نے مزید مغرب کی جانب فرار ہو کر ماریطانیہ میں بربر قبیلوں کے پاس پناہ لے لی۔

مراکش سے اندلس آمد:

755ء میں وہ کیوٹا کے قریب موجودہ مراکش پہنچا جہاں اس نے اپنا ایک سفیر ہسپانیہ بھیجا تا کہ وہ خاندان امویہ کے وفادار سابق رہنماؤں کی حمایت حاصل کر سکے۔ ان رہنماؤں کی بڑی تعداد صوبہ الویرا، موجودہ غرناطہ میں مقیم تھی جہاں امیر یوسف کی کمزور حکومت موجود تھی جو ایک قبائلی گروہ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ یہ افراد عربوں کے درمیان اور عربوں اور بربروں کے درمیان نسلی اختلافات کے باعث پریشان تھے۔ عبدالرحمٰن نے اس کو بھرپور موقع سمجھا اور سابق وفادار پیروکاروں کی دعوت پر ستمبر 755ء میں ملاگا کے مشرق میں المنقب کے ساحل پر اترا۔

اندلس کی فتح:

ابتداء میں عبدالرحمٰن نے اپنے حمایت یافتہ افراد سے مشورے لئے جو خطرات کے باعث محتاط تھے۔ امیر

Marfat.com

نے مذاکرات کے آغاز میں عبدالرحمٰن کو زمین اور اپنی ایک بیٹی نکاح میں دینے کی پیشکش کی۔ عبدالرحمٰن زیادہ کی امید
ائے بیٹھا تھا لیکن وہ دباؤ کے باعث یہ پیشکش قبول کرنے کے قریب تھا کہ امیر یوسف کے ایک اندلسی پیغام رساں کی
بدالرحمٰن کے ایک حامی عبیداللہ سے جھڑپ ہوگئی۔ اپنی بہترین عربی لکھنے کی صلاحیت پر ٹوکنے پر عبیداللہ نے اس پیغام
ساں پر حملہ کردیا جس کے باعث عبدالرحمٰن کا یوسف کے ساتھ تصادم ناگزیر ہوگیا۔ 756ء میں دونوں جماعتوں نے
دی الکبیر میں ایک جنگ لڑی جو 16 مئی کو قرطبہ کے قریب یوسف کی شکست کے ساتھ ختم ہوئی۔ عبدالرحمٰن کی فوج نے
ترین اسلحے سے لیس نہ ہونے کے باوجود ایک تاریخی فتح حاصل کی۔ ان کے پاس صرف چند گھوڑے تھے حتیٰ کہ ان کے
ں علم بھی نہ تھا اور ایک سپاہی نے اپنے نیزے پر اپنا سبز عمامہ لپیٹ دیا اور بعد میں یہی اندلس میں امویوں کا علم اور نشان
ار پایا۔

کومت:

عبدالرحمٰن کا طویل دور حکومت عرب اور بربر باشندوں کی بغاوتوں کے خلاف جدوجہد کرتے گزرا جن کی
ثریت آزادی چاہتی تھی۔ 763ء میں عبدالرحمٰن نے اپنے دارالحکومت کے قریب بھی ان باغیوں سے جنگ لڑی جو
سیوں کی حمایت کر رہے تھی۔ اس نے فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ آخری سالوں میں عبدالرحمٰن نے کئی محلاتی سازشوں کو بھی
لا۔ اس نے فن تعمیر کے نادر شاہکار مسجد قرطبہ کی بنیاد رکھی جس کی تعمیر اس کے بیٹے اور جانشیں ہشام اول کے دور میں بھی
ی رہی۔ اس نے جس حکومت کو قائم کیا وہ 1031ء تک ہسپانیہ پر حکومت کرتی رہی۔ منصور کے عہد میں عباسیوں کی
ج نے اندلس پر چڑھائی کی تھی۔ عبدالرحمٰن تاب مقابلہ نہ لا کر قلعہ بند ہوگیا۔ پھر ایک روز موقع پا کر اُس نے رات کو
ب خون مارا اور عباسی فوج کے تمام سرداروں کے سر کاٹ کر بطور تحفہ کے بغداد بھیج دیے۔ اس کے بعد عباسیوں نے پھر
ھی ادھر توجہ نہیں کی۔ اُن کی توجہ یا تو خانگی معاملات میں مصروف رہی یا ممالک شرقی و شمالی کی فتوحات کی طرف مائل
ی۔ عبدالرحمٰن عیسائیوں کے مقابلہ میں بھی بہت سی لڑائیاں لڑا اور آخر میں اُس کا دباؤ شاہی عیسائیوں نے بھی تسلیم کیا۔

لافت ہشام بن عبدالرحمٰن

عبدالرحمٰن الداخل کی وفات پر اُس کا بیٹا ہشام 788ء میں باپ کا جانشین ہوا۔ یہ خلیفہ نہایت کریم النفس رحم دل
ر بیدار مغز تھا۔ اس کے عہد میں فقہائے اسلام ارا کین دولت کے خلاف ہوگئے۔ یہ فقہا خلفائے اربعہ کا نمونہ دیکھنا
ہتے تھے اور یہاں سلطنت کا رنگ خلفائے عباسیہ کی طرح سے سلاطین عجم کے دربار کی صورت پکڑ چلا تھا۔

لافت حکم بن ہشام:

799ء میں ہشام کا بیٹا حکم تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں متعصب مسلمان ملک سے نکل کر افریقہ کے سواحل مغربی
آباد ہونے چلے گئے۔

لافت عبدالرحمٰن ثانی بن حکم:

حکم کے بعد اُس کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی تخت پر بیٹھا۔ متعصب نومسلموں کے چلے جانے پر شہدائے مسیحی (عیسائیوں
کے خیال کے مطابق) نے زور پکڑا۔ متعصب عیسائی دربار شاہی میں قصداً جان دینے آتے تھے یعنی قاضی کے سامنے

Marfat.com

ایسے حرکات کرتے تھے جس سے لامحالہ قاضی کو اُن کی موت کا فتویٰ دینا ناگزیر ہوتا تھا اور فتویٰ سن کر وہ لوگ خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ یہی ہماری مراد تھی۔ لیکن خیریت یہ تھی کہ ان مسیحی شہداء سے کوئی سیاسی پیچیدگی نہیں پیدا ہوئی۔ خود سمجھدار عیسائی ان مذہبی شہداء کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ عبدالرحمٰن ثانی کے عہد میں قرطبہ کی وہی رونق تھی جو ہارون کے عہد میں بغداد کی شاہجہاں کے عہد میں ایک زمانہ کے بعد نئی دہلی کو نصیب ہوئی۔ اس کے عہد میں خوش نما باغ لگائے گئے۔ عالی شان مساجد، خوبصورت عمارات اور مضبوط پلوں سے قرطبہ کی زینت بڑھائی گئی۔ اس کے زمانہ کے چار شخص مشہور ہیں۔ مشہور فقیہ، فاریاب فن موسیقی کا اُستاد، ظرب سلطان کی دلربا ملکہ، نصر ایک حبشی غلام۔

خلافت محمد بن عبدالرحمٰن

عبدالرحمٰن کے مرنے پر اُس کا بیٹا محمد تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانہ کے بعد ہی شہدائے مسیحی کی ہڈیاں فرانس کے راہب ایک بیگ میں بھر کر اپنے ملک کو لے گئے۔ غرض اُن کی صرف لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اُبھارنا تھا۔ ان عیسائیوں نے کچھ زور بھی دکھایا لیکن مسلمانوں کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچا۔

خلافت منذر بن محمد:

محمد کے بعد منذر حکمران ہوا۔ یہ ایک مدبر اور دانشمند شخص تھا۔ لیکن اُس کا بھائی عبداللہ اُس کے قتل کا سبب ہوا اور اس میں یہ لیاقت نہ تھی کہ وہ ملک کا بوجھ اُٹھا سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی خودمختار ریاستیں مسلمانوں کی قائم ہو گئیں اور عیسائی سلطنتوں نے بھی جا بجا زور پکڑا۔ لیکن خیریت یہ ہوئی کہ مسلمانوں کی ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے ملک کی تہذیب اور ترقی پر کچھ اثر نہیں کیا۔ شاعر، ادیب، اہل فن دربار میں موجود رہتے تھے۔ حرفت اور صنعت میں بھی کچھ ایسا زوال نہ تھا۔

خلافت عبدالرحمٰن ثالث:

عبدالرحمٰن الناصر (912ء تا 961ء) اندلس میں خلافت امویہ کا سب سے مشہور حکمران تھا جو عبدالرحمٰن الثالث اور عبدالرحمٰن اعظم کے ناموں سے بھی معروف ہے۔ وہ جب تخت پر بیٹھا تو ملک کی حالت بہت خراب تھی۔ ہر طرف بغاوتیں پھیلی ہوئی تھیں اور بادشاہ کا حکم قرطبہ سے باہر چلنا بند ہو گیا تھا۔ الناصر کی عمر اس وقت صرف 22 سال تھی لیکن اس کے باوجود اس نے ایسی قابلیت سے حکومت کی کہ دس پندرہ سال کے اندر ملک میں امن قائم کر دیا۔ اس نوجوان اولوالعزم خلیفہ نے ملک کا بندوبست کرنے کی غرض سے خود کو فوج کے آگے رکھا۔ اس کی جرأت دیکھ کر پہلے مسلمان ریاستیں اس کی تابع ہوئیں پھر مسیحی ریاستوں کا مقابلہ شروع ہوا۔ 18 برس تک عبدالرحمٰن اپنے اسلاف کے نقصانوں کی تلافی میں مشغول رہا۔ اس نے نہ صرف اسلامی اندلس میں امن قائم کیا بلکہ شمال کے پہاڑوں میں قائم عیسائی ریاستوں کو بھی باجگذار بنایا۔ عبدالرحمٰن نے فوجی قوت کو بڑی ترقی دی۔ اس کی فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔ اس کے دور میں بحری قوت میں بھی اضافہ ہوا اور اندلس کے بحری بیڑے میں 200 جہاز شامل تھے جبکہ ساحلوں پر پچاس ہزار سپاہی ہر وقت حفاظت کے لئے موجود رہتے۔ اندلس کی اس قوت اور شان کو دیکھ کر یورپ کی حکومتوں نے عبدالرحمٰن اعظم سے تعلقات قائم کرنا شروع کیے چنانچہ بازنطینی سلطنت اور فرانس اور جرمنی کی حکومتوں نے اپنے سفراء اس کے دربار میں بھیجے۔

اندلس کے اموی حکمران اب تک 'امیر' کہلاتے تھے اور انہوں نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا لیکن چوتھی صدی ہجری میں بغداد پر بنی بویہ کے قبضے کے بعد عباسی خلفاء بویہی حکمرانوں کے ماتحت ہو گئے تھے۔ عبدالرحمٰن نے جب

کہ خلافت میں جان نہیں رہی اور وہ ایک طاقتور حکمران بن گیا ہے تو اس نے امیر کا لقب چھوڑ کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد سے وہ اور اس کے جانشیں خلیفہ کہلانے لگے۔ اس کے بعد اس نے افریقہ کے مشہور قلعہ سیوٹا پر اپنا قبضہ جمایا۔ عبدالرحمٰن صرف ایک طاقتور حکمران ہی نہ تھا بلکہ وہ بڑا لائق، عادل اور رعایا پرور بادشاہ تھا۔ اس کے زمانے میں حکومت کی آمدنی ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ اس میں سے ایک تہائی رقم وہ فوج پر خرچ کرتا تھا اور باقی کو وقت ضرورت کام آنے کے لیے خزانے میں جمع کر دیتا تھا۔ اس کے عدل و انصاف کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ اس کے لڑکے نے بغاوت کی۔ جب وہ گرفتار کر کے لایا گیا تو عبدالرحمٰن نے اس کو موت کی سزا دی۔ اس پر ولی عہد نے اپنے بھائی کو معاف کر دینے کے لیے گڑگڑا کر سفارش کی لیکن عبدالرحمٰن نے جواب دیا: ''ایک باپ کی حیثیت سے میں اس کی موت پر ساری زندگی آنسو بہاؤں گا لیکن میں باپ کے علاوہ بادشاہ بھی ہوں۔ اگر باغیوں کے ساتھ رعایت کروں سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔'' اس کے بعد اس کا لڑکا قتل کر دیا گیا۔

فاطمیین مصر سے اس نے بحیرۂ روم کے لئے لڑائیاں کیں۔ فاطمی سے مراد وہ مسلمان حکمران ہیں جو فاطمہ بنت رسول رضی اللہ عنہا کی نسل سے تھے اور خلافت بغداد کی کمزوری کے زمانہ میں ایک جدا سلطنت اُن کی مصر میں قائم ہو گئی تھی۔ یہ سب تو تھا ہی عیسائیوں کے مقابلہ میں اس کا وقت بہت صرف ہوا۔ قرطبہ کی گئی ہوئی سلطنت پھر اس کے عہد میں رونق پکڑ گئی۔ یہ علم کا شوقین اور عالموں کا سرپرست تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ بہت بڑا فوجی سپہ سالار بھی تھا۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود عبدالرحمٰن کی زندگی ایک بادشاہ کی زندگی تھی۔ ہم اس کا مقابلہ خلفائے راشدین یا عمر بن عبدالعزیز سے نہیں کر سکتے۔ نہ وہ نورالدین اور صلاح الدین کی طرح تھا اور نہ وہ اپنے خاندان کے ہشام کی طرح تھا۔ اس نے اپنی لونڈی زہرہ کے لیے قرطبہ کے نواح میں ایک بستی قائم کی جو مدینۃ الزہرہ کہلاتی ہے۔ اس پر اس نے کروڑوں روپیہ صرف کیا۔ اس کی تعمیر چالیس سال تک جاری رہی۔ اس میں شاہی خاندان کے امراء کے بڑے بڑے محل اور ملازمین کے لیے مکانات اور سرکاری دفاتر تھے۔ مدینۃ الزہرہ کے محلات کی تکمیل ہونے کے بعد لوگوں نے خلیفہ کو مبارکباد دی۔ جمعہ کا دن تھا مسجد میں سب نماز کے لیے جمع ہوئے۔ قاضی منذر نے خطبہ پڑھا اور اس خطبے میں عبدالرحمٰن کی اس فضول خرچی کی مذمت کی اور برا بھلا کہا۔ قاضی منذر بہت دلیر تھے اور حق بات کہنے سے کبھی باز نہیں آتے تھے۔ عبدالرحمٰن بھی ایک عادل حکمران تھا اس لیے اس نے قاضی کی باتیں صبر سے سنیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

عبدالرحمٰن کے بعد اس کا بیٹا حکم ثانی تخت پر بیٹھا۔ پچاس برس تک اس نے بڑے زور سے سلطنت کی اور ستر برس کی عمر میں جا کر لحد میں سو رہا۔ یہ انتظامی امور میں سلطان صلاح الدین مصری کے مشابہ تھا اور بعض امور میں عالمگیر شاہ ہند سے بھی اس کو نسبت دے سکتے ہیں۔ قرطبہ کو اس بادشاہ کے عہد میں بڑی رونق حاصل تھی۔ شہر کی لمبائی کسی طرح دس میل سے کم نہ تھی۔ قصر الازہار، قطر السرور قصر العاشقین، قصر التاج دمشق شاہی محلوں کے نام تھے۔ 15 ہزار سے زیادہ ملازمین کے حکومتی مکان تھے۔ عام خانہ شماری یہاں کی ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ 7 سو مسجدیں تھی۔ 9 سو حمام ایسے تھے جن میں ہر خاص و عام غسل کر سکتے تھے۔ قرطبہ کی جامع مسجد کی بنیاد 784ء میں عبدالرحمٰن اوّل نے رکھی تھی۔ جس وقت 949ء میں سفیر یونان نے خلیفہ اعظم عبدالرحمٰن ثالث نے ملاقات کی تو سفیر دربار شاہی کی عظمت دیکھ کر ششدر ہو گیا۔ یوں تو تمام اندلس میں صنعت و حرفت کی ترقی تھی لیکن قرطبہ کو ان سب میں فوق تھا۔ مشہور ہے کہ ایک لاکھ 30 ہزار اس شہر میں ریشم باف تھے۔ لیکن خلیفہ عبدالرحمٰن کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد سلطنت اسلامی میں ضعف شروع ہوا۔ المنصور وزیر نے کچھ سنبھالا لیکن اُس کو پائیداری نہ ہوئی۔ جس طرح ہند میں عالم گیر کے بعد مغلیہ سلطنت کا زور گھٹا اُسی طرح اندلس میں خلیفہ

Marfat.com

عبدالرحمٰن کے بعد سلطنت اسلامی میں ضعف شروع ہوا اور ہشام ثانی پر خاندان بنواُمیہ کا تین سو برس کی حکمرانی کے بعد 1002ء میں خاتمہ ہو گیا۔ جس طرح دہلی کے بعد لکھنؤ کی سلطنت مسلمانوں کے آنسو پونچھتی رہی اسی طرح قرطبہ کی سلطنت کے بعد ایک صوبہ میں غرناطہ کی سلطنت قائم ہوگئی اور پانچ سو برس تک یعنی 1491ء تک وہ قائم رہی۔

وزیر المنصور:

خلیفہ عبدالرحمٰن کے بعد اُس کا بیٹا حکم اور حکم کے بعد اُس کا بیٹا ہشام ثانی تخت نشین ہوا۔ یہ دونوں صاحب علم تھے مطالعہ میں بیش وقت گزارتے اور سلطنت کے لائق ہرگز نہ تھے۔ حکم نے اپنے وزیر منصور کی بالکل اطاعت کی اور ہشام نے تو صاف طور پر منصور کی جانشینی تسلیم کر کے اپنے کو الگ کر لیا۔ حکم کے زمانہ میں شاہی کتب خانہ میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔ مشہور ہے کہ یہ کل کتابیں حکم کی دیکھی ہوئی تھیں اور اکثروں پر اُس کا حاشیہ تھا جس سے بعد کے علماء بہت مستفید ہوئے۔ المنصور محض ایک معمولی شخص تھا جو بڑھتے بڑھتے وزارت اور پھر بادشاہت کے منصب تک پہنچ گیا۔ یہ بڑا ہی بیدار مغز تھا۔ تمام صیغوں کی نگرانی خود اپنے ذمہ رکھتا تھا۔ اندلس کو جو اقبال، دولت، عزت اور عظمت اس کے عہد میں حاصل ہوئی وہ خلیفہ اعظم کے عہد میں بھی نہ تھی۔ اس کے عہد میں اندلس کی سلطنت بربر تک وسیع ہو گئی تھی۔ عیسائیوں پر بھی اس نے خوب حملے کیے۔ سینٹ جیمس کی درگاہ اس کے عہد میں منہدم ہوتے ہوتے رہ گئی۔ منصور کے مرنے پر چھ برس تک اس کے بیٹے مظفر نے بھی سلطنت کو خوب سنبھالا۔

خلیفہ عبدالرحمٰن کی تخت نشینی یعنی 912ء سے مظفر کی موت یعنی 1002ء تک تخمیناً سو برس تک مسلمانوں کا اندلس میں پورا عروج تھا۔ تمام یورپ کی سلطنتیں اس پر رشک کرتی تھیں اس کے بعد گڑبڑ شروع ہوئی۔ بربر کے نومسلم آزاد شدہ مسلمان غلام اور عرب کے مختلف قبیلوں کے سردار باری باری جسے چاہتے تھے کٹھ پتلی کی طرح تخت شاہی پر بٹھا دیتے تھے۔ بہت سے حکمران قرطبہ کے تخت پر بٹھائے گئے اور اُتارے گئے۔ خود ہشام ثانی جو ابھی تک زندہ تھا دو مرتبہ تخت پر بیٹھا اور معزول کیا گیا۔ یہ طوفان بدتمیزی دو سو برس تک قائم رہا اور اس میں خاندان بنواُمیہ کے ساتھ منصور وزیر کا خاندان بھی برباد ہو گیا۔ پھر اس کے بعد خود مختار سلطنتیں جا بجا قائم ہوئیں اور ملک میں طائف الملوکی پھیل گئی لیکن علم و ہنر حرفت اور صنعت پر اب بھی کوئی اثر نہ پڑا۔ جب تک صرف مسلمانوں کا باہمی اتفاق تھا، بربر کے مسلمان باخبر نہ ہوئے لیکن جب اُنہوں نے یہ دیکھا کہ عیسائیوں نے کچھ زور پکڑنا چاہا ہے تو وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کیلئے آئے۔ یوسف بن تاشفین اس لشکر کا سپہ سالار تھا جو بربر سے 1086ء میں اندلس کے مسلمانوں کی مدد کیلئے آیا تھا۔ اس نے تمام اندلس سے عیسائیوں کا زور گھٹایا اور اپنی فوج حفاظت کے لئے اندلس میں چھوڑ کر وطن واپس گیا۔ اس طرح گو عیسائی سلطنتیں مغلوب ہوئیں لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ 1102ء میں اندلس مروانیوں کی سلطنت افریقہ کا ایک باج گزار صوبہ قرار پا گیا۔ جب مروانیوں کی بربری سلطنت پر زوال آیا اور اندلس کے حصہ بھی افریقہ کے ساحل مغربی کے ساتھ عیسائیوں کے قبضہ میں آنے لگے تو اندلس کے مسلمان پھر کچھ سنبھلے اور اُن کی خود مختار ریاستیں یہاں جا بجا قائم ہو گئیں۔

دولت مہدویہ:

اس کے بعد بنو المہدی مسلمانوں کے ایک متشرع فرقہ نے جو اس کتاب میں شاہان علویہ سے تعبیر کیے گئے ہیں بنو مروان پر بربر میں غلبہ پایا۔ فاتحین بربر کو اندلس کی فکر ہوئی۔ ان خود مختار ریاستوں میں جو ابھی قائم ہوئیں تھیں بہت تھی کہ یہ اب تک عیسائیوں سے بچی رہیں۔ ان حملہ آور مسلمانوں نے 1146ء تک کئی حملوں کے بعد قرطبہ کو فتح کیا

اپنی سلطنت میں شامل کر لیا لیکن یہ لوگ بھی بنو مروان کی طرح افریقہ ہی میں بیٹھ کر حکمرانی کرنا چاہتے تھے۔ مراکش سے انہیں حکومت کرنے کیلئے یہاں آنا ہوتا تھا۔ عیسائیوں نے موقع پا کر لڑائی شروع کر دی۔ 1195ء میں شمالی عیسائیوں کو بہت بڑی شکست بنو مہدی نے دی لیکن افسوس کہ اُس کے بعد 1212ء میں بنو مہدی کو بڑی ہی سخت ہزیمت عیسائیوں کے مقابلہ میں ہوئی اور اُسی وقت سے دولت مہدوی کو زوال شروع ہوا۔ اخیر میں دولت مہدوی کی کچھ ایسی نازل حالت ہوئی کہ اُنہیں خود اپنے قدیم ملک کی حفاظت دشوار ہوگئی اور اندلس کی حکومت سے اُنہوں نے 1335ء میں اپنے کو الگ کر لیا اور عنان حکومت بنو نصر کے قبضہ میں آئی جس کی نسل کے سلاطین کو شاہان غرناطہ کہتے ہیں۔

دولت بنو نصر:

بنو نصر کا عہد اندلس میں مسلمانوں کا آخری زمانہ تھا۔ ان کے قبضہ سے ملک نکلنے لگا اور 1260ء تک صرف صوبہ غرناطہ باقی رہ گیا۔ اس تنگ زمین میں محدود ہو کر ڈھائی سو برس تک اور مسلمانوں نے حکومت کی۔ گو یہ ہر طرف مسیحی دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے لیکن ان کی جنگجو طبیعت کبھی اپنے ہمسایوں سے دب کر نہیں رہی۔ اسلام کے دلاور سپاہی جو اپنے مسیحی فاتحوں سے بے دل تھے ہر طرف سے سمٹ کر غرناطہ میں آ گئے اور اس لئے اپنی متفقہ کوشش سے وہ لوگ بہت زور کے ساتھ رہے۔ بنو نصر کے زمانہ میں بھی بہت زیادہ علمی ترقی تھی اور حرفت وصنعت کا بڑا زور تھا۔ خاندان بنو نصر کا بانی ابن الاحمر عرب کی نسل سے تھا اس نے بہت زور مارا لیکن اپنے عیسائی حریفوں کو جو تمام اسپین میں پھیلے ہوئے تھے دبا نہ سکا۔ اس کے بعد جو زمانہ گزرا وہ امن کا تھا۔ عرب اپنی حالت پر قانع تھے اور عیسائی بھی چھیڑ چھاڑ پسند نہ کرتے تھے۔ ما بعد کی دو صدیوں میں بالکل امن وامان رہا۔ علمی اور کسبی کمالات اور متعمانہ طرز معاشرت میں غرناطہ رشک قرطبہ بن گیا۔ غرناطہ کا قصر الاحمر آج تک سیاحان یورپ کو حیرت میں ڈالتا ہے۔

ابوالحسن مولوی:

1475ء میں شمال کی عیسائی سلطنتیں آپس میں متفق ہوئیں اور اُن کا اتفاق مسلمانوں کی بنیاد اُکھڑنے کا سبب ہوا۔ ابوالحسن نے جو مولوی علی بھی مشہور تھا کچھ چھیڑ چھاڑ کی ابتدا کی اور پھر عیسائیوں کی متفقہ قوت نے اُسے سنبھلنے نہ دیا۔ ابوالحسن نے 1481ء میں پیش دستی کی اور ایک قریب کے قلعہ پر شب خون مارا۔ اس حملہ میں ابوالحسن کو کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد عیسائیوں نے حملے شروع کیے اور ہر طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمانوں نے بھی خوب مقابلہ کیا۔ ملک ان لڑائیوں میں زیادہ تباہ ہوا اور عیسائیوں کو بھی بڑی بڑی زحمتیں اُٹھانا پڑیں۔ اسی اثنا میں ابوالحسن کا بیٹا ابوعبداللہ باپ کو معزول کر کے تخت پر بیٹھنے کی فکر میں ہوا اور پھر لڑائی میں ایک موقع پر عیسائیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ ابوعبداللہ کی گرفتاری نے مسلمانوں کو اور بھی کمزور کر دیا۔ جب ابوعبداللہ فرڈیننڈ شاہ قرطبہ کے سامنے لایا گیا تو عیسائی بادشاہ نے اُس کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ کیا اور تاج قرطبہ کی ہوا خواہی پر اُس سے معاہدہ لے کر اُسے چھوڑ دیا۔ اب ابوعبداللہ جو واپس آیا تو اپنے باپ ابوالحسن سے لڑنے لگا۔ ابوالحسن اپنے بیٹے ابوعبداللہ سے بھاگ کر کہیں پناہ گزین ہوا اور پھر ضعف بصارت سے بے کار ہو گیا۔

الزاجل:

ابوالحسن کے مرنے پر اُس کے بھائی الزاجل کی فکر ابوعبداللہ کو لاحق ہوئی اور دوسرے بھتیجے اپنی فکر کرنے لگے۔

Marfat.com

الزاجل ایک بہادر شخص تھا اُس نے آخر عیسائیوں کو خوب شکستیں دیں لیکن باہمی نااتفاقی کا برا ہو۔ الزاجل کی سا
کوششیں ناکامیابی پر منتج ہوئیں۔ الزاجل نے اپنے شہر کے بہادروں کے ساتھ عیسائیوں کے مقابلہ میں ہزیمت پائی لیکن
لوگ اس سے منحرف ہو گئے۔ اور عبداللہ کو پھر بادشاہ بنایا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں نے الزاجل کو محصور کیا۔ محاصرہ میں
کامیابی نہ ہوتی۔ لیکن شہر والوں نے فاقہ کشی سے گھبرا کر آخر کار قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ مسلمانوں کی ہشت صدی
حکومت کا خاتمہ قریب پہنچا۔ اس کے بعد الزاجل اندلس چھوڑ کر فیض چلا گیا۔ وہاں کے بادشاہ نے اُس کی آنکھیں
لیں اور آخری عہد میں وہ گداگری سے بسر اوقات کرنے لگا۔ اس کے پرانے عبا پر سوئیوں سے کڑھا ہوا تھا۔ ''میں
اندلس کا کم نصیب بادشاہ مجھ سے عبرت لو۔'' الزاجل کے شہر بدر ہونے پر صرف ابوعبداللہ رہ گیا اور شہر غرناطہ رہ گیا۔

ابوعبداللہ محمد الثانی عشر 1460ء تا 1533ء:

امارت غرناطہ یعنی بنونصر کا آخری فرمانروا تھا جو اندلس میں مسلمانوں کی آخری حکومت تھی۔ وہ طائفہ غرناطہ
حکمران مولائے ابوالحسن کا بیٹا تھا۔ 1483ء میں ابوعبداللہ گرفتار ہو کر لوسینا میں قید ہو گیا اور اسے اس شرط پر رہائی نصیب
ہوئی کہ امارت غرناطہ عیسائیوں کی باجگذار ہو گی۔ سقوط غرناطہ سے قبل اس نے چند سال اپنے والد مولوی ابوالحسن اور عم
عبداللہ الزغال کے خلاف جدوجہد میں گذارے۔ 1489ء میں قشتالہ و ارغون کے شاہ فرڈیننڈ اور ملکہ آئزابیلا
ابوعبداللہ کو غرناطہ خالی کرنے کا حکم دیا اور انکار پر شہر کا محاصرہ کر دیا۔ 2 جنوری 1492ء کو ابوعبداللہ نے ہتھیار ڈال دیے
اسپین سے مسلم اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ الزاجل کے چلے جانے پر مسلمانوں کا باہمی نفاق تو کم ہو گیا لیکن عیسائیوں کی بلا
بدستور قائم رہی۔ 1491ء میں شاہ فرڈیننڈ نے ملکہ زرالملہ کے ساتھ سالانہ دورے پر اور عہد کیا کہ اب کی غرناطہ فتح کیے بغیر
واپس نہ آئیں گے۔ ابوعبداللہ کیا مقابلہ کرتا لیکن اُس کے سپہ سالار موسیٰ نے مقابلہ کیا۔ موسیٰ بڑی مردانگی سے لڑا۔ لیکن
فرڈیننڈ نے شہر کے قریب ایک دوسرا گاؤں اپنی فوج کے لئے بسا لیا اور یہ عہد کر لیا کہ غرناطہ فتح کیے بغیر نہ جائے گا۔ موسیٰ
کی موت پر ابوعبداللہ نے بالکل ہمت ہار دی اور شہر خالی کرنے کے لئے ایک ماہ مہلت لی۔ اور سلطان ترکی اور خدیو مصر
سے مدد مانگی۔ ان لوگوں نے جب کچھ خبر نہ لی تو آخر دسمبر 1491ء میں شہر غرناطہ کو ابوعبداللہ نے خالی کر دیا اور اسی کے
ساتھ مسلمانوں کی وہ سلطنت جو 711ء میں قائم ہوئی تھی معدوم ہو گئی۔ بعد ازاں وہ آبنائے جبل الطارق عبور کر کے
مراکش آ گیا جہاں فاس شہر میں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس کے بعد قرطبہ کے عیسائی بادشاہ نے یہ قانون نافذ کیا کہ مسلمان عیسائی مذہب اختیار نہ کریں تو ملک سے باہر
کر دیے جائیں۔ 1567ء میں اس پر سختی سے عمل درآمد ہوا۔ اس سختی سے مسلمانوں کو کچھ غیرت آئی اور عرصہ تک وہ بادشاہ
کے عیسائیوں سے بے کسی سے لڑتے رہے، دشمنوں کو مارتے تھے اور خود بھی مرتے تھے۔ آہستہ آہستہ 1610ء تک 30
لاکھ مسلمان شہر سے جلاوطن ہوئے۔ 5 لاکھ تو ایسے تھے جنہیں اسپین کے عیسائی بادشاہ ہنری ہفتم نے خود مستعد ہو کر ملک
سے باہر نکال دیا۔ تمام مسجدیں گرجا ہو گئیں، حمام گروا دیے گئے، نشانات مٹا دیے گئے، اب کہیں سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ
اندلس میں آٹھ نو سو برس تک مسلمانوں کی عملداری تھی۔ ایک ہزار برس تک اسلام کا چرچا تھا۔ اور عربی زبان وہاں قریب
قریب مادری زبان ہو چکی تھی۔ قرآن میں ہے کہ عاد اور ثمود وغیرہ قومیں دُنیا میں سب سے بڑھ کر ہوئیں اور پھر وہ اس
طرح مٹیں کہ پہچانا نہ لگا۔ اس آیۃ کا مفہوم تاریخ اندلس پڑھنے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ قوم یوں معدوم ہوتی ہے۔

❀❀❀❀

Marfat.com

دولت اغالبہ

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں افریقہ کا علاقہ جو موجودہ طرابلس، تیونس اور الجزائر پر مشتمل ہے، نیم خود ہو گیا۔ کیونکہ مرکز خلافت سے دور ہونے کی وجہ سے اس علاقے کا انتظام مشکل ہو رہا تھا اس لیے ہارون نے یہاں کی ت مستقل طور پر ایک شخص ابراہیم بن اغلب (184ھ تا 196ھ) اور اس کی اولاد کے سپرد کر دی۔ اس طرح افریقہ ایک نئی حکومت کی بنیاد پڑی جو اغالبہ یا خاندان اغلب کی حکومت کہلاتی ہے۔ یہ اغلبی حکومت عملاً خود مختار تھی لیکن سی خلافت کو تسلیم کرتی تھی اور ہر سال باقاعدگی کے ساتھ خراج دیا کرتی تھی جو اس بات کا ثبوت تھا کہ حکومت عباسی فت کا حصہ ہے۔ اغلبی خاندان کی یہ حکومت 800ء سے 909ء تک یعنی ایک سو سال سے زیادہ عرصے تک قائم رہی۔ ہیم اغلب والئی زاب نے باغیوں کو شکست دے کر تمام ملک میں امن و امان بحال کر دیا۔ 184ھ میں سلطنت بنو ب کی بنیاد رکھی۔ اس نے قیروان کے پاس عباسیہ نام کا ایک نیا شہر بسا کر اسے دارالحکومت بنایا۔ ہارون الرشید نے یقہ کی امارت مستقل طور پر اس کی تحویل میں دے دی۔ ابراہیم کی حیثیت دوسرے صوبائی گورنروں کی سی نہ تھی۔ وہ تمام ر میں خود مختار تھا۔ اور خلیفہ کو صرف 40 ہزار درہم سالانہ خراج دیتا ادا کرتا تھا۔ اس نے بارہ برس تک بڑے امن و امان ے حکومت کی اور اس کے بعد اس کے بیٹے ابوالعباس عبداللہ نے پھر 201ھ میں زیاداللہ نے حکومت کی باگ دوڑ بھالی۔ اس کے دور میں مسلمانوں نے سسلی اور صقلیہ پر قبضہ کیا۔ افریقہ کا دارالحکومت قیروان تھا جس کی بنیاد عقبہ بن ع نے رکھی تھی۔ اغلبی خاندان کے دور حکومت میں قیروان شمالی افریقہ میں علوم و فنون کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا لن اغلبی حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ جزیرہ صقلیہ کی فتح اور بحری قوت کی ترقی ہے۔ اس دور میں نہ صرف یہ کہ جزیرہ قلیہ فتح کیا گیا بلکہ جنوبی اٹلی پر بھی مسلمانوں کا تسلط قائم ہو گیا تھا۔ اغلبی حکومت کا بحری بیڑہ اتنا طاقتور ہو گیا تھا کہ مغربی یرہ روم میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ابراہیم اغلب کے بعد اس کے بیٹے عبداللہ بن ابراہیم نے حکومت سنبھالی۔ یرہ روم کا جزیرہ صقلیہ اس کے جانشیں زیاداللہ کے دور میں فتح ہوا جس پر سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے دور میں ناکام دج کشی کی گئی تھی۔ زیاداللہ نے 100 بحری جہازوں کو اس مہم پر روانہ کیا جس نے کئی معرکوں اور جدوجہد کے بعد یہ عظیم فتح حاصل کی اور جزیرے کو سلطنت اغالبہ کا حصہ بنالیا۔ ابومضر زیاداللہ خاندان اغالبہ کا آخری حکمران ثابت ہوا جس کے دوران میں ابوعبداللہ الشیعی نے اغلبی حکومت کا خاتمہ کر کے فاطمی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

حکمران:

1۔ ابراہیم بن اغلب
2۔ ابوالعباس عبداللہ
3۔ ابومحمد زیاداللہ بن ابراہیم
4۔ ابوعقال الاغلب بن ابراہیم
5۔ ابوالعباس محمد
6۔ ابوابراہیم احمد بن محمد بن الاغلب
7۔ زیاداللہ ثانی
8۔ ابوالغرانیق محمد بن احمد
9۔ ابواسحاق ابراہیم بن احمد
10۔ ابوالعباس عبداللہ ثانی
11۔ زیاداللہ ثالث

Marfat.com

دولت طاہریہ

اندلس کے حالات نے قارئین کو سترہویں صدی عیسوی تک پہنچا دیا اور ابھی مسلمانوں کے درمیانی حالات کا عشر عشیر بھی نہیں بیان کیا گیا۔ یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ منصور خلیفہ عباسی کے عہد میں اندلس میں جدا سلطنت اسلامی قائم ہوئی لیکن سوا اندلس کے اور دیگر بلاد اسلام پر عرصہ تک بنو عباس قابض رہے۔ بنو عباس کی سلطنت کا حال اوپر لکھا جا چکا ہے لیکن نہایت اختصار کے ساتھ۔ اختصار کی وجہ یہ ہے کہ بنو عباس کے زمانہ میں جدا جدا سلطنتیں جو قائم ہوتی گئیں اور جن کی وجہ سے سلطنت بغداد روز بروز کمزور ہوتی گئی اُن کے حالات الگ لکھے جائیں گے اور اُن کے ذیل میں خلفائے عباسیہ کے تذکرے بار بار آئیں گے۔

خلفائے عباسیہ کی حکومت سب کے پہلے خراسان میں ضعیف ہوئی۔ یہاں ملوک طاہریہ کا ایک خاندان قائم ہوا جس کا پایہ تخت نیشاپور اور قوشین قرار پایا۔ ملوک طاہریہ کو خلفائے عباسیہ کا خودسر گورنر سمجھنا چاہیے۔ یہ لوگ خلفائے بغداد سے منحرف نہ تھے۔ لیکن اُن کے خاندان میں پے در پے ولایت کا ہونا خاندان کی قوت کا ثبوت دیتا ہے۔ اور اس سے خلفائے عباسیہ کی کمزوری خواہ مخواہ لازم آتی ہے۔ ملوک طاہریہ کی بنیاد یوں پڑی کہ طاہر بن حسین، قاتل خلیفہ امین الرشید گو بظاہر مامون کا بہی خواہ تھا لیکن مامون اپنی عالی ظرفی کو کیا کرتا کہ وہ اپنے بھائی کے قاتل کو کسی طرح دل سے نہیں پسند کرتا تھا۔ مامون نے اپنے دلی خیالات کو بہت چھپایا لیکن طاہر پر ظاہر ہی ہو گیا اور وہ کسی طرح خراسان کی گورنری کا پروانہ لے کر مامون کی خدمت سے الگ ہو گیا۔ خراسان پہنچ کر طاہر نے ایک روز مامون کا نام خطبہ جمعہ میں نہیں لیا اور یہی ابتدائی بغاوت تھی لیکن اتفاق سے دوسرے ہی دن وہ مر گیا اور اس کے بعد طلحہ بن طاہر، علی بن طلحہ، عبداللہ بن طاہر، طاہر بن عبداللہ، محمد بن طاہر بن عبداللہ پے در پے یہ پانچ والی خلفائے بغداد کے حکم سے مقرر ہوتے رہے اور برابر مطیع خلفاء رہے۔ محمد بن طاہر کو حسن بن زید علوی کے خروج سے بہت تکلیف پہنچی اور آخری دور میں وہ یعقوب بن لیث کے ہاتھ گرفتار ہوا اور ملوک طاہریہ کا اُس پر خاتمہ ہو گیا۔

❀❀❀❀

دولت صفاریہ

یعقوب بن لیث صفار، ابتدا میں ایک مزدور تھا پھر لٹیروں کی ایک جماعت کا سردار ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہوا خراسان، کابل، بلخ اور طبرستان پر قابض ہو گیا۔ محمد بن طاہر کو قید کیا اور اُس کے مدمقابل حسن زید علوی کو بھی شکست دی۔ یہ زمانہ معتمد باللہ کی خلافت کا تھا۔ معتمد کو یہ اعتراض تھا کہ میرے گورنر کو یعقوب نے کیوں قید کیا اور یعقوب نے بڑھ کر فارس پر بھی قبضہ کر لیا۔ اب خلیفہ نے دب کر فارس اور خراسان کی ولایت خوشی سے یعقوب کو دینا چاہی۔ لیکن اس کو تو تاج خلافت کی دھن تھی یہ کب مانتا تھا۔ پہلی لڑائی میں خلیفہ کے بھائی موفق نے کسی حیلہ سے یعقوب کو بھگایا اور جب دوبارہ یعقوب نے تیاری کے ساتھ چڑھائی کی تو درد قولنج نے اسے فرصت نہیں دی۔ یعقوب بڑا مستقل مزاج اور بہادر تھا۔ زندہ رہتا تو خلافت بغداد بڑے خطرہ میں رہتی۔ خلیفہ کا ایلچی جب فارس اور خراسان کی ولایت کا پروانہ لے کر صلح کا پیغام لایا تو اُس نے تلوار، نان خشک اور پیاز رکھ کر کہا کہ میں تلوار سے سلطنت لوں گا۔ خلیفہ کا مطیع ہونا مجھے منظور نہیں ہے اور اگر تلوار نے میری مدد نہ کی تو سوکھی روٹی اور ایک پیاز کی گٹھی مجھے بہت ہے۔ یعقوب کی اس گفتگو سے اس کے خیالات اور استقلال کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

یعقوب کے مرنے پر اُس کا بھائی عمر بن لیث خراسان کا والی ہوا اس نے خود خلیفہ کی خدمت میں اظہار اطاعت کا خط بھیجا اور وہاں سے عراق، عجم، فارس اور خراسان کی حکومت اس کو عطا ہوئی۔ درمیان میں خلیفہ بغداد اس سے ناخوش ہو گیا تھا لیکن اس درمیان میں رافع بن ہرثمہ نے خروج کر کے اپنے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ عمر نے رافع کو شکست دی اور اس کا سر کاٹ کر بغداد بھیج دیا۔ اس کارکردگی سے خلیفہ کے دل میں عمر نے پھر جگہ کر لی۔ عمر نے خلیفہ معتضد کے عہد میں جو تحائف اور ہدایا خراسان سے بغداد بھیجے تھے وہ بہت قیمتی بیان کیے جاتے ہیں۔ بہر حال عمر کی حالت ایک گورنر کی تھی۔ لیکن ایسا گورنر جسے بادشاہ موقوف کرنے کی جرأت نہ کرے اور نہ گورنر بادشاہ کے حکم سے عدول کرنے کی ہمت کرے۔ حجاج کے سامنے خلیفہ نے ماوراء النہر، خراسان، فارس، کرمان اور سیستان کی حکومت کا عمر بن لیث کو دیا جانا ظاہر کیا۔ اس سے عمر بن لیث کا دل بڑھا اور اُس نے ماوراء النہر کے حاکم اسمٰعیل سامانی سے مقابلہ کیا جہاں وہ اتفاقاً گرفتار ہو گیا اور بغداد بھیجا گیا۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ خلیفہ بغداد کے ایما پر اسمٰعیل نے ایسا کیا۔ عمر لیث بغداد ہی میں بحالت قید مرا۔ پھر اسی خاندان کے کئی اشخاص طاہر ابن محمد، لیث ابن علی، عمرو ابن یعقوب، خلف ابن احمد، یکے بعد دیگرے سیستان کے حاکم ہوئے۔ سامانیوں سے ان کا برابر مقابلہ رہا۔ اخیر میں یہ دونوں خاندان تباہ ہوئے یعنی دولت صفاریہ اور دولت سامانیہ کا ایک ساتھ خاتمہ ہوا۔ خلف ابن احمد دولت صفاریہ کا آخری حکمران بہت نیک نام سمجھا جاتا ہے۔ طاہر ابن محمد اور لیث ابن علی کو گرفتار کر کے دشمنوں نے بغداد بھیج دیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ تک سیستان میں خلفاء بغداد کی قوت کی نوعیت کیا تھی۔

❀❀❀❀

Marfat.com

دولت سامانی

دولت سامانیہ کی حکومت خلافت عباسیہ کے خاتمے کے بعد 874ء میں ماوراءالنہر میں قائم ہوئی۔اپنے مورث اعلیٰ اسد بن سامان کے نام پر یہ خاندان سامانی کہلاتا ہے۔نصر بن احمد بن اسد سامانیوں کی آزاد حکومت کا پہلا حکمران تھا۔ ماوراءالنہر کے علاوہ موجودہ افغانستان اور خراسان بھی اس حکومت میں شامل تھی۔اس کا دارالحکومت بخارا تھا۔سامانیوں نے 1005ء تک یعنی کل 134 سال حکومت کی۔اس عرصے میں ان کے دس حکمران ہوئے۔بہرام چوبی کی نسل سے اسدہ بن سامان ایک شخص تھا جسے اعزاز کی وجہ سے خلیفہ مامون الرشید بہت محترم سمجھتا تھا۔اس کے بہت سے لڑکے تھے جنہوں نے دارالخلافت میں مامون کے عہد میں تربیت پائی تھی اور پھر انہیں ذمہ داریوں کے عہدے دیئے گئے۔عرصہ تک اس نسل میں حکومت رہی۔کبھی تو ملوک طاہریہ کی طرف سے انہیں حکومت ملتی تھی اور کبھی خلفائے بغداد کی طرف سے یہ مقرر کیے جاتے تھے۔بادشاہی لقب اس خاندان میں اسمٰعیل ابن احمد سامانی کے وقت سے استعمال کیا گیا جو ایک خودمختار بادشاہ ہوا اور خلیفہ بغداد کی جو کچھ اس نے خدمت کی وہ جزو بطور اطاعت اور جزو بطور سلوک تھی۔

اسمٰعیل سامان:

اسمٰعیل سامانی نے بہت بڑی فتح ترکستان مین حاصل کی۔شاہ ترکستان کو مع اس کی خاتون کے گرفتار کر کے سمرقند لایا اور پھر جیجون سے عبور کر کے عمرابن لیث کو گرفتار کیا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ان دو فتوحات نے اسے مستقل بادشاہ بنا دیا۔شروع شروع اس نے ماوراءالنہر میں زور پکڑا اور یہیں سمرقند اُس کا پائے تخت ہوا۔عمرلیث کو اس نے قید کر کے بغداد بھیجا تو وہاں سے اس کو سیستان، خراسان، مازندران، رے اور اصفہان کی حکومت عطا ہوئی۔اس نے محمد بن زید علوی کو جس نے طبرستان میں خروج کیا تھا، شکست دی۔دولت سامانیہ میں سب سے مشہور اور اچھا حکمران اسماعیل سامان (892ء تا 907ء) تھا۔اسماعیل بڑا نیک مزاج اور عادل بادشاہ تھا۔نصر دوم کا عہد علم وادب کی سرپرستی کی وجہ سے ممتاز ہے اور اس کے لڑکے نوح اول کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے بخارا میں ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں ہر علم وفن کی کتابوں کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے مخصوص تھے۔مشہور فلسفی اور طبیب ابن سینا نے یہاں کی قیمتی اور نایاب کتابوں کی بڑی تعریف کی ہے۔نوح اول کے لڑکے منصور اول کے بارے میں مشہور سیاح ابن حوقل نے لکھا ہے کہ وہ اپنے دور کا سب سے عادل بادشاہ ہے۔

احمد بن اسمٰعیل:

خلیفہ بغداد نے اس کو عہد نامہ بھیجا اس کا پایہ تخت بخارا تھا یہ بہادر لیکن کج خلق تھا۔ارکین دولت کے ایما سے یہ قتل کیا گیا۔چھ سال تک یہ بادشاہ رہا۔

ابوالحسن نصر بن احمد:

نہایت کم سنی میں یہ تخت پر بیٹھا۔اس کے خاندان والے اس سے منحرف رہے اور مغلوب ہوئے۔ہوش سنبھلنے پر

Marfat.com

دانا مور بادشاہ ہوا۔ 331ھ میں 28 سال حکومت کر کے 38 برس کی عمر میں اس نے انتقال کیا۔ کریم النفسی سے اس کا
امیر سعید ہوا۔

ح بن نصر بن احمد 331ھ:

اس کا سلاطین دیالمہ سے برابر مقابلہ رہا لڑائیوں میں اکثر یہ غالب رہا۔ 343ھ میں اس نے وفات پائی۔

الملک بن نوح 343ھ:

رے اور خراسان کی بابت یہ بھی اپنے باپ کی طرح دیالمہ سے برابر لڑتا رہا۔ آخری عہد میں کچھ مصالحت ہوگئی تھی
ی اثناء میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر 350ھ میں مر گیا۔

ور ابن نوح بن نصر 350ھ:

اپنے بھائی عبدالملک کے مرنے پر یہ خراسان اور ماوراء النہر کا بادشاہ ہوا۔ الپ تکین سپہ سالار خراسان، اس کی
شینی کے خلاف تھا اس لئے اس کی تخت نشینی کی خبر سن کر وہ غزنین بھاگ آیا اور یہاں اُسی کے غلام سبکتگین کی ذات
سلطنت کی بنیاد پڑی۔ رکن الدولہ دیلمی پر یہ بادشاہ غالب آیا اور اس سے کچھ سالار خراج مقرر کرالیا۔ پندرہ سال
ت کر کے 365ھ میں یہ مرا۔

بن منصور بن نوح 365ھ:

الپ تکین کے غلام سلطان سبکتگین کا یہ ہم عصر تھا۔ اس کے عہد میں عضد الدولہ بن رکن الدولہ دیلمی تمام عراقین پر
ں ہوگیا تھا۔ اور شمس المعالی قابوس بن وشم گیر، جرجان اور طبرستان پر قابض تھا۔ اس کے عہد میں بڑے بڑے معرکے
ے اور بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں، کئی مرتبہ تو یہ فخر الدولہ کی حمایت میں عضد الدولہ دیلمی سے لڑائی۔ بغرا خان، گورنر
ان ابوعلی کی سازش سے ترکستان سے بخارا آیا اور ماوراء النہر پر قابض ہوگیا۔ امیر نوح تاب مقابلہ نہ لا کر مفرور ہو
ابوعلی خراسان کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ بغرا خان بیمار ہو کر اپنے وطن کو واپس چلا اور راہ میں مر گیا۔ اس طرح نوح
وراء النہر کا بادشاہ ہوا لیکن بوعلی اور فائق نے لڑائی کی دھمکی دی تو وہ گھبرایا۔ سبکتگین کا شمار اب تک سلاطین میں نہ تھا۔
الاروں کی طرح ہندوستان میں اس نے کچھ حملے کیے تھے جس سے اس کا نام روشن ہوگیا تھا۔ نوح نے اس سے مدد
جسے یہ اپنا فخر سمجھا۔ سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود نے بوعلی کو شکست دی جس کے صلہ میں امیر نوح نے سبکتگین کو ناصر
ن اور محمود کو سیف الدولہ کا خطاب عطا کیا۔ پھر اس کے بعد کئی مرتبہ سبکتگین اور محمود نے نوح کی طرف سے لڑائیاں
۔ نوح کے گورنر اور ملازم اکثر نمک حرام تھے اس لئے بڑی بڑی دقتیں پیدا ہوئیں۔ 387ھ میں یہ وفات پا گیا۔

ور بن نوح بن منصور 387ھ:

درباریوں کا حال تو بگڑا تھا ہی انہوں نے سیف الدولہ ایسے خیر خواہ دولت سے منصور کو لڑوانا چاہا لیکن محمود بچ گیا۔
کے بعد خود اراکین نے منصور کی آنکھ میں سلائی پھیر کر تخت سے اُتار دیا اور اُس کے بھائی عبدالملک کو تخت پر بٹھایا۔

الملک بن نوح:

عبدالملک بن نوح کو بھی لوگوں نے محمود سے لڑوانا چاہا۔ محمود کب تک صبر کرتا، لڑ پڑا۔ عبدالملک بھاگ کر بخارا اپنی

Marfat.com

دارالسلطنت کی طرف گیا۔ وہاں ایلک خان ترک کاشغر سے آکر قابض ہوگیا تھا۔ آخر میں سامانی حکومت بھی عباسیوں طرح کمزور ہوتی چلی گئی۔ صوبہ دار باغی ہونے لگے اور خراسان اور غزنی کے علاقوں میں ان کے ایک سپہ سالار سبکتگین اپنی آزاد حکومت قائم کرلی اور بخارا، سمرقند پر کاشغر کے بادشاہ ایلک خان نے قبضہ کرلیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالملک گرفتار اور دولت سامانیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ آخری سامانی وارث مستنصر بن نوح نے کچھ سر اٹھایا بلکہ ایلک خان سے خوب لڑا لیکن آخر ہزیمت پائی اور 395ھ میں آل سامان کا خاتمہ ہوگیا۔

اجمالی جائزہ:

سامانیوں کا ایک بڑا کارنامہ خانہ بدوش ترک قبائل کی یلغار سے مملکت کی حفاظت کرنا ہے۔ اس مقصد کے شمالی سرحدوں پر جگہ جگہ چوکیاں قائم تھیں جن کو رباط کہا جاتا تھا۔ یہاں جہاد کے لئے ہر وقت رضا کار موجود رہتے اسی دور میں ترکوں میں اسلام تیزی سے پھیلا اور چوتھی صدی کے آخر تک مشرقی ترکستان یعنی کاشغر اور اس کے علاقے اور شمالی ترکستان سے لے کر روس میں وولگا کی وادی میں اسلام پھیل گیا۔ سامانی عہد میں علم وادب کی دل کھول سرپرستی کی گئی لیکن اس دور کی بڑی خصوصی فارسی زبان کی ترقی ہے۔ اب تک مسلمان جس قدر کتابیں لکھتے تھے وہ زبان میں ہوتی تھیں۔ جو لوگ عرب نہیں تھے مثلاً ایرانی وترک، وہ بھی عربی ہی پڑھتے اور لکھتے تھے۔ یہ لوگ فارسی ترکی کے بجائے شاعری بھی عربی میں کرتے تھے۔ سامانی بادشاہوں نے اب فارسی زبان کی سرپرستی شروع کردی کیونکہ خود فارسی بولتے تھے۔ چنانچہ فارسی کا پہلا بڑا شاعر رودکی، اسماعیل کے پوتے نصر (913ء تا 942ء) کے دربار کا تھا۔ اسی زمانے میں طبری کی مشہور تاریخ اور تفسیر کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ مشہور فلسفی فارابی اور ابن سینا کا ابتدائی سامانی دربار سے تھا۔ علماء میں علم کلام کے ماہر امام منصور ماتریدی متوفی 330ھ اور صوفیوں میں ابونصر سراج متوفی 8 بھی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

عہد حکومت آلِ سامان:

نصر اول	261ھ تا 279ھ بمطابق 874ء تا 892ء
اسماعیل	279ھ تا 295ھ بمطابق 892ء تا 907ء
احمد	295ھ تا 301ھ بمطابق 907ء تا 913ء
نصر دوم	301ھ تا 331ھ بمطابق 913ء تا 942ء
نوح اول	331ھ تا 343ھ بمطابق 942ء تا 954ء
عبدالملک	343ھ تا 350ھ بمطابق 954ء تا 961ء
منصور اول	350ھ تا 366ھ بمطابق 961ء تا 976ء
نوح دوم	366ھ تا 387ھ بمطابق 976ء تا 997ء
منصور دوم	387ھ تا 389ھ بمطابق 997ء تا 999ء
عبدالملک	389ھ تا 395ھ بمطابق 999ء تا 1005ء

❀❀❀❀

دولت غزنویہ

(367ھ تا 582ھ۔976ء تا 1186ء)

سلطنت غزنویہ 976ء سے 1186ء تک قائم ایک حکومت تھی جس کا دارالحکومت افغانستان کا شہر غزنی تھا۔ الپتگین الپ تگین سپہ سالار کا خراسان سے جا کر غزنی میں حکومت کرنا منصور بن نوح سامانی کے حال میں مذکور ہوا ہے۔ اس کا تر کی غلام سبکتگین 367ھ میں اس کے مرنے پر جانشین ہوا۔ جب سامانی حکومت کمزور ہوگئی اور اس کے صوبہ خودمختار ہو گئے تو ان میں صوبہ دار سبکتگین (366ھ تا 387ھ) نے افغانستان کے دارالحکومت کابل کے جنوب میں شہر غزنی میں 366ھ میں ایک آزاد حکومت قائم کی جو تاریخ میں دولت غزنویہ اور آل سبکتگین کے نام سے جانی جاتی ہے۔ بعد میں سبکتگین کا خراسان پر بھی قبضہ ہو گیا۔ نوح بن منصور سامانی نے اسے ناصرالدین خطاب دیا۔ ملوک غزنویہ کا سلسلہ اسی کی ذات سے قائم ہوا۔ اسی سبکتگین کے زمانے میں مسلمان پہلی مرتبہ درہ خیبر کے راستے پاکستان میں داخل ہوئے۔ اس زمانے میں لاہور میں ایک ہندو راجہ جے پال حکومت کرتا تھا۔ اس کی حکومت پشاور سے آگے کابل تک پھیلی ہوئی تھی اور اس کی سرحدیں سبکتگین کی حکومت سے ملی ہوئی تھیں۔ راجہ جے پال نے جب دیکھا کہ سبکتگین کی حکومت طاقتور بن رہی ہے تو اس نے ایک بڑی فوج لے کر غزنی پر حملہ کر دیا لیکن لڑائی میں سبکتگین نے اس کو شکست دے دی اور جے پال کو گرفتار کر لیا گیا۔ جے پال نے سبکتگین کی اطاعت قبول کر کے اپنی جان بچائی اور سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔ سبکتگین نے جے پال کو رہا کر دیا اور وہ لاہور واپس آ گیا لیکن اس نے وعدے کے مطابق خراج نہیں بھیجا جس کی وجہ سے سبکتگین نے حملہ کر دیا اور وادی پشاور پر قبضہ کر لیا۔ سبکتگین کا 20 سال کی حکومت کے بعد انتقال ہو گیا۔

سلطان امیر اسمٰعیل بن ناصر الیاس سبکتگین 387ھ:

اپنے باپ کے مرنے پر یہ تخت نشین ہوا۔ اپنے بھائی محمود سے یہ لڑا اور مغلوب ہوا۔

سلطان محمود غزنوی بن ناصرالدین 387ھ:

اپنے بھائی اسمٰعیل کو تخت سے اتار کر یہ تخت پر بیٹھا۔ سیف الدولہ کا لقب ایام شاہزادگی میں نوح بن منصور سے اس نے پایا تھا۔ اب بادشاہ ہونے پر جب اس کی شہرت اور بڑھی تو خلیفہ بغداد قادر باللہ نے اس کو امین اللہ اور یمین الدولہ کا خطاب دیا اور بہت قیمتی خلعت اُس کے پاس بھیجی۔ ایلق خان یا ایلک خان بن بغرا خان کو مغلوب کر کے اس نے جیحون کے پار بھگا دیا اور اس کے مرنے پر طغا خان بن التوخان کو شکست دے کر ماوراءالنہر پر بھی محمود قابض ہوا اور اس کی سلطنت کی حد بحر کیسپین تک پہنچی۔ خراسان اور سیستان تو اس کے باپ کے وقت سے مقبوضات میں شامل تھا۔ بوعلی بن مامون سے اس نے ولایت خوارزم بھی چھین لی۔ ہندوستان میں اس نے متعدد حملے کر کے تمام ہندوستان کو قریب قریب فتح کر لیا۔ مجدالدولہ بن فخرالدولہ دیلمی کو گرفتار کر کے اس نے رے اور اصفہان پر بھی قبضہ کیا۔ ملک غور بھی اس نے فتح کیا۔

غوریوں کا خاندان اس لئے زیادہ مشہور ہے کہ غزنی کی سلطنت انہیں لوگوں نے غارت کی اور ہندوستان میں مستقل اسلامی سلطنت انہیں لوگوں نے قائم کی۔ سلطان عربی لفظ ہے اس کے معنی ہیں بادشاہ۔ سب سے پہلے محمود نے یہ لقب اختیار کیا۔ اس سے پہلے کسی مسلمان بادشاہ کو سلطان نہیں کہتے تھے۔ 421ھ میں یہ سل کی بیماری میں مرا اور مرنے سے پہلے اس نے ممالک مفتوحہ کو یوں تقسیم کیا کہ ایک بیٹے محمد کو خراسان ماوراء النہر، غزنی اور ہندیا۔ اصفہان اور رے دوسرے بیٹے مسعود کے سپرد کیا۔ اس تقسیم سے اس کی سلطنت کی وسعت ظاہر ہوتی ہے۔ خلافت بغداد کی کمزوری کے بعد اس سے بڑا کوئی دوسرا مسلمان بادشاہ نہیں ہوا۔ یہ بادشاہ بہترین منتظم تھا۔ محمود ہندوستان پر 17 حملوں کے باعث شہرت کی بلندیوں پر پہنچا۔ محمود بچپن سے ہی بڑا نڈر اور بہادر تھا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ کئی لڑائیوں میں حصہ لے چکا تھا۔ وہ کامیاب سپہ سالار اور فاتح بھی تھا۔ مشرق میں اس نے قریب قریب وہ تمام علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا جو آج پاکستان کہلاتا ہے۔ محمود عدل وانصاف اور علم وادب کی سرپرستی کے باعث بھی مشہور ہے۔ اس کے دور کی مشہور شخصیات میں فردوسی اور البیرونی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ شاہنامہ محمود کے حکم پر ہی فردوسی نے لکھا تھا۔

سلطان محمد غزنوی بن محمود غزنوی 421ھ:

اپنے باپ کی وصیت کے مطابق یہ غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی مسعود نے وہی سلوک کیا جو محمود نے اپنے بھائی اسمٰعیل کے ساتھ کیا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ محمود نے اتنی سختی روا نہ رکھی تھی جتنی مسعود نے کی۔

سلطان مسعود غزنوی بن محمود غزنوی 422ھ:

یہ اپنے بھائی محمد کی آنکھیں پھوڑ کر تخت پر بیٹھا۔ اتنی بڑی سلطنت کا انتظام اس سے نہ ہو سکا۔ رے اور ماوراء النہر میں بغاوتیں شروع ہوئیں۔ سلجوقیوں نے خراسان سے اسے بالکل بے دخل کر دیا پھر بھی ہندوستان میں یہ کئی مرتبہ آیا۔ سلجوقیوں سے شکست کھا کر جب یہ غزنی میں آیا تو اپنے امرا پر بڑی سختی کی۔ اس کے نزدیک شکست انہیں امرا کی کم ہمتی سے ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ ہندوستان کی طرف چلا۔ سندھ پار ہوا ہی تھا کہ اندھے محمد کو پھر لوگوں نے زبردستی تخت پر بٹھایا۔ مسعود یہ سن کر پلٹا۔ راہ میں لڑائی ہوئی اور گرفتار ہوا لیکن محمد نے انسانیت سے کام لیا اور اس کی آنکھیں پھوڑنے یا قتل کرنے کا اس نے حکم نہیں دیا۔ لوگوں نے اسے قید کیا اور پھر کسی وجہ سے مار ڈالا۔ محمود کی جمع کی ہوئی دولت اس نے خوب اڑائی۔ اسی لئے اہل کمال نے اس کی بڑی تعریفیں لکھی ہیں۔ مسعود کے آخری زمانے میں وسط ایشیا کے سلجوقی ترکوں نے غزنوی سلطنت کے شمال اور مغربی حصوں پر قبضہ کر لیا۔ اب سلاطین غزنی کے قبضے میں صرف وہ علاقے رہ گئے جو اب مشرقی افغانستان اور پاکستان پر مشتمل ہیں۔

سلطان مودود غزنوی بن مسعود غزنوی 435ھ:

یہ اپنے چچا محمد کحول سے کچھ دنوں تک لڑتا رہا پھر اس پر غالب آ کر 435ھ میں غزنی کا مستقل سلطان ہوا۔ سلجوقیوں سے اس نے بھی شکست کھائی اور صرف غزنی ماوراء النہر اور ہند پر اس کی حکومت محدود رہ گئی۔ پہلے سلاطین ہند کی سلطنت کو حقیر سمجھتے تھے لیکن اب وہی مایہ ناز رہ گئی۔

سلطان علی غزنوی بن مودود غزنوی، عبدالرشید غزنوی 441ھ-443ھ

یہ دونوں بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت پر برائے نام بیٹھے۔ عبدالرشید کو مار کر طغرل ایک غیر شخص تخت نشین ہوا۔

پھر طغرل کو قتل کر کے لوگوں نے فرخ زاد بن مسعود کو تخت پر بٹھایا۔

سلطان فرخ زاد غزنوی بن مسعود غزنوی 444ھ:

اس نے کچھ ہاتھ پاؤں سنبھالے تھے کہ الپ ارسلان سلجوقی نے اس کو بالکل دبا دیا۔

سلطان ابراہیم غزنوی بن مسعود غزنوی 451ھ:

اس نے سلجوقیوں سے صلح کر لی تاکہ ایک کو دوسرے سے کچھ ڈر نہ رہے۔ گویا اسی وقت سے سلجوقیوں کا سردار
راسان کا مستقل بادشاہ ہوا۔ سلجوقیوں سے مطمئن ہو کر یہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ بادشاہ بڑا عادل۔ عابد اور زاہد
ا۔ ہند میں اس نے بہت فتوحات کیے۔ ہندوؤں سے یہ برابر لڑتا رہا۔ دور زوال کے غزنوی حکمرانوں میں سلطان
راہیم (451ھ تا 492ھ) کا نام سب سے نمایاں ہے۔ اس نے اپنے 40 سالہ دور حکومت میں سلطنت کو مستحکم کیا،
لجوقیوں سے اچھے تعلقات قائم کئے اور ہندوستان میں مزید فتوحات حاصل کیں۔ اس کے عہد میں ہندوؤں نے
سلمانوں کو پنجاب سے بے دخل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ ابراہیم نے دہلی تک تمام علاقہ
نی کی سلطنت میں شامل کر لیا اور اس کی افواج نے بنارس تک کامیاب حملے کئے۔ ابراہیم بڑا دیندار اور رعایا پرور حکمران
رات کو غزنی کی گلیوں میں گشت کرتا اور محتاجوں اور بیواؤں کو تلاش کر کے ان کی مدد کرتا۔ وہ اعلیٰ درجے کا خوشنویس تھا۔
سال ایک قرآن مجید لکھتا جسے ایک سال مکہ معظمہ اور دوسرے سال مدینہ منورہ بھیجتا۔ اس کو محلات سے زیادہ ایسی عمارتیں
نے کا شوق تھا جن سے عوام کو فائدہ پہنچے چنانچہ اس کے عہد میں 400 سے زائد مدارس، خانقاہیں، مسافر خانے اور
اجد تعمیر کی گئیں۔ اس نے غزنی کے شاہی محل میں ایک بہت بڑا دواخانہ قائم کیا جہاں سے عوام کو مفت ادویات ملتی تھیں۔
ں دواخانے میں خصوصاً آنکھ کی بیماریوں کی بڑی اچھی دوائیں دستیاب تھیں۔ 42 برس تک اس نے بادشاہی کی۔

سلطان مسعود غزنوی بن ابراہیم غزنوی 493ھ:

اس بادشاہ نے 16 برس تک سلطنت کی۔ اسکے عہد میں لاہور کچھ دنوں کیلئے تخت گاہ بنا تھا۔

سلطان ارسلان غزنوی بن مسعود غزنوی بن ابراہیم غزنوی 509ھ:

یہ بادشاہ صرف تین برس تک بادشاہ رہا۔ پھر اس کے بعد شاہ سنجر سلجوقی نے غزنی کو فتح کر کے ارسلان کے بھائی
اہیم کو تخت نشین کیا۔

سلطان بہرام غزنوی بن مسعود غزنوی بن ابراہیم غزنوی 512ھ:

یہ نیک نام بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے عہد میں ذی علم بہت جمع تھے۔ کلیلہ دمنہ اور خمسہ نظامی اس کے عہد کی تصانیف
ں۔ ہند میں اس کا بھی زور رہا۔ 35 سال تین ماہ تک اس نے سلطنت کی۔ نظامی نے اس کی خاطر سے پری پیکر تصنیف
تھی۔ 545ھ بمطابق 1150ء میں غزنی پر غور کے ایک حکمران علاؤالدین غوری نے قبضہ کر کے شہر کو آگ لگادی جس
وجہ سے دنیا کا یہ عظیم شہر جل کر خاکستر ہو گیا۔ علاؤالدین کے اس ظالمانہ کام کی وجہ سے لوگ اس کو "جہاں سوز" یعنی دنیا
جلانے والا کہتے ہیں۔ اس کے بعد غزنوی خاندان کے آخری دو حکمرانوں کا دارالسلطنت لاہور ہو گیا۔

سلطان خسرو شاہ غزنوی بن بہرام شاہ غزنوی 547ھ:

علاء الدین غوری جہانسوز نے اس کو غزنی سے بھگا دیا۔ لاہور میں جا کر یہ مقیم ہوا۔ پھر وہاں سے آیا لیکن غزنی میں رہ نہ سکا لاہور ہی میں جا کر رہا اور وہیں مرا۔ آٹھ سال حکمران رہا۔

سلطان خسرو ملک غزنوی بن خسرو شاہ غزنوی 555ھ:

اپنے باپ کے مرنے پر یہ لاہور کے تخت پر بیٹھا۔ غیاث الدین محمد شاہ غوری، غزنی کے تخت پر بیٹھ کر ہندوستان پر حملہ کرتا ہے۔ بالآخر 582ھ میں غور کے ایک دوسرے حکمران شہاب الدین غوری نے لاہور پر قبضہ کر کے آل سبکتگین کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ لاہور پر بھی غوریوں کا قبضہ ہو گیا اور خاندان سبکتگین کا خاتمہ ہو گیا۔

آل سبکتگین:

سبکتگین	942ء تا 997ء
محمود غزنوی	997ء تا 1030ء
مسعود اول	1030ء تا 1040ء
مودود	1040ء تا 1048ء
عبدالرشید	1048ء تا 1052ء
فرخ زاد	1052ء تا 1059ء
سلطان ابراہیم	1059ء تا 1099ء
مسعود دوم	1099ء تا 1114ء
شہزاد	1114ء تا 1115ء
ارسلان شاہ	1115ء تا 1118ء
بہرام شاہ	1118ء تا 1152ء
خسرو شاہ	1152ء تا 1160ء
خسرو ملک	1160ء تا 1182ء

اجمالی جائزہ:

غزنوی حکمرانوں کا دور پاکستان کی تاریخ میں خاص طور پر بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ پاکستان تقریباً 200 سال غزنی کی سلطنت کا حصہ رہا اور اس زمانے میں اسلامی تہذیب کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔ کوہ سلیمان کے رہنے والے پٹھانوں نے اسی زمانے میں اسلام قبول کیا اور لاہور پہلی مرتبہ علم و ادب کا مرکز بنا۔ غزنوی حکمران علم و ادب کے مربی و سرپرست تھے۔ خصوصاً محمود غزنوی کے دور کے فردوسی اور البیرونی کے کارنامے دنیا آج بھی یاد کرتی ہے۔ فردوسی کا شاہنامہ فارسی شاعری کا ایک شاہکار سمجھا جاتا ہے اور دنیا اسے آج تک دلچسپی سے پڑھتی ہے۔ البیرونی اپنے زمانے کا سب سے بڑا محقق اور سائنس دان تھا۔ اس نے ریاضی، علم ہیئت، تاریخ اور جغرافیہ میں ایسی عمدہ کتابیں لکھیں جو

Marfat.com

...ی جاتی ہیں۔غزنویوں کے دور میں لاہور پہلی مرتبہ علم وادب کے مرکز کے طور پر ابھرا۔اس زمانے میں فارسی کے کئی
...ب اورشاعر یا تو لاہور میں پیدا ہوئے یا یہاں آ کر آباد ہوئے۔یہاں کے شاعروں میں مسعود سعد سلمان اور رونی بہت
...ور ہیں۔ان کا شمار فارسی کے صف اول کے شعراء میں ہوتا ہے۔یہ دونوں شاعر سلطان ابراہیم اور اس کے جانشینوں
...زمانے میں تھے۔لاہور کے علماء میں حضرت علی بن عثمان ہجویری (400ھ تا465ھ) بہت مشہور ہیں۔جن کی وجہ
...لاہور کے علاقے میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور بہت سے ہندو مسلمان ہوئے۔حضرت ہجویری آجکل داتا گنج بخش
...نام سے مشہور ہیں۔انہوں نے 40 سال تک اسلامی دنیا کے بہت بڑے حصے کی سیر کی اور آخر میں لاہور آ کر رہنے
...۔ان کا مزار لاہور میں موجود ہے۔حضرت ہجویری ''کشف المحجوب'' نامی ایک کتاب کے مصنف ہیں۔یہ علم تصوف
...فارسی زبان کی پہلی کتاب ہے اور تصوف کی سب سے اچھی کتابوں میں سے ہے۔یہ کتاب انہوں نے لاہور میں لکھی
...۔اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔عہد غزنوی کی دو عظیم ہستیاں ابوسعید ابوالخیر (357ھ تا440ھ) اور سنائی
...4ھ تا545ھ) ہیں۔ابوالخیر اپنے عہد کے بڑے صوفی اور ولی تھے۔ان کی شہرت زیادہ تر رباعیوں کی وجہ سے
...کیونکہ وہ فارسی زبان کے پہلے بڑے رباعی گو شاعر تھے۔ان کی یہ رباعیاں آج بھی مقبول ہیں اور خدا سے محبت اور
...قی تعلیم ان کا خاص موضوع ہے۔سنائی غزنویوں کے آخری دور کے سب سے بڑے شاعر ہیں اور فارسی میں صوفیانہ
...ری کے بانی ہیں۔ان کا کلام سوز و گداز اور اخلاقی تعلیم سے بھرا ہوا ہے۔ابوسعید ابوالخیر کا تعلق خراسان سے تھا اور سنائی
...غزنی سے۔عربی زبان کا مشہور ادیب بدیع الزماں ہمدانی (متوفی 1007ء) بھی اسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔وہ
...ت کا رہنے والا تھا۔اس کی کتاب ''مقامات'' عربی انشاپردازی کا اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی ہے۔

❀❀❀❀

دولت غوریہ

552ھ تا 603ھ بمطابق 1157ء تا 1206ء

ملوک غزنی کے تباہ ہونے پر خاندان غور نے غزنی پر تسلط پایا اور اسی سلسلے میں خسرو ملک کے بعد ہندوستان میں غوریوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملک غور اور غوریوں کا عروج کچھ اختصار کے ساتھ بیان جائے۔ ہرات کے مشرقی پہاڑوں میں ایک وسیع مقام کا نام غور ہے۔ یہاں کے باشندے افغان تھے اور 111ھ جب عربوں نے غور فتح کیا تو یہ لوگ مسلمان ہوگئے۔ سلطان محمود غزنوی نے بذات خاص حملہ کر کے غوریوں پر فتح پائی تب سے ملک غور گویا غزنی کا ایک صوبہ ہوگیا تھا۔ سلطنت غوریہ 552ھ تا 603ھ تک قائم حکومت تھی۔ جس کو برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ غوری خاندان کی اس حکومت کو تاریخ میں ''آل شنسب'' کی حکومت بھی کہا ہے۔ غوری خاندان کی حکومت سلطنت غزنویہ کے خاتمے کے بعد قائم ہوئی۔ اگرچہ یہ حکومت صرف 50 سال قائم لیکن تاریخ اسلام میں اس کو اس وجہ سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس کے زمانے میں شمالی ہند اور بنگال میں پہلی اسلامی حکومت کی بنیادیں پڑی۔ غوری خاندان شروع میں خاندان غزنی کی حکومت کا باجگذار تھا اور کابل اور ہرات درمیان غور کے پہاڑی علاقے پر اس کی حکومت تھی۔ اس علاقے کا مرکز فیروز کوہ تھا۔ غور کے باشندے نسلاً تاجک اس وقت تک اسلامی تاریخ میں جن قوموں نے نمایاں کردار ادا کیا تھا وہ عرب، ایرانی، ترک اور بربر تھے۔ غوریوں دور حکومت میں تاجک پہلی مرتبہ اسلامی تاریخ کی ایک عظیم قوم کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔

سلطان سیف الدین سوری:

سلطان ابراہیم غزنوی (451ھ تا 492ھ) کے بعد غور کے حکمران ملک عز الدین حسین نے خودمختاری حا کرلی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین سوری حکمران ہوا۔ غور کے بادشاہ قطب الدین سوری، قطب الدین محمد اور سلطان بہرام غزنوی میں لڑائیاں ہوئیں اور قطب الدین ہلاک ہوا۔ قطب الدین کا بھائی سیف الدین بھائی کے کا عوض لینے چلا۔ بہرام ڈر کر کرمان کی طرف بھاگ گیا۔ سیف الدین نے بہرام شاہ غزنوی (512ھ تا 547ھ) زمانے میں غزنی پر حملہ کیا اور شہر پر قبضہ کر کے سلطان کا لقب اختیار کیا لیکن بہرام شاہ نے جلد ہی غزنی کو اس سے لیا۔ بہرام شاہ نے اچانک غزنی میں پہنچ کر سیف الدین کو قید کیا اور تمام گلی کوچوں میں رسوا کر کے بڑی ذلت سے الدین کو قتل کرادیا۔

سلطان علاء الدین جان سوز غوری:

اب تیسرے بھائی علاء الدین نے یہ خبر سن کر نہایت اہتمام سے چڑھائی کی۔ بہرام بھاگ گیا۔ علاء الدین غزنی میں پہنچ کر گویا خون کا دریا بہادیا۔ شہر کو آگ لگادی اور سات دن تک قتل عام کیا۔ محمود، مسعود اور ابراہیم کی قبرو

تمام شاہی قبریں کھود ڈالیں۔ غزنی ایسے عمدہ شہر کے جلانے سے 'جہاں سوز' اس کا لقب ہوا اور آج تک تاریخ میں وہ ناپسندیدہ نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ 547ھ کا ہے۔ اس کے بعد ہندوستان کی سلطنت 1156ء تک خسرو شاہ اور خسرو ملک کے قبضہ میں تھی اور اس کے بعد غوریوں کے قبضہ میں آ گئی۔ علاء الدین جہان سوز کو قومیت کے اعتبار سے غوری اور ملک کے اعتبار سے غوری لکھنا چاہئے۔ غزنی کی فتح کے بعد وہ اپنے دارالحکومت فیروزکوہ پر چلا گیا اور غزنی کو اپنی سلطنت کا ایک صوبہ بنا تا گیا۔ لیکن دو ہی چار برس کے اندر سلجوقیوں کے بادشاہ سلطان سنجر نے غور اور غزنی دونوں پر حملہ کر کے علاء الدین کو گرفتار کیا لیکن اس کے بعد پھر اُس کو چھوڑ دیا۔ اس زمانہ میں سلجوقیوں کی ترقی کا آفتاب بھی ڈھل چلا تھا اور علاء الدین کے معاملے کے کچھ عرصے بعد سلطان سنجر ایک ترکی قوم یوز یا غز کے ہاتھ گرفتار ہو گیا جیسا کہ سلطان سنجر کے حالات میں درج ہو چکا ہے اور اس طرح غزنی بھی قوم غز کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ قوم غز جب مغرب چلی گئی تو غزنی پر علاء الدین کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے بعد علاؤ الدین جہانسوز کا اپنی طبعی موت سے 551ھ میں انتقال ہو گیا۔ غزنی کی بربادی سے علاء الدین کی موت تک صرف چار برس کا زمانہ گزرا اور اسی درمیان میں یہ سب انقلابات ہو گئے۔

سلطان سیف الدین غوری ثانی:

غور کے علاقے میں اس وقت تک قرامطہ اور اسماعیلی فرقے کا بہت اثر تھا اور علاؤ الدین بھی ان کا ہم عقیدہ تھا لیکن جب اس کا لڑکا سیف الدین ثانی جو راسخ العقیدہ مسلمان تھا، تخت پر بیٹھا تو اس نے غور کے علاقے سے قرامطہ کا اثر ختم کر دیا۔ ڈیڑھ برس کے قریب سلطنت کر کے غز کی لڑائی میں خود اپنے درباری کے ہاتھ سے مارا گیا۔

سلطان غیاث الدین غوری:

غور کے خاندان کے حقیقی اہمیت دو بھائیوں غیاث الدین اور شہاب الدین محمد غوری کے زمانے میں حاصل کی جو سیف الدین ثانی کے چچازاد بھائی تھے اور سیف الدین کے انتقال کے بعد یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ سیف الدین غوری کے بعد غیاث الدین غوری 552ء میں غور کے تخت پر بیٹھا۔ یہ سلطان اپنے بھائی شہاب الدین کے ساتھ مل کر سلطنت کرتا تھا۔ غیاث الدین غوری نے 567ھ بمطابق 1173ھ میں غزنی کو مستقل طور پر فتح کر لیا اور شہاب الدین محمد غوری کو سلطان معزالدین کا خطاب دے کر غزنی میں تخت پر بٹھایا۔ غیاث الدین نے اس دوران ہرات اور بلخ بھی فتح کر لئے اور ہرات کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ غور، غزنی اور ہرات پر جب اِن دونوں کا قبضہ ہو گیا تو ان دونوں نے مشرقی خراسان پر بھی قبضہ کیا۔ سلجوقیوں میں یہ دم نہ تھا کہ وہ ان کا مقابلہ کرتے شہاب الدین غوری نے 582ھ میں ہندوستان پر حملے کر کے خسرو ملک کو جو لاہور کے تخت پر براجمان تھا، قید کیا اور غیاث الدین کے پاس غور بھیج دیا۔ خسرو ملک کی گرفتاری کے بعد شہاب الدین ہندوستان کے پایہ تخت لاہور پر حکمران ہوا۔ غیاث الدین بہت کم لڑائیوں میں شریک ہوتا تھا۔ سپہ سالاری ذمہ داری زیادہ تر شہاب الدین کے متعلق تھی۔

کھوکھروں کا قبول اسلام:

شہاب الدین کے زمانے میں غیر مسلموں کی اکثریت نے اسلام قبول کیا۔ دریائے جہلم اور سندھ کے درمیان کھوکھر نامی ایک قوم آباد تھی جن کے یہاں ایک مسلمان قید تھا۔ اس مسلمان قیدی کی تبلیغ سے یہ قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ پاکستان میں بلوچستان کے پہاڑی علاقوں کے پٹھان بھی اسی زمانے میں اسلام لائے۔ اس تمام مدت میں شہاب الدین

Marfat.com

محمد غوری کا بھائی غیاث الدین ہرات پر حکومت کرتا رہا۔ اس نے ہرات شہر کو بڑی ترقی دی اور وہاں ایک شاندار جا
مسجد تعمیر کرائی جو آج بھی موجود ہے اور شہر ہرات کی سب سے اہم اور بڑی عمارت ہے۔ غیاث الدین نے 46 سا
حکومت کی اور 598ھ میں اس کے انتقال کے بعد شہاب الدین محمد غوری ہرات میں بھائی کی جگہ پوری غوری سلطنت
بادشاہ ہوگیا۔

سلطان شہاب الدین غوری:

سلطان شہاب الدین غوری اگرچہ اپنے بھائی کا نائب تھا لیکن اس نے غزنی میں ایک آزاد حکمران کی حیثیت
حکومت کی اور پاکستان اور شمالی ہندوستان کو فتح کر کے تاریخ میں مستقل مقام پیدا کرلیا۔ 598ھ میں اپنے بھائی
انتقال کے بعد وہ پوری غوری سلطنت کا حکمران بن گیا۔ شہاب الدین غوری نے اپنی فتوحات کا آغاز ملتان اور اوچ
کیا اور 1175ء میں دونوں شہر فتح کر لئے اس کے بعد 1179ء میں پشاور اور 1182ء میں دیبل کو فتح کر کے غو
سلطنت کی حدود کو بحیرہ عرب کے ساحل تک بڑھا دیں۔ شہاب الدین نے 1186ء میں لاہور پر قبضہ کر کے غز
خاندان کی حکومت ہمیشہ کے لئے ختم کردی۔ فتح لاہور کے بعد شہاب الدین نے بٹھنڈہ فتح کیا جس پر دہلی اور اجمیر
ہندو راجہ پرتھوی راج چوہان ایک زبردست فوج لے کر اس کے مقابلے پر آیا۔ دہلی اور اجمیر کا آخری ہندو راجا پرتھوی
چوہان جو رائے پتھورا کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس کی بہادری کے کارنامے شمالی ہندوستان میں مشہور ہیں۔ اس
اپنے ہمسایہ راجپوت حکمرانوں کے ساتھ کئی جنگیں لڑیں۔ جے چند والیٔ قنوج کی لڑکی سنجوگتا اور پرتھوی راج چوہان آ
میں بے حد محبت کرتے تھے، اس وجہ سے پرتھوی نے سنجوگتا کو سوئمبر سے اٹھا کر اس کے ساتھ شادی کرلیا۔ اس پر اس کی
چند سے دشمنی ہوگئی تھی۔ 1191ء میں اس نے شہاب الدین محمد غوری کو ترائن (تراوڑی) کے میدان میں شکست دی
لیکن 1192ء میں سلطان محمد غوری اُسے شکست دے کر اپنے ساتھ غور لے گیا۔ پرتھوی راج نے استدعا کی کہ دشمن
ہاتھوں سے مرنے سے بہتر ہوگا کہ وہ اپنے دوست کے ہاتھوں مرے۔ اس کے درباری شاعر چاند بروئی نے اس
زندگی کے حالات ایک کتاب چاند رہسا میں لکھے ہیں۔ شہاب نے آگے بڑھ کر دہلی اور اجمیر کو فتح کرلیا اور اس کے
سالار بختیار خلجی نے بہار اور بنگال کو زیر نگیں کیا۔ یوں پورا شمالی ہندوستان اور پاکستان مسلمانوں کے قبضے میں آگیا
شہاب الدین نے مختلف حملے کر کے قریب قریب تمام ہندوستان فتح کرلیا اور جو ہندوؤں کی ریاستیں خود مختار رہ گئیں
عرصہ تک خود مختار چلی آتی رہیں۔ درمیان میں ان کی حیثیتیں بدلتی رہیں لیکن معدوم نہیں ہوئیں۔ شہاب الدین غوری محمو
غزنوی سے کم نہ تھا لیکن محمود غزنوی کی سی فراست اس میں نہ تھی اس لیے بہت زیادہ یہ مشہور نہ ہوسکا اس کے عہد
خوارزم شاہیوں کا عروج تھا۔ غوریوں اور خوارزم شاہی سلطنت کے درمیان جنگوں کا سلسلہ پرانا تھا اور انہی لڑائیوں
سلسلے میں شہاب الدین 601ھ میں خوارزم تک پہنچ گیا لیکن وہاں اس کو شکست ہوئی اور یہ مشہور ہوگیا کہ محمد غوری جنگ
میں کام آگیا۔ اس خبر کے پھیلنے پر پنجاب کے کھوکھروں نے بغاوت کردی۔ محمد غوری فوراً پنجاب آیا اور بغاوت فرو کی لیک
بغاوت فرو کرنے کے بعد جب وہ واپس جا رہا تھا تو دریائے جہلم کے کنارے ایک اسماعیلی فدائی نے حملہ کر کے اسے شہ
کردیا۔ شہاب الدین محمد غوری کی شہادت کے ساتھ غوری خاندان کی حکومت بھی جم نہ سکی۔ ہرات اور غزنی کے علاقوں
خوارزم شاہ کی حکومت قائم ہوگئی۔

Marfat.com

اہم واقعات:

ترائن کی پہلی جنگ	587ھ بمطابق 1191ء
ترائن کی دوسری جنگ	588ھ بمطابق 1192ء
دہلی کی فتح	588ھ بمطابق 1192ء
بنگال کی فتح	595ھ بمطابق 1198ء
مالوہ کی فتح	596ھ بمطابق 1199ء
گوالیار کی فتح	597ھ بمطابق 1200ء
کالپی اور کالنجر کی فتح	598ھ بمطابق 1202ء

سلطان محمود غوری فیروزہ کوہ:

شہاب الدین کے مرنے کے بعد اُس کا بھتیجا محمود فیروز کوہ اس کی گدی پر بیٹھا۔خوارزم شاہ نے محمود غوری کی سلطنت کا غور اور غزنی میں خاتمہ کر دیا۔شہاب الدین کے عہد میں غوریوں کی سلطنت کو جیسا ہی عروج تھا ویسے ہی اس کے مرنے پر وہ نیست و نابود ہوگئی۔محمود غوری کے بعد غوریوں کا سلطنت کا 611ھ میں خاتمہ ہوا لیکن قطب الدین ایبک، شہاب الدین کا ترکی غلام جو شہاب الدین کے عہد میں ہندوستان کا گورنر تھا، اُس کے مرتے ہی 606ھ میں خود مختار بادشاہ قرار پا گیا اور محمود کے مرنے کے بعد اس نے ہندوستان میں ایک ایسی زبردست اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کے بعد بادشاہوں نے پھر کبھی ہند سے باہر اپنا پایہ تخت نہیں رکھا۔شاہان خوارزم نے غوریوں کے خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

اجمالی جائزہ:

غوریوں کے زمانے کے علماء میں امام فخر الدین رازی (543ھ تا 606ھ بمطابق 1149ء تا 1209ء) کا نام بہت ممتاز ہوئے۔وہ پیدا تو رے میں ہوئے لیکن زندگی کے آخری 24 سال غزنی اور ہرات میں گذارے۔ہرات میں ان کے لئے ایک مدرسہ قائم کر دیا گیا تھا جہاں وہ درس دیتے تھے۔امام رازی نے علم کلام اور فقہ میں کئی اہم کتابیں لکھیں لیکن ان کی شہرت تفسیر کبیر کی وجہ سے ہے جو قرآن کی بہترین تفسیروں میں شمار ہوتی ہے۔سلطان غیاث الدین غوری کے عقائد کی اصلاح میں امام رازی کا بڑا ہاتھ تھا۔ان کی اصلاحی کوششوں کی وجہ سے ہی باطنی ان کے دشمن ہو گئے تھے۔عہد غوریہ کی دوسری اہم شخصیت خواجہ معین الدین چشتی متوفی 633ھ بمطابق 1235ء کی ہے۔وہ شہاب الدین غوری کے زمانے میں ہندوستان آئے اور اجمیر میں رہائش اختیار کی اور وہاں غیر مسلموں میں اسلام پھیلایا۔

❀❀❀❀

Marfat.com

دولت دیالمہ

اب تک جتنے خاندان مذکور ہوئے سب بغداد سے دور تھے۔ بغداد اور نواحی بغداد پر جس خاندان نے اپنا اثر ڈالا اس کو خاندان دیالمہ کہتے ہیں۔ خلافت عباسیہ کے عروج کے زمانے 247ھ تک اندلس اور مراکش کے چھوٹے ملکوں کو چھوڑ کر باقی ساری اسلامی دنیا موجودہ پاکستان اور فرغانہ سے لے کر قیروان تک عباسی خلافت کے تحت تھی لیکن عباسی خلافت کے زوال کے بعد اس اتحاد اور وحدت کا خاتمہ ہو گیا اور کئی خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ان حکومتوں میں تین بڑی اور قابل ذکر حکومتوں میں بنی بویہ کی حکومت بھی شامل تھی۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ابو شجاع بویہ تھا۔ چونکہ اس خاندان کا تعلق ماژندران کے علاقے دیلم سے تھا اس لئے بنی بویہ کو دیالمہ بھی کہا جاتا ہے۔ سلاطین دیالمہ کو مؤرخ بہرام گور کی نسل سے کہتے ہیں اور بعض لکھتے ہیں کہ یہ لوگ یزدجرد بن شہریار آخر ملوک عجم کی نسل سے تھے۔ دیالمہ جمع ہے دیلم کی دیلم مقام کا نام ہے اور بعضوں کے نزدیک اس خاندان میں ایک شخص کا نام بھی دیلم تھا۔ ابو شجاع بویہ ایک معمولی حیثیت کا آدمی یہ ایک ایرانی خاندان سے تھا۔ اس حکومت کے بانی تین بھائی علی، حسن اور احمد تھے جنہوں نے بالترتیب عماد الدولہ، رکن الدولہ اور معز الدولہ کے لقب اختیار کئے اور ایران اور عراق میں علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کیں۔ عماد الدولہ ان کا مرکزی سربراہ تھا۔ اس کے بعد یہی حیثیت رکن الدولہ کو حاصل ہوئی اور اس کے بعد عضد الدولہ اور اس کی اولاد کو۔ فارس اور کرمان کی زبردست سلطنت ان کی اور ان کی نسل کے ہاتھ میں عرصہ تک رہی۔ بغداد پر اسی خاندان کے حکمران معز الدولہ نے 334ھ میں قبضہ کیا تھا۔ عراق کا پورا ملک اور خراسان چھوڑ کر باقی ایران بنی بویہ کے قبضے میں تھا۔ بغداد، اصفہان اور شیراز بویہی سلطنت کے بڑے شہر تھے۔ دولت سامانیہ کے زوال کے بعد رے پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ خلفائے بغداد ان کے عروج کے پہلے کچھ دنوں سے اراکین ترک کے ہاتھ میں تھے اب اُن سے نکل کر ان کے ہاتھ میں آ گئے۔ یہ خلفائے عباسیہ کا احترام کرتے تھے لیکن محض مصلحت کی نظر ڈال کر۔ خلفاء بھی ان کی مدد سے کبھی بے نیاز نہ تھے۔ خلیفہ مقتدر کے زمانہ (300ھ) میں اس خاندان کی ابتدا ہوئی۔ محمود غزنوی کے عہد میں زوال شروع ہوا اور پھر سلجوقیوں کے عہد میں ابو منصور پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

اس خاندان میں سولہ سلطان ہوئے جن کی مختصر کیفیت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ اِن لوگوں کا کوئی مستقل پایہ تخت نہ تھا۔ مختلف مقامات پر یہ لوگ رہتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی عہد میں اس خاندان کے دو تین اشخاص کی جدا جدا خود مختار حکومتیں قائم رہیں لیکن ایک مستقل سلسلہ اُنہیں لوگوں کا ہے جو خلفائے بغداد پر حاوی تھے اور دوسرے وہ سلاطین ہیں جو بغداد سے الگ اصفہان، کرمان اور فارس میں رہے۔ ان دونوں گروہ کا بیان یکجا کیا جاتا ہے۔ اس کا لحاظ رکھیں تا کہ خلط مبحث سے غلط فہمی نہ ہو۔

1۔ عماد الدولہ 300ھ:

خلیفہ مقتدر کے گورنر یاقوت کو شکست دے کر اس نے صدی کی ابتدا میں فارس پر قبضہ کر لیا اور اپنے بھائی رکن دولہ

Marfat.com

بھیج کر عراق فتح کیا اور معز الدولہ کو کرمان بھیجا کو کرمان فتح کر کے بغداد پر بھی مستولی ہو گیا۔

۔ رکن الدولہ 318ھ:

اس کی حکومت کا زمانہ بہت کم تھا۔ عماد الدولہ تو اس کے بیٹے عضد الدولہ کو اپنا ولی عہد کر گیا۔ لیکن معلوم نہیں کیونکر تخت نشین ہو گیا ظاہر الڑکے نے باپ سے لڑنا پسند نہیں کیا۔ مرتے دم اس نے کرمان، اھواز اور فارس عضد الدولہ کو دیا۔ ران، رے اور طبرستان کی حکومت اپنے دوسرے بیٹے فخر الدولہ کو اور اصفہان کی حکومت اپنے تیسرے بیٹے موید الدولہ کو ے کر ان دونوں کو تاکید کی کہ یہ عضد الدولہ کے ہمیشہ مطیع رہیں۔

۔ معز الدولہ 322ھ:

معز الدولہ کو جب اس کے بھائی عماد الدولہ نے فتح کرمان کے لئے بھیجا تو اس نے کرمان فتح کیا اور اس کے بعد بغداد کے حاکم سے اھواز چھین لیا۔ بغداد پر بھی تین مرتبہ حملہ کرنے کے بعد اس نے قبضہ کر لیا۔ خلیفہ کا امیر الامرا توزون جب تک زندہ رہا معز الدولہ کو کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے مرنے پر ابن شیراز اس کا قائم مقام تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ خلیفہ مکتفی باللہ کی مجلس میں آخر اس نے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنے اور اپنے دونوں بھائیوں کے لئے معز الدولہ، عماد الدولہ اور رکن الدولہ کے خطابات حاصل کیے لیکن بیعت اور خطاب کی عجب نوعیت تھی کہ بظاہر اس کی ضرورت کچھ نہ تھی لیکن اس کے حاصل کرنے کیلئے محمود ایسا سلطان بھی اپنا فخر سمجھا تو سلاطین دیالمہ بمقابلہ اس کے کس شمار میں تھے۔ خطاب اور بیعت کے بعد معز الدولہ نے خلیفہ مکتفی کے لئے پانچ ہزار درہم یومیہ خرچ مقرر کر کے اس کو معطل کر دیا اور تھوڑے دنوں کے بعد مکتفی باللہ کو تخت خلافت سے اتار کر مطیع باللہ کو شاہ شطرنج کی طرح بٹھا دیا۔ یہ آخر میں بصرہ پر بھی قابض ہو گیا تھا۔ اس کا قیام بغداد میں سپہ سالار خلیفہ کے طور پر رہا لیکن ایسا سپہ سالار جو سلطنت سے سپہ سالاری کو کہیں اچھا سمجھے۔ خلفائے عباسیہ نے شروع شروع بنی اُمیہ کی بہت کچھ توہین کی لیکن محض سیاسی خیال سے علویوں سے ان کا برتاؤ اچھا بھی رہا۔ جب جیسا موقع ہوا ویسا کیا گیا۔ سنیوں اور شیعوں کی جیسی تفریق اب ہے تین صدی ہجری تک نہ تھی۔ اس کی ابتداء خاندان دیالمہ سے پڑی چنانچہ معز الدولہ نے تمام مساجد بغداد کے دروازوں پر حکم دیا کہ عبارت کندہ کی جائے۔

جس کا ماحصل یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ کی (نعوذ باللہ) اہانت ہو۔ اس عبارت سے شہر میں بڑا شور و غل پیدا ہوا۔ معز الدولہ سے خلیفہ دبتا تھا اور معز الدولہ کو اپنے فعل پر اصرار تھا بہر حال وزیر محمد بن مہدی کی حکمت عملی سے سوائے حضرت معاویہؓ کے سب عبارت نکال دی گئی۔

یہ تو ظاہر ہے کہ بادشاہوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ سیاسی مصلحت، بس عموماً یہی مذہب سلاطین ہے۔ اپنے اخلاق کی وجہ سے مسلمانوں کی نظروں میں اولاد علی کرم اللہ وجہہ نے بڑی وقعت پیدا کی۔ دینی امور میں یہ لوگ نمونہ رہ گئے۔ دیالمہ نے بنو عباس پر فوقیت حاصل کرنے کی یہ حکمت سوچی کہ خود کو آل علیؓ کا شیدا ظاہر کیا۔ کسی کی ذاتی عقیدت سے یہاں بحث کرنا نہیں ہے۔ محض اس قدر ظاہر کرنا ہے کہ خلافت کے جھگڑے کو جز و ایمان قرار دینا اور اہل تشیعہ کے مذہب کو اہل سنت و جماعت سے الگ کر کے دکھانا یعنی مذہب اسلام کو یوں دو مستقل حصوں میں تفریق کرنا، اس بدعت کا بانی معز الدولہ ہوا اور اسی خیال کے موید اکثر سلاطین دیالمہ تھے۔ ورنہ اس سے پہلے یہ باتیں مسائل جزئیہ کی طرح رہتی تھیں اور اپنے مخالف خیال والے کو کوئی مذہبی طور پر جدا نہیں سمجھتا تھا۔ بعد دیالمہ کے فارس کے صفوی خاندان نے بھی اس جزوی

Marfat.com

مسئلہ کو خوب رونق دی اور رفتہ رفتہ سنیوں اور شیعوں میں وہ تفرقہ پیدا ہوا جو فی زمانہ موجود ہے۔

4۔عضد الدولہ بن رکن الدولہ 338ھ:

بنی بویہ کا سب سے مشہور حکمران عضد الدولہ ہے جس نے 366ھ تا 372ھ تک حکومت کی۔ عضد الدولہ بادشاہ بننے سے پہلے 28 سال تک صوبہ فارس اور کرمان کا والی رہا۔ عضد الدولہ نے بطور والی اور بعد ازاں بادشاہ بڑے ترقیاتی کام کروائے اور سلطنت میں مثالی امن قائم کیا۔ اس نے شیراز میں آبپاشی کیلئے ایک بڑا بند تعمیر کیا جو بند امیر کے نام سے اب بھی موجود ہے۔ اس کا ایک اور بڑا کارنامہ بغداد میں ایک عظیم الشان شفاخانے کا قیام ہے۔ یہ شفاخانہ دریائے دجلہ کے کنارے ایک عالیشان عمارت میں تھا۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ ساری دنیا میں کوئی شفاخانہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں 24 اطباء مقرر تھے۔ جراح یعنی آپریشن کرنیوالے، کحال یعنی آنکھوں کا علاج کرنے والے اور مرہم پٹی کرنیوالے اس کے علاوہ تھے۔ یہ شفاخانہ ڈھائی سو سال تک قائم رہا۔ عضد الدولہ کے بعد بنی بویہ کی حکومت میں انتشار پیدا ہو گیا۔ عراق، رے اور فارس میں بویہی شہزادوں نے علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کر لیں۔ یہ اپنے چچا کی جگہ فارس اور کرمان کا بادشاہ ہوا۔ اس نے نجف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تربت بنا کر ایک عالی شان عمارت اس پر قائم کی اور اُس کو زیارت گاہ قرار دیا۔ اس نے قیصر روم سے اپنے لیے ہدیہ اور تحفہ منگوایا اور اس طرح اپنے کو عام نظروں میں معزز ثابت کیا۔ شہر بغداد کی اس نے بہت قدر و منزلت کی۔ بغداد اور مکہ کی راہ میں جتنے کنوئیں خراب ہو گئے تھے۔ سب اس نے درست کروا دیے۔ مکہ، مدینہ، نجف اور کربلا میں اس نے غرباء کے لئے روپے بھیجے۔ اس کا وزیر نصر بن ہارون نصرانی تھا۔ چونتیس برس تک اس کی سلطنت تھی۔ اپنی وصیت کے مطابق یہ نجف میں دفن کیا گیا۔ سلاطین دیالمہ میں یہ سب سے بڑا بادشاہ تھا۔

5۔مؤید الدولہ بن رکن الدولہ 372ھ:

اپنے بھائی عضد الدولہ کے عہد میں یہ اصفہان کا حاکم تھا اور عضد الدولہ کا مطیع تھا۔ عضد الدولہ کے مرنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ بھی مر گیا۔ اس نے صرف اپنے بھائی فخر الدولہ سے جنگ کی تھی اس لیے کہ عضد الدولہ سے وہ سرتابی کر کے خراسان چلا گیا تھا اور وہاں سے سامانیوں کی مدد سے موئد الدولہ کے مقابلے کیلئے آیا تھا جیسا کہ نوح بن منصور سامانی کے حال میں لکھا گیا ہے۔ اس کی حکومت کا زمانہ بہت پہلے سے شروع ہوا لیکن بادشاہت 372ھ میں ہوئی کہ یہی عضد الدولہ کی وفات کا زمانہ ہے۔

6۔فخر الدولہ بن رکن الدولہ 373ھ:

دونوں بھائیوں کے مرنے پر امراء دولت نے اس کو خراسان سے (جہاں یہ بھائیوں کے خوف سے جا چھپا تھا) بلا کر تخت پر بٹھایا۔ اس کے لئے صمصام الدولہ نے خلیفہ بغداد سے خلعت بھجوایا اور اس طرح ایک مدت کے بعد یہ ملک موروثی پر بآسانی قابض ہو گیا۔

7۔عز الدولہ

8۔صمصام الدولہ بن عضد الدولہ شرف الدولہ بن عضد الدولہ 373ھ:

عضد الدولہ کے مرنے پر صمصام الدولہ بغداد کا امیر الامرا بنا۔ اُس کو اُتار کر شرف الدولہ نے اپنے کو امیر الامرا بنایا

چھ برس کے بعد اپنی موت سے مر گیا۔

بہاء الدولہ بن عضد الدولہ 378ھ:

شرف الدولہ کے مرنے پر یہ امیر بغداد ہوا۔ خلیفہ طائع باللہ کو اس نے تخت سے اُتار کر قادر باللہ کو بٹھایا۔ 401ھ میں یہ مرا اور اس کا تابوت مشہد امام علیہ السلام میں بھیجا گیا۔

مجد الدولہ بن فخر الدولہ 387ھ:

فخر الدولہ کے بعد اس کا نابالغ بیٹا مجد الدولہ تخت پر بیٹھا لیکن انتظام سلطنت اس کی (مجد الدولہ کی) ماں کرتی تھی اپنی زندگی تک سلطنت دیلمی کی رونق اس نے قائم رکھی۔ محمود غزنوی نے اس پر چڑھائی کرنی چاہی۔ اس نے کہلا بھیجا بیوہ پر فتح پائی سے محمود کا کیا نام ہوگا اور اگر کہیں شکست ہوئی تو ذلت بڑی ہوگی۔ محمود نے پھر اس کی زندگی میں ادھر توجہ نہ کی۔ لیکن اس کے مرتے ہی محمود نے رے پر چڑھائی کی اور مجد الدولہ کو گرفتار کر کے غزنی بھیج دیا اور خلیفہ قادر باللہ کو لکھا مجد الدولہ کا چلن شرع محمدیؐ کے خلاف تھا اس لیے میں نے ایسا کیا۔

1۔ سلطان الدولہ بن بہاء الدولہ 401ھ:

اپنے باپ کے بعد یہ فارس اور بغداد میں حکمران ہوا۔ اس کے ملک کو زیادہ تر محمود غزنوی نے کمزور کر دیا اور کچھ خانہ جنگیوں نے خراب کر دیا۔

1۔ شرف الدولہ بن بہاء الدولہ 411ھ:

411ھ میں شرف الدولہ کا نام بغداد کے خلیفہ میں داخل ہوا اور سلطان الدولہ کا نام خارج ہوا۔

1۔ جلال الدولہ

1۔ مشرف الدولہ

1۔ ابو کالیجار بن سلطان الدولہ، جلال الدین / قوام الدولہ بن بہاء الدولہ:

محمود کا زور، بغداد پر ترکوں کے حملے، دیالمہ کی باہمی لڑائیاں تھی ہیں اس پر مستزاد یہ ہوا کہ یہ تین بادشاہ باہم لڑنے جھگڑنے میں مشغول ہوئے جس سے دشمنوں کو اور قوت ہوئی۔ آٹھ نو خلفائے عباسی برابر شطرنج کے بادشاہ کی طرح بلا کسی اختیار کے تخت خلافت پر بیٹھتے چلے آتے تھے۔ دیالمہ کی کمزوری سے قادر باللہ کو ذرا موقع مل گیا کہ وہ خلافت کی گئی گزری حالت کو کچھ سنبھال سکا لیکن یہ سنبھالنا صرف یہ تھا کہ دیالمہ کے مقابلہ میں خلیفہ کی رونق بڑھ چلی ورنہ عام طور پر تمام ملک میں بدامنی تھی۔ سلطنت دیالمہ کے ضعف کے ساتھ خلافت بھی ضعیف ہوئی۔ پہلے سلاطین دیالمہ سے ملک کو فوجی تقویت تھی اور خلفا سے درباری عزت تھی۔ فوجی وقعت میں کمی ہوئی تو دربار کی عزت کیا خاک قائم رہ سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قوام الدولہ کے عہد میں قائم باللہ خلیفہ کی خلافت کے مقابلہ میں ترکوں نے پھر زور پکڑا اور بجائے ملوک غزنی کے سلجوقیوں کا زور شروع ہوا جس کا اثر بغداد تک پہنچا۔

Marfat.com

16۔ خسرو بن فیروز بن ابوکالیجار:

اس سلطان کا لقب ملک رحیم تھا۔ اس کے عہد میں دیالمہ نے چاہا کہ متفقہ طاقت سے وہ اپنے کو سنبھال لیں۔ لیکن سنبھال نہ سکے۔ خلیفہ نے بھی ان کی عزت کم کردی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ ملک رحیم سے پہلے طغرل بیگ سلجوقی کا نام خطبہ میں پڑھا جائے۔ علاوہ ازیں طغرل بیگ خلیفہ کی اجازت سے حج کر چلا۔ راہ میں وہ خلیفہ سے ملنے کو ٹھہرا۔ دیالمہ اپنی غلط فہمی سے طغرل بیگ کے ساتھی ترکوں سے لڑ پڑے اور مغلوب ہوئے۔ تمام شہر میں لوٹ مار ہوئی۔ خسرو کو طغرل قید کر لے گیا لیکن ابومنصور بن ابوکالیجار کو ایک موقع مل گیا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے فارس کا بادشاہ ہو گیا اور پھر اپنے سپہ سالار فضل بن حسن کے ہاتھ سے جس کی نسل کو مؤرخ فضلویہ کہتے ہیں 448ھ میں مارا گیا اور اُس کے ساتھ دیالمہ کا خاتمہ ہو گیا۔ فضلویہ کو بھی تھوڑے ہی دنوں میں ملک قادر سلجوقی نے بھگا کر اپنا سکہ اور خطبہ جاری کیا۔

بنی بویہ کا سب سے مشہور عضد الدولہ 366ھ تا 372ھ ہے۔ اس کے بعد بنی بویہ کی حکومت میں انتشار ہو گیا۔ عراق، رے اور فارس میں بویہی شہزادوں نے علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کرلیں۔ ان میں رے کی حکومت اس لئے مشہور تھی کہ اس کے حکمران فخر الدولہ کو ایک بڑا قابل وزیر صاحب ابن عباد مل گیا تھا۔ صاحب نے 373ھ تا 380ھ تک 12 سال وزارت کی اور ایسی شہرت حاصل کی جیسی خلافت عباسیہ کے زمانے میں برامکہ نے حاصل کی تھی۔ رے کی حکومت کا 460ھ میں غزنی کے حکمران محمود غزنوی نے خاتمہ کردیا۔ اس کے بعد 447ھ میں سلجوقیوں نے بغداد پر قبضہ کر کے بنی بویہ کی سلطنت کا ہر جگہ سے خاتمہ کردیا۔ بنی بویہ عقیدے کے لحاظ سے شیعہ تھے اور محرم کے مہینے میں تعزیے نکالنے اور عاشورہ کی رسوم ادا کرنے کا آغاز انہی کے حکمران معز الدولہ کے زمانے سے ہوا۔ بنی بویہ کے کئی حکمران اور وزیر علم و ادب کے بڑے سرپرست تھے۔ عضد الدولہ اور صاحب ابن عباد خاص طور پر اس لحاظ سے مشہور تھے۔ عربی زبان کا سب سے بڑا شاعر متنبی اسی زمانے میں ہوا ہے۔ مشہور طبیب اور فلسفی بوعلی سینا اسی زمانے میں ہوا ہے۔ رازی کے بعد ابن سینا سب سے بڑا مسلمان طبیب تھا۔ طب میں اس نے جو کتاب لکھی اس کا نام "القانون" ہے اور فلسفے کے موضوع پر جو سب سے بڑی کتاب لکھی اس کا نام "الشفاء" ہے۔ یہ دونوں کتابیں کئی جلدوں میں ہیں اور عربی زبان میں ہیں۔ بعد میں ان کتابوں کا لاطینی اور یورپ کی دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوا اور فرانس، جرمنی اور اٹلی کے مدرسوں میں کئی سال تک پڑھائی جاتی رہیں۔ بنی بویہ کے ان کارناموں کے باوجود ان کا دور حکومت مسلمانوں میں عقائد کی کمزوری اور اخلاقی خرابی کا باعث ہوا۔ مذہبی تعصب اور فرقہ بندی نے چوتھی صدی ہجری میں مسلمانوں میں مضبوطی سے جڑیں پکڑ لی تھیں اور عباسی دور کے برخلاف مختلف عقائد رکھنے والے علماء دست و گریباں نظر آتے تھے۔ بغداد فرقہ وارانہ فساد کا گڑھ بن گیا۔

❀❀❀❀

خلافت فاطمیہ علویہ اسماعیلیہ

300ھ کے آخر میں علویوں کی ایک بڑی زبردست سلطنت مغرب میں قائم ہوئی۔ بنواُمیہ اور عباسیوں کے بعد حدود اراضی کے اعتبار سے اور نیز اس لحاظ سے کہ عرصہ تک بادشاہت قائم رہی فاطمی سلطنت تیسرے درجہ میں شمار ہوتی ہے۔ بغداد سے مغرب اندلس تک فاطمیوں کی حکمرانی تھی۔ کچھ عرصے تک شام، مکہ اور مدینہ میں بھی فاطمیوں کا زور تھا۔ سال بھر تک خطبہ بغداد میں مستنصر فاطمی کا نام لیا گیا۔ اندلس ایسی مستقل اور زبردست سلطنت اسلامی عرصہ تک فاطمیوں کا ایک صوبہ رہی جیسا کہ سلاطین اُندلس کے حال میں لکھا گیا۔ سلاطین فاطمیہ باعتبار خلفائے عباسیہ کے زیادہ پابند احکام شرعی تھے، لہو ولعب سے انہیں پرہیز تھا۔ اس لیے عیسائی مؤرخوں نے براہ تعصب فاطمیوں کو متعصب لکھا ہے۔

ابتدا اس سلطنت کی محمد بن عبداللہ سے ہوئی جس نے اپنا لقب مہدی رکھا اور ظاہر یہ کیا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے میرے لیے پیشین گوئی کی ہے چونکہ اس نے حضرت جعفرؒ صادق کے بیٹے اسماعیل کی نسل سے تعلق جوڑا تھا اس لیے جو خاندان مہدی کی ذات سے قائم ہوا اُس کو علویہ، اسماعیلیہ اور فاطمیہ کہتے ہیں اور بعض مؤرخ بنو مہدی بھی لکھتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ مہدی حضرت علیؓ کی نسل سے نہ تھا۔ سیاسی مصالح پر نظر ڈال کر ادعائی علوی بن گیا تھا۔

ڈھائی سو برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک یہ خاندان قائم رہا۔ چودھویں بادشاہ عاضد باللہ پر 567ھ میں اس کا خاتمہ ہوا۔ سلاطین علویہ کے مختصر حالات ذیل میں درج ہیں۔

1۔ مہدی 297ھ:

ابتدائے سلطنت یوں ہوئی کہ مہدی نے افریقہ میں خروج کیا۔ سلطنت عباسی میں ضعف تھا۔ کسی سے مہدی کی مزاحمت نہ ہو سکی اس نے قیروان میں ایک نہایت مضبوط قلعہ مہدویہ نامی بنایا اور اسے اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ اندلس، قیروان اور طرابلس کو فتح کر کے مصر کی فتح کو آیا۔ یہاں خلیفہ مقتدر عباسی کی طرف سے مونس خادم مقابلے کیلئے آیا لیکن مہدی کا بول بالا بلند رہا۔ 25 برس سلطنت کر کے یہ حصار مہدویہ میں وفات پا گیا۔

2۔ قائم بامر اللہ بن مہدی 322ھ:

باپ کے مرنے پر یہ تخت نشین ہوا اور خلفائے عباسی کے طرز پر اس نے اپنا لقب قائم بامر اللہ قرار دیا اور اس کے جانشینوں نے بھی اس بارے میں اس کی تقلید کی۔ ابو یزید ایک معمولی مدرس نے قائم پر خروج کیا اور اس کو مہدویہ میں محصور کر کے قیروان سے بے دخل کر دیا۔ حالت محاصرہ میں یہ حصار مہدیہ میں بیمار ہوا اور وہیں وفات پا گیا۔

3۔ منصور باللہ بن قائم 334ھ:

یہ بڑا شجاع تھا۔ تخت نشین ہو کر اس نے ابو یزید کو بھگایا اور خود اُس کے تعاقب میں سوڈان تک گیا بالآخر ابو یزید گرفتار ہوا اور مارا گیا۔

Marfat.com

4۔ معزالدین باللہ بن منصور 341ھ:

سلطنت نے اس کے زمانہ میں عروج پکڑا۔ مصر، اسکندریہ، مکہ اور مدینہ تمام مقامات عباسیوں کے تصرف سے نکل کر اس کی سلطنت میں شامل ہوئے۔ شام پر بھی اس کا دخل ہو گیا۔ قاہرہ اس کا آباد کیا ہوا شہر اب تک مصر کا دارالخلافہ تھا۔ اس خلیفہ نے مصر کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا اور پھر برابر سلاطین اسماعیلیہ کا یہی دارالحکومت رہا۔

5۔ عزیز باللہ بن معز 365ھ:

عضد الدولہ دیلمی سے اس نے مراسلت جاری کی۔ شام سے اندلس تک تمام ممالک غربی پر اس کا قبضہ تھا۔ اس نے ایک یہودی گورنر شام میں تعینات کیا اور ایک مسیحی حاکم مصر کے لئے مقرر کیا لیکن پھر اپنی غلطی پر متنبہ ہوا۔

6۔ حاکم باللہ بن عزیز 386ھ:

یہ بڑا متشرع خلیفہ تھا۔ اس نے عورتوں کے پردے میں سختی کی۔ مثلث و مسکرات کی خرید و فروخت بند کرا دی۔ اس کے عہد میں انتظام شہر بھی اچھا تھا۔ قاہرہ میں مسجد ازہر اسی کی بنوائی ہوئی ہے۔ لیکن بعض مؤرخوں نے اسے فرعون ثانی لکھا ہے اور اس کی سختیوں کو حدود شرعی سے متجاوز بتایا ہے۔

7۔ ظاہر الدین باللہ بن حاکم 411ھ:

یہ بادشاہ بڑا نیک نام تھا۔ اس کی نیک نامی سن کر عمائدین خراسان حج کر کے پلٹے تو مصر ہوتے ہوئے آئے اور وہاں سے خلعت لائے۔ محمود سبکتگین کو اس کی خبر لگ گئی۔ اس نے فوراً خلیفہ بغداد قادر باللہ کو مطلع کیا۔ حجاج ابھی مصر سے آ کر بغداد ہی میں ٹھہرے تھے کہ خلیفہ نے اُن سے باز پرس کی اور خلعت کے کپڑے جلائے گئے۔ دیالمہ، ملوک، غزنی، سلجوقی وغیرہ یہ سب خلفائے بغداد کی خاطر اس لئے بھی کرتے تھے کہ سلاطین علویہ سے دوبدو مقابلہ کرنے کیلئے وہ مصلحت کے خلاف جانتے تھے۔ سلاطین علویہ کو زور بازو کے علاوہ جو عزت خاص عام نظروں میں حاصل تھی وہ ان غیر قریشی النسل سلاطین کے لئے بہت زیادہ خوف دہ تھی۔

8۔ مستنصر باللہ بن ظاہر 434ھ:

قائم باللہ خلیفہ عباسی نے والی افریقہ سے سازش کر کے اُس کو نقصان پہنچانا چاہا لیکن اس کی حکمت کارگر نہ ہوئی اور اس کے بدلہ میں مستنصر کے اشارہ سے بساسیری نے قائم کو بغداد میں قید کر کے سال بھر تک مستنصر کا نام بغداد کے خطبہ میں قائم رکھا۔ مستنصر کے عہد میں عباسیوں کا خاتمہ ہو جاتا لیکن طغرل بیگ نے آ کر بساسیری کو مغلوب کیا اور قائم باللہ کو بڑے اعزاز سے پھر تخت پر بٹھایا اور اسی صلہ میں اپنے لیے رکن الدین خطاب حاصل کیا۔

9۔ مستعلی باللہ بن مستنصر 487ھ:

یہ خلیفہ سات سال حکومت کرنے کے بعد قتل کیا گیا۔

10۔ آمر باحکام اللہ بن مستعلی 495ھ:

اس کے عہد میں شامی عیسائیوں سے بڑی صلیبی لڑائی ہوئی اور مسلمان غالب رہے۔ ان شامی عیسائیوں کو مسلمان

Marfat.com

خ اہل فرنگ / صلیبی جنگجو لکھتے ہیں۔ اس کے عہد میں شام میں ایک خاندان نزاریہ صاحب حکومت ہوا اور کچھ ملک
ں کا اس خاندان کے قبضہ میں آ گیا اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے اپنے چچا حافظ کو اس نے ولی عہد مقرر کیا۔

۔حافظ الدین باللہ بن مستنصر 524ھ:

شامیوں پر اس نے بھی غلبہ نہ پایا اور زوال سلطنت علویہ شروع ہوا۔

۔ظافر باللہ بن حافظ 544ھ:

اس کے وزیر نے اس کو اس لئے قتل کیا کہ یہ خفیف الحرکت تھا۔

۔فائز بنصر اللہ بن ظافر 549ھ:

اہل فرنگ / صلیبی جنگجوؤں سے اس کے عہد میں بھی لڑائی رہی۔ بلاد غربی پر اہل فرنگ کا جو قبضہ ہو چکا تھا وہ مستحکم
ر کچھ حصہ ملک اس نے اُن سے واپس بھی لے لیا۔

۔عاضد لدین باللہ 567ھ:

اس کے عہد میں اہل فرنگ / صلیبی ساحل شرقی و مغربی سے آتے آتے مصر تک پہنچ گئے اور مصر پر قابض ہو گئے۔
ب والوں کا مصر پر قابض ہونا، نور الدین محمود زنگی والی شام کو بہت برا معلوم ہوا۔ اس نے مصریوں کی مدد کیلئے فوج
و اہل فرنگ پر غالب آئی۔ شامیوں نے اہل فرنگ کو مصر سے نکال دیا لیکن خطبہ میں بجائے عاضد کے مستضی باللہ
ا نام داخل کیا گیا۔ اسی زمانہ میں عاضد بھی مر گیا اور اس کے ساتھ ہی سلاطین علویہ اسماعیلیہ کا خاتمہ ہو گیا اور بنو
ا نام مٹ گیا۔

ت فاطمیہ اجمالی جائزہ:

سلطنت فاطمیہ یا خلافت فاطمیہ، خلافت عباسیہ کے عروج کا سورج غروب ہونے پر 297ھ میں شمالی افریقہ کے
ان میں قائم ہوئی۔ اس سلطنت کا بانی عبید اللہ المہدی چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ
عنہا کی اولاد میں سے تھا (بعض محققین کو اس سے اختلاف ہے) اس لئے اسے سلطنت فاطمیہ کہا جاتا ہے۔ عبید
خ میں مہدی کے لقب سے مشہور ہے۔ عبید اللہ مہدی اور ان کے پیرو شیعہ فرقے کی ایک شاخ ہیں۔ یہ لوگ امام
ادق تک تو تمام اماموں کو مانتے ہیں لیکن اس کے بعد وہ امام جعفر صادق کے بڑے صاحبزادے اسماعیل کو مانتے
ا اثنا عشری عقیدے کے مطابق امامت کا سلسلہ امام جعفر صادق کے دوسرے صاحبزادے امام موسیٰ کاظم کی نسل
ا ہے۔ فاطمی خلفاء چونکہ اسماعیل کی اولاد میں ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اس لئے وہ اسماعیلی کہلائی۔ خلافت عباسیہ
ت ہونے والی تمام حکومتیں اگرچہ خود مختار تھیں لیکن وہ سب بغداد کی خلافت کو تسلیم کرتی تھیں اور خطبہ نماز جمعہ میں
لیفہ کا نام پڑھتی تھیں لیکن فاطمی حکمرانوں نے عباسی خلفاء کا نام خطبے سے نکال دیا اور خود خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا۔
ہ ان کی حکومت کو خلافت فاطمیہ بھی کہا جاتا ہے۔ شروع شروع میں فاطمی حکومت شمالی افریقہ تک محدود رہی لیکن ان
ے حکمران المعز (341ھ تا 365ھ) نے 358ھ میں مصر بھی فتح کر لیا۔ المعز فاطمی حکومت کا سب سے قابل حکمران
افریقہ سے مصر آ گیا اور قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ قاہرہ کا شہر فسطاط کے قریب آباد کیا گیا تھا اور فاطمیوں کا دار الحکومت

Marfat.com

تھا۔اس کے عہدے میں جامع ازہر کے نام سے قاہرہ میں ایک مسجد تعمیر کی گئی جس میں بعد میں دینی مدرسہ قائم کیا گیا جامع ازہر کا یہ مدرسہ دنیا کا سب سے پرانا مدرسہ ہے جو اب تک موجود ہے اور دنیا کے ہر حصے سے مسلمان طالبعلم وہاں مذہبی تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں۔ المعز کے بعد اس کا بیٹا عزیز (365ھ تا 386ھ) تخت پر بیٹھا۔ وہ بھی ایک قابل حکمران تھا۔اس کے زمانے میں شام، حجاز اور یمن پر بھی فاطمیوں کا قبضہ ہو گیا اور اس طرح فاطمی حکومت اسلامی دنیا کی سب سے بڑی حکومت بن گئی۔ فاطمیوں کے زمانے میں مسلمانوں کی بحری قوت نے بڑی ترقی پائی۔ صقلیہ اور اٹلی کا جنوبی حصہ ان کے قبضے میں تھا۔ فاطمی بیڑے جینوا، روم اور ناپولی پر حملے کرتے رہتے تھے اور یورپ کے بحری بیڑے ان کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ عباسی خلافت کے زوال کے بعد اس وقت تک جو حکومتیں قائم ہوئیں ان میں فاطمی سلطنت نہ صرف سب سے بڑی اور طاقتور بلکہ سب سے زیادہ پائیدار بھی تھی۔ یہ حکومت 296ھ سے لے کر 567ھ تک تقریباً پونے تین سو سال قائم رہی۔ 567ھ میں شام کے حکمران نورالدین زنگی نے اس حکومت کا خاتمہ کر دیا جس کے بعد مصر میں عباسی خلیفہ کا نام خطبہ میں لیا جانے لگا۔ فاطمیوں کے زمانے میں اگرچہ علم و ادب کے میدان میں دولت سامانیہ اور بنی بویہ کی طرح ترقی نہیں ہوئی تاہم انہوں نے شہر قاہرہ کو بہت ترقی دی، خوبصورت عمارات بنوائیں کپڑے اور شیشے بنانے کے کام نے اس زمانے میں بڑی ترقی کی۔ ان کے عہد کی کئی تعمیری یادگاریں آج بھی قاہرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں لیکن ان میں سے سب سے زیادہ شہرت جامع ازہر کو حاصل ہوئی۔

❀❀❀❀

دولت اسماعیلیہ

علاوہ سلاطین فاطمی اسماعیلیہ کے شیعان علیؓ کا ایک مذہبی فرقہ بھی اسماعیلیہ نام رکھتا ہے۔ اہل تشیع کے بارہ امام کا ذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔ امام جعفر صادق نے پہلے اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کو مذہبی امور میں اپنا جانشین قرار دیا تھا لیکن بعد دوسرے بیٹے موسیٰ کو نامزد کیا۔ فرقہ اسماعیلیہ کا یہ قول ہے کہ جو پہلے نامزد کیا گیا وہی امام برحق ہے۔ امام معصوم ہوتے ہیں ان سے خطا نہیں ہو سکتی اور خطا معلوم بھی ہو تو وہ قابل گرفت نہ ہونا چاہئے۔ امام موسیٰ کاظمؑ کے ماننے والے اثناعشریہ کہلاتے ہیں اور اسماعیل کے ماننے والے اسماعیلیہ کہلائے جاتے ہیں۔ یہی دو فرقے شیعوں کے زیادہ مشہور ہیں۔ کچھ ضمنی تقسیم بھی ہیں جو چنداں مشہور نہیں ہیں۔

یوں فاطمی سلاطین اسماعیلیہ اپنے امام اسماعیل کی تعظیم ضرور کرتے ہوں گے لیکن ابتدائی زمانہ میں ان جزئیات کو بھی رکن قرار دینے کا زیادہ دستور نہ تھا۔ آخر عہد میں حسن بن صباح ایک خراسانی نے فرقہ اسماعیلیہ کو بڑی رونق دی۔ اسماعیلیہ اس کو سیدنا لکھتے ہیں، اس کی نسل میں خود مختار حکومت بھی عرصہ تک رہی اور اس میں مختلف خیالات کے لوگ پیدا ہوئے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مختصر حال حسن اور اولاد حسن کا بھی لکھ دیا جائے۔

حسن بن صباح 483ھ:

515ھ-1124ء

یہ ''مشرقی ایران'' میں پیدا ہوا۔ باپ کوفے کا باشندہ تھا۔ یہ امام موفق نیشاپوری کا شاگرد تھا اور حکیم عمر خیام کا (جس کی رباعیاں بہت مشہور ہیں) ہم مکتب تھا۔ نظام الملک طوسی وزیر ملک شاہ سلجوقی کا بھی ہم مکتب تھا۔ ابتدا میں یہ ملک شاہ کے یہاں ملازم ہوا مگر بعد میں نظام الملک سے اختلاف ہو گیا تھا۔ نظام الملک سے کچھ رنج بڑھا اس لیے 107[illegible]ء میں یہ مستنصر فاطمی کے پاس مصر چلا گیا اور علویان اسماعیلی کا اپنے کو از حد بہی خواہ ظاہر کیا۔ شاہ مستنصر سے تو اس کا تعلق آخر تک قائم رہا لیکن درباریوں سے ان بن ہو گئی اور اسے واپس آنا پڑا۔ وہاں سے فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ کا الدعاۃ بن کر فارس آیا۔ اور یزد، کرمان، طبرستان میں فاطمیوں کے حق میں تبلیغ میں مصروف ہو گیا۔ اس کی خفیہ اور مشکوک سرگرمیوں کے باعث ملک شاہ اول نے اس کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ اس نے 1090ء (483ھ) میں کوہ البرز میں الموت کے قلعے پر قبضہ کر لیا جو قزوین اور رشت کے راستے میں ہے۔ کئی دوسرے قلعے بھی اسماعیلیوں کے قبضے میں مل گئے۔ 1094ء میں مصر کے اسماعیلیوں سے قطع تعلق کر لیا۔ اپنے آپ کو ''شیخ الجبال'' نامزد کیا اور قلعہ الموت کے پاس کے علاقے میں چھوٹی سی آزاد ریاست قائم کر لی اور بجائے سلطانی ڈھنگ کے درویشانہ طریقہ اختیار کر کے مذہب اسماعیلیہ کا وعظ جاری کیا اور ایک مقتدائے مذہب کی حیثیت پیدا کر لی، پھر اپنے پیرووں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اس میں فدائی اور فدائی بہت مشہور ہیں۔ فدائیوں کا کام تحریک کے دشمنوں کو خفیہ طور پر خنجر سے ہلاک کرنا تھا۔ بہت سے مسلمان اور

Marfat.com

عیسائی فدائیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ دہشت انگیزی کی یہ تحریک اتنی منظم تھی کہ مشرق قریب کے بھی بادشاہ اس سے کانپتے رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ حسن بن صباح اپنے فدائیوں کو حشیش "گانجا" پلا کر بیہوش کر دیتا تھا اور پھر انھیں فردوس کی سیر کراتا تھا۔ جو اس نے وادی الموت میں بنائی تھی۔ حسن کے حکم سے ایک فدائی نے نظام الملک کو ہلاک کیا اور اسی زمانہ میں ملک شاہ سلجوقی مر گیا جس سے حسن کی خود مختاری اور زیادہ ہو گئی۔ حسن بن صباح نے طویل عمر پائی اور اس کے بعد بزرگ امید اُس کا ایک نائب اس کا جانشین ہوا۔

2۔ کیا بزرگ بن حسن 518ھ:

اپنے باپ کے مرنے پر تخت الموت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں ریاست نے کچھ اور زور پکڑا گو محمود سلجوقی عہد میں اسماعیلی بہت مارے گئے لیکن اس کی خود مختاری میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔

3۔ محمد ابن کیا:

چار فدائیوں نے خلیفہ عباسی راشد باللہ کو راہ میں موقع پا کر قتل کیا۔ ریاست اسماعیلیہ کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا لیکن طور پر الموت میں خوشی منائی گئی۔ محمد سلطان سنجر نے محمد ابن کیا کا عقیدہ دریافت کیا اور غرض اس کی یہ تھی کہ وہ بے دین مجاہدین اسلام بھیجے جائیں لیکن محمد سلطان سنجر دیگر معاملات میں الجھ کر ساکت ہو رہا۔ محمد بن کیا، 25 برس تک حکمران رہا۔

4۔ حسن بن محمد کیا:

اس کو علمائے اسلام ملحق اور زندیق لکھتے ہیں۔ اس کے معتقدات اسلام کے خلاف تھے یہ دہریہ مذہب رکھتا تھا بے تکلف لوگوں کو اغوا کرتا تھا کہ وہ مذہب کو کوئی چیز نہ سمجھیں۔

5۔ محمد بن حسن بن محمد بن کیا 561ھ:

الحاد میں یہ اپنے باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ امام فخر الدین رازی اسی زمانہ میں تھے۔ آذر بائیجان سے رے آ کر انہوں نے درس جاری کیا۔ مذہبی درس میں وہ مثلاً نام اسماعیلیوں کا لیتے تھے اور حسن بن محمد اور محمد بن حسن کو برا کہتے تھے تا کہ لوگ ادھر مائل نہ ہوں۔ فدائیوں نے الموت سے پہنچ کر امام فخر الدین رازی کو بہت دق کیا۔ وہ غیاث الدین غوری کے پاس غور میں چلے گئے اور پھر وہاں سے سلطان محمد خوارزم کے پاس خوارزم میں جا کر زندگی بسر کی۔

6۔ جلال الدین حسن بن محمد بن حسن:

باپ کے اعتقادات سے اس نے توبہ کی اور اپنے توبہ کی خبر تمام سلاطین عصر کے پاس بھیجی۔ جس سے یہ جلال الدین حسن نو مسلم مشہور ہوا۔ مذہب اسلام کو اس کے عہد میں رونق ہوئی۔ اس کی ماں ایک مرتبہ حج کرنے گئی تو اس کے ساتھ رائت سلطانی بھی تھا۔ ناصر خلیفہ بغداد کے حکم سے سلطان محمد خوارزم شاہ کے رائت سے جلال الدین کا رائت آگے رکھا گیا۔ سلطان محمد کو جہاں اور رنج ناصر سے تھا، وہاں یہ بھی خیال تھا کہ خلیفہ نے جلال الدین سے میری عزت کم کی۔

7۔ علاء الدین محمد بن جلال الدین حسن:

نو برس کے سن میں یہ تخت پر بیٹھا۔ یہ کچھ اُلٹا سیدھا حکم دیتا تھا لوگ اپنے مذہبی عقیدہ کے مطابق اس کو

Marfat.com

التعمیل جانتے تھے اور کہتے تھے کہ امام معصوم ہوتا ہے۔ اس کے عہد میں مذہب کھیل ہو گیا۔ اخلاق ناصری کا مصنف ''ناصرالدین'' اسی عہد میں تھا۔

8۔ رکن الدین خورشاہ بن علاء الدین 653ھ:

چنگیز خان کے پوتے ہلاکو نے اسے گرفتار کر کے ہزاروں اسماعیلیوں کو قتل کیا اور پھر اس کے بعد بغداد کی طرف توجہ کی۔ خلفائے بغداد اور شاہان الموت کی بربادی کا یہ ایک زمانہ ہے۔

❀❀❀❀

Marfat.com

سلاطین سلجوقیہ

سلجوقی سلطنت 11ویں تا 14ویں صدی عیسوی کے درمیان مشرق وسطیٰ اور وسط ایشیا میں قائم ایک مسلم بادشاہت تھی جو نسلاً اوغوز ترک تھے۔ مسلم تاریخ میں اسے بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ دولت عباسیہ کے خاتمے کے بعد عالم اسلام کو ایک مرکز پر جمع کرنے والی آخری سلطنت تھی۔ اس کی سرحدیں ایک جانب چین سے لے کر بحیرہ متوسط اور دوسری جانب عدن لے کر خوارزم و بخارا تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کا عہد تاریخ اسلام کا آخری عہد زریں کہلا سکتا ہے اس لیے سلاجقہ کو مسلم تاریخ میں خاص درجہ و مقام حاصل ہے۔ سلجوقیوں کے زوال کے ساتھ امت مسلمہ میں جس سیاسی انتشار کا آغاز ہوا اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اہلیان یورپ نے مسلمانوں پر صلیبی جنگیں مسلط کیں اور عالم اسلام کے قلب یعنی مقدس ترین مقام پر قبضہ کر لیا۔ بیغو شاہ ترکستان کے دربار میں ایک شخص سلجوق نامی تھا جو بیغو سے خفا ہو کر مسلمانوں کی سرحد دیار سمرقند میں چلا آیا تھا۔ نواحی جندر میں یہ آکر ٹھہرا اور مذاہب آبائی چھوڑ کر والی ماوراء النہر کے امتزاج سے مسلمان ہو گیا۔ جندر اُس زمانہ میں بیغو شاہ ترکستان کا باجگذار تھا۔ ترک سالانہ خراج لینے آئے تو سلجوق مزاحم ہوا اُس نے کہا کفار مسلمانوں سے خراج لیں۔ میں اسے گوارا نہیں کر سکتا۔ جندر کے مسلمان سلجوق کی مدد سے غالب آئے اور سلجوق کی شہرت کی یہی ابتدا ہوئی۔ اس کے بعد جب ابراہیم سامانی نے سلجوق کی مدد سے ایلک خان پر فتح پائی تو سلجوق کا نام اور بلند ہوا۔ سلجوق کا بیٹا میکائیل ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اور اُس کے دو بیٹے طغرل بیگ اور چغر بیگ اپنے دادا سلجوق کے عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔

طغرل بیگ/چغر بیگ:

طغرل بیگ سلجوق کا پوتا تھا جبکہ چغر بیگ اس کا بھائی تھا جن کی زیر قیادت سلجوقیوں نے غزنوی سلطنت سے علیحدگی اختیار کرنے کی کوشش کی۔ ابتداء میں سلجوقیوں کو محمود غزنوی کے ہاتھوں شکست ہوئی اور وہ خوارزم تک محدود ہو گئے لیکن طغرل اور چغری کی زیر قیادت انہوں نے 1028ء اور 1029ء میں مرو اور نیشاپور پر قبضہ کر لیا۔ ان کے جانشینوں نے خراسان اور بلخ میں مزید علاقے فتح کئے اور 1037ء میں غزنی پر حملہ کیا۔ 1039ء میں جنگ دندانقان میں انہوں نے غزنوی سلطنت کے بادشاہ مسعود اول کو شکست دے دی اور مسعود سلطنت کے تمام مغربی حصے سلجوقیوں کے ہاتھوں کھو بیٹھا۔ 1055ء میں طغرل نے بنی بویہ کی شیعہ سلطنت سے بغداد چھین لیا۔ سلجوق کے دونوں بیٹے میکائیل اور داؤد اپنے باپ کی طرز پر تھے اور دونوں پوتے طغرل بیگ اور چغری بیگ تو بڑے ہی زبردست نکلے۔ سلجوقیوں سے حاکم ماوراء النہر علی تگین معروف ایلک خان اور ترکستان کے سلاطین دبنے لگے۔ ایلک خان نے تمام سلاطین گرد و نواح کو جمع کر کے سلجوقیوں کا استیلا کرنا چاہا۔ اس پر چغری بیگ خراسان اور طوس سے ہوتا ہوا آرمینیہ کی طرف نواح سلطنت روم میں عیسائیوں سے مذہبی جنگ کرنے چلا گیا۔ یہ زمانہ محمود سبکتگین کا تھا۔ سلجوقیوں کو والی طوس نے اپنے ملک سے گزر...

اس پر وہ محمود کے عتاب کا مستوجب ہوا۔ چغری بیگ نے وہاں کئی قلعے فتح کیے اور بہت سی غنیمت لے کر لوٹا۔ پھر یہ دونوں بھائی یکجا ہو کر اپنی قوت متفقہ کا زور بلخ میں دکھانے لگے۔ خان کاشغر اور سلطان محمود نے باہم مل کر ایلک خان کو جب سمرقند سے بھگایا تھا اُس وقت سلجوقیوں کا بھی زور گھٹ گیا تھا لیکن محمود کے مرنے پر مسعود کے زمانہ میں مرو اور ہرات پر چغر بیگ قابض ہو گیا اور خراسان میں بمقام نیشاپور طغرل بیگ نے اپنا تخت حکومت رکھا۔ اس کے بعد مسعود نے چڑھائی کی اور دونوں بھائیوں نے مل کر مسعود کا سخت مقابلہ کیا اور اس لڑائی میں اتنی خونریزی ہوئی کہ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مسعود کو ہزیمت ہوئی اور سلجوقیوں کی سلطنت خراسان میں قائم ہوئی۔ خوارزم شاہ سے اُس کے سپہ سالار نے سرتابی کی تھی اس لیے طغرل بیگ کو خوارزم شاہ کی مدد کے لئے خوارزم جانا پڑا اور وہاں سے کامیاب وکامران واپس آیا۔ پھر معرکہ روم کے لئے روانہ ہوا اور وہاں سے بھی کامیاب واپس آیا۔ اسی زمانہ میں طغرل بیگ دو مرتبہ بغداد گیا۔ ایک مرتبہ تو ملک رحیم دیلمی کا استیصال کیا اور دوسری مرتبہ قائم باللہ خلیفہ بغداد کو بساسیری کے پنجہ سے چھڑا کر پھر تخت پر بٹھایا اور مستنصر فاطمی کا نام خطبہ سے نکال کر پھر قائم باللہ کا نام خطبہ میں داخل کیا۔ اسی سال حجاز اور بصرہ میں طغرل کا نام خطبہ میں پڑھا گیا۔ تیسری مرتبہ 504ھ میں طغرل بیگ پھر بغداد گیا اور قائم باللہ کی لڑکی سے عقد کیا۔ لیکن زفاف کی نوبت نہیں آئی تھی کہ طغرل بیگ نے دنیا سے رحلت کی۔ اور چغر بیگ نے اس سے پہلے وفات پائی تھی۔ طغرل بیگ و چغر بیگ دونوں سلطان ایک ساتھ حکمران تھے۔ صرف نام کی حد تک چغر بیگ کا دار الحکومت مرو تھا اور طغرل بیگ کا نیشاپور تھا ورنہ مرتے دم تک دونوں ایک دل رہے۔

الپ ارسلان:

الپ ارسلان ایک سلجوق سلطان تھا جو اپنے چچا طغرل بیگ کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس نے 1063ء سے 1072ء تک حکومت کی۔ الپ ارسلان اپنے چچا طغرل بیگ کے بعد سلجوقی سلطنت کے تخت پر بیٹھا اور اس نے 1064ء میں آرمینیا اور جارجیا کو سلطنت میں شامل کرلیا۔ وہ ایک بہت بیدار مغز اور بہادر حکمران تھا۔ مشہور مدبر نظام الملک طوسی کو اپنے باپ چغری بیگ کی سفارش پر وزیر سلطنت مقرر کیا۔ اس کے عہد میں سلجوقی سلطنت کی حدود بہت وسیع ہوئیں۔ پہلے ہرات اور ماوراء النہر کو اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ پھر فاطمی حکمران کو شکست دے کر مکہ اور مدینہ کو اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ اس سے اسلامی دنیا میں سلجوقیوں کا اثر و اقتدار بڑھ گیا۔ بازنطینیوں نے حملہ کیا تو 26 اگست 1071ء کو ملازکرد کے مقام پر ان کو عبرتناک شکست دی۔ اور قیصر روم رومانوس چہارم کو گرفتار کرلیا۔ قیصر روم نے نہ صرف تاوان جنگ ادا کیا اور خراج دینے پر رضامند ہوا۔ بلکہ اپنی بیٹی سلطان کے بیٹے سے بیاہ دی اور آرمینیا اور جارجیا کے علاقے اس کو دے دیئے۔

جنگ ملازکرد:

جنگ ملازکرد یا جنگ مانزکرت 26 اگست 1071ء (464ھ) کو سلجوقی اور بازنطینی سلطنت کے درمیان مشرقی اناطولیہ میں لڑی گئی جس میں سلجوقیوں کی قیادت الپ ارسلان اور بازنطینیوں کی قیادت رومانوس چہارم نے کی۔ جنگ سے قبل سلطان الپ ارسلان نے بازنطینی لشکر کی پیش قدمی روکنے کے لئے معاہدے کی پیشکش کی لیکن رومانوس سے اسے ٹھکرا دیا جس کے نتیجے میں موجودہ ترکی میں واقع جھیل وان کے شمال مغرب میں ملازکرد کے مقام پر دونوں افواج کا ٹکراؤ ہوا۔ الپ ارسلان نے رومیوں کے خلاف شاندار فتح حاصل کی اور سلجوقی سلطنت کی حدیں اناطولیہ میں مزید آگے تک

Marfat.com

بڑھ گئیں۔ یہ جنگ بازنطینی سلطنت کے زوال کا باعث بنی اور اسی جنگ کو صلیبی جنگوں کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ جنگ ملاز کرد کے نتیجے میں اناطولیہ ہمیشہ کے لئے عیسائیوں کے قبضے سے نکل گیا۔ قیصر روم رومانوس چہارم کو گرفتار کر لیا۔ قیصر روم نے نہ صرف تاوان جنگ ادا کیا اور خراج دینے پر رضامند ہوا۔ بلکہ اپنی بیٹی سلطان کے بیٹے سے بیاہ دی اور آرمینیہ اور جارجیا کے علاقے اس کو دے دیئے۔

الپ ارسلان بڑا نیک نام اور نیک نیت بادشاہ تھا۔ ڈاڑھی اس کی بہت بڑی تھی اور ٹوپی بہت اونچی رکھتا تھا۔ عبادان سے سواحل بحر تک اور جیحون سے دجلہ تک اس کے قبضہ میں تھا۔ کئی سلاطین اس کے باج گزار تھے۔ خان ترکستان کی لڑکی سے اس نے اپنے بیٹے ملک شاہ کی شادی کی اور مودود بن مسعود کی لڑکی سے اپنے دوسرے بیٹے ارسلان شاہ کا بیاہ کیا۔ ارسلان شاہ کے لئے خاقان چین کی دختر بھی لی گئی اور خاقان چین بھی زمرۂ مطیعان میں داخل ہوا۔ اس کے عہد میں نیشاپور رشک بغداد بن گیا۔ تمام سلاطین اس کے دربار میں آتے تھے اور آستانہ شاہی پر جبہ سائی کرتے تھے۔ اس بادشاہ کے دربار میں علما بہت رہتے تھے۔ خود نظام الملک طوسی اس کا وزیر ایک زبردست عالم اور بڑا مدبر شخص تھا۔ سلجوقیوں نے جو زور پکڑا اس میں شمشیر تر کی کے ساتھ حکمت نظام الملکی ایک قابل لحاظ شے تھی۔ الپ ارسلان 25 نومبر 1072ء کو محض 42 سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ الپ ارسلان کو مرو میں ان کے والد چغری بیگ کی قبر کے برابر میں دفن کیا گیا۔

جلال الدین ملک شاہ سلجوقی:

نظام الملک طوسی کی سعی سے جلال الدین ملک شاہ تخت پر بیٹھا۔ نظام الملک اس کے باپ کے وقت سے وزیر سلطنت تھا۔ اور اب تو بالکل ہی سیاہ سپید کا مالک ہو گیا۔ عباسیوں کے زمانہ میں جس طرح برامکہ کا خاندان تھا اسی طرح کچھ دنوں کے لئے سلجوقیوں کے عہد میں نظام الملک کا خاندان عروج پر تھا۔ بغداد اور بصرہ میں مدرسہ نظامیہ اسی کا بنوایا ہوا تھا۔ طوس مردم خیز جگہ ہے۔ یہاں نظام الملک، غزالی، فردوسی تین بڑے مشہور شخص گزرے ہیں۔ سلطان ملک شاہ ایک مرتبہ شکار کو نکلا۔ راہ میں رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ حالت گرفتاری میں اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میری عزت نہ کرنا ورنہ دشمن مجھے معزز سمجھ کر ذلیل کریں گے۔ پھر نظام الملک نے قیصر روم سے مصالحت کا ڈول ڈالا اور خود شرائط صلح طے کرنے گیا۔ قیصر روم نے ان قیدیوں کا ذکر کیا تو نظام الملک نے نہایت بے پروائی سے سنا بلکہ ملک شاہ جب نظام الملک کے سامنے لایا گیا تو اُس نے کچھ التفات نہ کیا۔ نظام الملک واپس آیا تو قیصر روم نے ملک شاہ کو مع اور قیدیوں کے اس کے ساتھ کر دیا کیونکہ مصالحت ہو جانے پر اسیران سلطنت کی رہائی لازمی تھی۔ جب ملک شاہ رومیوں کی حد نظر سے باہر ہوا تو نظام الملک نے بادشاہ کی رکاب کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد ملک شاہ نے رومیوں پر چڑھائی کی اور کسی حکمت سے قیصر روم گرفتار ہو کر ملک شاہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ قیصر روم نے ملک شاہ سے کہا کہ اگر تم بادشاہ ہو تو مجھے چھوڑ دو۔ تاجر ہو تو بیچ ڈالو اور قصاب ہو تو ذبح کر ڈالو۔ ملک شاہ نے نہایت عزت سے قیصر روم کو رخصت کیا اور کہا کہ میری غرض صرف یہ تھی کہ میں تم پر ثابت کردوں کہ میری سابق گرفتاری ایک امر اتفاقی تھا۔ میری قوم کسی طرح کمزور نہیں ہے۔ ملک شام بھی اس بادشاہ کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ جب یہ بادشاہ بغداد گیا تو خلیفہ مقتدی باللہ نے اس کی بڑی خاطر کی۔ اس نے خلیفہ کا ہاتھ چومنا چاہا لیکن خلیفہ نے (غالباً براہ تواضع) گوارا نہ کیا۔ تب ملک شاہ نے بادشاہ کی انگوٹھی لی اور اُسی کے بوسہ پر اکتفا کیا۔ مقتدی نے اپنی بیٹی ملک شاہ کے عقد میں دی اور تمام بلاد اسلام کی زمام امارت ملک شاہ کے سپرد کی ہے۔ نظام الملک سے آخری دور میں ملک شاہ ناخوش ہو گیا تھا۔ ناخوشی کے نتائج پورے طور پر ظاہر نہیں ہوئے تھے کہ ایک فدائی نے

Marfat.com

نظام الملک کو قتل کیا اور ملک شاہ نے بھی مہینہ کے اندر ہی اپنی موت سے وفات پائی۔

سلجوقی سلطنت مابعد تقسیم:

1092ء میں ملک شاہ اول کی وفات کے بعد اس کے بھائیوں اور 4 بیٹوں کے درمیان اختلافات کے باعث سلطنت تقسیم ہوگئی۔ اناطولیہ میں قلج ارسلان اول ملک شاہ اول کا جانشیں مقرر ہوا جس نے سلطنت سلاجقہ روم کی بنیاد رکھی۔ شام میں اس کا بھائی تتش اول حکمران بنا جبکہ ایران میں اس کے بیٹے محمود اول نے بادشاہت قائم جس کی اپنے تین بھائیوں عراق میں برکیارق، بغداد میں محمد اول اور خراسان میں احمد سنجر سے تصادم ہوتا رہا۔

برکیارق بن ملک شاہ (484ھ):

نظام الملک کے بیٹے موتک الملک وفخر الملک نے برکیارق کے ذریعے تیرہ برس سلطنت کر کے وفات پائی۔ اس کے عہد میں تخت اور حکومت کے لئے سلجوقیوں میں باہمی نزاع برپا تھی۔

محمد بن ملک شاہ (496ھ):

1118ء میں احمد سنجر نے سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بھتیجے اور محمد اول کے بیٹے محمود ثانی نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور بغداد میں دار الحکومت قائم کرتے ہوئے اپنے سلطان ہونے کا اعلان کردیا تاہم 1131ء میں بالآخر احمد سنجر نے اسے ہٹادیا۔ اس نے تیرہ برس سلطنت کر کے وفات پائی۔

سلطان السلاطین سنجر بن ملک شاہ (509ھ):

یہ بادشاہ بڑا نیک نام خدا ترس اور بیدار مغز تھا۔ اس کے عہد میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ بہرام شاہ غزنی اس کا باج گزار ہوا۔ کورخان ترکی کے مقابلہ میں سلطان سنجر مغلوب ہوگیا تھا۔ اس سے ذرا رنگ پھیکا ہو چلا تھا لیکن اس کے بعد بہرام غزنوی کو جب علاء الدین جہان سوز غوری نے دبایا اور سلطان سنجر نے پہنچ کر علاء الدین کو گرفتار کرلیا تب پھر اس کا سلطنہ کامرانی اصلی حالت پر آ گیا۔ نواح بلخ میں یہ ایک مرتبہ ترکمان غزنی کے ہاتھ گرفتار ہوگیا اور چار برس تک گرفتار رہا پھر یہ مع بیوی کے گرفتار تھا۔ جب بیوی مرگئی تو یہ کسی حکمت سے نکل بھاگا۔ اس اثناء میں غزوں نے تمام ملک ویران کردیا تھا۔ اس کے عہد میں حاکم خوارزم نے بغاوت کر کے ایک جدا سلطنت قائم کی۔ خوارزم کے حکمران آگے چل کر خوارزم شاہیوں کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس بغاوت نے سلطان سنجر کو بہت زیادہ کمزور کردیا تھا۔

محمود خان خواہرزادہ سلطان سنجر (552ھ):

یہ بغرا خان کی نسل میں تھا۔ سلطان سنجر کے بعد یہی تخت نیشاپور پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں خوارزم شاہیوں اور غوریوں کا زور ہوا۔ محمود کو اندھا کر کے کچھ ملک خوارزم شاہیوں نے لے لیا اور کچھ غوریوں نے لے لیا۔ اور اس طرح سلجوقیوں کی سلطنت کا خراسان میں خاتمہ ہوگیا۔

بغداد کے سلجوقی سلاطین:

سلجوقی سلاطین	دور حکومت 1037ء تا 1157ء
طغرل اول (طغرل بیگ)	1037ء تا 1063ء

Marfat.com

الپ ارسلان بن چغری بیگ	1063ءتا1072ء
جلال الدولہ ملک شاہ اول	1072ءتا1092ء
ناصر الدین محمود اول	1092ءتا1093ء
رکن الدین برکیارق	1093ءتا1104ء
معز الدین ملک شاہ ثانی	1105ء
غیاث الدین محمد/احمد اول	1105ءتا1118ء
محمود ثانی	1118ءتا1131ء
معز الدین احمد سنجر	1131ءتا1157ء

دمشق کے سلجوقی سلاطین:

سلاطین وامیران دمشق	دور حکومت
عزیز ابن اباق الخوارزمی	1076ءتا1079ء
ابوسعید تاج الدولہ تاج الدولہ تتش اول	1079ءتا1095ء
ابونصر شمس الملک دوقق	1095ءتا1104ء
توتش ثانی	1104ء
محی الدین بقتش	1104ء

محمد ابن محمد بن ملک شاہ (509ھ):

اپنے باپ محمد شاہ کے مرنے پر یہ عراق پر حکمران ہوا اور سلطان سنجر نے کچھ زیادہ اس کی فکر نہیں کی۔ مسترشد باللہ خلیفہ بغداد سے یہ رنجیدہ ہو گیا تھا اور اس نے بغداد کا محاصرہ بھی کیا تھا۔ لیکن پھر مصالحت ہو گئی۔

طغرل بن محمد بن ملک شاہ (525ھ):

بھائی کے مرنے پر سلطان سنجر کے اشارہ سے یہ عراق کی ریاست پر قابض ہوا۔

مسعود بن سلطان ملک شاہ (529ھ):

اس کے عہد میں چند سلجوقیوں نے خلیفہ مسترشد کو ملک گیری کے لئے اُبھارا۔ مسعود سے لڑائی ہوئی۔ خلیفہ گرفتار ہوا اور ایک فدائی نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد راشد اپنے باپ کے خون بہا کے لئے نکلا اور اصفہان تک پہنچتے پہنچتے مارا گیا۔ پھر مسترشد کے دوسرے بیٹے مقتفی باللہ کو مسعود نے تخت خلافت پر بٹھایا۔

ملک شاہ بن محمود بن محمد بن سلطان ملک شاہ (544ھ):

تین مہینے تک یہ بادشاہ رہا۔ اس کے مزاج میں عیاشی تھی لوگوں نے اسے قید کر کے اس کے بھائی محمد کو تخت پر بٹھایا۔

بن محمود (544ھ):

یہ سلیمان شاہ سے جو اس کے بعد تخت پر بیٹھا برابر لڑتا رہا۔ آل سلجوق کے ضعف کا زمانہ تھا اس لیے خلفائے بغداد بھی کچھ قوت پکڑ لی تھی۔ سات برس تک سلطنت کر کے وفات پائی۔

یمان بن ملک شاہ (551ھ):

ارسلان کا نام بھی اس کے ساتھ خطبہ میں داخل کیا گیا۔ آٹھ مہینے تک اس کی سلطنت رہی۔

سلان بر طغرل (551ھ):

الموت کے فدائیوں سے یہ لڑتا تھا اور غالب رہا۔ اس کے عہد میں خوارزم شاہیوں کا زور شروع ہوا۔

رل بن ارسلان (571ھ):

خلیفہ مستضی باللہ کے عہد میں تخت نشین ہوا۔ رکن الدین قسیم امیر المومنین کا لقب ملا۔ اس کے وزیر غزل ارسلان اس سے سرتابی کی اور عرصہ تک لڑتا رہا۔ درمیان میں طغرل کے قید ہو جانے سے یہی بادشاہ بن گیا تھا۔ خلیفہ ناصر دین بھی طغرل سے ناخوش تھا۔ تکش سلطان شاہ خوارزم کے مقابلہ میں مارا گیا اور اس کا سر بغداد بھیجا گیا اور اس کے مرنے اق میں سلجوقیوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلجوق سلاطین شام	دور حکومت 1076ء تا 1117ء
ابو سعید تاج الدولہ تتش اول	1085ء تا 1086ء
جلال الدولہ ملک شاہ اول	1086ء تا 1087ء
قاسم الدولہ ابو سعید	1087ء تا 1094ء
ابو سعید تاج الدولہ تو تش اول (دوسری مرتبہ)	1094ء تا 1095ء
فخر الملک رودان	1095ء تا 1113ء
تاج الدولہ الپ ارسلان الاخرس	1113ء تا 1114ء
سلطان شاہ	1114ء تا 1123ء

لجوق سلاطین کرمان:

تتش اول کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں رضوان اور دوقق کو بالترتیب حلب اور دمشق وراثت میں ملا اور ان دلوں کی نااتفاقی کے باعث شام کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا جن پر مختلف امراء کی حکومتیں تھیں۔ سلطان سنجر کے ایک بھائی کی نسل میں دس خود مختار بادشاہ کرمان میں یکے بعد دیگرے خوارزم شاہیوں کے عروج تک حکمران رہے اور ہمدان ان کا یہ تخت تھا اس کے بعد تمام سلجوقیوں کی طرح یہ لوگ بھی مٹ گئے۔

سلجوقی سلاطین کرمان	دور حکومت 1041ء تا 1187ء
قاورد	1041ء تا 1073ء
کرمان شاہ	1073ء تا 1074ء

Marfat.com

سلطان شاہ	1074ء تا 1075ء
حسین عمر	1075ء تا 1084ء
توران شاہ اول	1084ء تا 1096ء
ایران شاہ	1096ء تا 1101ء
ارسلان شاہ اول	1101ء تا 1142ء
محمد اول	1142ء تا 1156ء
طغرل شاہ	1156ء تا 1169ء
بہرام شاہ	1169ء تا 1174ء
ارسلان شاہ ثانی	1174ء تا 1176ء
توران شاہ ثانی	1176ء تا 1183ء
محمد ثانی	1183ء تا 1187ء

کرمان جنوبی فارس کی ایک سلطنت تھی جو 1187ء میں طغرل سوئم کے ہاتھوں ختم ہوگئی۔

Marfat.com

سلاجقہ روم

سلیمان بن قلمتش بن اسرائیل بن سلجوق کوالپ ارسلان نے روم کی طرف بھیجا تھا۔اس کی نسل سے ایک جدا بادشاہت قائم ہوگئی تھی جس میں چودہ بادشاہ اس کے بعد تخت پر بیٹھے اور قونیہ یا قونیہ دارالحکومت قرار پایا۔سلاجقہ روم 1077ء سے 1307ء تک اناطولیہ میں قائم رہنے والی ایک سلطنت تھی۔اس سلطنت کے علاقے بازنطینی سلطنت کے مفتوحہ رومی علاقوں پر مشتمل تھے۔1070ء کی دہائی میں سلجوقی سلطنت کے عظیم حکمران ملک شاہ اول کے قریبی عزیز سلیمان ابن قتلمش نے مغربی اناطولیہ میں قوت حاصل کرنا شروع کی اور 1075ء میں بازنطینی شہر نیسیا اور نکومیڈیا فتح کر لیے۔1077ء میں اس نے ملک شاہ کے مقابلے میں خود کو سلطان قرار دے دیا اور نیسیا کو اپنا دارالحکومت بنالیا۔اس کی مفتوحہ سرزمین کو روم کہا جاتا تھا اس لیے یہ سلاجقہ روم کہلائے۔سلطنت وسیع ہوتی رہی لیکن 1086ء میں سلیمان کو شام کے سلجوق حکمران تتش اول نے انطاکیہ میں قتل کر دیا اور اس کے بیٹے قلج ارسلان کو قیدی بنالیا۔1092ء میں ملک شاہ کی وفات کے بعد قلج ارسلان رہائی پا گیا اور اپنے والد کی سلطنت کو بحال کرتے ہوئے تمام علاقوں کو دوبارہ فتح کیا۔بالآخر سے 1097ء میں صلیبیوں کے ہاتھوں شکست ہوگئی جو فلسطین کو فتح کرنے کے لیے اناطولیہ کے راستے جارہے تھے۔ حالانکہ قلج ارسلان نے صلیبیوں کو کئی جنگوں میں شکست دی اور ان کے ابتدائی لشکروں کو نیست ونابود کیا لیکن لاکھوں کے عظیم لشکروں کو شکست دینا اس کے بس کی بات نہ تھی لیکن قلج کی مزاحمت قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی ہمت وشجاعت کی علامت ہے اور اسی وجہ سے ترک قلج ارسلان کا نام بہت احترام سے یاد کرتے ہیں۔

صلیبیوں کے ہاتھوں شکست کے بعد اناطولیہ کے کئی علاقے سلاجقہ کے ہاتھ سے نکل گئے لیکن قلج ارسلان نے قونیہ کے گرد حکومت قائم رکھی۔1107ء میں اس نے موصل فتح کیا لیکن اسی سال اس کا انتقال ہوگیا۔اس کے بعد کئی سال اس کے بیٹے اور ان کی اولادوں کی حریف اقوام کے ساتھ کشمکش جاری رہی اور بالآخر 1190ء میں تیسری صلیبی جنگ کے دوران جرمن دستوں نے قونیہ پر قبضہ کر لیا اور آرمینیائے کوچک کی صلیبی ریاست قائم کر ڈالی۔1194ء میں سلجوقی سلطنت کے آخری چشم وچراغ طغرل سوئم کی وفات کے بعد سلاجقہ روم اس خاندان کے واحد نمائندے کے طور پر بچے۔غیاث الدین کیخسرو اول نے 1205ء میں قونیہ کو دوبارہ فتح کر کے خود کو سلطان قرار دیا۔کیخسرو اور اس کے دو صاحبزادے عزالدین کیکاؤس اور عزالدین کیقباد اول کے دور میں سلاجقہ روم اپنے عروج پر پہنچ گئے۔کیخسرو کی سب سے بڑی کامیابی 1207ء میں بحیرہ روم کے ساحل پر واقع انطالیہ کی بندرگاہ پر قبضہ تھا۔کیخسرو نے شمال میں سنوپ اور طربزون بھی فتح کیے لیکن 1218ء میں حلب میں صلاح الدین کے حق میں اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔کیقباد نے 1221ء سے 1225ء کے دوران بحیرہ روم کے ساحلوں سے بازنطینیوں کا خاتمہ کر دیا۔1225ء میں اس نے بحیرہ اسود کے پار کریمیا کی جانب بھی ایک مہم بھیجی اور فتح حاصل کی۔غیاث الدین کیخسرو کے دور میں 1239ء میں ایک معروف مبلغ بابا اسحاق کی زیر قیادت بغاوت ہوگئی اور تین سال کے اندر اندر سلطنت بدانتظامی کا شکار ہوگئی، کریمیا ہاتھ سے نکل گیا اور ریاست اور

Marfat.com

افواج کمزور پڑ گئیں۔ لیکن اس سے بھی بڑا خطرہ سلطنت کے سر پر منڈلا رہا تھا، یہ منگولوں کا طوفان تھا جو مشرق وسطیٰ کو روندتے ہوئے اب اناطولیہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پے در پے شکستوں کے بعد سلطان انطالیہ بھاگ گیا جہاں 1246ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ سلطنت کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی جن پر منگولوں کے زیر انتظام کٹھ پتلی حکمران بیٹھے تھے۔ اور بالآخر سلجوقیوں کی حکومت صرف قونیہ کے اردگرد رہ گئی۔

سلاطین روم	دور حکمرانی
قتلمش	1077ء تا 1086ء
سلیمان ابن قتلمش	1060ء تا 1077ء
داؤد قلج ارسلان اول	1092ء تا 1107ء
ملک شاہ	1107ء تا 1116ء
رکن الدین مسعود	1116ء تا 1156ء
عزالدین قلج ارسلان ثانی	1156ء تا 1192ء
غیاث الدین کیخسرو اول	1192ء تا 1196ء
سلیمان ثانی	1196ء تا 1204ء
قلج ارسلان ثالث	1204ء تا 1205ء
غیاث الدین کیخسرو اول (دوسری مرتبہ)	1205ء تا 1211ء
عزالدین کیکاؤس	1211ء تا 1220ء
علاء الدین کیقباد اول	1220ء تا 1237ء
غیاث الدین کیخسرو ثانی	1237ء تا 1246ء
عزالدین کیکاؤس ثانی	1246ء تا 1260ء
رکن الدین قلج ارسلان چہارم	1248ء تا 1265ء
علاء الدین کیقباد ثانی	1249ء تا 1257
غیاث الدین کیخسرو ثانی (دوسری مرتبہ)	1257ء تا 1259ء
غیاث الدین کیخسرو ثالث	1265ء تا 1282ء
غیاث الدین مسعود ثانی بن کیکاؤس	1282ء تا 1284ء
علاء الدین کیقباد ثالث	1284ء
غیاث الدین مسعود ثانی بن کیکاؤس (دوسری مرتبہ)	1284ء تا 1293ء
علاء الدین کیقباد ثالث (دوسری مرتبہ)	1293ء تا 1294ء
غیاث الدین مسعود ثانی (تیسری مرتبہ)	1294ء تا 1301ء
علاء الدین کیقباد ثالث (تیسری مرتبہ)	1301ء تا 1303ء
غیاث الدین مسعود ثانی بن کیکاؤس (چوتھی مرتبہ)	1303ء تا 1307ء

Marfat.com

غیاث الدین مسعود ثالث کیقباد بن فرامرز 1307ء

اس خاندان کے بادشاہ رومیوں سے لڑتے رہے۔خوارزم شاہیوں سے بھی معرکہ آرائی کی۔عراق کے سلجوقیوں ہی کبھی کبھی مقابل ہوگئے۔لیکن برابر اپنی حالت پر قائم رہے۔ساتویں صدی ہجری کے آخر میں یرلیغ غزاخان نے کے مطیع یہ سلطنت ہوگئی تھی کسی قصور پر کیقباد کو تخت سے اتار دیا۔1307ء میں کرمانیوں نے غیاث الدین مسعود کو شکست دے کر ہمیشہ کے لیے سلاجقہ روم کا خاتمہ کر دیا۔

...بی جنگوں کا آغاز:

سلجوقی سلطنت کے سیاسی زوال کے آغاز اور ملک بھر میں پھیلی خانہ جنگی اور طوائف الملوکی سے مسلم امہ کو ایک تلے اکٹھا کرنے والی آخری قوت کا بھی خاتمہ ہونے لگا تو اہلیان یورپ نے اس کو بھرپور موقع جانا اور بیت المقدس کو ...انوں سے واپس لینے کی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کیا۔اس طرح اُن صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا جو کم و 200 سال مسلمانوں پر مسلط رہیں۔ان جنگوں کے آغاز پر یورپ سے بیت المقدس کے راستے میں عیسائیوں کا ...سے اولین ٹکراؤ اناطولیہ سلجوقی مسلمانوں کی حکومت سلاجقہ روم سے ہوا۔عیسائیوں نے پہلی صلیبی جنگ میں بیت ...س پر قبضہ کر لیا تھا جبکہ اس جنگ سے قبل ہی سلجوق فاطمیوں کے ہاتھوں فلسطین گنوا چکے تھے۔صلیبیوں اور منگولوں کے ...ے سلجوقیوں کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہو کر رہ گئی اور بالآخر 1260ء کی دہائی میں منگولوں کی اناطولیہ پر چڑھائی کے آخری سلجوق سلطنت (سلاجقہ روم) کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

...بقین حلب:

سلجوقوں کی حکومت کے بعد موصل، حلب اور دمشق میں اتابقین کی حکومت کا دور شروع ہوا۔

ابولولوء	1114ء تا 1117ء
شمس الہوس یارقتش	1117ء
عماد الدین زنگی	1128ء تا 1146ء
نور الدین زنگی	1146ء تا 1174ء

...طان عماد الدین زنگی:

عماد الدین زنگی سلجوقی حکومت کی طرف سے شہر موصل کا حاکم تھا۔جب سلجوقی حکومت کمزور ہوگئی تو اس نے زنگی ...لنت قائم کر لی اور عیسائیوں کو شکستوں پر شکستیں دے کر ان کی چار میں سے ایک صلیبی ریاست ایڈیسا کا خاتمہ کر دیا جو ...ئیوں نے پہلی صلیبی جنگ کے بعد قائم کی تھی۔ختم ہونے والی پہلی صلیبی ریاست کا دار الحکومت الرہا تھا جسے آجکل اورفا ...ا جاتا ہے اور یہ ایشیائے کوچک میں واقع ہے۔پہلی صلیبی جنگ کے بعد بیت المقدس اور فلسطین کے کئی علاقوں پر ...ائیوں کا قبضہ ہوگیا تھا اور بیت المقدس عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح مسلمانوں کے لئے بھی بڑا مقدس مقام ہے ...ونکہ یہ مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اسی ...ے میں ہوئے اور جس طرح وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے پیغمبر تھے اسی طرح مسلمانوں کے بھی پیغمبر ہیں۔پھر خود ...رت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب معراج ہوئی تو وہ مسجد اقصیٰ ہی میں ٹھہرے تھے اور یہیں سے آسمان پر

Marfat.com

تشریف لے گئے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ فلسطین پر عیسائیوں کا قبضہ خاموشی کے ساتھ گوارا کر لیتے۔ انہوں نے عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی اور جن لوگوں نے عیسائیوں سے مقابلے میں نام پیدا کیا ان میں پہلا مشہور شخص عمادالدین زنگی تھا۔

عمادالدین 1085ء میں قاسم الدولہ ابوسعید کے ہاں پیدا ہوئے جو سلجوقی سلطان ملک شاہ اول کی حکومت میں حلب کے گورنر تھے۔ 1094ء میں بغاوت کے الزام میں ان کے والد کا سر قلم کر دیا گیا جس کے بعد عمادالدین زنگی موصل کے گورنر کے ہاں پروان چڑھے۔ عماد 1127ء میں موصل اور 1128ء میں حلب کے اتابق بنے اور دونوں شہروں کو اقتدار میں لے آئے۔ عمادالدین زنگی کا سب سے بڑا کارنامہ 1144ء میں ایک صلیبی ریاست ایڈیسا کا خاتمہ تھا۔ زنگی نے 24 دسمبر 1144ء کو اس پر قبضہ کر لیا۔ ایڈیسا کا خاتمہ دوسری صلیبی جنگ کی وجہ بنا۔ دمشق کے حصول کی مسلسل کوشش کے دوران 1146ء میں ایک فرانسیسی غلام نے عمادالدین کو شہید کر دیا۔ عمادالدین زنگی سلطنت کا بانی تھا۔ اس کے انتقال کے بعد بڑا بیٹا سیف الدین غازی موصل میں جبکہ دوسرا بیٹا نورالدین حلب میں اس کا جانشیں بنا۔

سلطان نورالدین زنگی:

نورالدین زنگی سلطنت کے بانی عمادالدین زنگی کا بیٹا تھا جس نے تاریخ میں بڑا نام پیدا کیا۔ نورالدین فروری 1118ء میں پیدا ہوا اور 1146ء سے 1174ء تک 28 سال حکومت کی۔ اس نے عیسائیوں سے بیت المقدس واپس لینے کے لیے پہلے ایک مضبوط حکومت قائم کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے گردونواح کی چھوٹی چھوٹی مسلمان حکومتوں کو ختم کر کے ان کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ شروع میں نورالدین کا دارالحکومت حلب تھا۔ 549ھ میں اس نے دمشق پر قبضہ کر کے اسے دارالحکومت قرار دیا۔ اس نے صلیبی ریاست انطاکیہ پر حملے کر کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا اور بعد ازاں ریاست ایڈیسا پر مسلمانوں کا قبضہ ختم کرنے کے لیے عیسائیوں کی کوشش کو بھی ناکام بنا دیا۔ دوسری صلیبی جنگ کے دوران دمشق پر قبضہ کرنے کی کوششیں بھی سیف الدین غازی اور معین الدین کی مدد سے ناکام بنا دیں اور بیت المقدس سے عیسائیوں کو نکالنے کی راہ ہموار کر دی۔

دوسری صلیبی جنگ میں فتح کی بدولت ہی مسلمان تیسری صلیبی جنگ میں فتحیاب ہو کر بیت المقدس واپس لینے میں کامیاب ہوئے۔ اس زمانے میں مصر میں فاطمی حکومت قائم تھی لیکن اب وہ بالکل کمزور ہو گئی تھی اور مصر چونکہ فلسطین سے ملا ہوا تھا اس لیے عیسائی اس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ دیکھ کر نورالدین نے ایک فوج بھیج کر 564ء میں مصر پر بھی قبضہ کر لیا اور فاطمی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ نورالدین بہادری میں اپنے باپ کی طرح تھا۔ ایک مرتبہ جنگ میں اسے دشمنوں کی صف میں بار بار گھستے دیکھ کر اس کے ایک مصاحب قطب الدین نے کہا: ''اے ہمارے بادشاہ! اپنے آپ کو امتحان میں ڈالئے اگر آپ مارے گئے تو دشمن اس ملک کو فتح کر لیں گے اور مسلمانوں کی حالت تباہ ہو جائے گی''۔ نورالدین نے بات سنی تو اس پر بہت ناراض ہوا اور کہا: ''قطب الدین! زبان کو روکو، تم اللہ کے حضور گستاخی کر رہے ہو۔ مجھ سے پہلے اس دین اور ملک کا محافظ اللہ کے سوا کون تھا؟''۔ نورالدین نے شریعت کی خود پابندی کی اور اپنے ساتھیوں کو بھی پابند بنایا۔ انہیں دیکھ کر دوسروں نے تقلید کی جس کی وجہ سے عوام میں اسلام پر عمل کرنے جذبہ پیدا ہو گیا اور لوگ خلاف شرع کاموں کے ذکر سے بھی شرمانے لگی۔ نورالدین صرف ایک فاتح نہیں تھا بلکہ ایک شفیق حکمران اور علم پرور بادشاہ تھا۔ اس نے سلطنت میں مدرسوں اور ہسپتالوں کا جال بچھا دیا۔ اس کے انصاف کے قصے دور دور تک مشہور تھے۔ وہ بڑی سادہ زندگی

ارتا تھا، بیت المال کا روپیہ کبھی ذاتی خرچ میں نہیں لایا۔ مال غنیمت سے اس نے چند دکانیں خرید لیں تھیں جن کے ئے سے وہ اپنا خرچ پورا کرتا تھا۔ اس نے اپنے لیے بڑے بڑے محل تعمیر نہیں کیے بلکہ بیت المال کا روپیہ مدرسوں، نانوں اور مسافر خانوں کے قائم کرنے اور رفاہ عامہ کے دیگر کاموں میں صرف کرتا۔ دمشق میں اس نے ایک شاندار انہ قائم کیا تھا جس کی دنیا میں مثال نہ تھی۔ اس میں مریضوں کو دوا بھی مفت دی جاتی تھی اور کھانے کا رہنے کا خرچ کومت کی طرف سے ادا کیا جاتا تھا۔ نورالدین نے تمام ناجائز ٹیکس موقوف کردیئے تھے۔ وہ مظلوموں کی شکایت خود راس کی تفتیش کرتا تھا۔ نورالدین کی ان خوبیوں اور کارناموں کی وجہ سے اس زمانے کے ایک مورخ ابن اثیر نے لکھا ہ: "میں نے اسلامی عہد کے حکمرانوں سے لے کر اس وقت تک کے تمام بادشاہوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا لیکن ئے راشدین اور عمر بن عبدالعزیز کے سوا نورالدین سے زیادہ بہتر فرمانروا میری نظر سے نہیں گزرا"۔

مصر پر قبضہ کرنے کے بعد نورالدین نے بیت المقدس پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ بیت المقدس کی ر میں رکھنے کے لیے اس نے اعلیٰ درجے کا منبر تیار کروایا۔ اس کی خواہش تھی کہ فتح بیت المقدس کے بعد وہ اس منبر کو اتھوں سے رکھے گا لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ نورالدین ابھی حملے کی تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ 15 مئی 1174ء کو اس کا ہو گیا۔ انتقال کے وقت نورالدین کی عمر 58 سال تھی۔

❀❀❀❀

Marfat.com

شاہانِ خوارزم

خوارزم شاہی سلطنت وسط ایشیا اور ایران کی ایک سنی مسلم بادشاہت تھی جو پہلے سلجوقی سلطنت کے ماتحت تھی اور 11 ویں صدی میں آزاد ہوگئی اور 1220ء میں منگولوں کی جارحیت تک قائم رہی۔ سلجوقیوں کے زوال سلطنت کے وقت خوارزم شاہیوں کا خاندان بہت زور پکڑ گیا تھا۔ اس لئے کچھ ان کا حال بھی لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ملک شاہ سلجوقی ایک ترکی غلام انوشتگین بہت معزز ہوگیا تھا۔ اس کے مرنے پر اس کا بیٹا قطب الدین محمد برکیارق اور سلطان سنجر کے عہد میں خوارزم کا حاکم مقرر ہوا اور اپنے جیتے جی فرمانبردار رہا۔ خوارزم کے لحاظ سے لوگ اسے خوارزم شاہ کہنے لگے۔ اور اس کے جانشینوں کا یہی لقب پڑا اور اس کا خاندان خوارزم شاہیوں کا خاندان کہلایا۔ جس وقت خوارزم خاندان ابھرا اس وقت خلافت عباسیہ کا اقتدار زوال کے آخری کنارے پر تھا۔ سلطنت کے قیام کی حتمی تاریخ واضح نہیں۔ خوارزم 992ء تا 1041ء غزنوی سلطنت کا صوبہ تھا۔

انوشتگین / قطب الدین محمد:

1077ء میں صوبے کی گورنری خوارزم شاہی خاندان کے جداعلیٰ انوشتگین کے ہاتھ آگئی جو سلجوقی سلطان کا غلام تھا۔ انوشتگین غیر معمولی ذہانت وقابلیت کا مالک تھا۔ اس لئے سلجوقی سلطان اس کو عزیز رکھتا تھا۔ اس کا ایک بیٹا قطب الدین محمد اول بھی انہی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ اس کی تعلیم وتربیت سلجوقی امراء کے درمیان ہوئی تھی اس لئے سلجوقیوں نے اسے ایک صوبے کی حکومت سپرد کردی تھی جہاں وہ نہایت محنت سے اپنے فرائض منصبی بجالاتا تھا۔ انوشتگین کی وفات کے بعد محمد کو اس کی قابلیت کی بنیاد پر باپ کی جگہ دی گئی جس نے اپنی کارگذاری ووفاداری سے سلطان سنجر کے مزاج میں رسوخ حاصل کیا۔

سلطان اتسز خوارزم شاہ:

محمد کی وفات کے بعد محمود اتسز بن محمد اس کا جانشیں بنا جس نے صوبہ خوارزم میں حکومت کی بنیاد رکھی۔ اتسز کا لقب خوارزم تھا جس کی بنیاد پر یہ خوارزم شاہی سلطنت کہلائی۔ خوارزم شاہ نے اپنے باپ کی جگہ لے کر کئی دفعہ سپہ سالاری کے فرائض انجام دیئے۔ اس کی قابلیت سے سلطان سنجر سلجوقی اتنا متاثر تھا کہ اسے ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا، اس کو سپہ سالار اعظم بناتا اور اس کا شمار اہم درباریوں میں ہوتا تھا۔ اس سے کئی حاسد پیدا ہوگئے اور انہوں نے سلطان سنجر کے اس سے تعلقات کشیدہ کردیئے جس پر خوارزم شاہ نے اپنی خودمختار حکومت قائم کرلی۔ ابتدا میں تو یہ سلطان سنجر کا بڑا ہی بہی خواہ رہا پھر سرتابی کی۔ ان اختلافات کی وجہ سے سلطان سنجر اور خوارزم شاہ کے درمیان جنگ ہوئی جس میں خوارزم شاہ کو شکست ہوئی اور اس کا بیٹا اور کئی دیگر لوگ مارے گئے۔ سلطان سنجر نے خوارزم پر قبضہ کرکے غیاث الدین غوری کے سپرد کردیا۔ غیاث الدین اہل خوارزم کو خوش نہ کرسکا۔ اس لئے انہوں نے خوارزم شاہ کو واپس بلاکر شہر اس کے حوالے کردیا۔ اس طرح

آتسز عرف خوارزم شاہ خوارزم کا مستقل حکمران بن گیا۔ مستقل حکومت حاصل کرنے کے بعد اس نے بادشاہ خطا کی پشت پناہی میں خراسان، مرد اور نیشاپور بھی حاصل کر لیا۔ آتسز نے صوبے میں قتل وغارت گری کر ڈالی اور مسلمانوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ سلطان سنجر نے تین چار مرتبہ اس پر چڑھائی کی اور ہر مرتبہ یہ لڑ بھڑ کر آخر میں اطاعت قبول کر لیتا تھا۔ سلطان سنجر اس کی پچھلی خیر خواہیوں پر نظر ڈال کر عفو کرتا تھا اور کچھ لڑائی سے کنارہ کشی بھی بہتر سمجھتا تھا۔ سلطان سنجر کے ساتھ انوری بھی ہوتا تھا۔ انوری کے بعض شعروں سے ان لڑائیوں کا پتہ چلتا ہے آتسز خوارزم شاہ نے سلطان سنجر سے فرصت پائی تو جند پر قابض ہوا اور کئی مرتبہ ترکستان پر حملہ کر کے کافروں کو زچ کیا۔ جب سلطان سنجر کو ترکان غز نے قید کیا اس وقت اس نے سلطان سنجر کی کمزوری سے کچھ فائدہ اُٹھانا چاہا لیکن بن نہ پڑا۔

اس سلسلے میں سلجوقی ترکوں کا ایک گروہ ترکان غزان سے علیحدہ ہو گیا اور سلطان سنجر سے خراسان چھین لیا۔ سلجوقی سلطنت میں انتشار پھیل گیا اور اس کی تمام قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ 551ھ میں خوارزم شاہ کا انتقال ہو گیا۔

ایل ارسلان بن آتسز:

آتسز کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ارسلان تخت نشین ہوا۔ یہ پہلا خود مختار بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے دشمنی کی اور سلطان سنجر کی اطاعت وفرمانبرداری کا اظہار کیا۔ جس پر سلطان سنجر نے اسے خوارزم کی سند حکومت دے دی۔ ترکانِ غز کو اس کا باپ آتسز کچھ سالانہ خراج دیا کرتا تھا، اس نے اُس میں تامل کیا، اس کے بعد سلطان سنجر کے مخالف ترکان خطا سے جنگ کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ لڑائی میں ہزیمت اُٹھانے کے کچھ عرصے بعد ارسلان کا انتقال ہو گیا۔

محمود سلطان شاہ بن ایل ارسلان (557ھ):

ارسلان کے بعد اس کا بیٹا محمود سلطان شاہ خوارزمی تخت پر بیٹھا۔ وہ ابھی کم سن تھا اس لئے ماں اس کی طرف سے حکومت کرنے لگی لیکن ارسلان کے بڑے بیٹے علاؤالدین تکش کو یہ ناگوار گذرا کہ اس کے ہوتے ہوئے چھوٹا بھائی حکومت کرے۔ اس نے بادشاہ خطا سے مدد مانگی۔ بادشاہ خطا بھی خوارزم کے لالچ میں فوج لے کر محمود کے مقابلے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ اس مقابلے کے بعد محمود کی ماں گرفتار ہو گئی لیکن ترکان خطا نے علاؤالدین کے ساتھ کوئی وفاداری نہ کی اور اس کے خلاف فوج کشی کر دی۔ علاؤالدین قلعہ بند ہو گیا اور بادشاہ خطا کو نقصان اٹھانا پڑا۔

علاؤالدین تکش خان بن ایل ارسلان (583ھ):

آخر کار سلطان شاہ پر غالب آ کر اس نے تاج سلطنت اپنے سر پر رکھا۔ اس کے عہد میں خوارزم شاہیوں کا بڑا عروج ہوا۔ طغرل سلجوقی کو اسی نے عراق میں قتل کیا۔ ایران، خراسان، عراق تمام اس کی حکومت تھے۔ 582ھ میں علاؤالدین نے نیشاپور پر فوج کشی کی، اہل نیشاپور نے مدافعت کی جس پر علاؤالدین کا محاصرہ ناکام ہو گیا اور وہ خوارزم واپس آ گیا۔ لیکن 583ھ میں علاؤالدین نے نیشاپور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد علاؤالدین کا اپنے بھائی سلطان شاہ نے جھگڑا ہو گیا جو اقتدار کے لئے تھا۔ علاؤالدین نے آخری سلجوقی سلطان طغرل ثالث کو بھی قتل کر دیا۔ علاؤالدین نے سلطان شاہ کو نکال دیا اور وہ مرو چلا گیا۔ علاؤالدین کا زیادہ وقت مخالفین سے جنگ میں اور ان کو قابو کرنے میں گذرا۔ اس میں آپس کی خانہ جنگیاں بھی تھیں اور وہ غوری وسلجوقی امراء سے بھی برسرپیکار رہا۔ 596ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

Marfat.com

سلطان محمد بن تکش خان (590ھ):

علاؤالدین کے بعد قطب الدین محمد تخت نشین ہوا اور اپنا لقب علاؤالدین ثانی رکھا۔ تخت نشینی کے بعد اپنے بھائی علی شاہ کو اصفہان سے طلب کیا اور خراسان کی حکومت عطا کی جس میں اس کے جانے کے بعد نیشاپور میں ہندوخان بن ملک شاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی علاؤالدین کے خاندان سے مخالفت چلی آ رہی تھی۔ ہندوخان نے خراسان پر حملہ کر دیا۔ علاؤالدین ثانی نے جعفر ترکی کے ماتحت ایک فوج روانہ کی۔ ہندوخان بھاگ گیا اور غیاث الدین کے علاقے میں پہنچا جہاں اس کی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ جعفر ترکی نے مرو میں داخل ہو کر ہندوخان کے اہل خانہ کو خوارزم روانہ کیا۔ محمد بن علاؤالدین ثانی کے تعلقات غوری خاندان سے کشیدہ چلتے رہے۔ فوج کشی بھی ہوئی۔ جنگ کے نتائج بھی کچھ بہتر نہ غیاث الدین غوری اور شہاب الدین غوری نے تکش خان کے فوت ہونے کی خبر سن کر سر اُٹھائے تھے لیکن سلطان محمد مقابلہ میں عاجز آ کر انہوں نے امان مانگی۔ محمد چربک رستم واسفندیار ثانی کے مارے جانے سے شہاب الدین غوری کہ اُس کا بازو ٹوٹ گیا۔ شہاب الدین غوری کے مرنے پر جب غور کی تجزی ہوئی تو غور اور غزنی پر بھی سلطان محمد کی زد گئی۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ شہاب الدین کے ترکی غلام قطب الدین نے ہندوستان میں ایک مستقل سلطنت کی بنیاد ڈالی ماوراء النہر کی جانب جا کر ترکان غز پر بھی اس بادشاہ نے فتح پائی۔ ناصر خلیفہ بغداد سے اس کو کچھ رنج آ گیا تھا۔ خلفاء عباسی تمام شرقی بلاد اسلام میں پیشوائے مذہب سمجھے جاتے تھے۔ عام مسلمانوں کا رنجیدہ کرنا اس نے پسند نہیں کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے بغض کو بھی رفع نہ کر سکا اتفاق سے ناصر خلیفہ بغداد اور شریف مکہ میں کچھ بے لطفی پیدا ہوئی فدائیان الموت کو خلیفہ نے شریف مکہ کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا۔ شریف مکہ کا بھائی ایام حج میں مارا گیا۔ یہ واقعہ مذہب اسلام کے خلاف تھا۔ سلطان محمد نے تمام علماء سے ناصر کے خلاف فتویٰ لیا اور سید علاء الملک ترمذی کو پیشوائے مذہب مان سب سے اُن کے ہاتھ پر بیعت کرائی اور بغداد کی طرف تین لاکھ فوج لے کر چلا کہ خلیفہ کی جگہ پر سید علاء الملک کو بغداد کے تخت پر بٹھائے۔ راستے میں اتابک سعد شاہ ایران سے اور اتابک ازبک آذربائیجان سے جو الگ الگ تسخیر عراق لئے چلے تھے مقابلہ ہوا۔ سلطان محمد نے ان دونوں کو پسپا کیا اور بڑے کروفر سے بغداد کی طرف چلا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی ایک مشہور صوفی نے خلیفہ کی طرف سے سفارشی ہو کر سلطان محمد کو سمجھانا چاہا۔ لیکن اس نے شیخ کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ اللّٰہ جنود السموات و الارض. اس کے بعد قدرت خدا نظر آئی۔ اس کثرت سے برف باری ہوئی کہ تمام سلطانی خیمہ و خرگاہ تباہ ہو گیا۔ سلطان نے بجز واپس آنے کے کوئی چارہ نہ دیکھا۔

سلطنت خوارزم شاہی کیلئے منگولوں کے حملے خطرناک ثابت ہوئے۔ محمد بن تکش نے اپنے عہد میں غزنی پر قبضہ کر لیا اور ہمدان و جبل کے تمام علاقوں پر قابض ہوا۔ منگولوں سے بھی اس کی جنگ جاری رہی۔ سلطان محمد عراق ہی میں تھا کہ چنگیز خان نے اس کے ملک پر چڑھائی کی۔ چنگیز خان کے گھستے ہی تمام بلاد اسلام میں شور مچ گیا۔ مختلف مقامات پر یہ چنگیز خان سے لڑا لیکن اقبال رو گرداں رہا۔ اہل و عیال سے جدا ہو کر مدتوں سرگرداں پھرا اور اسی اندوہ و غم میں 617ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

رکن الدین / غیاث الدین:

سلطان محمد کے یہ دونوں بیٹے مختلف مقامات پر صوبہ دار تھے۔ باپ کے مرتے ہی الگ الگ خود مختار ہو گئے۔

Marfat.com

وں سے لڑتے رہے اور افسوس یہ ہے کہ آپس میں بھی اتفاق نہ تھا۔ اس لئے جلد ہی منگولوں کے ہاتھوں جاں گنوا
ے۔

ل الدین بنکرس:

محمد بن تکش کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین بنکرس ولی عہد بنا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو ولی عہدی سے خارج
یا۔ منگول اس وقت خوارزم شاہی سلطنت کے تعاقب میں تھے اور ہر طرف تباہی و بربادی مچا رہے تھے۔ خوارزم نے
ے طبرستان کو عبور کر کے ماژندران پر حملہ کیا اور وہاں کے سب قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ جہاں جاتے تباہی و بربادی
یتے۔ ان کا ریلا مستقل بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ منگولوں کے حملے کی تاب نہ لا کر جلال الدین کوہستانی علاقے کی طرف
کیا آخر عہد میں اپنے لشکر سے بھٹک کر ایک گاؤں میں پہنچا اور ایک کرد باشندے کے گھر میں مقیم ہوا۔ کرد نے محض قیمتی
یا اور جواہرات کی لالچ میں آ کر اسے 626ھ میں قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے ساتھ ہی خوارزمی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

❀❀❀❀

شاہان کرمان

فراختائیوں کی قوم کرمان میں زور پکڑ گئی تھی۔ جلال الدین کے عہد میں براق حاجب امرائے دولت میں
جلال الدین کی سلطنت زائل ہوئی تو اس نے کرمان میں ایک چھوٹی سی سلطنت کی بنیاد ڈالی جس میں سلاطین ذیل
ہوئے۔ رکن الدین خواجہ حق ابن براق حاجب، قطب الدین محمد سلطان، عصمہ الدین قتلق ترکان، جلال
سیورغتمش، صفوۃ الدین بادشاہ خاتون، سلطان مظفر الدین محمد شاہ، قطب الدین شاہ جہان، جبکہ عصمہ الدین
الدین دونوں عورتیں تھیں۔ صفوۃ الدین بڑی حسینہ، شاعر اور عاقلہ تھی۔

جلال سیورغتمش نیک نام بادشاہ تھا۔ قطب الدین کے عہد میں سلاطین مغل کے کسی گورنر نے قطب
سے کرمان نکال لیا۔ اور اس طرح فراختائیوں کا 707ھ میں خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد ملک اسلام ناصر کو کرمان کی
ملی اور کچھ روز تک مختلف حکام کی آمد و رفت سے کرمان خراب ہو کر امیر مبارز الدین محمد بن مظفر کو جو ماں کی طرف
فراختائی تھا۔ حکومت کرمان کی 741ھ میں ہاتھ آئی۔ مبارز الدین محمد کے زمانہ میں شیخ ابو اسحٰق اور شیخ شجاع دو بڑے
تھے۔ مبارز الدین ان دونوں سے برابر لڑتا رہا۔ مبارز الدین کی حکومت سندھ سے شام تک قائم ہو گئی تھی۔ پھر اس
شیخ شجاع جلال الدین شاہ شجاع کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ اس کے بعد محامد بن زین العابدین، عماد الدین احمد،
الدین یحییٰ ایک ساتھ مختلف مقامات پر حکمران ہوئے۔ اور اسی زمانہ میں تیمور کا عہد شروع ہوا۔ چنگیز خان نے لوٹ
اپنا راستہ لیا تھا۔ لیکن تیمور کے بعد اسلامی سلطنت ایک نئے طور پر قائم ہوئی۔

چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں

سلاطین سلجوقی اپنے لڑکوں کو دوسرے امرا کے پاس بھیج دیتے تھے اور وہ اتابک کے لقب سے پکارے جاتے
ان اتابکوں نے مختلف مقامات پر مختلف وقتوں میں زور پکڑا۔ اس لئے مختصر حال ان کا بھی لکھا جاتا ہے۔

عماد الدین ازشل ملک شاہ سلجوقی (521ھ):

غالباً اسی عماد الدین کو عماد الملک زنگی بھی کہتے ہیں۔

نور الدین محمد بن عماد الدین (544ھ):

اسی نے صلیبیوں کے مقابلہ میں عاضد خلیفہ اسماعیلیہ کی مدد کے لئے شام سے مصر میں فوج بھیجی تھی۔ وفات
569ھ میں۔

* ملک صالح بن نور الدین (549ھ)۔
* سیف الدین بن عماد الدین۔

Marfat.com

قطب الدین بن عماد الدین (551ھ)۔

سیف الدین بن قطب الدین (565ھ):

یہ موصل میں تخت نشین ہوا۔

ز الدین مسعود:

شام کے کسی حصہ میں حکمران تھا۔

تابک نور الدین ارسلان شاہ:

شام کے کسی حصہ میں حکمران تھا۔

ز الدین مسعود ابن ارسلان شاہ:

ہلاکو خان کے عہد میں اس کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطان سنجر کے عہد میں مظفر الدین مفر حاکم فارس تھا۔ سلطان سنجر کے مرنے پر اس نے اپنا لقب اتا بک رکھا۔ بک کے معنی ہیں "پدر بزرگ" یہ ترکی لفظ ہے۔ مظفر الدین اتا بک کے بعد اُس کا بھائی اتا بک زنگی 556ھ میں حاکم ۔ اور 14 برس تک زندہ رہا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا تکلہ 20 برس تک حاکم رہا۔ اس کے بعد اتا بک سعد بن زنگی 28 ل تک فرمانروا رہا۔ 628ھ میں یہ مرا اور اُس کا بیٹا اتا بک ابو نصر بن سعد زنگی بادشاہ ہوا۔ اس کا نام اتا بک ابو بکر بھی ۔ اس کے عہد میں سعدی شیرازی موجود تھے اور اس بادشاہ کا نام وہ اپنی گلستان میں اتا بک ابو بکر بن سعد لکھتے ں۔ ہلاکو خان کے ہاتھ سے بغداد کی تباہی اسی زمانہ میں ہوئی۔ اتابکان فارس کا پایہ تخت شیراز تھا۔ اس لئے یہ لوگ ابکان شیراز کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اتا بک سعد بن ابو نصر تخت پر بیٹھا۔ سلجوق شاہ وسلفر شاہ کی کومت ہوئی۔ اس کے بعد اتا بک محمد شاہ بن مظفر سلفر شاہ ابن ابو نصر سعد بن زنگی کا زمانہ آیا اور اسی کے عہد میں شیخ عدی فوت ہوئے۔

تابکان متفرق:

ان کے علاوہ آذربائجان اور تکلہ کے حکمران بھی اتا بک کے لقب سے مشہور ہوئے اور سلجوقیوں کی نسل کے اتھ سلجوقیوں کے غلام بھی اس لقب میں شریک تھے۔ طوالت کے خیال سے ان حکمرانوں کے نام درج نہیں کیے ۔ئے۔

سلاطین نیمروز:

سلطان سنجر کے بعد نیمروز میں بھی نامی حکمران گزر گئے ہیں۔ نام ان کے ذیل میں ہیں۔ ان سلاطین کو بعض طاہر بن خلف احمد کی نسل سے بتاتے ہیں اور بعض ملوک عجم کی نسل میں داخل کرتے ہیں۔ ملک تاج الدین ابو الفضل، ملک شمس الدین، یمین الدولہ بہرام شاہ، نصرۃ الدین، رکن الدین بہرام شاہ، شہاب الدین محمود۔ آخری بادشاہ شہاب الدین محمود کی حکومت تاتار کے عہد میں غارت ہوئی۔

Marfat.com

ملک کرت:

سلجوقی نسل سے کچھ لوگ ہرات میں حکمران رہے ہیں جن کو تاریخ والے ملک کرت کہتے ہیں۔ چنگیز خان کی خیر خواہی کی بدولت یہ خاندان عروج پکڑ گیا تھا۔ بانی اِس خاندان کا رکن الدین تھا۔ شمس الدین محمد ابن ابی بکر کرت دوسرا بادشاہ 643ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس کے بعد شمس الدین بن الملک شمس الدین، فخر الدین، غیاث الدین، شمس الدین، غیاث الدین، معز الدین حسنین، غیاث الدین پیر علی یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ غیاث الدین، تیمور کے زمانہ میں تھا اور اس کا مطیع تھا۔ چنانچہ تیمور نے اپنی لڑکی کی شادی غیاث الدین کے بیٹے پیر محمد سے بڑی دھوم سے کی تھی۔

❀❀❀❀

Marfat.com

سلاطین منگول

تاتار جو دیوارِ چین سے شمال میں واقع ہے اس کے باشندے فنِ سپہ گری میں مشہور اور اس کے ساتھ ہی جہالت میں شہرہ آفاق تھے۔ اب خدا نے اُن کے ذریعہ سے اپنی قدرت دکھانا چاہی۔ یہ وہی لوگ تھے جن کی لوٹ کھسوٹ سے بچنے کے لئے قدیم چینیوں نے دیوارِ چین بنائی تھی۔ قدیم تاتاریوں میں ترک اور مغل / منگول دو مشہور قومیں تھیں۔ ترکوں کی سلطنت تو اب تک بہت کچھ بیان کی گئی۔ یعنی سامانی، صفاری اور دیالمہ کے علاوہ جتنے بادشاہ بیان کیے گئے ہیں، ان میں اکثر ترک، ترکی غلام یا ترکی افغان (افغانستان میں آبسنے والے ترک) تھے۔ ترک پہلے سے اپنے اصلی مقام سے الگ ہو گئے تھے لیکن منگول ابھی تک اُسی صحرائے تاتار / گوبی کی ہوا کھاتے تھے جو انسان میں درندوں کی خاصیت پیدا کرنے میں اکسیر ہے اور اب ان کا زمانہ آیا۔ عرب کے بعد ترکوں سے جو رونق ہوئی اس کا ذکر ہو چکا۔ اب ترکوں کے بعد منگولوں سے اسلام کی رونق کا وقت آیا۔

چنگیز خان:

منگولوں میں چنگیز خان ایک معمولی شخص تھا جو بڑھتے بڑھتے تمام منگولوں کا بادشاہ ہو گیا۔ 599ھ میں یہ گدی نشین ہوا۔ تاتار، چین، خطا، ختن، کاشغر میں اپنا سکہ جما چکا۔ وہ بلادِ اسلام کی طرف چلا۔ سلطان محمد خوارزم شاہ سے وہ کچھ ناخوش ہو گیا تھا۔ خوارزم شاہ بھاگا پھرتا تھا اور چنگیز خان تعاقب میں جاتا تھا۔ بخارا، سمرقند، نخشب، بلخ، خراسان، مرو، ایران اور نواحی ہند تمام بلادِ اسلام کو منگولوں نے تباہ کر دیا۔ یہ لوگ سکانِ ارض کے لئے آفتِ آسمانی تھے اور انسان کے حق میں بلائے مبرم تھے۔ گردن مارنا، گھر جلا دینا ان کے نزدیک دلچسپ کھیل تھا۔ چنگیز خان کے عہد میں سوائے سلطنتِ ہند اور خلافتِ بغداد کے تمام مشرقی مسلمانی ریاستوں کو گزند پہنچا۔ ان وحشیوں نے مسلمانوں کو سخت اذیت پہنچائی۔

جوجی خان / توشی خان:

جوجی خان چنگیز خان کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ جوجی خان کو اس کے والد کی طرف سے سائبیریا، قپچاق، روس، ازبکستان اور قازقستان کا علاقہ دیا گیا۔ چنگیز خان نے نے چغتائی خان کے ہمراہ خوارزم کے سلطان محمد شاہ کے خلاف مہم پر روانہ کیا۔ شاہ تو ان کے ہاتھ نہ لگا مگر انہوں نے س کے تمام علاقے زیرنگیں کئے اور ان فتوحات کے بعد تمام آبادیوں کو زمین بوس اور مخلوقِ خدا کا قتال کیا اور بے شمار ظلم کیا۔ ان مظالم کے بعد جوجی خان نے احکامِ ظلم کے خلاف اظہار کیا تو چغتائی خان نے چنگیز خان کو اطلاع دی۔ چنگیز خان نے اسے زہر دلوا کر مروا ڈالا۔ اس کی موت 1228ء میں 30 برس کی عمر میں ہوء۔ چنگیز خان نے جوجی خان کے بیٹے باتو خان کو اس کا جانشین بنا کر ترکستان سے روم تک کا علاقہ بخش دیا۔ 13 صدی میں اس کی اولاد نے اسلام قبول کر لیا۔ 18 صدی تک قپچاق اور روسی علاقوں پر حکمران رہے۔ اس کی اولاد میں شیبانی خان نے 15 صدی میں تاشقند سے سمرقند اور ہرات تک اپنی سلطنت کو وسعت دے کر حکومت کی۔ سنہری غول

Marfat.com

کہلانے والے مغل اسی کی اولاد تھے۔ان کی دو مشہور شہر سرائے اردو زریں اور استراخان تھے۔ان میں ایک حکمران تقتمش کا نام امیر تیمور سے جنگ کی وجہ سے مشہور ہوا۔

تولی خان:

(1232-1190)

تولی خان چنگیز خان سب سے چھوٹا اور پسندیدہ بیٹا تھا۔اپنے باپ کے حکم پر اس نے نیشاپور، ہرات اور مرو کے علاقے فتح کئے۔اس کی موت اپنے والد کی زندگی میں 1230 میں ہوئی۔تولی خان کی اولاد دیوان مغل کہلاتی تھی۔تبت میں جا کر دلائی لامہ مشہور ہوئے۔قبلائی بن تولی بن چنگیز کا دارالسلطنت بائخ تھا۔تولی خان کا بیٹا منگو خان تخت نشین ہوا۔چین، منگولیا اور کوریا میں اس کی اولاد نے بدھ مت اختیار کیا۔تولی خان کو ان کے والد کی طرف سے کوریا، تبت اور منگولیا علاقہ دیا گیا۔

اوکتائی خان:

(1186ء-1241ء)

چنگیز خان کے بعد اس کا بیٹا اوکتائی خان 624ھ میں چنگیز خان کی جگہ پر تخت نشین ہوا۔اوکتائی خان چنگیز خان کا مقرر کردہ جانشین تھا۔اوکتائی خان نے 9 سال تک حکومت کی۔اوکتائی خان نے مسلمانوں سے باقی بھائیوں کی نسبت بہتر سلوک کیا۔مسجدوں کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دیدی۔اجڑے ہوئے شہروں کو بسایا۔اوکتائی خان نے اپنے عہد حکومت میں عدل قائم کیا۔عام رعایا کی پرورش کی۔مسلمانوں کے ساتھ باہمی شادیوں کو رواج دیا۔فوج کی نگہداشت اور تنظیم کی۔اوکتائی خان کی موت کے بعد مختلف قبائل میں جنگ چھڑ گئی۔چغتائی خان کے بیٹوں نے بھی سرکشی کی، مگر اوکتائی خان کی بیوی ترکینہ خاتون، چار سال تک حکومت پر قابض رہی۔

چغتائی خان:

اوکتائی خان کی ماتحتی میں اپنے بھائی چغتائی خان، ماوراء النہر، خوارزم، کاشغر، بدخشان اور بلخ کا حاکم مقرر کیا۔چغتائی خان چنگیز خان کے بیٹا تھا۔اس نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اپنے وزیر اعظم قراچار نویان سے اپنی بیٹی توکل خانم کی شادی کر کے رشتہ داری قائم کی اور اپنے علاقوں کا انتظام سپرد کر کے خود اوکتائی خان کے پاس سکونت اختیار کر لی اور امور سلطنت میں اس کا ہاتھ بٹاتا رہا۔یہ شخص مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا۔المالیق چغتائیوں کا پایہ تخت تھا۔چغتائی خان کی موت شکارگاہ میں ایک بازگشتہ تیر چھینکنے سے ہوئی۔یہ تیر اس کی پشت پہ لگا اور مہلک ثابت ہوا۔یہ واقعہ 1241ء میں اوکتائی خان کی موت سے 6 ماہ پیشتر پیش آیا۔

قراچار نویان:

قراچار نویان چنگیز خان کا مشیر اعلیٰ تھا۔قراچار نویان چوتھی پشت میں کچولہ بہادر بن تومنہ خان کی اولاد تھا۔اور تومنہ خان کے عہد نامہ کے مطابق چنگیز خان کا مشیر اعلیٰ بنا۔اپنے عہد حکومت کے شروع میں تیمور چی دشمنوں کے ہاتھ قید ہو گیا تھا، تو قراچار نویان کی مدد سے رہائی حاصل کی۔چنگیز خان نے مرتے وقت چغتائی خان کو نصیحت کی تھی کہ وہ اپنے

Marfat.com

یق اوراس کے مشیر اعلیٰ کو اقتدار میں شریک رکھے اور دونوں کے درمیان باپ بیٹے کا رشتہ قائم کرے۔ چغتائی خان اپنی بیٹی کا رشتہ قراچارنویاں کو دے کر اور علاقوں کا انتظام اس کے حوالے کر کے خود اوکتائی خان کے پاس سکونت یار کر لی۔ چغتائی خان کی موت کے بعد وہ خود مختار حکمران ہو گیا تھا۔ مگر اس نے چغتائی کے بیٹیوں کو اقتدار میں شریک اور تربیت کرتا رہا۔ اس کے بیٹے اور پوتے کو خاقان بنایا۔ قراچارنویاں نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو مختلف علاقوں سے ں کر کے (سمرقند) کیش کے علاقے میں آباد کیا۔ مقامی ترک اور ایرانی باشندوں میں رہائش اختیار کر کے اس قبیلے اپنی علیحدہ قومیت کھو دی اور ترکی زبان کے غلبے کی وجہ سے ترکی بولنے لگے اور ترک کہلائے۔ قراچارنویاں نے 89ء عمر پا کر 1254ء میں وفات پاء۔ اس کا بیٹا ایجل نویاں جانشین بنا۔ اس کے پوتے امیر اینگو نویاں سب سے پہلے ام قبول کیا۔

ق خان:

امیروں نے ترکینہ خاتون کو ہلاک کر کے اس کے بیٹے قیوق کو خاقان بنالیا۔ قیوق نے چغتائی خان کے سرکش ں کو قتل کروا دیا۔ تو بچ کر چین بھاگ گئے۔ بہت سے سردار بھی جہنم رسید ہو گئے۔ قیوق خان کے دربار میں چینی روں کا بہت اثر تھا۔ وہ مسلمانوں کو دکھ پہنچانے کیلئے ہر ممکن کوشش کرتا تھا اور عمل کرواتا رہا اور بہت حد تک انکی کامیابی ۔ قیوق نے کل ڈیڑھ سال حکومت کی۔ اس کو ایک رات پیٹ میں درد ہوا، اور مسلمانوں کو اس کے مظالم سے نجات

و خان:

قیوق خان کے بعد منگو خان تخت نشین ہوا اور ان سلاطین کے عہد میں سلطنت کو بڑی رونق تھی۔ ابتدا میں ان ں کا کوئی مذہب نہ تھا۔ کچھ دنوں تک عیسائیت کا تذکرہ رہا پھر اسلام ان لوگوں کا عام مذہب ہو گیا۔ اور تمام ایشیا میں مل گئے۔ کچھ دنوں کے بعد ان میں باہم نفاق پھیلا۔ نسل چنگیز خان میں کئی خود مختار سلطنتیں قائم ہو گئیں اور کچھ پہلے رانوں کی نسل میں بھی خود مختار روساء تھے۔ تیمور کے زمانہ تک مختلف خود مختار مسلمان ریاستیں وسط ایشیا میں قائم تھیں۔ و خان کے زمانے میں شمال مغربی ایران میں ایک اسماعیلی گروپ حشیشن نے بڑا ہنگامہ اور خونریزی شروع کر دی۔ یہ تہ منگولوں کے زیر حکومت تھا اس لیے وہاں کے باشندوں نے منگو خان سے اس ظلم وستم کے خلاف فریاد کی۔ منگو خان اس شکایت پر اپنے بھائی ہلاکو خان کو 1256ء میں ایران کا حاکم بنا کر روانہ کیا اور اس کو اسماعیلیوں کے خلاف کارروائی رنے کا حکم دیا۔ ہلاکو نے اسی سال اسماعیلیوں کے مرکز قلعہ الموت پر قبضہ کر کے اسماعیلی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ردیا اور ان کے آخری بادشاہ خورشاہ کو قتل کر دیا۔

اکو خان:

(پیدائش 1217ء۔ وفات 8 فروری 1265ء)

ہلاکو خان ایل خانی حکومت کا بانی اور منگول حکمران چنگیز خان کا پوتا تھا۔ چنگیز خان کے لڑکے تولی خان کے تین یٹے تھے۔ ان میں ایک منگو خان تھا جو قراقرم میں رہتا تھا اور پوری منگول سلطنت کا خان اعظم تھا، دوسرا بیٹا قبلائی خان تھا و چین میں منگول سلطنت کا بانی تھا جبکہ تیسرا لڑکا ہلاکو خان تھا۔ منگو خان کے عہد میں ہلاکو خان بلاد غربی کی فتح کو تعینات

Marfat.com

ہوا تھا۔ مستعصم خلیفہ بغداد سے اس نے مدد چاہی۔ خلیفہ نے مدد نہیں دی۔ اس کے بعد اس نے کچھ اور پیغام بھیجا۔ خلیفہ نے اس کا جواب بھی اس طرح نہیں دیا جس طرح ایک مطیع خود مختار رئیس کو مناسب تھا۔ اسماعیلیوں کا زور توڑنے کے بعد ہلاکو خان نے بغداد کا رُخ کیا جو اس زمانے میں شیعہ سنی فساد کا گڑھ بنا ہوا تھا اور جس کی وجہ سے خلیفہ مستعصم باللہ کے شیعہ وزیر ابن علقمی نے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا۔ چنگیز خان کے عہد میں یہ خلافت اسی لیے قائم رہنے پائی تھی کہ اُس وقت کے خلیفہ ناصر نے چنگیز خان سے آشتی گفتگو کی تھی۔ گو اس وقت بغداد کے خلیفہ میں بہ نسبت سابق کے قوت زیادہ تھی لیکن نہ اتنی کہ چنگیز خان کے پوتے کا مقابلہ کرنا اُس کی حالت کے مناسب ہوتا۔ شہر بغداد بلاد اسلام میں اس وقت اول درجہ کا شہر تھا۔ لڑائی ہوئی۔ خلیفہ نے کچھ مقابلہ کر کے در شہر بند کر لیا۔ ہلاکو خان نے محاصرہ کیا اور باہر کی مدد کیلئے روکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہر فتح ہوا خلیفہ نے مصالحت کی گفتگو کی۔ لیکن بات کچھ ایسی بگڑ گئی کہ تمام شہر لوٹا گیا۔ ہزاروں بندگان خدا جان سے مارے گئے اور عباسیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ 1258ء میں بغداد تباہ کرنے کے بعد ہلاکو خان نے پورے عراق پر قبضہ کر لیا اور بصرہ اور کوفہ کے عظیم شہر تباہ و برباد کر دیے۔ اس کے بعد منگول فوجوں نے جزیرہ کے راستے شام پر حملہ کیا۔ منگول فوجیں نصیبین، رہا اور حران کے شہروں کو تباہ کرتے ہوئی حلب پہنچ گئیں جہاں 50 ہزار مرد قتل عام میں مارے گئے اور ہزاروں عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔ منگول فوجیں اسی طرح قتل و غارت کرتی اور بربادی پھیلاتی ہوئی فلسطین پہنچ گئیں لیکن یہاں ناصرہ کے جنوب میں عین جالوت کے مقام پر 25 رمضان 658ھ بمطابق 1260ء کو ایک خونریز جنگ میں مصر کے مملوکوں نے ان کو شکست دے کر پورے شام سے نکال دیا اور اس طرح مصر منگولوں کے ہاتھوں تباہی سے بچ گیا۔ منگول خان کی وفات کے بعد قراقرم کی حکومت کا اقتدار کمزور پڑ گیا اور ہلاکو خان نے ایران میں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی جو ایل خانی حکومت کہلاتی تھی۔ اس نے مراغہ کو جو تبریز سے 70 میل جنوب میں واقع ہے، اپنا دارالحکومت بنایا۔ بعد میں دارالحکومت تبریز منتقل کر دیا گیا۔

اباقہ خان:

ہلاکو کے بعد اس کا بیٹا اباقا خان تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی اسلام دشمن حکمت عملی جاری رکھی۔ اس نے پوپ اور یورپ کے حکمرانوں سے قریبی تعلقات قائم کیے اور عیسائیوں کو بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ اس نے یورپ کی تائید اور اپنی مملکت کے آرمینی اور گرجستانی باشندوں کی مدد سے شام پر حملہ بھی کیا لیکن 1250ء میں حمص کے قریب مملوک حکمران قلاوون سے شکست کھا کر پسپا ہونے پر مجبور ہوا۔

سلاطین ایل خانی:

ہلاکو خان	1256ء تا 1265ء
اباقا خان	1265ء تا 1282ء
تکودار اغلن خان	1282ء تا 1284ء
ارغوان خان	1284ء تا 1291ء
گنجاتو خان	1291ء تا 1295ء
غازان خان	1295ء تا 1304ء

الجائیتو خدابندہ خان 1305ء تا 1316ء

ابوسعید خان 1316ء تا 1335ء

یہ تمام بادشاہ اپنے جداعلیٰ چنگیز خان کی طرح وحشی اور سفاک نہ تھے ان میں سے بعض صفات حسنہ کے سلاطین تھے۔اس کے بعد ایل خانیوں کا زوال شروع ہو گیا اور 1349ء میں ان کی حکومت ختم ہو گئی۔

امیر تیمور لنگ:

(پیدائش:1335ء،وفات:1405ء)

امیر تیمور جو تیمور لنگ کے نام سے بھی مشہور تھا، تیموری سلطنت کا بانی تاریخ عالم کا ایک عظیم جنگجو حکمران تھا۔ وہ ازبکستان کے ایک ترک قبیلے برلاس سے تعلق رکھتا تھا جس کا چنگیز خان کے خاندان سے قریبی تعلق تھا۔ تیمور لنگ کا تعلق سمرقند سے تھا۔اس کے والدین معمولی درجے کے زمیندار تھے۔ تیمور دریائے جیحوں کے شمالی کنارے پر واقع شہر سبز 'کیش' میں 1335ء میں پیدا ہوا۔ یہ علاقہ اس وقت چغتائی سلطنت میں شامل تھا جو زوال کی منازل طے کر رہی تھی۔ چغتائی حکمران بے بس ہو چکے تھے اور ہر جگہ منگول اور ترک سردار اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ وہ جوان ہوا تو وہ سپاہی کی حیثیت سے فوج میں بھرتی ہو گیا۔ چند ماہ بعد اس نے سپہ سالار کو قتل کر دیا اور فوج کی عنان سنبھال لی۔ یہ ایک چھوٹے درجے کے امیر کی جوف تھی۔ بادشاہ تیمور کی خداداد صلاحیتوں سے ڈر گیا۔ اس نے تیمور سے جان چھڑانے کی کوشش کی۔ تیمور کو امیر کی سازشوں کی بھنک پڑ گئی۔ لہٰذا اس نے امیر سے بھی جان چھڑالی اور وہ خود بادشاہ بن گیا۔ یہ اس کی پہلی بادشاہت تھی اس کے بعد وہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا اور اس نے آدھی دنیا روند ڈالی۔

تیمور نے جو ایک اچھا سپاہی اور بے مثل سپہ سالار تھا ان حالات سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور تمام مقامی سرداروں کو شکست دینے کے بعد 1366ء میں بلخ میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت تک وہ ترکستان اور موجودہ افغانستان کے بڑے حصے پر قابض ہو چکا تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے صاحب۔ قرآن کا لقب اختیار کیا۔ (علوم نجوم کی رو سے صاحب قرآن وہ شخص کہلاتا ہے جس کی پیدائش کے وقت زہرہ اور مشتری ایک ہی برج میں ہوں۔ ایسا شخص اقبال مند، بہادر اور فاتح سمجھا جاتا ہے) تیمور اگرچہ اب آزاد اور خود مختار حکمران تھا لیکن اس نے خود کو ہمیشہ امیر کہا کیونکہ معاہدے کے تحت حکمرانی کا حق چنگیز خان کی اولاد کو حاصل تھا۔ تیمور نے اس غرض سے عرصے تک چنگیز خان کے خاندان سے ایک شخص کو بادشاہ بنائے رکھا لیکن اس کی حیثیت ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں تھی۔ ماں کی طرف سے یہ چنگیز خان کی نسل میں تھا۔ ابوسعید بہادر خان کے بعد اس کو عروج ہوا۔ ایشیا اور یورپ کے مؤرخ ہم زبان ہیں کہ فاتح ہونے کی حیثیت سے تیمور لاثانی تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ تیمور نے جتنے ملک فتح کیے یا جتنی مخلوق پر حکومت کی۔ اتنی فتح یا حکومت خسرو اعظم، سکندر، قیصر، چنگیز خان، شارلیمن، نپولین ان میں سے کسی کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ سلطنت چین کی بڑی دیوار سے وسط وسط روس تک بحر روم اور دریائے نیل سے دریائے گنگ کے منبع تک اس کے فتوحات تھے۔ تیمور کے عہد میں سب سے بڑی سلطنت عثمانی ترکوں کی ایشیائے کوچک میں اور یورپ میں یونان کے کچھ حصہ پر تھی۔ بادشاہ ترکی سلطان بایزید یلدرم کو اس نے قید کر کے ایشیا میں کچھ دنوں کے لئے ترکوں کی سلطنت کمزور کر دی۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کا کوئی درجہ نہ تھا۔ چنگیز خان کی فتوحات اکثر اس طرح ہوئیں کہ اس کا دشمن شاہ خوارزم شاہ، جہاں جہاں پناہ ڈھونڈھتا رہا، وہاں اس کے تعاقب میں چنگیز خان بھی قتل عام کرتا ہوا اور بستیاں پھونکتا ہوا چلا آیا۔ جبکہ تیمور کا یہ نقشہ تھا کہ اس کو روئے زمین پر

ایک سلطنت قائم کرنے کا شوق تھا۔ اس کا مقولہ تھا کہ جس طرح آسمان پر ایک خدا ہے اسی طرح دنیا میں بھی ایک ہی حکمران ہونا چاہیے تیمور خان کے مخبر حاجیوں اور درویشوں کے لباس میں گھوما کرتے تھے اور تیمور کو تمام حالات سے مطلع کرتے تھے۔ تیمور کا پایہ تخت سمرقند تھا۔ ایشیا میں صرف چین کا فتح کرنا باقی تھا۔ فتح کرنے کی غرض سے یہ چلا تھا۔ راہ میں احکم الحاکمین نے اپنی حکومت دکھائی اور یہ چپکے سے گوشہ قبر میں جا کر سو رہنے پر مجبور ہوا۔ 1403ء میں جب اس کا انتقال ہوا تو وہ فاتح عالم اور تیموری گریٹ بن چکا تھا۔ تیمور نے نسل چنگیز خان میں ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی قابلیت سے ترقی کی۔ اس کے عہد میں چنگیز خانیوں کا زور بالکل ختم ہو چکا تھا۔ چنگیز خان نے جس طرح اپنی ذات سے ایک نئی سلطنت کی بنیاد قائم کی اسی طرح تیمور نے بھی اپنے قوت بازو سے رنگت جمائی۔ چنگیز خان اور تیمور میں علاوہ کفر و اسلام کے ایک یہ بھی فرق تھا کہ وہ محض اکھڑ سپاہی تھا اور یہ عاقبت اندیش اور مدبر تھا۔ تیمور صرف بلاد اسلام ہی کا بادشاہ نہیں تھا بلکہ تمام یورپ، ایشیا اور افریقہ پر اس کا اثر تھا۔

مرزا امیر جلال الدین میراں:

امیر جلال الدین میراں شاہ امیر تیمور کی زندگی میں آذربائیجان کا حاکم تھا۔ مگر یہ علاقہ اپنے بیٹے ابوبکر کے حوالے کر کے خود تبریز میں مقیم رہا۔ کیونکہ اس کی آب و ہوا اسے بہت موافق تھی۔ امیر تیمور کے مرنے کے بعد ابوبکر نے میراں شاہ کے نام کا سکہ جاری کیا۔ مرزا تبریز کی ایک شکارگاہ میں شکار کی غرض سے نکلا اور گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اس وقت ان کی عمر صرف 41ء برس تھی۔

امیرزادہ عمر شیخ مرزا:

امیرزادہ عمر شیخ امیر تیمور کے دوسرے بیٹے تھے۔ امیرزادہ عمر شیخ امیر تیمور کی طرف سے ایران میں حکمران تھا۔ امیر تیمور نے اپنی فتوحات کے دوران مرزا کو اندجان کا حکمران بنایا تاکہ مغلستان کے دروں کی رکھوالی کر سکے اور مغل حملہ آور نہ ہو سکیں۔ امیر تیمور نے اقرار کیا تھا کہ اگر اس کا یہ بیٹا اس سرحد پہ نہ ہوتا تو وہ اپنی فتوحات میں کبھی کامیاب نہ ہو سکتا۔ امیرزادہ عمر شیخ نے 1356ء میں وفات پائی۔

شاہ رخ مرزا یا شاہ رخ تیموری:

(پیدائش 20 اگست 1377ء۔ وفات: 12 مارچ 1447ء)

یہ امیر تیمور کا چوتھا اور سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ تیمور نے اپنی سلطنت کو اس زمانے کی رسم کے مطابق اولاد میں تقسیم کر لیا۔ نصف فتوحات سے دستبردار ہو جانے کی وجہ سے تیموری سلطنت پہلے سے نصف ہو گئی تھی۔ اب اس تقسیم نے اس کے مزید ٹکڑے کر دیئے۔ آذربائیجان، عراق اور ملحقہ علاقے میران شاہ کو ملے اور خراسان اس کے سب سے چھوٹے بیٹے شاہ رخ کو، سمرقند اور ماوراء النہر خلیل کو ملا جسے امراء نے تیمور کا جانشین مقرر کیا تھا لیکن تیمور کی وفات کے بعد اس کی اولاد میں جو خانہ جنگی ہوئی اس میں کامیابی شاہ رخ کو حاصل ہوئی۔ شاہ رخ نے 1406ء میں ماژندران، اس کے اگلے سال سیستان اور 1409ء میں ماوراء النہر پر قبضہ کر لیا۔ 1414ء میں شاہ رخ نے فارس اور 1416ء میں کرمان بھی فتح کر لیا۔ میران شاہ نے پہلے ہی یعنی 1405ء میں شاہ رخ کی اطاعت کر لی تھی۔ اس طرح شاہ رخ نے اپنے باپ کی وفات کے 12 سال بعد تیموری سلطنت کی حدود کو پھر بحال کر دیا۔ شاہ رخ سے وسط ایشیا کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے یہ دور لشکر

Marfat.com

ی کا نہیں بلکہ امن و خوشحالی، تعمیر و ترقی اور علوم و فنون کے فروغ کا دور ہے۔ شاہ رخ اپنے باپ سے بالکل مختلف طبیعت کا حامل تھا۔ وہ ظلم و جبر کے بجائے رحم، مودت، عدل اور نیکی کو پسند کرتا تھا۔ وہ متقی اور عبادت گزار حکمران تھا۔ شاہ رخ فطرت کی نیکی اور شرافت کے باوجود کمزور حکمران نہ تھا۔ اس نے سلطنت کی وحدت اور سالمیت کی پوری قوت سے حفاظت کی اور بغاوتوں کو پوری قوت سے کچل دیا۔ اس کے لئے اسے تین مرتبہ تبریز اور تین مرتبہ شیراز تک جانا پڑا۔ شاہ رخ نے علم و ادب اور فنون لطیفہ کی دل کھول کر سرپرستی کی۔ اس کے عہد میں فارسی میں کئی یادگار کتابیں لکھی گئیں۔ صرف اس کے دربار میں فنون لطیفہ یعنی عمارت سازی، مصوری اور موسیقی کے 400 باکمال لوگ موجود رہتے تھے۔ اس کو عمارتیں اور باغات بنانے سے خاص دلچسپی تھی۔ اس کے عہد میں کثرت سے مسجدیں، مدرسے، خانقاہیں اور مسافر خانے تعمیر کئے گئے اور ان کے اخراجات کے لئے اوقاف قائم کئے گئے۔ اس کے علم دوست بیٹے الغ بیگ نے جو سمرقند کا گورنر تھا شہر میں ایک عالیشان مدرسہ اور خانقاہ تعمیر کی۔ سمرقند کی مشہور رصدگاہ بھی اسی دور میں تعمیر ہوئی جہاں فلکیاتی تجربات کئے جاتے تھے۔ شاہ رخ کا دوسرا بیٹا بائے سنقر (1393ء تا 1433ء) مصوری اور کتابوں کی تزئین و آرائش کا ماہر اور بہترین خطاط تھا۔ اس کے کتب خانے میں چالیس خطاط کتابوں کی نقلیں کرنے پر مقرر تھے۔ قوام الدین شیرازی اپنے دور کا سب سے بڑا ماہر فن تعمیر تھا۔ ہرات اور مشہد کی شاندار عمارتیں اس مہارت فن کو ثابت کرنے کے لئے آج بھی موجود ہیں۔ شاہ رخ کے وزیروں میں خواجہ غیاث الدین کا کام قابل ذکر ہے جس نے تیس سال وزارت کی اور خراسان اور عراق میں رفاہ عامہ کی بکثرت عمارات تعمیر کی۔ شاہ رخ نے ہرات میں ایک بڑا کتب خانہ بھی قائم کیا۔ وہ فارس میں ایک سفر کے دوران وفات پا گیا۔ اس کے بیٹے الغ بیگ نے اس کی جگہ تخت سنبھالا۔

پیر محمد بن جہانگیر بن امیر تیمور:

امیر تیمور نے اپنی موت سے پہلے اسے اپنا جانشین نامزد کیا۔ جب وہ اترار میں تھے اس لئے امراء سمرقند کو اس نامزدگی کی خبر بروقت نہ ہو سکی۔ دوسرے پیر محمد اس وقت ایک مہم پر ہندوستان میں تھا۔ سمرقند پہنچنے میں بہت دن لگ گئے۔ اسی پر جنگ میں خلیل سلطان کی فوج سے شکست کھائی اس لئے تخت حاصل نہ کر سکا۔ 809ھ میں قتل کر دیا گیا۔

خلیل سلطان بن میران شاہ بن امیر تیمور:

امیر تیمور کی موت ملک سے باہر ہوئی تھی۔ سمرقند کے امرأ کو پیر محمد بن جہانگیر بن امیر تیمور جو ہندوستان میں تھا جانشین مقرر ہونے کی بروقت خبر نہیں ملی اس لئے انہوں نے فوری طور پر خلیل سلطان بن میران شاہ جو موقعہ پر موجود تھا کو تخت نشین کر دیا۔ خلیل سلطان تخت پر قابض ہونے کے بعد ایک خاتون شاد ملک کے عشق میں امور سلطنت سے تغافل برتنے لگا تو امرا اور اکابرین نے متنفر ہو کر تخت شاہ رخ تیموری کو سونپ دیا۔ شاہ رخ تیموری نے خلیل سلطان کی شادی شاد ملک سے کر دی۔ مگر جلد خلیل سلطان وفات پا گیا اور شاد ملک نے خود کو خنجر مار کر ہلاک کر دیا۔ دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

مرزا الغ بیگ:

امیر تیمور کا علم دوست پوتا جس کو شاہ رخ نے 1409ء میں ماوراء النہر اور سمرقند کا گورنر مقرر کیا تھا۔ علم نجوم کا بہت شوقین تھا۔ سمرقند میں ایک عظیم الشان رصدگاہ تعمیر کی۔ نجوم کے جو نقشے اس نے تیار کیے وہ نہایت درست تھے۔ 1650ء

Marfat.com

میں یہ نقشے لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئے اور آکسفورڈ سے شائع کیے گئے۔ ایران کا موجودہ کیلنڈر بھی اُسی کا مرتب کردہ ہے اور بروج کے نام اور ان کے مقام بھی اُسی کے دیے ہوئے ہیں۔ اس کے عہد میں سمرقند کا شمار دنیا کے حسین ترین شہروں میں ہوتا تھا۔ اپنے باغی بیٹے لطیف کے ہاتھوں قتل ہوا۔

مرزا ابوسعید:

ابوسعید بن محمد بن میران شاہ بن تیمور (1424ء تا 1469ء)

ابوسعید امیر تیمور کا پڑپوتا، میران شاہ کا پوتا اور الغ بیگ کا بھتیجا تھا۔ وہ ہندوستان کی سلطنت مغلیہ کے بانی ظہیر الدین بابر کا دادا تھا۔ ابتدا میں ابوسعید نے فوجی لشکر تشکیل دیا لیکن سمرقند و بخارا میں قدم جمانے میں ناکام ہوا اور بالآخر یاسی میں اپنا اڈہ قائم کیا۔ 1450ء تک ترکستان کا بیشتر علاقہ فتح کرلیا۔ 1451ء میں اس نے ابوالخیر شیبانی خان کی زیر قیادت ازبک ترکوں کی مدد سے سمرقند پر بھی قبضہ کرلیا اس طرح تیموری سلطنت کا تمام مشرقی حصہ اس کے زیر نگیں آگیا۔ اس نے 1458ء میں فتح ہرات کے ساتھ ثابت کردیا کہ وہ وسط ایشیا میں سب سے طاقتور تیموری شہزادہ ہے۔ 1459ء میں اس نے تین تیموری شہزادوں کی افواج کو ایک جنگ میں شکست دی اور 1461ء تک مشرقی ایران اور افغانستان کا بیشتر حصہ حاصل کرلیا۔ 1469ء میں آذربائیجان کے پہاڑوں میں آق قویونلو ترکمانوں کے خلاف ایک مہم کے دوران وہ گرفتار ہوگیا اور اوزون حسن کے ہاتھوں مار دیا گیا۔ ابوسعید صوفیوں سے خاص عقیدت رکھتا تھا اور نقشبندی سلسلے کے شیخ خواجہ عبیداللہ احرار سے بہت قریبی تعلق رکھتا تھا۔

امیر تیمور کے بعد سلطنت تقسیم ہوگئی۔ مفصلہ ذیل بادشاہ وسط ایشیا میں 911ھ تک یکے بعد دیگرے حکمران رہے۔ امیر تیمور صاحبقران، مرزا خلیل سلطان، خاقان سعید مرزا، مرزا اعلاء الدولہ، مرزا الغ بیگ یا خان، مرزا ابوقاسم بابر بادشاہ، مرزا عبداللطیف، مرزا شاہ محمود، مرزا ابراہیم، سلطان ابوسعید، سلطان حسین بہادر خان صاحبقران ثانی، مرزا یادگار محمد۔ یہ چند نامی سلاطین خاندان تیموری کے ہیں مگر ان سب کی مستقل سلطنت کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ مختلف مقامات پر ان کی حکومتیں تھیں۔ چنانچہ یوں سمجھ میں خوب آجائے گا کہ بابر کے دادا کے مرنے پر اُس کے بیٹوں میں ملک یوں تقسیم ہوگیا۔ سمرقند اور بخارا میں احمد مرزا، بلخ میں محمود مرزا، کابل میں الغ خان تخت نشین ہوا۔ بابر کا باپ عمر شیخ مرزا پہلے حاکم کابل تھا لیکن مرنے کے وقت حاکم فرغانہ ہوگیا تھا۔ اس لیے فرغانہ ہی کو بابر کا اصلی ملک سمجھنا چاہیے۔

❀❀❀❀

نوٹ: ظہیر الدین بابر اور ہمایوں منگول حکمران تھے لیکن چونکہ برصغیر میں انہوں نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی اس لیے ان دونوں کا تذکرہ مغلیہ سلطنت میں کیا گیا ہے۔

Marfat.com

ہنداوراہل ہند کے اجمالی حالات

ہند کے شمال میں کوہ ہمالیہ ہے۔شمالی ومغرب میں دریائے اٹک ہے جوافغانستان اور بلوچستان کو ہند سے جدا کرتا ۔اسی دریا کوجنوب کی جانب جاکر دریائے سندھ بھی کہتے ہیں اورانگریزی جغرافیہ میں دریائے انڈس لکھتے ہیں۔شمال رق میں برما کا ملک ہے اور پھر ہر طرف سمندر ہے۔یعنی مغرب بحرعرب اور شمال بحر ہند،مشرق خلیج بنگال یا بحیرۂ ب۔مختصر یہ ہے کہ اوپر کی جانب پہاڑ ہے اور باقی اطراف میں پانی ہے۔اسی لیے ہندوستان کو جزیرہ نما ہند بھی کہتے ۔جس طرح دریائے جیحون کے مشرقی ملک کوعربوں نے ماوراءالنہر کہا۔اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ دریائے سندھ کے رق جوممالک تھے اُنہیں سندھ یا ہند خطاب دیا جوعجمی تصرف سے ہندوستان ہوگیا۔ورنہ سنسکرت میں جوقدیم زبان وستان کی ہے،ہندیا ہندوستان نہیں ہے۔عربوں کی چڑھائی کے پہلے کل ہندوستان کا صرف ایک نام بھرت ورش تھا ں کے شمالی حصہ کوآریہ ورت اور جنوبی حصہ کوداکھنات کہتے تھے۔مسلمان مؤرخوں نے بھی ہند کے جنوبی حصہ کودکن لکھا ۔یورپ والوں نے زمانہ قریب میں ہند کو انڈیا کر دیا اور دکن کو اپنے تلفظ میں ڈکان (Decan) کہنے لگے۔ وستان کے قدیم باشندے گول بھیل،تھارو وغیرہ ہیں جوشمال اور مغرب کے حملہ آوروں کے خوف سے دشوار گزار کوہی مات میں جاکر پناہ گزین ہوئے۔ان کے علاوہ چمار،ڈوم وغیرہ قومیں بھی ہند کے قدیم باشندے ہیں جنہوں نے حملہ روں کی اطاعت قبول کرلی تھی۔اصطلاح ہنود میں ان قدیم قوموں کوشودر کہتے ہیں لیکن تاریخی اصطلاح میں انہیں غیر یا کہتے ہیں۔غیرآریا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ شمالی ومغربی حملہ آور آریہ قوم سے تھے۔یہ حملہ آور پہلے شمالی ہند میں آباد ہوئے انہیں کے نام سے شمالی ہند،آریاورت بولا گیا۔آریا میں برہمن (اہل علم) چھتری (اہل سیف) ویش (تجارت پیشہ) ین مشہور ذاتیں ہیں اور پھران کے بعد بہت سی ضمنی تقسیمیں ہیں۔ایران کے کچھ لوگ بحری راستے سے ساحل مغرب پر ۔ زے اورآتش پرستی اپنا آبائی مذہب ساتھ لائے،یہ لوگ پارسی کہلاتے ہیں،تعداد میں یہ بہت کم ہیں لیکن تجارت اور علمی شی کے لحاظ سے سیاسی معاملات میں تمام باشندگان ہند پر انہیں فوق رہا ہے۔عیسائیوں کا مذہب بھی ہندوستان میں ۔یل چکا ہے۔نیٹو کرسچن (دیسی عیسائیوں) کا ہے جو ابھی تک مالی ملکی اور مردم شماری ہراعتبار سے تھوڑے ہیں۔

تح سندھ:

712ء کواموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں حجاج بن یوسف نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کوسندھ پر حملہ کرنے لیے بھیجا۔اس لشکر نے ملتان تک کے علاقے کو فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کیا۔راجہ داہر حاکم سندھ نے مسلمانوں کے ساتھ خواہ مخواہ کی دشمنی شروع کر دی تھی۔22ھ میں مسلمان مجاہد ایران فتح کرنے کے بعد مکران پر حملہ آور ہوئے تو سندھیوں نے ان کی بھرپور مخالفت کی۔مسلمانوں نے سندھ اور مکران کے متحدہ لشکر کوشکست دی۔لیکن اس وجہ سے مسلمانوں اور حکومت سندھ کے درمیان عناد کا بیج بویا گیا۔باہمی دشمنی کی فضا کوراجہ داہر نے برقرار رکھا اور جب مکران میں

ایک سردار محمد علافی نے مکران کے گورنر کو قتل کر کے سندھ کی راہ لی تو راجہ داہر نے اسے اپنے ہاں پناہ دی اور اپنی فوج میں اسے عہدہ بھی دیا۔ راجہ داہر چونکہ متعصب ہندو اور برہمن زادہ تھا۔ اس لیے اس نے بدھ مت کے پیروکاروں پر بے پناہ مظالم ڈھائے اور بزور شمشیر ان کو مٹانے کی پالیسی پر عمل کیا۔ مظلومین میں جاٹ اور لوہان قومیں بھی شامل تھیں جن کو راجہ داہر کے باپ چچ نے ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ان پر پابندی لگا دی تھی کہ وہ اصلی کی بجائے مصنوعی تلوار اپنے پاس رکھیں۔ قیمتی کپڑے، ریشم مخمل اور شال استعمال نہ کریں۔ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سواری کریں نیز ننگے سر اور ننگے پیر رہیں اور گھر سے باہر نکلتے ہوئے اپنا کتا ساتھ رکھیں۔ راجہ داہر نے بھی ان پابندیوں کو قائم رکھا۔ سندھ کے یہ مظلوم طبقے مسلمانوں سے مدد کے طالب تھے۔ سندھ قدیم زمانے میں ساسانی حکومت کا حصہ رہا جو اب مسلمانوں کے قبضے میں آ چکی تھی۔ اس لیے مسلمان اسے اپنی حکومت کا ایک ٹوٹا ہوا حصہ قرار دیتے تھے۔

تجارت کی غرض سے کچھ مسلمان تاجر لنکا میں آباد ہو گئے تھے۔ لنکا کے راجہ کے حجاج کے ساتھ بہت خوشگوار تعلقات تھے۔ اس نے ان تعلقات کو مزید خوشگوار بنانے کے لیے کچھ قیمتی تحائف اور وفات شدہ تاجروں کے بیوی بچے ایک جہاز میں سوار کر کے بصرہ روانہ کر دیے۔ لیکن جب دیبل کے قریب پہنچا تو میدھ قوم کے کچھ ڈاکوؤں نے اسے لوٹ لیا اور عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ انہی عورتوں میں سے ایک عورت نے حجاج کے نام دہائی دی۔ اس واقعہ کی اطلاع جب حجاج کو ملی تو اس نے فوری کارروائی کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے راجہ داہر کو سامان واپس کرنے، یتیموں اور عورتوں کو رہا کرنے اور ڈاکوؤں کو اسلامی حکومت کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس نے بڑا روکھا جواب دیا۔ اور کہا ڈاکوؤں پر میرا کوئی اختیار نہیں اور نہ ہم ان کی تلاش کر سکتے ہیں۔ جہاں تک قیدی عورتوں کا تعلق ہے انہیں تم خود ہی چھڑانے کی کوشش کرو۔ حجاج یہ جواب سن کر آگ بگولا ہو گیا۔ اور فوراً فوجی کارروائی کا انتظام کیا۔ اس طرح راجہ کی ہٹ دھرمی نے عربوں کو سندھ پر حملہ آور ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

حجاج بن یوسف نے راجہ داہر کے نامعقول رویہ کی وجہ سے 710ء میں عبید اللہ کی قیادت میں ایک فوج بھیجی لیکن اسے شکست ہوئی۔ اگلے سال دوسری مہم بدیل کی سرکردگی میں بھیجی گئی لیکن اسے بھی راجہ داہر کے بیٹے نے شکست دی۔ ان دونوں مہمات کی ناکامی کے بعد مسلم حکومت کے وقار کو بحال کرنے کے لیے سندھ کی فتح ناگزیر ہو گئی تھی۔ اس لیے حجاج بن یوسف نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے اس کی اجازت حاصل کی۔

محمد بن قاسم کی فتوحات:

محمد بن قاسم حجاج کا بھتیجا تھا بعض روایت کے مطابق چچیرا بھائی تھا۔ وہ اس وقت فارس کا گورنر تھا۔ سترہ سال کا کم عمر نوجوان ہونے کے باوجود انتہائی ہوشیار اور قابل جرنیل تھا۔ حجاج نے اس کی نگرانی میں 12 ہزار فوج تیار کی اور سوئی دھاگے سے لے کر منجنیق تک ضرورت کی ہر چیز کا سامان مہیا کیا۔ بھاری سامان ایک بحری بیڑے کے ذریعے روانہ کیا گیا۔ حجاج نے گزشتہ مہمات سے سبق لیتے ہوئے بڑی احتیاط سے کام لیا۔ فوج کی اصل کمان اس کے اپنے ہاتھ میں تھی۔ اور محمد بن قاسم کو ہدایت کی گئی کہ وہ فوجی کارروائی کے دوران مرکز کی ہدایات پر عمل کرے۔ محمد بن قاسم کرمان کے راستے سندھ کی طرف روانہ ہوا اور پنجگور اور ارمن بیلہ کو فتح کرتا ہوا دیبل پہنچا۔ بحری راستے سے روانہ ہونے والی فوج یہیں اس سے آملی۔ دیبل کی بندرگاہ کراچی کے قریب تھی۔ اہل شہر قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ کئی ماہ محاصرہ جاری رہا لیکن شہر فتح ہونے میں نہ آتا تھا۔ آخر کار حجاج بن یوسف کی ہدایت کے مطابق منجنیق کو ایک خاص زاویہ پر نصب کر کے شہر پر سنگباری شروع کی

ئی۔ اسی اثناء میں محمد بن قاسم کو معلوم ہوا کہ جب تک شہر کے وسط کا گنبد محفوظ ہے۔ شہر والوں کے حوصلے بلند رہیں گے۔ چنانچہ محمد بن قاسم نے خصوصی طور پر گنبد کو نشانہ بنایا۔ گنبد گرنے سے اہل شہر کے حوصلے پست ہو گئے اور راجہ داہر کا حاکم شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ محمد بن قاسم نے شہر پر قبضہ کر کے ایک مسجد تعمیر کروائی۔ اس نے دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے تمام مخالف لشکر کو تہ تیغ کر دیا اور بدھ مت کے پجاریوں اور مسلمان قیدیوں کو ظالم ہندوؤں سے نجات دلائی۔ اس سے بدھ مت کے حامی کھلم کھلا مسلمانوں کی حمایت کرنے لگے۔

نیرون:

نیرون کی آبادی اور حاکم بدھ مت کا پیروکار تھے۔ وہ مسلمانوں سے خائف بھی تھی۔ اور انہیں اپنا نجات دہندہ بھی سمجھتے تھے۔ اس لیے محمد بن قاسم کے نیرون پہنچنے سے پہلے ہی نیرون کے حاکم نے حجاج سے امان نامہ منگوالیا تھا۔ چنانچہ اسلامی لشکر کے پہنچنے پر اس نے امان نامہ پیش کیا، سالار لشکر کی خدمت میں تحائف پیش کیے اور سندھ کی تسخیر کے لیے قابل قدر مشورے دیے۔ اسلامی لشکر کے لیے اس نے رسد کا بھی انتظام کیا۔ محمد بن قاسم نے بھی اس کی ہر طرح قدر افزائی کی۔ شہر میں ایک مسجد تعمیر کی گئی اور مسلمانوں کی کالونی بسائی گئی۔

سیستان کی فتح:

نیرون کے بعد محمد بن قاسم سیستان کی طرف بڑھا۔ نیرون کا بدھ راجہ رہنمائی کے لیے ساتھ تھا۔ راستے میں بہرج کی بدھ آبادی نے اطاعت قبول کر لی۔ سیستان پر راجہ داہر کا بھتیجا بجھرا حکومت کرتا تھا۔ اگرچہ یہاں کے عوام مسلمانوں کی اطاعت کر لینے پر تیار تھے لیکن راجہ مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ تاہم جب مقابلہ ہوا تو شہر کی آبادی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اور وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ راجہ بجھرا سیوستان سے بھاگ کر سیسم چلا گیا۔ جہاں کا راجہ بدھ مت کا پیروکار تھا۔ اور مسلمانوں سے لڑنا نہ چاہتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ محمد بن قاسم نے اس کی بہت عزت افزائی کی۔ جس سے اہل سندھ بہت متاثر ہوئے۔ اور کاکو اس کی ریاست کا انتظام دوبارہ سونپ دیا گیا۔ اس نے تسخیر سندھ میں تعاون کا وعدہ کیا اور آئندہ مہمات میں ساتھ رہا۔ راجہ بجھرا کو جو ابھی تک سیسم میں ہی مقیم تھا وہاں سے نکالا نہ جا سکا۔ اس پر محمد بن قاسم نے سیسم پر حملہ کر دیا۔ راجہ بجھرا نے دوسرے سرداروں کے ساتھ مل کر مقابلہ کیا اور سبھی مارے گئے۔ سیسم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ باقی ماندہ فوج نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ سیسم کی فتح کے بعد حجاج کی طرف سے حکم ملا کہ راجہ داہر کے پایہ تخت پر حملہ کیا جائے اور خود راجہ داہر سے مقابلہ کیا جائے۔ اس لیے محمد بن قاسم نیروان واپس پہنچا اور داہر کے پایہ تخت پہنچنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ چنانچہ اس نے اشبہار کے قلعہ پر حملہ کیا۔ جہاں لوگوں نے خندق کھود کر زبردست حفاظتی انتظامات کر رکھے تھے۔ ایک ہفتہ کے سخت محاصرہ کے بعد اہل قلعہ نے اطاعت قبول کر لی۔ اور محمد بن قاسم ان سے حسن سلوک سے پیش آیا۔ محمد بن قاسم کے لیے دریا عبور کرنا مشکل تھا۔ جب تک اسے سورتہ کے حاکم راجہ موکا کا تعاون حاصل نہ ہو۔ چنانچہ اس نے موکا کو خط لکھ کر اطاعت اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اسے اپنے علاقے کے علاوہ کچھ کا حکمران بھی بنانے کا وعدہ کیا۔ راجہ نے لکھا کہ میری داہر کے ساتھ قرابت داری ہے۔ اس لیے اگر کھلم کھلا میں آپ کا ساتھ دیتا ہوں تو خاندان کی ناک کٹتی ہے۔ اپنے بیس سرداروں کے ساتھ لڑکی کی شادی کرنے کے بہانے ساکڑ جاتا ہوں۔ آپ ایک ہزار سپاہ بھیج کر مجھے گرفتار کروا لیجیے۔ چنانچہ محمد بن

Marfat.com

قاسم نے موکا کو گرفتار کر لیا اور اس کے بیس ٹھاکر گرفتار ہو گئے۔ محمد بن قاسم نے راجہ موکا کی عزت افزائی کے لیے ان کے رواج کے مطابق اسے سر دربار کرسی پر بٹھایا اور خلعت فاخرہ سے نوازا تا کہ تالیف قلب ہو سکے۔

محمد بن قاسم چاہتا تھا کہ دریائے سندھ کو عبور کر کے داہر کا مقابلہ کرے کہ داہر نے موکا کی اطاعت سے برہم ہو کر ایک فوج بھیجی جو دریائے سندھ کو عبور کر کے مسلمانوں کے مقابلہ پر آئی لیکن شکست کھائی۔ محمد بن قاسم نے ایک نومسلم کو راجہ داہر کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا۔ سفیر جو دیبل کے ایک معزز ہندو گھرانے سے متعلق تھا اور راجہ داہر اسے اچھی طرح جانتا تھا اس کے دربار میں شاہی آداب بجالانے سے انکاری ہوا۔ اس پر راجہ داہر سخت برہم ہوا اور کہا کہ "افسوس تم سفیر بن کر آئے ہو ورنہ قتل کے سوا تمہاری کوئی سزا نہ تھی۔" سفارت ناکام ہو گئی اور راجہ داہر اپنا لشکر لے کر دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر خیمہ زن ہو گیا اور اپنے ایک سردار کو دریائے سندھ کی حفاظت پر متعین کر دیا تا کہ اسلامی لشکر دریا عبور نہ کر سکے۔ اسی دوران سیوستان میں بغاوت ہو گئی جس کو فرو کرنے کے لیے محمد بن قاسم کو ایک دستہ روانہ کرنا پڑا۔ محمد بن قاسم کے لیے بڑا مسئلہ دریا عبور کرنا تھا۔ داہر نے موکا کے بھائی راسل کو دریا کی حفاظت پر متعین کر رکھا تھا۔ مسلمانوں نے کشتیوں کا پل بنانے کا ارادہ کیا۔ لیکن دوسرے کنارے پر راسل کے سپاہی اس کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیتے تھے۔ بالآخر ایک رات مسلمانوں نے کشتیوں کو دریا کے طول کے رخ پر کھڑا کر کے انہیں عرض کے رخ پر کھینچ دیا۔ راجہ راسل کے جن سپاہیوں نے مزاحمت کی وہ تیر اندازوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور مسلمانوں کی فوج نے دریا عبور کر کے راسل کی فوج پر بھرپور حملہ کر دیا اور ان کے قلعے فہم کے پھاٹک تک ان کا تعاقب کیا۔ صبح راجہ داہر کو مسلمان فوج کے دریا عبور کرنے اور راسل کی شکست کی خبر سنائی گئی تو اس نے اسے بدشگونی قرار دیا اور راجہ راسل نے بھی بدلتے ہوئے حالات کو بھانپ کر محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی۔ اسلامی لشکر پیش قدمی کرتا ہوا۔ نرانی نامی گاؤں پر قابض ہو گیا۔ راجہ داہر اس کے بالمقابل سامنے واقع قصبہ کاجی جاٹ میں مقیم تھا۔ درمیان میں صرف ایک جھیل تھی۔ موکا اور راسل نے ایک کشتی کے ذریعے تین آدمی جھیل کے پار بھیجنے شروع کر دیے یہاں تک کہ تمام لشکر پار جا اترا۔ راجہ نے اپنے اہل و عیال کو دراوڑ کے قلعے میں بند کر دیا اور خود لڑائی کی تیاری کی۔ راجہ داہر ایک سو ہاتھیوں، دس ہزار زرہ پوش سوار اور تیس ہزار پیدل فوج کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے مقابلہ پر آیا۔ چار دن تک مقابلہ جاری رہا۔ منہ زور ہاتھیوں کے سامنے مسلمانوں کا زور نہ چلتا تھا۔ آخر پانچویں مسلمانوں نے پچکاریوں کے ذریعہ آتش گیر مادہ ہاتھیوں پر پھینکنا شروع کیا۔ جس سے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ راجہ داہر کا ہاتھی بھی میدان سے بھاگا۔ لیکن راجہ داہر ہاتھی سے اتر کر پیادہ لڑتا رہا یہاں تک کہ ایک عرب نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے مرتے ہی فوج قلعہ دراوڑ کی طرف بھاگ گئی۔ اس معرکہ میں محمد بن قاسم کی کل فوج ساڑھے پندرہ ہزار تھی جن میں 4 ہزار سندھی جاٹ بھی شامل تھے۔ اور تین ہزار فوج موکا کی تھی۔

راوڑ کی فتح:

راجہ داہر کے لڑکے جے سنگھ نے شکست خوردہ فوج کو راوڑ میں جمع کیا اور مقابلہ کی ٹھانی لیکن اس کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ راوڑ کی بجائے برہمن آباد زیادہ محفوظ مقام ہے وہاں جا کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ جے سنگھ تو برہمن آباد چلا گیا لیکن راجہ داہر کی بیوی رانی بھائی نے مقابلہ کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ قلعہ بچانا مشکل ہے تو اس نے دوسری عورتوں سمیت جوہر کی رسم ادا کی اور راوڑ پر مسلمانوں کے قدم مضبوط ہو گئے۔

ہرور اور دہلیلہ کی فتح:

محمد بن قاسم راوڑ سے برہمن آباد کی طرف بڑھا۔ راستے میں بہرور اور دہلیلہ دو مضبوط قلعے پڑتے تھے۔ محمد بن قاسم پہلے بہرور پر حملہ آور ہوا۔ اور دو ماہ کے سخت محاصرے اور شب و روز کی جنگ کے بعد بہرور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد دہلیلہ پر حملہ کیا۔ یہاں کے لوگ بددل ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ با آسانی فتح ہو گیا۔ راجہ داہر کا دور اندیش وزیر سی ساکر بھانپ گیا تھا کہ اب مسلمانوں کے حملے کو روکنا ناممکن ہے۔ اس نے محمد بن قاسم کے پاس جان بخشی کی درخواست کی اور تعاون کا یقین دلایا اور وہ عورتیں بھی پیش کیں جن کو قزاقوں نے لوٹا تھا اور جن کی وجہ سے سندھ پر حملہ ہوا تھا۔ سی ساکر نے خیر خواہی اور وفاداری سے محمد بن قاسم کا اعتماد حاصل کر لیا۔ محمد بن قاسم نے بھی اسے اپنا مشیر خصوصی بنا لیا اور اس کے مشورے سے دہلیلہ کی حکومت ایک ہندو نوبہ کے حوالے کی گئی۔

برہمن آباد کی فتح:

راجہ داہر کا لڑکا جے سنگھ اپنی فوج کے ساتھ یہاں مقیم تھا۔ جن دنوں برہمن آباد پر محمد بن قاسم نے حملہ کیا۔ ان دنوں جے سنگھ فوجی ضروریات کے تحت باہر گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس لوٹا تو اسلامی فوجیں شہر کا محاصرہ کر چکی تھیں۔ جے سنگھ نے مسلمانوں کی رسد بند کرنے کی کوشش کی۔ لیکن راجہ موکا کی قیادت میں ایک دستے نے اس پر حملہ کیا تو وہ شہر کو اپنے بھائی گوپی کے حوالے کر کے کشمیر کی طرف نکل گیا۔ چند دنوں بعد شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہاں راجہ داہر کی بیوی لاڈی گرفتار ہوئی۔ محمد بن قاسم نے حجاج کی اجازت سے اس کے ساتھ شادی کر لی۔

ارور کی فتح:

ارور جو روہڑی سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے، راجہ داہر کی راجدھانی اور سندھ کا اہم ترین مقام تھا۔ برہمن آباد کی فتح کے بعد حجاج بن یوسف نے ملکی انتظام کے بارے میں بہت سی ہدایات دیں اور ساتھ ہی ارور اور ملتان فتح کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ محمد بن قاسم برہمن آباد کی رہنمائی میں اسلامی لشکر ارور پہنچا۔ ایک ماہ کے بعد اہل قلعہ صلح پر آمادہ ہو گئے۔ اور عربوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ داہر کا بیٹا گوپی قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔

ملتان کی طرف پیش قدمی:

ارور کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے ملتان کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں قلعہ بابیہ تھا۔ جس پر راجہ داہر کا بھتیجا کسکا حکمران تھا جو داہر کے قتل کے بعد اس قلعہ پر قابض ہو گیا تھا۔ محمد بن قاسم نے لوگوں سے تحقیق کی کہ وہ واقعی داہر کے خاندان سے ہے۔ اس کے بعد کہا کہ اگر میرے پاس آئے تو میں اس کی قدر افزائی کروں۔ کسکا کو معلوم ہوا تو فوراً حاضر خدمت ہوا اور وزیر مال مقرر ہوا اور قلعہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد اسکندہ پر حملہ کیا گیا جو کم و بیش ایک ہفتہ کی مزاحمت کے بعد فتح ہوا۔ یہاں کا حاکم سنگھ رائے بھاگ کر سکہ چلا گیا۔ جہاں کا حاکم بجھرا کا نواسہ تھا اس لیے اپنے نانا کا انتقام لینے کے لیے لڑا۔ لیکن ایک رات قلعہ سے بھاگ کر ملتان کی طرف نکل گیا اور قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ ملتان سندھ کا اہم سیاسی، ثقافتی اور مذہبی مرکز تھا۔ یہاں گور سنگھ کی حکومت تھی جو بہت مضبوط راجہ سمجھا جاتا تھا۔ اس نے دو روز تک قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ سخت جنگ ہوئی جس میں بہت سے اہم مسلمان جرنیل شہید ہو گئے۔ اس کے بعد وہ قلعہ

Marfat.com

بند ہو گیا۔ اس بے آب و گیاہ علاقہ میں مسلمانوں کے لیے زیادہ دیر تک محاصرہ جاری رکھنا ممکن نہ تھا۔ ان کے لشکر میں [illegible] پڑ گیا۔ اس لیے انہوں نے بھرپور حملہ کر کے شہر پر قبضہ کر کے قحط سے نجات پانے کا منصوبہ بنایا۔ بہت زودار معر[کے] ہوئے۔ بالآخر مسلمانوں کو اس نالے کا علم ہو گیا جو اہل شہر کو پانی مہیا کرتا تھا۔ انہوں نے اس کا رخ بدل دیا۔ اہل [شہر] پیاسے مرنے لگے اور مجبوراً قلعہ سے باہر نکل کر لڑے۔ لیکن شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہو گئے۔ اتفاقاً ایک قیدی [نے] مسلمانوں کو قلعہ کی فصیل کا کمزور حصہ معلوم ہو گیا۔ اور دو تین دن کی سنگ باری سے شہر کی فصیل ٹوٹ گئی۔ اور مسلمان [شہر] میں داخل ہو گئے۔ ملتان سے محمد بن قاسم کو ایک مندر کا محفوظ خزانہ ہاتھ لگا جو سینکڑوں من سونے پر مشتمل تھا۔ محمد بن [قاسم] نے اس خزانہ سے وہ وعدہ پورا کیا جو حجاج نے خلیفہ ولید سے کیا تھا کہ وہ مہم پر خرچ ہونے والی تمام رقم کا دوگنا شاہی خز[انہ] میں داخل کر دے گا۔ ملتان محمد بن قاسم کی آخری قابل ذکر فتح تھی۔ اس کے بعد اس نے کچھ سرحدی قلعے مزید فتح کیے [اور] انتظام سلطنت کو درست کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ قنوج پر بھی حملہ کرے۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک لشکر روانہ کیا [جو] اودھے پور تک گیا۔ خود وہ کشمیر کی طرف بڑھا لیکن اس دوران میں حجاج بن یوسف کا انتقال ہو گیا۔ نیز خلیفہ ولید [بن] عبدالملک بھی چل بسا۔ اور نئے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے محمد بن قاسم کی گرفتاری اور واپسی کے احکام صادر کر دیے۔

فتح سندھ کی اہمیت:

فتح سندھ ولید بن عبدالملک کے زمانے کی بہت سی فتوحات میں سے ایک ہے لیکن تاریخ عالم میں اس واقعہ کو [بڑی] اہمیت حاصل ہے۔ برصغیر جنوبی ایشیاء میں اسلام کی بھرپور لہر آئی۔ سندھ کو باب الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا اور [اس] ایسے خطہ زمین میں اسلام کا بیج بویا گیا جو منگولوں کے فتنہ کے زمانے میں تمام مظلوموں کی پناہ گاہ ثابت ہوا۔ سندھ میں نئے حکمرانوں کے ساتھ نیا مذہب، نئی تہذیب اور سوچ کے نئے انداز بھی داخل ہوئے اور ایک زیادہ ترقی یافتہ نظا[م] حکومت بھی برصغیر میں پہنچا جس میں عوام کی فلاح کا خیال رکھا جاتا تھا۔ لوگوں کو انسانی حقوق بھی حاصل تھے اور مذ[ہبی] آزادی بھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانی جان و مال اور عزت و آبرو کو تحفظ مل گیا۔ اسلامی تہذیب و تمدن نے سندھ کو متا[ثر] کیا۔ اور وہاں ایک مشترکہ ثقافت وجود میں آئی۔ سندھی زبان کا عربی رسم الخط، سندھی میں شامل بے شمار عربی الفاظ او[ر] معاشرت میں عربوں کے اثرات اسی فتح کے نتیجہ کے طور پر وجود میں آئے۔ عربی گھوڑا اور صحرائی جہاز اونٹ، صحرائے سند[ھ] میں بھی استعمال ہونے لگا۔ فن تعمیر میں محراب و منبر اور مینار کا استعمال شروع ہوا نیز کھلی اور ہوادار عمارتیں بننے لگیں جی[س] عوام میں قانون و اخلاق کی پابندی کا جذبہ پیدا ہوا۔ فتح سندھ کے نتیجہ کے طور پر برصغیر میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا۔ ا[ور] اس کے بعد کی برصغیر کی تاریخ اندھیروں میں ڈوبی ہوئی نہیں ہے۔ فتح سندھ نے برصغیر کی فتح کا راستہ کھول دیا کیونک[ہ] سندھ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے مراکز قائم ہوئے۔ آبادی مسلمان ہو گئی اور مسلمان حکومتیں قائم ہوئیں ا[ور] مسلمانوں کو اس خطہ زمین کے اندرونی حالات سے آگاہی ہوئی نیز یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ اس ملک کی فتح کے لیے سند[ھ] کے شمال میں واقع زرخیز میدانوں کی طرف پیش قدمی ہونی چاہیے۔

غزنویوں کی حکومتیں:

سلاطین غزنی کے ذریعے سے پھر ہندوستان کی طرف اہل اسلام نے رُخ کیا۔ سبکتگین نے کئی حملے ہند پر کیے [اور] محمود کے بارہ حملے مشہور ہیں۔ قریب قریب ہندوستان کے تمام مشہور مقامات پر محمود گیا اور کامیاب لوٹا۔ محمود کے بعد مس[عود]

Marfat.com

بھی ہندوستان پر برابر حملے کرتا رہا۔محمود کا زمانہ کئی باتوں سے قابل یادگار ہے۔ایک تو یہ کہ اس کے بعد مسلمان بادشاہوں کا سلسلہ ہند سے نہیں ٹوٹا۔دوسرے یہ کہ فارسی زبان کی رونق جو عربوں کے عہد سلطنت میں تمام وسط ایشیا سے زائل ہوگئی تھی وہ پھر تازہ ہونے لگی۔گو باپ کی طرف سے یہ ترک تھا لیکن اس کی ماں ایرانی تھی اور اس لیے اس کی مادری زبان بھی ایرانی تھی۔پہلے تمام عدالتوں کی زبان عربی تھی۔اس نے بجائے عربی کے فارسی کو رواج دیا۔فارسی کو اس کے عہد میں اور اُس کے بعد آج تک تمام ایشیا میں وہی نسبت رہی جو فرانس کی زبان کو یورپ میں ہے۔لیکن اس نے عربی زبان کو بالکل معدوم نہیں کیا۔جس طرح یورپ کے متبرک اور اہم کاموں میں رومن زبان مستعمل ہوتی ہے اُسی طرح عربی کا درجہ قائم ہوا۔محمود غزنوی کے وقت سے فارسی زبان جو ہندوستان میں داخل ہوئی تو آج تک نہ نکلی۔اب تک ہندوستان میں فارسی زبان جاننے والے بکثرت پائے جاتے ہیں۔ہندوستان کی نیم سنسکرت زبان کا عربی اور فارسی کے میل جول سے بدلنا، محمود کے وقت سے شروع ہوا اور نئی زبان نے شاہ جہاں کے عہد میں سدھر کر 'اُردوئے معلیٰ' کا لقب پایا۔سلطان محمود کے بعد محمد، مسعود، مودود، ابوالحسن علی، عبدالرشید، فرخزاد ابراہیم، مسعود بن ابراہیم، ارسلان، بہرام، خسرو شاہ، خسرو ملک بن خسرو شاہ، بارہ سلاطین اس کی نسل سے ہوئے اور یہ سب ہند پر کم وبیش حکمران رہے ان میں سے مسعود ثانی، خسرو شاہ، خسرو ملک بن خسرو شاہ، یہ تین بادشاہ لاہور کے تخت پر بیٹھے جبکہ باقی سلاطین غزنی ہی سے حکمرانی کرتے رہے۔اس کے بعد شاہانِ غور ہند کے مختلف حصوں میں قابض رہے، انہوں نے ہی سلطان قطب الدین ایبک کو لاہور کا امیر مقرر کیا۔

❀❀❀❀

Marfat.com

ملوک ہند

سلطان قطب الدین ایبک:-

غوریوں کی تباہی اور شہاب الدین غوری کے مرنے پر یہ ہندوستان کا بادشاہ ہوا اور دہلی کو اس نے پایہ تخت بنایا برابر شاہان ہند کا پایہ تخت رہی۔ یہ ایک ترکی غلام تھا۔ شہاب الدین نے اسے خریدا تھا۔ اس نے بیس برس تک ہندوستان میں حکومت کی لیکن خودمختار بادشاہ کی حیثیت سے صرف چار برس۔

سلطان آرام شاہ بن قطب الدین:

قطب الدین ایبک کا بیٹا جو اس کے مرنے کے بعد 1210ء میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ نااہل اور آرام طلب اس لیے سلطنت کا انتظام نہ سنبھال سکا۔ لاہور کے علاوہ دوسرے ترک سرداروں نے بھی اسے بادشاہ تسلیم کرنے انکار کر دیا۔ دہلی کے ترکوں نے شمس الدین التمش کو بادشاہ بنا دیا۔ اس نے ایک سال کے اندر اندر آرام شاہ کا خاتمہ کر دیا۔

سلطان شمس الدین التمش:

دور حکومت (1211ء تا 1236ء)

شمس الدین التمش سلطنت دہلی کا تیسرا حکمران اور خاندان غلاماں کا تیسرا بادشاہ تھا۔ قطب الدین ایبک کا غلام تھا۔ ہونہار دیکھ کر بادشاہ نے اپنا داماد بنا لیا۔ 1211ء میں قطب الدین ایبک کے نااہل بیٹے آرام شاہ کو تخت سے اتار کر خود حکمران بن گیا۔ اس وقت وہ بہار کا صوبیدار تھا۔ تخت نشین ہوتے ہی اُسے ان صوبیداروں کی سرکوبی کرنی پڑی جو خودمختار بن بیٹھے تھے۔ پنجاب اور غزنی میں تاج الدین، سندھ میں ناصر الدین قباچہ اور بنگال میں خلجیوں نے سر اٹھایا۔ اس نے سب کو مطیع کیا۔ 1226ء سے 1234ء تک کے درمیانی مدت میں راجپوتوں سے جنگ کر کے رنتھمبور، منڈو، گوالیار اور اُجین فتح کیے۔ 1221ء میں منگول سردار چنگیز خان خوارزم شاہی سلطنت کے بادشاہ جلال الدین خوارزم کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے سندھ تک آ پہنچا، لیکن دریا سے پہلے تمام علاقے کو تباہ برباد کر کے واپس چلا گیا اور ہندوستان اس خوف ناک آفت سے بچ گیا۔ خوارزم شاہیوں نے جب غور کی سلطنت تباہ کی تھی اُس وقت شہاب الدین کے دو غلام ناصر الدین قباچہ اور تاج الدین اور تھے جنہوں نے قطب الدین کی طرح جدا سلطنتیں قائم کر لی تھیں۔ چنانچہ تاج الدین غزنی میں حکمران تھا اور ناصر الدین بلاد سندھ میں تھا۔ سلطان شمس الدین التمش کو ان دو حریفوں کا کھٹکا تھا۔ تاج الدین کا تو انجام ہوا کہ خوارزم شاہ نے جب اُسے غزنی سے نکالا تو وہ ہندوستان پر قبضہ کرنے چلا اور شمس الدین التمش نے اسے لڑائی میں گرفتار کر کے قید کر لیا۔ ناصر الدین قباچہ پر شمس الدین التمش نے فوج کشی کی اور ناکام رہا لیکن ناصر الدین سے اس فائدہ شمس الدین کو پہنچا کہ فتح غزنی کے بعد جب خوارزم شاہ نے ہندوستان پر حملہ کرنا چاہا تو ناصر الدین نے راستہ ہی میں اُسے روک دیا۔ یہ بادشاہ ہندوستان کا پہلا شہنشاہ سمجھا جائے تو بجا ہے اس نے تمام ہند پر اپنا سکہ جمایا۔ خلیفہ بغداد نے بھی

...ی کو خلعت بھیجے جسے بڑے فخر اور عزت کی چیز سمجھا جاتا تھا۔ ناصر الدین نے جلال الدین شاہ خوارزم کا منہ پھیر اہی تھا کہ ...ولوں کی ایک فوج وہاں آئی اور ملک کو برباد کر گئی۔ یہ چنگیز خان کا زمانہ تھا جس کے حالات اوپر لکھے جا چکے ہیں۔ ناصر ...ین نے جب جلال الدین کی لوٹ کھسوٹ اور منگولوں کی مار دھاڑ سے فرصت پائی تو شمس الدین التمش پہنچا۔ ناصر ...دین قباچہ مقابلے کی سکت نہ پا کر میدان سے فرار ہوا۔ بادِ مخالف کے جھونکوں سے اس کی کشتی دریا سے اٹک میں ڈوب گئی ...ر وہ جاں بحق ہوا۔ شمس الدین التمش کا کوئی اور حریف نہ تھا۔ التمش نے بڑے جاہ و جلال کے ساتھ امور جہانبانی انجام ...یے اور رفاہ عامہ کے امور میں شہرت پائی۔ التمش نے قطب مینار اور قوت اسلام مسجد کو، جنہیں قطب الدین ایبک نا تمام ...وڑ کر مر گیا تھا، مکمل کرایا۔ التمش نے رضیہ سلطانہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

...لطان رکن الدین فیروز بن شمس الدین (633ھ):

التمش کے انتقال کے بعد رضیہ کے ایک بھائی رکن الدین فیروز نے تخت پر قبضہ کر لیا اور 7 ماہ تک حکومت کی۔ یہ ...لطان عیاش طبع اور ناعاقبت اندیش تھا۔ رضیہ سلطانہ نے دہلی کے لوگوں کی مدد سے 1236ء میں بھائی کو شکست دے کر ...ت حاصل کر لیا۔ حلقہ امرأ نے رکن الدین فیروز کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ پر اس کی بہن رضیہ بنت التمش کو تخت نشین ...یا۔

...لطانہ رضیہ سلطانہ بنت شمس الدین (634ھ):

رضیہ سلطان یا رضیہ سلطانہ، جلال الدین رضیہ کے شاہی لقب کے ساتھ جنوبی ایشیا پر حکومت کرنے والی واحد ...اتون تھی۔ وہ 1205ء میں پیدا ہوئی۔ وہ ترک سلجوق نسل سے تعلق رکھتی تھیں اور کئی دیگر مسلم شہزادیوں کی طرح جنگی ...بیت اور انتظام سلطنت کی تربیت بھی حاصل کی۔ یہ بہت ہی سمجھدار اور عاقل خاتون تھی۔ کہا جاتا ہے کہ تخت سنبھالنے ...کے بعد اس نے زنانہ لباس پہننا چھوڑ دیا تھا اور مردانہ لباس زیب تن کر کے دربار اور میدان جنگ میں شرکت کرتی تھیں۔ ...ں نے اپنے لئے سلطانہ کا لقب اختیار کیا۔ سلطنت دہلی کے خاندان غلاماں کے بادشاہ شمس الدین التمش اس کے والد ...تھے جنہوں نے اپنے کئی بیٹوں پر ترجیح دیتے ہوئے رضیہ کو اپنا جانشیں قرار دیا تاہم التمش کے انتقال کے بعد رضیہ کے ایک ...بھائی رکن الدین فیروز نے تخت پر قبضہ کر لیا اور 7 ماہ تک حکومت کی۔ لیکن رضیہ سلطانہ نے دہلی کے لوگوں کی مدد سے 1236ء میں بھائی کو شکست دے کر تخت حاصل کر لیا۔ بھٹنڈہ میں بغاوت کچلنے کے دوران سلطنت کی اہم شخصیات نے رضیہ کا تختہ الٹ دیا اور ان کے بھائی بہرام کو بادشاہ بنا ڈالا۔ رضیہ نے بھٹنڈہ کے گورنر ملک التونیہ سے شادی کر کے تخت دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن جنگ میں شوہر سمیت ماری گئی۔ اسے پرانی دہلی میں سپرد خاک کیا گیا۔ واضح رہے کہ رضیہ اپنے لئے سلطانہ کا لقب پسند نہیں کرتی تھیں کیونکہ اس کا مطلب ہے سلطان کی بیوی بلکہ اس کی جگہ خود کو رضیہ سلطان کہتی تھیں۔ اسلامی شعائر کے مطابق عورت کی حکمرانی جائز نہیں تھی لہٰذا اس کے خلاف علماء کا شور و غل مچا اور بالآخر خلیفۃ المسلمین کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے امرأ دربار نے اسے امور حکومت سے برطرف کر دیا۔ رضیہ سلطانہ نے صرف دو سال چند ماہ تک حکومت کی۔ وہ 1240ء میں انتقال کر گئی۔

سلطان معز الدین بہرام شاہ بن شمس الدین (637ھ):

رضیہ سلطانہ کے بعد اُمرأ نے اس کو تخت پر بٹھایا لیکن دو برس کے بعد یہ بھی تخت سے اُتارا گیا۔ اس کے عہد کا

Marfat.com

صرف اس قدر قابل تذکرہ واقعہ ہے کہ لاہور تک منگول چلے آئے تھے اور پھر واپس چلے گئے۔ معز الدین بہرام قرونِ وسطیٰ میں ہندوستان کی سلطنت دہلی کا چھٹا سلطان تھا جو خاندان غلاماں سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ شمس الدین التمش کا بیٹا رضیہ سلطانہ کا بھائی تھا۔ جب رضیہ بٹھنڈہ میں مقیم تھی تو بہرام نے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ رضیہ نے اپنے شوہر بٹھنڈہ کے سردار التونیہ کے ساتھ مل کر تخت واپس لینے کی کوشش کی لیکن گرفتار ہوئی اور ماری گئی۔ بہرام اپنے دو سالہ اقتدار کے بعد 1242ء میں اپنی ہی فوجوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے مارے جانے کے بعد رکن الدین فیروز کے علاؤالدین مسعود نے اقتدار سنبھالا۔

سلطان علاء الدین مسعود شاہ بن رکن الدین (639ھ):

علاؤالدین مسعود (1242ء تا 1246ء) سلطنت دہلی کا ساتواں سلطان تھا جس نے ہندوستان پر حکومت کی اس کا تعلق خاندان غلاماں سے تھا۔ وہ رکن الدین فیروز کا بیٹا اور رضیہ سلطانہ کا بھتیجا تھا۔ 1242ء میں اپنے پیشرو الدین بہرام کی افواج کے ہاتھوں مارے جانے اور بدامنی کی صورتحال میں اسے سلطان منتخب کیا گیا۔ اس لیے وہ اختیارات کا حامل نہیں تھا۔ امرائے دولت بگڑے تو تھے ہی اس پر یہ طرہ ہوا کہ اس بادشاہ کو عیاشی کا شوق ہوا تھوڑے دنوں میں یہ بھی تخت سے اتارا گیا اور جان سے مارا گیا۔ اس کے عہد میں بھی منگولوں نے دو حملے ہند پر کیے۔

سلطان ناصر الدین محمود (644ھ):

دورِ حکومت۔ 1246ء تا 1266ء

ناصر الدین فیروز شاہ المعروف ناصر الدین محمود سلطنت دہلی کا آٹھواں سلطان رہا جس کا تعلق خاندان غلاماں سے تھا۔ وہ شمس الدین التمش کا سب سے چھوٹا پوتا تھا اور علاؤالدین مسعود کے قتل کے بعد تخت پر بیٹھا۔ وہ انتہائی دیندار عبادت گذار حکمران تھا اور اپنی رحم دلی کے باعث مشہور تھا۔ اس کے دور میں معاملاتِ سلطنت اس کا نائب غیاث الدین بلبن سنبھالتا تھا۔ 1266ء میں اس کے انتقال اقتدار بھی غیاث الدین کو مل گیا کیونکہ محمود کے کوئی اولاد نہ تھی۔ یہ بادشاہ نیک اور معتدل مزاج تھا۔ عمرؓ بن عبدالعزیز سے اس کا انداز بہت ملتا تھا۔ ناصر الدین کی زندگی درویشانہ تھی۔ اپنی بیوی سے کھانا پکوا کر کھاتا تھا اور کتابت سے اپنا خرچ چلاتا تھا۔ غیاث الدین بلبن، اس کے وزیر نے اس کے زمانہ میں بڑا زور پکڑا۔

سلطان غیاث الدین بلبن (664ھ):

دورِ حکومت۔ 1266ء تا 1286ء

یہ خاندان غلاماں کا آٹھواں سلطان تھا۔ بطور غلام ہندوستان لایا گیا۔ سلطان التمش کی نگاہ مردم شناس نے اسے خرید لیا۔ غیاث الدین ایک ترکی غلام تھا۔ ناصر الدین محمود کے مرنے پر یہ خود تخت نشین ہوگیا۔ شمس الدین التمش نے اپنی لڑکی اس کو بیاہ دی تھی جس کی وجہ سے یہ ناصر الدین کا پھوپھا تھا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں امرا اور سرداروں کا زور توڑ کر مرکزی حکومت کو مضبوط کیا۔ بغاوتوں کو سختی سے کچل کر ملک میں امن و امان قائم کیا اور سلطنت کو تاتاریوں کے حملے سے بچایا۔ بڑا مدبر، بہادر اور منصف مزاج بادشاہ تھا۔ علماء و فضلا کا قدردان تھا۔ اس کے عہد میں شراب کی خرید و فروخت راگ رنگ کی محفلوں کے انعقاد کی اجازت نہ تھی۔ انصاف کرتے وقت ہندو مسلم اور غریب اور امیر کی تمیز روا نہ رکھتا تھا

Marfat.com

ں کو سخت سزائیں دیتا لیکن رعایا کے لیے بڑا فیاض اور روشن خیال تھا۔ صرف ہندوستان ہی کی ایک اسلامی سلطنت تھی جو چنگیز خان کے ہاتھوں تباہ نہیں ہوئی۔ اس لیے دور دور سے منگولوں کے ستائے ہوئے امراء اور سلاطین اس کے ر میں پناہ گزین ہوئے اور بڑے بڑے عالم اور فاضل مصیبتیں اُٹھا کر یہاں چلے آئے۔ امیر خسرو ملک الشعراء اسی کے میں تھا اور اس کے بیٹے محمد کا مصاحب تھا۔ لیکن سلاطین کے جمع ہونے پر وہ اکثر فخر سے کہتا تھا کہ پندرہ سلاطین ے مہمان ہیں۔ ان بادشاہوں کے اصلی نام کے اعتبار سے دہلی کے محلے روم، غور، خوارزم، بغداد وغیرہ ناموں سے ر ہو گئے تھے۔ بلبن کے مرتے وقت اس کا بیٹا بغرا خان بنگال کا حاکم تھا۔ اس لیے بغرا خان کے بیٹے کیقباد کو لوگوں تخت پر بٹھایا۔

لطان معز الدین کیقباد بن بغرا خان بن غیاث الدین بلبن (685ھ):

دور حکومت (1286ء تا 1290ء)۔

سلطنت دہلی کا دسواں سلطان تھا جو خاندان غلاماں سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا۔ بلبن کے حکومت میں جانشینی کا مسئلہ درپیش ہوا۔ اس کی پہلی پسند اس کا بیٹا محمد تھا لیکن وہ جلد انتقال کر گیا۔ بلبن کا دوسرے بیٹے خان نے تخت حاصل کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ پہلے ہی بنگال کا گورنر تھا۔ بالآخر بلبن نے اپنے پوتے کیخسرو کو اپنا ں مقرر کیا۔ لیکن جب بلبن کا انتقال ہوا تو درباریوں نے معز الدین کیقباد کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ بادشاہ اٹھارہ برس کی عمر تخت پر بیٹھا اور لہو ولعب میں مشغول ہوا۔ بغرا خان اس کا باپ بنگال سے اسے سمجھانے آیا لیکن اس کی کچھ نہ چلی اور ں گیا۔ 4 سال بعد وہ بیمار پڑ گیا اور بالآخر 1290ء میں خلجی سرداروں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کا بیٹا کیومرث اس کی برسر اقتدار آیا لیکن جلد ہی تخت سے اتار دیا گیا اور اس طرح خاندان غلاماں کے دور کا اختتام اور خلجیوں کے دور کا آغاز

یومرث بن کیقباد:

کیومرث (1290ء) خاندان غلاماں کا آخری بادشاہ تھا۔ وہ معز الدین کیقباد کا بیٹا تھا اور اپنے والد کی بیماری اور ازاں خلجی سرداروں کی جانب سے قتل کے بعد تخت نشین ہوا۔ تاہم جلال الدین فیروز خلجی نے اسے اقتدار سے ہٹا کر خود ت حاصل کر لیا۔ اس طرح سلطنت دہلی کے پہلے خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

لاطین خاندان غلاماں:

قطب الدین ایبک	(1210-1206)
آرام شاہ	(1211-1210)
شمس الدین التمش	(1236-1211)
رکن الدین فیروز	(1236)
رضیہ سلطانہ	(1240-1236)
معز الدین بہرام	(1242-1240)
علاؤ الدین مسعود	(1246-1242)

Marfat.com

ناصرالدین محمود	(1266-1246)
غیاث الدین بلبن	(1286-1266)
معزالدین کیقباد	(1290-1286)
کیومرث	(1290)

❀❀❀❀

دولت خلجی

جلال الدین خلجی (678ھ):

دور حکومت (1290ء تا1296ء)

یہ خاندان خلجی کا پہلا بادشاہ تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ستر سال تھی۔ اس نے سلطان کیقباد کے معصوم بچے کیومرث کو قتل کروا کے اپنی سلطنت کو مستحکم کیا۔ اس کے عہد میں بغاوتیں زور پکڑ گئیں۔ مغلوں نے بھی حملے کیے لیکن انھیں پسپا کر دیا گیا۔ کچھ مغل دہلی کے قریب ہی بس گئے اور اس جگہ کا نام مغلپورہ پڑ گیا۔ اس کے عہد کا سب سے مشہور واقعہ دیوگری پر حملہ ہے۔ اس نے اپنے بھتیجے علاؤالدین خلجی کو، جو اس کا داماد بھی تھا۔ صوبہ اودھ میں کڑہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ علاؤ الدین نے دکن میں واقع دیوگری کی دولت کا حال سن رکھا تھا۔ اس نے 1294ء میں دیوگری کے راجا رام چندر پر حملہ کر دیا۔ راجا نے شکست کھائی اور بہت سا زر و مال اور ایلچ پور کا علاقہ علاؤالدین کے حوالے کرنا پڑا۔ علاؤالدین مال و دولت لے کر کڑہ لوٹ گیا۔ جب جلال الدین اپنے بھتیجے کی فتح کی خبر سن کر ملاقات کے لیے آیا تو علاؤالدین نے اسے قتل کر دیا اور پھر اس کے تمام خاندان کا خاتمہ کر کے خود بادشاہ بن گیا۔

علاءالدین خلجی (695ھ):

اپنے چچا جلال الدین کو قتل کر کے یہ تخت پر بیٹھا۔ ہند میں انتہائے مشرق اور انتہائے جنوب تک اس نے سلطنت پھیلائی۔ اس کے عہد میں دو مرتبہ منگولوں نے حملے کیے اور برابر ناکام رہے۔ اس کا ایک حبشی غلام ملک کافور اس کے عہد میں بڑا عروج پکڑ گیا تھا۔ آخر میں اسی غلام نے بادشاہ کو سلطنت کی طمع میں ہلاک کیا جیسا کہ بعضوں کا خیال ہے لیکن وہ جلد اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔

ملک کافور:

اس نے ہندو والئ گجرات کی بیوی کولا دیوی کو لڑائی میں گرفتار کر کے اپنے حرم میں داخل کیا اور اس کی لڑکی دیول دیوی کو اپنے بیٹے خضر خان کے عقد میں دیا جو اس پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ ہندوؤں سے اس میل جول رکھنے کی یہ پہلی مثال تھی۔ خضر خان اور دیول دیوی کے عشق و محبت کو امیر خسرو دہلوی نے منظوم کیا ہے۔

مبارک شاہ خلجی بن علاءالدین خلجی (717ھ):

یہ کسی طرح کافور کے ہاتھ سے بچا اور تخت پر بیٹھا۔ پھر کافور مارا گیا۔ انتظام کی لیاقت یہ نہیں رکھتا تھا اور طرہ یہ کہ طبیعت اس کی عیاشی کی طرف مائل ہوئی۔ خسرو خان نومسلم وزیر نے سلطنت کی طمع میں اس کو قتل کیا لیکن خسرو خان کو کامیابی نہ ہوئی۔ غیاث الدین بلبن کے ایک ترکی غلام غازی خان نے خسرو خان کو ہلاک کیا اور خود غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔

Marfat.com

دولت تغلق

تغلق خاندان کے دو بادشاہ زیادہ نامور ہوئے ہیں۔ محمد تغلق ایک سخت گیر حاکم تھا۔ اس نے چند غلط اور ناممکن العمل اقدام کیے۔ مثلاً پایہ تخت دہلی سے دولت آباد منتقل کیا۔ خراسان اور چین پر ناکام حملہ کیا۔ محمد تغلق کے زمانے میں مشہور عرب سیاح ابن بطوطہ ہندوستان آیا اور نو برس یہاں رہا۔ فیروز شاہ تغلق اس خاندان کا سب سے ممتاز بادشاہ گزرا ہے جو بہت دیندار اور منصف مزاج تھا۔ تمام زندگی رفاہ عامہ کے کاموں اور علم کی ترویج و ترقی میں کوشاں رہا۔ بے شمار ہسپتال، مساجد، یتیم خانے، سرائیں اور مدارس قائم کیے۔ بے کاری کو دور کرنے کی خاطر دریاؤں پر پل بندھوا کر ملک میں نہریں کھدوائیں تاکہ زراعت بڑھے اور عوام خوشحال ہوں۔ سخت سزائیں، منسوخ کر دیں۔ فیروز شاہ کے بعد خاندان تغلق کا زوال شروع ہوا۔ اور 1398ء میں امیر تیمور نے رہی سہی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ تیمور جاتے وقت خضر خاں کو نائب بنا کر چھوڑ گیا۔ گو آخری بادشاہ محمود تغلق نے جلد ہی دہلی پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن 1413ء میں اس کی وفات کے بعد تغلق خاندان کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ تغلق عہد کی ایک قابلِ قدر خصوصیت یہ ہے کہ دکنی زبان پر شمالی ہند کی زبان کا مستقل اور نمایاں اثر اسی دور میں ہوا۔

غیاث الدین تغلق:

اس کا باپ ایک ترکی غلام تھا اور ماں ایک ہندی عورت تھی۔ ابھی تک غیاث الدین بلبن کا بیٹا بغرا خان بنگال میں حکمران تھا۔ وہ یہی غنیمت سمجھا کہ غیاث الدین تغلق نے کچھ اُس سے تعرض نہیں کیا۔ لکڑی کا ایک مکان اس پر گر پڑا اور اسی صدمہ سے یہ مرا۔

محمد تغلق (725ھ):

تخت پر بیٹھ کر جونا خان نے اپنا لقب محمد تغلق رکھا۔ اس کی تخت نشینی کی رسم بڑے دھوم سے ادا ہوئی۔ یہ بادشاہ بڑا عالم تھا اور مذہبی احکام کا پابند تھا۔ ابتدا میں اس کی سلطنت بڑے ہی زوروں پر تھی لیکن آخر میں تمام ملک میں بغاوتیں پھیل گئیں۔ دکن اور بنگال کے صوبوں میں خود مختار سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ ملک ویران ہو گیا۔ دیوگڑھ کو اس نے دار السلطنت بنانا چاہا اور تغلق آباد نام رکھا۔ لوگوں کو جبراً وہاں بسنے پر مجبور کیا۔ دیوگڑھ تو آباد نہیں ہوا لیکن دہلی ویران ہو گئی۔ یہ بادشاہ خفیف الحرکت تھا اس کے عہد میں تانجیرز (افریقہ) کے ایک مشہور سیاح ابن بطوطہ نے ہند کی سیر کی تھی۔ وہ اپنے سفر نامہ میں ہند کی حالت پر بڑا افسوس ظاہر کرتا ہے۔ اس سلطان نے خلیفہ عباسی حاکم بامر اللہ بن مکتفی سے غائبانہ بیعت کی تھی۔ اس زمانہ میں خلفائے عباسیہ مصر میں تھے اور محمد تغلق کی عقیدت سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی خلفائے عباسیہ کی اجازت بغیر بلاد اسلام کے سلاطین اپنی سلطنت کو بے سند سمجھتے تھے۔

Marfat.com

زشاہ تغلق (752ھ):

محمد تغلق کے مرنے پر اس کا بھتیجا فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا۔ اس کے دربار میں بنگال اور دکن کے ایلچی آئے، سے وہاں کی اسلامی سلطنتوں کا خودمختار ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اس کو تعمیر کا بڑا شوق تھا۔ ہانسی حصار کی نہر اسی کی کھدوائی ہے۔ یہ بادشاہ رحیم مزاج تھا۔ ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا اس نے موقوف کی۔ اس پر یورپین مؤرخ اس کے مداح ہیں۔

ث الدین تغلق ثانی (791ھ):

اسے پانچ ہی مہینہ کے اندر تخت سے اتارا گیا اور جان سے مارا گیا۔

ر تغلق (791ھ):

یہ فیروز تغلق کا پوتا تھا۔ ناصر الدین تغلق دعویدار تخت سے لڑتا رہا اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اسیر ہوا اور ناصر الدین تخت پر

رالدین تغلق (792ھ):

سلطنت تو فیروز شاہ کے وقت سے کمزور ہو چلی تھی۔ اب ان بادشاہوں کی چند روزہ تخت نشینیوں نے اور خانگی ں نے اور بھی ضعف بڑھا دیا۔

ں بن نصیر الدین تغلق (796ھ):

یہ صرف 45 دن تک تخت نشین رہا۔

د تغلق بن نصیر الدین تغلق (796ھ):

یہ بادشاہ بہت کم سن تھا۔ اس کے عہد میں سلطنت دہلی حدود ارضی کے اعتبار سے بہت کم ہو گئی تھی۔ محمود تغلق کے نے ایک سلطنت جونپور میں قائم کی جو کچھ عرصہ تک قائم رہی۔ اسی زمانہ میں تیمور نے دہلی پر حملہ کیا جو تاریخ کا ایک بڑا واقعہ ہے۔ یہ مسلمان تھا اور کسی قدر تربیت یافتہ تھا لیکن انسان کو تکلیف دینے میں چنگیز خان سے ہرگز کم نہ تھا۔ ریا اور روسیاہ کو جزوی طور پر برباد کر کے ایران اور ماوراء النہر پر پورے طور سے تسلط جما کے تیمور نے دہلی پر حملہ کیا۔ غلق بھاگ گیا اور شہر والوں کی غلطی سے شہر میں قتل عام ہوا۔ دہلی کے علاوہ ہندوستان کے اور بھی بہت سے مقامات و بر باد کیے گئے۔ بے انتہا مسلمان قتل کیے پھر اس کے بعد جمنا کے قریب فیروز شاہ کی بنائی ہوئی مسجد میں جا کر تیمور لڑ گڑا کر خدا کا شکریہ ادا کیا۔ 801ھ میں تیمور ہندوستان سے واپس گیا۔ اور ہندوستان کو تباہی کی حالت میں چھوڑتا ۔ اس کے چلے جانے پر دو مہینے تک دہلی میں کوئی حاکم نہ تھا۔ گویا ہر ایک بجائے خود ششدر اور متحیر تھا۔ اس کے بعد ل نامی ایک سردار نے اپنے آپ کو حاکم قرار دیا۔ اقبال لڑائی میں مارا گیا۔ محمود تغلق پھر دہلی میں آیا لیکن تھوڑے ہی ں کے بعد وہ مر گیا اور اس کی جگہ پر دولت خان لودھی بیٹھا۔ صرف پندرہ مہینے گزرے تھے کہ خضر خان حاکم پنجاب نے رز تیمور بن کر دہلی پر قبضہ کیا اور دولت خان کو خارج کیا۔

❀❀❀❀

Marfat.com

دولت سادات

خضر خان تغلق کے عہد میں ملتان کا حاکم تھا۔ امیر تیمور کی آمد پر اس کے ساتھ مل گیا۔ اسی بنا پر لاہور، دیپالپور، ملتان کا حاکم بنا دیا گیا۔ اس نے سلطان محمود تغلق کی وفات پر دہلی فتح کر کے خاندان سادات کی بنیاد رکھی۔ اپنے مبارک شاہ کو جانشین مقرر کیا۔ خضر خان ہندوستان میں پیدا ہوا لیکن نسب کی رو سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول ﷺ کی نسل میں تھا۔ خضر خان نے تو جلوس شاہانہ پسند نہیں کیا لیکن اس کی نسل میں جو بادشاہ ہوئے وہ شاہی لقب پر تھے اور ان کی حکومت کا زمانہ تاریخ میں سیدوں کی سلطنت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

سید مبارک 1421ء میں تخت نشین ہوا۔

سید محمد 1438ء میں تخت نشین ہوا۔

علاء الدین 1444ء میں تخت نشین ہوا۔

خضر خان کے عہد میں حکومت برائے نام تھی۔ ہاں سید مبارک اور سید محمد نے کچھ ہاتھ پاؤں سنبھالے راجپوتوں سے لڑتے رہے۔ مالوہ پر بھی ان لوگوں نے چڑھائی کی تھی لیکن علاء الدین نے کچھ خاص کام نہیں کیا۔ اس کی حکومت نواح دہلی پر محدود تھی۔ آخر اس نے بدایوں جا کر گوشہ نشینی اختیار کی اور دہلی کی حکومت بہلول خان لودھی کو سپرد کر دی۔

❀❀❀❀

Marfat.com

دولت لودھی

دہلی کی آخری سلطنت، جو 1451ء سے 1526ء تک قائم رہی۔ 1412ء میں سلطان محمود تغلق کے انتقال کے
سلطنت دہلی میں کئی سال تک ہنگامے رہے اور سیدوں کا خاندان مضبوط حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔
ن 1451ء میں لاہور اور سرہند کے پٹھان صوبے دار بہلول لودھی (1451ء تا 1489ء) نے دہلی پر قبضہ کر کے ایک
پھر مضبوط حکومت قائم کر دی جو لودھی سلطنت کہلائی۔ اس نے جونپور بھی فتح کر لیا جہاں ایک آزاد حکومت قائم ہو گئی
۔ دہلی کی یہ لودھی سلطنت اگرچہ جونپور سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی، لیکن دہلی کی مرکزی حکومت کے مقابلے میں
ت چھوٹی تھی۔ اس کی حیثیت سب مقامی حکومتوں کی طرح صرف ایک صوبائی حکومت کی تھی۔

ول خان لودھی (854ھ):

پیدائش: 1451ء۔ وفات: 1488ء

افغانوں کی ایک قوم لودھ تھی۔ یہ لوگ فیروز تغلق کے وقت سے بڑھے اور تجارت سے بڑے مالدار بن گئے۔
وں کے عہد میں فوجی خدمتیں ان کے سپرد تھیں۔ بہلول خان سادات کی بادشاہی میں سرہند کا حاکم تھا۔ حسن خدمت
صلے میں لاہور اور دیپال پور کی حکومت بھی مل گئی۔ مرکز کا نظام بگڑا تو دہلی جا کر بادشاہ بن گیا اور لودھی خاندان کی بنیاد
ا۔ پنجاب کے صوبے اس نے دہلی میں شامل کیے اور تیمور کے بعد جو بے رونقی پھیلی تھی وہ اس کے عہد میں کم ہونے
ا اس کے عہد کا سب سے بڑا واقعہ جونپور "سلطنت شرقی" کے ساتھ 26 سالہ جنگ ہے۔ بالآخر 1478ء میں
پور بھی دہلی کا ماتحت ہو گیا۔ مزید برآں بہلول نے گوالیار اور دھول پور کے کچھ علاقے فتح کیے۔ واپسی پر جلالی نزد دہلی
ھ میں وفات پائی۔

ندر لودھی (894ھ):

(پیدائش 1489ء۔ وفات 1517ء)

لودھی خاندان میں سب سے زیادہ شہرت بہلول کے لڑکے سکندر لودھی کو حاصل ہے۔ آگرہ کے شہر کی بنیاد اس نے
ا۔ اس زمانے میں آگرہ کا نام سکندر آباد تھا۔ شہر آباد ہو جانے کے بعد سکندر لودھی نے دہلی کے بجائے آگرہ کو
حکومت بنالیا۔ وہ سادہ طبیعت کا حامل تھا اور شاہی لباس میں تکلف پسند نہ کرتا تھا۔ انتظام مملکت اور رعایا کو خوشحالی کے
اقدامات میں مشغولیت میں خوشی محسوس کرتا تھا۔ ہر چھ ماہ بعد محتاجوں اور مسکینوں کی فہرست اس کے سامنے پیش ہوتی
وہ چھ ماہ کے لیے ان کے وظیفے جاری کرتا۔ البتہ سکندر لودھی غصے کا تیز تھا جس کی وجہ سے وہ کبھی کبھی ہندوؤں سے
دتی کر جاتا تھا لیکن وہ وفادار ہندوؤں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتا تھا۔ سلطان کے زمانے میں ہندوؤں نے پہلی بار
ی پڑھنا شروع کی اور اس نے ان ہندوؤں کو سرکاری ملازمتیں دیں۔ اس کے عہد میں سنسکرت کی کتابوں کا فارسی ترجمہ کیا۔

Marfat.com

ابراہیم لودھی بن سکندر لودھی (922ھ):

(پیدائش1517ء۔وفات1526ء)

سکندر کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت پر بیٹھا۔ انتہائی نا اہل حکمران تھا۔ یہ خاندان لودھی کا آخری بادشاہ تھا۔ باپ دادا کے برعکس مزاج کا اکھڑ اور غصیلا تھا۔ جس پر اصرار اس سے ناراض ہوگئے۔ بزور دبانا چاہا تو زیادہ بگڑ گئے اور بغاوتیں کیں۔ اس کے بھائی جلال خان نے بغاوت کی اور مارا گیا۔ اس نے چچیرے بھائی اعظم ہمایوں کو شک کی بنا پر پکڑا اور اس کے بیٹے فتح خان کو بھی قید میں ڈال دیا۔ ان واقعات سے مشتعل ہوکر سب افغان باغی ہوگئے۔ خانہ جنگی میں قوت ضائع ہوئی۔ اس نے میواڑ کے رانا سانگا کو شکست دی۔ لیکن بہادر خان بہار میں خود مختار ہوگیا۔ ابراہیم اس کی سرکوبی نہ کرسکا۔ اسی اثنا میں رانا سانگا نے کابل سے ظہیر الدین بابر کو بلایا۔ دولت خان لودھی حاکم پنجاب نے شاہ بابر کو کابل سے ہندوستان آنے کی ترغیب دی۔ 930ھ میں بابر نے ہند پر چڑھائی کی۔ مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر اور سلطان ابراہیم لودھی شاہ دہلی کے درمیان پہلی لڑائی 1526ء میں پانی پت کے میدان میں ہوئی۔ سلطان ابراہیم کی فوج ایک لاکھ جوانوں پر مشتمل تھی اور بابر کے ساتھ صرف بارہ ہزار آدمی تھے۔ مگر بابر خود ایک تجربہ کار سپہ سالار اور فن حرب سے اچھی طرح واقف تھا۔ سلطان ابراہیم کی فوج نے زبردست مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ سلطان ابراہیم لودھی میدان جنگ میں کام آیا۔ اور فوج تتر بتر ہوگئی۔ گوالیار کا راجہ بھی ابراہیم کا شریک حال ہوکر مارا گیا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد پڑی۔

❀❀❀❀

Marfat.com

دولت سور

شیر شاہ سوری (947ھ):

یہ بادشاہ ابراہیم خان پٹھان کا بیٹا تھا۔ معمولی حالت سے یہ بڑھتے بڑھتے بہار کا خودمختار بادشاہ ہو گیا۔ یہ خود کو بادشاہان غور کی نسل میں بتاتا تھا لیکن اس کا خاندان غوریوں کے بجائے سوریوں کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ شیر شاہ سوری کا اصل نام فرید خان تھا۔ 1486ء میں پیدا ہوا، جونپور میں تعلیم پائی۔ 21 سال والد کی جاگیر کا انتظام چلایا پھر والئی بہار کی ملازمت کی۔ جنوبی بہار کا گورنر بنا۔ کچھ عرصہ شہنشاہ بابر کی ملازمت کی اور بنگال بہار اور قنوج پر قبضہ کیا۔ مغل شہنشاہ ہمایوں کو شکست دے کر ہندوستان پر اپنی حکمرانی قائم کی۔ اپنی مملکت میں بہت سی اصلاحات نافذ کیں۔ اپنے تعمیری کاموں کی وجہ سے ہندوستان کا نپولین کہلایا۔ سنار گاؤں سے دریائے سندھ تک ایک ہزار پانچ سو کوس لمبی جرنیلی سڑک تعمیر کروائی جو آج تک جی ٹی روڈ کے نام سے موجود ہے۔ شہنشاہ اکبر مملکت کا انتظام چلانے میں شیر شاہ سے بڑا متاثر تھا۔ تاریخ دان شیر شاہ سوری کو برصغیر کی اسلامی تاریخ کا عظیم رہنما، فاتح اور مصلح مانتے ہیں۔ شیر شاہ سوری (1476ء تا 154[5]ء) ایسا فرماں روا تھا جس کی ستائش نامور مؤرخین اور عالمی مبصرین کرتے رہے ہیں۔ وہ ہندوستان کا پہلا حکمران تھا جس نے عوامی فلاح کی جانب اپنی بھرپور توجہ دی اور ایسے ایسے کارنامے انجام دیے جو تاریخ کی کتب میں سنہرے حروف میں تو لکھے ہی گئے، ان کے نقوش آج تک موجود ہیں۔ ساڑھے پانچ سو سال قبل اس نے زرعی اصلاحات کا کام شروع کروا دیا تھا، جس کی پیروی بعد کے حکمرانوں نے کی۔ شیر شاہ نے سہسرام سے پشاور تک گرینڈ ٹرنک روڈ یعنی جرنیلی سڑک کی تعمیر کروائی تھی اور اس کے کنارے کنارے سایہ دار اور پھل دار اشجار لگوائے، سرائیں تعمیر کروائیں اور سب سے پہلا ڈاک کا نظام نافذ کیا تھا۔ اگرچہ فرید خان سوری المعروف شیر شاہ ایک معمولی جاگیردار کا بیٹا تھا۔ اس کے والد حسن خان سوری کا خاندان افغانستان سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے اور وہ بابر کے معمولی جاگیردار تھے لیکن دلیر پرجوش اور جواں مرد شیر شاہ نے مغل سلطنت کے بانی بابر کے صاحبزادے ہمایوں کو ایک بار نہیں دو دو بار شکست دی۔ پہلی بار چوسہ کے میدان میں اور دوسری بار قنوج کے میدان میں۔ اس کے بعد ہمایوں کو برسوں دربدری کی زندگی گزارنی پڑی۔ اس دربدری کے دور میں ہی اکبر کی پیدائش ہوئی تھی جو بعد میں تاریخ کا اکبر اعظم بنا۔ اپنی جدوجہد سے شیر شاہ نے عظیم سلطنت قائم کی تھی لیکن اس نے اپنی آخری آرام گاہ کے طور پر سہسرام کو ہی پسند کیا تھا اس لیے اپنی زندگی میں ہی کیمور کی پہاڑی پر مقبرہ تعمیر کروایا تھا جس کے چاروں جانب جھیل پھیلی ہوئی ہے۔ 1540ء میں ہمایوں کی دوسری شکست سے شیر شاہ دہلی کا شہنشاہ سمجھا گیا۔ علاء الدین خلجی کے قانون کو اس نے زندہ کیا۔ اکبر کا قانون، علاء الدین خلجی اور شیر شاہ کے قانون کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے۔ 22 مئی 1545ء میں بارود خانہ کے اچانک پھٹ جانے سے وفات پائی۔

سلیم شاہ بن شیر شاہ (952ھ):

شیر شاہ کا بیٹا جلال خان تخت پر بیٹھ کر سلیم شاہ مشہور ہوا۔ یہ بادشاہ بھی مدبر اور نیک نام تھا۔ دہلی کا سلیم گڑھ قلعہ اسی

کی یادگار ہے۔ سید محمد جونپوری نے مہدی موعود بن کر اسی کے عہد میں زور پکڑا تھا۔ شیخ علائی واعظ اس فرقہ کا ترقی دینے والا تھا۔ بادشاہ نے تدبیر اور اعتدال سے کام لیا اور بہت جلد اس فرقہ کا استیصال ہو گیا۔

عادل شاہ شیر شاہ (960ھ):

اس کا اصل نام محمد شاہ سوری تھا لیکن یہ بالکل نا قابل سلطنت تھا۔ ہیمو بقال نامی ایک بنیا چھوٹے سے دوکاندار کی حیثیت سے بڑھتے بڑھتے وزارت کے عہدے پر پہنچا اور پھر تمام نظم ونسق کا اختیار اس کو ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر ہمایوں نے جو ہندوستان سے بھاگ کر کابل مقیم تھا ہندوستان کا رخ کیا۔ دہلی پر ہمایوں کا قبضہ ہو گیا۔ عادل شاہ کے دشمن زیادہ تھے اس لیے ہمایوں کو زیادہ کامیابی بھی ہوئی۔ ہیمو بقال کا مقابلہ اکبر کے اتالیق خان خانان بیرم خان نے کیا۔ 556 میں ہیمو گرفتار ہوا اور اکبر کی مستقل سلطنت دہلی میں قائم ہوئی۔ عادل شاہ اس کے بعد بھی کچھ دنوں تک بہار اور بنگال حکمران رہا لیکن ایک نئے دعویدار کے ہاتھ سے وہ جلد ہی مارا گیا اور پھر تو تمام ہندوستان میں اکبر نے وہ شہنشاہی قائم کی جو محمد تغلق کے وقت سے زائل ہو چلی تھی۔

مغلوں کے دور میں چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں

سلطان محمد شاہ تغلق کی حکومت تباہ ہونے پر جو خود مختار ریاستیں جا بجا قائم ہوئی تھیں۔ اُن میں سے مسلم خاندانوں کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔ اکبر کے عہد میں تمام ریاستیں مطیع ہو گئیں تھیں لیکن ان کا پورا استیصال شاہجہان عالمگیر کے زمانہ میں ہوا۔

دولت بہمنی (جنوبی ہند 1500ء):

سلطان محمد تغلق نے 1342ء میں ظفر خان کو جنوبی ہند کا گورنر مقرر کیا۔ ظفر خان ایک چھوٹے درجہ کا پٹھان تھا۔ تغلق کے مقربوں میں ایک 'کانگو' برہمن تھا۔ ظفر نے اس سے کچھ زمین کاشت کے لئے لی۔ زمین میں دفینہ نکلا۔ ظفر نے اسلامی دیانت داری کے لحاظ سے وہ دفینہ اپنے محسن برہمن کے حوالہ کیا۔ برہمن قدردان تھا۔ اس کی عزت اس نے بہت بڑھائی۔ اس ذریعہ سے حسن کا رسوخ ملکی معاملات میں بھی بڑھنا شروع ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان تغلق کے زوال کی حالت میں یہ بادشاہ ہو گیا۔ اپنے عروج کے زمانہ میں اظہار احسان مندی کے لحاظ سے اس نے اپنے کو کانگری مشہور کیا اور اپنے خاندان کو بہمنی کہنے لگا۔ اس نے دکن کے سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر مرکز سے علیحدگی اختیار کی اور 1347ء میں علاء الدین حسن کانگری بہمنی کا لقب اختیار کر کے آزاد بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ سلاطین بہمنی کا دارالسلطنت پہلے حسن آباد گلبرگہ تھا اور پھر بدر رہا۔ محمود شاہ ثانی تک اس خاندان کا پورا عروج تھا۔ بہمنی سلطنت میں چار بادشاہ ہوئے جنہوں نے بڑی شان وشوکت سے حکومت کی۔ یہ سلطنت وجیانگر کی ہندو مملکت سے اکثر برسرپیکار رہتی تھی۔ بہمنی سلاطین نے دکن میں زراعت تعلیم اور عمارات پر بڑی توجہ دی۔ اس عہد میں دکن میں اردو زبان نے بھی نشوونما پائی اور اسلام بھی خوب پھیلا۔ 1490ء کے قریب بہمنی سلطنت کو زوال آنا شروع ہوا۔ 1538ء تک اس کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے کھنڈروں پر پانچ چھوٹی سلطنتوں بریدشاہی، عمادشاہی، نظام شاہی، عادل شاہی اور قطب شاہی کی بنیادیں رکھی گئیں۔

علاء الدین حسن بہمنی کانگری	13 اگست 1347ء تا 11 فروری 1358ء
محمد اوّل فرودی	1358ء تا 21 اپریل 1375ء

Marfat.com

الدین مجاہد	21 اپریل 1375ء تا 16 اپریل 1378ء
داؤل	16 اپریل 1378ء تا 21 مئی 1378ء
دوم	12 مئی 1378ء تا 20 اپریل 1397ء
ث الدین بہمنی	20 اپریل 1397ء تا 14 جون 1397ء
ل الدین داؤد دوم	14 جون 1397ء تا 16 نومبر 1397ء
ج الدین فیروز	16 نومبر 1397ء تا 22 ستمبر 1422ء
ب الدین احمد اوّل	22 نومبر 1422ء تا 17 اپریل 1436ء
الدین احمد دوم	17 اپریل 1436ء تا 6 مئی 1458ء
الدین ہمایوں شاہ	6 مئی 1458ء تا 4 ستمبر 1461ء
م الدین احمد سوم	4 ستمبر 1461ء تا 30 جولائی 1463ء
ں الدین داؤد سوم	30 جولائی 1463ء تا 26 مارچ 1486ء
ب الدین محمد	26 مارچ 1486ء تا 7 دسمبر 1518ء
چہارم	7 دسمبر 1518ء تا 15 دسمبر 1520ء
الدین شاہ	15 دسمبر 1520ء تا 5 مارچ 1523ء
اللہ	5 مارچ 1523ء تا 1526ء
اللہ	1526ء تا 1538ء

ت بیجاپور:

جنوبی ہند کی ایک قدیم سلطنت بیجاپور، جس کا دارالسلطنت اسی نام کا شہر تھا۔ پندرھویں تا سترھویں صدی میں اس ست پر عادل شاہی خاندان کی حکومت تھی۔ اب ہندوستان کے صوبہ کرناٹک میں شامل ہے۔ یہاں کی قدیم عمارات ، گول گنبد خصوصاً قابل دید ہے۔ یوسف عادل شاہ ایک ترکی غلام تھا جو ایران سے آ کر سلاطین بہمنی کے ہاتھ بکا اور اس ، اپنی نسل کی بابت یہ ظاہر کیا کہ وہ عثمان بانی سلطنت عثمانیہ کی نسل میں ہے اور محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کا بھائی ہے۔ شیر ری کی حالت میں ملک سے الگ کیا گیا تا کہ اپنے بھائی کے ہاتھوں سے قتل نہ ہو۔ ایران میں رہنے سے شیخ صفی کے یدوں کی صحبت میں یہ بہت رہا اور اس لئے اس کا مذہب شیعہ تھا اور اس کے خاندان کے اکثر بادشاہوں کا یہی مذہب ۔ بہمنی خاندان جب ضعیف ہوا تو یوسف عادل نے ایک جدا سلطنت بیجاپور میں قائم کر لی۔ اس خاندان میں ذیل مران ہوئے:

1- یوسف عادل شاہ	1489ء، 895ھ
2- اسمٰعیل شاہ	1510ء
3- محمد عادل شاہ	1534ء
4- ابراہیم عادل شاہ	1535ء
5- علی عادل شاہ	1557ء

Marfat.com

6-ابراہیم عادل شاہ ثانی 1579ء،987ھ

دولت نظام شاہی:

احمد نگر میں ایک شاہی خاندان احمد شاہ کی ذات سے قائم ہوا اور عام طور پر لوگ اس کو نظام شاہی خاندان لگے۔ احمد کا باپ قوم کا ہندو تھا جو گرفتار ہو کر بطور غلام کے سلاطین بہمنی کے دربار میں آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اپنی ذاتی لیاقت سے اس نے بڑا عروج حاصل کیا اور بہمنی سلطنت کے ضعف پر اس کا بیٹا احمد بادشاہ بن بیٹھا۔ ان بادشاہوں کے عہد میں سنیوں اور شیعوں کے جھگڑے مسلمانوں میں برپا رہے اور یہی کیفیت بیجاپور کے مسلمانوں کی بھی تھی۔

حسن نظام شاہ:

پیدائش:1523ء۔ انتقال:1565ء

یہ اپنے والد برہان نظام الملک کی وفات کے بعد 1553ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس کا حقیقی بھائی عبدالقادر بھاگ کر عمادالملک والی برار کے پاس چلا گیا۔ سوتیلا بھائی شاہ حیدر قلعہ پرندہ میں اپنے خسر جہاں سے جاملا۔ حسین نظام شاہ نے قلعہ فتح کر کے باغیوں کو تہ تیغ کیا۔ ابراہیم عادل شاہ نے قلعہ شولاپور پر حملہ کیا تو حسین نظام شاہ نے عمادالملک کی مدد سے اسے پسپا کر دیا۔ اور 1554ء اور 1559ء میں سمندر کے کنارے پرتگالی قلعہ ایکدندہ اور فاندلیس میں متعدد حملے کیے۔ اسی اثنا میں وجیانگر، گولکنڈہ، اور بیجاپور، کی متحدہ فوجوں نے احمد نگر کا محاصرہ کر لیا۔ حسین نے قلعہ کلیانی دے کر صلح کر لی اور قلعہ احمد نگر کو نئے سرے سے پختہ بنوایا۔ اور اس کے گرد خندق کھدوائی۔ 1564ء میں بیجاپور بیدر اور گولکنڈہ کی مدد سے وجیانگر کے راجا رام راج کو شکست دی۔

دولت نظام شاہی کے بادشاہوں کی تفصیل ذیل ہے:

1-احمد شاہ	1490ء،896ھ
2-برہان نظام الملک شاہ	1508ء
3-حسین نظام شاہ	1553ء
4-مرتضیٰ نظام شاہ	1565ء
5-میراں حسین شاہ	1588ء
6-اسماعیل شاہ	1588ء
7-برہان شاہ ثانی	1590ء
8-ابراہیم نظام شاہ	1594ء
9-احمد شاہ ثانی	1594ء
10-بہادر شاہ	1595ء،1004ھ

دولت گولکنڈا:

قطب قلی ایک ترکی النسل سپاہی ہمدان سے آکر سلاطین بہمنی کے دربار میں ملازم ہوا اور سلطنت بہمنی کے انحطاط کے زمانہ میں گولکنڈہ کا خود مختار سلطان بن بیٹھا۔ اس کا مذہب بھی شیعہ تھا۔ سلطان ہونے پر اس کا لقب سلطان

ہوا۔اس خاندان میں ذیل حکمران ہوئے:

1۔سلطان قلی شاہ	1512ء،918ھ
2۔جمشید قلی شاہ	1543ء
3۔سبحان قلی شاہ	1550ء
4۔ابراہیم قلی شاہ	1550ء
5۔محمد عبداللہ قلی شاہ	1580ء

ابوالحسن تاناشاہ:

پیدائش:1574ء۔انتقال:1604ء

گولکنڈہ کا آخری تاجدار تھا۔اس کا نام ابوالحسن قطب شاہ اور لقب تاناشاہ تھا۔اپنے خسر عبداللہ قلی کے انتقال کے بعد گولکنڈہ کے تخت پر بیٹھا۔نہایت عیش پسند، آرام طلب اور نازک دماغ تھا۔اس کی سیماب طبعی کے ہاتھوں رعیت سخت پریشان تھی۔سات سال کی حکومت کے بعد 1587ء میں مغلوں نے گولکنڈہ فتح کر کے اس کو قید کرلیا۔خود شاعر تھا اور شاعروں کا بہت قدردان تھا۔نوری، فائز،اور شاہی اس کے دربار کے مشہور شعرا تھے۔

دولت عماد شاہی:

ایک چھوٹی سی خود مختار ریاست عماد شاہیوں کی بہار میں تھی۔فتح اللہ عماد الملک اس کا بانی ایک نو مسلم کی اولاد میں تھا۔چوتھے سلطان برہان عماد شاہ کا وزیر تفال شاہ غاصب کی حیثیت سے تخت نشین ہوا پھر اس کے بعد 1572ء میں یہ ریاست احمد نگر میں شامل ہوگئی۔

1-فتح اللہ عماد الملک	1484ء
2-علاء الدین عماد شاہ	1504ء
3-دریاء عماد شاہ	1529ء
4-برہان عماد شاہ	1561ء
5-تفال شاہ	1572ء

دولت بریدیہ:

قاسم برید نے ایک ریاست کی بنیاد بمقام بدر ڈالی۔چھ سلاطین کے بعد دیگرے ریاست میں خود مختار رئیس کی طرح حکمران رہے۔لیکن یہ ریاست اتنی چھوٹی تھی کہ اس کے زوال کا زمانہ تاریخوں سے محقق نہیں ہوتا۔ذیل سلاطین ہوئے:

1-قاسم برید	1498ء،904ھ
2-امیر برید	1504ء
3-علی برید	1549ء
4-ابراہیم برید	1562ء

Marfat.com

5-قاسم برید ثانی 1569ء

6-مرزا علی برید 1572ء

شاہانِ گجرات:

محمود تغلق کے عہد میں مظفر شاہ جو ایک مسلمان راجپوت تھا اور امرائے دہلی میں پرورش پائی تھی گجرات کا حاکم کیا گیا۔ اور پھر بہت جلد خود مختار بادشاہ بن گیا۔ مظفر شاہ ثانی کے وقت میں اسمٰعیل صفوی کا ایلچی یہاں آیا تھا۔ پرتگالی نے بمبئی کے قریب اپنا دخل کر لیا تھا۔ شاہان گجرات برابر ان کا مقابلہ کرتے رہے۔ مصر کے چراکسہ خاندان کے بیلے بحر احمر سے خلیج فارس تک جہاز رانی کرنے کے لئے یہ مناسب سمجھتے تھے کہ غیر لوگ بحر ہند میں مداخلت نہ کریں اور حال مصر فتح کرنے کے بعد عرصہ تک سلاطین ترکی کا بھی تھا چنانچہ انہیں اغراض کے لئے شاہان گجرات کو پرتگالیوں کے مقابلہ میں ملوک مصر بحری قوت سے مدد دیتے تھے۔ گجرات کے سلاطین کے پاس علاوہ جنگی جہازوں اور جدید عمدہ کے توپ کے سامان بھی تھے۔ شاہ گجرات سے ہمایوں کا مقابلہ ہوا لیکن اس کا پورا استیصال اکبر بن ہمایوں کے ہاتھ ہوا۔ محمود ثالث نے سورت میں ایک قلعہ بنایا تھا جو اب تک قائم ہے۔ اس خاندان کے ذیل افراد سلطان ہوئے:

1۔مظفر شاہ 1396ء،799ھ

2۔احمد شاہ 1413ء

3۔محمد شاہ 1443ء

4۔قطب شاہ 1451ء

5۔دارا شاہ 1451ء

6۔محمود شاہ بیکدہ 1459ء

7۔مظفر شاہ ثانی 1511ء

8۔سکندر شاہ 1526ء

9۔محمود شاہ ثانی 1526ء

10۔بہادر شاہ 1526ء

11۔میراں محمد شاہ فاروقی 1536ء

12۔احمد شاہ ثانی 1553ء

13۔محمود شاہ ثالث 1561ء

14۔مظفر شاہ ثالث 1561ء،969ھ

دولت غوری شاہیہ:

مالوہ کا صوبہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے آخر زمانہ میں خود مختار ہو گیا تھا۔ مالوہ کا دار الحکومت مانڈو میں تھا۔ دلاور غوری نے جو خود کو والدہ کی طرف سے شاہان غوری کی نسل میں بتاتا تھا ایک خود مختار ریاست قائم کی۔ شاہان مالوہ اپنی ریاستوں سے برابر لڑتے رہے لیکن شاہان گجرات کا لحاظ کرتے تھے۔ آخر میں جب مالوہ کی ریاست کمزور ہوئی تو

Marfat.com

شاہ گجراتی نے اسے اپنی بادشاہی میں شامل کر لیا۔ غوری خاندان میں ذیل سلاطین ہوئے:

1۔ دلاور شاہ غوری	1401ء، 804ھ
2۔ ہوشنگ شاہ غوری	1405ء
3۔ محمد شاہ غوری	1432ء
4۔ محمود شاہ غوری	1445ء
5۔ غیاث شاہ غوری	1482ء
6۔ ناصر الدین غوری	1500ء
7۔ محمود شاہ غوری ثانی	1517ء، 916ھ

دولت خاندیس:

ملک راجہ ملقب ناصر خان نے سلطان محمود تغلق کے عہد میں ایک خود مختار ریاست خاندیس میں قائم کی۔ یہ بادشاہ عربی النسل تھا اور خود کو عمرؓ فاروق کی نسل میں بتاتا تھا۔ شاہ گجرات کا داماد تھا اور شاہ گجرات اس کا بڑا حامی تھا اس لیے شاہان خاندیس، شاہانِ گجرات کا احترام کرتے تھے۔ اکبر کے عہد میں یہ بادشاہی تختِ دہلی کے تابع ہوگئی۔ اس خاندان میں ذیل سلاطین ہوئے:

1۔ ملک راجہ ناصر خان	1399ء، 801ھ
2۔ میراں عادل خان	1438ء
3۔ میراں مبارک خان	1441ء
4۔ عادل خان اوّل	1487ء
5۔ داؤد خان	1503ء
6۔ عادل خان ثانی	1510ء
7۔ میراں محمد خان	1540ء
8۔ میراں مبارک خان ثانی	1535ء
9۔ میراں محمد خان ثانی	1566ء
10۔ راجہ علی خان	1576ء
11۔ بہادر خان	1596ء

شاہانِ بنگال:

بنگال کے حاکم نے سلطان محمد تغلق سے بغاوت کی تو وہاں ایک خود مختار سلطنت قائم ہوئی اور اکبر کے عہد تک قائم رہی۔ اُن کی سلسلہ وار فہرست یہ ہے:

1۔ فخر الدین	1328ء، 739ھ
2۔ علاء الدین	1340ء

Marfat.com

3۔حاجی شمس الدین	1342ء
4۔سکندر الدین	1357ء
5۔غیاث الدین	1367ء
6۔سلطان سلاطین	1374ء
7۔شمس الدین ثانی	1383ء
8۔راجہ کنش	1386ء
9۔جیت مل عرف جلال الدین شاہ	1393ء
10۔احمد شاہ	1418ء
11۔ناصر الدین	1426ء
12۔ناصر شاہ ثانی	1426ء
13۔باربک شاہ	1428ء
14۔یوسف شاہ	1445ء
15۔فتح شاہ	1461ء
16۔شاہزادہ شاہ	1481ء
17۔فیروز شاہ	1481ء
18۔محمود شاہ	1493ء
19۔مظفر شاہ	1494ء
20۔علاء الدین شاہ	1497ء
21۔نصرت شاہ	1521ء
22۔محمود شاہ	1534ء
23۔شیر شاہ سوری	1537ء
24۔سلیم شاہ سوری	1545ء
25۔عدلی شاہ سوری	1548ء
26۔بہادر شاہ	1553ء
27۔جلال الدین شاہ	1561ء
28۔سلیمان کرانی	1563ء
29۔بایزید شاہ	1573ء
30۔دارا شاہ	1573ء، 981ھ

ان بادشاہوں میں راجہ کنش شاہ ہندو تھا لیکن اس کا بیٹا جیت مل مسلمان ہوا اور جلال الدین کے نام سے مشہور ہوا۔

Marfat.com

...انِ جونپور:

سلطنت جونپور کی بنیاد محمد تغلق کے وزیر خواجہ جہاں نے ڈالی تھی۔ بہلول لودھی کے زمانے تک یہ سلطنت عروج پر ...۔ بہلول لودھی نے اس کو غارت کیا۔ بابر شاہ اور شیر شاہ نے بھی جونپور پر قبضہ کیا تھا۔ شیر شاہ کے خاندان کے زوال پر ...ور کی سلطنت مختلف لوگوں کے قبضہ میں تھی۔ اکبر نے پورے طور پر اس کو دہلی کے ماتحت کیا۔

1۔ خواجہ جہاں	1394ء۔796ھ
2۔ مبارک شاہ	1399ء
3۔ ابراہیم شاہ	1401ء
4۔ محمود شاہ	1442ء
5۔ محمد شاہ	1457ء
6۔ حسین شاہ	1457ء۔862ھ

❀❀❀❀

Marfat.com

مغلیہ سلطنت

1526ء سے 1857ء تک

مغلیہ سلطنت 1526ء سے 1857ء تک برصغیر پر حکومت کرنے والی ایک مسلم سلطنت تھی جس کی بنیاد ظہیر الدین بابر نے 1526ء میں پانی پت کی پہلی لڑائی میں دہلی کے آخری سلطان ابراہیم لودھی کو شکست دے کر رکھی تھی۔ مغلیہ سلطنت اپنے عروج پر تقریباً پورے برصغیر پر قابض تھی جو اس وقت ہندوستان کہلاتا تھا۔ آج کل ان علاقوں میں افغانستان، پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش قائم ہیں۔ فارسی زبان میں منگول کو مغل کہتے ہیں جو عظیم جنگجو چنگیز خان کی آل ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ دوسرے شہنشاہ ہمایوں کے دور میں شیر شاہ سوری نے علاقے کو فتح کر لیا لیکن ہمایوں اسے واپس لینے میں کامیاب ہو گیا اور اس کے جانشیں اکبر نے سلطنت کو مزید توسیع دی۔ اورنگزیب عالمگیر کے دور میں سلطنت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ مغل شہنشاہ شاہجہاں نے اپنی اہلیہ ممتاز محل کی یاد میں آگرہ میں ایک عظیم مقبرہ تعمیر کیا جو تاج محل کے نام سے مشہور اور عجائبات عالم میں شمار کیا جاتا ہے۔ 1700ء میں اورنگزیب کی وفات سے قبل مغلیہ سلطنت اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی جس کا رقبہ 40 لاکھ مربع کلو میٹر تھا۔ لیکن اورنگزیب کی وفات کے بعد سلطنت کا زوال شروع ہو گیا اور 1857ء میں جنگ آزادی میں شکست کے بعد آخری فرمانروا بہادر شاہ ظفر کو جلاوطن کر دیا گیا اور ہندوستان برطانوی راج کے قبضے میں آ گیا۔

ظہیر الدین بابر:

(پیدائش: 1483ء وفات: 1530ء)

نام ظہیر الدین محمد، ماں پیار سے بابر (شیر) کہتی تھی۔ اس کا باپ عمر شیخ مرزا فرغانہ (ترکستان) کا حاکم تھا۔ باپ کی طرف سے تیمور اور ماں کی طرف سے چنگیز خان کی نسل سے تھا۔ اس طرح اس کی رگوں میں دو بڑے فاتحین کا خون تھا۔ بارہ برس کا تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ چچا اور ماموں نے شورش برپا کر دی جس کی وجہ سے گیارہ برس تک پریشان رہا۔ کبھی تخت پر قابض ہوتا اور کبھی بھاگ کر جنگلوں میں روپوش ہو جاتا۔ بالآخر 1504ء میں بلخ اور کابل کا حاکم بن گیا۔ یہاں سے اس نے ہندوستان کی طرف اپنے مقبوضات کو پھیلانا شروع کیا۔

1525ء تک پنجاب پر پورا اقتدار جمانے کے بعد 21 اپریل 1526ء کو پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ سب سے پہلے اندرونی بغاوت کو فرو کیا پھر گوالیار، حصار، میوات اور بنگال اور بہار وغیرہ کو فتح کیا۔ اس کی حکومت کابل سے بنگال تک اور ہمالیہ سے گوالیار تک پھیل گئی۔ بابر نے ایسے ایسے انقلابات کے تماشے دیکھے کہ کسی بادشاہ نے نہ دیکھے ہوں گے۔ بارہا یہ تخت شاہی پر بیٹھا اور بارہا نان شبینہ کا محتاج ہو گیا۔ 1497ء میں اس نے سمرقند فتح کیا۔ سمرقند سے اس کا قبضہ اُٹھ گیا تو 1504ء میں کابل اس کے ہاتھ آیا اور فتح ہند تک وہی اس کا مستقل پایہ تخت رہا۔

Marfat.com

جب خاندانی دشمنوں سے اس کو فرصت ملی تو اُزبکوں کے بخت کا ستارا چکا۔ اسمٰعیل صفوی شاہ ایران نے اُزبکوں کو
ورنہ بابر کا خاتمہ ہی ہو جاتا۔ ترکوں اور مغلوں کی مخلوط النسل قوم اپنے سردار اُزبک کے نام سے موسوم ہے۔ تیموری
ت کے زوال پر ان لوگوں نے زور پکڑا۔ اسمٰعیل صفوی نے ازبکوں کا زور بہت گھٹایا لیکن پورا استیصال نہ ہوسکا۔ بابر
کے عہد میں ایک زبردست سلطنت اُزبکوں کی ماوراء النہر میں قائم ہوئی۔ 1523ھ میں بابر نے ہندوستان فتح کیا اور
ابر آگرہ میں رہا۔ 26 دسمبر 1530ء کو آگرہ میں انتقال کیا اور حسب وصیت کابل میں دفن ہوا۔ اس کے پڑپوتے
ر نے اس کی قبر پر ایک شاندار عمارت بنوائی جو بابر باغ کے نام سے مشہور ہے۔ بارہ سال کی عمر سے مرتے دم تک
بادر بادشاہ کے ہاتھ سے تلوار نہ چھٹی اور بالآخر اپنی آئندہ نسل کے لیے ہندوستان میں ایک مستقل حکومت کی بنیاد
نے میں کامیاب ہوا۔ تزک بابری اس کی مشہور تصنیف ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ نہ صرف تلوار کا دھنی تھا، بلکہ قلم کا
ادشاہ تھا۔ فارسی اور ترکی زبانوں کا شاعر بھی تھا اور موسیقی سے بھی خاصا شغف تھا۔ تیمور کا نام بابر کی نسل سے زیادہ
تک قائم رہا اور وہ بھی صرف ہندوستان میں۔

ں بن بابر:

1530ء میں اپنے باپ بابر کے مرنے پر ہمایوں تخت پر بیٹھا لیکن تمام عمر اس کی مصیبت میں کٹی۔ بابر کی طرح یہ
را مارا پھرا۔ بھائیوں سے زیادہ اذیتیں پہنچیں۔ اس کا بھائی کامران کابل کا گورنر تھا لیکن بہت جلد وہ خودمختار بن گیا
ں کے ساتھ ہی دوسرے بھائی جو بدخشاں اور قندھار میں تھے وہ بھی کامران کے طرف دار ہوگئے۔ شیر شاہ سوری بہار
ور پکڑنے لگا۔ ہمایوں نے دو مرتبہ چڑھائی کی اور دونوں مرتبہ زک اُٹھائی۔ کامران نے شیر شاہ سے سازش کر کے
شیر شاہ کے لئے خالی کر دیا۔ ہمایوں افتاں خیزاں سندھ پہنچا۔ وہاں سے راجپوتانہ میں ہندو راجہ سے مدد کا خواستگار
ن پھر اسے مصلحت کے خلاف سمجھا۔ اسی سفر میں 1542ء میں اکبر پیدا ہوا۔ اس وقت بجز ایک نافہ مشک کے اور کوئی
یوں کے پاس نہ تھی۔ اسی نافہ کو اس نے قومی دستور کے مطابق فرزند کی ولادت کی خوشی میں حاضرین پر تقسیم کیا۔ امر
کے راجہ نے سندھ پر دوبارہ چڑھائی پر ہمایوں کا ساتھ دیا۔ لیکن نتیجہ صرف اس قدر نکلا کہ حاکم سندھ نے ہمایوں کو
رجانے کا راستہ دے دیا۔ ہمایوں کو بڑا کھٹکا یہ تھا کہ کوئی گرفتار کر کے اُسے کامران کے پاس نہ بھیج دے۔ قندھار کے
پہنچنے پر معلوم ہوا کہ حاکم قندھار ہمایوں کے بھائی مرزا عسکری کامران کا طرف دار ہے۔ اس لئے قندھار کے پاس
ر پھر ہمایوں کو بھاگنا پڑا اور اب وہ سیدھا طہماسپ صفوی شاہ ایران کے پاس چلا گیا۔ طہماسپ کے باپ اسمٰعیل
ا نے شیعوں کے فرقہ کو بڑی رونق دی تھی۔ اس کا بیٹا طہماسپ بھی اپنے باپ کا ہم خیال تھا۔ اختلاف مذہب نے
ں کو بہت ذلیل کیا۔ ہمایوں نے مصلحت وقت قندھار کو فتح ہونے کی صورت میں طہماسپ کے حوالہ کرنے کا اقرار
طہماسپ نے ایرانی فوج اس کے ساتھ کی اور اس نے قندھار کو فتح کر کے طہماسپ کے بیٹے مراد کے حوالے کر دیا۔
اس کے بعد ہی رعایا کی بغاوت دیکھ کر یا شاید مراد کے مرنے پر پھر ہمایوں نے قندھار پر قبضہ کر لیا اور کابل کی طرف
کیا۔ مرزا کامران بھاگ گیا۔

ہمایوں نے کابل کو دارالحکومت بنایا اور یہیں اپنے بیٹے اکبر کو جو دو تین برس کا تھا دیکھا کیونکہ ضرورت سفر نے باپ
ں جدائی کرا دی تھی اور کسی طرح اکبر مرزا کامران کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد ہمایوں نے بدخشان پر چڑھائی
راس پر قبضہ حاصل کر لیا۔ کامران سندھ سے واپس آ کر پھر کابل پر دخیل ہو گیا۔ ہمایوں کے آنے پر کامران بھاگا اور

Marfat.com

اُزبکوں سے مدد لے کر لڑا اور پھر شکست اُٹھائی۔ اس کے بعد چاروں بھائی کامران، ہمایوں، ہندال اور عسکری میں مصالحت ہوئی۔ 1549ء میں جب ہمایوں نے بلخ پر جو ازبکوں کے قبضہ میں آ گیا تھا چڑھائی کی تو پھر کامران کابل پر دخیل ہو گیا اور اکبر کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ کامران نے اب کے پھر شکست کھائی اور سلیم شاہ سوری کے پاس ہندوستان چلا آیا۔ سلیم شاہ نے اعانت سے انکار کیا تو وہ کاگردن کے بادشاہ کے پاس پناہ گزین ہوا۔ 1552ء میں کاگردن نے کامران کو گرفتار کر کے ہمایوں کے حوالے کر دیا اور ہمایوں نے بہ مجبوری بھائی کے اندھا کیے جانے کا حکم دیا۔ جب کامران کی آنکھ میں نشتر دے کر لیموں کا عرق ٹپکایا گیا تو وہ تکلیف برداشت نہ کر سکا اور بے اختیار پر چلا اُٹھا ''خدایا میں نے دنیا میں جیسا کیا ویسا پایا۔ اب صرف عاقبت کی بھلائی چاہتا ہوں۔ مجھ پر وہاں رحم کرنا۔'' اس کے بعد عادل شاہ سوری کے زمانہ میں ہمایوں نے ہند کا قصد کیا۔ سوائے عادل شاہ کے اور بھی خود مختار ریاستیں ہند میں قائم ہو گئی تھیں۔ 1555ء میں ہمایوں کابل سے روانہ ہوا۔ لاہور، سرہند فتح کرتا ہوا دہلی پہنچ گیا۔ یہاں چھ مہینے رہ کر اس نے چھت کے زینے سے گر کر وفات پائی۔ عادل شاہ کی فوج سے اس کا مقابلہ نہیں ہوا بلکہ اس کے مرنے پر اس کے بیٹے اکبر کا مقابلہ ہوا۔

شہنشاہ اکبر:

عہد حکومت (1556ء تا 1605ء)

جلال الدین اکبر سلطنت مغلیہ کے دوسرے فرماں روا، ہمایوں کا بیٹا تھا۔ ہمایوں نے اپنی جلاوطنی کے زمانے میں ایک ایرانی عورت حمیدہ بانو سے شادی کی تھی۔ اکبر اُسی کے بطن سے 1542ء میں امرکوٹ کے مقام پر پیدا ہوا۔ ہمایوں کی وفات کے وقت اکبر کی عمر تقریباً چودہ برس تھی اور وہ اس وقت اپنے اتالیق بیرم خان کے ساتھ کوہ شوالک میں سکندر سوری کے تعاقب میں مصروف تھا۔ باپ کی موت کی خبر اسے کلانور ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں ملی۔ بیرم خان نے وہیں اینٹوں کا ایک چبوترا بنوا کر اکبر کی رسم تخت نشینی ادا کی اور خود اس کا سرپرست بنا۔ ہمایوں کی وفات کے بعد تیرہ برس کی عمر میں اکبر تخت نشین ہوا۔ بیرم خان خانخانان اس کا اتالیق مقرر تھا۔ تخت نشین ہوتے ہی چاروں طرف سے دشمن کھڑے ہو گئے۔ ہمایوں کی وفات کے بعد اکبر اعظم کی تخت نشینی کا اعلان ہوا۔ تو ہیمو بقال نے جو عادل شاہ کا وزیر اور بڑا صاحب قوت واقتدار تھا، نے دہلی پر قبضہ کرنا چاہا۔ بیرم خان نے اس کی مزاحمت کی۔ نومبر 1556ء میں پانی پت کے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ خونریز معرکے کے بعد بیرم خاں کو فتح ہوئی اور ہیمو بقال زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا۔ مشرق میں عادل شاہ سوری کو شکست دی پھر اس نے اپنی سلطنت کو وسعت دینی شروع کی۔ 1556ء میں دہلی، آگرہ، پنجاب پھر گوالیار، اجمیر اور جون پور بیرم خان نے فتح کیے۔ 1562ء میں مالوہ 1564ء میں گونڈوانہ، 1568ء میں چتوڑ، 1569ء میں رنتھمبور اور النجر، 1572ء میں گجرات، 1576ء میں بنگال 1585ء میں کابل اور کشمیر اور سندھ، 1592ء میں اڑیسہ، 1595ء میں قندھار کا علاقہ، پھر احمد نگر، اسیر گڑھ اور دکن کے دوسرے علاقے فتح ہوئے اور اکبر کی سلطنت بنگال سے افغانستان تک اور کشمیر سے دکن میں دریائے گوداوری تک پھیل گئی۔

ریاست اودے پور:

رانا سانگا جس کا اصل نام رانا سنگرام سنگھ تھا۔ چتوڑ کا مشہور راجپوت سردار تھا۔ اس کے جسم پر تلوار اور نیزوں کے زخموں کے اسی نشان موجود تھے۔ اس نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی لیکن اسے یہ بات پسند نہ تھی کہ بابر

ستان پر قبضہ کر لے چنانچہ جب بابر، ابراہیم لودھی کو پانی پت کے میدان میں شکست دے کر شمالی ہند کا بادشاہ بن گیا تو سانگا نے اس کے مقابلے کی ٹھانی اور 1527ء میں کنواہہ کے مقام پر مقابلہ کیا، شکست کھائی اور میدان جنگ سے گیا۔ اس واقعے کے دو سال بعد وہ فوت ہو گیا۔ رانا پرتاب راجستھان کا نامور، دلیر سردار اور اودے سنگھ کا بیٹا اور سنگھ کا پوتا تھا۔ وہ اپنے باپ کی وفات پر اودے پور کی گدی پر بیٹھا۔ اس نے مغل شہنشاہ اکبر کی اطاعت قبول کرنے انکار کر دیا۔ اکبر نے راجا مان سنگھ کو فوج دے کر پرتاب کے خلاف روانہ کیا۔ 1576ء میں ہلدی گھاٹ کے مقام پر زبردست شکست ہوئی۔ اور اس نے پہاڑوں میں پناہ لی۔ کوئی بیس برس وہ مارا مارا پھرتا رہا۔ لیکن اکبر کی اطاعت نہ کی۔ 1597ء میں رانا نے وفات پائی لیکن اس سے پہلے اس نے چتوڑ اور ایک دو قلعوں کو چھوڑ کر باقی تمام علاقہ ں سے چھین لیا تھا۔

ہبی آزاد خیالی:

اکبر نے نہایت اعلیٰ دماغ پایا تھا۔ ابوالفضل اور فیضی جیسے عالموں کی صحبت نے اس کی ذہنی صلاحیتوں کو مزید جلا ی۔ اس نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا کہ ایک اقلیت کسی اکثریت پر اس کی مرضی کے بغیر زیادہ عرصے تک حکومت ہیں کر سکتی۔ اس نے ہندوؤں کی تالیف قلوب کی خاطر انہیں زیادہ سے زیادہ مراعات دیں اور ان کے ساتھ ازدواجی لتے قائم کیے۔ اکبر نے ایک ہندو عورت جودھا بائی سے بھی شادی کی جو کہ اس کے بیٹے جہانگیر کی ماں تھی۔ جودھا بائی مرتے دم تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ نیز اکبر نے دین الٰہی کے نام سے ایک نیا مذہب بھی جاری کیا جو کہ ایک انتہا دانہ اقدام تھا اور اکبر کے ہندو رتنوں کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ تھا۔ دین الٰہی کی وجہ سے اکبر مسلمان امراء اور بزرگان ں کی نظروں میں ایک ناپسندیدہ شخصیت قرار پایا۔ وہ خود ان پڑھ تھا۔ لیکن اس نے دربار میں ایسے لوگ جمع کر لیے تھے لم و فن میں نابغہ روزگار تھے۔ انھی کی بدولت اس نے پچاس سال بڑی شان و شوکت سے حکومت کی اور مرنے کے بعد پنے جانشینوں کے لیے ایک عظیم و مستحکم سلطنت چھوڑ گیا۔ بالغ ہوتے ہی اکبر نے خود کو خانخانان کی حکومت سے آزاد کر لیا لیکن اکبر کے بلوغ تک جو کام خانخانان سے ہوا سلطنت مغلیہ اس سے بے نیاز نہیں کہی جا سکتی۔ اکبر کے دادا بابر اور والد ایوں کا مستقل پایۂ تخت ہندوستان نہ تھا، اس لیے بخلاف دیگر مؤرخین سلطنت مغلیہ کی ابتداء اس کتاب میں شہنشاہ اکبر کے عہد سے کی جاتی ہے۔ اکبر کے عہد میں کابل، گجرات، بنگال، کشمیر، سندھ، قندھار، خاندیس اور دکن کے اکثر صوبے آہستہ آہستہ دہلی کی شہنشاہی میں داخل ہوتے گئے۔ سلطان محمد تغلق کے آخری عہد سے ہندوستان کی شہنشاہی پر جو زوال شروع ہوا تھا اب اُس کی تلافی ہوئی۔ اکبر کو علاوہ جنگی امور کے مذہبی اور علمی مجلسوں سے بھی دلچسپی تھی۔ اُس کا وزیر ابوالفضل اور اُس کا بھائی فیضی یہ دونوں بڑے عالم تھے۔ علوم قدیمہ کے علاوہ زباندانی میں بھی فیضی کو کمال حاصل تھا۔ سنسکرت اور فارسی کا ماہر تو تھا ہی۔ سواطع الالہام (تفسیر قرآن شریف) ایسی کتاب ہے جس میں شروع سے آخر تک ایک نقطہ نہیں آیا۔ فیضی کے عربی لٹریچر کا وہ کمال ظاہر ہوتا ہے جس کی نظیر آج دنیا میں نہیں ہے۔ اکبر مذہب کی طرف سے بہت آزاد خیال واقع ہوا تھا۔ ہندوؤں کے تالیف قلوب کے لئے اُس نے اپنے مذہبی مسائل کی پروانہ کی اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ ہندو اکبر کو ویسا ہی محترم جانتے ہیں جیسا اپنے اور نیک نام بادشاہوں کو سمجھتے تھے لیکن اس میں گفتگو ہے کہ اس پالیسی سے مسلمانوں کا زور البتہ گھٹ گیا اور پھر اس کے بعد جب مسلمانوں نے اپنے کو سنبھالنا چاہا تو ہندوؤں نے مسلمانوں کی پروانہ کی اور مسلمانوں میں حکومت کی اہلیت کب باقی تھی؟ اب نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو اور مسلمان دونوں ہند کی حکومت سے

Marfat.com

الگ ہو گئے۔ اکبر کے پڑپوتے عالمگیر نے اکبر کے ڈالے ہوئے دستور کو بہت کچھ مٹانا چاہا۔ لیکن کچھ فائدہ نہ نکلا۔ مسلمانوں میں شخصیت پرستی اور خیالات فاسد کی پیروی جو اس وقت دیکھی جاتی ہے اس کی ابتدا زیادہ تر اکبر ہی کے عہد میں پڑی تھی۔ نیک نامی، دانشمندی، بہادری، ہر دل عزیزی، بلند حوصلگی اور فتح مندی کے اعتبار سے اکبر ہندوستان کا بہت بڑا بادشاہ ہے۔ ملکی قانون جہاں تک وصول مال گزاری وغیرہ سے تعلق رکھتا تھا اس کی نسبت مؤرخوں کا بیان ہے علاء الدین خلجی اور شیر شاہ کے مسودہ قانون کو کسی قدر ترمیم کے ساتھ اکبر کے عہد میں ترقی دی گئی تھی۔

فن مصوری کی سرپرستی:

ہمایوں کی طرح اکبر اعظم نے بھی فن مصوری کے ابتدائی درس لیے تھا۔ اس نے شاہی مصوروں کے کام میں دلچسپی لی اور ان کے لیے کئی سہولتیں مہیا کیں۔ اس نے شاہی کتب خانے میں ایرانی اور ہندوستانی مسودوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا، شاہی خوش نویسوں اور مصوروں کو ان کی نقل کرنے پر مقرر کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ عہد حکومت کے تاریخی واقعات کو بھی مصور کیا گیا۔ بڑے بڑے عہدے داروں اور نامور راجاؤں اور سپہ سالاروں کی تصویریں بنائی گئیں۔ فتح پور سیکری کی بنیاد آرٹ کی تاریخ کا نیا باب ہے۔ عمارات کی تعمیر کے حکم 1569ء میں صادر ہوئے اور مصنف، شاعر، مورخ، فلسفی سب یہاں آ کر جمع ہوئے۔ مذہبی مباحثوں میں عیسائی پادریوں نے بھی حصہ لیا اور آخر کار اکبر کا دین الٰہی ظہور پذیر ہوا۔ علم النفس کے ساتھ ساتھ فن مصوری اور فن تعمیر کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ معمار، سنگتراش، ملک کے ہر حصے سے جوق در جوق آنے لگے۔ عمارات کی دیواروں پر تصاویر کافی خستہ حالت میں دستیاب ہوئی ہیں۔ یہ تصاویر مکمل طور پر ہندوستانی جذبے کا عکس ہیں۔ فتح پور سیکری میں بادشاہ نے مصوروں کے لیے خاص محکمہ قائم کیا۔ وہ خود ان تصاویر کا معائنہ کرتا اور مصوروں کو خلعت اور خطاب عطا کرتا تھا۔ اکبر نامہ جس میں اکبر کے عہد کے حالات قلم بند ہیں کو بھی مصور کیا گیا ہے۔ تمام واقعات حقیقت پر مبنی ہیں۔ شکاری مناظر، درباری محفلیں، لڑائیوں کے میدان، سفیروں کی آمد، غرض ہر پہلو حقیقت کا مظہر ہے۔ ابوالفضل نے اکبری مصوروں کی بہت تعریف کی ہے اور آئین اکبری میں ان کی تعداد 150 کے قریب بتائی ہے۔ ان میں زیادہ تعداد ہندو مصورین کی ہے۔ اکبری سکول کے چند مشہور مصور یہ تھے: میر سید علی، خواجہ عبدالصمد، فرخ بیگ قلمق، فرخ چیلا، ابراہیم، عنایت، عبداللہ، تلسی، سانوالہ، کیو خرد، تلسی خرد، سورج داس، سرجن، شاہو داس، دسونت، چترمنی، بساون، بھاگوان، بالچند، جمشید چیلا۔

بیرم خان:

یہ ترک نسل کا ایک سردار اور بخارا کا باشندہ تھا۔ پہلے بابر اور پھر ہمایوں کا مصاحب اور سپہ سالار مقرر ہوا۔ ہمایوں کی جلاوطنی میں اس کے ساتھ ایران گیا۔ کابل فتح کے بعد اکبر اعظم کا اتالیق مقرر ہوا اور اکبر کو تخت نشین کر کے خود اس کا سرپرست بنا۔ اپنے چار سالہ دور حکومت میں پنجاب، اجمیر، گوالیار، اور جون پور کے علاقے فتح کر کے سلطنت دہلی میں شامل کیے اور سرکش سرداروں کو مطیع کیا۔ 1560ء میں اٹھارہ برس کی عمر میں، اکبر نے عنان حکومت سنبھالی اور بیرم کو مکے چلے جانے کا مشورہ دیا لیکن اس نے پنجاب میں جا کر بغاوت کر دی اور شکست کھائی۔ اکبر نے اس کی پچھلی کارگزاریوں کا لحاظ کرتے ہوئے معاف کر دیا تو وہ مکے کو روانہ ہو گیا لیکن گجرات میں پٹن کے مقام پر کسی پٹھان نے ذاتی دشمنی کی بنا پر 1561ء قتل کر دیا۔

Marfat.com

...شاہ جہانگیر:

اکبر اعظم کے تین لڑکے تھے۔ سلیم، مراد اور دانیال۔ مراد اور دانیال باپ کی زندگی ہی میں کثرت شراب نوشی کی ...سے مر چکے تھے۔ سلیم اکبر کی وفات پر نور الدین جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ 1605ء میں اس نے کئی مفید ...حات نافذ کیں۔ کان اور ناک اور ہاتھ وغیرہ کاٹنے کی سزائیں منسوخ کیں۔ شراب اور دیگر نشہ آور اشیا کا استعمال ...بند کیا۔ کئی ناجائز محصولات ہٹا دیے۔ خاص خاص دنوں میں جانوروں کا ذبیحہ بند کر دیا۔ فریادیوں کی دادرسی کے لیے ...محل کی دیوار سے ایک زنجیر لٹکا دی۔ جسے زنجیر عدل کہا جاتا تھا۔ 1606ء میں اس کے سب سے بڑے بیٹے خسرو نے ...ت کر دی اور آگرے سے نکل کر پنجاب تک جا پہنچا۔ جہانگیر نے اسے شکست دی۔ سکھوں کا گورو ارجن دیو بھی جو ...کی مدد کر رہا تھا شاہی عتاب میں آ گیا۔ 1614ء میں شہزادہ خرم ''شاہجہان'' نے میواڑ کے رانا امر سنگھ کو شکست دی۔ ...1ء میں کانگڑہ خود جہانگیر نے فتح کیا۔ 1622ء میں قندھار کا علاقہ ہاتھ سے نکل گیا۔ جہانگیر ہی کے زمانے میں ...سر ٹامس رو سفیر کے ذریعے، پہلی بار ہندوستان میں تجارتی حقوق حاصل کرنے کی نیت سے آئے۔ 1623ء میں ...نے بغاوت کر دی کیونکہ نور جہاں اپنے داماد شہریار کو ولی عہد بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ آخر 1625ء میں باپ اور ...میں صلح ہو گئی۔ جہانگیر مصوری اور فنون لطیفہ کا بہت شوقین تھا۔ اس نے اپنے حالات ایک کتاب تزک جہانگیری میں ...ہیں۔ اسے شکار سے بھی رغبت تھی۔ شراب نوشی کے باعث آخری دنوں میں بیمار رہتا تھا۔ 1627ء میں کشمیر سے ...آتے وقت راستے ہی میں بھمبر کے مقام پر انتقال کیا اور لاہور کے قریب شاہدرہ میں دفن ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ...کے جہاز ران ہندوستان کے سواحل پر مال تجارت لاتے تھے بلکہ شاہان گجرات کے وقت سے یورپین لوگوں کا ...آمد و رفت شروع ہو گیا تھا چنانچہ ہمایوں کے حملہ کے وقت شاہ گجرات کا توپچی اٹلی کا رہنے والا تھا۔ شاہ جہاں نے بہت ...حصے دکن کے فتح کیے۔ آخر میں نور جہاں کی وجہ سے شاہ جہاں نے بغاوت کی لیکن بالآخر باپ کے مرنے پر یہی تخت ...ہوا۔

...شاہ شاہ جہاں:

شاہ جہاں کا عہد بہت ہی اچھا سمجھا جاتا ہے۔ ہندوؤں کا دستور جو اکبر کے دربار میں پڑا تھا شاہ جہاں نے بہت ...اس کی اصلاح کی۔ اکبر نے ہجری سنہ کی جگہ پر فصلی سنہ جاری کیا تھا اس طرح کہ ہجری سنہ جو اکبر کے وقت میں تھا وہی ...تھا صرف مہینوں کے نام ہندی کر دیے گئے تھے اور مہینوں اور سالوں کا بدلنا ہندوؤں کے طریقہ سے شمسی سال کے ...ار سے قائم کیا گیا۔ ہندوؤں سمت تو بکر ماجیت کے وقت کا سنہ ہے۔ فصلی سنہ کو اکبری سنہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ...۔ شاہ جہاں نے ہجری سنہ کو پھر دفتر میں رواج دیا۔ چنانچہ اس کے بعد سمت، فصلی اور ہجری تین سنہ ہندوستان میں ...یزوں کے وقت تک رائج تھے۔ انگریزوں کے عہد میں چوتھا سنہ عیسوی رائج ہوا۔ اس بادشاہ نے بڑے بڑے جشن ...۔ دہلی کا لال قلعہ اور جامع مسجد اس کی یادگار ہے۔ اپنی ملکہ نور جہاں کا مزار اس نے آگرہ میں ایسا خوشنما بنایا کہ دنیا کی ...بات میں شمار کیا جاتا ہے اور تاج محل کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔

...اوتیں:

ابتدائے سلطنت میں ازبکوں نے کابل پر چڑھائی کی۔ نرسنگھ دیو قاتل ابوالفضل نے بوندیل کھنڈ میں بغاوت کی

لیکن بادشاہ ان دونوں پر غالب رہا۔ خان جہاں نے اس کے مقابلہ میں بغاوت کر کے بڑی بڑی دقتیں اُٹھائیں۔ ایام شہزادگی میں شاہ جہاں کو دکن فتح کرنے کی جو چاٹ پڑی تھی وہ بادشاہ ہونے پر بھی قائم رہی۔ کل دکن شاہ جہاں کا مطیع ہو گیا اور بعض خود مختار ریاستوں میں (مذہبی رعایت سے) جو شاہ ایران کا نام خطبہ میں پڑھا جاتا تھا وہ اب خارج ہو گیا۔ احمد نگر کی ریاست تو بالکل نیست اور نابود ہو گئی۔ اسپین کے مغربی حصہ پرتگال کے باشندے پرتگیز کہلاتے ہیں۔ ہندوستان میں کچھ پہلے سے ان کی آمد و رفت تھی۔ کلکتہ کے قریب ہوگلی کے قلعہ میں ان کا تجارتی اسباب رہتا تھا۔ کچھ بے لطفی پیدا ہونے پر حاکم بنگال نے محاصرہ کر کے ہوگلی کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور پھر پرتگیزوں کا زور گھٹنے لگا۔

علی مروان خاں:

علی مروان خان حاکم قندھار نے اپنے بادشاہ والئی ایران کے ظلم سے تنگ آ کر قندھار کو ملازمان شاہ جہانی کے سپرد کر دیا۔ علی مروان خان بڑا خوش سلیقہ شخص تھا اور دربار شاہی میں اُس نے بڑی عزت پائی۔ دہلی کی نہر اسی کی بنوائی ہوئی ہے۔ بلخ اور بدخشان مرزا سلیمان کے قبضہ سے نکل کر برابر ازبکوں کے قبضہ میں چلے آتے تھے۔ شاہ جہاں نے ان موروثی مقامات پر بھی قبضہ حاصل کیا۔ لیکن قبضہ ناپائیدار تھا اور قندھار تو بہت جلد قبضہ سے نکل گیا۔ مروان خان، راجہ جسونت سنگھ، مرزا امراد، اورنگ زیب اور دارا شکوہ پے در پے بھیجے گئے اور مخالف خوب زچ ہوئے لیکن برف باری، راہ کی تنگی اور پہاڑی لٹیروں اور راہزنوں کے حملے سے شاہی فوج ہمیشہ خراب رہی اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

اسیری اور وفات:

شاہ جہاں کے چار بیٹے دارا شکوہ، مرزا شجاع، اورنگ زیب اور مرزا مراد ہندوستان کے مختلف حصوں میں حکمران تھے۔ دارا شکوہ ولی عہد تھا، اس لیے وہ دہلی میں رہتا تھا۔ اورنگ زیب نے بھائیوں کو لڑوا دیا اور خود بھی لڑا اور اپنے جوڑ توڑ سے سب پر غالب آیا اور جون 1608ء میں عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے کر خود کو عالمگیر مشہور کیا اور شاہ جہاں عضو معطل رہ گیا۔ شاہ جہاں کے ساتھ پہلے تو بڑے ادب اور تعظیم سے اورنگ زیب پیش آیا لیکن جب اُس نے دیکھا کہ دارا شکوہ کی محبت شاہ جہاں کے دل سے دور نہیں ہوتی تو شاہ جہاں کو قید کر دیا اور وہ شاہی قلعہ میں ایک معزز قیدی کی حیثیت سے زندگی کے باقی دن پورے کر کے آٹھ برس کے بعد انتقال کر گیا۔

دارا شکوہ:

پیدائش: 1615ء۔ انتقال: 1659ء

یہ مغل شہنشاہ شاہجہان اور ملکہ ممتاز محل کا بڑا بیٹا تھا۔ مضافات اجمیر میں پیدا ہوا۔ 1633ء میں ولی عہد بنایا گیا اور 1654ء میں الہ آباد کا صوبیدار مقرر ہوا۔ بعد ازاں پنجاب، گجرات، ملتان اور بہار کے صوبے بھی اس کی عملداری میں دے دیے گئے۔ 1649ء میں قندھار پر ایرانیوں نے قبضہ کر لیا۔ سلطنت دہلی کی دو فوجی مہمیں انھیں وہاں سے نکالنے میں ناکام رہیں تو 1653ء میں دارا کو، خود اس کے ایما پر قندھار بھیجا گیا۔ اس جنگ میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور بحیثیت کمانڈر اس کی ساکھ مجروح ہوئی۔ 1657ء کے اواخر میں شاہجہان بیمار پڑا تو تاج و تخت کے حصول کے لیے اورنگزیب اور دارا کے مابین جنگ چھڑ گئی جس میں اولاً دارا کو کامیابی ہوئی لیکن 29 مئی 1658ء کو اورنگزیب نے ساموگڑھ "نزد آگرہ" میں اس کی فوجوں کو شکست فاش دی۔ 23 مارچ 1659ء کو جنگ میں اس کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہو گئی اور وہ ایران میں

Marfat.com

پناہ لینے کے لیے قندھار روانہ ہوا۔ لیکن راہ میں ڈھاڈر کے افغان سردار ملک جیون نے اسے اور اس کے تین بیٹوں کو پکڑ پکڑ کر دہلی بھیج دیا۔ جہاں 30 اگست 1959ء میں اورنگزیب کے حکم سے الحاد و زندقہ کے جرم میں، اس کی گردن ماردی گئی۔ دارالشکوہ طبعاً کریم النفس، صلح جو، فارسی، عربی اور سنسکرت کا عالم اور تصوف کا شیدائی تھا۔ اس نے ویدانت کا گہرا مطالعہ کیا تھا، شہادت کی انگلی میں جو انگوٹھی تھی اس پر ''اوم'' کندہ تھا۔ حضرت میاں میر، ملا شاہ بدخشی، سرمد اور بابا لال داس بیراگی سے خاص عقیدت تھی۔ سفینۃ الاولیا، سکینۃ الاولیا، رسالہ حق نما، مکالمہ بابا لال وشکوہ، مجمع البحرین، حسنات العارفین، سراکبر (اپنشدوں کا ترجمہ)۔ جیسی کتابیں بھی تصنیف کیں۔

شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر:

نام محی الدین، اورنگزیب لقب تھا جبکہ اس کے والد شاہجہان نے اسے عالمگیر کا خطاب دیا۔ 3 نومبر، 1618ء کو مالوہ کی سرحد پر پیدا ہوا۔ اس کی والدہ ارجمند بانو بیگم تھیں جو ممتاز محل کے نام سے مشہور تھیں۔ اورنگ زیب کی عمر دو سال کی تھی کہ شاہجہان نے اپنے باپ جہانگیر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور بیوی بچوں کو لے کر چار سال تک بنگال اور تلنگا میں پھرتا رہا۔ آخر جہانگیر کے کہنے پر اپنے بیٹوں دارالشکوہ اور اورنگ زیب کو دربار میں بھیج کر معافی مانگ لی۔ جہانگیر نے دونوں بچوں کو ملکہ نور جہاں کی نگرانی میں بھیج دیا۔ اورنگزیب کو سید محمد، میر ہاشم اور ملا صالح جیسے علماء کی شاگردی کا موقع ملا۔ مغل بادشاہوں میں اورنگزیب عالم گیر پہلا بادشاہ ہے جس نے قرآن شریف حفظ کیا اور فارسی مضمون نویسی میں نام پیدا کیا۔ اس کے علاوہ گھڑ سواری، تیر اندازی، اور فنون سپہ گری میں بھی کمال حاصل کیا۔ سترہ برس کی عمر میں 1636ء میں دکن کا صوبیدار مقرر ہوا۔ اس دوران میں اس نے کئی بغاوتوں کو فرو کیا۔ اور چند نئے علاقے فتح کیے۔ بلخ کے ازبکوں کی سرکوبی جس جوانمردی سے کی اس کی مثال تاریخ عالم میں مشکل سے ملے گی۔ شاہجہان کی بیماری کے دوران میں دارالشکوہ نے تمام انتظام حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ دارا کی اس جلد بازی سے شاہجہان کی موت کی افواہیں پھیلنے لگیں اور ملک میں ابتری پھیل گئی۔ شاہ شجاع نے بنگال میں اپنی بادشاہت قائم کرلی اور آگرہ پر فوج کشی کے ارادے سے روانہ ہوا۔ بنارس کے قریب دارا اور شجاع کی فوجوں میں جنگ ہوئی جس میں دارا کو فتح اور شجاع کو شکست ہوئی۔ اورنگزیب نے مراد سے مل کر دارا کے مقابلے کی ٹھانی۔ اجین کے قریب دنوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اورنگزیب عالمگیر کو فتح ہوئی۔ سامو گڑھ کے قریب پھر لڑائی ہوئی جس میں اورنگزیب کو دوبارہ کامیابی ہوئی۔ اورنگزیب ابوالمظفر محی الدین کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔

اورنگزیب کی تخت نشینی:

اورنگزیب کا پہلا کام بھائیوں کا استیصال تھا۔ مرزا شجاع تو لڑ بھڑ کر مفقود الخبر ہو گیا۔ دارالشکوہ اور مرزا مراد یہ دونوں قید کیے گئے اور مارے گئے۔ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی فضول رسمیں ختم کیں اور فحاشی کا انسداد کیا اور خوبصورت مقبروں کی تعمیر و آرائش ممنوع قرار دی۔ قوال، نجومی اور شاعر موقوف کر دیتے گئے۔ شراب، افیون اور بھنگ بند کر دی۔ درشن جھروکا کی رسم ختم کی اور بادشاہ کو سلام کرنے کا اسلامی طریقہ رائج کیا۔ سجدہ کرنا اور ہاتھ اٹھانا موقوف ہوا۔ سکوں پر کلمہ لکھنے کا دستور بھی ختم ہوا۔ کھانے کی جنسوں پر ہر قسم کے محصول ہٹا دیے۔ 1665ء میں آسام، کوچ بہار اور چاٹگانگ فتح کیے اور پرتگیزی اور فرنگی بحری قزاقوں کا خاتمہ کیا۔ 1666ء میں سرحد کے شاعر خوشحال خان خٹک کی شورش اور متھرا اور علیگڑھ کے نواح میں جاٹوں کی غارت گری ختم کی۔ نیز ست نامیوں کی بغاوت فرو کی۔ سکھوں کے دسویں اور

Marfat.com

آخری گرو گوبند سنگھ نے انند پور کے آس پاس بغاوت شروع کی اور مغل فوج سے شکست کھا کر فیروز پور کے قریب فیروز
مقام پر جا بیٹھے۔ جہاں بعد میں مکتسیر آباد ہوا۔ عالمگیر نے انھیں اپنے پاس دکن بلایا اور یہ ابھی راستے میں تھے کہ
عالمگیر فوت ہو گیا۔ عالمگیر نے 1666ء میں راجا جے سنگھ اور دلیر خان کو شیوا جی کے خلاف بھیجا۔ انھوں نے بہت سے
فتح کر لے۔ شیوا جی اور اس کا بیٹا آگرہ میں نظر بند ہوئے۔ شیوا جی فرار ہو کر پھر مہاراشٹر پہنچ گیا اور دوبارہ قتل و غارت گری
شروع کی۔ 1680ء میں شیوا جی مر گیا تو اس کا بیٹا سنبھاجی جانشین ہوا اور یہ بھی قتل و غارت گری میں مصروف ہوا۔ عالمگیر
خود دکن پہنچا۔ سنبھاجی گرفتار ہو کر مارا گیا اور اس کا بیٹا ساہو دہلی میں نظر بند ہوا۔ دکن کا مطالعہ کر کے عالمگیر اس نتیجے
کہ بیجاپور اور گولکنڈا کی ریاستوں سے مرہٹوں کو مدد ملتی ہے اس نے 1686ء میں بیجاپور اور 1687ء میں گولکنڈا
ریاستیں ختم کر دیں۔ اس کے بعد مرہٹوں کے تعاقب میں ہندوستان کے انتہائی جنوبی حصے بھی فتح کر لیے۔ مغلیہ سلطنت
پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ اس کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ دکن کی خود مختار ریاستیں پہلے باج گزار تھیں، عالمگیر
اُنہیں تختِ دہلی میں شامل کرنا چاہا۔ گولکنڈہ کا بادشاہ تانا شاہ اور بیجاپور کا بادشاہ سکندر عادل شاہ یہ دونوں گرفتار ہوئے
سلطنتیں دہلی میں شامل کی گئیں۔ عالمگیر احمد نگر میں بیمار ہوا اور پچاس برس سلطنت کر کے 3 مارچ، 1707ء کو نوے
کی عمر میں فوت ہوا۔ تو اُس وقت ساہو جی زندہ تھا اور ایک نیم خود مختار رئیس کی حیثیت رکھتا تھا۔ وصیت کے مطابق
خلد آباد میں دفن کیا گیا جس کا نام بعد میں اورنگ آباد رکھا گیا۔

اورنگزیب بڑا متقی، پرہیزگار، مدبر اور اعلیٰ درجے کا منتظم تھا اس نے خزانے سے ذاتی خرچ کے لیے ایک پائی
نہ لی۔ قرآن مجید لکھ کر اور ٹوپیاں سی کر گزارا کرتا تھا۔ سلجھا ہوا ادیب تھا۔ اُس کے خطوط رقعات عالمگیر کے نام سے
ہوئے۔ اس کے حکم پر نظام سلطنت چلانے کیلئے ایک مجموعہ فتاویٰ تصنیف کیا گیا جسے تاریخ میں فتاویٰ عالمگیری کہا گیا۔ فتاویٰ
عالمگیری فقہ اسلامی میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ بعض علما نے سلطان اورنگزیب کو اپنے دور کا مجدد بھی قرار دیا۔ پانچ
اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں۔ مشہور شاعرہ زیب النساء مخفی اس کی دختر تھیں۔ بیٹا محمد معظم باپ کی سلطنت کا وارث ہوا۔

شہنشاہ معظم شاہ/بہادر شاہ اوّل:

عالمگیر کا بڑا بیٹا معظم شاہ اپنے باپ کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اپنے باپ کی طرح اس نے بھی اپنے دو بھائیوں اعظم
اور کام بخش کے قتل کے بعد بہادر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ یہ بادشاہ نیک نیت اور رحم دل تھا اور اس کے بھائی حالت جنگ
میں زخمی ہوئے اور مرے۔

سکھ مت کا عروج:

معظم شاہ کے عہد میں سکھوں کا بڑا زور ہوا اس لیے کچھ مختصر حال سکھوں کا بھی لکھا جاتا ہے۔ بابر کے عہد میں
داس کے چیلے گورو نانک نے ایک ایسا مذہب ایجاد کیا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں یکساں سمجھے جائیں۔ عرصہ تک
فرقہ مرنج مرنجان رہا۔ ایک گورو کے بعد دوسرا گورو تلقین مذہب کے لئے گدی پر بیٹھتا تھا۔ اکبر کے مرنے کے بعد
کے اندر ہی اندر سکھوں کا ایک گروہ کسی طور سے شاہی فوج کے ہاتھ سے مارا گیا جس کے بعد سکھوں کو ہتھیار رکھنے
ضرورت پیدا ہوئی اور وہ مذہبی جوگیوں سے سپاہیوں کی صورت میں بدلنے لگے۔ 1675ء میں سکھوں کے دسویں
گوبند نے مختلف فرقوں کو سکھا شاہی میں شامل کر کے ایک چھوٹی سی فوج ترتیب دی۔ عالم گیر کی وفات پر سکھوں کی حالت
باغی گروہ کے قریب قریب تھی۔ مسلمانوں کو ان سے بے انتہا اذیتیں پہنچنے لگیں۔ جب سکھوں نے تلوار سنبھالی تو پھر بے

Marfat.com

گئے اور مسلمانوں کا قتل عین ثواب سمجھنے لگے۔

بہادر شاہ اوّل کو گورو گوبندا کے مقابلے میں خود جانا پڑا۔ سکھ لوگ پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور موقع پا کر نکل آتے تھے اس لیے مسلمانوں کو ان کے تعاقب میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ بالآخر سکھ مغلوب ہوئے اور بندہ سوامی مفرور ہو گیا۔ ان کی جڑ کٹنے نہ پائی تھی کہ بادشاہ نے فروری 1712ء میں دنیا کو خیر باد کہا۔

شہنشاہ جہاندار شاہ:

بہادر شاہ اوّل کے مرنے پر اس کا بیٹا جہان دار تخت نشین ہوا۔ یہ عیاش اور نالائق بادشاہ تھا اور چند ماہ کی حکومت کے بعد قتل ہوا۔

شہنشاہ فرخ سیر:

شہنشاہ جہاندار کے بھتیجے فرخ سیر نے بنگال سے آ کر جہاندار شاہ کو اور اس کے وزیر ذوالفقار خان کو قتل کیا اور خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ باریہ کے سادات نے اس کی بڑی مدد کی تھی۔ اس لیے سید عبداللہ خان قطب الملک وزیر مقرر ہوا اور اس کا بھائی سید حسین علی خان امام الملک امیر الامرا مقرر ہوا۔ لیکن جب سیدوں کے اختیارات بڑھے تو بادشاہ کو رشک ہوا۔ اسی عہد میں ایک انگریزی ڈاکٹر نے بادشاہ کا علاج کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے بنگال میں 38 گاؤں کی زمینداری خریدنے کی پروانگی حاصل کی اور یہ حکم حاصل کیا کہ کلکتہ کے پریزیڈنٹ کے دستخط سے جو مال روانہ ہو اُس کے محصول کے لئے تلاشی نہ لی جایا کرے۔

سلطنت کی کمزوری دیکھ کر بندہ پھر نمودار ہوا اور پہلے سے زیادہ برے طور پر مسلمانوں سے پیش آیا۔ فرخ سیر کی سلطنت کمزور ہو چلی تھی لیکن پھر بھی بندہ کے لئے بہت تھی۔ بندہ مع اپنے ساتھیوں کے گرفتار کیا گیا اور دہلی لایا گیا اور ایسی سزا سخت اُس کو دی گئی کہ عرصہ تک سکھوں کو سر اُٹھانے کی طاقت نہیں ہوئی۔ بالآخر فرخ سیر بھی سیدوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

رفیع الدرجات / رفیع الدولہ:

رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کو یکے بعد دیگرے سیدوں نے تخت پر بٹھایا۔ لیکن سال کے اندر ہی دونوں مر گئے۔ سیدوں کو بادشاہ گر کا لقب ملا اور اورنگ زیب کی قائم کی ہوئی بادشاہت کا ڈھانچہ ہر طرف سے ڈھیلا ہو گیا۔

شہنشاہ محمد شاہ:

سیدوں نے محمد شاہ کو منتخب کیا۔ بے حد مشکل سے محمد شاہ کی ماں بیٹے کی بادشاہی پر راضی ہوئی۔ وہ ڈرتی تھی کہ اس طوفان بے تمیزی میں اس کے بیٹے کی جان پر نہ بن جائے۔ محمد شاہ بہادر شاہ اوّل کا پوتا تھا۔

آصف جاہ:

چین قلیج خان عرف آصف جاہ ایک معزز ترکی سردار اور بڑا خاندانی شخص تھا۔ یہ اُس غازی الدین کا بیٹا تھا جو اورنگ زیب کے سرداروں میں گنتی کا سردار تھا۔ آصف جاہ جہاندار شاہ کے وقت سے بددل ہو رہا تھا۔ روز بروز سیدوں کی بے جا قوت کے بڑھنے سے یہ 1720ء میں سیدوں سے منحرف ہو گیا اور دکن میں اپنی خود مختار حکومت کا نقشہ جمایا۔ اسی سال سید عبداللہ خان بادشاہ سے منحرف ہو کر آمادۂ جنگ ہوا۔ لڑائی میں گرفتار ہوا اور سیدوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ محمد شاہ

Marfat.com

کو اس اعتبار سے 1730ء سے خود مختار بادشاہ کہنا چاہیے۔ 1722ء میں آصف جاہ دکن سے بلایا گیا اور وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ لیکن بادشاہ کو عیش و عشرت کا شیدا اور اپنی معشوقہ کے اختیار میں دیکھ کر آصف جاہ بہت متنفر ہوا اور بادشاہ کو بھی سے علیحدہ ہونے کی فکر ہوئی۔ 1724ء میں خود مختار ریاست دکن میں قائم کر کے حیدر آباد کو دارالریاست قائم کیا اور بادشاہ کو نذرین بھیج کر برائے نام اپنا ولی نعمت تسلیم کرتا رہا۔

نادر شاہ درانی:

سعادت خان خراسان کا ایک سوداگر فن سپہ گری سے واقف اودھ کا حاکم ہو کر محمد شاہ کی کمزوریوں سے خود مختار بن گیا۔ مرہٹوں نے بہت قوت پکڑی۔ مرہٹوں کے دبانے کے لئے آصف جاہ اور سعادت خان محمد شاہ کے رفیق لیکن کچھ فائدہ نہ نکلا۔ اسی اثناء میں ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے 1739ء میں حملہ کر کے دہلی میں قتل عام کیا اور پھر محمد کو شاہی گدی پر بدستور چھوڑ کر واپس گیا۔ محمد شاہ نام کو شہنشاہ ہند رہ گیا تھا۔ آصف جاہ اور سعادت خان آپس میں مخالف تھے۔ لیکن نادر شاہ کے مقابلے کے لئے یہ دونوں محمد شاہ کے شریک ہوئے تھے۔ نادر شاہ نے جو دہلی میں خونریزی زیادہ تر دہلی والوں کی شرارت کی پاداش تھی۔ لیکن خاندان تیموریہ کے جواہرات اور زر نقد (جس میں تخت طاؤس شامل تھا) وہ لے گیا۔ مغل شہنشاہ شاہجہان نے تخت نشینی کے بعد اپنے لیے ایک نہایت قیمتی تخت تیار کرایا جو" طاؤس" کہلاتا تھا۔ اس تخت کا طول تیرہ گز عرض ڈھائی گز اور بلندی پانچ گز تھی۔ یہ چھ پایوں پر قائم تھا۔ جو خالص کے بنے ہوئے تھے۔ تخت تک پہنچنے کے لیے تین چھوٹے چھوٹے زینے بنائے گئے تھے۔ جن میں دور دراز ملکوں کے جواہر جڑے تھے۔ دونوں بازوؤں پر دو خوبصورت مور چونچ میں موتیوں کی لڑی لیے پروں کو کھولے سایہ کرتے نظر آتے تھے۔ اور دونوں کے سینوں پر سرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ پشت کی تختی پر قیمتی ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ جن کی مالیت لاکھوں روپے تھی۔ تخت کی تیاری پر ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ جب نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کیا تو دہلی کی دولت سمیٹنے کے علاوہ تخت طاؤس بھی اپنے ساتھ ایران لے گیا۔ نادر شاہ کی لوٹ مار سے بادشاہ ہند مفلس ہو گیا۔ اراکین دولت بھی فقیر ہو گئے۔ نادر شاہ لوٹتے وقت محمد شاہ کو اٹک سے پورب جتنا ملک تھا اس کا بادشاہ بنا تا گیا۔ نادر شاہ زندہ رہتا تو محمد شاہ کو تقویت ہوتی لیکن نادر شاہ کے مرجانے سے بادشاہ کی دقتیں بڑھ گئیں۔ مرہٹے تو تھے ہی۔ دہلی کے شمال دامن کوہ میں روہیلے پٹھانوں نے سرتابی کی جس کے لئے بادشاہ کو خود جانا پڑا۔ ان روہیلوں نے خود مختاری اختیار کر لی۔ ان کے نام سے وہ سرزمین اب تک روہیل کھنڈ بولی جاتی ہے۔ اسی اثناء میں احمد شاہ ابدالی نے اپنے پایہ تخت قندھار سے فتح ہندوستان کے لئے چڑھائی کی۔ سرہند تک وہ پہنچا تھا کہ محمد شاہ نے انتقال کیا۔

شہنشاہ احمد شاہ:

احمد شاہ بن محمد شاہ نے بہ حالت شہزادگی کسی حکمت سے احمد شاہ ابدالی کو ٹالا تھا کہ اس کا باپ محمد شاہ مرا اور یہ تخت شاہی پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں روہیلوں نے سر اٹھایا اور مغلوب ہوئے۔ خود اراکین دولت کی نااتفاقی سے یہ مرہٹوں کے ہاتھ گرفتار ہوا اور اُس کی آنکھیں نکالی گئیں۔

شہنشاہ عزیز الدین عالمگیر:

احمد شاہ کے بعد جہاندار شاہ کا بیٹا عزیز الدین، عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ عمادالملک غازی الدین

خان جس نے شہنشاہ احمد شاہ کو اندھا کر کے عالمگیر کو تخت پر بٹھایا تھا، اس کا وزیر مقرر ہوا۔ اس کے عہد میں احمد شاہ ابدالی دوسری مرتبہ دہلی میں آیا اور نجیب الدولہ روہیلہ کو وزیر سلطنت بنا کر چلا گیا۔ عماد الملک نے امرأ اور مرہٹوں کی مدد سے دہلی پر حملہ کیا۔ نجیب الدولہ نے پھر احمد شاہ ابدالی کو تیسری مرتبہ بلایا۔ عماد الملک نے یہ کیفیت دیکھ کر عالم گیر ثانی کو قتل کر ڈالا۔

شہنشاہ شاہجہاں ثانی:

شہنشاہ اورنگ زیب کے پوتے شاہ جہاں ثانی کو تخت پر بٹھا کر بھرت پور چلا گیا۔ مرہٹے مقابلے میں آئے۔ احمد شاہ ابدالی کی مدد نجیب الدولہ اور نواب شجاع الدولہ نے کی۔ احمد شاہ فائز المرام واپس گیا اور شاہ جہاں کو تخت پر چھوڑ تا گیا۔ اس کے بعد مرہٹے پھر دہلی میں آئے اور شاہ جہاں کو معزول کر کے جوان بخت کو تخت پر بٹھایا۔ احمد شاہ ابدالی پھر چوتھی مرتبہ ہندوستان میں آیا اور پانی پت کے میدان میں فیصلہ کن جنگ لڑی گئی اور بے انتہا مرہٹے مارے گئے اور ہمیشہ کے لئے مرہٹوں کا زور جاتا رہا۔ شاہجہاں ثانی کو دوبارہ تخت نشین کر دیا گیا۔

شہنشاہ محمد شاہ عالم عالی گوہر:

عالمگیر ثانی کے بعد اس کا بیٹا شاہ عالم بادشاہ ہوا۔ مرہٹوں کے زور کا خاتمہ ہوا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا زور شروع ہوا۔ قاسم علی خان اور شجاع الدولہ نے شکست کھائی۔ 1178ء میں انگریزوں سے شاہ عالم نے صلح کی۔ دہلی میں پھر روہیلوں کا زور ہو گیا۔ غلام قادر روہیلہ نے بادشاہ کی آنکھیں نکال دیں۔ مرہٹوں نے آکر بادشاہ کی اعانت کی لیکن اپنا سکہ جمایا۔ انگریزوں نے مرہٹوں کو نکال کر اپنا قبضہ کیا اور اس طرح مغلوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی بادشاہی ہندوستان میں قائم ہوئی۔

شہنشاہ اکبر شاہ ثانی:

شہنشاہ شاہ عالم کے بعد اس کا بیٹا محمد، اکبر شاہ ثانی کے لقب سے دہلی کے لال قلعہ میں تخت نشین ہوا۔ دہلی اور چند دیہات کے علاوہ کوئی شے بادشاہ کے قبضہ میں نہ تھی۔ باپ کی طرح یہ بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کا وظیفہ خوار تھا۔ اس بادشاہ کے عہد میں مولوی عبدالعزیز کا انتقال ہوا۔ سید احمد بریلوی اور مولوی محمد اسمٰعیل سکھوں کے مقابلہ میں شہید ہوئے۔ ان دونوں نے شمال و مغرب میں بڑا نام پیدا کیا۔

شہنشاہ بہادر شاہ ظفر:

اکبر بادشاہ کے بعد بہادر شاہ ثانی تخت نشین ہوا۔ باپ کی طرح یہ بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کا وظیفہ خوار تھا اور لال قلعہ کا حاکم تھا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد اسے جلاوطن کر کے رنگون بھیجا گیا اور سلطنت مغلیہ کا نام مٹ گیا۔ ہندوستان کی سلطنت ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے برطانیہ کی طرف منتقل ہوئی۔

❀❀❀❀

Marfat.com

نظام حیدر آباد

مغل شہنشاہ محمد شاہ کی شہنشاہی یا دوسرے لفظوں میں دہلی کی بادشاہی کے زائل ہونے پر جو ریاستیں ہندوستان میں قائم ہوئیں ان میں نظام حیدر آباد کی ریاست کو اوّل درجہ کی سمجھنا چاہیے اور کل بلادِ اسلام میں سلاطین ترکی، شاہان ایران، خدیو مصر، امیر کابل اور شاہ مراکو کے بعد نظام حیدر آباد کا درجہ سمجھا جاتا ہے۔ محمد شاہ کے تذکرے میں آصف جاہ نظام الملک کا تذکرہ آچکا ہے۔ وہی اس خاندان کا بانی ہوا۔ جب تک شاہانِ دہلی کی کچھ حالت باقی رہی، یہ لوگ تخت دہلی کے معین یا بہی خواہ رہے۔ جب سلطنت دہلی بالکل ہی مٹ گئی تو یہ لوگ خود مختار سلطان ہو گئے۔ دہلی کی مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد مسلمانوں کی جو خود مختار ریاستیں برصغیر میں قائم ہوئیں ان میں سب سے بڑی اور پائیدار حیدر آباد دکن کی مملکت آصفیہ تھی۔ اس مملکت کے بانی نظام الملک آصف جاہ تھے اور اسی نام کی نسبت سے اس کو مملکت آصفیہ یا آصف جاہی مملکت کہا جاتا ہے۔ آصف جاہی مملکت کے حکمرانوں نے بادشاہت کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ وہ خود کو نظام کہلاتے تھے اور وہ جب تک آزاد رہے مغل بادشاہ کی بالادستی تسلیم کرتے رہے اور اسی کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری رکھا اور مسند نشینی کے وقت اس سے فرمان حاصل کرتے تھے۔ اس لحاظ سے دکن کی مملکت آصفیہ دراصل مغلیہ سلطنت ہی تھی جو دہلی کے زوال کے بعد دکن میں منتقل ہو گئی تھی۔ اس کے دور میں مغلیہ نظام حکومت نے اور مغلیہ سلطنت کے تحت پرورش پانے والی تہذیب نے دکن میں رواج پایا۔ مرہٹوں سے قرب و جوار کے راجاؤں سے، فرانسیسیوں اور انگریزوں سے ان کا مقابلہ رہا۔ اس خاندان کے بادشاہ عموماً نیک نام اور ہر دلعزیز رہے۔

نظام الملک آصف جاہ:

(1724ء تا 1748ء)

نظام الملک کا اصل نام میر قمر الدین تھا اور یہ نام خود شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے رکھا تھا۔ نظام الملک کے آباؤ اجداد کا تعلق ترکستان سے تھا۔ انہوں نے عالمگیر کی زیر نگرانی تربیت پائی تھی اور اپنی عادات واطوار میں اور اپنی صلاحیتوں میں اس سے بہت ملتے جلتے تھے۔ نظام الملک میں وہ تمام صلاحیتیں تھیں جو سلطنت مغلیہ کے زوال کو روک سکتی تھیں اور اگر ان کو موقع ملتا تو نظام الملک برصغیر میں وہی کردار ادا کر سکتے تھے جو سلطنت عثمانیہ میں سلیمان اعظم کے بعد وزیر اعظم محمد صقلی اور محمد کوپریلی اور احمد کوپریلی نے ادا کیا۔ ان کو جب محمد شاہ کے دور میں 1722ء میں ہندوستان کا وزیر اعظم بنایا گیا تو انہوں نے زوال سلطنت کو روکنے کے لیے ضروری اصلاحات کرنا چاہیں اور جب بادشاہ اور ان کے نااہل مصاحبین نے ان اصلاحات کی راہ میں رکاوٹیں ڈالیں تو نظام الملک بددل ہو کر دکن چلے گئے جہاں کے چھ صوبوں کا ان کو صوبیدار بنا دیا گیا تھا۔ یہاں انہوں نے ایک خود مختار حکمران کی حیثیت سے حکومت کی، مگر وہ مغل بادشاہ کا اتنا لحاظ کرتے تھے کہ ایک حکم پر دہلی پہنچ جاتے تھے، چنانچہ نادر شاہ کے حملے کے موقع پر انہوں نے دہلی جا کر مغل بادشاہ کے حقوق کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ نظام الملک نے جو وسیع ریاست قائم کی وہ دریائے نربدا سے راس کماری تک پھیلی ہوئی اور

مہاراشٹر کے مغربی اور شمال مشرقی حصوں اور موجودہ کیرالا کے علاوہ یہ سارا علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔ حیدرآباد، اورنگ آباد، احمد نگر، بیجاپور، ترچنا پلی، تنجور اور مدورا مملکت آصف جاہی کے مشہور شہر تھے۔ مملکت کا رقبہ تین لاکھ مربع میل سے کم نہ تھا۔ نظام الملک نے مغلیہ سلطنت کے بہت بڑے حصے کو مرہٹوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ کر دیا تھا اور ایک ایسے وقت میں جبکہ پورے برصغیر میں انتشار پھیلا ہوا تھا انہوں نے دکن میں امن و امان کی فضا قائم کی۔ نظام الملک ایک دیانتدار، دیندار اور صاحب کردار حکمران تھے۔ ان کی انتظامی صلاحیت اور تدبر کا مورخین نے کھل کر اعتراف کیا ہے۔ دکن میں نظام آباد کا شہر انہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ ان کی علمی اور ادبی سرپرستی کی وجہ سے دارالحکومت حیدرآباد علم و ادب کا مرکز بن گیا۔ برصغیر کی اسلامی تاریخ میں اورنگ زیب کے بعد ہم جن تین حکمرانوں کو عظیم کہہ سکتے ہیں ان میں ایک نظام الملک ہیں اور باقی دو حیدر علی اور ٹیپو سلطان۔

میر احمد نظام الدولہ ناصر جنگ:

نظام الملک آصف جاہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹوں ناصر جنگ اور مظفر جنگ کی باہمی خانہ جنگی سے مملکت آصفیہ کو بڑا نقصان پہنچا۔ انہوں نے اقتدار حاصل کرنے کے لیے انگریزوں اور فرانسیسیوں کا تعاون حاصل کیا اور اسی طرح انہوں نے پہلی مرتبہ یورپی قوموں کو برصغیر کی سیاست میں مداخلت کرنے کا موقع فراہم کیا اور انگریزی اقتدار کے لیے راستہ ہموار کیا۔ اس خانہ جنگی سے دوسرا نقصان یہ ہوا کہ شمالی سرکار، کرناٹک اور جنوب کے کئی علاقے جن میں میسور بھی شامل تھا، نظام کے اقتدار سے باہر نکل گئے اور ریاست کے مشرقی اور شمالی حصوں پر مرہٹے قابض ہو گئے۔ اس طرح نظام الملک کے انتقال کے بعد 15 سال کے اندر ہی ریاست کی حدود نصف رہ گئیں۔

نظام علی خاں:

بعد کے حکمرانوں میں نظام علی خاں (1762ء تا 1803ء) کا 40 سالہ طویل دور اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس نے باقی ماندہ ریاست کو استحکام بخشا لیکن حیدر علی اور ٹیپو سلطان سے نظام علی خاں کی لڑائیاں برصغیر میں اسلامی اقتدار کے لیے تباہ کن ثابت ہوئیں۔ حیدر علی ٹیپو سلطان نے نظام علی خاں کے ساتھ متحدہ محاذ بنا کر انگریزوں کو نکالنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا اگر نظام علی خاں اس میں تعاون کرتا تو شاید آج برصغیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔ لیکن ٹیپو سلطان سے تعاون کرنے کے بجائے نظام علی خان نے 1798ء میں انگریزوں کی فوجی امداد کے نظام کو قبول کر کے انگریزوں کی بالادستی قبول کر لی اور اس طرح حیدرآباد کی آصف جاہی مملکت اپنے قیام کے 74 سال بعد انگریزوں کی ماتحت ریاست بن گئی۔ یہ وہی نظام تھا جس کو قبول کرنے سے ٹیپو سلطان نے انکار کر دیا تھا اور اس کے نتیجے میں انگریزوں کے حملے کا مردانہ وار مقابلہ کر کے جان دے دی۔ نظام علی خان کی مصلحت آمیز پالیسی نے اس کی جان بھی بچالی اور ریاست کو بھی محفوظ کر لیا۔ 1799ء میں ٹیپو سلطان کی شہادت کے ساتھ انگریزوں کا سب سے طاقتور حریف ختم ہو گیا اور نظام علی خاں ان کے مقابلے میں بے بس ہو گیا۔ اس کی رہی سہی آزادی 1800ء میں ختم کر دی گئی۔ اب حیدرآباد برطانوی ہند کی ایک محکوم ریاست بن گئی۔

نواب میر عثمان علی خان:

پیدائش: 1886ء وفات: 1956ء

والی حیدرآباد دکن نواب میر عثمان علی خان، آصف جاہ سابع کے لقب سے 1912ء میں تخت نشین ہوئے۔ جنگ

Marfat.com

عظیم اول میں انگریزی سلطنت کی بیش بہا خدمات کی بنا پر گورنمنٹ سے ہز اگز الٹڈ ہائی نس کا خطاب ملا۔ ان کی سب سے بڑی یادگار عثمانیہ یونیورسٹی ہے۔ جس میں ایم اے تک ذریعہ تعلیم اردو میں تھا۔ انجمن ترقی اردو نے آپ کے مراحم خسروانہ سے بے حد ترقی کی اور بے شمار کتب شائع ہوئیں۔ علما، مشائخ، مساجد و مدارس اور ہر مذہب کے عبادت خانوں کو آپ کے دربار سے معقول امداد ملتی تھی۔ آپ کے عہد میں شہر حیدر آباد کی از سر نو تعمیر ہوئی۔ برطانوی ہند کی محکوم ریاست کی حیثیت سے حیدر آباد کا وجود تقریباً ڈیڑھ سو سال اور قائم رہا۔ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے حیدر آباد برطانوی ہند کی سب سے بڑی ریاست تھی۔ اگست 1947ء میں جب برصغیر سے برطانیہ کی بالا دستی ختم ہوئی تو ریاست کے آخری نواب میر عثمان علی خان نے معاہدے کے مطابق حیدر آباد کو ایک آزاد ریاست قرار دیا لیکن ہندوستان کی حکومت نے اس کی آزاد حیثیت کو تسلیم نہیں کیا اور ستمبر 1948ء میں فوجی کاروائی کر کے حیدر آباد کو ہندوستان میں ضم کر لیا۔ عثمان علی خان کو دیش پر کھ کے نام سے چند سال ریاست کا سربراہ رہنے دیا گیا۔ اس کے بعد ریاست کو لسانی بنیادوں پر تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور یہ حصے آندھرا پردیش، مہاراشٹر اور میسور کے متصلہ صوبوں میں ضم کر دیے گئے۔ اس طرح حیدر آباد کی اس تاریخی ریاست کا 232 سال بعد خاتمہ ہو گیا۔ میر عثمان علی خان کا انتقال 1956ء میں ہوا۔

مملکت آصفیہ کا اجمالی جائزہ:

حیدر آباد چونکہ ایک دولت مند ریاست تھی اور اس کے حکمران علم دوست تھے اس لیے مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد برصغیر میں علم و ادب کی سب سے زیادہ سرپرستی ریاست حیدر آباد میں کی گئی۔ نادر شاہ کے حملے سے دہلی کی تباہی کے بعد حیدر آباد وہ واحد شہر تھا جہاں سب سے زیادہ امن و سکون تھا اور جہاں کے حکمراں علم و ادب کے سب کے سب سے بڑے سرپرست تھے۔ چنانچہ برصغیر کے ہر حصے سے اہل علم اور اہل کمال مسلمان کھنچ کھنچ کر حیدر آباد پہنچ گئے۔ اٹھارہویں صدی کے ممتاز مصنفین میں جن کا حیدر آباد سے تعلق رہا۔ شاہ نواز خاں (1700ء تا 1758ء) اور غلام علی آزاد (1704ء اور 1785ء) کے نام بہت نمایاں ہیں۔ شاہ نواز خاں ریاست کے ایک ممتاز عہدیدار تھے اور کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں سب سے اہم ماثر الامراء ہے۔ یہ دہلی کی مغلیہ سلطنت کے امراء اور عہدیداروں کا سب سے بڑا تذکرہ ہے۔ اس میں تقریباً تمام امیروں کے حالات ملتے ہیں۔ غلام علی آزاد بھی اپنے دور کے بہت بڑے سوانح نگار تھے۔ وہ سرو آزاد، ماثر الکرام، خزانہ عامرہ اور سبحہ المرجان نامی کتابوں کے مصنف تھے جو آج بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان میں ادیبوں، شاعروں اور اولیاء اللہ کے حالات ہیں۔ اس دور کے جنوبی ہند کے علماء میں مولانا بحر العلوم (متوفی 1819ء) کا نام بھی بہت نمایاں ہے۔ ان کا تعلق کرناٹک سے تھا جو شروع میں ریاست حیدر آباد کا ایک صوبہ تھا۔ وہاں کے نواب محمد علی خاں ان کے سب سے بڑے سرپرست تھے۔ بحر العلوم کا خطاب بھی نواب محمد علی نے دیا تھا۔ وہ اس زمانے میں دینی علوم کے سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔ بعد کے دور میں جب حیدر آباد میں برطانوی بالادستی قائم ہو گئی، جن علماء اور ادیبوں نے حیدر آباد سے وابستہ ہو کر علمی کام کیے ان میں شبلی نعمانی، مولوی چراغ علی، سید علی بلگرامی، ڈپٹی نذیر احمد، عبدالحلیم شرر، مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا ظفر علی خاں کے نام قابل ذکر ہیں۔ شاعروں کی کثیر تعداد اس کے علاوہ ہے۔ ریاست حیدر آباد کا ایک اور بڑا کارنامہ جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے۔ 1856ء میں دارالعلوم کی حیثیت سے اس کا آغاز ہوا تھا، 1918ء میں اس کو جدید طرز کی جامعہ کی حیثیت دے دی گئی۔ جامعہ عثمانیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پہلی جامعہ تھی جس نے اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا۔ مسلمانوں کے لیے اسلامی تعلیم اور ہندوؤں کے لیے اخلاقی تعلیم لازمی تھی۔ جامعہ عثمانیہ

Marfat.com

کے تحت ایک شعبہ تالیف وترجمہ قائم کیا گیا تھا جس میں عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی کے ہر علم وفن پر کئی سو کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا اور اس طرح نہ صرف جامعہ کی درسی ضروریات کو پورا کیا گیا بلکہ اردو کے علمی ذخیرے میں قیمتی اضافہ کیا گیا۔ شعبہ تالیف وترجمہ نے جن علمی اور فنی اصطلاحات کا اردو میں ترجمہ کیا ان کی تعداد 5 لاکھ ہے۔ حیدرآباد میں دائرہ المعارف کے نام سے ایک اور علمی ادارہ قائم تھا جس کا کام عربی کی نایاب قلمی کتابوں کو جمع کرنا اور ان کی تصحیح کر کے ان کو شائع کرنا تھا۔ اس طرح ادارے نے تقریباً پانچ سو کتابیں شائع کیں۔ ان کتابوں کی وجہ سے حیدرآباد کا نام پوری اسلامی دنیا اور خاص طور پر عرب ممالک میں سرپرست علوم کی حیثیت سے عام ہو گیا۔ حیدرآباد کا کتب خانہ آصفیہ برصغیر کے سب سے بڑے کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔ خاص طور پر عربی اور فارسی کتابوں کے قلمی نسخوں کے لحاظ سے یہ اب بھی برصغیر کا سب سے بڑا کتب خانہ ہے۔ اس میں قلمی نسخوں کی تعداد 50 ہزار سے زیادہ ہے۔ مخطوطات کی اتنی بڑی تعداد استنبول کے کتب خانہ سلیمانیہ کے علاوہ شاید دنیا کے کسی اور کتب خانے میں موجود نہیں۔ مختصر یہ کہ بیسویں صدی کے نصف اول میں برصغیر میں اسلامی علوم اور ادب کا سب سے بڑا مرکز حیدرآباد تھا۔ حیدرآباد کی علمی سرپرستی صرف ریاست تک محدود نہیں تھی، برصغیر کے تقریباً تمام تعلیمی، علمی، مذہبی اور معاشرتی اداروں کو بھی ریاست کی طرف سے امداد ملتی تھی۔ دارالعلوم دیوبند، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کو باقاعدہ مالی امداد ملتی تھی۔ علاوہ ازیں بے شمار صاحب کمال اور اہل علم ایسے تھے جن کے ریاست کی طرف سے وظیفے مقرر تھے۔ امداد کا یہ سلسلہ اسلامی ممالک تک پھیلا ہوا تھا اور اس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل تھے۔

سلاطین آصفیہ (حیدرآباد) 1724ء تا 1956ء

نظام الملک آصف جاہ اول فتح جنگ (1133ھ)	1724ء تا 1748ء
غازی الدین خان فیروز جنگ / میر احمد نظام الدولہ ناصر جنگ	1748ء تا 1750ء
مظفر جنگ ابن نظام الملک	1750ء
میر محمد امیر الملک صلابت جنگ ابن نظام الملک	1750ء تا 1762ء
میر نظام علی آصف جاہ ثانی	1762ء تا 1803ء
میر اکبر علی خان سکندر جاہ	1803ء تا 1829ء
ناصر الدولہ میر فرخندہ علی خان آصف جاہ	1829ء تا 1857ء
میر تہنیت علی خان افضل الدولہ	1857ء تا 1869ء
محبوب علی خاں ابن افضل الدولہ	1869ء تا 1911ء
عثمان علی خاں ابن محبوب علی خاں	1911ء تا 1956ء

نوابانِ ریاست بھوپال:

وسط ہند میں ایک ریاست بھوپال ہے۔ حیدرآباد کے بعد وسعت اراضی کے اعتبار سے اسی کا درجہ ہے۔ فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں جب دہلی کی سلطنت ضعیف ہوئی تو دوست محمد خان مرازی نے اس حصے کو ریاست میں داخل کر لیا۔ تب سے یار محمد خان، فیض محمد خان، حیات محمد خان، غوث محمد خان، وزیر محمد خان، نظر محمد خان، فوج دار محمد خان، قدسیہ بیگم، جہانگیر

Marfat.com

محمد خان، نواب سکندر بیگم اور نواب شاہ جہاں بیگم خلد اللہ ملکہ یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے۔ نواب صدیق حسن خان مرحوم نواب شاہ جہاں بیگم کے شوہر تھے جو کہ بڑے دیندار اور متشرع تھے۔ بہت سی مذہبی کتابیں مرحوم نے تالیف اور ترجمہ کیں۔ بھوپال میں ان کی بدولت جو مذہبی رونق قائم ہوئی تھی عرصہ تک اُس کا اثر باقی رہا۔

نوابانِ ریاست بہاولپور:

حضرت عباسؓ کے خاندان کے لوگ شکارپور میں تھے۔ درانی کے ظلم سے تنگ آکر یہ لوگ خوب دل کھول کر لڑے اور پھر بہاولپور میں آکر 1737ء میں خود مختارانہ طور پر آباد ہوئے۔ 1827ء تک یہ لوگ الگ الگ حکمران تھے۔ اور 1827ء میں سب رئیسوں نے مل کر بہاول خان ثالث کو اپنا سلطان قرار دیا۔ اُس وقت ریاست کے حدود اراضی بہت بڑھ گئے تھے۔ راجہ رنجیت سنگھ سے تنگ آکر بہاول خان نے انگلش گورنمنٹ سے مدد چاہی۔ بہاول خان ثالث کے بعد فتح خان، بہاول خان چہارم اور نواب صادق خان یکے بعد دیگرے حکمران رہے۔ یہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی اور چھبیس لاکھ سے کچھ زیادہ کی تحصیل تھی۔

ریاست مالیر کوٹلا:

ایک چھوٹی سی ریاست مالیر کوٹلا پنجاب میں تھی جو دو لاکھ کی تحصیل پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ خود کو شیخ احمد زندہ پیر کی نسل سے منسوب کرتے تھے۔ بہلول لودھی سے پہلے یہ لوگ مخدوم زادوں کی طرح پیشوائے مذہب کی حیثیت رکھتے تھے۔ بہلول لودھی نے انہیں جاگیر دے کر سیاسی معاملات سے دلچسپی پیدا کرائی پھر سلاطین مغل کے زمانہ میں یہ لوگ کچھ اور بااختیار ہوئے۔ 1810ء میں انگلش گورنمنٹ کی حمایت میں وزیر خان مسند نشین ہوا۔

ریاست ٹونک:

صاحب زادہ امیر خان قوم پٹھان نے اپنے زور بازو سے اسی صدی میں ریاست ٹونک کی بنیاد ڈالی۔ نواب امیر خان، نواب وزیر محمد خان عرف وزیر الدولہ، نواب محمد علی خان اور نواب محمد ابراہیم خان پانچ نواب مسند نشین ہوئے۔ یہ لوگ دینداری میں مشہور تھے۔ مذہبی حرارت کی وجہ سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا جس پر نواب محمد علی خان کو انگریزوں نے بنارس میں لا کر رکھا اور محمد ابراہیم خان کو گدی نشین کیا۔

ریاست رامپور:

روہیلے پٹھانوں کا زور شہنشاہ محمد شاہ اور اُس کے مابعد کے سلاطین کے تذکرے میں لکھا گیا ہے۔ مرادآباد، بدایوں اور بریلی میں ان لوگوں کی حکومت تھی۔ آخر غلام محمد خان غاصب ریاست پر آصف الدولہ لکھنو کا نواب انگریزوں کو چڑھا لایا اور نواب غلام محمد خان مارا گیا۔ محمد علی خان متوفی سابق رئیس کا بیٹا احمد علی خان گدی پر بیٹھا۔ احمد علی خان کے مرنے پر محمد سعید خان بن نواب غلام محمد خان گدی نشین ہوا اور نواب محمد سعید خان کے بعد نواب محمد یوسف علی خان گدی نشین ہوا۔ اس نے جنگ آزادی 1857ء میں انگریزوں کے ساتھ خیر خواہی کر کے بہت کچھ رسوخ پیدا کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نواب کلب علی خان مسند نشین ہوا۔ وہ بڑا مدبر رئیس تھا اور ہر قسم کے اہل فن ان کے دربار میں جمع رہتے تھے۔ 1306ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نواب مشتاق علی خان مسند نشین ہوا اور پھر اُس کے بعد بیٹا نواب حامد علی خان نواب

Marfat.com

ست ہوا۔ دہلی اور لکھنو کے درمیان میں بس یہی ایک رئیس تھا جو علوم انگریزی سے بھی واقف تھا اور اس نے یورپ کی سیر کی تھی۔ اس کے عہد میں منشی امیر احمد مینائی نے بڑے اہتمام سے اُردو لغت جمع کی تھی۔

ریاست ممدوٹ:

پنجاب میں ایک چھوٹی ریاست ممدوٹ کی تھی۔ والئی ریاست قوم کا افغان تھا۔ نظام الدین خان بانی ریاست سنگھ کا ہم عصر اور اُس کا ماتحت تھا۔ بعد میں یہ ریاست انگلش گورنمنٹ کی نگرانی میں آ گئی۔ نظام الدین خان، قطب الدین خان، فتح الدین خان، جمال الدین خان، قطب الدین خان اور نظام الدین خان والیانِ ریاست کے نام ہیں۔

ریاست مرشد آباد:

بنگال میں اورنگ زیب کے عہد میں جعفر علی خان گورنر تھا۔ سلطنت مغلیہ کو ضعف ہوتا گیا اور بنگال کے گورنروں کی طاقت بڑھتی گئی۔ ان میں نواب سراج الدولہ نے شہرت پائی۔

مرزا محمد سراج الدولہ المعروف نواب سراج الدولہ:

(1733ء تا 2 جولائی 1757ء)

بنگال، بہار اور اڑیسہ کے آخری صحیح المعنی آزاد حکمران تھے۔ 1757ء میں ان کی شکست سے بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کا سورج طلوع ہوا۔ نواب سراج الدولہ کے والد زین الدین بہار کے حکمران تھے۔ جبکہ والدہ امینہ بیگم بنگال کے نواب علی وردی خان کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ چونکہ نواب علی وردی خان کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لیے شروع ہی سے خیال کیا جاتا تھا کہ مرشد آباد یعنی بنگال کے تخت کے وارث بھی نواب سراج الدولہ ہی ہوں گے۔ ان کی پرورش نواب علی وردی خان کے محلات میں ہوئی اور انہوں نے اوائلِ جوانی سے ہی جنگوں میں نواب علی وردی خان کے ساتھ شرکت کی مثلاً 1746ء میں مہاراشٹر میں ہندوؤں کو شکست فاش دی۔ 1752ء میں نواب علی وردی خان نے سرکاری طور پر سراج الدولہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ نواب ایک مذہبی آدمی تھا اور علی وردی خان کی طرح اس کا تعلق شیعہ مسلک سے تھا۔ ان کا دورِ حکمرانی مختصر تھا۔ 1756ء میں علی وردی خان کے انتقال پر 23 سال کی عمر میں بنگال کے حکمران بنے۔ شروع سے ہی بنگال میں عیار برطانوی لوگوں سے ہوشیار تھے جو بنگال میں تجارت کی آڑ میں اپنا اثر بڑھا رہے تھے۔ خصوصاً ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان کے خلاف سازشیں تیار کیں جو نواب کو معلوم ہو گئیں۔ اولاً انگریزوں نے نواب کی اجازت کے بغیر کلکتہ کے فورٹ ولیم (قلعہ ولیم) کی دیواریں پختہ اور مزید اونچی کیں جو معاہدوں کی صریح خلاف ورزی تھی۔ دوئم انگریزوں نے بنگال کے کچھ ایسے افسران کو پناہ دی جو ریاست کے خزانے میں خرد برد کے مجرم تھے۔ سوم انگریز بنگال کی کسٹم ڈیوٹی میں چوری کے مرتکب تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر نواب اور انگریزوں میں مخالفت کی شدید فضا پیدا ہو گئی۔ جب رنگے ہاتھوں ٹیکس اور کسٹم کی چوری پکڑی گئی اور انگریزوں نے معاہدوں کے خلاف کلکتہ میں اپنی فوجی قوت بڑھانا شروع کی تو نواب سراج الدولہ نے جون 1756ء میں کلکتہ میں انگریزوں کے خلاف کاروائی کرتے ہوئے متعدد انگریزوں کو قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے قید کر لیا۔ نواب سراج الدولہ کے مخالفین سے انگریزوں نے رابطہ کیا۔ ان مخالفین میں گھسیٹی بیگم (سراج الدولہ کی خالہ)، میر جعفر المشہور غدار بنگال اور شوکت جنگ (سراج الدولہ کا رشتہ دار) شامل تھے۔ میر جعفر نواب سراج الدولہ کی فوج میں ایک سردار تھا۔ نہایت بدفطرت آدمی تھا جس نے نواب سراج الدولہ

Marfat.com

سے غداری کر کے ان کی شکست اور انگریزوں کی جیت کا راستہ ہموار کیا جس کے بعد بنگال پر انگریزوں کا عملاً قبضہ ہو گیا۔ پاکستان کے پہلے صدر اسکندر مرزا اس کی نسل سے تھے۔ سازش سے واقف ہونے کے بعد نواب سراج الدولہ نے گھسیٹی بیگم کی جائیداد ضبط کی اور میر جعفر کو اس کے حکومتی عہدہ سے تبدیل کر دیا۔ میر جعفر اگرچہ ریاستی معاملات سے متعلق رہا مگر اس نے انگریزوں سے سازباز کر لی اور جنگ پلاسی میں نواب سے غداری کرتے ہوئے نواب کی شکست کا باعث بنا۔

جنگ پلاسی:

پلاسی کلکتے سے 70 میل کے فاصلے پر دریائے بھاگیرتی کے کنارے قاسم بازار کے قریب واقع ہے۔ انگریز جرنیل کلائیو تمام بنگال پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ شہنشاہ دہلی پہلے ہی اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھا۔ بنگال پر قبضے کے لیے میر جعفر سے سازش کی گئی۔ میر جعفر سراج الدولہ کے نانا علی وردی خان کا بہنوئی تھا۔ اس کو نوابی کا لالچ دے کر توڑ لیا گیا۔ اس کے علاوہ اوما چند نامی ایک سیٹھ کو بھی ساز میں شریک کیا گیا۔ لیکن اس کو تیس لاکھ روپیہ دینے کا جو معاہدہ کیا گیا وہ جعلی تھا۔ کلائیو اپنی تین ہزار فوج کو لے کر نواب پر چڑھ آیا۔ نواب کے پاس بقول مؤرخین پچاس ہزار پیادے اور اٹھارہ ہزار سوار اور 55 توپیں تھیں۔ لیکن اس فوج کا ہر حصہ میر جعفر کے زیر کمان کلائیو سے مل چکا تھا۔ اس لیے نواب میدان جنگ میں ناکام ہوا اور گرفتار ہو کر میر جعفر کے بیٹے میرن کے ہاتھوں قتل ہوا۔

انگریز مؤرخوں کا یہ دعویٰ کہ کلائیو نے تین ہزار سپاہیوں کی مدد سے نواب کی لاتعداد فوج پر فتح پائی قرین قیاس نہیں ہو سکتا کیوں کہ پچاس ہزار میں سے ہر ایک کے حصے میں تین ہزار کی بوٹی تک نہیں آ سکتی۔ دراصل خود نواب کی فوج کا بیشتر حصہ اپنے گھر کو آگ لگا رہا تھا۔ نیز یہ کہنا کہ میر جعفر آخر دم تک کلائیو کے ساتھ نہیں ملا، بالکل غلط ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کو انگریز کبھی نواب نہ بناتے۔ یہ اسی شخص کی غداری تھی جس کے باعث بنگال میں اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس پر بھی اگر سراج الدولہ کا سپہ سالار نہ مرتا تو نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ اس سپہ سالار کو، جو میر جعفر کے ساتھ شریک نہ تھا میر جعفر کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا جس سے وفادار فوج بھی بدحواس ہو گئی۔ کلائیو کے صرف بیس آدمیوں کا مارا جانا اور پچاس کا زخمی ہونا تعجب خیز نہیں کیوں کہ توپ خانے کو بھی پہلے ہی خرید لیا گیا تھا۔ اور توپوں میں پانی ڈلوا دیا گیا تھا۔ لڑائی کے بعد کلائیو مرشد آباد پہنچا جو ان دنوں بنگال کا دارالحکومت تھا۔ کٹھ پتلی شاہ دہلی سے پہلے ہی میر جعفر کی تقرری کا فرمان حاصل کیا جا چکا تھا چنانچہ اس کو گدی پر بٹھا دیا گیا۔ میر جعفر کو تمام خزانہ اور ذاتی زر و جواہر کلائیو کی نذر کرنے پڑے جن میں سے ہر انگریز کو معقول حصہ دیا گیا۔ صرف کلائیو کا حصہ 53 لاکھ دس ہزار روپے تھا۔ اس کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک کروڑ روپیہ کلکتے کے نقصان کے عوض اور حملے کی پاداش میں دیا گیا۔ مزید برآں بنگال میں چوبیس پرگنے کا زرخیز علاقہ بھی کمپنی کی نذر ہوا۔ 1759ء میں شاہ عالم نے اس تمام علاقے کا محاصل جو چار لاکھ پچاس ہزار ہوتا تھا کلائیو کو بخش دیا اور اس طرح تقریباً سارا بنگال انگریزوں کے تسلط میں آ گیا۔ چند روز بعد انگریزوں نے میر جعفر کو بے دست و پا کر دیا لیکن یہ شخص نہایت تیز نکلا۔ اس نے ایسے اقدامات شروع کیے جن سے انگریزوں کے پنجے ڈھیلے ہونے شروع ہو گئے اور پٹنہ میں دو سو انگریز قتل کر دیئے گئے۔ میر قاسم نے دیگر مسلمان نوابوں کو متحد کر کے بکسر کے مقام پر بہادری سے انگریزوں کا مقابلہ کیا جس میں ایک ہزار انگریز مارے گئے لیکن پھر غداری اور سازش اپنا رنگ لائی۔ میر قاسم کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور انگریز بنگال پر قابض ہو گئے اور یہ سلسلہ پورے ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ کی صورت میں نکلا۔ نواب میر قاسم علی نے انگریزوں سے 1175ھ کے قریب بری طرح شکست کھائی اور اسی وقت سے اس خاندان کی خود مختاری زائل ہو گئی۔ 1116ھ سے

Marfat.com

...17ھ تک مفصلہ ذیل نواب گدی نشین ہوئے۔ جعفر علی خان، شجاع الدولہ، علاء الدولہ سرفراز خان، الہ وردی خان ...ت جنگ، غلام حسین خان سراج الدولہ، نواب میر محمد قاسم علی خان، نجم الدولہ معروف میر پھلوری، سیف الدولہ، ...ف الدولہ، نظام الملک، سید زین العابدین خان، سید احمد علی خان، ہمایوں جاہ، منصور علی خان نصرت جنگ۔ اس ...ان کے لوگ انگلش گورنمنٹ سے وظیفہ پاتے تھے۔

...ان اودھ:

... جس طرح محمد تغلق کی شہنشاہی کے زوال کے بعد شاہان جونپور خود مختار رئیس بن گئے تھے۔ اسی طرح شہنشاہ محمد شاہ ...وزیر برہان الملک سعادت خان کی نسل میں خود مختارانہ حکومت کا سلسلہ مغل شہنشاہ احمد شاہ کے عہد سے شروع ہوا۔ بانی ...ت اودھ برہان الملک کا نام محمد امین اور آبائی وطن نیشاپور (خراسان) تھا۔ اس کا مسلک شیعہ تھا۔ اس کا شجرہ مولف ...یخ اودھ تحفہ شاہیہ و وزیر نامہ و عماد السعادات و قیصر التواریخ کے حوالہ جات سے درج کیا ہے اور 24 واسطوں سے ...ب موسیٰ کے فرزند زیدؑ سے ملایا ہے۔ جو کہ مورخین اور نسابین کے نزدیک متنازعہ ہے۔ اغلب یہی ہے کہ بانی سلطنت ...بھی مغل یا ترکمان ہی تھے۔ اس سلطنت کا بانی دربار دہلی کا ایک ایرانی امیر سعادت خاں (1722ء تا 1739ء) تھا ...و مغل حکمران کی طرف سے برہان الملک کا خطاب ملا تھا۔ اودھ کی ریاست بھی سلطنت دہلی کی بالادستی تسلیم کرتی تھی ...ں کے کئی حکمران بادشاہ دہلی کے عہدیدار رہتے۔ سعادت خاں نے کرنال کی جنگ میں اپنے توپخانے کے ساتھ نادر ...مقابلے میں محمد شاہ کی مدد کی تھی، صفدر جنگ (1739ء تا 1754ء) اور شجاع الدولہ (1754ء تا 1775ء) نے وزیر ...ت کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ 1764ء میں بکسر کی جنگ میں شجاع الدولہ کی شکست کے بعد اودھ کی ...لت انگریزوں کے زیر اثر آ گئی لیکن انگریزوں نے اپنی سیاسی مصلحت کی وجہ سے اس کا وجود ختم نہیں کیا۔ شجاع الدولہ ...زمانے میں اودھ کی ریاست اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ 1774ء میں روہیل کھنڈ کے حکمران حافظ رحمت خاں ...174 تا 1774ء) کو انگریزوں کی مدد سے شکست دینے کے بعد روہیل کھنڈ کا علاقہ بھی اودھ میں شامل ہو گیا اور ...ست کی حدود گورکھ پور سے دریائے جمنا کے کنارے تک پھیل گئیں۔ شجاع الدولہ کے بعد اودھ کی ریاست پر انگریزی ...قبضہ ہو گیا اور نوابان اودھ انگریزوں کے احکام کے آگے بے بس ہو گئے۔ آصف الدولہ (1775ء تا 1797ء) کے ...نے میں جونپور اور غازی پور کے اضلاع پر اور سعادت علی خاں (1798ء تا 1814ء) کے زمانے میں روہیل کھنڈ، ...نپور، الہ آباد، اعظم گڑھ اور گورکھ پور کے اضلاع پر انگریز قابض ہو گئے۔ نوابان اودھ اب انگریزوں کی کٹھ پتلی سے ...یادہ نہیں رہے تھے لیکن اس حالت میں غازی الدین حیدر (1814ء تا 1827ء) نے نواب کا لقب چھوڑ کر بادشاہ کا ...ب اختیار کیا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اب وہ بادشاہ دہلی کے ماتحت نہیں رہے۔ اس کے بعد سے اودھ کے تمام ...مران بادشاہ کہلائے جانے لگے۔ آخری حکمران واجد علی شاہ (1847ء تا 1856ء) پر انگریزوں نے بدنظمی کا الزام لگا ...ر تخت سے الگ کر دیا اور 1856ء میں مملکت اودھ کو برطانوی ہند میں ضم کر لیا۔ واجد علی شاہ کی پنشن مقرر کر دی گئی اور ...لکتہ میں رہنے کی اجازت دے دی جہاں اس کا 1887ء میں انتقال ہو گیا۔

نوابان اودھ (لکھنؤ)	دور حکومت 1722ء تا 1856ء
نواب سعادت خاں برہان الملک	1723ء تا 1739ء
نواب صفدر جنگ	1739ء تا 1754ء

Marfat.com

نواب شجاع الدولہ	1754ء تا 1775ء
نواب آصف الدولہ	1775ء تا 1797ء
نواب سعادت علی خاں	1798ء تا 1814ء
نواب غازی الدین حیدر	1814ء تا 1827ء
نواب ناصر الدین حیدر	1827ء تا 1837ء
نواب محمد علی شاہ	1837ء تا 1842ء
نواب واجد علی شاہ	1847ء تا 1856ء

تیرہ بادشاہ اس خاندان میں صاحب حکومت گزرے تھے۔

نواب آصف الدولہ (1775-1797):

پیدائش: 1748ء، وفات: 1797ء

یہ اردو کے شاعر اور والی اودھ، نواب شجاع الدولہ کے بیٹے تھے۔ باپ کی وفات کے پر 1775ء میں فیض آباد میں مسند نشین ہوئے۔ بعد ازاں لکھنؤ کو دار الحکومت بنایا۔ تعمیرات کا بہت شوق تھا ان کا تعمیر کردہ لکھنؤ کا شاہی محل اور امام باڑہ مشہور عمارتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ شعر و شاعری اور دیگر علوم و فنون کے قدردان تھے۔ دہلی کے مشہور شعراء مرزا رفیع سودا، میر تقی میر، اور سید محمد میر سوز انہی کے عہد حکومت میں لکھنؤ آئے اور دربار سے وابستہ ہوئے۔ اردو، فارسی، دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور میر سوز سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ لکھنؤ میں انتقال کیا اور اپنے بنائے ہوئے امام بارگاہ میں دفن ہوئے۔ ایک دیوان ان سے یادگار ہے۔ جن میں غزلیں، رباعیاں، مخمس اور ایک مثنوی ہے۔ نصیر الدین حیدر کے بعد منا جان تخت حکومت پر بیٹھا تھا۔ لیکن انگلستان کی فوج کی مدد سے وہ گرفتار ہو کر چنار گڑھ میں قید کیا گیا اور نصیر الدین محمد علی شاہ تخت پر بیٹھا۔ منا جان کا زمانہ حکومت بہت ہی قلیل ہے آصف الدولہ نے لکھنؤ کو دار السلطنت قرار دیا۔ شروع میں بہار سے روہیل کھنڈ تک شاہان اودھ کا قبضہ تھا۔ سعادت علی خان سے آدھا ملک ایسٹ انڈیا کمپنی نے لے لیا۔ واجد علی شاہ کے مزاج میں آرام طلبی زیادہ تھی۔ ملک میں جا بجا بدانتظامی ہوئی۔ اراکین دولت کی نااتفاقی اور بھی ریاست کے حق میں زہر ہو گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے واجد علی شاہ کو معزول کر کے کلکتہ پہنچایا۔ اس کا بیٹا برجس قدر اپنی ماں کی ولایت میں برائے نام مزاحم ہوا اور پھر ریاست نیپال میں پناہ گیر ہوا اس لئے اس کا نام بھی زمرۂ شاہان میں لکھ دیا گیا۔ ورنہ فی الواقع وہ جائز طور پر کبھی گدی نشین نہیں ہوا۔

لکھنؤ اور اس کا معاشرہ:

شجاع الدولہ کے زمانے تک اودھ کا دار الحکومت فیض آباد تھا۔ اس کے بیٹے آصف الدولہ نے لکھنؤ کو دار الحکومت بنایا اور آخر تک اس کی یہ حیثیت برقرار رہی۔ نوابان اودھ کے زمانے میں دار الحکومت لکھنؤ کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ اس دور میں اس شہر نے ایک معمولی قصبے سے بڑھ کر ایک بڑے شہر کی شکل اختیار کر لی۔ نوابوں نے شاندار عمارات بنوائیں جو محلات، باغات، مساجد، امام بارگاہوں اور مقابر پر مشتمل تھیں لیکن ان میں جامع مسجد اور قیصر باغ کے دو مقبروں کے علاوہ دوسری عمارتیں فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ نہیں تھیں۔ بہرحال ان میں سے بیشتر عمارتیں آج بھی لکھنؤ کی زینت ہیں۔ شاہان اودھ

نے میں لکھنؤ کا شمار شمالی ہند میں دہلی اور آگرہ کے بعد تہذیب وشائستگی کا تیسرا بڑا مرکز بن گیا۔ لیکن شاہان اودھ کا ے معاشرتی اور اخلاقی زوال کی انتہا ہے۔ شائستگی کے نام پر تصنع، بناوٹ اور نمود ونمائش نے عروج پایا۔ سرکاری بیں جنسی آوارگی بڑھی، چنانچہ طوائفوں اور بازاری عورتوں کو تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ لکھنؤ میں عزت واحترام کا کیا۔ شاہان اودھ شیعہ مذہب کے پیروتھے۔ خاص طور پر آصف الدولہ کے بعد سے شیعیت کو سرکاری مذہب کی ے دی گئی۔ اس دور میں مذہب کے نام پر نئے نئے مراسم شروع کیے گئے جو ہندوؤں کی مختلف رسوم کی نقل تھے اور ریعے ہمارے معاشرے میں اور شیعی مذہب کی رسومات میں ہندو اثرات داخل ہوئے۔

ب کی سرپرستی:

ردو ادب اور شاعری کی نشوونما میں دہلی کے بعد لکھنؤ کو اہم مقام حاصل ہے۔ دہلی کے زوال خاص طور پر نادر شاہ کے بعد سے جب دہلی ہنگاموں کا مرکز بن گیا تو یہاں کے اہل فضل وکمال نے روہیل کھنڈ، لکھنؤ، مرشد آباد، حیدر ٹ اور میسور کا رخ کیا جہاں مقامی مسلمان حکومتوں نے ایک حد تک امن کی فضاء قائم کر رکھی تھی۔ ان تمام شہروں سب سے قریب تھا۔ نوابان اودھ نے بھی ادیبوں اور شعراء کی حوصلہ افزائی کی اس لیے ادیبوں اور شاعروں کی دنے لکھنؤ کا ہی رخ کیا۔ جو شاعر اس زمانے میں دہلی اور آگرے سے لکھنؤ آئے ان میں خان آرزو، سودا، رات، انشاء اور میر تقی میر کے نام قابل ذکر ہیں۔ مشہور شاعر آتش اگرچہ فیض آباد میں پیدا ہوئے تھے، لیکن ان بلی سے نقل مکانی کر کے اودھ آگئے تھے۔ شاہان اودھ کے زمانے میں مرثیہ نگاری نے خاص طور پر عروج پایا اور کے سب سے بڑے مرثیہ نگار میر انیس اور سلامت علی دبیر اسی دور سے تعلق رکھتے تھے، اگرچہ ان کی زندگی کا لہ انگریزی دور میں گذرا۔ دینی تعلیم کے سلسلے میں یہ دور اس وجہ سے قابل ذکر ہے کہ ملا نظام الدین نے تعلیم کا وہ اب اسی زمانے میں ترتیب دیا جو آج بھی درس نظامیہ کے نام سے مشہور ہے۔ لکھنؤ کا محلہ 'فرنگی محل' اس دور میں بر ب سے بڑا تعلیمی مرکز بن گیا۔ ملا نظام الدین کا انتقال 1748ء کے بعد ہوا۔ اودھ کا قصبہ بلگرام اس لحاظ سے رہے کہ اس زمانے میں وہاں کی خاک سے کئی قابل ذکر علماء اٹھے۔ ان میں غلام علی آزاد اور سید مرتضٰی زیدی ریں۔

ت روہیل کھنڈ:

غلام قادر روہیلہ، کا تعلق افغانوں کے قبیلہ روہیلہ سے تھا جو روہیل کھنڈ کے باسی تھے۔ تاریخ ہندوستان، مغلوں دں کی نبرد آزمائیوں سے بھری پڑی ہے۔ عظیم پٹھان شاعر، خوشحال خان خٹک کا کلام اس کا واضح ثبوت ہے۔ شیر ی نے بھی ہمایوں کو شکست دے کر ہندوستان بدر کر دیا تھا لیکن اسکی اولاد آخر ہمایوں کے ہاتھوں ہی موت کے اتری۔ جس مغل بادشاہ کا عہد تھا اس کا نام مرزا عبداللہ اور لقب شاہ عالم ثانی تھا، وہ 1759ء سے لیکر اپنی وفات وتک تخت دہلی پر کٹھ پتلی حکمران رہا۔ غلام قادر روہیلہ کے ہاتھوں 1787ء میں اندھا ہوا۔ مغل سلطنت کا زوال ب عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی ہو گیا تھا، اسکے بعد جتنا عرصہ بھی یہ سلطنت رہی، وہ ہاتھی والی اس مثال کے ا ہے کہ وہ مرتے مرتے بھی کافی عرصہ لگا دیتا ہے۔ اس واقعے کے پس منظر میں دیکھیں تو اس وقت طاقت کے میں کئی کردار تھے: مغل خود، مرہٹے، سکھ، انگریز اور حملہ آور۔ مرہٹوں اور سکھوں نے اس زمانے میں شمالی ہندوستان

Marfat.com

میں طوفان اٹھایا ہوا تھا اور حکمرانوں کیلئے مسلسل دردِ سر بنے ہوئے تھے۔ مرہٹوں کی چیرہ دستیاں اور مظالم جب حد سے بڑھ گئے تو، غلام قادر روہیلہ کا جرنیل دادا، نجیب الدولہ ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے یہ سوچا کہ مغل، مرہٹوں کے خلاف اس کا ساتھ دیں گے کہ مرہٹے خود، مغل سلطنت کیلئے مسلسل پریشانیاں کھڑی کر رہے تھے، لیکن خاندانِ تیموریہ اور انکے وزراء نے کمال بدطینتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، الٹا مرہٹوں کے ساتھ مل کر نجیب الدولہ کو محصور کر دیا اور اس سے پے در پے جنگیں لڑیں۔ ان حالات میں جب نجیب الدولہ نے دیکھا کہ اب کوئی چارہ نہیں ہے تو اس نے احمد شاہ ابدالی سے مدد مانگی۔ احمد شاہ ابدالی نے اپنے قاضی سے فتویٰ طلب کیا تو قاضی نے کہا کہ مرہٹوں کے خلاف نجیب الدولہ کی مدد جائز ہے۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں سے پانی پت کے مقام پر جنگیں لڑیں اور ان میں سب سے مشہور پانی پت کی تیسری لڑائی ہے۔ جو 1761ء میں ہوئی اور اس میں ابدالی نے غلام قادر روہیلہ کے دادا نجیب الدولہ اور والد ضابطہ خان کی مدد سے مرہٹوں کو شکست فاش دی جس سے مرہٹوں کی اصل طاقت ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی۔ ابدالی کے سامنے اس وقت دہلی کا تخت خالی پڑا ہوا تھا، لیکن یہ بھی تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ ابدالی بجائے دہلی پہ قابض ہونے کے واپس چلا گیا۔ اس کے بعد بھی نجیب الدولہ کی مرہٹوں اور سکھوں سے کشمکش جاری رہی لیکن وہ 1770ء میں فوت ہوگیا۔ اس بہادر جرنیل کی تعریف اپنے پرائے سب ہی کرتے ہیں، یہاں تک کہ انتہائی متعصب ہندو مصنف جادوناتھ سرکار، جس نے تاریخ مغلیہ اور تاریخ ہند پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں اور جو مسلمانوں کے خلاف زہر سے بھری پڑی ہیں، اس نے بھی نجیب الدولہ کی معاملہ فہمی اور بہادری کی تعریفیں کی ہیں۔ نجیب الدولہ کے مرنے کے بعد، مرہٹوں نے روہیلوں سے پانی پت کی شکست کا انتہائی شرمناک انتقام لیا۔ اس کی وفات کے دو سال بعد ہی 1772ء میں مرہٹوں نے مغلوں کے ساتھ مل کر روہیلوں کے خون کے دریا بہا دیے اور یہی واقعہ غلام قادر روہیلہ کے انتقام کا محرک ہے۔ غلام قادر روہیلہ اس وقت کوئی 12، 13 سال کا بچہ تھا، اس نے اپنے قبیلے کو مرہٹوں کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں مرتے دیکھا۔ بات یہیں تک رہتی تو شاید وہ یہ فعل قبیح نہ کرتا جس کی طرف علامہ نے اپنی نظم میں اشارہ کیا ہے لیکن ہوا وہی جو فاتح فوجیں ہمیشہ کرتی ہیں۔ مرہٹوں اور مغل فوج نے روہیلہ قبیلے کی عورتوں کی عصمت دری کی۔ غلام قادر نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا، جان تو اس کی بچ گئی لیکن وہ اس ظلم کو کبھی نہ بھلا سکا جو اصل میں مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی نے ہی کیا تھا کہ مرہٹے اکیلے روہیلوں کو فتح نہیں کر سکتے تھے۔ غلام قادر نے 1787ء میں جب اسکی عمر کوئی 27 سال تھی، دہلی پر حملہ کیا اور اسے فتح کرلیا اور یہ واقع رونپذیر ہوا۔ جب اس نے شاہ عالم ثانی کو پکڑا تو اس نے کہا۔ اگرچہ تمہارا جرم تو اس کا متقاضی ہے کہ تمہارا بند بند جدا کر کے تمہارا گوشت چیل کوؤں کو کھلا دیا جائے لیکن یہ میری خدا ترسی ہے کہ میں تمھیں زندہ چھوڑے جا رہا ہوں، ہاں اس میں شک نہیں کہ میں نے تم سے غوث گڑھ کی اس بدسلوکی کا جو تم نے میری ماں بہنوں کے ساتھ روا رکھی پورا پورا انتقام لے لیا ہے اور اس کے بعد خنجر سے اس کی دونوں آنکھیں نکال دیں۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد ہی غلام قادر 1788ء میں مرہٹوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔ اب اس تمام واقعے سے ایک بات تو ظاہر ہوتی ہے کی غلام قادر نے جو کچھ بھی کیا وہ انتقام کے جذبے میں تھا کہ مغلوں اور مرہٹوں نے اسکی خاندان کی عورتوں کی خود اور اپنی فوجوں سے آبروریزی کروائی، لیکن غلام قادر نے فتح کے باوجود اس حد تک بربریت نہیں دکھائی جس کا مظاہرہ مغل و مرہٹہ فوجوں نے کیا تھا بلکہ اس نے غیرت کھا کے مغل عورتوں کو موقع بھی دیا کہ اسے قتل کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اپنی نظم کا آغاز غلام قادر روہیلہ کی بربریت سے کیا ہے، لیکن نظم کے اختتام پہ مغلوں کو ہی تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ انہی میں غیرت وحمیت

...ہو گئی تھی۔

آگرہ و اودھ کا شمالی علاقہ جس پر ایک پٹھان قبیلے روہیلہ کی حکومت تھی۔ پشاور کے گردونواح میں آباد تھا اس کے سرداروں نے جو مغل فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، اٹھارویں صدی کے شروع میں آگرہ اور اودھ کے اضلاع ...، بدایوں اور سنبھل وغیرہ کے علاقوں پر قبضہ کرلیا اور ایک طاقتور سلطنت کی بنیاد ڈالی جو روہیل کھنڈ کے نام سے مشہور ...۔ 1772ء میں روہیلوں کے سردار حافظ رحمت خاں نے مرہٹوں کے آئے دن کی چھیڑ خانی سے تنگ آکر شجاع الدولہ ...ب اودھ کے ساتھ معاہدہ کیا کہ روہیل کھنڈ پر مرہٹوں کے حملے کی صورت میں نواب اودھ روہیلوں کی مدد کرے گا اور ...ے اس کے عوض نواب کو چالیس لاکھ روپیہ دیں گے۔ 1773ء میں مرہٹوں نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا نواب اودھ اور ...یزوں کی مشترکہ فوجوں نے روہیلوں کا ساتھ دیا اور مرہٹے پسپا ہو گئے۔ نواب اودھ نے حافظ رحمت خاں سے رقم کا ...یہ کیا تو انھوں نے مہلت طلب کی جسے نواب نے منظور نہ کیا اور عہد نامہ بنارس کی رو سے انگریزوں کی مدد طلب کی۔ ...ب اودھ نے حافظ رحمت خان پر بدعہدی کا الزام لگا کر انگریز فوج کی مدد سے روہیل کھنڈ پر یلغار کردی۔ اور 23 اپریل ...ء کو روہیلوں کو میراں پور کٹڑا کے مقام پر شکست دی۔ حافظ رحمت میدان میں کام آئے۔ اور روہیل کھنڈ کو سلطنت ...میں شامل کرلیا گیا۔

...نت خداداد میسور:

جس زمانے میں بنگال اور شمالی ہند میں انگریز اپنے مقبوضات میں اضافے کر رہے تھے، جنوبی ہند میں دو ایسے ...پیدا ہوئے جن کے نام تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان تھے۔ بنگال اور شمالی ہند میں ...یزوں کو مسلمانوں کی طرف سے کسی سخت مقابلے کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ان کی منظم افواج اور برتر اسلحے کے آگے کوئی نہ ...سکا لیکن جنوبی ہند میں یہ صورت نہیں تھی۔ یہاں حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے قدم قدم انگریزوں کی جارحانہ کاروائیوں کا ...کیا۔ انہوں نے بے مثل سیاسی قابلیت اور تدبر کا ثبوت دیا اور میدان جنگ میں کئی بار انگریزوں کو شکستیں دیں۔ ...ں نے جو مملکت قائم کی اس کو تاریخ میں سلطنت خداداد میسور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

...ان حیدر علی:

دور حکومت 1722ء تا 1784ء

حیدر علی نسلاً افغان تھا۔ اس کا پردادا گلبرگہ دکن میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ والد فتح محمد ریاست میسور میں فوجدار تھے۔ ...لی پانچ برس کا ہوا تو والد ایک لڑائی میں مارے گئے۔ اس کے چچا نے اسے فنون سپہ گری سکھائے۔ 1752ء میں حیدر ...نے راجا میسور کی ملازمت کرلی اور بڑی بہادری سے مرہٹوں کے حملوں سے ریاست کو بچایا۔ 1755ء میں راجا نے ...اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ میسور کی بدانتظامی اور راجا کی نااہلی کے سبب بالآخر حیدر علی نے 1766ء میں راجا کا ...مقرر کرکے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ حیدر علی کی تخت نشینی کے وقت ریاست میسور میں صرف 33 ...ع تھے۔ مگر اس نے تھوڑے ہی عرصے میں اسی ہزار مربع میل علاقے میں اپنی حکومت قائم کرلی۔

سلطان حیدر علی ان پڑھ تھے مگر بڑے بیدار مغز حکمران تھے۔ وہ پانچ مختلف زبانوں میں بات چیت کرسکتے تھے۔ ...لی قوت حافظہ بہت تیز تھی۔ وہ بیک وقت کئی احکامات جاری کرتے اور لکھواتے وقت ہر حکم کی عبارت میں تسلسل قائم

Marfat.com

رکھتے اور پیچیدہ گتھیوں کو فوراً حل کر لیتے تھے۔ شخصی خوبیوں کو بھانپنے میں انھیں کمال حاصل تھا۔ ان میں تعصب نہ تھا۔ ہر مذہب اور ہر فرقے کے لوگوں سے یکساں سلوک کرتے اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے سے رعایت نہ کرتے تھے۔ اس کی حکومت کا آغاز 1761ء سے ہوتا ہے۔ حیدر علی کو اپنے 20 سالہ دور حکومت مرہٹوں، نظام دکن اور انگریزوں تینوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اگرچہ ان لڑائیوں میں اس کو ناکامیاں بھی ہوئیں، لیکن باوجود اس نے مالابار کے ساحل سے لے کر دریائے کرشنا تک ایک بہت بڑی ریاست قائم کر لی جس میں مرہٹوں اور انگریزوں سے چھینے ہوئے علاقے بھی شامل تھے۔ انگریزوں کے خلاف سلطان حیدر علی نے دو جنگیں پہلی جنگ میسور 1766ء تا 1769ء میں حیدر علی نے مدراس کی دیواروں کے نیچے پہنچ کر انگریزوں کو صلح پر مجبور دوسری جنگ میسور 1780ء تا 1784ء میں انھوں نے کرنل بیلی اور میجر منرو کو فیصلہ کن شکستیں دیں۔ دوسری جنگ حیدر علی نے نظام دکن اور مرہٹوں کو ساتھ ملا کر انگریزوں کے خلاف متحدہ محاذ بنایا تھا اور اگر مرہٹے اور نظام اس غداری نہ کرتے اور عین وقت پر ساتھ نہ چھوڑتے تو کم از کم جنوبی ہند سے حیدر علی انگریزی اقتدار کا خاتمہ کر دیتا کی ان کامیابیوں کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے فرانسیسیوں کی مدد سے اپنی افواج کو جدید ترین طرز پر ان کو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کیا۔ اسی جنگ کے دوران دسمبر 1784ء میں سلطان نے بعارضہ سرطان وفات ان کی عقابی نگاہوں نے مغل سلطنت کے زوال، ہندوستان کی طوائف الملوکی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے استعماری عزائم کو بھانپ لیا اور ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی داغ بیل ڈالی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا فرزند ٹیپو سلطان میسور پر بیٹھا۔

سلطان ٹیپو سلطان:

(1782ء تا 1799ء)

ابھی میسور کی دوسری جنگ جاری تھی کہ حیدر علی کا اچانک انتقال ہو گیا۔ اس کا لڑکا فتح علی ٹیپو سلطان جانشین ٹیپو سلطان جب تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر 32 سال تھی۔ وہ ایک تجربہ کار سپہ سالار تھا اور باپ کے زمانے میں میسور لڑائیوں میں شریک رہ چکا تھا۔ حیدر علی کے انتقال کے بعد اس نے تنہا جنگ جاری رکھی کیونکہ مرہٹے اور نظام انگریزوں کی سازش کا شکار ہو کر اتحاد سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ ٹیپو سلطان نے انگریزوں کو کئی شکستیں دیں اور وہ میں سلطان سے صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ٹیپو سلطان ایک اچھا سپہ سالار ہونے کے علاوہ ایک مصلح بھی تھا۔ حیدر پڑھ تھا لیکن ٹیپو سلطان ایک پڑھا لکھا اور دیندار انسان تھا۔ نماز پابندی سے پڑھتا تھا اور قرآن پاک کی تلاوت محبوب مشغلہ تھا۔ ٹیپو سلطان نے اپنی ریاست کے عوام کی اخلاقی و معاشرتی خرابیاں دور کرنے کے لیے اصلاحات شراب اور نشہ آور چیزوں پر پابندی لگائی اور شادی بیاہ کے موقع پر ہونے والی فضول رسومات بند کرائیں اور پیروں پر بھی پابندی لگائی۔ ٹیپو سلطان نے ریاست سے زمینداریاں بھی ختم کر دی تھیں اور زمین کاشتکاروں کو دے دی سے کسانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ ٹیپو سلطان نے کوشش کی کہ ہر چیز ریاست میں تیار ہو اور باہر سے منگوانا نہ پڑے مقصد کے لیے اس نے کئی کارخانے قائم کیے۔ جنگی ہتھیار بھی ریاست میں تیار ہونے لگے۔ اس کے عہد میں میں پہلی مرتبہ بینک قائم کیے گئے۔ ان اصلاحات میں اگرچہ مفاد پرستوں کو نقصان پہنچا اور بہت سے لوگ سلطان خلاف ہو گئے لیکن عوام کی خوشحالی میں اضافہ ہوا اور ترقی کی رفتار تیز ہو گئی۔

ٹیپو سلطان کے تحت میسور کی یہ ترقی انگریزوں کو بہت ناگوار گزری۔ وہ ٹیپو کو جنوبی ہند پر اپنے اقتدار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ انگریزوں اور میسور کے درمیان صلح کو مشکل سے چھ سال ہوئے تھے کہ انگریزوں نے معاہدے کو بالائے طاق رکھ کر نظام حیدر آباد اور مرہٹوں کے ساتھ مل کر میسور پر حملہ کر دیا اور اس طرح میسور کی تیسری جنگ (1790ء تا 1792ء) کا آغاز ہوا۔ اس متحدہ قوت کا مقابلہ ٹیپو سلطان کے بس میں نہیں تھا اس لیے دو سال مقابلہ کرنے کے بعد اس کو صلح کرنے اور اپنی نصف ریاست سے دستبردار ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ جنگ میں یہ ناکامی ٹیپو کیلئے بڑی تکلیف دہ ثابت ہوئی اس نے ہر قسم کا عیش و آرام ترک کر دیا اور اپنی پوری توجہ انگریزوں کے خطرے سے ملک کو نجات دینے کے طریقے اختیار کرنے پر صرف کر دی۔ نظام دکن اور مرہٹوں کی طرف سے وہ مایوس ہو چکا تھا اس لیے اس نے افغانستان، ایران اور ترکی تک اپنے سفیر بھیجے اور انگریزوں کے خلاف متحدہ اسلامی محاذ بنانا چاہا لیکن افغانستان کے حکمران زمان شاہ کے علاوہ اور کوئی ٹیپو سے تعاون کرنے پر تیار نہ ہوا۔ شاہ افغانستان بھی پشاور سے آگے نہ بڑھ سکا۔ انگریزوں نے ایران کو بھڑکا کر افغانستان پر حملہ کرا دیا تھا اس لیے زمان شاہ کو واپس کابل جانا پڑا۔ جبکہ عثمانی سلطان سلیم ثالث مصر سے فرانسیسی فاتح نپولین کا قبضہ ختم کرانے میں برطانیہ کی مدد کے باعث انگریزوں کے خلاف سلطان ٹیپو کی مدد نہ کر سکا۔ انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے سامنے امن قائم کرنے کے لیے ایسی شرائط پیش کیں جن کو کوئی باعزت حکمران قبول نہیں کر سکتا تھا۔ نواب اودھ اور نظام دکن ان شرائط کو تسلیم کر کے انگریزوں کی بالادستی قبول کر چکے تھے لیکن ٹیپو نے ان شرائط کو رد کر دیا۔ 1799ء میں انگریزوں نے میسور کی چوتھی جنگ چھیڑ دی۔ اس مرتبہ انگریزی فوج کی کمان لارڈ ویلیزلی کر رہا تھا جو بعد میں 1815ء میں واٹرلو کی مشہور جنگ میں نپولین کو شکست دینے کے بعد جنرل ولنگٹن کے نام سے مشہور ہوا۔ اس جنگ میں وزیر اعظم میر صادق اور غلام علی اور دوسرے عہدیداروں کی غداری کی وجہ سے سلطان کو شکست ہوئی اور وہ دارالحکومت سرنگا پٹم کے قلعے کے دروازے کے باہر بہادری سے لڑتا ہوا 4 مئی 1799ء کو شہید ہو گیا۔ واجد علی شاہ اور بہادر شاہ ظفر کے مقابلے میں اس کی موت کتنی شاندار تھی۔ انگریز جنرل ہیرس کو سلطان کی موت کی اطلاع ہوئی تو وہ چیخ اٹھا کہ 'اب ہندوستان ہمارا ہے۔' انگریزوں نے گرجوں کے گھنٹے بجا کر اور مذہبی رسوم ادا کر کے سلطان کی موت پر مسرت کا اظہار کیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ملازمین کو انعام و اکرام سے نوازا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اب ہندوستان میں برطانوی اقتدار مستحکم ہو گیا اور اس کو اب کوئی خطرہ نہیں۔

میسور محل:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال کے بعد اسلامی ہند میں نظام الملک آصف جاہ، حیدر علی اور ٹیپو سلطان جیسی حیرت انگیز صلاحیت رکھنے والا تیسرا کوئی حکمران نظر نہیں آتا۔ خاص طور پر حیدر علی اور ٹیپو سلطان کو اسلامی تاریخ میں اس لیے بلند مقام حاصل ہے کہ انہوں نے دور زوال میں انگریزوں کا بے مثل شجاعت اور سمجھداری سے مقابلہ کیا۔ یہ دونوں باپ بیٹے دور زوال کے ان حکمرانوں میں سے ہیں جنہوں نے نئی ایجادوں سے فائدہ اٹھایا، وقت کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کی اور اپنی مملکت میں فوجی، انتظامی اور سماجی اصلاحات کی ضرورت محسوس کی۔ انہوں نے فرانسیسیوں کی مدد سے اپنی افواج کی جدید انداز پر تنظیم کی جس کی وجہ سے وہ انگریزوں کا 35 سال تک مسلسل مقابلہ کر سکے اور ان کو کئی بار شکستیں دیں۔ یہ کارنامہ اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں کوئی دوسرا حکمران انجام نہیں دے سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں انگریزوں کا جتنا کامیاب مقابلہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے کیا کسی اور مسلم اور غیر مسلم

Marfat.com

حکمران نے نہیں کیا۔ ٹیپو سلطان سلطنت عثمانیہ کے سلیم ثالث کا ہمعصر تھا۔

دیگر ریاستیں:

دلی کے بعد لکھنو کی رونق ایسی تھی جیسی قرطبہ کے بعد غرناطہ کی رونق اندلس میں مسلمانوں کی یادگار تھی۔ لکھنو جب آباد تھا عجب شہر تھا۔ ہر فن کے ماہر باکمال جمع تھے۔ اُردو زبان کی ٹکسال جس طرح دہلی تھی، ویسی ہی لکھنو کو بھی سمجھنا چاہیے۔ جنگ آزادی 1857ء نے ایک ساتھ دہلی اور لکھنو دونوں کو غارت کیا۔ مفصلہ بالا ریاستوں کے علاوہ نو ریاستیں مسلمانوں کی اور تھیں جن کا اختصار یوں کیا جاتا ہے:

-1	ریاست جونا گڑھ بمبئی	بلوچی پٹھان	نواب بہادر خان
-2	ریاست جادرہ بنگال	افغان	نواب محمد اسمٰعیل خان
-3	ریاست رادھن پور بمبئی	مغل	نواب بسم اللہ خان
-4	ریاست پالن پور بمبئی	افغان	دیوان شیر محمد خان
-5	ریاست گدی بمبئی	افغان	نواب جعفر علی خان
-6	ریاست خیر پور بمبئی	بلوچی پٹھان	
-7	ریاست بادنی بنگال	پٹھان	نواب محمد حسین خان
-8	ریاست بناس پور بنگال	مغل	نواب منور خان
-9	ریاست کوروائی	افغان	نواب محمد منور علی خان

❀❀❀❀

Marfat.com

ایسٹ انڈیا کمپنی

اس کمپنی کو 1600ء عیسوی میں ملکہ الزبتھ اول کے عہد میں ہندوستان میں تجارت کرنے کے لیے پروانہ ملا۔ 1613ء میں اس نے سورت کے مقام پر پہلی کوٹھی قائم کی۔ اس زمانے میں اس کی تجارت زیادہ تر جاوا اور سماٹرا وغیرہ سے تھی۔ جہاں سے گرم مسالا برآمد کر کے یورپ میں بھاری داموں بیچا جاتا تھا۔ 1623ء میں جب ولندیزیوں نے انگریزوں کو جزائر شرق الہند سے نکال باہر کیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی تمام تر توجہ ہندوستان پر موکوز کردی۔ 1662ء میں بمبئی بھی اس کے حلقہ اثر میں آ گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد شہر ایک اہم تجارتی بندرگاہ بن گیا۔ 1689ء میں کمپنی نے علاقائی تسخیر بھی شروع کردی جس کے باعث بالآخر ہندوستان میں برطانوی طاقت کو سربلندی حاصل ہوئی۔ 1858ء میں یہ کمپنی ختم کردی گئی اور اس کے تمام اختیارات تاج برطانیہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ تاہم 1874ء تک کچھ اختیارات کمپنی کے ہاتھ میں رہے۔

برطانوی ہند:

برطانوی راج یا برطانوی ہند کی اصلاح 1858ء سے 1947ء تک برطانیہ کے زیر نگیں برصغیر کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ سلطنت ہندوستان علاقائی و بین الاقوامی سطح پر انڈیا کے نام سے جانی جاتی تھی۔ اس عرصے میں برطانیہ کے زیر قبضہ رہنے والے علاقوں میں موجودہ بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش شامل ہیں جبکہ کبھی کبھار عدن (1858ء سے 1937ء)، زیریں برما (1858ء تا 1937ء)، بالائی برما (1886ء تا 1937ء) (مکمل برما 1937ء میں برطانوی ہند سے الگ کردیا گیا)، برطانوی ارض صومال (1884ء سے 1898ء) اور سنگاپور (1858ء سے 1867ء) کو بھی برطانوی راج کا حصہ شمار کیا جاتا ہے۔ مشرق وسطیٰ، جنگ عظیم اول کے فوراً بعد برطانیہ کے زیر قبضہ بین النہرین (موجودہ عراق) کا انتظام بھی حکومت برطانیہ کے ہندی دفتر سے چلایا جاتا تھا۔ ہندوستانی روپیہ مشرق وسطیٰ کے کئی علاقوں اور مشرقی افریقہ میں زیر استعمال رہا۔ خطے کے دیگر ممالک میں 1802ء میں معاہدہ ایمینز کے تحت برطانیہ کے زیر نگیں آنے والا علاقہ سیلون (موجودہ سری لنکا) برطانیہ کی شاہی نو آبادی تھی اور برطانوی ہند کا حصہ شمار نہیں ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں نیپال اور بھوٹان کی بادشاہتیں برطانیہ سے معاہدے کے تحت آزاد ریاستوں کی حیثیت سے تسلیم کی گئی تھیں اور برطانوی راج کا حصہ نہیں تھیں۔ 1861ء کے معاہدے کے نتیجے میں سکم کی ریاست خودمختاری تسلیم کی گئی۔ جزائر مالدیپ 1867ء سے 1965ء تک برطانیہ کے زیر نگیں رہے اور برطانوی راج کا حصہ شمار نہیں ہوتے تھے۔ ہندوستان میں برطانوی راج کا آغاز 1858ء میں (جنگ آزادی ہند 1857ء کے بعد) ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے خاتمے اور ہندوستان کے براہ راست تاج برطانیہ کے زیر نگیں آنے سے ہوتا ہے اور خاتمہ 1947ء میں تقسیم ہند اور بھارت و پاکستان کے قیام کے ساتھ ہوتا ہے۔

ریگولیٹنگ ایکٹ 1773ء

ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری کے زمانہ میں برطانوی پارلیمان نے یہ ایکٹ منظور کر کے کمپنی کے نظام حکومت میں مندرجہ ذیل اصلاحات کیں۔

1- بنگال کے گورنر کو ہر سہ صوبجات پر گورنر جنرل مقرر کر کے مدراس اور بمبئی کے صوبے بھی اس کے ماتحت کر دیئے۔

2- گورنر جنرل کو مشورہ دینے کے لیے چار ارکان کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس میں کثرت رائے سے فیصلے ہوتے اور گورنر جنرل کو کاسٹنگ ووٹ دینے کا حق حاصل تھا۔

3- کلکتے میں ایک عدالت قائم کی گئی جو براہ راست شاہ برطانیہ کی ماتحت تھی۔

4- کمپنی کے لیے یہ لازم قرار دیا گیا کہ ہر سال اپنی سالانہ کارگزاری کی رپورٹ برطانوی پارلیمان کے سامنے پیش کرے۔

اس ایکٹ کو ہندوستان میں برطانوی حکومت کا سنگ بنیاد کہا جاتا ہے۔

سرجان شور:

پیدائش: 1751ء انتقال: 1834ء

یہ ہندوستان کا گورنر جنرل تھا۔ 1768ء میں ہندوستان آیا۔ 1775ء سے 1780ء تک کلکتے میں ریونیو کونسل اور 1787ء سے 1789ء تک بنگال کی سپریم کونسل کا رکن رہا۔ وارن ہیسٹنگز کے بعد اور لارڈ کارنوالس کے مقرر ہونے سے پہلے تقریباً ڈیڑھ سال عارضی طور پر گورنر جنرل کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ کارنوالس نے اس اسے بنگال کے بندوبست دوامی میں اپنا مشیر مقرر کیا۔ کارنوالس کے بعد 1793ء سے 1798ء تک گورنر جنرل کے عہدے پر فائز رہا۔ اس کے عہد میں پیشوا دولت راؤ سندھیا، تکوجی ہولکر اور راجا برار نے مل کر نظام کو کردلا ”احمد نگر سے 56 میل جنوب مشرق“ کے مقام پر شکست دی۔ اگر سرجان شور چاہتا تو فروری 1768ء کے عہد نامے کے تحت نظام کو مدد دے سکتا تھا لیکن اس نے اس ایکٹ پر عمل کرتے ہوئے مداخلت سے انکار کر دیا۔ اس کی اس پالیسی کی وجہ سے نظام نے انگریزوں کے مقابلے میں فرانسیسیوں سے تعلقات بڑھا لیے۔ ٹیپو سلطان نے اپنی فوجی طاقت مستحکم کی اور مرہٹے زور پکڑ گئے۔ سرجان شور عام طور پر عدم مداخلت کی پالیسی پر عمل کرتا رہا۔ صرف اودھ کے معاملے میں مداخلت کی۔ 1797ء میں آصف الدولہ نواب اودھ کی وفات پر جانشینی کا جھگڑا پیدا ہوا تو سرجان شور نے نواب کے بڑے بھائی سعادت علی خان کو اس کا جانشین مقرر کیا اور 21 جنوری 1798ء کو اس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے نواب نے کمپنی کو ہر سال 76 لاکھ روپیہ دینا منظور کیا اور الہ آباد کا قلعہ کمپنی کے حوالے کر دیا۔

پنڈارے:

یہ وسط ہند کے بے رحم اور جرائم پیشہ لوگوں کا گروہ تھا۔ یہ لوگ قومی یا مذہبی اتحاد سے بالکل بیگانہ تھے اور مختلف قوموں اور فرقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ لوٹ مار کے دوران انسانیت سوز مظالم ڈھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ اٹھارھویں صدی کے سیاسی انتشار سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے قتل و غارت گری کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا۔ ان کی سرگرمیوں کا مرکز وسط ہند کا علاقہ تھا۔ مرہٹہ سردار سندھیا اور ہولکر وغیرہ فوجی خدمات کے عوض ان کی سرپرستی کرنے لگے۔ چیتو، واصل

Marfat.com

کریم خان اور ہیرو وغیرہ ان کے طاقت ور سردار تھے۔انہوں نے 1815ء میں انگریزی اضلاع مرزا پور اور شاہ آباد میں لوٹ مار کی۔1815ء میں نظام کے علاقے اور 1816ء میں شمالی سرکار میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔لارڈ ہیسٹنگز نے ان کی سرکوبی کے لیے راجپوت اور مرہٹہ سرداروں سے سمجھوتا کیا اور 1817ء میں زبردست مہم شروع کر دی۔اور جنوری 1818ء میں ان کا پورے طور پر خاتمہ کر دیا۔کریم خان کو ہتھیار ڈالنے کے بعد غوث پور کی جاگیر دی گئی۔چیتو اسیر گڑھ کے قریب چیتے کا شکار ہو گیا۔واصل محمد قید کی حالت میں غازی پور میں مر گیا۔جو پنڈارے بچ نکلے تھے انھوں نے کاشتکاری شروع کر دی اور اور پر امن زندگی گزارنے لگے۔

لارڈ ڈلہوزی

پیدائش:1812ء۔انتقال:1860ء

ہندوستان کا گورنر جنرل بن کر 1848ء میں ہندوستان آیا۔اس کے عہد میں برما اور سکھوں کی دوسری لڑائی ہوئی اور پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ڈلہوزی نے ہندوستانی ریاستوں کے الحاق پر بڑی سختی سے عمل کیا۔ستارہ، جھانسی، ناگپور، اور اودھ کے علاوہ کئی اور ریاستیں انگریزی علاقے میں شامل کر لی گئیں۔بہادر شاہ ظفر آخری مغل بادشاہ کو بھی نوٹس مل گیا کہ وہ شاہی قلعے کا آخری تاجدار ہے۔الحاق کے اس مسئلے نے ہندوستانی حکمرانوں میں بے چینی کی ایک ایسی لہر پیدا کر دی جو 1857ء کی جنگ آزادی کا اہم سبب بنی۔لارڈ ڈلہوزی نے رفاہ عامہ کی خاطر محکمہ تعمیرات قائم کیا۔ڈاک کے دو پیسے کے ٹکٹ جاری کیے۔ریل اور تار کا سلسلہ بھی اسی کے عہد میں شروع ہوا 1856ء میں خرابی صحت کی بنا پر انگلستان چلا گیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ:

پیدائش:1780ء۔انتقال:1839ء

پنجاب میں سکھ سلطنت کا بانی تھا۔سکر چکیہ مثل کے سردار مہان سنگھ کا بیٹا تھا۔گوجرانوالہ کے مقام پر پیدا ہوا۔بچپن ہی میں اس کی بائیں آنکھ چیچک سے ضائع ہو گئی تھی۔بارہ برس کا تھا کہ اس کا باپ مر گیا اور وہ مثل کا سردار بنا۔سولہ برس کی عمر میں اس کی شادی کھنیا مثل میں ہوئی اور ان دو مثلوں کے ملاپ سے رنجیت سنگھ کی طاقت اور بھی مضبوط ہو گئی۔اس کی ساس سدا کور ایک قابل اور مقتدر عورت تھی۔اس نے رنجیت سنگھ کی فتوحات میں بڑی مدد کی۔انیس برس کی عمر میں 1799ء میں لاہور پر قبضہ کر کے اسے اپنی راجدھانی بنایا۔تین سال بعد 1802ء میں امرتسر فتح کیا۔وہاں سے بھنگیوں کی مشہور توپ اور کئی اور توپیں ہاتھ آئیں۔چند برسوں میں اس نے تمام وسطی پنجاب پر ستلج تک قبضہ کر لیا۔پھر دریائے ستلج کو پار کر کے لدھیانہ پر بھی قبضہ کر لیا۔لارڈ منٹو رنجیت سنگھ کی اس پیش قدمی کو انگریزی مفاد کے خلاف سمجھتا تھا۔چنانچہ 1809ء میں عہد نامہ امرتسر کی رو سے دریائے ستلج رنجیت سنگھ کی سلطنت کی جنوبی حد قرار پایا۔اب اس کا رخ شمال مغرب کی طرف ہوا اور لگاتار لڑائیوں کے بعد اٹک، ملتان، کشمیر، ہزارہ، بنوں، ڈیرہ جات اور پشاور فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔

تحریک مجاہدین:

شاہ عبدالعزیز کے بعد ان کی تحریک کو سید احمد شہید نے آگے بڑھایا۔سید احمد نے شاہ عبدالعزیز کے پاس دو برس

Marfat.com

تعلیم حاصل کی اور بعد میں بریلی میں نواب امیر خان کے لشکر میں ملازم ہو گئے۔ سید احمد نے لشکر میں دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس کا مثبت اثر ہوا۔ اسی دوران انہوں نے دینی میدان میں نام پیدا کیا۔ شاہ اسماعیل، محمد یوسف اور شاہ عبدالحیٔ آپ کی بیعت میں شامل ہو گئے۔ سید صاحب مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ سے بے حد متاثر تھے۔ سید صاحب نے مسلمانوں میں رائج فضول رسوم کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اسی دوران مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم نے مسلمانوں میں ان کی اسلامی حمیت کو بیدار کیا۔ سید احمد شہید نے اپنے ساتھیوں کو جہاد پر آمادہ کیا۔ اس تحریک کو تحریک مجاہدین کا نام دیا گیا۔ اس تحریک کے دیگر مقاصد میں سے اہم مقاصد درج ذیل تھے۔

1- اسلامی حکومت کا قیام
2- جہاد فی سبیل اللہ کی تلقین
3- مسلمانوں میں بدعتوں کا خاتمہ کرنا

سید صاحب نے سہارن پور، رام پور، بنارس اور لکھنؤ جیسے شہروں کے دورے کیے۔ 1821ء میں سید صاحب نے حج کیا اور دو سال تک وہاں قیام کیا۔ مکہ سے واپسی پر سید صاحب نے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ مجاہدین اور سکھوں کے درمیان پہلا معرکہ اکوڑہ کے مقام پر ہوا۔ جس میں سکھوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری لڑائی حضرو میں ہوئی اور مسلمانوں نے یہ جنگ بھی جیت لی۔ 1830ء میں پشاور پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا۔ سید صاحب کو ابتدائی فتوحات کے بعد امیر المومنین تسلیم کر لیا گیا اور مفتوحہ علاقوں میں اسلامی قوانین نافذ کر دیے گئے۔ سکھ راجہ رنجیت سنگھ نے سید صاحب کے خلاف اندرونی اور بیرونی محاذ کھول دیے۔ ایک طرف اپنے فرانسیسی جرنیل ونٹورا کو فوجیں دے کر بھیجا اور دوسری جانب پٹھانوں اور سید صاحب کے ہندوستانی پیروکاروں میں نفرت کے بیج بو دیے۔ جس کی وجہ سے بعض مقامی پٹھانوں نے بے وفائی کی۔ بہر حال 1831ء میں ایبٹ آباد میں بالاکوٹ کے مقام پر سید صاحب اور سکھوں کے درمیان زبردست مقابلہ ہوا۔ سید احمد، شاہ اسماعیل اور کئی دوسرے اکابر شہید ہو گئے۔ یہ جنگ سکھوں نے جیت لی۔ اس جنگ کے بعد بچے کھچے مجاہدین پہاڑوں پر چلے گئے اور وہاں اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ اس صدمہ کے بعد تحریک مجاہدین کو پٹنہ کے ولایت علی نے جاری رکھا لیکن پنجاب کے انگریزوں کے قبضہ میں چلے جانے کی وجہ سے انگریز کے ساتھ ٹکراؤ ہوا اور اس طرح یہ تحریک کمزور پڑ گئی۔

شاہ اسماعیل شہید

پیدائش: 29 اپریل 1784۔ وفات: 6 مئی 1831ء

آپ شاہ ولی اللہ کے پوتے اور حضرت شاہ عبدالغنی کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے چچا حضرت شاہ عبدالعزیز کے سائے میں ہوئی۔ آپ نے سیف و قلم دونوں سے اسلام کی خدمت کی۔ سید احمد شہید بریلوی نے سکھوں کے خلاف جو جہاد کیا تھا شاہ اسماعیل اس میں اُن کے دست راست رہے اور بالآخر بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں بڑی جرات و مردانگی کے ساتھ سکھوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ بالاکوٹ میں ہی آپ کا اور سید احمد شہید کا مزار ہے۔ جب تک دہلی میں رہے، ہر جمعے کو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر وعظ فرمایا کرتے جس سے مسلمانوں میں ذہنی، دینی اور سیاسی شعور پیدا ہوا۔ آپ کی مشہور کتاب (تقویۃ الایمان) ہے اس کے علاوہ رسالہ اصول فقہ، منصب ایمان، صراط المستقیم طبقات، مثنوی سلک نور اور تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین وغیرہ کتابیں لکھیں۔

جھانسی کی رانی:

1857 کی جنگ آزادی شروع ہوتے ہی جھانسی کی رانی لکشمی بائی نے انگریزوں کی مخالفت شروع کر دی۔ تانتیا ٹوپی جو ناناصاحب کا فوجی افسر تھا، رانی سے آملا۔ اپریل 1857ء میں انگریز جرنیل سر ہیوروز نے جھانسی پر چڑھائی کی اور رانی اور تانتیا ٹوپی کو شکست دے کر جھانسی پر قبضہ کر لیا۔ رانی مردانہ لباس پہن کر انگریز فوج کے مقابلے کے لیے نکلی اور اپنی فوجوں کی کمان کرتی ہوئی میدان جنگ میں کام آئی۔

❀❀❀❀

Marfat.com

جنگ آزادی ہند 1857ء سے قیام پاکستان تک

ہندوستانیوں کی انگریزوں کے خلاف پہلی آزادی کی مسلح جنگ کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا۔ عموماً اس کے دو سبب بیان کیے جاتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تمام صوبے اور کئی ریاستیں یکے بعد دیگرے اپنی حکومت میں شامل کر لی تھیں جس کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دل میں کمپنی کے متعلق شکوک پیدا ہو گئے۔ دوم یہ کہ ان دنوں جو کارتوس فوجیوں کو دیے جاتے تھے وہ عام خیال کے مطابق سور اور گائے کی چربی سے آلودہ تھے اور انھیں بندوقوں میں ڈالنے سے پیشتر دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ ہندو اور مسلمان فوجی سپاہیوں نے اسے مذہب کے منافی سمجھا اور ان میں کھلبلی مچ گئی۔ جن سپاہیوں نے ان کارتوسوں کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا ان کی فوجی وردیاں اتار کر انہیں بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ ان قیدیوں میں بہت سے ایسے تھے جنھوں نے انگریزوں کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دی تھیں۔ جنگ آزادی ہند کا آغاز 1857ء میں بنگال میں ڈمڈم اور بارک پور کے مقامات پر ہوا جہاں دیسی سپاہیوں نے ان کارتوسوں کے استعمال سے انکار کر دیا جن میں ان کے خیال کے مطابق سور اور گائے کی چربی لگی ہوئی تھی۔ انگریزی حکومت نے ان سپاہیوں کو غیر مسلح کر کے فوجی ملازمت سے برخاست کر دیا۔ لکھنو میں بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ برخاست شدہ سپاہی ملک میں پھیل گئے۔ اور فوجیوں کو انگریزوں کے خلاف ابھارنے لگے۔

9 مئی 1857ء کو میرٹھ میں ایک رجمنٹ کے سپاہیوں کو دس سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ جس طریقے سے یہ حکم سنایا گیا وہ بھی تہذیب سے گرا ہوا تھا۔ دیسی سپاہیوں نے انگریز افسروں کو ہلاک کر کے ان قیدیوں کو آزاد کرا لیا اور میرٹھ سے دہلی کی طرف بڑھنے لگے۔ میرٹھ کے سپاہیوں کی دہلی میں آمد سے دہلی کی فوجیں بھی بگڑ گئیں۔ اور دہلی کے مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا گیا۔ اس اعلان کے بعد بغاوت کی آگ دور دور تک پھیل گئی۔ جنرل نکلسن نے انگریز فوجوں کی مدد سے تقریباً چار مہینے تک دہلی کا محاصرہ کیے رکھا۔ 14 ستمبر کو کشمیری دروازہ توڑ دیا گیا۔ جنرل نکلسن اس لڑائی میں مارا گیا مگر انگریز اور سکھ فوجوں نے دہلی پر قبضہ کر کے بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا۔ اس کے دو بیٹوں اور ایک پوتے کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانے سے ہر جگہ جنگ آزادی کی رفتار مدھم پڑ گئی۔ مارچ 1858ء میں لکھنو پر دوبارہ انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ دہلی، لکھنو، کانپور، جھانسی کے علاوہ چند اور مقامات پر بھی انگریزوں کے تصرف میں آ گئے۔ جنگ آزادی کا نعرہ ''انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دو'' تھا، اس لیے اس میں تمام ایسے عناصر شامل ہو گئے جنہیں انگریز سے نقصان پہنچا تھا۔ متضاد عناصر ایک مشترکہ دشمن کے خلاف یکجا تو ہوئے تھے لیکن وطنیت اور قومیت کے تصورات سے نا آشنا تھے۔ بہادر شاہ ظفر جس کی بادشاہت کا اعلان باغی سپاہیوں نے کر دیا تھا نہ بادشاہت کی صلاحیت رکھتا تھا اور نہ باغیوں کی مخالفت کرنے کی طاقت۔ مزید برآں باغیوں نے دہلی میں لوٹ مار اور غارت گری مچا کر عام لوگوں کی ہمدردیاں کھو دی تھیں۔ چنانچہ 1857ء کی یہ جنگ آزادی ناکام رہی۔ دہلی کی فتح کے بعد انگریز فوجوں نے شہری آبادی سے خوف ناک انتقام لیا۔ لوگوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ سینکڑوں کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔

Marfat.com

ہزاروں نفوس گولیوں سے اڑا دیے گئے۔ ان میں مجرم بھی تھے اور بے گناہ بھی۔ مسلمان بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اور ہندو بھی۔ لیکن جلد ہی انگریزی فوج کے سکھ سپاہیوں نے قتل وغارت میں فرقہ وارانہ رنگ بھر دیا۔ مسلمان چن چن کر قتل کیے گئے۔ بہت سے مقتدر اور متمول مسلمانوں کی جائدادیں تباہ ہوگئیں اور وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئے۔ ان ہولناک مظالم کا اعادہ ان مقامات پر بھی کیا گیا جہاں اولاً جنگ کی آگ بھڑکی تھی۔ اگست 1858ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے اعلان ملکہ وکٹوریہ کے ذریعے ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ کر کے ہندوستان کو تاج برطانیہ کے سپرد کر دیا۔ اس جنگ کے بعد خصوصاً مسلمان زیر عتاب آئے جب کہ ہندوؤں نے مکمل طور پر انگریز سے مفاہمت کر لی۔ یوں مسلمانوں پر جدید علم کے دروازے بند کر دیے گئے۔ اور خود مسلمان بھی نئی دنیا سے دور ہوتے چلے گئے۔ ایسے میں سرسید جیسے لوگ سامنے آئے انہوں نے اس جنگ آزادی کی وجوہات پر روشنی ڈالی اور انگریزوں پر زور دیا کہ ہندوستانیوں میں موجود احساس محرومیوں کو دور کر کے ہی انگریز یہاں حکومت کر سکتا ہے۔ سرسید نے مسلمانوں میں تعلیمی انقلاب لانے کے لیے کالج اور یونیورسٹیاں قائم کیں۔ اس جنگ آزادی میں ہندو اور مسلمان مل کر ہندوستان کے لیے لڑے لیکن اس کے بعد انگریز کی سازش اور کچھ ہندوؤں کے رویے کی وجہ سے مسلمان اور ہندو الگ الگ قوموں کی صورت میں بٹ گئے۔ یوں پہلی مرتبہ دو قومی نظریے کی بنیاد پڑی۔

علی گڑھ تحریک:

برصغیر پاک و ہند میں 1857ء کی ناکام جنگ آزادی اور سقوط دہلی کے بعد مسلمانان برصغیر کی فلاح بہبود کی ترقی کے لئے جو کوششیں کی گئیں۔ عرف عام میں وہ "علی گڑھ تحریک" کے نام سے مشہور ہوئیں۔ سرسید نے اس تحریک کا آغاز جنگ آزادی سے ایک طرح سے پہلے سے ہی کر دیا تھا۔ غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ لیکن جنگ آزادی نے سرسید کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کئے اور ان ہی واقعات نے علی گڑھ تحریک کو بارآور کرنے میں بڑی مدد دی۔ لیکن یہ پیش قدمی اضطراری نہ تھی بلکہ اس کے پس پشت بہت سے عوامل کارفرما تھے۔ مثلاً راجہ رام موہن رائے کی تحریک نے بھی ان پر گہرا اثر چھوڑا۔ لیکن سب سے بڑا واقعہ سقوط دہلی کا ہی ہے۔ اس واقعے نے ان کی فکر اور عملی زندگی میں ایک تلاطم برپا کر دیا۔ اگرچہ اس واقعے کا اولین نتیجہ یا ردعمل تو مایوسی، پژمردگی اور ناامیدی تھا تاہم اس واقعے نے ان کے اندر چھپے ہوئے مصلح کو بیدار کر دیا۔ علی گڑھ تحریک کا وہ بیج جو زیر زمین پرورش پا رہا تھا۔ اب زمین سے باہر آنے کی کوشش کرنے لگا چنانچہ اس واقعے سے متاثر ہو کر سرسید احمد خان نے قومی خدمت کو اپنا شعار بنا لیا۔ ابتداء میں سرسید احمد خان نے صرف ایسے منصوبوں کی تکمیل کی جو مسلمانوں کے لئے مذہبی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ اس وقت سرسید احمد خان قومی سطح پر سوچتے تھے۔ اور ہندوؤں کو کسی قسم کی گزند پہنچانے سے گریز کرتے تھے۔ لیکن ورنیکلر یونیورسٹی کی تجویز پر ہندوؤں نے جس متعصبانہ رویے کا اظہار کیا، اس واقعے نے سرسید احمد خان کی فکری جہت کو تبدیل کر دیا۔ اس واقعے کے بعد اب ان کے دل میں مسلمانوں کی الگ قومی حیثیت کا خیال جاگزیں ہو گیا تھا اور وہ صرف مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود میں مصروف ہو گئے۔ اس مقصد کے لئے کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ رسالے نکالے گئے تاکہ مسلمانوں کے ترقی کے اس دھارے میں شامل کیا جائے۔ 1869ء میں سرسید احمد خان کو انگلستان جانے کا موقع ملا یہاں پر وہ اس فیصلے پر پہنچے کہ ہندوستان میں بھی کیمبرج کی طرز کا ایک تعلیمی ادارہ قائم کریں گے۔ وہاں کے اخبارات سپکٹیٹر، اور گارڈین سے متاثر ہو کر سرسید نے تعلیمی درسگاہ کے علاوہ مسلمانوں کی تہذیبی زندگی میں انقلاب لانے کے لئے اسی قسم کا اخبار

Marfat.com

ہندوستان سے نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اور ''رسالہ تہذیب الاخلاق'' کا اجراء اس ارادے کی تکمیل تھا۔ اس رسالے نے سرسید کے نظریات کی تبلیغ اور مقاصد کی تکمیل میں اعلیٰ خدمات سرانجام دیں۔

مقاصد:

اس تحریک کے مقاصد کے بارے میں سب اہل الرائے حضرات متفق ہیں اور ان کی آراء میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا مثلاً احتشام حسین اس تحریک کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس تحریک کے کئی پہلوؤں میں نئے علوم کا حصول، مذہب کی عقل سے تفہیم، سماجی اصلاح اور زبان وادب کی ترقی اور سربلندی شامل ہیں۔'' جبکہ رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ ''اس تحریک کے مقاصد میں مذہب، اردو، ہندو مسلم تعلقات، انگریز اور انگریزی حکومت، انگریزی زبان، مغرب کا اثر اور تقاضے وغیرہ چند پہلو شامل ہیں ان آراء سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تحریک کے مقاصد کے تین زاویے ہیں۔'' جہاں تک سیاسی زاویے کا تعلق ہے۔ تو اگر دیکھا جائے تو جنگ آزادی کے بعد اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد مسلمان قوم جمود اور اضمحلال کا شکار ہو چکی تھی جبکہ ہندوؤں نے انگریزوں سے مفاہمت کی راہ اختیار کر لی اور حکومت میں اہم خدمت انجام دے رہے تھے اور ان کے برعکس مسلمان قوم جو ایک صدی پہلے تک ساری حکومت کی اجارہ دار تھی اب حکومتی شعبوں میں اس کا تناسب کم ہوتے ہوتے ایک اور تین کا رہ گیا۔ علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کی اس پسماندگی کو سیاسی انداز میں دور کرنے کی کوشش کی۔ کالج اور تہذیب اخلاق نے مسلمانوں کی سیاسی اور تمدنی زندگی میں ایک انقلاب برپا کیا اور انھیں سیاسی طور پر ایک علیحدہ قوم کا درجہ دیا۔ مذہبی حوالے سے سرسید احمد خان نے مذہب کا خول توڑنے کے بجائے فعال بنانے کی کوشش کی۔ ایک ایسے زمانے میں جب مذہب کے روایتی تصور نے ذہن کو زنگ آلود کر دیا تھا سرسید احمد خان نے عقل سلیم کے ذریعے اسلام کی مدافعت کی اور ثابت کر دیا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو نئے زمانے کے نئے تقاضوں کو نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ نئے حقائق کی عقلی توضیح کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

علی گڑھ تحریک کا تیسرا فعال زاویہ ادبی ہے اور اس کے تحت نہ صرف اردو زبان کو وسعت ملی بلکہ اردو ادب کے اسالیب بیان اور روح معانی بھی متاثر ہوئے۔ اور اس کے موضوعات کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔ سرسید سے پہلے اردو ادبیات کا دائرہ تصوف، تاریخ اور تذکرہ نگاری تک محدود تھا۔ طبعی علوم، ریاضیات اور فنون لطیفہ کی طرف توجہ بہت کم دی جاتی تھی۔ سرسید کا اثر اسلوب بیان پر بھی ہوا اور موضوع پر بھی۔ اگرچہ سرسید سے پہلے فورٹ ولیم کالج کی سلیس افسانوی نثر، دہلی کی علمی نثر اور مرزا غالب کی نجی نثر جس میں ادبیت اعلیٰ درجے کی ہے۔ نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ان سب کوششوں کا دائرہ بہت زیادہ وسیع نہیں تھا۔ سرسید احمد خان کی بدولت نثر میں موضوعات کا تنوع اور سادگی پیدا ہوئی۔ آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ سرسید تحریک نے اردو ادب کے کون کون سے شعبوں کو متاثر کیا۔

چونکہ علی گڑھ تحریک نے قومی مقاصد کو پروان چڑھانے کا عہد کیا تھا اور ان کا روئے سخن خواص سے کہیں زیادہ عوام کی طرف تھا اس لئے صرف شاعری اس تحریک کی ضرورت کی کفیل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے علی گڑھ تحریک نے سستی جذباتیت کو فروغ دینے کے بجائے گہرے تعقل، تدبر اور شعور کو پروان چڑھانے کا عہد کیا تھا اور صرف اردو نثر ان مقاصد میں زیادہ معاونت کر سکتی تھی۔ چنانچہ ادبی سطح پر علی گڑھ تحریک نے اردو نثر کا ایک باوقار، سنجیدہ اور متوازن معیار قائم کیا اور اُسے شاعری کے مقفیٰ اور مسجع اسلوب سے نجات دلا کر سادگی اور متانت کی کشادہ ڈگر پر ڈال دیا اور یوں ادب کی افادی

نصدی حیثیت اُبھر کر سامنے آئی۔ علی گڑھ تحریک نے سائنسی نقطہ نظر اور اظہار کی صداقت کو اہمیت دی تھی اور اس کا سے زیادہ اثر سوانح اور سیرت نگاری کی صنف پر پڑا۔ اٹھارویں صدی میں عیسائی مبلغین نے ہادی اسلام حضرت ﷺ اور دیگر نامور مسلمانوں کے غلط سوانحی کوائف شائع کر کے اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی۔ عیسائی مبلغین کی ان کوششوں میں کبھی کبھی ہندو مورخ بھی شامل ہو جاتے تھے۔ علی گڑھ تحریک چونکہ مسلمانوں کی ثانیہ کو فروغ دے رہی تھی اس لئے اسلام اور بانی اسلام کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کی۔ چنانچہ سرسید کی "خطبات احمدیہ" مولوی چراغ علی کے دو رسالے "بی بی حاجرہ" اور "ماریہ قبطیہ" ڈپٹی نذیر احمد کی ہات المومنین' میں تاریخی صداقتوں کو پیش کیا گیا۔

لیکن اس دور کے سب سے بڑے سوانح نگار شبلی نعمانی اور الطاف حسین حالی تھے۔ مولانا شبلی نے نامورانِ اسلام وانح نگاری کا موضوع بنایا اور ان کی زندگی اور کارناموں کو تاریخ کے تناظر میں پیش کر کے عوام کو اسلام کی مثالی بیتوں سے روشناس کرایا جبکہ مولانا حالی نے اپنے عہد کی عظیم شخصیات کا سوانحی خاکہ مرتب کیا۔ چنانچہ "یادگار غالب" یات جاوید" اور "حیات سعدی" اس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ اس عہد کے دیگر لوگ جنہوں نے سوانح عمریاں لکھیں ان ڈپٹی نذیر احمد، مولوی چراغ علی اور عبدالحلیم شرر شامل ہیں۔ سرسید احمد خان نئی تعلیم کے حامی اور جدیدیت کے علمبردار ۔ انہوں نے حضور نبی کریم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کے لئے اخلاقیات کی خالص قدروں کو فروغ دینے کی کوشش ۔ علی گڑھ تحریک نے قومی زندگی میں جو ولولہ پیدا کیا تھا اسے بیدار رکھنے کے لئے ملی تاریخ سے بھی فائدہ اٹھانے کی ش کی گئی۔ لیکن اس تحریک نے تاریخ کو سپاٹ بیانیہ نہیں بنایا بلکہ اس فلسفے کو جنم دیا کہ تاریخ کے اوراق میں قوم اور شرے کا دھڑکتا ہوا دل محفوظ ہوتا ہے۔ جس کا آہنگ دریافت کر لینے سے مستقبل کو سنوارا اور ارتقاء کے تسلسل کو برقرار جا سکتا ہے۔ اسی نقطہ نظر سے سرسید احمد خان نے آئین اکبری، تزک جہانگیری اور تاریخ فیروز شاہی دوبارہ مرتب یں۔ شبلی نعمانی نے الفاروق، المامون اور اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر لکھیں۔ جبکہ مولوی ذکاء اللہ نے 'تاریخ ہندوستان' تب کی۔

علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کے شاندار ماضی کی قصیدہ خوانی نہیں کی اور نہ ہی اسلاف کی عظمت سے قوم کو مسحور کیا لہ سرسید احمد خان کا ایمان تھا کہ بزرگوں کے یادگار کارناموں کو یاد رکھنا اچھا اور برا دونوں طرح کا پھل دیتا ہے۔ چنانچہ ں تحریک نے تاریخ کے برے پھل سے عوام کو بچانے کی کوشش کی اور ماضی کے تذکرہ جمیل سے صرف اتنی توانائی حاصل ی کہ قوم مستقبل کی مایوسی ختم کرنے کے لئے ایک معیار مقرر کر سکے۔ علی گڑھ تحریک نے تاریخ نگاری کے ایک الگ سلوب کی بنیاد رکھی بقول سرسید "ہر فن کے لئے زبان کا طرز بیان جداگانہ ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ناول اور ناول میں تاریخی طرز کیسی ہی فصاحت و بلاغت سے برتا گیا ہو دونوں کو برباد کر دیتا ہے۔" اس لئے علی گڑھ تحریک نے تاریخ نگاری میں غیر شخصی اسلوب کو مروج کیا اور اسے غیر جانبداری سے تاریخ نگاری میں استعمال کیا۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ کا بیانیہ انداز نثر کی بیشتر رعنائیوں کو زائل کر دیتا ہے۔ تاہم سرسید احمد خان تاریخ کو افسانہ یا ناول بنانے کے حق میں ہرگز نہیں تھے اور وہ شخصی تعصبات سے الگ رہ کر واقعات کی سچی شیرازہ بندی کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے تاریخ کے لئے سادہ اور بیانیہ نثر استعمال کرنے پر زور دیا۔ اور اس نقطہ نظر کے تحت آثار الصنادید کی بوجھل نثر کو سادہ بنایا۔ علی گڑھ تحریک نے زندگی کے جمال کو اجاگر کرنے کے بجائے مادی قدروں کو اہمیت دی۔ چنانچہ ادب کو بے غرضانہ مسرت کا ذریعہ سمجھنے

Marfat.com

کے بجائے ایک ایسا مفید وسیلہ قرار دیا گیا جو مادی زندگی کو بدلنے اور اسے مائل بہ ارتقاء رکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ادب کا یہ افادی پہلو بیسویں صدی میں ترقی پسند تحریک کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ تاہم یہ اعزاز علی گڑھ تحریک کو حاصل ہے کہ اردو زبان کے بالکل ابتدائی دور میں ہی اس عملی حیثیت کو اس تحریک نے قبول کیا اور ادب کو عین زندگی بنا دیا۔ اس اعتبار سے بقول سید عبداللہ سرسید سب پہلے ترقی پسند ادیب اور نقاد تھے۔ اول الذکر حیثیت سے سرسید احمد خان نے ادب کو تنقید حیات کا فریضہ سرانجام دینے پر آمادہ کیا اور موخر الذکر حیثیت سے ادب کی تنقید کے موقر اصول وضع کر کے اپنے رفقاء کو ان پر عمل کرنے کی تلقین کی۔

اگرچہ سرسید احمد خان نے تنقید کی کوئی باقاعدہ کتاب نہیں لکھی لیکن اُن کے خیالات نے تنقیدی رجحانات پر بڑا اثر ڈالا۔ ان کا یہ بنیادی تصور کہ اعلیٰ تحریر وہی ہے جس میں سچائی ہو، جو دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے بعد میں آنے والے تمام تنقیدی تصورات کی اساس ہے۔ سرسید احمد خان سے قبل عبارت آرائی اور قافیہ پیمائی کو اعلیٰ نثر کی ضروری شرط خیال کیا جاتا تھا لیکن سرسید احمد خان نے مضمون کا ایک صاف اور سیدھا طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے انداز بیان کے بجائے مضمون کو مرکزی اہمیت دی اور طریق ادا کو اس کے تابع کر دیا۔ سرسید احمد خان کے یہ تنقیدی نظریات ان کے متعدد مضامین میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں اور ان سے سرسید احمد خان کا جامع نقطہ نظر مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ علی گڑھ تحریک سے اگر پہلے کی تنقیدی پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ علی گڑھ تحریک سے قبل کی تنقید صرف ذاتی تاثرات کے اظہار تک محدود تھی۔ لیکن سرسید احمد خان نے ادب کو بھی زندگی کے مماثل قرار دیا۔ اور اس پر نظری اور عملی زاویوں سے تنقیدی کی۔ گو سرسید احمد خان نے خود تنقید کی کوئی باضابطہ کتاب نہیں لکھی۔ تاہم ان کے رفقاء میں سے الطاف حسین حالی نے "مقدمہ شعر و شاعری" جیسی اردو تنقید کی باقاعدہ کتاب لکھی اور اس کا عملی اطلاق "یادگار غالب" میں کیا۔ مولانا حالی کے علاوہ شبلی نعمانی کے تنقیدی نظریات ان کی متعدد کتابوں میں موجود ہیں۔ ان نظریات کی عملی تقلید "شعر العجم" ہے۔

سرسید نے صرف ادب اور اس کی تخلیق کو ہی اہمیت نہیں دی بلکہ انہوں نے قاری کی اساسی حیثیت کو بھی تسلیم کیا۔ انہوں نے مضمون کو طرز ادا پر فوقیت دی۔ لیکن انشاء کے بنیادی تقاضوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ طرز ادا میں مناسب لطف پیدا کر کے قاری کو سحر اسلوب میں لینے کی تلقین بھی کی۔ چنانچہ ان کے رفقاء میں سے مولانا شبلی اور ڈپٹی نذیر احمد کے ہاں مضمون اور اسلوب کی ہم آہنگی فطری طور پر عمل میں آتی ہے اور اثر و تاثیر کی ضامن بن جاتی ہے۔ اگرچہ ان کے مقابلے میں حالی کے ہاں تشبیہ اور استعارے کی شیرینی کم ہے تاہم وہ موضوع کا فکری زاویہ ابھارتے ہیں اور قاری ان کے دلائل میں کھو جاتا ہے۔ اس طرح مولوی ذکاء اللہ کا بیانیہ سادہ ہے لیکن خلوص سے عاری نہیں جبکہ نواب محسن الملک کا اسلوب تمثیلی ہے اور ان کی سادگی میں بھی حلاوت موجود ہے۔

اصناف نثر میں علی گڑھ تحریک کا ایک اور اہم کارنامہ مضمون نویسی یا مقالہ نگاری ہے۔ اردو نثر میں مضمون نویسی کے اولین نمونے بھی علی گڑھ تحریک نے ہی فراہم کئے۔ تہذیب الاخلاق کے مضمون نگاروں میں سرسید احمد خان، محسن الملک اور مولوی پیر بخش کے علاوہ دیگر کئی حضرات شامل تھے۔ ان بزرگوں کے زیر اثر کچھ مدت بعد اردو میں مقالہ نگاری کے فن نے ہمارے ہاں بڑے فنون ادبی کا درجہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ محسن الملک، وقار الملک، مولوی چراغ علی، مولانا شبلی اور حالی کے مقالے ادب میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ علی گڑھ تحریک میں اصلاحی اور منطقی نقطہ نظر کو تمثیل میں بیان کرنے کا رجحان سرسید احمد خان، مولانا حالی اور محسن الملک کے ہاں نمایاں ہے۔ تاہم مولوی نذیر احمد نے اسے فن کا درجہ دیا اور تحریک

زاویے اور فکری نظریے کے گرد جیتے جاگتے اور سوچتے ہوئے کرداروں کا جمگھٹا کھڑا کر دیا۔ چنانچہ وہ تمام باتیں
ں سرسید احمد خان نسبتاً بے رنگ ناصحانہ لہجے میں کہتے ہیں ڈپٹی نذیر احمد نے انہیں کرداروں کی زبان میں کہلوایا ہے اور
یں زندگی کی حقیقی رمق پیدا کر دی ہے۔ اگرچہ زندگی کی یہ تصویریں بلاشبہ یک رخی ہیں اور نذیر احمد نے اپنا سارا زور
کرداروں کے مثالی نمونے کی تخلیق میں صرف کیا۔ لیکن یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ سقوط دہلی کے بعد مسلمانوں
یوں حالی کے پیش نظر اس وقت مثالی کرداروں کو پیش کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ صاف اور واضح نظر آتا ہے کہ
شبلی اور مولانا حالی نے جو قوت اسلاف کے تذکروں سے حاصل کی تھی وہی قوت نذیر احمد مثالی کرداروں کی تخلیق
اصل کرنے کے آرزومند ہیں۔ مولوی نذیر احمد کے ناول چونکہ داستانوں کے تخیلی اسلوب سے ہٹ کر لکھے گئے تھے
ں میں حقیقی زندگی کی جھلکیاں بھی موجود تھیں اس لئے انہیں وسیع طبقے میں قبولیت حاصل ہوئی اور ان ناولوں کے
ے علی گڑھ تحریک کی معتدل اور متوازن عقلیت کو زیادہ فروغ حاصل ہوا اس طرح نذیر احمد کی کاوشوں سے نہ صرف
ک کے مقاصد حاصل ہوئے بلکہ ناول کی صنف کو بے پایاں ترقی ملی۔

علی گڑھ تحریک نے غزل کے برعکس نظم کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ اس کا سبب خود سرسید احمد خان یہ بتاتے ہیں کہ
ی زبان کے علم وادب میں بڑا نقصان یہ تھا کہ نظم پوری نہ تھی۔ شاعروں نے اپنی ہمت عاشقانہ غزلوں اور واسوختوں
یہ قصوں اور ہجر کے قطعوں اور قصہ کہانی کی مثنویوں میں صرف کی تھی۔" اس بناء پر سرسید احمد خان نے غزل کی ریزہ
کے برعکس نظم کو رائج کرنے کی سعی کی۔ نظم کے فروغ میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مولانا
حسین حالی سے "مسدس حالی" لکھوائی اور پھر اُسے اپنے اعمال حسنہ میں شمار کیا۔ سرسید احمد خان شاعری کے مخالف
لیکن وہ شاعری کو نیچرل شاعری کے قریب لانا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے محمد حسین آزاد کے نیچر مشاعرے
دی اور ان کی مثنوی "خواب امن" کو دل کھول کر سراہا۔ سرسید احمد خان کی جدیدیت نے اس حقیقت کو بھی پا لیا تھا
یہ اور ردیف کی پابندی خیالات کے فطری بہاؤ میں رکاوٹ ہے۔ چنانچہ انہوں نے بے قافیہ نظم کی حمایت کی اور لکھا
دیف اور قافیہ کی پابندی گویا ذات شعر میں داخل تھی۔ رجز اور بے قافیہ شعر گوئی کا رواج نہیں تھا۔ ان باتوں کے نہ
سے ہماری نظم صرف ناقص ہی نہ تھی بلکہ غیر مفید بھی تھی۔" چنانچہ سرسید احمد خان کے ان نظریات کا اثر یہ ہوا کہ اردو
فطرت نگاری کی ایک موثر تحریک پیدا ہوئی۔ نظم جدید کے تشکیلی دور میں علی گڑھ تحریک کے ایک رکن عبدالحلیم شرر
ر گرم حصہ لیا اور "رسالہ دلگداز" میں کئی ایسی نظمیں شائع کیں جن میں جامد قواعد وضوابط سے انحراف برت کر تخلیقی رو کو
ی آزادی عطا کی گئی تھی۔

م بنگال:

برطانوی ہند میں بنگال کا صوبہ آبادی اور رقبے کے لحاظ سے دیگر تمام صوبوں سے بڑا تھا۔ ایک اندازے کے
اس کا کل رقبہ دو لاکھ مربع میل سے زیادہ اور اس کی آبادی آٹھ کروڑ پچاس لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ یہاں کا
ی اور معاشی نظام مکمل طور پر ہندوؤں کے کنٹرول میں تھا۔ 1905ء میں جس وقت لارڈ کرزن (Lord
Cu) ہندوستان کے وائسرائے تھے، ان کی سفارش پر برطانوی پارلیمنٹ نے انتظامی سہولت کے پیش نظر بنگال کو
ں میں تقسیم کرنے کا منصوبہ منظور کر لیا کیونکہ انگریزوں کے مطابق اتنے بڑے اور وسیع صوبے کا انتظام صحیح طریقے
لانا ایک گورنر کے بس کی بات نہ تھی۔ اس تقسیم کے نتیجے میں بنگال کے دو صوبے بن گئے۔ تقسیم بنگال سے ہندوؤں

Marfat.com

اور مسلمانوں پر مختلف اثرات مرتب ہوئے۔ مسلمان اس تقسیم سے بڑے خوش تھے، کیونکہ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، جو ایک نیا صوبہ بن گیا۔ لیکن جہاں تک ہندوؤں کا تعلق تھا وہ اس تقسیم سے بڑے برہم ہوئے اور سیخ پا ہوئے۔ اگرچہ مغربی بنگال میں ان ہی کی اکثریت تھی لیکن وہ ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ مشرقی بنگال مسلم اکثریت والا صوبہ بن جائے اور اس طرح پورے بنگال پر ان کی اقتصادی اور سیاسی اجارہ داری اور بالادستی ختم ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوؤں نے تقسیم بنگال کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس تقسیم کی منسوخی کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ انہوں نے عدم تعاون کی تحریک شروع کر دی اور انگریزی مال کے بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا۔ نیز قانون کی خلاف ورزیاں شروع کر دی گئیں، ٹیکسوں کی ادائیگیاں روک دی گئیں اور بالآخر تشدد پر اتر آئے۔ یہاں تک کہ وائسرائے کو قتل کرنے کی سازشیں تیار ہونے لگیں۔ ان حالات سے انگریز سرکار نے آخرکار گھٹنے ٹیک دیئے اور 1911ء میں بنگال کی تقسیم منسوخ کر دی گئی۔ اس منسوخی سے مسلمانوں کو سخت صدمہ پہنچا لیکن وہ بے چارے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تقسیم بنگال نے ہندوستانی سیاست کے میدان میں نئے بیج بو دیے۔

''کیمبرج ہسٹری آف انڈیا'' کے مطابق تقسیم بنگال کو منسوخ کرانے کے لیے بلوؤں میں ہندو وکلاء سب سے آگے اور پیش پیش تھے۔ اس کی خاص وجہ تھی کہ چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مشرقی بنگال کا ایک نیا صوبہ بننے کا یہ بھی مطلب ہے کہ ڈھاکہ میں ایک نئی ہائی کورٹ کا قیام عمل میں آئے گا جس کی وجہ سے ان کی اپنی عدالتی گرفت پر اثر پڑے گا۔ یاد رہے کہ غیر منقسم بنگال میں ایک ہائی کورٹ تھی جس پر ہندو وکلاء کا قبضہ تھا اور جہاں ان کی پریکٹس اور عدالت بزنس عروج پر تھا۔ وہ اسے ماند پڑنے یا دیکھنے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھے۔ ہندو صحافیوں کو اس بات کا ڈر تھا کہ مشرقی بنگال کو اگر ایک نیا صوبہ بنا دیا گیا تو وہاں سے نئے اخبارات و رسائل کا اجراء ہوگا۔ جس کی وجہ سے ان اخبارات و رسائل وغیرہ کی اشاعت پر زد پڑے گی۔ اس طرح بنگال کی تقسیم کو انہوں نے اپنی کمائی کی تقسیم سے تعبیر کیا جس کے لیے وہ ہرگز تیار نہ تھے۔ اس کے علاوہ ''کالی'' جسے ہندو بڑی ماں کہتے ہیں۔ اس بڑی ماں کی پرستش بنگال میں کافی مقبول تھی۔ اس کالی کی وجہ سے ہندو بنگال کو اپنا مادر وطن خیال کرتے تھے۔ جب انگریز سرکار نے بنگال کو تقسیم کیا، تو مذہبی جنون پرست اور انتہا پسند ہندوؤں نے اس تقسیم کی شدت سے مخالفت کی اور وہ اس لیے کہ ان کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے ان کی ''کالی'' کی زمین تقسیم ہو گئی ہے۔ اور اس سے کالی کی بے عزتی ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی بڑی ماں کی بے عزتی کسی بھی طرح برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

شملہ وفد:

جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں 1906ء کا سال ایک اہم سال قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اسی سال یہاں کے مسلمانوں نے دو نہایت ہی اہم کارنامے سرانجام دیے۔ جب انگریز ہندوستان کا حکمران بنا تھا، مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ پورے ہندوستان سے 35 مسلم زعماء اور عمائدین (پورے برصغیر پاک و ہند سے کل 41 مسلم زعما اس وفد میں شامل کیے گئے تھے لیکن ان میں سے 35 شملہ گئے جبکہ باقی 6 رہنما بیماری یا دیگر مجبوریوں کی وجہ سے شملہ نہیں جا سکے) پر مشتمل ایک نمائندہ وفد نے انگریز وائسرائے لارڈ منٹو سے شملہ میں ملاقات کی۔ مسلمانوں کا یہ وفد ''شملہ وفد 1906ء'' کے نام سے مشہور ہے۔ جن زعماء نے شملہ وفد کو منظم کرنے اور انگریز وائسرائے کے پاس بھیجنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ان میں نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، سید حسین بلگرامی، (عماد الملک) آفتاب احمد خان،

نوب، حاجی محمد اسماعیل، سر سلطان محمد آغا خان سوم، سید امیر علی اور ایم۔اے۔او کالج کے پرنسپل آرک بولڈ کے نام قابل ذکر ہیں۔

شملہ وفد کے پس منظر میں دو فی الفور محرکات کارفرما نظر آتے ہیں:

- تقسیم بنگال پر ہندوؤں کا رویہ
- انگریز سرکار کی جانب سے منٹو مارلے اصلاحات متعارف کرانے کا عندیہ

تقسیم بنگال کی ہندوؤں نے جس انداز اور شد و مد سے مخالفت کی اور انگریزی سرکار کے خلاف عدم تعاون کی تحریک شروع کر دی اس نے جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنے پیدائشی، آئینی اور قانونی حقوق اور مفادات کو تحفظ دلانے کے لیے کوئی ٹھوس لائحہ عمل اختیار کرے۔ مزید برآں جب جولائی 1906ء میں انگریز سرکار کی طرف سے ہندوستان میں منٹو مارلے اصلاحات متعارف کرانے کا عندیہ دیا گیا تو نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، اور دیگر مسلم زعماء نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کا ایک نمائندہ وفد انگریز وائسرائے کے پاس بھیجنے کے انتظامات بلاتاخیر شروع کر دیے تاکہ متوقع اصلاحات میں مسلمانوں کے حقوق اور تحفظ کو یقینی بنایا جا سکے۔ سر سلطان محمد آغا خان سوم کی سربراہی میں مسلمانوں کے اس وفد نے یکم اکتوبر 1906ء کو وائسرائے لارڈ منٹو سے شملہ میں ملاقات کی۔ اور ان کو مسلمانوں کے جذبات، احساسات، اور مطالبات سے آگاہ کیا۔

سپاس نامہ:

مسلمانوں کی طرف سے وائسرائے کو جو سپاسنامہ پیش کیا گیا اسے عماد الملک نے تحریر کیا تھا۔ اس میں مندرجہ ذیل مطالبات تھے۔

1- ہندوستان میں جداگانہ طریقہ انتخابات متعارف کرانے کا مطالبہ۔
2- سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی بھرپور نمائندگی۔
3- یونیورسٹی سنڈیکیٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی۔
4- برطانوی ہند میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ یونیورسٹی قائم کرنے کے لیے امداد۔

مسلمانوں کے ان مطالبات پر انگریز وائسرائے کا ردعمل کافی حوصلہ افزا رہا۔ اپنی جوابی تقریر میں لارڈ منٹو نے یہاں تک کہا۔ ''برائے مہربانی مجھے سمجھنے کی کوشش کیجیے گا۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ مکمل اتفاق کرتا ہوں۔'' مسلمانوں کے اس اقدام سے کانگریسی پنڈتوں کے دامن میں آگ لگ گئی۔ انہوں نے شملہ وفد کو انگریزوں کی ایک اسکیم قرار دیا۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہ تھا۔ دراصل شملہ وفد مسلمانوں کے ان جذبات واحساسات کا مظہر ہے جو 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوؤں کی اسلام اور مسلمان دشمن سرگرمیوں کے باعث پروان چڑھ رہے تھے۔

قیام مسلم لیگ:

شملہ میں قیام کے دوران وفد میں شامل اراکین نے آپس میں گفتگو کے دوران بطور خاص اس موضوع پر اپنے خیالات کا برجستہ اظہار کیا کہ وقت آ پہنچا ہے کہ جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ، سیاسی اور نمائندہ جماعت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ چنانچہ شملہ وفد کے محض تین مہینے بعد 30 دسمبر 1906ء کو ڈھاکہ کے مقام پر نواب وقار الملک کی

صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ برطانوی انڈیا میں ایک سیاسی جماعت تھی برصغیر میں مسلم ریاست کی تشکیل میں سب سے زیادہ کارفرما قوت تھی۔ انڈیا کی تقسیم کے بعد بھی آل انڈیا مسلم لیگ میں ایک اہم جماعت کے طور پر قائم رہی۔ خصوصاً کیرالہ میں دوسری پارٹیوں کے ساتھ شامل ہو کر حکومت سازی پاکستان کی تشکیل کے بعد مسلم لیگ اکثر موقعوں پر حکومت میں شامل رہی۔

برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور تقدیر کی ستم ظریفی کی وجہ سے 1857ء کی جنگ آزادی مسلمان ہار چکے تھے۔ انگریزوں نے چونکہ حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور غدر میں بھی مسلمان ہی پیش پیش تھے لیے انگریزوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم کی نظر مرکوز کر لی۔ لاکھوں مسلمانوں کو بے دردی سے پھانسی دے کر موت کی اتار دیا گیا اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں نیز حکومتی پالیسیاں کچھ اس طرح طے کیں کہ مسلمانوں کا کاروبار تباہ لگا اور وہ مسلمان جو بڑے بڑے محلوں میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے اب وہی مسلمان ٹوٹے پھوٹے چھو چھوٹے مکانوں میں افلاس کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے انگریز نے ملک میں انگریزی تعلیم رائج کر دی جبکہ مسلمان اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم نہیں دلوانا چاہتے تھے کیونکہ وہ غیر مسلم اساتذہ سے اپنے بچوں کی تربیت نہیں کروانا چاہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ انگریز نے اپنی مکارانہ سوچ کو بروئے کار لاتے ہوئے سکولوں سے عربی اور فارسی کو ختم کر کے انگریزی کو رائج کیا اور ساتھ ہی جمعہ کی نماز کے لیے چھٹی دینے سے بھی انکار کر دیا چنانچہ مسلمانوں نے انگریزی تعلیم کا بائیکاٹ جس کی وجہ سے ان کو کوئی سرکاری نوکری نہیں ملتی تھی مختصر یہ کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمان تعلیمی، معاشرتی، سیاسی معاشی طور پر زوال پذیر تھے دوسری طرف ہندو انگریز کی چاپلوسی کر کے اور راجا موہن رائے جیسے ہمدرد اور مخلص رہنما کی بدولت انگریزی تعلیم حاصل کر کے انگریزوں کا نور نظر بن گئے تھے۔ انگریز کی تمام مہربانیاں ان پر تھیں اور اس کے ساتھ کٹھ پتلی حزب اختلاف اور ہندو مفاد پرست جماعت کی تشکیل کے لیے انگریز قانون دان ہیوم نے آل انڈیا نیشنل کانگرس بنائی جو بظاہر تو ہندو مسلم دونوں کی جماعت ہونے کا دعوی کرتی تھی مگر اصل میں وہ صرف ہندومت کی نمائندہ جماعت تھی جو خود کو انگریز کا پسر مانتی تھی اور انگریز کے بعد ہندوستان میں ہندو راج قائم کر کے مسلمانان ہند کو اپنا غلام بنانا چاہتی تھی پس مسلمانوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے 1906ء میں ڈھاکہ کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ قائم کی اس کے پہلے صدر جناب آغا خان تھے اور اس کا مرکزی دفتر علی گڑھ میں تھا۔

مسلم لیگ کے قیام کے اسباب:

1- ہندو تعصب: ہندو ذہنیت ہمیشہ تعصب سے پر رہی ہے۔ ہندو مسلمانوں کو خود سے کم تر جانتے تھے۔ مسلمانوں نے ان پر چونکہ کئی سو سال حکومت کی تھی اس لیے وہ مسلمانوں سے بدلہ لینا چاہتے تھے وہ ہندوستان کو اپنے باپ دادا کی جاگیر اور ہندوستان کی راج گدی کو اپنی ماں کا منگل سوتر خیال کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو وجود برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ یا تو مسلمان یہ ملک چھوڑ کر ادھر ہی چلے جائیں جہاں سے ان کے آباؤ اجداد آئے تھے یا پھر ہندو مذہب قبول کر لیں۔ بعد میں ہندوؤں نے زبردستی مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے شدھی اور سنگٹھن جیسی تحریکیں بھی چلائیں جو متعصب ہندو ذہنیت کا منہ بولتا ثبوت تھیں چنانچہ ہندوؤں کے اس ناروا رویے کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں نے اپنی ایک الگ سیاسی جماعت مسلم لیگ بنائی۔

Marfat.com

آریا سماج تحریک اور بنگالی ادب: ہندو نا صرف مسلمانوں کا جسمانی وجود مٹتا دیکھنا چاہتے تھے بلکہ ان کی ثقافت کو بھی فنا کر دینا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے تحت انھوں نے اسلامی تہذیب وثقافت پر بھی وار کیا۔ بنگالی ادب میں اسلامی کلچر پر کیچڑ اچھالا گیا اور آریا سماج جیسی تحریکیں چلائیں گئیں جن کا مقصد تھا اردو زبان اور رسم الخط کو ختم کر کے اس کی جگہ ہندی زبان رائج کی جائے چنانچہ مسلم تہذیب پر حملہ بھی مسلم سیاسی شعور کی بیداری اور مسلم لیگ کے قیام کا محرک ثابت ہوا۔

گائے کی قربانی کا مسئلہ: ہندو گائے کو اپنی ماتا کا درجہ دیتے تھے اور اسے ذبح کرنا گناہ عظیم تصور کرتے تھے۔ چنانچہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں بھی کھلی اور ناجائز دراندازی کرتے ہوئے گائے کی قربانی پر بھی پابندی عائد کرنی چاہی جس کی وجہ سے ہندو مسلم فسادات ہونے شروع ہو گئے پس اس قسم کے معاملات سے بھی نبرد آزما ہونے کے لیے بھی مسلم لیگ کے قیام کو لازمی قرار دیا گیا

منٹو مارلے اصلاحات 1909:

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد سے یہ تاج برطانیہ کی طرف سے ہندوستانی رعایا کے لیے اصلاحات کی تیسری قسط تھی۔ انڈین کونسل ایکٹ 1861ء اور انڈین کونسل ایکٹ 1892ء کے بعد یہ اصلاحات کا پہلا پیکج تھا جسے اس وقت کے وزیر ہند مسٹر مارلے اور برطانوی ہند گورنر جنرل لارڈ منٹو نے مل کر مرتب کیا تھا۔ برٹش پارلیمنٹ نے ان اصلاحات کے بل کو انڈین کونسلز ایکٹ 1909ء کے نام سے پاس کیا لیکن یہ عام طور پر ان اصلاحات کو منٹو مارلے اصلاحات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

1905ء میں تقسیم بنگال کی وجہ سے ملک میں سیاسی بے چینی بڑھ گئی تھی۔ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے بیزار ہوتے جا رہے تھے۔ 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے ہندوستانی مسلمانوں کی ایک نئی سیاسی جماعت قائم ہو چکی تھی۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں یرغمال ہو چکی تھی۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز انگریز افسروں پر قاتلانہ حملے روز کا معمول بن چکے تھے۔ 1905ء میں جاپان کے ہاتھوں زار روس کی شکست سے ہندوستانیوں کے حوصلے برطانوی سامراجیت کے خلاف بلند ہوتے جا رہے تھے۔ ان حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے انگریزوں نے ہندوستانیوں کو انڈین کونسلز ایکٹ 1909ء کے تحت کچھ اصلاحات دیں۔ اس ایکٹ کی اہم شکیں درج ذیل ہیں

1- مرکزی اور صوبائی لیجسلیٹو کونسلوں میں توسیع کر دی گئی۔ اور ان میں ارکان کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔
2- مرکزی اور صوبائی لیجسلیٹو کونسلوں میں نامزد اور سرکاری اراکین کے مقابلے میں منتخب اور غیر سرکاری اراکین کی تعداد زیادہ کر دی گئی۔ اور یوں مرکزی کونسل کے کل 60 نشستوں کے ایوان میں سے 32 نشستیں غیر سرکاری اراکین کے لیے اور 28 نشستیں سرکاری اور نامزد اراکین کے لیے مختص کر دی گئیں۔
3- مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی میں ہر رکن کو بجٹ سے متعلق بحث میں حصہ لینے، ٹیکسوں میں رد و بدل، کسی نئے قرضے سے متعلق اور یا پھر مقامی حکومتوں کو دی جانے والی گرانٹس کے بارے میں قرارداد پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔
4- وزیر ہند کی کونسل میں دو ہندوستانی (ایک ہندو اور ایک مسلمان) شامل کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔
5- مرکزی اور صوبائی ایگزیکٹو کونسلوں میں مزید ایک ایک ہندوستانی ممبر کا اضافہ کیا گیا۔ لارڈ سنہا پہلے ہندوستانی

Marfat.com

تھے جو ان اصلاحات کے نتیجے میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر مقرر ہوئے

6- جداگانہ انتخاب کا طریقہ رائج کرنے کی منظوری دے دی گئی۔

ہندوستانیوں کا ردعمل:

ان اصلاحات پر ہندوؤں کی طرف سے ملا جلا ردعمل ہوا۔ بعض ہندو رہنماؤں نے ان کو ہوم رول کی طرف قدم قرار دیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے جداگانہ طریقہ انتخاب کے نفاذ کا خیر مقدم کیا اور اسے اپنی پہلی کامیابی قرار دی۔ مطالبہ مسلم زعما نے تین سال قبل 1906ء میں شملہ وفد میں لارڈ منٹو سے ملاقات کے دوران کیا تھا۔ ان اصلاحات کی بدولت انگریز سرکار کسی حد تک ہندوستانی مقننہ میں ہندوستانیوں کی نمائندگی بڑھانے، ہندوستانیوں میں قومیت کے ابھرتے ہوئے رجحانات کو روکنے، سیاسی شورش وقتی طور پر کم کرنے اور عام لوگوں کو ممنون احسان بنانے میں کامیاب رہی۔ یہی وجہ ہے کہ 1911ء میں برطانیہ کے بادشاہ جارج پنجم اور ان کی ملکہ ہندوستان تشریف لائے۔ 12 دسمبر 1911ء کو دہلی میں منعقد ہونے والے عظیم الشان دربار میں شاہ معظم کی رسم تاجپوشی ادا کی گئی۔ اس موقع پر ہز میجسٹی جارج پنجم نے مندرجہ ذیل اہم اعلانات کیے:

1- تقسیم بنگال کی منسوخی کا اعلان۔

2- کلکتہ کی بجائے دہلی کو حکومت ہند کا پایہ تخت مقرر کرنے کا اعلان۔

3- دہلی کے قریب ایک نیا شہر رائے سینا (نئی دہلی) کو آباد کرنے کا اعلان۔

4- بہار، اڑیسہ، چھوٹا ناگپور پر مشتمل ایک نیا صوبہ بنانے کا اعلان۔

5- ہندوستان میں تعلیم کے فروغ اور ترقی کے لیے سالانہ پچاس لاکھ روپیہ مختص کرنے کا اعلان۔

میثاق لکھنو:

غیر منقسم ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں معاہدہ لکھنو کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ یہ معاہدہ آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا کانگریس کے درمیان پہلا اور آخری سیاسی سمجھوتہ تھا۔ انگریز کے دور اقتدار میں اگر ہندوستانیوں کی سیاست کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندوستانیوں کی ایک خاص تعداد اس مفروضے پر یقین رکھتی تھی کہ اگر ہندو اور مسلمان متحد ہو جائیں تو برطانوی سامراجیت کا خاتمہ اور غلامی کی زنجیروں کو توڑنا ممکن ہے۔ مختلف رہنماؤں نے مختلف اوقات میں اس نظریے کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں بھی کی ہیں۔ ایک زمانے تک خود آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا کانگریس میں ایسے رہنما موجود تھے جو اس خیال کے بہت بڑے مدعی تھے۔ مگر بیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کے اندر اور ہندوستان سے باہر چند ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی بنا پر ہندوستان کی سیاست کی کایہ پلٹ گئی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت پیدا ہونے کے لیے حالات سازگار ہوئے۔ مسلمانوں میں تیزی سے انگریز سرکار کے خلاف نفرت کا جذبہ پروان چڑھنے لگا۔ جس کی وجہ انگریز سرکار کی کچھ پالیسیاں تھیں۔ طرابلس میں اٹلی کی کاروائی کی حمایت، کانپور میں بڑے پیمانے پر قتل عام اور بلقان کی جنگوں میں انگریز کی اسلام دشمن سرگرمیوں اور پالیسیوں نے مخالفت کو مزید ہوا دی۔ ان کے علاوہ چند امور ایسے تھے جن پر مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان مکمل اتفاق رائے پایا جاتا تھا۔ ان میں سیکرٹری آف سٹیٹ کی کونسل کو ختم کرانا، امپیریل لیجسلیٹو کونسل اور بڑے بڑے صوبوں میں صوبائی لیجسلیٹو کونسلو کی تعداد

Marfat.com

نے کے ساتھ ساتھ حق انتخاب کا دائرہ وسیع کرانا شامل ہیں۔ اسی سیاسی فضا میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوگئی جس نے مسلم اتحاد کے نظریے کو مزید تقویت پہنچائی۔ اب دونوں قومیں (ہندو اور مسلمان) اپنے مشترکہ دشمن انگریز کے خلاف پیکار ہوگئیں اور کوئی مؤثر اور مربوط لائحہ عمل اختیار کرنے کے لیے پر تول رہی تھیں۔ انہی حالات و واقعات میں بالآخر گریس اور مسلم لیگ کے درمیان فاصلے گھٹ گئے۔ نتیجے کے طور پر 1915ء میں دونوں جماعتوں کے اجلاس ممبئی میں ہی مقام پر منعقد ہوئے جہاں دونوں پارٹیوں کی طرف سے کمیٹیاں تشکیل دی گئیں تاکہ دونوں جماعتوں کے درمیان ہم آہنگی اور مفاہمت کے کسی فارمولے پر بالمشافہ بات چیت ہوسکے۔ نومبر 1916ء میں ان کمیٹیوں کا ایک مشترکہ لکھنو میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں کافی غور و خوض کے بعد ایک معاہدہ طے پایا۔ دسمبر 1916ء میں آل انڈیا نیشنل گریس اور آل انڈیا مسلم لیگ دونوں نے اپنے اجلاس منعقدہ لکھنو میں اس معاہدے کی توثیق کردی۔

ہدہ لکھنو:

غیر منقسم ہندوستان کی تاریخ میں معاہدہ لکھنو کو ایک اہم سیاسی دستاویز قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کے تحت آل انڈیا کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے رہنماؤں نے نہ صرف ایک دوسرے کے مؤقف کے جاننے اور برداشت نے کی کوشش کی ہے بلکہ انہوں نے اپنے رویوں میں بھی خاصی لچک کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے جن پر اتفاق رائے کیا گیا ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

کانگریس نے مسلم لیگ کا مطالبہ برائے جداگانہ انتخاب تسلیم کرلیا۔

مرکزی قانون ساز اسمبلی میں مسلمانوں کے لیے ایک تہائی نشستیں مخصوص کرنے سے بھی کانگریس نے اتفاق کر لیا۔

ہندوؤں کو پنجاب اور بنگال میں Weight age دیا گیا۔ ان صوبوں میں ہندو نشستوں میں اضافے کے ساتھ مسلم لیگ نے اتفاق کرلیا۔

جن جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت نہیں تھی وہاں مسلم نشستوں میں اضافہ کردیا گیا۔

اس بات سے بھی اتفاق کیا گیا کہ کوئی ایسا بل یا قرارداد جس کے ذریعے اگر ایک قومیت متاثر ہوسکتی ہے اور اسی قومیت کے تین چوتھائی اراکین اس بل یا قرارداد کی مخالفت کریں تو ایسا کوئی مسودہ قانون کاروائی کے لیے کسی بھی اسمبلی میں پیش نہیں کیا جائے گا۔

معاہدہ لکھنؤ انگریز کی پالیسی Divide and Rule کے خلاف ایک مؤثر اور بہترین حکمت عملی تھی۔ اس ت عملی کو اپنانے اور اسے عملی جامہ پہنانے میں جن زعماء نے بنیادی کردار ادا کیا ہے ان میں معمار پاکستان قائداعظم جناح کا نام سرفہرست ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو ان کی اپنی خدمات کے اعتراف کے طور پر سفیر اتحاد ہندو مسلم کے ت سے نوازا گیا۔ علاوہ ازیں اس یادگار واقعے کی یاد میں آپ ہی کے نام پر بمبئی میں "جناح ہال" بھی تعمیر کیا گیا۔ قائداعظم کی سیاسی زندگی کا پہلا دور تھا۔ اس پہلے دور میں آپ ہندو، مسلم اتحاد کے داعی تھے۔ یہ معاہدہ آپ کی طرف ہندو مسلم اتحاد کا پہلا تجربہ تھا۔ لیکن بعد کے حالات و واقعات اور خاص کر ہندوؤں کے رویے نے آپ کو اس نظریے منحرف کردیا۔ افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ معاہدہ لکھنؤ جو ہندوستان کی آزادی اور برطانوی سامراجیت کو ختم نے کے لیے ایک ٹھوس اقدام تھا یہ بھی ہندوؤں کی تنگ نظر ذہنیت کی بھینٹ چڑھ گیا جس کی وجہ سے اس پر عمل درآمد

Marfat.com

نہ ہوسکا۔ اگر اس معاہدے کی شرائط پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ معاہدہ قائداعظم اور ان کے ساتھیوں کی ایک بڑی سیاسی جیت تھی۔ کیونکہ اس کی رو سے انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کو ایک علیحدہ اور کامل قوم منوایا بلکہ آل انڈیا لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بھی تسلیم کروایا۔ انہوں نے مسلمانوں کے لیے اس معاہدے کے ذریعے حق حاصل کیا جو بلاشبہ ان کے بہترین مفاد میں تھا کیونکہ اس کے ذریعے وہ ہر ایسے بل کو ویٹو کر سکتے تھے جو ان کے ثقافت یا روایات پر اثر انداز ہوسکتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معاہدے کی رو سے ہندوؤں کی کوشش یہ تھی کہ کسی سے مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان نفاق کے بیج بو دیے جائیں۔ ان کے خیال میں اس کا جو بھی نتیجہ برآمد ہندوؤں کے مفاد میں ہوگا لیکن جب پہلی جنگ عظیم کے بعد حالات تبدیل ہوگئے، تحریک ہجرت اور تحریک خلافت ذریعے انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان براہ راست تصادم کا آغاز ہوا تو اس صورت حال میں ہندوؤں کے لیے لکھنؤ کی اہمیت ختم ہوگئی اس لیے کانگریسی لیڈر شپ نے اس معاہدے کو پس پشت ڈال دیا۔ معاہدہ لکھنؤ ہندو، مسلم کے لیے ایک آزمائش تھی لیکن ہندو مسلم اتحاد کا نظریہ اس آزمائش سے سرخرو ہوکر نہیں نکلا۔

جلیانوالہ باغ:

جلیانوالہ امرتسر ''مشرقی پنجاب، بھارت'' میں سکھوں کے عہد کا ایک باغ تھا جہاں 13 اپریل 1919ء فوج نے سینکڑوں حریت پسندوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس قتل عام کا باعث رسوائے زمانہ رولٹ ایکٹ مارچ 1919ء تھا جس کے ذریعے ہندوستانیوں کی رہی سہی آزادی بھی سلب کر لی گئی تھی۔ تمام ملک میں مظاہرے ہڑتالوں کے ذریعے اس ایکٹ کے خلاف احتجاج کیا جا رہا تھا اور امرتسر میں بھی بغاوت کی سی حالت تھی۔ 13 1919ء بروز اتوار امرتسر کے شہری شام کے 4 بجے اپنے رہنماؤں ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کے لیے جلیانوالہ باغ میں جمع ہوئے۔ حکومت نے جلسے جلوسوں پر تین روز قبل پابندی لگا دی باغ دو سو گز لمبا اور ایک سو گز چوڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف دیوار تھی اور دیوار کے ساتھ ہی مکانات تھے۔ باہر نکلنے کے لیے ایک چھوٹا سا تنگ راستہ تھا۔ تمام باغ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور لوگ مقررین کی تقریریں سن رہے تھے۔ 13 شام ساڑھے چار بجے تک امرتسر اور گرد و نواح سے تقریباً پندرہ سے بیس ہزار تک افراد باغ میں جمع ہو چکے تھے۔ کر پندرہ منٹ پر جنرل ڈائر نے پچاس فوجیوں اور دو آرمرڈ گاڑیوں کے ساتھ وہاں پہنچ کر کسی اشتعال کے بغیر فائرنگ کا حکم دیا۔ اس حکم پر عمل ہوا اور چند منٹوں میں سینکڑوں افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لاتعداد لوگوں کے کونے میں بنے ہوئے کنویں میں چھلانگیں لگائیں تاکہ اپنی جانیں بچا سکیں لیکن ان پر بھی فائرنگ کر دی گئی۔ ریکارڈ کے مطابق کنویں سے ایک سو بیس لاشیں نکالی گئیں اور باقی نہ نکالی جا سکیں۔ فائرنگ بیس منٹ جاری رہی بعد جنرل ڈائر اور ان کے ماتحت فوجی واپس روانہ ہوگئے۔

اس دوران تھری ناٹ تھری کے 1650 راؤنڈ فائر کیے گئے۔ جنرل ڈائر کے اندازے کے مطابق فائر گولیوں میں سے ایک گولی جان لیوا ثابت ہوئی۔ جنرل کا کہنا ہے کہ مرنے والوں کی تعداد دو سو سے تین برطانوی حکومت کے ریکارڈ کے مطابق مرنے والوں کی تعداد تین سو اناسی اور زخمیوں کی تعداد بارہ سو تھی۔ تاہم غیر اعداد و شمار اس کے برعکس ہیں۔ پنڈت مدن موہن مالویہ کا، جنہوں نے اس واقعہ کے فوراً بعد امرتسر پہنچ کر اپنے کی مدد سے اعداد و شمار جمع کیے، کہنا ہے کہ ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔ اتنے بے گناہ

Marfat.com

جان لینے والا جنرل ڈائر خود بھی ایک المناک انجام سے نہ بچ سکا اور 13 مارچ 1940 کو اودھم سنگھ نامی ایک سکھ نے اسے لندن جا کر کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ 1920 میں جلیانوالہ باغ کو پانچ لاکھ ساٹھ ہزار چار سو بیالیس روپے میں خرید لیا گیا لیکن برصغیر کی آزادی تک یہاں یادگار تعمیر نہ کی جا سکی۔ آزادی کے فوراً بعد اس یادگار کی تعمیر شروع ہوئی جو 1961ء میں مکمل ہوئی جس پر سوا نو لاکھ روپے خرچ اٹھا اور اسے شعلہ آزادی کا نام دیا گیا اور اس کا افتتاح ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کیا جو جمہوریہ بھارت کے پہلے صدر تھے۔ مرکزی یادگار کی اونچائی تیس فٹ ہے۔ سانحہ جلیانوالہ باغ، جدید انسانی تاریخ اور آزادی کی تحریکوں کا سب سے المناک واقعہ ہے جو حکمرانوں کی سنگدلی اور تنگ نظری کا مظہر بھی ہے۔

مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات 1919:

پہلی جنگ عظیم میں کامیابی کے بعد تاج برطانیہ نے اپنی ہندوستانی رعایا کے لیے جنگ میں ان کے شاندار خدمات کے اعتراف کے طور پر اصلاحات اور مراعات کا ایک نیا پیکج دیا۔ اس وقت کے وزیر ہند مانٹیگو اور برطانوی ہند کے گورنر جنرل چیمسفورڈ نے مل کر مرتب کیا تھا۔ برٹش پارلیمنٹ نے ان اصلاحات کے بل کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء کے نام سے پاس کیا۔ لیکن یہ عام طور پر مانٹیگو۔ چیمسفورڈ اصلاحات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء کے پس منظر میں مندرجہ ذیل اصلاحات و واقعات قابل ذکر ہیں۔

پہلی جنگ عظیم میں ہندوستانیوں کا کردار: 1918ء میں پہلی جنگ عظیم کو برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے ہندوستان اور ہندوستانیوں کی طاقت پر جیت لیا۔ ایک اندازے کے مطابق اس عالمگیر جنگ میں تقریباً دس لاکھ ہندوستانی فوجی فرنگی سرکار کی طرف سے شریک ہوئے۔ جن میں 36 ہزار ہلاک اور 70 ہزار زخمی ہوئے۔ مالی امداد کی مد میں فوجی اخراجات کے لیے ہندوستانی خزانے سے ایک ارب 54 کروڑ روپیہ ادا کیے گئے۔ ان کے علاوہ وفادار ہندوستانیوں نے عطیے کے طور پر مزید ایک ارب روپیہ انگریز سرکار کی خدمت میں پیش کیے۔

معاہدہ لکھنؤ: جنگ کے دوران ہندوستانیوں میں جو سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں تھیں۔ ان میں مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان 1916ء میں طے پانے والا لکھنؤ کا سمجھوتہ کافی اہم تھا۔ اس سمجھوتے کے تحت ہندوستان کی دونوں بڑی سیاسی جماعتوں نے ایک دوسرے کے مطالبات ماننے اور انگریزوں سے مزید اصلاحات اور مراعات حاصل کرنے سے اتفاق کیا تھا۔

ہوم رول کی تحریک: ہندوؤں کے انتہا پسند رہنماؤں بال گنگادھر تلک اور اینی بسنت نے ہوم رول کے حصول کے لیے اپنی تحریک شروع کر رکھی تھی جس سے ملک میں سیاسی بے چینی بڑھ گئی تھی۔ ان حالات و واقعات کی وجہ سے انگریز سرکار نے جنگ عظیم کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء کے تحت برطانوی ہند کے لیے جن اصلاحات اور مراعات کا اعلان کیا ان کا بنیادی مقصد ہندوستانی رعایا کو یہ باور کرانا تھا کہ تاج برطانیہ کی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہندوستانیوں کو امور حکومت میں شامل کیا جائے تاکہ مستقبل میں ان کو ملک کے مکمل اختیارات سنبھالنے اور چلانے کے لیے اہل بنایا جا سکے۔

مانٹیگو۔ چیمسفورڈ اصلاحات کے چیدہ چیدہ نکات مندرجہ ذیل تھیں:

1- برطانوی ہند میں پہلی مرتبہ امپیریل لیجسلیٹو اسمبلی (مرکزی اسمبلی) کی جگہ دو ایوانی مقننہ کو متعارف کرایا گیا۔ جس

Marfat.com

کے ایوان بالا کو کونسل آف دی سٹیٹ جبکہ ایوان زیریں کو لیجسلیٹو اسمبلی کہتے تھے۔ ایوان زیریں کی کل 145 نشستیں تھیں جن میں 105 منتخب اراکین کے لیے جبکہ 40 انگریز سرکار کی طرف سے نامزد اراکین کے لیے مختص کر دی گئیں تھیں۔

2- برطانوی ہند میں پہلی مرتبہ صوبائی سطح پر دوعملی نظام متعارف کرایا گیا۔ اس نظام کے تحت صوبائی حکومت کے تمام محکمے دو گروپوں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔

1- مخصوص محکمے، DepartmentsReserved

2- منتقلہ محکمے، DepartmentsTransferred

مخصوص محکمے، جن میں فنانس، عدلیہ اور پولیس کے قلمدان شامل تھے، گورنر کی ایگزیکٹو کونسل میں شامل کونسلروں کے حوالے کیے گئے۔ ان کونسلروں کی تقرریاں ہز میجسٹی کی حکومت کیا کرتی تھیں اور یہ کونسلرز گورنر کے سامنے جوابدہ تھے۔

منتقلہ محکمے، جن میں تعلیم، پبلک ہیلتھ، ایکسائز اور زراعت کے قلمدان شامل تھے صوبائی وزراء کو دے دیے گئے۔ اور یہ وزراء صوبائی لیجسلیٹو اسمبلی کے سامنے جوابدہ تھے۔ صوبائی لیجسلیٹو اسمبلی کے کونسلروں میں 70 فیصد منتخب کونسلرز ہوا کرتے تھے۔

3- گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل جو چھ ممبران پر مشتمل ہوا کرتی تھی، میں توسیع کرتے ہوئے ممبران کی تعداد سے متعلق پابندی ختم کر دی گئی لیکن یہ شرط بدستور رکھی گئی کہ کونسل ہذا میں ہندوستانی ممبران کی تعداد تین سے کم نہ ہو۔

4- صوبائی سطح پر گورنر کو سربراہ مقرر کیا گیا۔ یہ تقرری ہز مجسٹی کی حکومت پانچ سال کے لیے کرتی تھیں۔

5- جداگانہ طریقہ انتخاب کے اصول کو نہ صرف برقرار رکھا گیا۔ بلکہ سکھ، انڈین کرسچین اور اینگلو۔ انڈین جیسی قومیتوں کو بھی یہ حق دیا گیا۔

6- رائے دہندگان کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ جو 33 ہزار سے بڑھا کر 55 لاکھ سے زیادہ کر دی گئی۔

7- وزیر ہند کی تنخواہ جو پہلے ہندوستانی خزانے سے ادا کی جاتی تھی اب انگلستان کے خزانے سے مقرر ہوئی۔

8- انڈین کونسلز ایکٹ 1919 کی ایک شق کی رو سے دس سال بعد ان اصلاحات کا جائزہ لینے، ان کو برقرار رکھنے واپس لینے یا ان میں ترمیم وغیرہ کرنے کے لیے ایک آئینی کمیشن مقرر کرنے کا بھی اصولی فیصلہ کیا گیا۔

اگرچہ مانٹیگو۔ چیمسفورڈ اصلاحات کے نتیجے میں مرکزی مقننہ اور صوبائی لیجسلیٹو کونسلوں میں ہندوستانیوں اور غیر سرکاری اراکین کی تعداد میں اضافہ تو کر دیا گیا لیکن خصوصی اختیارات گورنر جنرل اور صوبائی گورنروں کے پاس تھے۔ وہ کسی بھی مسئلے میں ان کونسلروں اور کونسلوں کو PassBy کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں مالیاتی امور میں مقننہ کے پاس کوئی قابل ذکر اختیار نہیں تھا۔ ہندوستانی RuleHome کے طلبگار تھے لیکن انگریز سرکار نے ان صوبوں میں نیم ذمہ دار حکومت عطا کر دی۔ ہندوستانیوں کے سیاسی رہنماؤں نے ان اصلاحات کو ناکافی قرار دیا۔ خاص کر صوبوں میں دوعملی نظام پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے مزید اصلاحات کا مطالبہ کیا۔

تحریک خلافت:

پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے برطانیہ کے خلاف جرمنی کا ساتھ دیا۔ ترکی کی جنگ میں شمولیت سے ہندوستان کے مسلمان پریشان ہوئے کہ اگر انگریز کامیاب ہو گیا تو ترکی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ہندوستان کے

Marfat.com

مسلمانوں نے انگریزوں کا ساتھ دینے کے لیے وزیراعظم برطانیہ لائیڈ جارج سے وعدہ لیا کہ جنگ کے دوران میں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی نہیں ہوگی اور جنگ کے بعد مسلمانوں کی خلافت محفوظ رہے گی۔ جنگِ عظیم اول میں جرمنی کو شکست اور برطانیہ کو فتح ہوئی۔ جنگ کے خاتمے کے بعد برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے اپنی فوجیں بصرہ اور جدہ میں داخل کردیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے انگریزوں کو وعدے یاد دلانے کے لیے اور خلافت کے تحفظ کے لیے ایک تحریک شروع کی جسے 'تحریک خلافت' کا نام دیا گیا۔

خلافت کمیٹی کا قیام

5 جولائی 1919ء کو خلافت کے مسئلے پر رائے عامہ کو منظم کرنے اور متفقہ لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے بمبئی میں آل انڈیا خلافت کمیٹی قائم کردی گئی جس کے صدر سیٹھ چھوٹانی اور سیکرٹری حاجی صدیق کھتری منتخب ہوئے۔ تحریک خلافت کے بڑے بڑے مقاصد یہ تھے:

1- ترکی کی خلافت برقرار رکھی جائے۔

2- مقامات مقدسہ ترکی کی تحویل میں رہیں۔

3- ترکی سلطنت کو تقسیم نہ کیا جائے۔

خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس نومبر 1919ء میں دہلی میں ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ مسلمان انگریز کے جشن فتح میں شریک نہیں ہوں گے اور اگر ان کے مطالبات منظور نہ ہوئے تو وہ حکومت سے عدم تعاون کریں گے۔ اس اجلاس میں ہندوؤں سے تعاون کی اپیل کی گئی۔ کانگریس نے پہلے ہی رولٹ ایکٹ کے خلاف ملک گیر مہم شروع کر رکھی تھی۔ دسمبر 1919ء میں کانگریس مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی کے اجلاس امرتسر میں منعقد ہوئے جہاں گاندھی جی نے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔ 1920ء میں مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں ایک وفد انگلستان، اٹلی اور فرانس کے دورے پر روانہ ہوا تاکہ وزیراعظم برطانیہ اور اتحادیوں کو ان کے وعدے یاد دلائے۔ وفد نے برطانیہ پہنچ کر وزیراعظم لائیڈ جارج سے ملاقات کی لیکن اس کا جواب "آسٹریلیا اور جرمنی سے خوف ناک انصاف ہو چکا اور ترکی اس سے کیوں کر بچ سکتا ہے۔" سن کر مایوسی ہوئی۔ اس کے بعد وفد نے اٹلی اور فرانس کا بھی دورہ کیا مگر اس کی کہیں بھی شنوائی نہ ہوئی۔ خلافت وفد ابھی انگلستان میں ہی تھا کہ ترکی پر معاہدہ سیورے مسلط کردیا گیا جس کے نتیجے میں تمام بیرونی مقبوضات ترکی سے چھین لئے گئے، ترکی پر فضائی فوج رکھنے پر پابندی لگادی گئی اور درہ دانیال پر اتحادیوں کی بالادستی قائم رکھی گئی۔

تحریک ترک موالات:

وفد خلافت کی ناکام واپسی اور معاہدہ سیورے کی ذلت آمیز شرائط کے خلاف خلافت کمیٹی نے 1920ء میں تحریک ترک موالات کا فیصلہ کیا۔ گاندھی جی کو اس تحریک کا رہنما مقرر کیا گیا۔ اس کے اہم پہلو یہ تھے۔

☆ حکومت کے خطابات واپس کردیئے جائیں۔

☆ کونسلوں کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا جائے۔

☆ سرکاری ملازمتوں سے علیحدگی اختیار کرلی جائے۔

☆ تعلیمی ادارے سرکاری امداد لینا بند کردیں۔

Marfat.com

☆ مقدمات سرکاری عدالتوں کے بجائے ثالثی عدالتوں میں پیش کیے جائیں۔

☆ انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔

تحریک ہجرت:

تحریک کے دوران میں کچھ علماء نے برعظیم کو دارالحرب قرار دے کر یہاں سے ہجرت کرنے کا فتویٰ دیا۔ جس پر ہزاروں مسلمانوں نے اپنے گھربار چھوڑ کر افغانستان کی راہ لی۔ یہ ہجرت حکومت افغانستان کے عدم تعاون سے ناکام ہوگئی اور مسلمانوں کو کافی جانی و مالی نقصان کا سامان کرنا پڑا۔

جامعہ ملیہ کا قیام:

مولانا محمد علی جوہر نے علی گڑھ کی انتظامیہ سے سرکاری امداد نہ لینے کی اپیل کی۔ کالج انتظامیہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کے نتیجے میں مولانا محمد علی جوہر نے بہت سے طلبہ کو اپنے ساتھ ملا کر جامعہ ملیہ علی گڑھ کی بنیاد رکھی۔ یہ ادارہ 1925ء میں دہلی منتقل کر دیا گیا۔

موپلہ بغاوت:

ساحل مالابار کے موپلہ مسلمانوں نے تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کے نتیجے میں انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ چنانچہ انہوں نے تنگ آ کر 1925ء میں بغاوت کر دی۔ حکومت نے اس بغاوت کو سختی سے کچل دیا اور ہزاروں موپلوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔

چوراچوری کا واقعہ:

5 فروری 1922ء کو تحریک خلافت کی حمایت میں لوگوں نے مشتعل ہو کر اتر پردیش کے ایک گاؤں چوراچوری میں ایک تھانے کو آگ لگا دی جس میں 22 سپاہی جل مرے۔ اس واقعے کو آڑ بنا کر گاندھی نے اعلان کر دیا کہ چونکہ یہ تحریک عدم تشدد پر کاربند نہیں رہی اس لیے اسے ختم کیا جاتا ہے۔

ناکامی کے اسباب

ناپائیدار اتحاد: ہندوؤں اور مسلمانوں کا اتحاد سطحی، جذباتی اور وقتی تھا۔ دونوں قوموں کو حکومت کے خلاف نفرت نے عارضی طور پر اکٹھا کر دیا تھا لیکن شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں نے جلد ہی اس اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور تحریک خلافت کم زور ہونا شروع ہوگئی۔

مقاصد میں تضاد: مسلمانوں کی تحریک خلافت سیاسی فائدے کے بجائے مذہبی جوش و خروش پر مبنی تھی۔ ہندو اس سے سیاسی فائدہ تلاش کر رہے تھے جو تحریک خلافت کی کامیابی سے ملنا مشکل تھا۔ چنانچہ جب تحریک خلافت کامیابی سے ہم کنار ہونے والی تھی تو گاندھی نے تحریک ختم کرنے کا اعلان کر کے مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔

گاندھی جی کی قلابازی: گاندھی نے اس تحریک کو اس وقت ختم کرنے کا اعلان کیا جب مسلمانوں کے تمام رہنما جیل میں تھے اور تحریک کی قیادت سنبھالنے والا کوئی موجود نہیں تھا۔ اس سے تحریک بھی ختم ہو کر رہ گئی اور مسلمانوں کا اپنے

Marfat.com

...ن سے بھی اعتماد اٹھ گیا۔ گاندھی جی ہندوؤں کے مہاتما بن گئے اور مولانا محمد علی جوہر گوشہ گم نامی میں چلے گئے۔

...میں صدارتی نظام: مارچ 1924ء میں مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک نے ترکی کے علاقے آزاد کرا کے جمہوریہ ...ام اور اپنی صدارت کا اعلان کر دیا اور ترکی میں خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں برطانوی ...ت نے اعلان بالفور کی رو سے فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی سازش کی۔ اس لیے ترکی خلافت کی سابقہ ...و بحال کرنا نہیں چاہتی تھی۔

...دی عرب کا قیام: شریف مکہ نے سعودی عرب کو ترکی سلطنت سے الگ کر لیا تھا۔ جس پر شاہ عبدالعزیز نے ...ی عرب کے نام سے الگ مملکت کے قیام کا اعلان کر دیا جس سے تحریک خلافت ماند پڑ گئی۔

...یک خلافت کے نتائج:

تحریک خلافت جیسی عوامی تحریک کی مثال برصغیر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تحریک اپنے مقاصد ...صول میں ناکام رہی لیکن اس نے ہندوستان کی سیاست اور مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے نقوش مرتب کیے۔

مسلمانوں کی مایوسی
ہندو مسلم اتحاد کا خاتمہ
سیاسی شعور کی بیداری
پرجوش قیادت کا ابھرنا
علماء اور طلبہ کا سیاست میں داخلہ
گاندھی جی کی قیادت
داخلی مسائل کی طرف توجہ
کانگریس اور جمعیت علمائے ہند میں تعاون

...اویز دہلی:

تحریک خلافت کے بعد اور سائمن کمیشن کی تقرری سے پہلے محمد علی جناح اور ان کے ہمنوا ساتھیوں نے ہندو مسلم ...اد کے لیے ایک فارمولا پیش کیا۔ یہ فارمولا عام طور پر "تجاویز دہلی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر بعض حضرات اسے ...مسلم تجاویز" کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ محمد علی جناح نے اپنی سیاسی زندگی کے ابتدائی دور میں ہندو مسلم اتحاد کے ...ے علمبردار تھے۔ 1916ء میں آپ ہی کی کوششوں سے آل انڈیا مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان معاہدہ لکھنو طے ...یا۔ لیکن کانگریسی راہنماؤں کے غیر ذمہ دارانہ رویے، پہلی جنگ عظیم کے واقعات، 1919ء کے ناکافی اصلاحات اور ...ریک خلافت کی وجہ سے یہ معاہدہ اپنے منطقی انجام تک نہ پہنچ سکا۔ مگر ان تمام واقعات کے باوجود محمد علی جناح ہندو مسلم ...تحاد کو حکومت خود اختیاری کے لیے لازمی قرار دیتے تھے۔ 1927ء میں مرکزی اسمبلی میں بجٹ اجلاس کے دوران ہندو ...ہنماؤں خاص کر پنڈت جواہر لال نہرو اور سری نواس آئنگر نے محمد علی جناح کے ساتھ غیر رسمی ملاقاتوں اور گفتگو کے ...دوران اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر مسلم لیگ کے رہنما جداگانہ انتخابات کے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں تو ان کے ...اقی سارے مطالبے کانگریس تسلیم کرے گی۔ کانگریسی راہنماؤں کے اس پیشکش کے بعد محمد علی جناح نے لیگ کے

Marfat.com

قائدین کی ایک کانفرنس دہلی میں طلب کی۔ 20 مارچ 1927ء کو محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہونے والے اجلاس میں لیگ کے رہنماؤں نے کانگریس کے ساتھ مفاہمت کے لیے ایک فارمولا تیار کیا۔ جسے عام طور پر ''تجاویز دہلی'' ''مسلم تجاویز'' کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ تجاویز دہلی پر مشتمل فارمولے میں سب سے اہم شق یہ تھی کہ قائداعظم اور ان کے دیگر ہمنوا لیگی رہنماؤں نے جداگانہ انتخابات سے دستبردار ہونے اور مخلوط انتخابات کو منظور کرنے کے لیے کانگریس کو مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیے:

1- سندھ کو ممبئی سے الگ کر کے ایک نیا صوبہ بنا دیا جائے۔

2- صوبہ سرحد اور بلوچستان میں بھی دیگر صوبوں کے مساوی اصلاحات نافذ کی جائیں۔

3- مرکزی مقننہ میں مسلمانوں کے لیے کم از کم ایک تہائی نشستیں مخصوص کی جائیں۔

4- پنجاب اور بنگال کی صوبائی قانون ساز اسمبلیوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی دی جائے۔

تجاویز دہلی پر ملا جلا ردعمل سامنے میں آیا۔ بعض حلقوں نے اس کو بے حد سراہا جبکہ بعض نے ان پر تنقید کے تیر برسائے۔ سری نواس آئینگر جو 1927ء میں کانگریس کے صدر تھے اور جن کے محمد علی کے ساتھ دوستانہ مراسم بھی تھے کھل کر ان تجاویز کی حمایت کی۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس نے بھی ان کا خیر مقدم کیا۔ پاتابائی سیتارامایا جو کانگریس کی تاریخ لکھنے پر مامور تھے نے ان تجاویز پر یوں تبصرہ کیا ہے:

"It is not evolution of a formula that was required but the approximation of the hearts a clearing of the minds, of the two great communities."

پنجاب کے ہندوؤں نے لالہ لاجپت رائے کی سرکردگی میں ان تجاویز میں سے پنجاب کی صوبائی اسمبلی میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کی تناسب سے نمائندگی دینے سے متعلق شق پر اعتراض کیا۔ ڈاکٹر مونجے اور ہندو مہاسبھا کے دیگر رہنماؤں نے مخلوط انتخابات سے متعلق لیگ کی رضامندی پر برہمی کا اظہار کیا۔ سندھ کے ہندو رہنما جے رام داس دولت رام نے بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کو ہدف تنقید بنایا۔ مدراس کانگریس نے ان تجاویز کو حتمی منظوری کے لیے آل پارٹیز کانفرنس کے سپرد کرنے کی تجویز پیش کر دی۔ خود آل انڈیا مسلم لیگ ان تجاویز کی وجہ سے دو حصوں میں بٹ گئی۔ لیگ کے دو مختلف دھڑے جناح لیگ اور شفیع لیگ کہلانے لگے۔ لاہور کے سر محمد شفیع نے لیگ اور کانگریس کے درمیان جناح لیگ کے اس مفاہمتی فارمولے کو مسترد کر دیا کیونکہ آپ کسی بھی قیمت پر جداگانہ انتخابات کے مطالبے سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال جو شفیع لیگ کے سیکرٹری تھے نے اس مسئلے پر محمد شفیع کا ساتھ دیا۔ اور یوں پنجاب کے مسلمانوں کی اکثریت نے جداگانہ انتخابات پر کسی قسم کا سمجھوتہ کرانے کی بھرپور مخالفت کی۔ معاہدہ لکھنؤ 1916ء کے بعد ''تجاویز دہلی'' کا فورمولا قائداعظم محمد علی جناح کی لیگ، کانگریس اتحاد سے متعلق دوسری سنجیدہ کوشش تھی۔ مگر ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرف سے ملے جلے ردعمل اور خاص کر سائمن کمیشن کی تقرری سے قائد کی یہ کوشش بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔

سائمن کمیشن:

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء کی شق 84-A، کے تحت 1927ء میں تاج برطانیہ کی طرف سے ایک شاہی

Marfat.com

فرمان کے ذریعے برطانوی ہند کے لیے ایک آئینی کمیشن مقرر کیا گیا۔ اس وقت برطانیہ میں کنزرویٹو پارٹی برسر اقتدار تھی اور لارڈ برکن ہیڈ برطانیہ کے وزیر اعظم تھے۔ مذکورہ کمیشن کے چیئرمین چونکہ سر جان سائمن تھے اس لیے اسے عام طور پر سائمن کمیشن کہتے ہیں۔ سائمن کمیشن میں شامل تمام اراکین چونکہ انگریز اور گورے تھے یہی وجہ ہے کہ بعض ناقدین نے اسے 'گورا کمیشن' کا نام بھی دیا۔

سائمن کمیشن کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے

1- 1919ء میں انگریز سرکار کی طرف سے برطانوی ہند میں کی گئی اصلاحات کا جائزہ لینا۔

2- مستقبل میں ہندوستانی حکومت کے ڈھانچے اور طرز کا تعین کرنا۔

3- ہندوستان میں ''ذمہ دار حکومت'' کی تشکیل کے بارے میں سفارشات مرتب کرنا۔

چونکہ سائمن کمیشن کے تمام اراکین انگریز تھے اسی وجہ سے برطانوی ہند کے عوام اور سیاسی حلقوں میں احتجاج کی ایک لہر دوڑ گئی۔ برطانوی ہند کی تقریباً سبھی سیاسی پارٹیوں نے اس کمیشن کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ بائیکاٹ کرنے والوں میں آل انڈیا کانگریس، سنٹرل خلافت کمیٹی، جمعیت العلمائے ہند، جناح لیگ اور ہندوستان کے لبرل رہنما شامل تھے۔ اس موقع پر آل انڈیا مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی۔ پہلا گروہ جناح لیگ دراصل اس کمیشن سے بائیکاٹ کے حق میں تھی جب کہ شفیع لیگ کمیشن ہذا کے ساتھ تعاون کرنے کے حق میں تھی۔

عوامی احتجاج اور بائیکاٹ کے باوجود 1928 میں سائمن کمیشن نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ لیکن ہر جگہ ہندوستانیوں نے کالی جھنڈیوں اور احتجاجی نعروں سے اس کے سامنے مظاہرہ کیا اور ''سائمن واپس چلے جاؤ''، ''ہم سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کرتے ہیں'' کے نعروں اور بینروں سے مظاہرین نے کمیشن کے ارکان کو اپنے جذبات سے آگاہ کیا۔ بعض جگہوں پر عوام نے احتجاجی جلسے کیے اور عوام اور پولیس کے درمیان جھڑپیں بھی ہوئیں۔ ایک ایسی جھڑپ میں جو لاہور میں سائمن کمیشن کے دوسرے دورے کے موقع پر پیش آئی جب پولیس نے لاٹی چارج کیا اور ایک انگریز افسر نے جب ایک ہندو سیاسی رہنما، چونسٹھ سالہ لالہ لاجپت رائے جو مظاہرین میں شامل تھے کے سینے پر ڈنڈے سے پے در پے وار کیے تو بعد میں لالہ نے اپنے جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''جوانو میرے بڑھاپے کی لاج رکھنا۔ آج میرے سینے پر جو سوٹیاں لگی ہیں میری خواہش ہے کہ یہ برطانوی سامراجیت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوں۔''

جن لوگوں نے عوام کے جذبات کے برعکس سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون کیا اور جگہ جگہ گرمجوشی سے کمیشن کا استقبال کیا۔ ان میں نواب صاحبان، خان بہادر صاحبان، رائے بہادر صاحبان، سرکاری ملازمین اور انگریز سرکار کی طرف سے انعام یافتگان قابل ذکر ہیں۔ ان بااثر شخصیات کی بدولت کمیشن ہذا نے ہندوستان کے مختلف حصوں کے نہ صرف دورے کیے بلکہ مختلف لوگوں سے ملاقاتیں اور ان کے انٹرویوز بھی کیے۔

سائمن کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اہم سفارشات پیش کیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1- ہندوستان میں وفاقی طرز حکومت کی تشکیل

2- دوعملی نظام کا خاتمہ

3- صوبائی انتظامیہ کو صوبائی وزیروں (جو صوبائی قانون ساز اسمبلی کے سامنے جوابدہ تھے) کے سپرد کرنا۔

4- صوبائی سطحوں پر قانون ساز اداروں کو وسیع کرنا

5- حق رائے دہی کا دائرہ وسیع کرنا

6- وزراء کا انتخاب صوبائی گورنر کی صوابدید اور اسمبلی کے اندر جن اراکین کو اکثریت حاصل ہو، کی بنیاد پر کرنا۔

سائمن کمیشن کی رپورٹ 7 جون 1930ء کو شائع ہوئی۔ ہندوستان بھر میں مختلف حلقوں کی جانب سے اس پر سخت تنقید اور اعتراضات کیے گئے۔ سائمن کمیشن کی رپورٹ کے بعد برطانوی سرکار نے لندن میں گول میز کانفرنس کا اہتمام کیا۔ اس کانفرنس کے تین دور 10 نومبر 1930ء تا 24 نومبر 1932ء تک منعقد ہوئے۔ ان کانفرنسوں کا بنیادی مقصد ہندوستان کے لیے ایک متفقہ آئین تیار کرنا تھا۔

نہرو رپورٹ:

1927ء میں حکومت برطانیہ نے شاہی فرمان کے تحت ہندوستان کے لیے سائمن کمیشن کا تقرر کیا۔ جس کا مقصد آئینی اصلاحات کا جائزہ لینا تھا۔ ہندوستان بھر میں اس کمیشن کا بائیکاٹ کیا گیا اور جلسے جلوس ہوئے۔ اس کمیشن کی سفارشات کو بھی یکسر مسترد کر دیا گیا۔ سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے بعد 19 مئی 1928ء کو مقامی سیاسی پارٹیوں کی ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس آل پارٹیز کانفرنس میں موتی لعل نہرو کی سربراہی میں ایک نو رکنی کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دیگر اراکین میں سر علی امام، شعیب قریشی، ایم۔ ایس۔ این۔، ایم۔ آر۔ جے کار، جی۔ آر۔ پرتان، سردار مینگل سنگھ، سر تارج بہادر سپرو اور ایم جوشی کے نام شامل ہیں۔ کمیٹی کا مقصد ہندوستان کے لیے ہندوستانیوں کے ذریعے ایک ایسے آئینی ڈھانچے کو تشکیل دینا تھا جو ہندوستان میں آباد تمام قومیتوں کے لیے قابل قبول ہو، یا جس کو کم از کم کانفرنس میں شریک تمام پارٹیوں کی حمایت حاصل ہو۔ اس کمیٹی نے جو آئینی رپورٹ تیار کی ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں اسے نہرو رپورٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ رپورٹ اگست 1928ء میں شائع ہوئی۔ نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ جن شقوں سے مسلمانوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں

1- جداگانہ طریقہ انتخابات کو منسوخ کرنے کے لیے کہا گیا۔

2- ہندوستان کے لیے وفاقی طرز حکومت کی بجائے وحدانی طرز حکومت کی سفارش کی گئی۔

3- مکمل آزادی کی بجائے نوآبادیاتی طرز آزادی کے لیے کہا گیا۔

4- ہندی کو ہندوستان کی سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔

ان سفارشات کو دیکھتے ہوئے کمیٹی کے جانبدارانہ رویئے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ کیونکہ معاہدہ لکھنو 1916ء میں کانگریس نے مسلم لیگ کے جن مطالبات کو منظور کیا تھا، نہرو رپورٹ میں ان ہی سے انحراف کیا گیا۔ دسمبر 1928ء میں نہرو رپورٹ کے باقاعدہ اور باضابطہ منظوری حاصل کرنے کے لیے ایک آل پارٹیز کنونشن دہلی میں طلب کیا گیا۔ مسلم لیگ نے 23 اراکین پر مشتمل ایک نمائندہ کمیٹی قائداعظم کی سربراہی میں اس مقصد کے لیے قائم کر دی تاکہ مجوزہ کونشن میں شامل سیاسی جماعتوں کو مسلم لیگ کے موقف سے آگاہ کیا جائے۔ قائداعظم نے مذکورہ کونشن میں نہرو رپورٹ کو مسلم لیگ کے لیے قابل قبول بنانے کے لیے ایک تین نکاتی فارمولہ پیش کیا۔ جسے کونشن میں شامل تمام سیاسی پارٹیوں نے یکسر مسترد کیا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا: "This is nothing but parting of the ways"

بعد میں آل پارٹیز کانفرنس، جو 31 دسمبر 1928ء کو سر آغا خان کی زیر صدارت دہلی میں شروع ہوئی۔ اس نے نہرو

...رٹ کو باضابطہ طور پر مسترد کر دیا۔

ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں نہرو رپورٹ کو خصوصی اہمیت اس لیے حاصل ہے کہ اس کے بہت بڑے اور تاریخی ...برآمد ہوئے۔ اس رپورٹ کے ذریعے ہندوؤں نے اپنے عزائم کا برملا اظہار کیا، ان کی ذہنیت کھل کر سامنے آئی اور ...کے ذریعے مسلمانوں کے سیاسی اور آئینی حقوق کو پامال کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی۔ یہی وجہ تھی کہ اس رپورٹ ...مسلمانوں میں متعدد خدشات کو جنم دیا۔ کئی ایک سوال ان کے ذہنوں میں ابھرنے لگے۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ...ت علی نے سخت الفاظ میں نہرو رپورٹ کی مذمت کرتے ہوئے کانگریس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا رشتہ توڑ دیا۔

...محمد علامہ اقبال نے ہندوؤں کی ذہنیت، سوچ اور سیاست کے جواب میں خطبہ الہ آباد صادر فرمایا اور مسلم لیگ کے ...فارم سے پہلی بار آپ نے ہندوستان کی تقسیم کی پیش گوئی کر دی۔ آپ نے فرمایا: ''ہندوستان کے مسلمانوں کا آخری ...یہ ہوگا کہ وہ اپنے لیے ایک علیحدہ مملکت کا قیام عمل میں لائیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے نہرو رپورٹ کے جواب میں مشہور زمانہ چودہ نکات پیش کیے، جن کے ذریعے ...انوں کے مطالبات کا احاطہ احسن طریقے سے کیا گیا۔ یہی وہ وقت تھا جب مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان ایک ...تعطل پیدا ہوا۔ یہ تعطل 1947ء تک برقرار رہا، جس کے نتیجے میں بالآخر ہندوستان تقسیم ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ...ستان کی سیاسی پیش رفت میں جوں جوں کانگریسی پنڈت اور ہندو مہاسبھا کے انتہا پسند ہندو تنگ نظر ہوتے گئے، ...اسی مناسبت اور رفتار سے مسلم لیگی لیڈر شپ کی سیاسی بصیرت میں وسعت پیدا ہوتی گئی اور یوں کانگریس اور مسلم ...کے درمیان لڑا جانے والا سیاسی کھیل عمل اور ردعمل کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اپنے منطقی انجام کی طرف گامزن ...ی دیتا ہے۔ اس رپورٹ نے ہندو مسلم اتحاد کے تابوت میں آخری کیل کا کردار ادا کیا۔

...اعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات:

ہندو مسلم مسئلے کے حل کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے مارچ 1929ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس ...نہرو رپورٹ کے جواب میں چودہ نکات پیش کیے جو کہ تحریک پاکستان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قائداعظم ...چودہ نکات درج ذیل ہیں:

ہندوستان کا آئندہ دستور وفاقی نوعیت کا ہوگا۔

تمام صوبوں کو مساوی سطح پر مساوی خود مختاری ہوگی۔

ملک کی تمام مجالس قانون ساز کو اس طرح تشکیل دیا جائے گا کہ ہر صوبہ میں اقلیت کو مؤثر نمائندگی حاصل ہو اور کسی صوبہ میں اکثریت کو اقلیت یا مساوی حیثیت میں تسلیم نہ کیا جائے۔

مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کو ایک تہائی نمائندگی حاصل ہو۔

ہر فرقہ کو جداگانہ انتخاب کا حق حاصل ہو۔

صوبوں میں آئندہ کوئی ایسی سکیم عمل میں نہ لائی جائے جس کے ذریعے صوبہ سرحد، پنجاب اور صوبہ بنگال میں مسلم اکثریت متاثر ہو۔

ہر قوم و ملت کو اپنے مذہب، رسم و رواج، عبادات، تنظیم و اجتماع اور ضمیر کی آزادی حاصل ہو۔

مجالس قانون ساز کو کسی ایسی تحریک یا تجویز منظور کرنے کا اختیار نہ ہو جسے کسی قوم کے تین چوتھائی ارکان اپنے قومی

Marfat.com

مفادات کے حق میں قرار نہ دیں۔

9- سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے غیر مشروط طور پر الگ صوبہ بنا دیا جائے۔

10- صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان میں دوسرے صوبوں کی طرح اصلاحات کی جائیں۔

11- سرکاری ملازمتوں اور خود مختار اداروں میں مسلمانوں کو مناسب حصہ دیا جائے۔

12- آئین میں مسلمانوں کی ثقافت، تعلیم، زبان، مذہب، قوانین اور ان کے فلاحی اداروں کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔

13- کسی صوبے میں ایسی وزارت تشکیل نہ دی جائے جس میں ایک تہائی وزیروں کی تعداد مسلمان نہ ہو۔

14- ہندوستانی وفاق میں شامل ریاستوں اور صوبوں کی مرضی کے بغیر مرکزی حکومت آئین میں کوئی تبدیلی نہ کرے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے نکات کو گرچہ ہندوؤں اور کانگرس نے تسلیم نہ کیا لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے صحیح معنوں میں مسلمانانِ ہند کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کے مفادات وحقوق کو مدلل انداز میں پیش کر کے برطانوی حکومت کو یہ بات باور کروانے کی کوشش کی کہ کانگرس محض ہندوؤں ہی کی فلاح و بہبود کے بارے میں سوچتی ہے جبکہ ہندوستان کی اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کو ان کے حقوق ومفادات کے حوالے سے کسی خاطر میں ہی نہیں لاتی۔ یہ چودہ بنیادی نکات جو کہ صحیح معنوں میں ہندوستان کے اندر مسلمانوں کے حقوق ومفادات کے تحفظ کا موجب بن سکتے تھے۔ اور ان کا تمام طبقات ہائے فکر نے مناسب طریقے سے ان کا خیر مقدم کیا۔

خطبہ الہ آباد:

1930ء کو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس آلہ آباد میں منعقد ہوا۔ اس کی صدارت ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کی۔ انہوں نے اپنے صدارتی خطبے میں بڑی وضاحت سے ہندوستان کے حالات، مسلمانوں کی مشکلات، ان کے مستقبل اور مسلمانانِ ہند کی منزل کی نشان دہی کی۔ کانگرس جس طرح ماضی میں مسلمانوں کے وجود سے انکاری ہوئی تھی اس سے انکار ممکن نہ تھا۔ ان دنوں لندن میں گول میز کانفرنس ہو رہی تھی لیکن علامہ اقبال گاندھی کی ہٹ دھرمی کے پیش نظر جانتے تھے کہ کبھی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلے گا اور مسلمانوں کی منزل ایک علیحدہ مملکت ہی ہے۔

خطبہ آلہ آباد کے اہم نکات:

اسلام ایک زندہ قوت: اسلام ریاست اور فرد دونوں کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت، دستور حیات ہے اور ایک نظام ہے جس شخص کو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے اعزاز سے نوازا وہ اب اسلام کو ایک طاقت سمجھتا ہے اور یہی طاقت انسان کے ذہن کو وطن اور نسل کے تصور کی قید سے نجات دلا سکتی ہے۔

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے: یورپ میں مذہب ایک فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ وہاں فرد روح اور مادہ میں تقسیم، ریاست اور کلیسا جدا ہیں، خدا اور کائنات میں کوئی تعلق نہیں لیکن اسلام ایک وحدت ہے جس میں ایسی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اسلام چند عقائد کا مجموعہ نہیں بلکہ مکمل ضابطہ حیات ہے۔ مذہب کو فرد اور ریاست کی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

مسلمان ایک قوم ہیں: ہندوستان کے مسلمان اپنے تہذیب وتمدن، ثقافت اور اسلام کی وجہ سے یہاں کی دوسری

ون سے مختلف ہیں۔ ان کی تعداد برعظیم میں سات کروڑ ہے اور ہندوستان کے دوسرے باشندوں کی نسبت ان میں وہ ہم آہنگی اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہی جدید ترین معنی میں قوم کہا جاسکتا ہے۔

ہدہ قومیت کی تردید: مغربی ممالک کی طرح ہندوستان کی یہ حالت نہیں ہے کہ اس میں ایک ہی قوم آباد ہو۔ دستان مختلف اقوام کا وطن ہے جن کی نسل، زبان، مذہب سب ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں وہ احساس پیدا نہیں ہوسکا ہے جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں ہوتا ہے۔

رو مسلم دو الگ قومیں: ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں، ان میں کوئی بھی قدر مشترک نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ ایک ہزار سال سے اپنی الگ حیثیت قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ایک ہی ملک میں رہنے کے باوجود ہم میں یک جہتی فضا اس لیے قائم نہیں ہوسکی کہ یہاں ایک دوسرے کی نیتوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ کس طرح فریق مقابل پر غلبہ اور تسلط حاصل کیا جائے۔

سلم ریاست کی ضرورت: ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ تنہا ایک ملک میں سات کروڑ ایمان توحید کی جماعت کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس مقصد کے لیے ایک مرکز قائم کرنا ہوگا۔

ہدہ وطن کا مطالبہ: میں یہ چاہتا ہوں کہ صوبہ پنجاب، صوبہ شمال مغربی سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ریاست کی شکل دی جائے یہ ریاست برطانوی ہند کے اندر اپنی حکومت خود اختیاری حاصل کرے، خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا ہی پڑے گی۔

سائمن کمیشن کی سفارشات پر تنقید: علامہ سر محمد اقبال جداگانہ انتخاب، بنگال، پنجاب اور سرحد میں مسلم اکثریت کو قائم رکھنے کے زبردست حامی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تجاویز کی مخالفت کرتے ہوئے سر شفیع کی حمایت کی تھی۔ کیوں کہ سائمن کمیشن نے بھی بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی آئینی اکثریت کی حمایت نہیں کی تھی اس لئے آپ نے اس پر بھی سخت تنقید کی۔

ہندوستان کی آزادی کے لیے ضرورت اتحاد: علامہ اقبال نے اپنے خطبے میں واضح کردیا کہ اگر مسلمانوں کے جائز مطالبات پورے نہ کئے گئے تو وہ متحد ہو کر کوئی آزادانہ سیاسی قدم اٹھائیں گے۔ مسلم مملکت کا میرا یہ مطالبہ ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے منفعت بخش ہے۔ ہندوستان کو اس سے حقیقی امن و سلامتی کی ضمانت مل جائے گی۔

گول میز کانفرنس:

جون 1929ء میں برطانیہ کے عام انتخابات کے نتیجے میں ریمزے میکڈونلڈ وہاں کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ ہندوستان کے بارے میں نئے وزیر اعظم نے اپنے مشیروں کے ساتھ صلاح مشورے کے بعد سر جان سائمن کی سفارش منظور کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ برطانوی ہند میں آئینی تعطل کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کے لیڈروں کو لندن مدعو کیا جائے تا کہ اگر ہوسکے تو آئین کے بارے میں ان کی باہمی رضامندی کو حاصل کیا جائے۔ یاد رہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی نئے وزیر اعظم کو مشورہ دیا تھا کہ ہندوستان کے آئینی مسئلے کو حل کرنے کے لیے متعلقہ فریقین کے

Marfat.com

درمیان بات چیت کو از سر نو شروع کیا جانا چاہیے۔ ہندوستان کے اس وقت کے وائسرے لارڈ اروِن نے جب اس کا اعلان کیا تو قائد اعظم اور آپ کے ہم خیال لیڈروں نے اس کا خیر مقدم کیا جس کے نتیجے میں کانگریس کی طرف اس پر نکتہ چینیاں شروع ہوگئیں۔ کانگریسی سورماؤں نے اسے "لین دین" کے عمل میں پہلے قدم سے تعبیر کیا، لیکن کافی غور و خوض کے بعد کانگریسی لیڈر شپ نے مشروط طور پر حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کا فیصلہ کیا اور مجوزہ کانفرنس میں شرکت کے لیے مندرجہ ذیل شرائط پیش کیں۔

1- تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے
2- مجوزہ گول میز کانفرنس میں کانگریس کو مؤثر نمائندگی دی جائے۔
3- کانفرنس محض آئین کے بارے میں اصول پر بحث کرنے کی بجائے ایک نو آبادیاتی طرز کے آئین کو مرتب کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کرے۔
4- جتنا جلد ممکن ہو سکے ہندوستان میں ایک نو آبادیاتی طرز کی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔

یاد رہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان آئین کے بارے میں بنیادی اختلاف اس بات پر تھا کہ کانگریسی راہنما ایک ایسے آئین کو وضع کرنا چاہتے تھے جس کی رو سے زیادہ سے زیادہ اختیارات مرکزی حکومت کے پاس آ جائیں لیکن اس کے برعکس مسلم لیگ کے زعماء ایک ایسے آئین کو چاہتے تھے جس کی رو سے زیادہ سے زیادہ اختیارات صوبوں کو مل جاتے۔ دوسرے الفاظ میں کانگریس ایک مضبوط مرکزی حکومت جبکہ مسلم لیگ صوبائی خود مختاری کی خواہش مند تھی۔ جہاں تک کانگریس کی شرائط کا تعلق رہا وائسرے نے صرف ایک شرط جو سیاسی قیدیوں کی رہائی سے متعلق تھی کو منظور کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کی اور باقی تمام شرائط کو مسترد کر دیا۔ اس پر کانگریس نے ملک بھر میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوسری طرف آل انڈیا مسلم لیگ نے فروری 1930ء میں گول میز کانفرنس کی تجویز کی منظوری دیتے ہوئے حکومت کے ساتھ تعاون کا فیصلہ کیا۔ گول میز کانفرنس کے تین دور ہوئے۔

پہلا دور: پہلا دور 10 نومبر 1930ء کو شروع ہوا اور 19 جنوری 1931ء تک جاری رہا۔ مسلمانوں کی نمائندگی آغا خان، محمد علی جناح، سر محمد ظفر اللہ خان، اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ نے کی۔ جبکہ کانگریس نے اس دور کا بائیکاٹ کیا۔ پہلے دور میں طویل اجلاسوں اور کاروائیوں کے بعد اس بات سے اتفاق کیا گیا کہ ہندوستان کے لیے سب سے موزوں اور مؤثر نظام حکومت صوبوں اور ریاستوں پر مشتمل وفاقی طرز حکومت ہے اس کے علاوہ متعدد امور کے لیے کمیٹیاں اور سب کمیٹیاں بھی تشکیل دی گئیں۔ آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا کے مطابق پہلے دور میں انگریز سرکار کو جو خاص کامیابی نصیب ہوئی وہ ریاستوں کے نمائندوں کا آل انڈیا فیڈریشن میں شمولیت پر راضی ہونا تھا۔ اس دور میں مولانا محمد علی جوہر کی تقریر جو آزادی کامل سے متعلق تھی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں تو آزادی کامل کو اپنا مسلک قرار دے چکا ہوں۔ میں اس وقت تک اپنے غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا۔ جب تک اپنے ہمراہ آزادی کو لیکر نہ جاؤں۔ اگر آپ نے ہمیں ہندوستان میں آزادی نہ دی تو تمہیں مجھے یہاں قبر کی جگہ دینا ہوگی۔" اللہ کو شاید یہی منظور تھا۔ اس تقریر کے بعد مولانا کا لندن ہی میں انتقال ہوا۔ آپ کے رفقاء نے مناسب نہ سمجھا کہ آپ کی وصیت کے برعکس آپ کا جسد خاکی ہندوستان لے آئیں۔ لہٰذا آپ کا جسد خاکی بیت المقدس لے جا کر دفنایا گیا۔

دوسرا دور: دوسرا دور 7 دسمبر 1931ء کو شروع ہوا اور یکم دسمبر 1931ء تک جاری رہا۔ گاندھی، اروِن معاہدے کے

گاندھی نے کانگریس کی نمائندگی کرتے ہوئے اس دور میں شرکت کی۔ دوسری طرف ڈاکٹر علامہ اقبال دیگر مسلم زعماء بھی شامل ہو گئے۔ گاندھی اور مسلمانوں کے نکتہ نظر میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ گاندھی کا اصرار تھا کہ کانگریس کو سارے ہندوستانیوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کیا جائے لیکن مسلمان اس بے معنی منطق کو ماننے کے لیے قطعی طور پر تیار نہ تھے۔ اسی طرح یہ دوسرا دور بھی بغیر کسی کامیابی کے ختم ہوا۔ گاندھی نے کانفرنس کی ناکامی کی تمام تر ذمہ داری برطانیہ سرکار پر عائد کر دی۔ اپنے مشن میں ناکامی کے بعد وہ جونہی ہندوستان لوٹے، ان کو دوبارہ گرفتار کروا کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس دوسرے دور کے بعد محمد علی جناح عارضی طور پر ہندوستانی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور لندن ہی میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن وہاں ٹھہرنے کے باوجود بھی آپ اپنے ملک میں سیاسی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ گول میز کانفرنس کے دوسرے دور کی ناکامی کے بعد برطانوی وزیر اعظم ریمزے میکڈونلڈ نے برطانوی ہند میں اقلیتوں کے مسائل حل کرنے کے لیے ان کے حقوق کو آئینی تحفظ فراہم کرنے کے لیے 4 اگست 1932ء کو ایک اہم فیصلے کا اعلان کیا۔ جس کو کیمونل ایوارڈ کا نام دیا گیا۔ اس ایوارڈ کے تحت اقلیتوں کو جداگانہ انتخابات کی رعایت دی گئی۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لیے ایک تہائی نشستیں مخصوص کر دی گئیں۔ ملازمتوں میں مسلمانوں کے لیے ایک چوتھائی حصہ مقرر کر دیا گیا۔ مزید برآں سکھوں، عیسائیوں، اینگلو انڈین اور شودروں کے لیے بھی نشستیں مقرر کر دی گئیں۔

تیسرا دور: گول میز کانفرنس کا تیسرا اور آخری دور 17 نومبر 1932ء سے 24 نومبر 1932ء تک لندن میں منعقد ہوا۔ اس دور میں شرکاء کی تعداد پہلے ادوار کی نسبت کافی کم تھی۔ کانگریس کا کوئی نمائندہ اس دور میں شریک نہ ہوا۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی اس آخری دور میں شرکت نہیں فرمائی۔ اس دور کا زیادہ تر وقت ہندوستان میں حکومتی ڈھانچے اور اقلیتوں کو آئینی تحفظات فراہم کرنے سے متعلق امور پر غور کرنے میں گزرا۔ لیکن کانگریس کی عدم موجودگی کے باعث کسی ٹھوس فارمولے پر اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ گول میز کانفرنس کے اختتام پر حکومت برطانیہ نے مختلف کمیٹیوں کی رپورٹوں، سفارشوں اور تجاویز پر مبنی ایک وضاحتی قرطاس ابیض (وائٹ پیپر) مارچ 1933ء میں شائع کر دی۔ گول میز کانفرنس میں ناکامی کے بعد حکومت برطانیہ نے اپنی طرف سے ایک آئین نما قانون کی منظوری دی جسے قانون حکومت ہند مجریہ 1935ء (گورنمنٹ انڈیا ایکٹ 1935) کا نام دیا گیا۔ اس قانون کے تحت 1937ء میں ہندوستان میں عام انتخابات منعقد کروائے گئے۔ جن میں کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے حصہ لیا۔ 1937ء کے انتخابات میں کانگریس کا پلڑہ بھاری رہا۔ ان انتخابات کے نتیجے میں ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کانگریسی وزارتیں قائم ہوئیں۔

دو قومی نظریہ

جنگ آزادی 1857ء کے دس سال بعد علی گڑھ مکتبہ فکر کے بانی سر سید احمد خان نے ہندی اردو جھگڑے کے باعث 1867ء میں جو نظریہ پیش کیا، اُسے ہم دو قومی نظریے کے نام سے جانتے ہیں۔ اس نظریے کی آسان تشریح یوں کی جا سکتی ہے کہ اس کے مطابق نہ صرف ہندوستان کے متحدہ قومیت کے نظریے کو مسترد کیا گیا بلکہ ہندوستان ہی کے ہندو اور مسلمان کو دو علیحدہ علیحدہ اور کامل قومیں قرار دے دی گئیں۔ انڈین نیشنل ازم پر یقین رکھنے والوں کے لیے دو قومی نظریہ صور اسرافیل بن کر گونجا۔ ہماری شاہراہ آزادی پر دو قومی نظریہ وہ پہلا سنگ میل ہے جسے مشعل راہ بنا کر مسلمانان ہند بالآخر 1947ء میں اپنے منزل مقصد کو پانے میں سرخرو ہوئے۔

جنگ آزادی 1857ء کے زخم ابھی تازہ ہی تھے کہ ہندوؤں نے ایک اور مسئلے کو لا کھڑا کیا۔ یہ جھگڑا ہندی اردو

جھگڑے 1867ء کے نام سے موسوم ہے۔ 1867ء میں بنارس کے ہندوؤں نے لسانی تحریک شروع کر دی جس کا مقصد اردو کی جگہ ہندی کو سرکاری اور عدالتی زبان کے طور پر رائج کرنا تھا۔ اور عربی رسم الخط کی جگہ دیوناگری رسم الخط کو اپنانا تھا۔ اس جنونی اور لسانی تحریک کا صدر دفتر آلہ آباد میں قائم کیا گیا جبکہ پورے ملک میں ہندوؤں نے کئی ایک ورکنگ کمیٹیاں تشکیل دیں، تاکہ پورے ہندوستان کے تمام ہندوؤں کو اس تحریک میں شامل کیا جائے اور اس کے مقاصد کے حصول کو ممکن بنایا جائے۔ اگر غیر جانبداری سے دیکھا جائے تو اردو کے خلاف ہندوؤں کی تحریک ایک ناقابل فہم اور غیر دانشمندانہ اقدام تھا کیونکہ اردو کو جنوبی ایشیاء میں نہ صرف متعارف کرانے اور ہر دلعزیز بنانے بلکہ اسے بام عروج پر پہنچانے کے لیے انہوں نے وہی کردار ادا کیا تھا جو خود مسلمانوں کا تھا۔ اگر اردو کا کوئی قصور تھا بھی تو صرف اتنا کہ اس نے مسلمانوں کے شاندار ماضی ان کے بہادروں، عالموں اولیاء کرام اور سپہ سالاروں کے کارناموں اور کرداروں کو اپنے اصناف اور دبستانوں میں محفوظ کر لیا ہے۔ کئی مسلمان رہنماؤں نے ہندوؤں کو سمجھانے کی کوشش کی ان پر واضح کیا گیا کہ اردو انڈو اسلامک آرٹ کا ایک لازمی جزو بن گئی ہے۔ کوئی لاکھ بار چاہے تو جنوبی ایشیاء کے ثقافتی ورثے سے اس انمول ہیرے کو نکال باہر نہیں کر سکتے۔ مگر ان دلائل کا ہندوؤں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ سرسید احمد خان جو ان دنوں خود بنارس میں تھے بھی اپنی تمام تر مصالحتی کوششوں میں بری طرح ناکام رہے کیونکہ سرسید ہی کے قائم کردہ سائنٹیفک سوسائٹی آف انڈیا کے ہندو اراکین بھی اردو کے خلاف تحریک میں پیش پیش تھے۔ ہندی اور اردو کے درمیان اس قضیے کا نتیجہ بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فسادات کی صورت میں برآمد ہوا۔ ثقافتوں کے اس ٹکراؤ نے سرسید کے خیالات میں ایک اور انقلاب برپا کر دیا۔ ایک دن بنارس کے چیف کلکٹر شیکسپیئر سے ہندی اردو جھگڑے سے متعلق تبادلہ خیال کرتے ہوئے سرسید احمد خان نے اپنا مشہور زمانہ دوقومی نظریہ پیش کرتے ہوئے کہا:

"Now I am convinced that both these communities will not join whole heartedly in any thing. Hostility between the two communities will increase immensely in the future. He who lives will see."

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ سرسید احمد خان ہندی اردو جھگڑے سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کے بڑے علمبردار تھے اور متحدہ قومیت کے حامی تھے لیکن اس جھگڑے کے باعث ان کو اپنے سیاسی نظریات یکسر تبدیل کرنا پڑے۔ ہندو مسلم اتحاد کی بجائے اب وہ انگریز مسلم اتحاد کے داعی بن گئے اور متحدہ قومیت کے بجائے ہندوستان میں مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کے عظیم پیامبر بن کر ابھرے۔ سرسید احمد خان کے بعض سوانح نگاروں کے مطابق اس جھگڑے سے پہلے سرسید آئیڈیل ازم پر یقین رکھتے تھے لیکن اس جھگڑے نے ان کی آنکھیں کھول کر رکھ دیں اور وہ نظریاتی دُنیا سے نکل کر حقیقی دُنیا میں آ گئے۔ یہ تھا وہ جھگڑا جس نے ہندوستان میں متحدہ قومیت کے سامنے ایک بڑا سوالیہ نشان لا کھڑا کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندی اردو جھگڑے کی صورت میں ہم ان دو مختلف ثقافتوں کا ٹکراؤ دیکھتے ہیں جو باوجود اس حقیقت کے کہ صدیوں تک ایک ہی خطے میں پروان چڑھی تھیں لیکن ریل کی دو پٹریوں کی طرح یا ندی کے دو کناروں کی طرح نہ کبھی ماضی میں آپس میں گھل مل گئے اور نہ کبھی مستقبل میں ان کے گھل مل جانے کا کوئی امکان تھا۔ مکتبہ علی گڑھ کے قائدین نے دوقومی نظریے کو منطقی انجام تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان کا استدلال تھا کہ دوقومی نظریے ہی کی بنیاد پر مسلمانانِ ہند اپنے دائمی حلیفوں کو دائمی غلامی سے بچا سکتے ہیں۔ اس نظریے کے حامی راہنماؤں نے 1906ء

میں نہ صرف شملہ وفد کو منظم کیا بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے مسلمانانِ ہند کے لیے ایک الگ نمائندہ سیاسی جماعت بھی قائم کر دی۔ 1906ء سے 1947ء تک آل انڈیا مسلم لیگ کی سیاست کا مرکز دو قومی نظریہ ہی رہا ہے۔ اس ضمن میں آل انڈیا نیشنل کانگریس، ہندو مہا سبھا دیگر ہندو تنظیمیں اور ہندو رہنما اپنی تمام تر کوششوں، حربوں اور چالوں میں مکمل طور پر ناکام رہے ہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے قائدین کو دو قومی نظریے سے برگشتہ کیا جا سکے اور اس نظریے کو غلط مفروضے کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ یورپ کی سیر، یورپ میں مطالعہ اور مسجد قرطبہ میں اذان دینے کے بعد ڈاکٹر علامہ اقبال نے عملی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لینا شروع کیا تو آپ کے سیاسی نظریات سامنے آئے۔ 1930ء میں الہ آباد کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کے اکیسویں سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے آپ نے نہ صرف دو قومی نظریے کی مکمل وضاحت کی بلکہ اسی نظریئے کی بنیاد پر آپ نے مسلمانانِ ہند کی ہندوستان میں ایک الگ مملکت کے قیام کی پیشن گوئی بھی کر دی۔ دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے دوران آپ نے محمد علی جناح سے کئی ملاقاتیں کیں جن کا مقصد دو قومی نظریئے ہی کی بنیاد پر مسلمانانِ ہند کے حقوق کے تحفظ کے لیے کوئی قابل قبول حل تلاش کرنا تھا۔ 1936ء سے 1938ء تک آپ نے قائداعظم کو جو مکتوبات بھیجے ہیں ان میں بھی دو قومی نظریئے کا عکس صاف اور نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ بانی پاکستان دو قومی نظریئے کے سب سے بڑے علمبردار رہے ہیں آپ نے نہ صرف آل انڈیا نیشنل کانگریس کے تاحیات صدر بننے کی پیشکش کو مسترد کیا بلکہ علمائے دیوبند اور مسلم نیشنلسٹ رہنماؤں کی مخالفت بھی مول لی لیکن دو قومی نظریئے کی صداقت پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے پاکستان کا مقدمہ دو قومی نظریئے ہی کی بنیاد پر لڑا اور اسی بنیاد پر ہی آل انڈیا مسلم لیگ کو ہندوستان کے شمال مشرق اور شمال مغرب میں آباد مسلمانوں کی واحد نمائندہ اور سیاسی جماعت منوایا۔ دو قومی نظریئے کو نظریہ پاکستان میں منتقل کرنے کا سہرا آپ ہی کو جاتا ہے۔

1937 کے انتخابات:

گول میز کانفرنس کی ناکامی کے بعد برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستان میں ایک حکومتی ڈھانچہ قائم کرنے کے لیے 4 اگست 1935ء کو ایک مسودہ قانون کی منظوری دے دی۔ ہم اس کو ''قانون ہند مجریہ 1935ء'' کے نام سے جانتے ہیں۔ اس قانون کے دو حصے تھے۔

۱- وفاقی حصہ

۲- صوبائی حصہ

قانون ہذا کے مطابق مرکزی سطح پر تمام صوبوں اور ریاستوں کے باہمی اشتراک سے ایک آل انڈیا فیڈریشن کا قیام عمل میں لانے کا فیصلہ کیا گیا۔ جبکہ باہمی صوبائی سطحوں پر 1919ء کی اصلاحات کی رو سے رائج الوقت دو عملی نظام حکومت کو ذمہ دار حکومت سے تبدیل کر دیا گیا۔ اڑیسہ کو ایک نیا صوبہ بنایا گیا۔ صوبہ سرحد کو مکمل طور پر صوبے کا درجہ دیا گیا۔ جہاں تک اس قانون کے وفاقی حصے کا تعلق تھا، آل انڈیا نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ دونوں سیاسی جماعتوں نے اسے مسترد کر دیا اور ریاستوں کی طرف سے بھی اس پر کافی اعتراضات کیے گئے۔ دوسری طرف اس قانون کے صوبائی حصہ کو مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے قبول کر لیا۔ جس کے تحت جنوری 1937ء میں ہندوستان کے کل گیارہ صوبوں میں انتخابات منعقد ہوئے۔ نتائج کے مطابق کانگریس کو پانچ صوبوں، مدراس، متحدہ صوبہ جات، مرکزی صوبہ جات بہار

Marfat.com

اور اڑیسہ میں قطعی اکثریت حاصل ہوگئی۔ کانگریس کی لیڈر شپ نے ان صوبوں میں مخلوط حکومت بنانے سے انکار کر دیا اور اس طرح ان صوبوں میں واحد پارٹی کانگریس کی حکومتیں تشکیل دی گئیں۔ چند دنوں بعد کانگریسی رہنماؤں نے بمبئی اور سرحد میں بھی چند اقلیتی پارٹیوں کی مدد سے حکومتیں قائم کر لی اور اس طرح ہندوستان کے کل گیارہ صوبوں میں کانگریس نے سات صوبوں میں اپنی وزارتیں قائم کر لیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان انتخابات کے دوران کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لعل نہرو نے دعویٰ کیا تھا کہ ہندوستان میں صرف دو قوتیں ہیں، ایک انگریز سرکار اور دوسری آل انڈیا نیشنل کانگریس۔ اس پر قائداعظم نے نہرو کو چیلنج کرتے ہوئے یاد دلایا کہ ایک تیسری قوم بھی ہے اور اس تیسری قوم کا نام مسلمان ہے جس کی جذبہ ایمانی کو کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ قانون مجریہ 1935ء کے تحت قائم ہونے والی کانگریسی وزارتوں کو سوا دو سال تک کام کرنے کا موقع ملا۔ نومبر 1939ء میں کانگریس اور انگریز کے درمیان دوسری جنگ عظیم میں ہندوستان کی شمولیت کے سوال پر اختلافات کی وجہ سے وزارتوں کو مجبوراً مستعفی ہونا پڑا۔ مسلم لیگ نے قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر 22 دسمبر 1939ء کو یوم نجات منایا۔ انتخابات 1937ء اور ان کے نتیجے میں قائم ہونے والی کانگریسی وزارتوں کی کارکردگی نے مسلم لیگ کی سیاست کا محور تبدیل کر کے رکھ دیا۔ پہلے مغل دربار کے دوران اور بعد میں ہندوستان میں انگریزوں کی آمد کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ہندوؤں کو اقتدار نصیب ہوا۔ انہوں نے اپنی ذہنیت، سیاست، تنگ نظری اور انتہا پسندی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ بلکہ مستقبل کے لیے اپنے عزائم کا اظہار بھی کیا۔ انہوں کونسے کونسے اقدامات کیے ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

1- صوبائی قانون ساز مجلسوں میں کاروائی کا آغاز بندے ماترے سے ہوتا تھا۔ یہ بات مسلمان اراکین کے قابل قبول نہ تھی۔

2- تمام تعلیمی اداروں میں دن کا آغاز بندے ماترم سے ہوتا جس سے مسلمان طلباء میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہو گیا۔

3- گائے کا ذبیحہ ممنوع قرار دیا گیا۔

4- دوران اذان مساجد کے سامنے متعصب ہندوؤں نے ڈھول باجے بجانے کا نیا طریقہ اپنایا۔

5- مسلمانوں کو کانگریس میں شامل کرنے کے لیے ملک گیر سطح پر تحریک شروع کر دی گئی۔

ان وجوہات کی بنا پر مسلمانان ہند بوکھلا گئے۔ ان کو نہ صرف اپنا جداگانہ تشخص خطرے میں نظر آنے لگا بلکہ ایسے حالات پیدا کیے جا رہے تھے جہاں ان کو ان کے دیرینہ غلاموں کی غلامی قبول کرنے کے لیے بھی مجبور کیا جا رہا تھا۔ جس کے لیے مسلمان کسی بھی قیمت پر راضی نہیں تھے۔ سچ پوچھیے تو 1937ء کے انتخابات مسلمانوں کے لیے ایک تازیانے سے کم نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تین صوبوں کے وزراء اعلیٰ پنجاب کے سکندر حیات خان، بنگال کے فضل الحق اور آسام کے سعد اللہ خان بیک وقت مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہوئے آپ کے مشن پر لبیک کہا۔ ان کی آمد سے مسلم لیگ ایک ناقابل شکست قوت بن کر سامنے آئی۔ 1937ء کے انتخابات کے تجربے سے گزرنے کے بعد مسلم زعماء جان گئے کہ ہندوستان میں محض ان کے حقوق کا تحفظ کافی نہیں ہے بلکہ مکمل خود ارادیت اُن کے خدشات اور احساس محرومیت کا مداوا کر سکتا ہے۔ اتنی بڑی تبدیلی کے بعد اب آل انڈیا مسلم لیگ کے رہنما اس قابل تھے کہ اپنی چونتیس سالہ سیاست کا ثمر مسلمانوں کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہ ثمر اور یہ منزل مقصود ہم

پاکستان کی صورت میں دیکھتے ہیں جس کی منظوری آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے ستائیسویں سالانہ اجلاس جو مارچ 1940ء میں لاہور میں منعقد ہوا، میں دی۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرارداد پاکستان کے پس منظر میں جو سب سے بڑا اور فی الفور محرک ہے۔ وہ یہی 1937ء کے انتخابات اور کانگریسی وزارتیں ہیں۔
ان وزارتوں کی وجہ سے مسلم لیگ صحیح معنوں میں آل انڈیا مسلم لیگ بنی۔

قرارداد پاکستان:

23 مارچ 1940ء کو لاہور کے منٹو پارک میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تین روزہ سالانہ اجلاس کے اختتام پر وہ تاریخی قرارداد منظور کی گئی تھی جس کی بنیاد پر مسلم لیگ نے برصغیر میں مسلمانوں کے جدا وطن کے حصول کے لیے تحریک شروع کی تھی اور سات برس کے بعد اپنا مطالبہ منظور کرانے میں کامیاب رہی۔ برصغیر میں برطانوی راج کی طرف سے اقتدار عوام کو سونپنے کے عمل کے پہلے مرحلے میں 1936 / 1937ء میں جو پہلے عام انتخابات ہوئے تھے ان میں مسلم لیگ کو بری طرح سے ہزیمت اٹھانی پڑی تھی اور اس کے اس دعویٰ کو شدید زک پہنچی تھی کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس وجہ سے مسلم لیگ کی قیادت اور کارکنوں کے حوصلے ٹوٹ گئے تھے اور ان پر ایک عجب بے بسی کا عالم تھا۔ کانگریس کو مدراس، یوپی، سی پی، بہار اور اڑیسہ میں واضح اکثریت حاصل ہوئی تھی جبکہ سرحد اور بمبئی میں اس نے دوسری جماعتوں کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت تشکیل دی تھی اور سندھ اور آسام میں بھی جہاں مسلمان حاوی تھے کانگریس کو نمایاں کامیابی ملی تھی۔ پنجاب میں البتہ سر فضل حسین کی یونینسٹ پارٹی اور بنگال میں مولوی فضل الحق کی پرجا کرشک پارٹی کو جیت ہوئی تھی۔ غرض ہندوستان کے 11 صوبوں میں سے کسی ایک صوبہ میں بھی مسلم لیگ کو اقتدار حاصل نہ ہو سکا۔ ان حالات میں مسلم لیگ کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ برصغیر کے سیاسی دھارے سے الگ ہوتی جا رہی ہے۔ اس دوران کانگریس نے جو پہلی بار اقتدار کے نشے میں کچھ زیادہ ہی سرشار تھی، ایسے اقدامات کیے جن سے مسلمانوں کے دلوں میں اندیشات اور خطرات نے جنم لینا شروع کر دیا۔ مثلاً کانگریس نے ہندی کو قومی زبان قرار دے دیا، گاؤ کشی پر پابندی عائد کر دی اور کانگریس کے ترنگے کو قومی پرچم کی حیثیت دی۔ اس صورت میں مسلم لیگ کی اقتدار سے محرومی کے ساتھ اس کی قیادت میں یہ احساس پیدا ہو رہا تھا کہ مسلم لیگ اقتدار سے اس بناء پر محروم کر دی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کہلاتی ہے۔ یہی نقطہ آغاز تھا مسلم لیگ کی قیادت میں دو جدا قوموں کے احساس کی بیداری کا۔ اسی دوران دوسری عالم گیر جنگ کی حمایت کے عوض اقتدار کی بھرپور منتقلی کے مسئلہ پر برطانوی راج اور کانگریس کے درمیان مناقشہ بھڑکا اور کانگریس اقتدار سے الگ ہو گئی تو مسلم لیگ کے لیے کچھ دروازے کھلتے دکھائی دیے۔ اور اسی پس منظر میں لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ 3 روزہ اجلاس 22 مارچ کو شروع ہوا۔ خاکسار جماعت نے پابندی توڑتے ہوئے ایک عسکری پریڈ کی تھی جس کو روکنے کے لیے پولیس نے فائرنگ کی۔ 35 کے قریب خاکسار جاں بحق ہوئے۔ اس واقعہ کی وجہ سے لاہور میں زبردست کشیدگی تھی اور پنجاب میں مسلم لیگ کی اتحادی جماعت یونینسٹ پارٹی برسر اقتدار تھی اور اس بات کا خطرہ تھا کہ خاکسار کے بیلچہ بردار کارکن، مسلم لیگ کا یہ اجلاس نہ ہونے دیں یا اس موقع پر ہنگامہ برپا کریں۔ موقع کی اسی نزاکت کے پیش نظر قائداعظم محمد علی جناح نے افتتاحی اجلاس سے خطاب کیا جس میں انہوں نے پہلی بار کہا کہ ہندوستان میں مسئلہ فرقہ وارانہ نوعیت کا نہیں ہے بلکہ بین الاقوامی ہے یعنی یہ دو قوموں کا مسئلہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں فرق اتنا بڑا اور واضح ہے کہ ایک مرکزی حکومت کے تحت ان کا اتحاد خطرات سے بھرپور ہوگا۔ انہوں نے کہا

Marfat.com

کہ اس صورت میں ایک ہی راہ ہے کہ ان کی علیحدہ مملکتیں ہوں۔ دوسرے دن انہی خطوط پر 23 مارچ کو اس زمانہ کے بنگال کے وزیراعلی مولوی فضل الحق نے قرارداد لاہور پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ اس وقت تک کوئی آئینی پلان نہ تو قابل عمل ہوگا اور نہ مسلمانوں کو قبول ہوگا جب تک ایک دوسرے سے ملے ہوئے جغرافیائی یونٹوں کی جداگانہ علاقوں میں حد بندی نہ ہو۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے جیسے کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقے، انہیں یکجا کر کے ان میں آزاد مملکتیں قائم کی جائیں جن میں شامل یونٹوں کو خودمختاری اور حاکمیت اعلی حاصل ہو۔ مولوی فضل الحق کی طرف سے پیش کردہ اس قرارداد کی تائید یو پی کے مسلم لیگی رہنما چوہدری خلیق الزماں، پنجاب سے مولانا ظفر علی خان، سرحد سے سردار اورنگ زیب سندھ سے سر عبداللہ ہارون اور بلوچستان سے قاضی عیسٰی نے کی۔ قرارداد 23 مارچ کو اختتامی اجلاس میں منظور کی گئی۔ اپریل سنہ 1941 میں مدراس میں مسلم لیگ کے اجلاس میں قرارداد لاہور کو جماعت کے آئین میں شامل کر لیا گیا اور اسی کی بنیاد پر پاکستان کی تحریک شروع ہوئی۔ لیکن اس وقت بھی ان علاقوں کی واضح نشاندہی نہیں کی گئی تھی جن پر مشتمل علیحدہ مسلم مملکتوں کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔

پہلی بار پاکستان کے مطالبے کے لیے علاقوں کی نشاندہی 7 اپریل سن 1946ء دہلی کی تین روزہ کونشن میں کی گئی جس میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے مسلم لیگی اراکین نے شرکت کی تھی۔ اس کونشن میں برطانیہ سے آنے والے کیبنٹ مشن کے وفد کے سامنے مسلم لیگ کا مطالبہ پیش کرنے کے لیے ایک قرارداد منظور کی گئی تھی جس کا مسودہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے دو اراکین چوہدری خلیق الزماں اور حسن اصفہانی نے تیار کیا تھا۔ اس قرارداد میں واضح طور پر پاکستان میں شامل کیے جانے والے علاقوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ شمال مشرق میں بنگال اور آسام جبکہ شمال مغرب میں پنجاب سرحد، سندھ اور بلوچستان۔ تعجب کی بات ہے کہ اس قرارداد میں کشمیر کا کوئی ذکر نہیں تھا حالانکہ یہ شمال مغرب میں اکثریت والا علاقہ تھا اور پنجاب سے جڑا ہوا تھا۔ یہ بات بے حد اہم ہے کہ دہلی کونشن کی اس قرارداد میں دو مملکتوں کا ذکر یکسر حذف کر دیا گیا تھا جو قرارداد لاہور میں بہت واضح طور پر تھا۔ اس کی جگہ پاکستان کی واحد مملکت کا مطالبہ پیش کیا گیا تھا۔ غالباً بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ قرارداد لاہور کا اصل مسودہ اس زمانہ کے پنجاب کے یونینسٹ وزیراعلی سر سکندر حیات خان نے تیار کیا تھا۔ یونینسٹ پارٹی اس زمانہ میں مسلم لیگ میں ضم ہو گئی تھی اور سر سکندر حیات خان پنجاب لیگ کے صدر تھے۔ سر سکندر حیات خان نے قرارداد کے اصل مسودہ میں برصغیر میں ایک مرکزی حکومت کی بنیاد پر عملی کنفیڈریشن کی تجویز پیش کی تھی لیکن جب اس مسودہ پر مسلم لیگ کی سبجیکٹ کمیٹی میں غور کیا گیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے خود اس مسودہ میں واحد مرکزی حکومت کا ذکر یکسر کاٹ دیا۔ سر سکندر حیات خان اس بات پر سخت ناراض تھے اور انہوں نے 11 مارچ سن 1941 کو پنجاب کی اسمبلی میں صاف صاف کہا تھا کہ ان کا پاکستان کا نظریہ جناح صاحب کے نظریہ سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ ہندوستان میں ایک طرف ہندو راج اور دوسری طرف مسلم راج کی بنیاد پر تقسیم کے سخت خلاف ہیں اور وہ ایسی تباہ کن تقسیم کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ سر سکندر حیات خان دوسرے سال 1942 میں 50 سال کی عمر میں انتقال کر گئے یوں پنجاب میں محمد علی جناح کو شدید مخالفت کے اٹھتے ہوئے حصار سے نجات مل گئی۔

سن 1946 کے دہلی کونشن میں پاکستان کے مطالبہ کی قرارداد حسین شہید سہروردی نے پیش کی اور یو پی کے لیگی رہنما چوہدری خلیق الزماں نے اس کی تائید کی تھی۔ قرارداد لاہور پیش کرنے والے مولوی فضل الحق اس کونشن میں

Marfat.com

شریک نہیں ہوئے کیونکہ انہیں 1941ء میں مسلم لیگ سے خارج کر دیا گیا تھا۔ دہلی کنونشن میں بنگال کے رہنما ابوالہاشم نے اس قرارداد کی پر زور مخالفت کی اور یہ دلیل پیش کی کہ یہ قرارداد لاہور کی قرارداد سے بالکل مختلف ہے جو مسلم لیگ کے آئین کا حصہ ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ قرارداد لاہور میں واضح طور پر دو مملکتوں کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا لہٰذا دہلی کنونشن کو مسلم لیگ کی اس بنیادی قرارداد میں ترمیم کا قطعی کوئی اختیار نہیں۔ ابوالہاشم کے مطابق قائداعظم نے اسی کنونشن میں اور بعد میں بمبئی میں ایک ملاقات میں یہ وضاحت کی تھی کہ اس وقت چونکہ برصغیر میں دو الگ الگ دستور ساز اسمبلیوں کے قیام کی بات ہو رہی ہے لہٰذا دہلی کنونشن کی قرارداد میں ایک مملکت کا ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ اس وقت جب پاکستان کی دستور ساز اسمبلی آئین مرتب کرے گی تو وہ اس مسئلہ کی حتمی ثالث ہوگی اور اسے دو علیحدہ مملکتوں کے قیام کے فیصلہ کا پورا اختیار ہوگا۔ لیکن پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے نہ تو قائداعظم کی زندگی میں اور نہ اس وقت جب سن 1956 میں ملک کا پہلا آئین منظور ہو رہا تھا برصغیر میں مسلمانوں کی دو آزاد اور خود مختار مملکتوں کے قیام پر غور کیا۔ 25 سال کی سیاسی اتھل پتھل اور کشمکش اور سن 1971 میں بنگلہ دیش کی جنگ کی تباہی کے بعد البتہ برصغیر میں مسلمانوں کی دو الگ الگ مملکتیں ابھریں جن کا مطالبہ قرارداد لاہور کی صورت میں آج بھی محفوظ ہے۔

کرپس مشن:

عالمی سطح پر دوسری جنگ عظیم کے کئی ایک نتائج برآمد ہوئے۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی بڑے پیمانے پر سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جنگ کے آغاز پر جب انگریزوں نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر کے اور ہندوستان کو بالواسطہ طور پر اس میں ملوث کیا تو انگریز کے اس اقدام کے نتیجے میں کانگریسی وزارتیں مستعفی ہوئیں۔ دسمبر 1940ء میں جاپان جرمنی کی طرف سے جنگ میں کود پڑا جس سے جنگ کا نقشہ یکسر تبدیل ہوا۔ جاپان کے پے در پے حملوں اور کامیابیوں سے جنوب مشرقی ایشیاء جاپانیوں کے ہاتھ لگا اور اس کے ایک ماہ بعد رنگون پر بھی جاپانیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اب وہ ہندوستان کی سرحدوں پر دستک دینے والے تھے۔ جاپانیوں کے ان پے در پے کامیابیوں نے ہندوستان میں انگریزوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ ان کی سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہونے لگیں۔ کیونکہ ایک طرف ان کو جاپانیوں کا سامنا تھا تو دوسری طرف ہندوستان کے اندرونی حالات بھی سازگار نہ تھے۔ کانگریسی وزارتیں احتجاجاً مستعفی ہو گئیں تھیں۔ مسلم لیگ نے قرارداد لاہور کے ذریعے اپنے لیے ایک علیحدہ منزل مقصود کا تعین کیا تھا۔ جاپانیوں کا بہاؤ روکنے کے لیے انگریزوں کو ہندوستانیوں کے تعاون اور مدد کی اشد ضرورت تھی۔ اس خیال کے پیش نظر حکومت برطانیہ نے اپنے رویے میں تھوڑی نرمی اور لچک پیدا کر دی۔ مذکورہ حالات کے پیش نظر برطانوی وزیراعظم چرچل نے مارچ 1942ء میں سر سٹیفورڈ کرپس کو ایک اہم مشن پر ہندوستان بھیجا۔ یہ مشن "کرپس مشن" کے نام سے مشہور ہے۔ کرپس مشن نے جو منصوبہ پیش کیا اس کے اہم نکات مندرجہ ذیل تھے۔

1- جنگ کے خاتمے پر ایک کمیٹی منتخبہ کو ہندوستان کے لیے نیا آئین بنانے کی ذمہ داری سونپ دی جائے گی۔

2- مجوزہ آئین کے مطابق کوئی بھی صوبہ یا صوبے اگر چاہیں تو ہندوستان کی یونین سے الگ ہو سکتے ہیں۔ اور اپنے لیے ایک علیحدہ حکومت کا قیام عمل میں لا سکتے ہیں۔

3- جنگ کے دوران موجودہ آئین میں کوئی بڑی تبدیلی نہ ہوگی اور ہندوستان کی دفاع انگریز حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔ کوشش کی جائے گی کہ ہندوستان کی بڑی بڑی قوموں کے زعماء کو ملکی کونسلوں، دولت مشترکہ اور اقوام متحدہ

Marfat.com

میں فوری اور مؤثر طریقے سے شرکت دلائی جائے۔ کانگریس نے کرپس مشن کو مکمل طور پر مسترد کر دیا۔ اور فوری طور پر ملک مین کانگریس کی خود مختار حکومت تشکیل دینے کا مطالبہ کر دیا۔ مسلم لیگ نے بھی کرپس مشن کے منصوبے کو اس جواز پر مسترد کر دیا کہ اس میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مملکت کے قیام کے لیے کوئی ٹھوس ضمانت نہیں دی گئی تھی۔ کرپس مشن کی ناکامی کے بعد کانگریس نے "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک کا نعرہ بلند کیا۔ اور ساتھ ہی سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کا بھی عندیا دیا۔ اس پر برطانوی حکومت مشتعل ہوگئی اور کانگریس کے سرکردہ رہنماؤں کو پابند سلاسل کر دیا۔ جس سے ملکی سیاسی فضا اور بھی مکدر ہوگئی اور پورے برصغیر میں تشدد کے واقعات کا آغاز ہوا۔ مسلم لیگ نے اس تحریک میں حصہ نہیں لیا، کیونکہ بقول قائداعظم اس تحریک کا مقصد نہ صرف انگریزی حکومت کو اس پر مجبور کرنا ہے کہ وہ کانگریس کو اختیارات منتقل کر دے بلکہ اس کا مطلب یہ بھی بنتا ہے کہ ہم اپنے لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ کانگریس کے آگے اپنا ہتھیار ڈال دیں۔ یہی وہ وقت ہے جب آل انڈیا مسلم لیگ قائداعظم کی قیادت میں اپنی سیاست کے فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوتی ہے۔ قائداعظم کی سیاست ہند کے افق پر عروج کو چھوتی ہے۔ لیگ اور انگریزوں کے درمیان گہری مفاہمت جنم لیتی ہے جس کے نتیجے میں انگریزوں کی سوچ میں مسلمانان ہند کے لیے کافی مثبت تبدیلی رونما ہوتی ہے۔

گاندھی جناح مذاکرات 1944:

مدراس کے سابق وزیراعظم اور تقسیم ہند کے بعد بھارت کے پہلے ہندوستانی گورنر جنرل چکروتی راج گوپال اچاری کا شمار غیر منقسم ہندوستان کے اہم سیاسی راہنماؤں میں کیا جاتا ہے۔ آپ موہن داس کرم چند گاندھی کے نہایت ہی قابل بھروسہ پیروکار اور معتقد خاص تھے۔ کرپس مشن کے بعد راج گوپال اچاری نے کانگریس اور لیگ کے درمیان مفاہمت کرانے کے لیے ایک فارمولا مرتب کیا جسے راج گوپال اچاری فارمولا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

1- ہندوستان میں عبوری مدت کے لیے ایک عبوری حکومت قائم کرنے کے سلسلے میں کانگریس کی کوششوں میں مسلم لیگ تعاون کریگی۔

2- جنگ کے بعد ایک کمیشن قائم کیا جائے گا جو ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں واقع ان ضلعوں کی جو آپس میں ملحق ہیں اور جہاں مسلمانوں کی قطعی اکثریت ہے کی نشاندہی کرے گا۔ نشاندہی کے بعد ان علاقوں میں ضلعی سطحوں پر بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ریفرنڈم منعقد کرایا جائے گا تاکہ مذکورہ علاقوں کا باقی ہندوستان سے علیحدگی کے بارے میں حتمی فیصلہ کیا جا سکے۔ اگر اکثریت نے ہندوستان سے الگ اور ایک خود مختار ریاست کے حق میں رائے دی تو ان کے فیصلے پر عمل درآمد ہوگا۔ تقسیم ہند کی صورت میں دونوں ممالک کے درمیان بغیر کسی تعصب کے مشترکہ سرحد پر واقع ضلعوں کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ دونوں ممالک میں کسی ایک کے ساتھ الحاق کرے۔

3- تمام سیاسی پارٹیوں کو اجازت ہوگی کہ ضلعی سطح پر مذکورہ ریفرنڈم کے انعقاد سے پہلے اپنے اپنے مؤقف کی تشہیر کرتے جائیں گے۔

4- تقسیم ہند کی صورت میں دفاع، مالیات، رسل و رسائل اور دیگر ضروری شعبوں میں باہمی معاہدے کیے جائیں گے۔

5- تقسیم ہند کی صورت میں دونوں ممالک کے درمیان آبادی کی منتقلی مکمل طور پر رضاکارانہ ہوگی۔

6- مندرجہ بالا نکات پر عمل درآمد اس صورت میں ہوگا جب برطانیہ مکمل اختیارات اور ذمہ داری ہندوستان کو سونپ دے۔

Marfat.com

گاندھی نے اپنی طرف سے فارمولے کی حمایت کر دی۔ 18 اپریل 1944ء کو اسے قائد اعظم کے پاس بھیجا گیا۔ 10 جولائی 1944ء کو اسے پہلی مرتبہ عوام کے سامنے پیش کیا گیا۔ راج گوپال اچاری فارمولے نے برطانوی سرکار کی طرف سے کرپس مشن 1942ء اور آل انڈیا نیشنل کانگریس کی تحریک ''ہندوستان چھوڑ دو'' کے بعد ستیہ گرہ کے علمبردار موہن داس کرم چند گاندھی اور مسلم لیگ کے صدر قائد اعظم محمد علی جناح کے درمیان ہندوستانی مسئلے کا متفقہ حل ڈھونڈنے کے لیے مذکرات شروع کرنے کی راہ ہموار کر دی۔ راج گوپال اچاری فارمولے پر قائد اعظم محمد علی جناح اور گاندھی کے درمیان ستمبر 1944ء میں مذکرات ہوئے۔ 9 ستمبر سے 27 ستمبر 1944ء تک دونوں راہنماؤں کے درمیان چودہ ملاقاتیں ہوئیں۔ ان ملاقاتوں کے دوران 21 خطوط کا تبادلہ بھی کیا گیا۔ جن میں 12 قائد اعظم اور 9 گاندھی نے لکھے۔ لیکن 27 ستمبر 1944ء کو ان مذکرات کی ناکامی کا اعلان کیا گیا۔

ناکامی کے اسباب:

1- گاندھی ذاتی حیثیت سے جبکہ قائد اعظم آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے مذکرات میں شریک رہے۔
2- گاندھی مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔
3- راج گوپال اچاری فارمولے کے اہم نکات پر عمل درآمد ہندوستان سے انگریز کے انخلاء سے مشروط کیا گیا تھا۔
4- گوپالی فارمولے میں ہندوستانی ریاستوں کے بارے میں کوئی شق موجود نہیں تھی اور نہ تقسیم ہند کی صورت میں دونوں ممالک میں اقلیتی فرقوں کے تحفظ کیلئے کوئی ضمانت دی گئی تھی۔

قائد اعظم محمد علی جناح کانگریسی راہنماؤں کی سیاسی چالوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ انگریز کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد کانگریس کبھی بھی اچاری فارمولے کی اہم شقوں پر عمل درآمد نہیں کرے گی۔ اور یوں گاندھی جناح مذکرات ناکام ثابت ہوئے۔ اگر ان مذکرات کا کوئی نتیجہ برآمد ہوا تو صرف یہ کہ قائد اعظم کے وقار میں اضافہ ہوا۔ کیونکہ ان مذکرات کے تمام دور بمبئی میں ان ہی کی رہائش گاہ، مالا بار ہل میں منعقد ہوئے۔

انتخابات 1945-1946:

برصغیر میں عام انتخابات منعقد کروانا ضروری تھا۔ جنگ عظیم دوم کے خاتمے اور شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد یہ اندازہ لگانا لازم ہو گیا کہ مختلف سیاسی جماعتوں کی عوام میں کیا حیثیت ہے اور وہ برصغیر کے مستقبل کے بارے میں کس جماعت کے مؤقف سے ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ یہ جاننے کے لیے کہ قائد اعظم کا مؤقف درست تھا یا غلط، واحد طریقہ تھا کہ عوام سے رجوع کر کے ان کی رائے معلوم کی جائے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ دنیا کی نئی سپر پاور بن گیا۔ اس طرح حکومت برطانیہ پر بھی امریکہ کا دباؤ بڑھ گیا تھا کہ برصغیر کے سیاسی مسائل کا حل ڈھونڈا جائے۔ اس صورت حال میں برطانوی حکومت نے عوامی رجحانات کا پتہ چلانے کی خاطر عام انتخابات کا اعلان کیا۔ دسمبر 1945ء میں مرکزی اسمبلی اور جنوری 1946ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کروانے کا فیصلہ ہوا۔ تمام جماعتوں نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ انڈین نیشنل کانگرس کا منشور یہ تھا کہ جنوبی ایشیا کو ایک وحدت کی صورت میں آزاد کروایا جائے گا۔ تقسیم کی کوئی سکیم قابل قبول نہ ہو گی۔ کانگرس نے انتخابات میں 'اکھنڈ بھارت' کا نعرہ لگایا۔ کانگرس کا دعویٰ تھا کہ وہ برصغیر میں رہنے والے تمام گروہوں اور فرقوں کی نمائندہ جماعت ہے اور مسلمان بھی کانگرس کے نقطہ نظر سے ہم آہنگ ہیں۔ آل انڈیا

Marfat.com

مسلم لیگ نے انتخابی اکھاڑے میں قدم اس دعویٰ کے ساتھ رکھا کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ مسلمان مسلم لیگ کے علاوہ کسی اور جماعت سے تعلق نہیں رکھتے۔ مسلم لیگ چاہتی ہے کہ قرارداد پاکستان کے مطابق جنوبی ایشیا کو تقسیم کر دیا جائے اور مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کو مکمل اقتدار اعلیٰ حاصل ہو جائے۔ قائداعظم کا دعویٰ تھا کہ عام انتخابات پاکستان کے بارے میں استصواب رائے (Referendum) ہوں گے۔ اگر مسلمان پاکستان کے حق میں ہیں تو وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں ورنہ اس مطالبہ کو از خود مسترد سمجھا جائے۔

تمام جماعتوں نے زبردست مہم چلائی۔ تمام جماعتوں کے قائدین نے پورے ملک میں دورے کیے۔ کانگرس نے یونینیسٹ پارٹی، مجلس احرار، جمعیت العلمائے ہند اور دیگر اسلامی جماعتوں سے زبردست انتخابی اتحاد بنایا اور مسلم لیگ کا راستہ روکنے کے لیے ہر ممکن قدم اٹھایا۔ دوسری جانب انتخابات چونکہ مسلمانوں کے لیے موت اور حیات کا معاملہ تھے اس لیے مسلم لیگ کے لیڈروں نے پورے ملک کے دورے کیے اور ہر کونے میں پاکستان کا پیغام پہنچایا۔ قائداعظم نے اپنی خرابی صحت کے باوجود پورے ملک میں طوفانی دورے کیے اور مسلمانوں کو وقت کی اہمیت کا احساس دلایا۔ مسلم لیگ تیزی سے مقبولیت حاصل کرنے لگی تھی۔ بہت سے مسلمان لیڈر دوسری جماعتوں سے کٹ کٹ کر مسلم لیگ میں شامل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ محمد علی جناح نے اپنے جلسوں میں کھلم کھلا کانگرس کو چیلنج کیا کہ انتخابات میں مسلم لیگ، پاکستان کے بارے میں مطالبے کو سچا ثابت کر کے اور مسلمانان برصغیر کے لیے پاکستان تخلیق کر کے دم لے گی۔ مسلمانوں نے بھی زبردست جذبات کا اظہار کیا۔ مسلم طلبہ اور طالبات میدان میں نکل آئے اور شہر شہر قریہ قریہ لیگی کارکنوں کی ٹولیاں پہنچیں۔ فضا پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونجنے لگی۔ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے انتخاب دسمبر 1945 میں کروائے گیے۔ یہ جداگانہ طریق انتخاب کی بنیاد پر منعقد ہوئے۔ پورے برصغیر میں مسلمانوں کے لیے 30 نشستیں مخصوص تھیں۔ مسلم لیگ نے ہر نشست پر اپنے امیدوار کھڑے کیے۔ 1946 میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔

مرکزی اسمبلی میں مسلم سیٹوں کی تعداد	30
مسلم لیگ کی جیتی ہوئی سیٹیں	30
صوبائی اسمبلیوں میں مسلم سیٹوں کی مخصوص تعداد	495
مسلم لیگ کی جیتی ہوئی سیٹیں	434

یہ مسلم لیگ کی شاندار فتح تھی۔ کئی سیاسی جماعتوں نے کانگرس کی حمایت کی تھی لیکن مسلم لیگ نے ان سب کو شکست دی۔

کیبنٹ مشن پلان:

انتخابات 1946ء کے فوراً بعد حکومت برطانیہ نے ہندوستان کی گتھی سلجھانے اور انتقال اقتدار کے لیے راہ ہموار کرنے کی غرض سے تین وزراء پر مشتمل ایک مشن ہندوستان بھیجا۔ یہ مشن کیبنٹ مشن یا وزارتی مشن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مشن میں مندرجہ ذیل تین وزراء شامل تھے۔

1- لارڈ پیتھک لارنس
2- سر سٹیفورڈ کرپس
3- اے۔ وی۔ الیگزینڈر

Marfat.com

مشن کا اصل مقصد ہندوستان میں ایک عارضی حکومت کا قیام اور کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان موجود آئینی بحران کو ختم کرا کے انتقال اقتدار کے لیے راہ ہموار کرنا تھا۔ مشن کو ہندوستان پہنچتے ہی وائسرائے ہند، صوبائی گورنروں، ایگزیکٹو کونسل کے اراکین اور کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کے ساتھ اپنی بات چیت کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن ان ملاقاتوں کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اس لیے مشن نے شملہ کے مقام پر اہم سیاسی راہنماؤں کی ایک مشترکہ کانفرنس بلانے کا فیصلہ کیا۔ یہ کانفرنس 5 مئی 1946ء سے 12 مئی 1946ء تک شملہ میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان، نواب محمد اسماعیل خان اور سردار عبدالرب نشتر نے شرکت کی جبکہ کانگریس کی نمائندگی ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو، ولبھ بائی پٹیل اور خان عبدالغفار خان نے کی۔ دونوں سیاسی پارٹیوں کے مؤقف میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مسلم لیگ ہندوستان کی تقسیم چاہتی تھی جبکہ کانگریس ہندوستان کی وحدت پر آنچ آنے کے لیے کسی بھی قیمت پر راضی نہ تھی۔ کانفرنس کے اختتام پر "تینوں گورے" ان حالات سے دوچار تھے کہ وہ نہ تو مسلم لیگ کے مطالبے کو جائز قرار دے سکتے تھے اور نہ ہی کانگریس کی خواہش کو جائز کہہ سکتے تھے۔ اس لیے مشن نے 16 مئی 1946ء کو اپنی طرف سے ایک منصوبہ پیش کیا۔ اس منصوبے کو "کیبنٹ مشن پلان" کہتے ہیں۔ اس منصوبے کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں دونوں سیاسی پارٹیوں کے نقطہ نظر کو ایک خاص تناسب کے ساتھ شامل کیا گیا تھا۔ اس منصوبے کے دو حصے تھے۔ ایک قلیل المعیاد منصوبہ جس کے تحت ایک عبوری حکومت کا قیام عمل میں لانا تھا، دوسرا طویل المعیاد منصوبہ جس کے تحت کم از کم دس سال کے لیے ہندوستان کو تقسیم سے روکنا تھا۔

1- برطانوی ہند کے صوبوں پر مشتمل ایک کل ہند یونین (مرکزی حکومت) کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ اس یونین کے پاس خارجہ امور، دفاع اور مواصلات کے شعبے ہوں گے۔
2- برطانوی ہند اور ریاستوں کے نمائندوں کے باہمی اشتراک سے مرکزی حکومت اپنی انتظامیہ اور مقننہ تشکیل دے گی۔ مقننہ میں زیر غور ہر ایسا معاملہ جس سے کوئی بڑا فرقہ ورانہ مسئلہ پیدا ہونے کا امکان ہو، کو فیصلہ کرنے کے لیے ہر دو بڑی قومیتوں کے نمائندوں کی اکثریت اور پارلیمنٹ میں موجود اراکین کی اکثریت ضروری قرار دی گئی۔
4- پلان ہذا کے مطابق برطانوی ہند کے تمام گیارہ صوبوں کو مندرجہ ذیل تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ گروپ الف میں ہندو اکثریت صوبے اڑیسہ، بہار، بمبئی، سی پی، مدراس اور یو۔ پی۔ گروپ ب میں شمال مغرب میں مسلم اکثریت کے صوبے پنجاب، صوبہ سرحد، اور سندھ جبکہ گروپ ج میں شمال مشرق میں مسلم آبادی کے صوبے بنگال اور آسام شامل کیے گئے۔
5- خارجہ امور، دفاع اور مواصلات کے شعبوں کے علاوہ دیگر تمام شعبے صوبوں اور ریاستوں کو دینے کی سفارش کی گئی۔
6- کل ہند یونین کے آئین اور ہر گروپ کے آئین میں ایک شق ایسی ہوگی جس کے تحت کوئی بھی صوبہ اگر چاہے تو ہر دس سال کے بعد اپنی قانون ساز اسمبلی کی اکثریت کی خواہش پر آئین کی نکات یا شقوں پر از سر نو غور کرنے کا مجاز ہوگا۔ شق ہذا کے مطابق تمام صوبوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ دس سال گذرنے کے بعد وہ انفرادی طور پر یا گروپ کی صورت میں اگر چاہیں، تو کل ہندوستان یونین سے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں۔
7- صوبائی اسمبلیوں میں صوبوں کو آبادی کے تناسب سے نشستیں الاٹ کرنے کے لیے کہا گیا۔ ہر دس لاکھ افراد کے لیے ایک نشست مخصوص کی گئی۔ برطانوی ہند کے گیارہ صوبوں کو کل دو سو نوے نشستوں میں تقسیم کیا گیا جن میں

Marfat.com

اُٹھہتر مسلمانوں کے لیے مقرر کی گئیں اسی طرح ریاستوں کو زیادہ سے زیادہ ترانو 93 نشستیں دی گئیں۔
منصوبے کو قابل عمل بنانے کے لیے کیبنٹ مشن نے یہ بھی شرط عائد کر دی کہ جو بھی سیاسی پارٹی اس پلان کو مسترد کرے گی اسے عبوری حکومت میں شامل ہونے کی دعوت نہیں دی جائے گی۔ ابتداء میں کیبنٹ مشن پلان پر کانگریس اور لیگ کا ردعمل مختلف رہا۔ 6 جون 1946ء کو مسلم لیگ نے کیبنٹ مشن پلان کو منظور کر لیا، کیونکہ اس میں ہندوستان کی تقسیم اور قیام پاکستان کے آثار موجود تھے۔ دوسری طرف کانگریس نے پس و پیش سے کام لیتے ہوئے بالآخر 25 جون 1946ء کو کیبنٹ مشن پلان کے ایک حصے کو مشروط طور پر منظور کر لیا اور دوسرے کو نامنظور کر لیا۔ جو طویل المعیاد منصوبہ تھا جس کے تحت صوبوں کو گروپوں میں تقسیم اور آل انڈیا یونین کا قیام عمل میں لانا تھا کو قبول کر لیا گیا۔ جو قلیل المعیاد منصوبہ تھا جس کے تحت ایک عارضی حکومت کا قیام عمل میں لانا تھا، کو مسترد کر دیا گیا۔

اس صورت حال میں انگریز سرکار کی ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ مسلم لیگ کو عبوری حکومت بنانے کی پیشکش کرتے کیونکہ مسلم لیگ نے کابینہ مشن پلان کو مکمل طور پر قبول کر لیا تھا، لیکن افسوس کہ انگریز سرکار ایسا نہ کر سکی انگریز کی اس بدعہدی کے نتیجے میں مسلم لیگ نے احتجاجاً 29 جولائی 1946ء کو نہ صرف اپنی قبولیت (کابینہ مشن پلان کی قبولیت) واپس لی بلکہ راست اقدام لینے کا بھی فیصلہ کیا اور پورے ہندوستان کی سطح پر ہڑتال کرانے کے لیے 16 اگست 1946ء کی تاریخ بھی مقرر کر دی گئی۔ اس موقع پر کانگریس کے پنڈتوں نے ایک نیا سیاسی کارڈ کھیلتے ہوئے 10 اگست 1946ء کو کابینہ مشن پلان کے دونوں حصوں کو منظور کر لیا۔ اس سیاسی پیش رفت کے بعد وائسرائے ہند نے پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے 12 اگست 1946ء کو کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو سے عبوری حکومت کے قیام سے متعلق تجاویز طلب کیں۔ لندن سے منظوری حاصل کرنے کے بعد وائسرائے نے 24 اگست کو پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کے ساتھیوں کی عبوری حکومت میں شمولیت کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے بعد ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات کا ایک لافانی سلسلہ شروع ہوا۔ جو علاقے اور شہر سب سے زیادہ متاثر ہوئے ان میں کلکتہ، بمبئی، آگرہ، احمد آباد، نواں کلی، بہار اور دہلی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان حالات و واقعات میں کانگریسی لیڈروں نے انگریزوں کے ساتھ اپنی دوستی اور وفا کا بھرم رکھتے ہوئے 2 ستمبر 1946ء کو عبوری حکومت میں شامل ہونے کا حلف اٹھایا۔

اس کے بعد وائسرائے ہند لارڈ ویول، قائداعظم اور پنڈت نہرو کے درمیان بات چیت کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔ نواب صاحب آف بھوپال نے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مستقل بنیادوں پر مفاہمت پیدا کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر ان کی کوششیں بارآور ثابت نہ ہوئیں۔ بات چیت کے اس دور کا ایک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آل انڈیا مسلم لیگ نے 16 اکتوبر 1946ء کو عبوری حکومت میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا لیکن لیگ میں شمولیت سے ہندوستانی مسئلے کی نوعیت میں کوئی فرق نہ آیا۔ کیونکہ قائداعظم محمد علی جناح نے مجوزہ قانون ساز اسمبلی میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ انکار کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ پنڈت جواہر لال نہرو کابینہ کومشن کے بعض نکات جو طویل المعیاد منصوبے سے متعلق تھے، کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے تھے اور مجوزہ قانون ساز اسمبلی کی تعریف و توضیح اور دائرہ کار کے اختیارات سے متعلق وضاحتیں اور تشریحات اپنے مفاد اور اپنی خواہشات کے مطابق کر رہے تھے۔ نہرو کا استدلال یہ تھا کہ مجوزہ قانون ساز اسمبلی مکمل طور پر ایک خودمختار ادارہ ہو گا اور یہ ادارہ جو چاہے کر سکے گا۔ لیگ کے لیے ایسے ادارے میں شرکت اپنے مطالبے (مطالبہ پاکستان) سے خود بخود دستبردار ہونے کے مترادف تھا۔ بقول لیاقت علی خان، ”اگر مجوزہ قانون ساز اسمبلی کو مکمل طور پر خود

Marfat.com

رادارہ مان لیا جائے تو اس میں مسلم لیگ کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی، کیونکہ اس اسمبلی میں ایک مسلم ممبر کا مقابلہ دیگر چار یین سے ہوگا۔" اگر قائداعظم مجوزہ قانون ساز اسمبلی میں شرکت نہ کرنے کا اعلان نہ کرتے تو کانگریس اپنی اکثریت بنیاد پر اپنی ہی خواہشات کے مطابق ہندوستان کے لیے آئین تیار کرتی۔ لیکن مسلم لیگ کسی بھی قیمت پر کانگریس کو اس ت کی اجازت نہیں دے سکتی تھی اور یوں اتنی سیاسی پیش رفت کے باوجود ان دونوں سیاسی جماعتوں کے درمیان موجود ینی بحران اور سیاسی اختلاف بدستور قائم رہا۔

کیبنٹ مشن پلان اور اس پر لیگ اور کانگریس کے ردعمل کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچنا نہایت ہی آسان کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریز سرکار ہندوستان کو آزادی دینے کے لیے راضی ہے لیکن وہ ہندوستان کا مسئلہ دستانیوں ہی کے ذریعے حل کروانا چاہتی ہیں۔ دوسری طرف کانگریس اور لیگ کے مؤقف میں زمین وآسمان کا فرق ۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کانگریس ہندوستان کی سالمیت پر کوئی آنچ آنے کے لیے تیار نہیں تھی جبکہ مسلم لیگ کی ت کے لیے ہندوستان کی تقسیم کے بغیر کوئی دوسرا حل قابل قبول نہیں تھا۔ اس موقع پر کانگریسی پنڈتوں کی سیاسی چالوں پہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ مسلم لیگی زعماء کے ساتھ ایک انوکھا سیاسی کھیل کھیل رہے تھے۔ وہ ہر جائز و ائز طریقے سے مسلم لیگ کو عبوری حکومت سے باہر رکھنا چاہتے ہیں لیکن ان کی راہ میں قائد ایک ایسا ناقابل تسخیر چٹان کی رتھا جس کو توڑنا یا مسخر کرنا ان کے بس کا روگ نہیں تھا۔

قسیم ہند منصوبے کی منظوری:

کانگریس اور مسلم لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت کے باوجود بھی کابینہ مشن پلان کے طویل المعیاد منصوبے پر ل درآمد نہ ہو سکا۔ انتقال اقتدار کا مسئلہ اب بھی الجھی گتھی کی صورت اختیار کیے ہوئے تھے۔ ہندوستان سول وار (خانہ ی) کی آماجگاہ بننے والا تھا۔ جنوبی ایشیاء کے افق پر فرقہ واریت اور ہندو، مسلم فسادات کے کالے اور بھیانک بادل امڈ ئے تھے۔ ہندوستانی فوج کی بغاوت کی سرگوشیاں چل پڑی تھیں۔ ان حالات پر قابو پانے کے لیے اور انتقال اقتدار کا حلہ پرامن طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے برطانیہ کی حکومت نے لندن میں ایک گول میز کانفرنس کا انعقاد یا۔ 3 دسمبر 1946ء کو اس کانفرنس کی کارروائی کا آغاز کر دیا گیا۔ کانفرنس میں برطانوی وزیراعظم کلیمنٹ ایٹلی، کابینہ مشن ے اراکین، برطانوی ہند کے وائسرائے، لارڈ ویول، کانگریس کے نمائندے، لیگ کے نمائندے اور سکھوں کے ایک ائندے بلدیو سنگھ نے شرکت کی۔ برطانوی حکومت نے اپنی خواہش اور مؤقف کانگریس اور لیگ کے راہنماؤں پر واضح رنے کی کوشش کی۔ نہرو اپنے رویے میں معمولی سی لچک پیدا کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ وہ اب بھی ہندوستان کی تقسیم ایک ناقابل برداشت فعل، گاؤ ماتا کی تقسیم سمجھتے تھے۔ قائداعظم نے پاکستان کے حق میں ناقابل انکار اور ناقابل ندید دلائل دیئے اور حقیقت یہ ہے کہ ان ہی دلائل نے انگریزوں کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے۔

6 دسمبر 1946ء کو برطانوی حکومت نے ایک وضاحتی بیان جاری کر دی۔ اس بیان میں کابینہ مشن پلان کے طویل عیاد منصوبے میں صوبوں کی گروپ بندی اور مجوزہ قانون ساز اسمبلی سے متعلق شق کی وضاحت کر دی گئی۔ یہ وضاحت سلم لیگ کی تشریح کے عین مطابق تھی یہی وجہ تھی کہ یہ بیان ایک طرف مسلم لیگ کے لیے ایک بہت بڑی نوید سے کم نہ تھا و دوسری طرف یہ کانگریس کے لیے صور اسرافیل ثابت ہوا۔ اس بیان سے نہرو اس نہر میں جا گرا جہاں سے نکلنا اس کے لیے ناممکن ثابت ہوا۔ 20 فروری 1947ء کو برطانوی وزیراعظم نے ایک اہم اعلان جاری کر دیا۔ اس اعلان میں اس

بات کی وضاحت کر دی گئی کہ انگریز حکومت جون 1948ء تک ہندوستانی رہنماؤں کو اختیارات منتقل کر دے گی۔ اختیارات کی یہ منتقلی کن کو اور کیسے ہو گی؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے وزیراعظم نے کہا کہ ہز میجسٹی گورنمنٹ اختیارات ہندوستان کے ذمہ دار اور نمائندہ افراد کو منتقل کر دے گی اور انتقال اقتدار کا جو طریقہ سب سے زیادہ موزوں ہو اور ہندوستانیوں کے بہترین مفاد میں ہو، کو اپنایا جائے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی مسلم لیگ کے کیمپ میں مسرت کی ایک اور لہر دوڑ گئی جبکہ نہرو اور اس کے ساتھی اس موقع پر ہندوستان کا مقدر تبدیل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔

لارڈ ماونٹ بیٹن کا تقرر:

ہندوستانیوں کو اختیارات کی منتقلی سے متعلق وزیراعظم ایٹلی کے بیان کے بعد جب ہندوستان میں برطانوی سامراجیت کا سورج غروب ہونے کو تھا ہندوستانی مسئلے کا منطقی حل قریب نظر آ رہا تھا۔ لارڈ ماونٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے بنا کر بھیجا گیا۔ وہ 22 مارچ 1947ء کو ہندوستان پہنچ گئے۔ 24 مارچ 1947ء کو اس نے ہندوستان کے انتیسویں اور آخری گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ حلف اٹھانے کے فوراً بعد لارڈ ماونٹ بیٹن نے ہندوستان کی تمام بااثر اور اہم سیاسی شخصیات سے ملاقاتوں کے سلسلے کا آغاز کیا۔ قائداعظم نے وائسرائے پر اپنا موقف واضح کرتے ہوئے اس بات کا اعادہ کیا کہ وہ سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحد، پنجاب، بنگال اور آسام کے صوبوں پر مشتمل ایک آزاد اور خودمختار پاکستان چاہتے ہیں۔ دوسری طرف کانگریسی لیڈروں نے وائسرائے ہند کو یہ عندیہ دیا کہ وہ ہندوستان کی تقسیم اس صورت میں قبول کر لیں گے جس کے تحت بنگال اور پنجاب کے صوبے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم ہوں گے اور ساتھ ہی ساتھ قیام پاکستان سے پہلے سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحد، مغربی پنجاب، اور مشرقی بنگال کے عوام کی مرضی بھی معلوم کی جائے گی۔ ان ابتدائی ملاقاتوں کے بعد وائسرائے اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ متحدہ ہندوستان کی خواہش ایک ایسا خواب ہے جو کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اس فیصلہ کن مرحلے پر وائسرائے کی ہندوستانی راہنماؤں سے بات چیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لندن سے شائع ہونے والے اخبار سنڈے ابزرور نے لکھا:

> ''ان ملاقاتوں سے یقیناً وائسرائے اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ تقسیم ہی انتشار کو ختم کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔''

مسلم لیگ اور کانگریس کا موقف جاننے کے بعد وائسرائے نے اپنی طرف سے ایک منصوبے کا بلیو پرنٹ تیار کر لیا۔ ہندوستان میں Dominion Status کی حامل دو ریاستوں کا قیام اس منصوبے کا سب سے اہم ترین مقصد تھا۔ برطانوی کابینہ کے ساتھ مزید صلاح مشورہ کرنے اور اپنے منصوبے کی حتمی منظوری حاصل کرنے کی غرض سے مونٹ بیٹن 18 مئی 1947ء کو لندن کے لیے روانہ ہوئے۔ دس دن تک برطانوی کابینہ کے اجلاسوں میں مونٹ بیٹن پلان کے ہر پہلو کا مکمل جائزہ لیا گیا۔ 28 مئی 1947ء کو ہندوستانی مسئلے پر وائسرائے ہند کے پلان کو آخری شکل دی گئی۔ برطانوی حکومت نے ماونٹ بیٹن کو مزید اختیارات سے ''مسلح'' کر کے ہندوستان کے لیے روانہ کیا۔ وہ 30 مئی 1947ء کو ہندوستان پہنچے۔

3 جون 1947ء کا تاریخ ساز اجلاس:

بروز پیر صبح 10 بجے 2 جون 1947ء کو وائسرائے ہند لارڈ ماونٹ بیٹن اور ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کے درمیان ایک تاریخ ساز اور نہایت ہی اہم اجلاس کا آغاز ہوا۔ اس اجلاس میں ماونٹ بیٹن اور ان کی ٹیم، قائداعظم محمد علی

Marfat.com

جناح اور ان کی ٹیم اور پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کی ٹیم نے شرکت کی۔ جبکہ سکھوں کی طرف سے بلدیو سنگھ اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ان رہنماؤں کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کیا۔ اگلے روز 3 جون 1947ء کو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اصولی طور پر اس منصوبے کو منظور کر لیا۔ اسی روز شام کو آل انڈیا ریڈیو پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہر میجسٹی گورنمنٹ کی طرف سے اپنے منصوبے کا اعلان کیا۔ یہ وہ مبارک دن تھا جس روز سورج قیام پاکستان کی وید لے کر طلوع ہوا تھا۔ یہ وہ مبارک دن تھا جس روز ہندوؤں اور انگریزوں نے مسلمانوں کے مطالبے کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ وہ پاکستان جس کے حصول کے لیے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ اور جو اقبال کے خواب کی تعبیر تھا۔ لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ جس پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تھا اور جس کے خدوخال کا اور جغرافیائی حدود کا تعین قائداعظم نے کیا تھا ویسا پاکستان مسلمانوں کو نصیب نہ ہوسکا۔ منصوبے کی رو سے بنگال اور پنجاب کی تقسیم۔ صوبہ سرحد اور ضلع سلہٹ میں ریفرنڈم اور بلوچستان میں عوام کی مرضی معلوم کرنے کے لیے کہا گیا۔

9 جون 1947ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس منعقد ہوا اور کافی غور وخوض کے بعد 3 جون 1947ء کو منصوبہ ''سمجھوتے کی بنیاد'' کے طور پر منظور کر لیا گیا اور یہ بہ امر مجبوری کیا کیونکہ یہ بات دستاویزات سے ثابت ہو چکی ہے کہ اگر مسلم لیگ ایسا نہ کرتی تو انگریز حکومت کانگریس کے حوالے کر کے یہاں سے اپنا بوریا بستر سمیٹ لیتی اور مسلمان ہندوؤں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیے جاتے۔ اس کے فوراً بعد آل انڈیا نیشنل کانگریس نے بھی مذکورہ منصوبے کی منظوری کا اعلان کیا اور اس کے ساتھ ہی اس سیاسی ڈرامے کا اختتام ہوا جس کا آغاز برصغیر پاک و ہند میں انگریز کی آمد کے فوراً بعد ہوا تھا۔
14 اگست 1947ء کو پاکستان کی آزادی کا اعلان ہوا اور پندرہ اگست کو ہندوستان کی آزادی کا۔ یوں 14 اگست کو دنیا کے نقشے پر اس وقت کی سب سے بڑی مسلم ریاست پاکستان کے نام سے نمودار ہوئی۔ 14 اور 15 اگست 1947ء کو بالترتیب پاکستان اور بھارت کے قیام کو تقسیم ہند کہا جاتا ہے جس کے تحت دونوں ممالک نے برطانیہ سے آزادی حاصل کی۔ اس تقسیم کے نتیجے میں مشرقی بنگال پاکستان اور مغربی بنگال بھارت میں شامل ہوا اور پنجاب بھی پاکستان کے موجودہ صوبہ پنجاب اور بھارت کے مشرقی پنجاب میں تقسیم ہو گیا۔ اس تقسیم کے بعد نوزائیدہ پاکستانی ریاست کا دارالحکومت کراچی قرار پایا جہاں قائداعظم محمد علی جناح سے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ پاکستان اپنا یوم آزادی 14 اگست جبکہ بھارت 15 اگست کو مناتا ہے۔ تقسیم ہند کا بنیادی محرک مسلمانان ہند کی وہ عظیم تحریک تھی جو انہوں نے برصغیر میں ایک الگ وطن قائم کرنے کے لیے شروع کی تھی۔ جس کے لیے انہوں نے مسلم لیگ کا پلیٹ فارم استعمال کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانان ہند کا خواب 14 اگست 1947ء کی شب پورا ہوا جب 27 رمضان المبارک کی مبارک ساعتیں تھیں۔

Marfat.com

خلافت عثمانیہ

عہد امیر تیمور سے پہلے ایک ترکی خاندان نے ایشیائے کوچک میں ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی جو رفتہ رفتہ یورپ تک پھیل گئی اور بیسویں صدی کے آغاز تک قائم رہی۔ اس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا اور اس کے بادشاہ خلفاء عثمانیہ کہلاتے تھے۔ سلجوقیوں کی ایک شاخ روم یعنی ایشیائے کوچک کے قریب تھی۔ سلجوقیوں کا بڑا خاندان جو خراسان پر حکمران تھا خوارزم شاہوں کے عروج کے وقت تباہ ہو چکا تھا۔ لیکن ارض روم کے سلجوقی چنگیز خان کے بعد بھی قائم رہے۔ مشرق و جنوب کے حصے منگولوں نے دبا لیے تھے اور مغرب کی جانب عیسائی بادشاہوں نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ سلجوقیوں کا دارالحکومت اس وقت قونیہ تھا اور حکومت ان کی نواح قونیہ پر محدود تھی۔ ایک مدت سے ترکوں کا ایک اور گروہ ترکستان سے نکل کر خراسان اور پھر آرمینیہ میں آباد ہوا تھا۔ ان لوگوں نے شام کی طرف کوچ کیا۔ ان کے ساتھ چار پانچ سو مسلح سوار تھے اور طغرل اُن کا سردار تھا۔ فن حرب سے یہ لوگ بخوبی واقف تھے۔ شاہ قونیہ علاء الدین سلجوقی مغلوں سے برسرِ پیکار تھا۔ اس خانہ بدوش گروہ کا وہاں گزر ہوا۔ منگولوں نے تمام ترکوں کا ناک میں کر رکھا تھا۔ طغرل اپنی خوشی سے علاء الدین کا شریک ہوا اور اس کی شرکت سے علاء الدین فتح یاب رہا۔ علاء الدین نے اس کارگزاری کے صلہ میں ایشیائے کوچک کا ایک پہاڑی حصہ طغرل کو جاگیر میں دیا۔ 13 ویں صدی کے اواخر میں سلجوقی سلطنت ختم ہوئی اور اناطولیہ مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔ اس میں سے ایک سغوط کی ریاست تھی جہاں اسی نام کا ایک قبیلہ رہائش پذیر تھا۔ اس ریاست کا بانی اور قبیلے کا سردار ارطغرل تھا۔ 1281ء میں ارطغرل کے انتقال کے بعد اس کے صاحبزادے عثمان اول کو سردار بنایا گیا۔ یہی عثمان اول سلطنت عثمانیہ کا بانی تھا۔ سلاجقہ روم کی سلطنت کے خاتمے کے بعد اناطولیہ میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور مختلف سردار اپنی اپنی خود مختیار ریاستیں بنا کر بیٹھ گئے جنہیں غازی امارات کہا جاتا تھا۔ 1300ء تک زوال کی جانب گامزن بازنطینی سلطنت اناطولیہ میں واقع اپنے بیشتر صوبے ان غازی امارتوں کے ہاتھوں گنوا بیٹھی۔ ان امارتوں میں سے ایک مغربی اناطولیہ میں اسکی شہر کے علاقے میں واقع تھی جس کے سردار عثمان اول تھے۔

ارطغرل خان:

کہا جاتا ہے کہ جب ارطغرل ہجرت کر کے اناطولیہ پہنچے تو انہوں نے دو لشکروں کو آپس میں برسرِ پیکار دیکھا جن میں سے ایک تعداد میں زیادہ اور دوسرا کم تھا اور اپنی فطری ہمدردانہ طبیعت کے باعث ارطغرل نے چھوٹے لشکر کا ساتھ دیا اور 400 شہسواروں کے ساتھ میدان جنگ میں کود پڑے۔ اور شکست کے قریب پہنچنے والا لشکر اس اچانک امداد سے جنگ کا پانسہ پلٹنے میں کامیاب ہو گیا۔ ارطغرل نے جس فوج کی مدد کی وہ دراصل سلاجقہ روم کا لشکر تھا جو عیسائیوں سے برسرِ پیکار تھا اور اس فتح کے لیے ارطغرل کی خدمات کے پیش نظر انہیں اسکی شہر کے قریب ایک جاگیر عطا کی گئی۔ 1281ء میں ارطغرل کی وفات کے بعد اس جاگیر کی سربراہی عثمان اول کے ہاتھ میں آئی جنہوں نے 1299ء میں سلجوقی سلطنت

Marfat.com

سے خودمختاری کا اعلان کر کے عثمانی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ عثمان اول نے اس چھوٹی سی سلطنت کی سرحدیں بازنطینی سلطنت کی سرحدوں تک پھیلا دیں اور فتح کے بعد دارالحکومت بروصہ منتقل کر دیا۔ عثمان اول ترکوں میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ درحقیقت وہ بہت ہی اعلیٰ اوصاف کے حامل تھے۔ دن کے مجاہد اور رات کے عابد کے ساتھ ساتھ انتہائی شریف النفس، سادگی پسند، مہمان نواز، فیاض اور رحم دل انسان بھی تھے۔ ان کا دورِ حکومت سلطنت عثمانیہ کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کا سبب بنا۔ یہ عثمان اول کی ڈالی گئی مضبوط بنیادیں ہی تھیں کہ ان کے انتقال کے بعد ایک صدی کے اندر عثمانی سلطنت مشرقی بحیرہ روم اور بلقان تک پھیل گئی۔ سلطنت کی فتوحات کا یہ عظیم سلسلہ عثمان کے جانشینوں نے جاری رکھا لیکن 1402ء میں تیمور لنگ نے اناطولیہ پر حملہ کر دیا اور عثمانی سلطان بایزید یلدرم شکست کھانے کے بعد گرفتار ہو گیا لیکن یہ عثمانیوں کی اولوالعزمی تھی کہ انہوں نے اپنی ختم ہوتی ہوئی سلطنت کو نہ صرف بحال کیا بلکہ چند ہی عشروں میں فتح قسطنطنیہ جیسی تاریخ کی عظیم ترین فتح حاصل کی۔ اس سے عثمانیوں کا وقار دنیا بھر میں بلند ہوا۔ سلطنت عثمانیہ کی دوبارہ بحالی کا سہرا بایزید یلدرم کے بیٹے محمد اول کے سر جاتا ہے۔ فتح قسطنطنیہ ترکوں خصوصاً عثمانیوں کی تاریخ کا سنہرا ترین باب ہے۔ 29 مئی 1453ء میں 21 سالہ نوجوان سلطان محمد ثانی کی زیر قیادت اس لشکر نے محیر العقول کارنامے انجام دیتے ہوئے اس عظیم شہر کو فتح کیا اور اسے اپنا دارالحکومت بنایا۔ اس طرح محمد قیصر روم بن گیا اور یہ لقب اس کے ان ارادوں کو ظاہر کرتا تھا کہ عثمانی جلد روم پر بھی قبضہ کر لیں گے اور انہی مقاصد کے حصول کے لیے 1480ء میں عثمانی افواج جزیرہ نما اطالیہ پر اتریں اور اوٹرانٹو اور اپولیا کے شہروں پر قبضہ کر لیا لیکن 1481ء میں محمد فاتح کی وفات کے ساتھ ہی فتح اطالیہ کی مہم کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطان عثمان خان:

ارطغرل کے مرنے پر اُس کا بیٹا عثمان جانشین ہوا اور 1299ء میں علاء الدین کے مرنے پر خودمختار رئیس کے درجہ میں قائم ہوا۔ 1299ء عیسوی میں سکہ اور خطبہ عثمان کے نام کا جاری ہوا۔

عثمان کے والد ارطغرل کی وفات کے بعد سلاجقہ روم کے دارالحکومت قونیہ پر منگولوں کے قبضے اور سلجوقی سلطنت کے خاتمے کے بعد عثمان کی جاگیر خودمختار ہو گئی جو بعد میں سلطنت عثمانیہ کہلائی۔ عثمان خان کی جاگیر کی سرحد قسطنطنیہ کی بازنطینی سلطنت سے ملی ہوئی تھی۔ یہ وہی بازنطینی حکومت تھی جو عربوں کے زمانے میں رومی سلطنت کے نام سے مشہور تھے جسے الپ ارسلان اور ملک شاہ کے زمانے میں سلجوقیوں نے باجگذار بنا لیا تھا اب یہ بازنطینی سلطنت بہت کمزور اور چھوٹی ہو گئی تھی لیکن پھر بھی عثمان خان کی جاگیر کے مقابلے میں بہت بڑی اور طاقتور تھی۔ بازنطینی قلعہ دار عثمان کی جاگیر پر حملے کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے عثمان خان اور بازنطینی حکومت میں لڑائی شروع ہو گئی۔ عثمان نے ان لڑائیوں میں بڑی بہادری اور قابلیت کا ثبوت دیا اور بہت سے علاقے فتح کر لئے جن میں بروصہ کا مشہور شہر بھی شامل تھا۔ بروصہ کی فتح کے بعد عثمان کا انتقال ہو گیا۔ عثمان بڑا بہادر اور عقلمند حکمران تھا۔ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کرتا تھا۔ اس کی زندگی سادہ تھی۔ مال غنیمت کو یتیموں اور غریبوں کا حصہ نکالنے کے بعد سپاہیوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ وہ فیاض، رحم دل اور مہمان نواز تھا اور اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے ہی ترک آج بھی اس کا نام عزت سے لیتے تھے۔ اس کے بعد یہ رواج ہو گیا کہ جب کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھتا تو عثمان کی تلوار اس کی کمر سے باندھی جاتی تھی اور دعا کی جاتی تھی کہ خدا اس میں بھی عثمان ہی جیسی خوبیاں پیدا کرے۔

Marfat.com

عثمان کا صدر مقام اُسکی شہر تھا لیکن بروصہ کی فتح کے بعد اسے دارالحکومت قرار دیا گیا۔ ایک رات عثمان نے ایک خواب دیکھا کہ "ایک زبردست درخت اس کے پہلو سے نمودار ہوا جو بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی شاخیں بحر و بر پر چھا گئیں۔ درخت کی جڑ سے نکل کر دنیا کے 4 بڑے دریا بہہ رہے تھے اور 4 بڑے بڑے پہاڑ اس کی شاخوں کو سنبھالے ہوئے تھے۔ اس کے بعد نہایت تیز ہوا چلی اور اس درخت کی پتیوں کا رخ ایک عظیم الشان شہر کی طرف ہو گیا۔ یہ شہر ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں دو سمندر اور دو براعظم ملتے تھے اور ایک انگوٹھی کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ عثمان اس انگوٹھی کو پہننا چاہتا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی"۔ عثمان کے اس خواب کو بہت اچھا سمجھا گیا اور بعد کے لوگوں نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ 4 دریائے دجلہ، دریائے فرات، دریائے نیل اور دریائے ڈینیوب تھے اور 4 پہاڑ کوہ طور، کوہ بلقان، کوہ قاف اور کوہ اطلس تھے۔ بعد میں عثمان کی اولاد کے زمانے میں چونکہ سلطنت ان دریاؤں اور پہاڑوں تک پھیل گئی تھی اس لئے یہ خواب دراصل سلطنت عثمانیہ کی وسعت سے متعلق ایک پیشین گوئی تھی۔ شہر سے مطلب قسطنطنیہ کا شہر جسے عثمان تو فتح نہ کر سکا لیکن بعد ازاں فتح ہو گیا۔ 1301 عیسوی میں قسطنطنیہ کے سپہ سالار کو شکست دے کر اس نے ایشیائے کوچک میں بحیرہ اسود تک اپنا قبضہ بڑھا لیا۔ منگولوں نے بھی اس کے مقابلہ میں شکست کھائی۔ 1299ء میں بازنطینی سلطنت کا شہر بلیچک عثمان کے ہاتھوں فتح ہوا اور یہ 1300ء اور 1310ء کی دہائی میں عثمانی ترکوں کے ہاتھوں فتح ہونے والے کئی شہروں اور قصبوں میں سے ایک تھا۔ عثمان نے قریبی ترک امارات اور قبیلوں کے خلاف بھی فتوحات حاصل کیں اور انہیں اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ 1310ء کی دہائی کے اواخر میں عثمان اول نے اہم بازنطینی قلعوں کا محاصرہ کیا۔ ان میں نئی شہر فتح ہوا جو اناطولیہ میں بازنطینیوں کے بڑے شہروں بروصہ اور نیسیا (ازنک) پر فتوحات کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ 1326ء میں بروصہ پر ترکوں کا قبضہ ہوا اور پھر قسطنطنیہ کے فتح ہونے تک یہی شہر پایہ تخت رہا۔ بروصہ 1326ء میں عثمان کے انتقال سے کچھ عرصہ قبل فتح ہوا۔ عثمان سے اس شہر کو بس اتنا ہی تعلق ہوا کہ یہاں اُس کا لاشہ دفن ہوا۔

سلطان اُورخان:

(پیدائش: 1284ء، انتقال: 1359ء)

اورخان غازی سلطنت عثمانیہ کے دوسرے فرمانروا تھے۔ انہیں سلطنت عثمانیہ کا اصل بانی قرار دیا جاتا ہے۔ جس انہوں نے 1326ء سے 1359ء تک حکمرانی کی۔ انہوں نے مغربی اناطولیہ کا بیشتر حصہ عثمانی قلمرو میں شامل کیا جبکہ ان کے دور میں پہلی مرتبہ ترک افواج یورپ میں داخل ہوئیں جب ان کے بیٹے سلیمان پاشا نے 1354ء میں گیلی پولی پر قبضہ کیا۔ اُورخان کے بھائی علاء الدین نے وزیر کی طرح کام کیا۔ والئی قونیہ کا سکہ اور خطبہ عثمان ہی کے وقت سے بند ہو چلا تھا اور اب تو بالکل ہی موقوف ہو گیا۔ دنیا کی پہلی منظم فوج قرار دی جانے والی ینی چری بھی انہی کے دور میں بنائی گئی جس میں مفتوحہ علاقوں کے غیر مسلم غلام نوجوانوں کو اسلام قبول کروا کر فوج میں شامل کر لیا جاتا تھا۔ علاء الدین نے سواروں اور پیادوں کی قواعد دان فوج کی بنیاد ڈالی۔ اُس وقت یورپ میں اس کا کہیں بھی چرچا نہ تھا۔ ترکوں کی دیکھا دیکھی کوئی سو برس کے بعد فرانس والوں نے اس کی تقلید کی۔ نکومیڈیا، نائس (نیسیا) اور بر غامہ سلاطین یورپ کے قبضہ سے نکل کر ترکوں کے دخل میں آئے۔ اُورخان اول نے 1331ء میں نیسیا اور 1337ء میں نکومیڈیا پر قبضہ کیا اور بروصہ کو دارالحکومت قرار دیا۔ اورخان کے دور حکومت میں عثمانی سلطنت ایک منظم ریاست کی صورت میں ابھرا جس میں جدید کرنسی، نظام حکومت اور نئی منظم فوج شامل تھی۔ اورخان کے دور حکومت میں عثمانی پہلی مرتبہ یورپ میں داخل ہوئے اور

Marfat.com

انہوں نے درہ دانیال کے کنارے پر واقع گیلی پولی کا شہر فتح کیا۔ وہ 1359ء میں 75 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انہوں نے 30 سال تک حکمرانی کی اور اپنے جانشیں اور بیٹے مراد اول کے لئے ایک ابھرتی ہوئی سلطنت چھوڑی۔ اس کے بیٹے سلیمان اوّل نے یورپ میں بہت سے فتوحات کیں اور تمام سلاطین یورپ اُورخان کی قوت کو تسلیم کرنے لگے۔

سلطان مراد خان اوّل:

(سلطان اُورخان کے بعد اس کا بیٹا مراد اول تخت نشین ہوا۔ مراد اوّل 1359ء سے 1389ء تک سلطنت عثمانیہ کے حکمران رہے۔ وہ اورخان اول کے صاحبزادے تھے جو بازنطینی شہزادی ہیلن (نیلوفر) کے بطن سے پیدا ہوئے اور 1359ء میں اپنے والد کے وفات کے بعد تخت نشین ہوئے۔ انہوں نے نو مفتوحہ شہر ادرنہ (ایڈریانوپل) کو دارالحکومت قرار دے کر یورپ میں عثمانی پیش قدمی کو مضبوط کیا اور بلقان کا بیشتر علاقہ عثمانی قلمرو میں شامل کیا اور بازنطینی حکمران کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ مراد اول پہلے حکمران تھے جنہوں نے آل عثمانی کو پہلی بار سلطنت عثمانیہ میں تبدیل کیا۔ انہوں نے 1383ء میں سلطان کا لقب حاصل کیا اور ینی چری اور دیوشرمہ کا نظام اور دیوان تشکیل دیا۔ انہوں نے سلطنت کو دو صوبوں اناطولو (اناطولیہ) اور روملی (یورپ) میں تقسیم کیا۔ ان کے دور حکومت میں موجودہ بلغاریہ کا دارالحکومت صوفیہ سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوا۔ انہوں نے پہلی جنگ کوسوو میں بلقان کی عیسائی افواج کو شکست دی۔ وہ جنگ کے خاتمے کے بعد ایک زخمی سرب فوجی کے حملے میں شہید ہوئے۔ قسطنطنیہ فتح ہونے تک بروصہ سے تخت شاہی اُٹھایا نہیں گیا۔ ایشیا میں مقدونیہ اور حمص کی طرف فتوحات ہوئے۔ یونانیوں پر جب مراد کی حکومت قائم ہوئی تو سرویا، ابی سینیا، والیشیا اور ہنگری سے مقابلہ ہوا۔ ان تینوں نے مل کر ترکوں کو ایڈریانوپل سے نکالنا چاہا لیکن مجبور رہے اور نقصان کے ساتھ صلح کی۔ عثمانیوں کا جھنڈا سرخ رنگ کا اسی عہد میں قائم کیا گیا۔ شاہ قسطنطنیہ، روم (اٹلی) کے پوپ کے پاس گیا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں مدد تو دی۔ لیکن یونان کی رعایا اس سے خوش نہ ہوئی۔ یونان کی عیسائی رعایا پوپ کو ترکوں سے زیادہ اپنے مذہب کا دشمن سمجھتی تھی اور اس اختلاف مذہب سے قسطنطنیہ کے بادشاہ کا اعتبار بھی رعایا کے دلوں سے اُٹھ گیا۔ 1360ء کی دہائی میں عثمانیوں نے گیلی پولی سے آگے تھریس کی جانب قدم بڑھائے اور ادرنہ (ایڈریانوپل) اور فلپو پولس (پلوڈف) کو فتح کر لیا اور بازنطینیوں کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ ان کے دور حکومت میں عیسائیوں نے متحد ہو کر عثمانیوں کے خلاف صلیبی جنگ لڑی تاہم مراد کو شکست نہ دے سکے۔ انہی کے دور حکومت میں بلغاریہ فتح ہوا۔ 1383ء میں مراد نے خود کو عثمانی سلطنت کا سلطان قرار دیا۔ 1385ء میں صوفیہ اور اگلے سال نیس فتح ہوا۔ کرمانیہ میں ایک خودمختار ریاست اور تھی، جسے مراد اول نے اپنے زیر فرمان کر لیا۔ بلغاریہ سلطنت ترکی میں شامل کر لیا گیا۔ یہ سلطان دشمن کے ہاتھ سے زخمی ہوا اور پھر جانبر نہ ہو سکا۔ 1387ء میں سربوں نے عثمانی فتوحات کو روکا لیکن دو سال بعد جنگ کوسوو میں عثمانیوں نے عظیم فتح حاصل کی لیکن اس جنگ میں سلطان مراد شہید ہو گیا۔

سلطان بایزید یلدرم:

(پیدائش 1354ء، وفات 1403ء)

سلطان مراد کا ہونہار بیٹا بایزید تخت پر بیٹھا جو دوران جنگ اپنی تیزی کے باعث یلدرم یعنی بجلی کہلاتا تھا۔ اس کے عہد میں سرویا پر پورا تسلط ترکوں کا ہو گیا۔ یورپ کی کئی سلطنتیں مل کر بایزید سے لڑیں اور مغلوب رہیں۔ ایشیائے کوچک

Marfat.com

کے تمام حصے پورے طور پر ترکوں کے زیر فرمان ہو گئے۔ وہ 1389ء سے 1402ء تک سلطنت عثمانیہ کا چوتھا فرمانروا تھا۔ انہوں نے اپنے والد مراد اول کے بعد مسند اقتدار سنبھالی جو جنگ کوسووا اول میں شہید ہو گئے تھے۔ اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد بایزید نے اپنے چھوٹے بھائی یعقوب کی بغاوت کو فرو کیا۔ بعد ازاں انہوں نے سربیا کے شاہ لازار کی صاحبزادی شہزادی ڈیسپنا سے عقد کر لیا اور اسٹیفن لازاریوچ کو سربیا کا نیا سربراہ متعین کیا اور سربیا کو کافی خود مختاری دی۔ اس فتح کے بعد عیسائی بیوی کے باعث بایزید کو شراب کی لت پڑ گئی لیکن بعد ازاں سلطنت عثمانیہ کے خلاف عیسائیوں کے اعلان جنگ پر وہ اس سے تائب ہو گیا۔ 1391ء میں بایزید نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا جو اس وقت بازنطینی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ 1394ء میں بازنطینی حکمران جون پنجم پیلایولوگس کے مطالبے پر سلطنت عثمانیہ کو شکست دینے کے لئے پوپ بونیفیس نے صلیبی جنگ کا اعلان کیا گیا۔ شاہ ہنگری اور رومی حکمران سجسمنڈ کی زیر قیادت اس مسیحی اتحاد میں فرانس اور ولاچیا بھی شامل تھے۔ دونوں افواج کا ٹکراؤ 1396ء میں نکوپولس کے مقام پر ہوا جہاں بایزید نے عظیم الشان فتح حاصل کی اور اس شاندار فتح نے نہ صرف یورپ کے عیسائیوں کی کمر توڑ دی بلکہ بایزید کی شہرت کو بھی بام عروج پر پہنچا دیا۔ اس فتح کی خوشی میں بایزید نے دارالحکومت بروصہ میں عظیم الشان جامع مسجد اولو جامع قائم کی۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ 1401ء تک جاری رہا جس کے دوران ایک مرتبہ نوبت یہاں تک آن پہنچی کا بازنطینی حکمران شہر چھوڑ کر فرار ہو گیا اور قریب تھا کہ شہر مسلم افواج کے ہاتھ آ جاتا کہ بایزید کو مشرقی سرحدوں پر تیمور لنگ کے حملے کی خبر ملی جس پر اسے چاروناچار محاصرہ اٹھانا پڑا۔

جنگ نکوپولس:

بایزید نے اپنے دور حکومت میں بلغاریہ کا بیشتر حصہ اور شمالی یونان فتح کیا اور 1391ء تا 1398ء قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ 25 ستمبر 1396ء کو اس نے جنگ نکوپولس میں عیسائیوں کی مشترکہ فوج کو زبردست شکست دی۔ جنگ نکوپولس 25 ستمبر 1396ء کو سلطنت عثمانیہ اور ہنگری، فرانس اور مقدس رومی سلطنت کے متحد لشکر کے درمیان لڑی جانے والی جنگ تھی۔ یہ جنگ دریائے ڈینیوب کے کنارے نکوپولس (موجودہ نکوپول، بلغاریہ) کے قلعے کے قریب لڑی گئی۔ اس جنگ کو صلیبی جنگ بھی کہا جاتا ہے اور یہ قرون وسطی کی آخری بڑی صلیبی جنگ تھی۔ اس جنگ کا سبب عثمانیوں کے ہاتھوں مسلسل شکست کھانے کے بعد عیسائی دنیا کا ردعمل تھا۔ 1394ء میں پوپ بونیفیس نہم نے ترکوں کے خلاف نئی صلیبی جنگ کا اعلان کیا۔ اس جنگ میں عثمانیوں کی قیادت سلطان بایزید اول کے ہاتھوں میں تھی جو 24 ستمبر کو مقابلے کے لیے نکوپولس پہنچے۔ صلیبیوں کے عظیم لشکر کے باعث مسلمانوں کی فتح کے امکانات کم تھے لیکن وہ انتہائی پامردی سے لڑے۔ سلطان بایزید جنہیں شراب کی بری لت پڑی ہوئی تھی، نے شراب نوشی سے توبہ کرتے ہوئے اللہ سے فتح کی دعا کی اور بالآخر فتح عثمانیوں کا مقدر بنی۔

جنگ انقرہ:

اس نے 1397ء میں سلطنت کے مشرقی حصے میں قرہ مان کی امارت کو فتح کیا۔ 1400ء میں تیمور لنگ مشرق وسطی میں داخل ہوا اور اس نے مشرقی اناطولیہ پر حملہ کر دیا۔ والی کرمانیہ گرفتار ہوا۔ بایزید کے وقت سلطنت ترکی نے خوب زور پکڑا تھا۔ پوپ روم نے ترکوں کے مقابلہ میں جہاد کا فتویٰ دیا۔ فرانس، ہنگری، برگنڈی وغیرہ مختلف حصہ ہائے یورپ سے فوجی جنرل اور بہت سے شاہزادے جہاد کو چلے۔ بایزید نے اس عمدگی سے مقابلہ کیا کہ سب کے دانت کھٹے ہو گئے۔

اور بے انتہا عیسائی گرفتار اور مقتول ہوئے۔ بایزید تمام اہل یورپ کو زیر حکم سمجھنے کی وجہ رکھتا تھا۔ اس نے شاہ قسطنطنیہ کو خط لکھا کہ قسطنطنیہ میرے تخت کے لئے خالی کردو۔ یہ منصوبہ پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ تیمور کی چڑھائی کا وقت آ گیا۔ مصر اور شام فتح کر کے تیمور ایشیائے کوچک کی طرف چلا۔ 1400ء میں وسط ایشیا کا جنگجو حکمران تیمور لنگ مقامی حکومتوں کو زیر کر کے ایک وسیع سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور تیموری اور عثمانی ریاستوں کی سرحدیں ملنے کے باعث دونوں کے درمیان تصادم ہو گیا۔ جولائی 1402ء میں انقرہ کے قریب بایزید اور امیر تیمور کا ٹکراؤ ہوا۔ 20 جولائی کو جنگ انقرہ میں تیمور نے عثمانی فوج کو شکست دیکر بایزید کو گرفتار کر لیا تاہم عثمانی شہزادے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ بایزید نے بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا اور یہ محض اتفاق تھا یا تیمور کی حکمت عملیوں کا نتیجہ تھا کہ فتح تیمور کو نصیب ہوئی۔ اور ترکی سلطنت کے اکثر ایشیائی حصے عثمانی خاندان کے قبضہ سے کچھ عرصے کے لئے نکل گئے۔ بایزید کو جنگ انقرہ میں شکست کا اتنا غم تھا کہ وہ ایک سال بعد ہی 1403ء میں دوران قید انتقال کر گیا۔ انقرہ کی شکست کے بعد سلطنت میں انتشار پھیل گیا۔ منگولوں کو اناطولیہ میں پیش قدمی کا موقع مل گیا اور سلطان کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ بایزید کی گرفتاری کے بعد اس کے بیٹوں سلمان چلپی، عیسیٰ چلپی، محمد چلپی اور موسیٰ کے درمیان جنگ چھڑ گئی جس میں محمد اول المعروف محمد چلپی نے فتح حاصل کی۔

سلطان محمد اوّل:

(پیدائش: 1389ء، انتقال 26 مئی 1421ء)

بایزید کے بعد اس کا بیٹا محمد اول 1413ء میں ادرنہ میں تخت نشین ہوا۔ شاہی خاندان میں نفاق پھیلا۔ تیمور کی غارت گری کیا کم تھی، اُس پر سے بایزید کے لڑکوں کی باہمی لڑائیاں اور بھی غضب تھیں لیکن محمد اول بڑی تعریف کا مستحق ہے کہ تیمور کی لڑائی سے جو نقصان پہنچا تھا اس نے اُس کی تلافی کر لی۔ سلطنت عثمانیہ کے سلطان اور دوسرے بانی تھے۔ جنگ انقرہ میں بایزید یلدرم کی امیر تیمور کے ہاتھوں شکست اور سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے بعد محمد اول نے ادرنہ (ایڈریانوپل) میں تخت سنبھالا اور دارالحکومت بروصہ سے ادرنہ منتقل کر کے سلطنت کو ختم ہونے سے بچایا اور بغاوتوں کو فرو کرنے کے ساتھ ساتھ البانیہ سمیت کئی علاقے فتح کر کے سلطنت میں شامل کئے۔ اس کا مقصد سلطنت کو اس کی ماضی کی عظمتیں لوٹانا تھا۔ اپنے 8 سالہ دور حکومت میں محمد نے زبردست کارنامے انجام دیئے۔ منگولوں کو اناطولیہ سے نکال باہر کیا اور البانیہ، سلیسیہ، ترک امارتوں اور جنوبی یونان پر حملے کئے۔ محمد اول کی عمر انتقال کے وقت محض 40 سال تھی اور اس نے صرف 8 سال حکومت کی تاہم اس کا دور اس لئے اہم ہے کہ جنگ انقرہ میں اپنے والد کی شکست اور سلطنت کے ٹکڑے ہو جانے کے بعد اس نے اسے از سر نو پیروں پر کھڑا کیا۔ اس کا مزار بروصہ میں مسجد سبز کے ساتھ واقع ہے۔ 1421ء میں وفات کے بعد اس کا بیٹا مراد دوم تخت پر بیٹھا۔

سلطان مراد ثانی:

(پیدائش: جون 1404ء، انتقال 3 فروری 1451ء)

مراد ثانی نے اپنے والد محمد اوّل کی وفات پر محض 18 سالہ کی عمر میں تخت سنبھالا۔ وہ 1421ء سے 1451ء تک (1444ء سے 1446ء تک کا عرصہ چھوڑ کر) سلطنت عثمانیہ کا سلطان رہا۔ دو مرتبہ اس نے اپنے نابالغ بیٹے کو تخت پر بٹھا

کر گوشہ نشینی اختیار کی لیکن دونوں مرتبہ مغربی عیسائیوں کے سر اٹھانے سے گوشہ نشینی کے ترک کرنے پر مجبور ہوا۔ ہنگری پولینڈ، اٹلی، یونان، جرمنی، ان تمام ممالک کے بادشاہوں نے باہم اتفاق کر کے ترکوں پر چڑھائیاں کیں لیکن ترک ہمیشہ کامیاب رہے۔ ان کا دور حکومت بلقان اور اناطولیہ میں اس کو سب سے پہلے بغاوتوں کا سامنا رہا تاہم وہ انہیں فرو کرنے میں کامیاب رہا۔ اس نے 1421ء میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا لیکن اپنے بھائی مصطفیٰ کی جانب سے بروصہ پر حملے کی وجہ سے یہ محاصرہ اٹھانا پڑا اور پھر بروصہ پہنچ کر مصطفیٰ کو شکست دی اور اسے قتل کر دیا۔ مصطفیٰ کو بغاوت پر آمادہ کرنے والی اناطولیہ میں پھیلی ترک ریاستوں کو ان کے کیے کی سزا ملی اور مراد دوم نے سب کو شکست دے کر سلطنت میں شامل کر لیا۔ مراد نے 1428ء میں کرمانیوں کو شکست دی اور 1430ء میں دوسرے محاصرہ سالونیکا کے بعد 1432ء میں وینس بھی دستبردار ہو گیا۔ اسی دہائی میں مراد نے بلقان میں وسیع علاقہ سلطنت میں شامل کیا اور 1439ء میں سربیا فتح کر لیا۔ 1441ء میں مقدس رومی سلطنت، پولینڈ اور البانیہ نے اس کے خلاف اتحاد قائم کرتے ہوئے صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا۔ 1444ء میں جنگ وارنا میں اس نے یونا س ہونیاڈے کو شکست دی لیکن جنگ جلاووز میں اسے شکست ہوئی اور دونوں کے درمیان معاہدہ ہو گیا۔ اس معاہدے کے بعد مراد دوم اپنے صاحبزادے محمد دوم کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گئے لیکن محمد کی نوعمری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عیسائیوں نے معاہدہ توڑ دیا جس پر 1446ء میں مراد نے دوبارہ مسند اقتدار سنبھالی اور دوسری جنگ کوسوو میں عیسائی اتحاد کو کچل کر رکھ دیا۔ بلقان میں عیسائیوں کو عظیم شکست دینے کے بعد اس نے مشرق کا رخ کیا اور امیر تیمور کے بیٹے شاہ رخ تیموری کو شکست دی اور کرمانی امارت کو اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ 1450ء کے موسم سرما میں وہ بیمار پڑ گیا اور ادرنہ میں وفات پائی۔ محمد دوم نے ان کی جگہ تخت سنبھالا۔

سلطان محمد ثانی فاتح:

مراد ثانی کا بیٹا محمد ثانی 1451ھ میں تخت نشین ہوا۔ محمد ثانی المعروف فاتح 1444ء سے 1446ء اور 1451ء سے 1481ء تک سلطنت عثمانیہ کے سلطان رہے۔ اس نے محض 21 سال کی عمر میں قسطنطنیہ فتح کر کے بازنطینی سلطنت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد اس نے اپنے خطابات میں قیصر کا اضافہ کیا۔ سلطان محمد ثانی نے عیسائیوں کے اس عظیم مرکز اور بازنطینی سلطنت کے اس مستحکم قلعے کو فتح کر کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کو پورا کر دکھایا۔ آنحضور ﷺ نے اپنی زندگی میں فتح قسطنطنیہ کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے اس کے فاتحین کو جنت کی بشارت دی تھی۔ قسطنطنیہ فتح کر کے سلطان محمد ثانی نے اسلام کی نامور ہستیوں میں ایک ممتاز شخصیت کی حیثیت اختیار کر لی۔ قسطنطنیہ فتح ہوا اور زمانے نے دیکھا کہ بازنطینی سلطنت کے ہزار سالہ غرور اور تکبر کے بت اوندھے پڑے ہوئے ہیں اور قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مقبرے پر ہلالی پرچم کا سایہ ہے۔ قسطنطنیہ کی تسخیر عالم اسلام کے لئے مسلمانوں کی جرات و شجاعت کی یادگار ہے۔ محمد فاتح نے ایتھنز، گلاتا اور کیفے کے علاقے عثمانی سلطنت میں شامل کئے جبکہ محاصرہ بلغراد میں بھی حصہ لیا جہاں وہ شدید زخمی ہوئے۔ 1458ء میں اس نے موریا کا بیشتر حصہ اور ایک سال بعد سربیا فتح کر لیا۔ 1461ء میں اماسرا اور اسفندیار عثمانی سلطنت میں شامل ہوئے۔ اس نے یونانی سلطنت طربزون کا خاتمہ کیا اور 1462ء میں رومانیہ، یایچی اور مدیلی بھی سلطنت میں شامل کر لئے۔

محمد ثانی 30 مارچ 1432ء کو ادرنہ میں پیدا ہوا جو اس وقت سلطنت عثمانیہ کا دارالحکومت تھا۔ اس کے والد سلطان مراد ثانی اور والدہ ہما خاتون تھیں۔ 11 سال کی عمر میں محمد ثانی کو اماسیہ بھیج دیا گیا جہاں اس نے حکومت سنبھالنے کی تربیت

Marfat.com

حاصل کی۔ اگست 1444ء میں مراد ثانی اناطولیہ میں امارت کرمان کے ساتھ امن معاہدے کے بعد 12 سالہ محمد ثانی کے حق میں سلطنت سے دستبردار ہو گیا۔ اپنے پہلے دور بادشاہت کے دوران جنگ ورنا کے خدشات کے پیش نظر سلطان محمد نے اپنے والد مراد ثانی سے تخت سنبھالنے کا مطالبہ کیا لیکن اس نے زاہدانہ زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے اس سے انکار کر دیا۔ جس پر محمد ثانی نے انہیں ایک خط لکھا جس میں درج تھا کہ "اگر آپ سلطان ہیں تو آئیے اور فوج کی کمان سنبھالیے لیکن اگر میں سلطان ہوں تو میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ میری فوج کی قیادت سنبھالیں۔" اس خط کے بعد سلطان مراد نے 1444ء میں جنگ ورنا میں عثمانی افواج کی قیادت کی۔

ایشیاء میں فتوحات:

فتح قسطنطنیہ 1453ء (858)

قسطنطنیہ کی فتح نے محمد ثانی کو اپنی توجہ اناطولیہ پر مرکوز کرنے کی مہلت دی۔ محمد ثانی اناطولیہ میں قائم ترک ریاستوں اور شمال مشرقی اناطولیہ کی عیسائی سلطنت طربزون کا خاتمہ کر کے ایشیائے کوچک کو ایک سیاسی وحدت میں تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ اناطولیہ کو مکمل فتح کرنے کی صورت میں ہی وہ یورپ میں مزید فتوحات حاصل کر سکتا تھا۔

یورپ میں فتوحات:

اناطولیہ اور قسطنطنیہ کی فتوحات اور اسے اپنا دارالحکومت قرار دینے کے محمد ثانی نے یورپ میں پیش قدمی کی۔ وہ سابق رومی سلطنت کو سلطنت عثمانیہ کے پرچم تلے لانا چاہتا تھا جس کیلئے اس نے 1480ء میں اٹلی پر حملہ کیا جس کا مقصد روم پر حملہ کر کے 751ء کے بعد پہلی مرتبہ رومی سلطنت کو دوبارہ یکجا کرنا تھا اور پہلے مرحلے میں اس نے 1480ء میں اوٹرانٹو فتح کر لیا۔ لیکن 1443ء اور 1468ء کے بعد 1480ء میں تیسری مرتبہ البانیا میں سکندر بیگ کی بغاوت نے افواج کے رابطے کو منقطع کر دیا جس کی بدولت پوپ سکسٹس چہارم نے ایک زبردست فوج لے کر 1481ء میں اوٹرانٹو کو مسلمانوں سے چھین لیا۔ دوسری جانب محمد ثانی نے بلقان کی تمام چھوٹی ریاستوں کو فتح کر لیا اور مشرقی یورپ میں بلغراد تک پہنچ گیا جہاں 1456ء میں بلغراد کا محاصرہ کیا لیکن جون ہونیاڈے کے خلاف کامیاب نہ ہو سکا۔ 1462ء میں اس کا ولاچیا کے شہزادے ولیڈ سوئم ڈریکولا سے بھی تصادم ہوا۔ 1475ء میں عثمانیوں کو جنگ ویسلوئی میں مالڈوویا کے اسٹیفن اعظم کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ چند شکستوں کے باوجود محمد فاتح کے دور میں عثمانی سلطنت کا رقبہ کافی وسیع ہوا۔ محمد ثانی عظیم فاتح ہونے کے ساتھ ساتھ علم و ہنر کا بھی سرپرست تھا۔ اس نے قسطنطنیہ کی فتح کے بعد اٹلی کے مصوروں اور یونانی دانشوروں کو اپنے دربار کا حصہ بنایا اور مسلم سائنسدان اور ہنرمند بھی اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ اس نے قسطنطنیہ میں ایک جامعہ قائم کی اور فاتح مسجد سمیت کئی مساجد، نہریں اور توپ کاپی محل تعمیر کرایا۔ محمد ثانی کا دور رواداری اور برداشت کا دور سمجھا جاتا ہے جس میں اس نے مفتوح بازنطینیوں کے ساتھ نیک سلوک کیا جو قرون وسطی کے یورپیوں کے لئے حیران کن تھا۔ محمد ثانی کے دور میں حکومت میں سلطنت کے عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ مثالی سلوک کیا جاتا تھا۔

سلطان محمد فاتح 3 مئی 1481ء کو انتقال کر گیا۔ اس کا مزار استنبول میں فاتح مسجد کے برابر میں ہے۔ آبنائے باسفورس پر قائم کیا جانے والے دوسرے پل کو انہی کے نام پر "سلطان محمد فاتح پل" کا نام دیا گیا ہے۔ محمد فاتح صرف اپنی فتوحات کی وجہ سے مشہور نہیں ہے بلکہ انتظام سلطنت اور اپنی حیرت انگیز قابلیت کے باعث بھی شہرہ رکھتا ہے۔ اس نے پہلی مرتبہ سلطنت عثمانیہ کے لئے باقاعدہ قوانین مرتب کئے۔ محمد فاتح ترکوں کا شیر شاہ اور اکبر تھا لیکن اس نے ایک قانون

Marfat.com

بڑا خراب بنایا کہ جب کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھے تو وہ اپنے بھائیوں کو قتل کرادے۔ لیکن پھر بھی محمد فاتح کا یہ قانون ظالمانہ تھا۔ محمد فاتح اگرچہ اپنی فتوحات اور انتظامی صلاحیتوں و تدبر میں اپنے اجداد پر بازی لے گیا تھا لیکن وہ اخلاق و کردار میں اورخان، مراد اول یا مراد دوم کے ہم پلہ نہیں تھا۔ وہ اگرچہ فطرتاً ظالم نہیں تھا لیکن اس کی طبیعت میں درشتی اور سختی ضرور تھی۔ وہ اپنی مخالفت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا اور بڑے بڑے لوگوں کو بغیر کسی تحقیق کے قتل کر دیتا تھا۔ اگرچہ اس نے قانون نامہ مرتب کر کے حکومت کو قانون کا پابند بنایا لیکن اپنی ذات میں وہ ایک مستبد حکمران تھا۔ صلاح و مشورے کو جو اس کے اجداد کا اصول تھا، ذرہ برابر اہمیت نہیں دیتا تھا۔ محمد فاتح کے بعد اس کا بیٹا بایزید ثانی تخت نشین ہوا جس نے تیس سال حکومت کی۔

سلطان بایزید ثانی:

سلطنت عثمانیہ کا آٹھویں حکمران، جو اپنے والد محمد فاتح کے انتقال کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس نے 1481ء سے 1512ء تک حکومت کی۔ سلطان محمد فاتح کے انتقال کے وقت بایزید ثانی ایشیائے کوچک کے صوبے کا گورنر تھا جبکہ دوسرا صاحبزادہ جمشید کریمیا کی گورنری پر مامور تھا۔ کیونکہ محمد فاتح نے کسی کو جانشین نامزد نہیں کیا تھا اس لیے محل کے مقتدر حلقوں میں اپنی مرضی کے شہنشاہ کی تقرری کی کھینچا تانی شروع ہوگئی۔ صدر اعظم محمد پاشا جمشید کا حامی تھا اس لیے محمد فاتح کی وفات کی خبر کو بایزید سے مخفی رکھا لیکن اسی دوران شہر میں ہنگامہ آرائی ہوگئی اور ینی چری نے سازشی منصوبے کا علم ہوتے ہی محمد پاشا کو قتل کر دیا۔ اسحاق پاشا کو نیا صدر اعظم مقرر کرنے کے بعد بایزید کے حامیوں نے با آسانی ینی چری کی حمایت حاصل کر لی اور بایزید کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ باپ کے انتقال کی خبر سنتے ہی بایزید اماسیہ سے قسطنطنیہ پہنچ گیا جہاں پہنچتے ہی ینی چری نے تنخواہوں میں اضافے اور انعامات کا مطالبہ کر دیا جس کو تسلیم کرنے کے وعدے کے بعد 1481ء میں اسے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ بایزید نے ینی چری کو انعام و اکرام سے نوازا جس سے سلطنت عثمانیہ میں رسم بد چل پڑی جو اگلے تین سو سال تک (ینی چری کے خاتمے تک) بدستور قائم رہی اور ینی چری کے فوجی منہ زور ہوتے چلے گئے۔ ہر سلطان کی تخت نشینی پر وہ انعامات اور تنخواہوں میں اضافے کا مطالبہ کرتے اور منظور نہ کرنے کی صورت میں قتل تک کی دھمکی دے دیتے۔

شہزادہ جمشید کا قصہ:

بایزید کو تخت نشین ہونے کے بعد سب سے پہلے اپنے بھائی جمشید کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ جمشید کا کہنا تھا کہ کیونکہ والد نے کسی کو جانشیں نامزد نہیں کیا اس لیے سلطنت پر حکمرانی اکیلے بایزید کا حق نہیں۔ اس لیے جمشید نے ایشیائی مقبوضات پر بایزید اور یورپی مقبوضات پر اپنی حکومت کی تجویز پیش کی جسے بایزید نے مسترد کر دیا جس پر جمشید نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ کیونکہ جمشید جانتا تھا کہ محمد فاتح نے 'قتل برادران' کے جس خونیں قانون کو آئین سلطنت کا حصہ بنایا ہے۔ بایزید اس پر ضرور عمل کرے گا اور اطاعت قبول کرنے کے باوجود اس سے باز نہ آئے گا۔ بایزید نے سلطنت کی تقسیم سے انکار کے باوجود جمشید کو اہل و عیال کے ساتھ بیت المقدس میں سکونت اختیار کرنے اور کریمیا کی آمدنی کا ایک حصہ عطا کرنے کی پیشکش کی جسے جمشید نے ٹھکرا دیا اور نتیجتاً 1481ء میں دونوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ غداری کے باعث جنگ میں جمشید کو شکست ہوگئی اور وہ مصر بھاگ کھڑا ہوا جہاں مملوک سلطان نے اسے عزت و احترام کے ساتھ اپنا مہمان بنایا۔ سلطان نے نہ صرف اسے پناہ دی بلکہ فوجی و مالی امداد بھی کی جس کے بعد جمشید نے ایشیائے کوچک کے جنوب مغربی

Marfat.com

ے سے سلطنت عثمانیہ پر چڑھائی کردی اور 1482ء میں دونوں بھائی ایک مرتبہ پھر مدمقابل آگئے۔لیکن ایشیائے کوچک سرداروں کے عدم تعاون کے باعث اسے ایک مرتبہ پھر شکست کا منہ دیکھناپڑااور اس مرتبہ شکست کھا کر مصر جانے میں م آڑے آگئی اور جمشید نے اس مرتبہ عیسائیوں سے رابطہ کیا اور روڈس میں داخلے کی اجازت چاہی اور ایک معاہدے تحت روڈس پہنچ گیا جہاں کے عیار عیسائی حکمران نے ایک طرف اس سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ بایزید کے خلاف حق انے کے لیے اس کی مدد کرے گا اور دوسری جانب بایزید کو لکھوا بھیجا کہ جمشید کی نظر بندی کے لیے سالانہ 45 ہزار ات دیے جائیں جس پر بایزید رضامند ہوگیا اور اس طرح جمشید بظاہر پناہ اور حقیقتاً قید میں تھا۔روڈس کے حکمران ڈی سن کی عیاری کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ بایزید سے رقم بٹورنے کے ساتھ ساتھ اس نے مصر میں جمشید والدہ کو بھی لکھوا بھیجا کہ سالانہ ڈیڑھ لاکھ بھیجتی رہوگی تو جمشید زندہ رہے گا بصورت دیگر قتل کردیا جائے گا۔اس طرح نظر بند شہزادے کو نیس، فرانس اور بعدازاں مختلف مقامات پر پہنچایا گیا۔ڈی آبوسن "سونے کی چڑیا" کو کھونا نہیں چاہتا جبکہ یورپی طاقتیں اسے بایزید کے خلاف استعمال کرنا چاہتی تھیں تاکہ سلطنت عثمانیہ کو کمزور کیا جاسکے۔آخر کار شاہ لس چارلس پنجم نے جمشید کو حاصل کیا اور بطور ضمانت روم بھیج دیا۔جہاں وہ پوپ انوسینٹ ہشتم کی نظر بندی میں منتقل ہو یا۔بایزید جمشید کی نگرانی کے لیے پوپ کو 40 ہزار دوکات سالانہ ارسال کرتا تھا۔پوپ کے انتقال کے بعد روم نے تین دوکات کے عوض شہزادہ کے قتل کا سودا کرنا چاہا لیکن ابھی اس معاملے پر بات آگے ہی نہ بڑھی تھی کہ فرانس نے اٹلی پر کرکے اس پر قبضہ کرلیا اور پوپ 40 ہزار دوکات کی رقم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔بالآخر 36 سال کی عمر میں ایک سازش ے ذریعے اسے زہر دے کر قتل کردیا گیا اور یوں 13 سالہ قید و نظر بندی کے بعد جمشید کا انتقال ہوگیا۔بایزید نے اس کی ں منگوا کر بروصہ میں دفن کی۔

ی میں شکست:

سلطان فاتح کے آخری ایام میں ترک افواج اٹلی کے ساحلوں پر اتریں تھیں اور ساحلی شہر اوٹرانٹو پر قبضہ کرلیا۔لیکن یزید کی جانب سے اہم ترین سپہ سالار احمد کرک پاشا کو واپس بلانے اور اٹلی کی مہم میں امداد نہ دینے کے ناقص فیصلوں کی بہ سے جلد ہی یہ قبضہ ختم ہوگیا۔اس طرح بایزید کی ناقص حکمت عملی سے سلطنت عثمانیہ کو بہت نقصان ہوا اور محمد فاتح کی انب سے فتح اٹلی کا جو دروازہ کھلا تھا وہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

توحات:

ہرزیگووینا عثمانی سلطنت کی باجگذار ریاست تھی جس نے محمد فاتح کے دور میں باجگذاری اختیار کی لیکن بایزید نے اسے مکمل فتح کرکے سلطنت عثمانیہ کا حصہ بنایا۔ہنگری اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا لیکن فتح کی نوبت نہ آسکی اور بالآخر صلح ہوگئی۔بایزید کے دور میں بحری معرکے بھی ہوئے اور 1498ء میں وینس سے ہونے والی جنگ میں ترکوں نے تین قلعے فتح کیے۔اسی دور میں روس کا سفیر پہلی بار قسطنطنیہ آیا لیکن غرور و تکبر کا جو سبق اسے زار روس نے پڑھا کر بھیجا تھا اس پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے یہ سفارت ناکام ہوگئی۔بایزید کے دور میں ہی ترکی اور مصر کی دشمنی کا آغاز ہوا۔جبکہ مشرقی سمت ایران میں صفوی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی سلطنت عثمانیہ کا ایک نیا حریف پیدا ہوگیا۔

Marfat.com

سقوط غرناطہ:

بایزید نے ہی سقوط غرناطہ کے بعد وہاں سے نکالے گئے مسلمانوں اور یہودیوں کو بچانے کے لیے کمال رئیس کی زیر قیادت کئی بحری مہمات بھیجیں جنہوں نے ہزاروں مسلمانوں اور یہودیوں کی جانیں بچائیں۔ 892ھ بمطابق 1492ء میں اسپین میں مسلم اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا اور ان کی آخری ریاست غرناطہ بھی عیسائیوں کے قبضے میں چلی گئی۔ اس واقعے کو سقوط غرناطہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسپین میں آخری مسلم امارت غرناطہ کے حکمران ابوعبداللہ نے قشتالہ اور ارغون کے عیسائی حکمرانوں ملکہ آئزابیلا اور شاہ فرڈیننڈ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اس طرح اسپین میں صدیوں پر محیط مسلم اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ معاہدے کے تحت مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی کی یقین دہانی کرائی گئی لیکن عیسائی حکمران زیادہ عرصے اپنے وعدے پر قائم نہ رہے اور یہودیوں اور مسلمانوں کو اسپین سے بے دخل کردیا گیا۔ مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنایا گیا جنہوں نے اس سے انکار کیا انہیں جلاوطن کردیا گیا۔

معزولی اور وفات:

بایزید کا عہد حکومت خانہ جنگی سے شروع ہوا اور اس کا خاتمہ بھی خانہ جنگی پر ہی رہا۔ اول الذکر میں حکومت کے لیے وہ اور اس کا بھائی جمشید مدمقابل رہے اور دور اختتام پر اس کے بیٹوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ بایزید کے تین بیٹے تھے اور جانشینی کے لیے اس کی نظر انتخاب دوسرے بیٹے احمد پر تھی لیکن چھوٹا بیٹا سلیم فوجی قابلیت کا حامل تھا اور فوج میں مقبولیت بھی رکھتا تھا۔ احمد کی طرف باپ کا رجحان دیکھ کر سلیم طرابزون سے قسطنطنیہ روانہ ہوا۔ بایزید نے سلیم کی آمد کا علم ہونے پر اسے واپس جانے کا حکم دیا لیکن طاقت کے نشے میں چور سلیم جنگ کے لیے تیار ہوگیا۔ باپ بیٹے میں جنگ ہوئی اور سلیم شکست کھا گیا۔ وہ کریمیا چلا گیا جہاں اس کا سسر فرمانروا تھا۔ اس کی مدد سے دوبارہ قسطنطنیہ آیا اور فوج کی مدد حاصل کی جس نے بایزید سے سلیم کے حق میں دستبرداری کا مطالبہ کردیا۔ فوج کا رجحان دیکھ کر بایزید نے 1512ء میں سلیم کے حق میں دستبردار ہونے کا فیصلہ کردیا اور تخت چھوڑ دیا۔ زندگی کے بقیہ ایام اس نے ایشیائے کوچک میں گزارنے کی خواہش لے کر سفر کا آغاز کیا لیکن وہاں تک ہی نہ پہنچ سکا اور تین دن بعد انتقال کر گیا۔ اسے استنبول میں بایزید مسجد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ بایزید کا رجحان زیادہ تر مذہب و فلسفہ کی جانب تھا جس کی وجہ سے لوگ اسے صوفی کہتے تھے۔ سادہ و حلیم مزاج اور نرم خو ہونے کے علاوہ پابند شرع بھی تھا۔ شاعری سے خاص لگاؤ رکھتا تھا۔ سپاہیانہ شجاعت میں کم نہ تھا لیکن جنگ پسند نہیں تھا۔

سلطان سلیم اوّل المعروف سلیم یاووز:

پیدائش: 10 اکتوبر 1465ء، انتقال 22 ستمبر 1520ء

1512ء سے 1520ء تک سلطنت عثمانیہ کے سلطان تھے۔ سلیم کے دور میں ہی خلافت عباسی خاندان سے عثمانی خاندان میں منتقل ہوئی اور مکہ و مدینہ کے مقدس شہر عثمانی سلطنت کا حصہ بنے۔ اس کی سخت طبیعت کے باعث ترک اسے "یاووز" یعنی "درشت" کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد بایزید ثانی کو تخت سے اتارا اور خود حکومت سنبھالی۔ قانون کے مطابق انہوں نے تخت سنبھالتے ہی اپنے تمام بھائیوں اور بھتیجوں کو قتل کر ڈالا۔ بھائیوں اور تخت کے تمام امیدواروں کو قتل کرنے کا یہ قانون سلطان محمد فاتح نے اپنے دور حکومت میں نافذ کیا تھا جس کا مقصد ایک بادشاہ کے مرنے کے بعد

Marfat.com

نہ جنگی سے بچتا تھا۔ سلیم اول سلطنت عثمانیہ کے عظیم فاتحین میں سے ایک تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے مغرب
جانب پیش قدمی کے بجائے مشرق کو میدان جنگ بنایا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جب تک سلطنت عثمانیہ کے برابر میں صفوی
ملوک حکومتیں قائم ہیں تب تک یورپ میں پیش قدمی نہیں کی جا سکتی۔ اس نے جنگ مرج دابق اور جنگ ردانیہ میں
لوں کو شکست دے کر شام، فلسطین اور مصر کو عثمانی قلمرو میں شامل کیا۔ مملوکوں کی اس شکست سے حجاز اور اس میں واقع مکہ و
نہ کے مقدس شہر بھی عثمانی سلطنت کے زیر اثر آ گئے۔ اس فتح کے بعد قاہرہ میں مملوکوں کے زیر نگیں آخری عباسی خلیفہ المتوکل
ث سلیم اول کے ہاتھوں خلافت سے دستبردار ہو گیا اور یوں خلافت عباسی خاندان سے عثمانی خاندان کو منتقل ہو گئی۔
سلیم نے اپنے لئے حاکم الحرمین کے بجائے خادم الحرمین الشریفین کا لقب پسند کیا اور خلافت حاصل کر کے خلیفہ و
المومنین کہلایا۔ مصر سے نمٹنے کے بعد سلیم نے ایران کی صفوی سلطنت کے خلاف جنگ کا آغاز کیا اور شاہ اسماعیل اول
جنگ خالدران میں بدترین شکست دی اور صفویوں کے دارالحکومت تبریز پر بھی قبضہ کر لیا تاہم اس نے قدرت پانے
باوجود ایران کو اپنی سلطنت میں شامل نہیں کیا۔ سلیم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اہل تشیع سے شدید نفرت کرتا تھا
یران میں اہل تشیع کی اکثریت کو ایران پر قبضہ نہ کرنے کی اہم ترین وجہ سمجھا جاتا ہے۔ اپنے دور حکومت میں سلیم نے
سلطنت کا رقبہ 25 لاکھ مربع کلومیٹر سے 65 لاکھ مربع کلومیٹر تک پہنچا دیا۔ مصر کی مہم سے واپسی کے بعد سلیم نے
رہوڈس پر چڑھائی کی تیاری شروع کی تاہم اس دوران وہ بیمار پڑ گیا اور 9 سال تک پایہ تخت سنبھالنے کے بعد
ل کر گیا۔ اس وقت اس کی عمر 54 سال تھی۔ سلیم فارسی اور ترک دونوں زبانوں میں شاعری بھی کرتا تھا۔

ان سلیمان عالیشان:

سلیمان اول (المعروف سلیمان قانونی اور سلیمان اعظم) سلطنت عثمانیہ کے دسویں فرمانروا تھے جنہوں نے
15ء سے 1566ء تک 46 سال تک حکمرانی کے فرائض انجام دیئے۔ وہ بلاشبہ سلطنت عثمانیہ کے سب سے عظیم
ان تھے جنہوں نے اپنے بے مثل عدل و انصاف اور لاجواب انتظام کی بدولت پوری مملکت اسلامیہ کو خوشحالی اور
کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ انہوں نے مملکت کے لئے قانون سازی کا جو خصوصی اہتمام کیا اس کی بنا پر ترک انہیں
ان قانونی کے لقب سے یاد کرتے ہیں جبکہ مغرب ان کی عظمت کا اس قدر معترف ہے کہ مغربی مصنفین انہیں سلیمان
ن یا سلیمان عالیشان اور سلیمان اعظم کہہ کر پکارتے ہیں۔ ان کی حکومت میں سرزمین حجاز، ترکی، مصر، الجزائر،
ن، کردستان، یمن، شام، بیت المقدس، خلیج فارس اور بحیرہ روم کے ساحلی علاقے، یونان اور مشرقی و مغربی ہنگری
تھے۔

سلیمان 6 نومبر 1494ء (900ھ) میں پیدا ہوا۔ اس کے والد سلیم اول دولت عثمانیہ کے نویں سلطان تھے جبکہ
ہ کا نام عائشہ تھا۔ سلیم اول نے 8 سال تک (918ھ تا 926ھ) حکومت کی تھی۔ سلیمان نے اپنے والد سے 16 سال
جنگی فنون کی تربیت حاصل کی۔ سلیم اول نے اپنے بیٹے کو دینی و دنیاوی تعلیم دلوانے کا بھی اہتمام کیا تھا۔ سلیمان کی
ی صلاحیتوں کو اس وقت جلا ملی جب اسے مختلف صوبوں میں حاکم مقرر کیا گیا۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے دادا
ن بایزید ثانی کے زمانے میں کفہ کی سنجق (صوبے) میں حکمرانی کے فرائض انجام دیئے۔ اس نے مغنیسیا، ادرنہ اور
وخان کی حکمرانی کی ذمہ داریاں بھی انجام دیں۔ سلیم اول نے جب ایران پر حملہ کیا تو سلیمان ہی نائب کی حیثیت
قسطنطنیہ میں موجود تھا۔

بحیثیت سلطان:

1520ء میں سلیم اول کے انتقال کے بعد عثمانی سلطنت کی باگ ڈور سلیمان اول کے ہاتھوں میں آئی اور یہیں سے دولت عثمانیہ کے اس دور کا آغاز ہوتا ہے جو اپنی خوشحالی، استحکام اور وسعت کے اعتبار سے یادگار ہے۔ سلیمان نے اپنے 26 سالہ دور حکومت میں خلافت عثمانیہ کو سیاسی برتری دلوانے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے جو کوشش کی وہ بلاشبہ لائق صد تحسین ہے۔ اس کا یہ کارنامہ اس لحاظ سے بھی بے حد ممتاز ہے کہ اس دور میں مسیحی و مغربی طاقتیں بیدار اور متحد ہو رہی تھیں اور بڑی بڑی شخصیات عثمانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں آ گئی تھیں مثلاً شہنشاہ چارلس پنجم جو یورپ کے نصف سے زائد حصے پر حکمران تھا جس میں موجودہ اسپین، بیلجیم، ہالینڈ اور جرمنی شامل تھے، ادھر انگلستان میں ملکہ ایلز بتھ اول حکمران تھی اور ہنگری پر شاہ لوئی کا سکہ چل رہا تھا۔ یہ یورپ کی بیداری کا زمانہ تھا۔ فرانس، انگلستان اور آسٹریا نے اپنے اختلافات ختم کر لئے تھے اور مسیحی طاقت متحد ہونے کی فکر میں تھیں۔ چنانچہ حکومت سنبھالنے کے بعد اپنے 46 سالہ دور حکومت میں سلیمان کسی نہ کسی جنگ یا مہم میں مصروف رہے اگرچہ درمیان میں مختصر وقفے بھی آئے لیکن جہاد کا جذبہ سلیمان کے سینے میں موجزن تھا اس نے اسے آخر وقت تک میدان عمل میں مصروف رکھا حتیٰ کہ جنگ کے دوران ہی اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس نے ذاتی طور پر 13 بڑی جنگوں میں شرکت کی جن میں سے تین ایشیا میں اور 10 یورپ میں لڑی گئی اور اس طرح سلطنت عثمانیہ کی حدود میں 13 مرتبہ توسیع کی۔

فتح بلغراد:

خلیفہ بننے کے بعد سلیمان کی زندگی کا پہلا معرکہ فتح بلغراد تھی۔ ہنگری کا بادشاہ لوئی ثانی سلیمان کے والد کے دور سے ہی شورشیں برپا کر رہا تھا۔ سلیمان نے خلیفہ بننے کے بعد شاہ ہنگری کے پاس اپنے سفیر بھیجے جنہوں نے سلیمان کی جانب سے خراج کی ادائیگی کا مطالبہ شاہ تک پہنچایا۔ شاہ طاقت کے نشے میں چور تھا اس نے ترک سفیروں کے ساتھ بدسلوکی کی بلکہ بعض روایات کے مطابق انہیں قتل کروا دیا۔ سلیمان کو خبر ملی تو اس نے فوجی تیاری کا حکم دیا۔ ماہ رمضان المبارک میں یہ مہم سر کی گئی۔ 1521ء میں اسلامی فوج بلغراد پر قبضہ کر چکی تھی۔ سلیمان نے بلغراد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا اور وہاں بڑے کلیسا کی صفائی کروائی اور نماز ادا کی اور اسے مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔

فتح رہوڈس:

اگلے سال انہوں نے رہوڈس کے جزیرے کی طرح نظر کی جہاں سینٹ جان کے سورما (نائٹس) موجود تھے۔ یہ لوگ عرصہ دراز سے سلطنت عثمانیہ کے لئے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے کیونکہ وہ ہمیشہ عیسائی بحری قزاقوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔ سلیمان 20 رجب 928ھ بمطابق 15 جون 1522ء کو قسطنطنیہ سے فوج لے کر روانہ ہوا۔ 300 جنگی جہاز اور 400 باربرداری کے جہاز الگ روانہ کئے۔ 4 رمضان بمطابق 28 جولائی کو سلطان ساحل پر اترا اور 8 رمضان بمطابق یکم اگست کو رہوڈس کا محاصرہ شروع کیا، یہ محاصرہ ایک دو نہیں بلکہ 5 ماہ تک جاری رہا۔ آخر رہوڈس کے حاکم نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلیمان نے جزیرے والوں کو 12 دن کی مہلت دی اور اعلیٰ ظرفی سے کام لیتے ہوئے انہیں اجازت دی کہ وہ اپنا سامان اور اسلحہ لے جا سکتے ہیں اور ضرورت پڑے تو عثمانی جہازوں کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ رہوڈس کے مسیحی باشندے یہاں سے نکل کر جزیرہ کریٹ چلے گئے۔

معرکہ مہاچ:

چند سال بعد سلیمان نے ہنگری پر حملے کا فیصلہ کیا اور 932ھ بمطابق اپریل 1526ء میں ایک لاکھ سپاہیوں کی فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ اس وقت 300 توپیں بھی فوج کے ساتھ تھیں۔ مہاچ کے مقام پر اسلامی افواج ہنگری کی فوجوں کے مقابل ہوئیں۔ مسلمان اس قدر جوش و جذبے سے لڑے کہ صرف دو گھنٹے میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا اور شاہ لوئی نے راہ فرار اختیار کی لیکن دریا میں ڈوب کر مر گیا۔

ہنگری پر پہلا حملہ:

سلیمان نے اب ہنگری کے دارالحکومت بوڈا پر چڑھائی کی۔ 3 ذی الحجہ 932ھ بمطابق 10 ستمبر 1526ء کو اس پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ شاہ لوئی لاولد تھا اس لئے خلیفہ سلیمان نے مقامی امراء کے مشورے سے کاؤنٹ زاپولیا کو حاکم مقرر کیا اور واپس چلے گئے۔ بوڈا اب بڈاپسٹ کہلاتا ہے۔ کچھ عرصے بعد شہنشاہ چارلس پنجم کے بھائی فرڈیننڈ نے ہنگری کا حکمران بننے کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے اور اپنے ان خوابوں کو حقیقت بنانے کی غرض سے اس نے ہنگری پر حملہ کیا اور کاؤنٹ زاپولیا کو شکست دے کر پولینڈ بھگا دیا۔ زاپولیا نے سلطان سے فریاد کی۔ فرڈیننڈ بھی سلطان سے امداد کا طالب ہوا لیکن اس تکبر سے کہ ہنگری کے جن شہروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا وہ بھی واپس طلب کر لئے۔ ظاہر کہ اس پر اس درخواست پر سلطان توجہ نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے زاپولیا کی مدد کا فیصلہ کر لیا۔ 12 رمضان المبارک 935ھ بمطابق 20 مئی 1529ء کو سلطان ایک بڑی فوج لے کر بوڈا پہنچا۔ 6 روز تک محاصرہ کر کے قلعہ فتح کیا۔

محاصرہ ویانا:

سلطان زاپولیا کو اس کے عہدے پر بحال کیا اور فتنے کی جڑ کاٹنے کی غرض سے آسٹریا کا رخ کیا۔ 27 ستمبر کو دارالحکومت ویانا کا محاصرہ شروع کیا۔ یہ محاصرہ طویل ہو گیا، موسم بہت خراب تھا، رسد کی کمی تھی، راستوں کی خرابی کی وجہ سے سلطان کو بڑی توپیں ہنگری میں ہی چھوڑنی پڑی تھیں، اس لئے یہ محاصرہ بے نتیجہ رہا اور سلطان کو واپس آنا پڑا لیکن یورپ کے قلب تک مسلمانوں کے قدم پہنچنے کے باعث ان کی اہل یورپ پر بڑی دھاک بیٹھ گئی۔ تین سال بعد سلطان نے پھر آسٹریا کا رخ کیا لیکن صرف ایک مقام گونز کو فتح کرنے میں تین ماہ کا عرصہ لگ گیا اور وہاں سے آسٹریا کو فتح کئے بغیر سلطان نومبر میں قسطنطنیہ واپس پہنچ گئے اور پھر آسٹریا سے عارضی صلح ہو گئی۔

ایران کے خلاف کارروائی:

سلیمان کا چھٹا بڑا حملہ ایران کے خلاف تھا۔ سلطان کے وزیر اعظم ابراہیم نے 941ھ بمطابق جولائی 1534ء میں تبریز پر قبضہ کر لیا۔ ستمبر میں سلطان بذات خود اس شہر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوا۔ یہاں سے ترک فوج نے ہمدان کے راستے بغداد کا رخ کیا۔ سلطان بغداد میں چار ماہ رہا پھر ایرانیوں نے چونکہ مفتوحہ علاقوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا اس لئے ترک افواج نے ایک بار پھر ایران کا رخ کیا اور آذربائیجان اور دیگر کئی علاقے فتح کر لئے۔ 23 رجب 943ھ بمطابق 17 جنوری 1532ء کو سلطان واپس قسطنطنیہ پہنچ گیا۔

Marfat.com

ہنگری کی عثمانی سلطنت میں شمولیت:

اس کے بعد سلطان چند سالوں تک مختلف چھوٹی بڑی مہمات میں مصروف رہا۔ ادھر فرڈیننڈ اور زاپولیا نے ہنگری کو ایک معاہدے کے تحت آپس میں تقسیم کرلیا تھا لیکن صرف ایک سال بعد زاپولیا کا انتقال ہوگیا تھا جس کے بعد فرڈیننڈ نے اپنی حریص طبیعت سے مجبور ہوکر پھر پورے ہنگری پر قبضہ جمانا چاہا۔ سلطان کو یہ اطلاعات ملیں تو انہوں نے ربیع الاول 948ھ بمطابق اگست 1541ء میں ہنگری کا رخ کیا۔ شہر بوڈا اور دیگر کئی شہر فتح کیے اور انہیں اپنی مملکت میں شامل کیا اور صرف ٹرانسلوانیا کو زاپولیا کی بیوہ ملکہ ایزابیلا کے لئے چھوڑ دیا۔ والپور، ہیکلوس، فونفکیرشن پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ یہاں ترک دستے متعین کردیئے گئے۔ ہنگری کو صوبوں میں تقسیم کردیا گیا اور یہاں ترک گورنر مقرر کیے گئے۔ 1547ء میں شہنشاہ چارلس پنجم اور فرڈیننڈ نے سلطان سے سات سالہ صلح کرلی اور ہنگری اور ٹرانسلوانیا پر سلطان کا قبضہ ہوگیا۔ فرڈیننڈ نے ایک کثیر رقم سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد چند سالوں میں سلطان نے ایران میں اندر تک حملے کیے اور بغداد، موصل، ریوان، آرمینیہ اور بین النہرین (میسوپوٹیمیا) کو اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔ ادھر عدن پر قبضہ کرلیا۔ بحیرہ روم میں اپنے طاقتور بحری بیڑے اور امیر البحر خیر الدین پاشا باربروسا کے شاندار کارناموں کی بدولت الجزائر، طرابلس اور بحیرہ ایجین کے متعدد جزیرے فتح کیے۔ اس زمانے میں بری قوت کے اعتبار سے ایشیا یا یورپ کی کوئی سلطنت دولت عثمانیہ کے برابر نہ تھی اور بحری لحاظ سے بھی اس کا شمار دنیا کی چند بڑی مملکتوں میں ہوتا تھا۔

انتقال:

1565ء میں آسٹریا سے جنگ پھر شروع ہوگئی جس میں عیسائیوں نے کچھ کامیابیاں حاصل کیں۔ سلطان اس زمانے میں بیمار تھا۔ اسے گٹھیا کی شکایت تھی اس کے باوجود مردانہ وار افواج کی قیادت کے لئے نکل آیا۔ آسٹریا کے قلعہ سکتوار کا محاصرہ 2 اگست 1565ء کو شروع ہوا اور 8 ستمبر تک جاری رہا اور قلعہ فتح ہوگیا اور اس وقت جب لشکر اسلام کامیابی کے پھریرے لہراتا ہوا قلعے میں داخل ہورہا تھا لیکن سپاہی اس اندوہناک حقیقت سے بے خبر تھے کہ ان کا محبوب سلطان اب ان کے درمیان نہیں بلکہ وہ 9 اور 10 صفر بمطابق 5 اور 6 ستمبر کی درمیانی شب ہی انہیں چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملا ہے۔ سلطان کی وفات کی خبر وزیر اعظم صوقولی پاشا نے دانستہ مخفی رکھی اور فتح کے بعد اسے عام کیا۔ رنگ شادیانے فوراً موقوف ہوگئے اور فضا سوگوار ہوگئی۔ سلطان کی میت واپس قسطنطنیہ لائی گئی جہاں خود اس کی تعمیر کردہ سلیمانیہ میں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

شخصیت اور کارنامے:

سلطان نے حکومت کے اداروں کا انتظام اس قدر عمدگی سے کیا کہ اسے مثالی انتظام کہا جاسکتا ہے۔ اس کا دور جمہوری دور تھا۔ اس نے شاہی خاندان کے افراد کی بجائے وزیر اعظم صوقولی پاشا کو نظم ونسق سونپ دیا تھا۔ اس نے قانون سازی کی طرف خصوصی توجہ دی، فوج کی نظم و تربیت، فوجی نظام جاگیرداری، زمینی جائیداد کے قوانین، پولیس اور فوجی خدمات کے عوض جاگیر وغیرہ دینے کا ضابطہ اور آئین مرتب کروایا۔ اس نے محصول کی مقدار خود مقرر کی تھی۔ قانون کی رو سے کاشتکار اراضی کا مالک تھا۔ کاشتکاروں کو میسر سہولیات کی وجہ سے ہنگری کے علاقوں میں مقیم اکثر عیسائی کاشتکار آکر مسلمانوں کے علاقے میں آباد ہوگئے۔ مختلف جرائم کے لئے سزائیں مقرر کی گئیں اور ان تمام قوانین کو بعد میں

شکل میں مرتب کیا گیا۔ سلطان نے ملک بھر میں اشیائے صرف کی قیمتیں مقرر کیں، محکمہ انسداد بے رحمی حیوانات بنوایا۔ کاری دفاتر میں ریکارڈ مرتب کروائے جو 'کوتکات' کہلاتے تھے۔ انہوں نے آب رسانی کے نظام کو بھی بہت ترقی دی۔ سطنطنیہ میں ایک بڑی نہر جاری کروائی اور مکہ مکرمہ کی پرانی نہروں کی مرمت کروائی۔ بڑے شہروں میں ہسپتال قائم کئے پل بنوائے۔ مکہ مکرمہ میں چاروں فقہی مذاہب کے لئے چار مدرسے قائم کئے۔ متعدد شہروں میں خوبصورت مساجد تعمیر روائیں جن کے ساتھ مدارس بھی کام کرتے تھے۔ 1424ء میں سلطان مراد ثانی کے زمانے میں شیخ الاسلام کا عہدہ قائم تھا، سلطان سلیمان نے اسے برقرار رکھا اور یہ عہدہ دولت عثمانیہ میں 498 سال تک رہا اور اس پر 131 علماء فائز ئے۔ سلطان نے فوج کو بہتر بنانے کا خاص انتظام کیا۔ اس کے پاس مستقل تنخواہ دار فوج 24 ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی ن جنگ کے موقع پر دو لاکھ سپاہی میدان میں لائے جا سکتے تھے۔ اس نے فوج کو محض انتقامی جذبے سے کبھی کسی مہم پر نہ نہیں کیا۔ جب بھی فوج جنگ کے لئے روانہ ہونے لگتی تو اسے سختی سے تاکید کی جاتی کہ وہ عوام کی جان و مال کو کوئی مان نہ پہنچائے۔

فن تعمیر وہ میدان ہے جس میں سلطان کے کارنامے آج بھی مستحکم صورت میں اپنی نوعیت اور جاہ و جلال کی تاں بیان کر رہے ہیں۔ سلطان نے مفتی ابوالسعود کے فتوے کی بنیاد پر کعبہ اللہ کی از سر نو تعمیر کروائی۔ سلطان کی تعمیر نے ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ ہم سلیمان قانونی کو سلطنت عثمانیہ کا شاہجہاں کہہ سکتے ہیں۔ ان کے دور کے ورترین معمار سنان پاشا تھے۔ سلطان کے دور میں جو مساجد تعمیر ہوئیں ان میں بلند ترین مقام جامع سلیمانیہ کا ہے جو 15ء سے 1556ء کے درمیانی عرصے میں تعمیر ہوئی۔ یہ عظیم مسجد شہر قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کی سب سے اونچی ی پر تعمیر کی گئی اور آج بھی موجود ہے۔ سلطان کی قبر مسجد کے صحن میں موجود ہے اور وہیں سلیمان ثانی اور کئی دیگر عثمانی تن کی قبریں بھی ہیں۔ ان تمام کارناموں اور خوبیوں کے باوجود سلیمان اعظم وہ بلند مقام حاصل نہ کر سکا جو خلفائے دین یا عمر بن عبدالعزیز کا تھا بلکہ ہم اسے نور الدین، صلاح الدین اور اورنگزیب جیسی جلیل القدر ہستیوں کے مقابلے بھی پیش نہیں کر سکتے، نور الدین، صلاح الدین اور اورنگزیب ہر فیصلہ تحقیق کے بعد کرتے تھے اور بیت المال سے رہ رقم لیتے تھے البتہ سلیمان کو ہارون رشید، مامون رشید، ملک شاہ سلجوقی اور شاہجہاں جیسے بادشاہوں کی صف میں شمار کیا سکتا ہے۔ وہ جمہوری حکمران نہیں تھا اور اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرتا تھے، ہر معاملے کو عدالت میں پیش کرنا ضروری ں سمجھتا تھے یہی وجہ ہے کہ اس نے لوگوں کے بہکانے سے شبہ میں آ کر اپنے ایک لڑکے مصطفیٰ اور اپنے سب سے رین وزیر اعظم ابراہیم کو قتل کرا دیا۔ سلیمان اعظم شیر شاہ سوری اور جلال الدین محمد اکبر کا ہمعصر تھا لیکن اس کے باوجود ے زمانے کا سب سے بڑا حکمران تھے۔ شیر شاہ کی سلطنت چھوٹی تھی اور اس نے صرف 4 سال حکومت کی جبکہ اکبر نے ایک بڑی سلطنت قائم کی جو پائیدار بھی تھی لیکن سلیمان کی زندگی میں اکبر کی حکومت کو پورا عروج نہیں ہونے پایا تھا طرح سلیمان اپنی زندگی میں دنیا کا سب سے بڑے حکمران تھا۔

سلطان سلیم دوم بن سلیمان دوم:

سلطان سلیمان اعظم قانونی کا بیٹا جو 1566ء سے 1574ء تک سلطنت عثمانیہ کے تخت پر بیٹھا انتہائی نالائق ران تھا۔ اس کے دور میں تمام تر ریاستی انتظامات صدر اعظم محمد صوقولی پاشا نے سنبھالے۔ 1566ء میں سلیمان کے ال کے بعد اس کی موت کی خبر 50 روز تک عوام سے چھپائی گئی جس کے بعد سلیم ثانی قسطنطنیہ میں تخت نشین ہوا۔ اس

Marfat.com

وقت اس کی عمر 42 سال تھی۔ سلطنت عثمانیہ اس وقت بام عروج پر پہنچ چکی تھی لیکن اس عظیم الشان سلطنت کے حکمران کی حیثیت سے سلیم ثانی کسی طرح موزوں نہ تھا لیکن کیونکہ سلیمان کی کوئی اور اولاد نہ تھی اس لیے اسے تخت پر بٹھایا گیا۔

محمد صوقوللی:

جس طرح عباسی سلطنت کا ذکر برامکہ کے بغیر ادھورا ہے اسی طرح عثمانی سلطنت خصوصاً سلیم ثانی کے تذکرہ محمد صوقوللی کے بغیر تشنہ رہ جائے گا۔ یہ عثمانیوں کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں ایسا قابل وزیر میسر آیا جس نے سلطنت کی شاندار روایات کو برقرار رکھا۔ محمد صوقوللی بوسنیا کے ایک علاقہ صوقول میں پیدا ہوا۔ اس کا خاندان صوقولوچ کہلاتا تھا۔ انتہائی قابل وذہین آدمی تھا۔ اسے سلیمان کے عہد میں جبری بھرتی کے لیے والدین سے لیا گیا تھا۔ قابلیت کی بنا پر سلطان کے محل میں اہم عہدوں پر رہا اور پھر صدر اعظم (وزیر اعظم) کے عہدے پر پہنچا اور سلیم ثانی کی بیٹی سے شادی کی۔ ظاہری حکمران تو سلیم تھا لیکن حقیقی فرمانروا محمد صوقوللی تھا۔ جس نے اپنی ذہانت سے امور سلطنت کو بخیر وخوبی چلایا۔ مراد ثالث کے ابتدائی عہد تک عنان حکومت اس کے ہاتھ میں تھی لیکن بعد میں سازش کے تحت قتل کر دیا گیا۔ اسی کے دور میں وینس سے صلح ہوئی جس کے تحت قبرص پر سلطنت عثمانیہ کا قبضہ تسلیم کیا گیا۔ سلیم کے مختصر عہد میں عثمانی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور یمن میں بغاوت کے خاتمے کے علاوہ تیونس اور قبرص کی اہم فتوحات ہوئیں۔ لیکن اس کے دور کا اہم ترین واقعہ جنگ لیپانٹو تھا۔

جنگ لیپانٹو 1571ء:

قبرص کی فتح نے یورپ کی عیسائی سلطنتوں میں کھلبلی مچادی کیونکہ سلیمان اعظم کی وفات کے بعد بھی عثمانی پیشقدمی نہیں رکی تھی۔ اس سلسلے میں عثمانیوں کی بحری طاقت کو کمزور کرنے کا منصوبہ بنایا گیا جس کے لیے بحیرہ روم کی ریاستوں کا ایک اتحاد تشکیل دیا گیا جس کی قیادت آسٹریا کے سالار اعظم ڈان جان کے سپرد کی گئی۔ 1517ء میں مسینا کے مقام پر اکٹھا ہوا جبکہ ترکی بیڑہ لیپانٹو میں لنگر انداز تھا جس کی امارت امیر البحر علی پاشا کے ہاتھ میں تھی۔ خلیج کے کنارے دونوں بحری بیڑوں کا آمنا سامنا ہوا اور چند گھنٹوں میں ترکوں کو ایک عظیم شکست ہوئی اور علی پاشا مارا گیا۔ جنگ میں تیس ہزار ترک کام آئے، ترکی بیڑا عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا اور کئی جہاز غرق آب ہو گئے۔ اس شکست کے نتیجے میں بحیرہ روم کی عیسائی طاقتوں کے مقابلے میں عثمانی بحری طاقت کا توازن بگڑ گیا۔ لیکن ترکوں نے اس کے بعد عزم واستقلال کا مظاہرہ کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ایک اور شاندار بحری بیڑہ تیار کیا وہ ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

روس سے ٹکراؤ:

سلیم ثانی پہلا عثمانی حکمران تھا جس کے دور میں ترکوں کی روسیوں سے جنگ ہوئی۔ اس جنگ کا سبب ترکوں کی پیش نظر دو تجاویز تھیں جس میں انہوں نے خاکنائے سوئز میں نہر کھود کر بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کو اور دریائے ڈون اور دریائے وولگا کو ملانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ لیکن آخر الذکر کے لیے استراخان پر قبضہ ضروری تھا اور یہ شہر روس کے قبضے میں تھا اور ہر لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ اس شہر کی فتح کے لیے 1568ء میں صدر اعظم نے ینی چری کے 25 ہزار سپاہیوں پر مشتمل دستہ شہر ازوف کی جانب روانہ کی اور استراخان پر قبضہ کے لیے اس فوج کا روسیوں سے ٹکراؤ ہوا۔ ترک قبضہ نہ کر سکی اور واپسی پر فوج کا بیشتر حصہ بحیرہ اسود میں ایک طوفان کی نذر ہو گیا۔ ترک شہر پر قبضہ میں ناکام رہے۔

Marfat.com

لوں سے جنگ نہیں چاہتا تھا اس لیے جنگ بندی کا ایک معاہدہ طے پایا جس کے بعد ایک صدی تک ترک اور روس ایک دوسرے کے مدمقابل نہ آئے۔ سلیم کا انتقال 1574ء میں ہوا۔ اس نے کل 8 سال حکومت کی۔

شخصیت وکردار:

سلیم ثانی پہلا عثمانی سلطان تھا جس کی زندگی حرم سرا میں گذری۔ وہ ان تمام صلاحیتوں سے محروم تھا جو بادشاہت کے لیے ضروری ہوتی ہیں بلکہ اس میں ان میں سے ایک بھی خوبی نہ تھی۔ کم عمری سے ہی شراب کا رسیا تھا اسی لیے تخت پر آتے ہی شراب کی ممانعت کے حکم کو منسوخ کر دیا اس لیے عوام نے اسے شرابی کا لقب دیا۔ کاہلی کی وجہ سے ہر وقت مست کیفیت میں حرم میں رہتا۔ زمام، صنعاء اور قبرص پر اس نے فتح پائی۔ اسپین پر چڑھائی کی مگر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

سلطان مراد ثالث بن سلیم خان دوم:

(پیدائش: 4 جولائی 1546ء، وفات: 15 جنوری 1595ء)

1574ء سے اپنی وفات تک سلطنت عثمانیہ کا حکمران رہا۔ مراد سوم ایک کمزور، عیش پرست و جاہ پسند حکمران تھا جو کے زیر اثر تھا جہاں پہلے اس کی والدہ نور بانو اور پھر اس کی پسندیدہ بیوی صفیہ سلطان کا زور چلتا تھا۔ اس کے دور میں سلطنت چلانے میں اہم کردار معروف عثمانی صدر اعظم محمد صوقوللی پاشا کے ہاتھوں میں تھا جو اکتوبر 1579ء میں اپنے تک اس عہدے پر فائز رہا اور عثمانی سلاطین کی کمزوری کا اثر سلطنت پر نہ پڑنے دیا۔ مراد سوم کے دور میں ایران اور ریا کے ساتھ کئی جنگیں لڑی گئیں۔ اس کا دور عثمانی معیشت اور اداروں کی تنزلی کا دور آغاز تھا۔ اس کے دور میں نیوں سے اس نے گرجستان لے لیا۔

سلطان محمد خان ثالث بن مراد خان ثالث:

(26 مئی 1566ء تا 22 دسمبر 1603ء)

1595ء سے اپنی وفات تک سلطنت عثمانیہ کا فرمانروا رہا۔ وہ اپنے والد مراد سوم کی جگہ تخت سلطانی پر بیٹھا۔ سلطنت عثمانیہ میں تخت سنبھالنے کے ساتھ ہی 'قتل برادران' کی قبیح رسم کا آغاز سلطان محمد فاتح کے دور میں ہوا اور آہستہ آہستہ یہ رسم زور پکڑتی گئی۔ اس کی بنیادی وجہ نئے سلطان کے لیے بغاوت کے خطرات کو کم کرنا تھا لیکن محمد سوم کا تخت سنبھالنا برادر کشی کے اس سلسلے میں ایک سیاہ باب کا اضافہ تھا اور 27 بھائیوں کا قتل محمد سوم کو عثمانی تاریخ میں ناپسندیدہ کرداروں میں شامل کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے اپنی بیس سے زائد بہنوں کو بھی قتل کیا۔ اس میں حکمرانی کا کوئی گر نہ تھا اور تمام تر اختیارات اس کی والدہ صفیہ سلطان کے ہاتھ میں تھے۔ اس کے دور کا اہم واقعہ ہنگری میں آسٹریا اور عثمانیوں کے درمیان جنگ تھی جو 1596ء سے 1605ء تک جاری رہی۔ جنگ میں عثمانیوں کی شکست کے باعث سلطان کو افواج کی قیادت خود سنبھالنی پڑی اور وہ سلیمان اعظم کے بعد میدان جنگ میں اترنے والا پہلا عثمانی حکمران تھا۔ اس کی افواج نے 1596ء میں اگری فتح کیا اور جنگ کرسزتس میں ہیبسبرگ اور ٹرانسلوانیا کی افواج کو شکست دی۔ اگلے سال مصاحبین نے سلطان کو کثرت شراب نوشی اور بسیار خوری سے پیدا ہونے والے امراض کے باعث میدان جنگ میں اترنے سے منع کر دیا۔ ان جنگوں میں فتوحات کے باعث محمد سوم کے دور میں زوال پذیر سلطنت عثمانیہ کو کوئی اور دھچکا نہیں پہنچا۔ اس کی ماں ظاہری طور پر اس کی تخت نشینی میں مددگار تھی اور اس لئے امور سلطنت میں بھی وہ دخل دیتی تھی۔

Marfat.com

سلطان احمد اول بن محمد خان ثالث:

(پیدائش 18 اپریل 1590ء۔ وفات 22 نومبر 1617ء)

1603ء سے اپنی وفات تک سلطنت عثمانیہ کے حکمران رہے۔ احمد اول نے صرف 13 سال کی عمر میں اپنے والد محمد ثالث کی جگہ تخت سنبھالا۔ انہوں نے قتل برادران کے روایتی قانون کو استعمال کرنے کے بجائے اپنے بھائی مصطفیٰ کو اپنی دادی صفیہ سلطان کے ہمراہ رہنے کی اجازت دی۔ وہ اپنی شہسواری، نیزہ زنی اور مختلف زبانوں پر عبور رکھنے کے باعث معروف تھا۔ اپنے دور حکومت کے ابتدائی دور میں احمد اول نے زور قوت کا مظاہرہ کیا لیکن بعد ازاں اس کے سے اس کی قوت عملی کا ثبوت نہ مل سکا۔ اس کے دور حکومت میں ہنگری اور ایران میں لڑی جانے والی تمام جنگوں کے سلطنت کے حق میں نہ نکلے اور 1606ء میں معاہدہ 'ستوا توروک' کے نتیجے میں سلطنت کی ساکھ کو شدید نقصان پہنچا کے نتیجے میں آسٹریا کی جانب سے دیا جانے والا خراج ختم کر دیا گیا اور گرجستان اور آذربائیجان ایران کے حوالے کر گئے۔ احمد ایک شاعر بھی تھا جو بختی کا تخلص استعمال کرتا تھا۔ وہ مذہبی رجحانات رکھتا تھا اور دین کی خدمت کے لیے خزانہ بھرپور استعمال کرتا تھا۔ اس نے اسلامی قوانین کی بحالی کے لیے اقدامات بھی کیے اور شراب کی پابندی کا حکم صادر کیا نماز جمعہ کے موقع پر تمام افراد کی موجودگی کو بھی لازمی قرار دیا جس کے بعد وہ غریبوں میں خیرات تقسیم کیا کرتا۔ انتقال 1617ء میں ہوا۔ آج احمد اول کو استنبول میں واقع سلطان احمد مسجد کے باعث یاد کیا جاتا ہے جو نیلی مسجد بھی کہلاتی ہے۔ یہ مسجد اسلامی و عثمانی طرز تعمیر کا ایک عظیم شاہکار ہے اور جب تک اسلامی فن تعمیر کا یہ حسین نمونہ قائم رہے گا احمد اول کا نام زندہ رہے گا۔ اس مسجد کے گرد واقع علاقہ سلطان احمد کے نام سے موسوم ہے۔ اسی معروف مسجد کے دامن میں سلطان کی آخری آرامگاہ واقع ہے۔

سلطان مصطفیٰ اوّل بن محمد خان ثالث:

(1026ھ/1621ء)

اپنے بھائی احمد کی وصیت کے مطابق تخت پر بیٹھا لیکن نا قابل نکلا اس لئے معزول کیا گیا۔

سلطان عثمان غازی دوم بن احمد خان اول:

(1029ھ/1623ء) سکندر شاہ بولونیہ کو اس نے بڑے معرکہ سے شکست دی۔ روس۔ فرانس اور اٹلی سلاطین سکندر کے معین تھے لیکن عثمان کا آوازہ بلند رہا۔ آخر میں یہ عیاش ہو گیا فوج میں غدر ہوا اور یہ مارا گیا۔

سلطان مراد خان رابع بن احمد خان:

(1032ھ/1626ء) اس کے عہد میں شاہ ایران سے خوب خوب لڑائیاں ہوئیں۔

سلطان ابراہیم بن سلطان احمد:

(1039ھ/1633ء) اس کے عہد میں ترکوں نے بحری لڑائی میں عیسائیوں سے جزیرہ مالٹا لے لیا۔ آخر عیاشی کی وجہ سے یہ معزول کیا گیا۔

سلطان محمد رابع بن ابراہیم

(1059ھ/1643ء) یہ شیر خوار بچہ تھا۔ اس کی ماں منتظم سلطنت ارا کین دولت کے ہاتھ سے ماری گئی۔ امرا نے عورت کا امور ملکی میں دخل دینا پسند نہیں کیا۔ لیکن اس کے بعد اس کے وزرا نے خوب انتظام کیا۔ سلطنت کو بڑی رونق ہوئی۔ لائق وزیروں کے مرنے پر فوج میں بغاوت ہوئی اور یہ معزول کیا گیا۔

سلطان سلیمان ثانی بن ابراہیم:

سلیمان ثانی 1687ء سے 1691ء تک خلافت عثمانیہ کی باگ ڈور سنبھالنے والا سلطان تھا۔ وہ 15 اپریل 16ء کو توپ قاپی محل، استنبول میں پیدا ہوا اور 1691ء میں اپنے انتقال تک عہدہ سلطانی پر موجود رہا۔ وہ محمد رابع کا سوتیلا بھائی تھا۔ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ حرم میں گزرا۔ عثمانی سلطنت کے دور میں کئی شہزادوں کی طویل زندگیاں حرم میں گزریں تا کہ وہ سلطان کے خلاف بغاوت نہ کر سکیں۔ 1687ء میں اپنے بھائی کے تخت سے ہٹائے جانے کے بعد اقتدار پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں زیادہ تر اختیارات صدر اعظم احمد فاضل کوپریلی کے ہاتھ میں رہے۔ 1691ء میں ادرنہ میں انتقال کر گیا۔ اس کے عہد میں فوج خودسر رہی۔ والی نمسا نے بخاریہ پر دخل کر لیا لیکن سلطان نے خود چڑھائی کی اور فتح حاصل کی۔

سلطان احمد ثانی بن ابراہیم:

(پیدائش: 25 فروری 1643ء، وفات: 6 فروری 1695ء)

1691ء سے 1695ء تک سلطنت عثمانیہ کے فرمانروا تھے۔ وہ سلطان ابراہیم اول کے صاحبزادے تھے اور اپنے بھائی سلیمان ثانی کی جگہ تخت سلطانی پر جلوہ افروز ہوئے۔ مصطفیٰ کوپریلی کا بطور صدر اعظم انتخاب احمد ثانی کے مختصر دور حکومت کا بہترین قدم گردانا جاتا ہے۔ احمد کے سلطان بننے کے چند ہفتوں بعد ہی سلطنت عثمانیہ کو لوئس ولیم کی زیر قیادت آسٹریا کے ہاتھوں جنگ سلانکامن میں بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑا اور یوں عثمانی ہنگری سے نکال باہر کر دیے گئے۔ چار سالہ دور حکومت میں شکست در شکست کے بعد احمد ثانی غم واندوہ اور بیماریوں کا شکار ہو کر چل بسا۔ اپنے بھائی کی طرح یہ مرض استسقاء میں مرا۔ والی نمسا اس کے خوف سے بھاگا اور شاہ انگلستان کے پاس پناہ گیر ہوا۔

سلطان مصطفیٰ ثانی بن محمد رابع:

مصطفیٰ دوم 1695ء سے 1703ء میں اپنے انتقال تک سلطنت عثمانیہ کے تخت پر متمکن رہا۔ وہ 1664ء میں ادرنہ میں پیدا ہوا۔ وہ سلطان محمد رابع کا بیٹا تھا اور ملکہ مہ پارہ امت اللہ رابعہ گل نوش کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اس کے دور اقتدار کا سب سے افسوسناک واقعہ معاہدہ کارلووٹز تھا جسے سلطنت عثمانیہ کے زوال کا نقطہ آغاز سمجھا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے نتیجے میں ہنگری سلطنت کے دائرہ اختیار سے نکل گیا۔ اپنے دور اقتدار کے آخری ایام میں مصطفیٰ نے سلطان کے اختیارات کو بحال کرنے کی کوشش کی جو 17 ویں صدی کے وسط میں اس وقت سے علامتی حیثیت اختیار کرتا جا رہا تھا جب محمد رابع نے اپنے انتظامی اختیارات صدر اعظم کو دے دیے تھے۔ اس کے لیے مصطفیٰ نے وفادار عثمانی گھڑ سواروں "تمار" کو استعمال کیا لیکن یہ منصوبہ ناکام ہو گیا اور اسے تخت سے ہٹا دیا گیا۔ اس واقعہ کو تاریخ میں واقعہ ادرنہ کے نام

Marfat.com

سے جانا جاتا ہے۔ اسی سال مصطفیٰ ثانی توپ قاپی محل، استنبول میں انتقال کر گیا۔ مصطفیٰ ثانی نے شادیاں کیں جن میں سے صالحہ سلطانؒ کے بطن سے محمود اول اور شہ سوار سلطان کے بطن سے عثمان ثالث پیدا ہوئے۔ ابتدا میں اس نے خوب زور پکڑا، روس اور نمسا کو بڑی بڑی شکستیں دیں اور آخری عہد میں شاہ انگلستان کے کہنے سے مصالحت کر لی۔ مصالحت سے فوج ناراض ہوئی۔ سلطان نے حکمت عملی کو راہ دے کر اپنے بھائی محمد کو تخت پر بٹھا دیا۔

سلطان احمد ثانی بن محمد:

مصطفیٰ کے بھائی محمد کے تخت سے اُترنے پر یہ تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں بھی خوب خوب لڑائیاں ہوئیں ترک ہر جگہ غالب رہے۔ فوج نے اس بادشاہ کو تخت سے اُتار دیا اور محمود اول کو بٹھایا۔

سلطان محمود اول بن مصطفیٰ ثانی:

اس کو محمد خامس بھی کہتے تھے۔ نادر شاہ کا یہ ہم عصر تھا۔ شاہ اسپین سے بحری لڑائی میں یہ مغلوب رہا لیکن بری لڑائی میں شاہ روس اور نادر شاہ کا جواب دیتا تھا۔ آخر میں نادر شاہ سے دب کر اس کو صلح کر لینا پڑی۔

سلطان عثمان ثالث بن مصطفیٰ ثانی:

امورِ سلطنت میں یہ اچھا نہیں تھا لیکن متشرع تھا اور شراب نوشی کا اس نے بالکل انسداد کرا دیا۔

سلطان مصطفیٰ ثالث بن احمد ثالث:

اس کے دور میں روس سے بارہا لڑائی ہوئی اور سلطانی فوج برابر غالب رہی۔ بحری قوت میں بہ نسبت اور قوموں کے ترک کمزور تھے لیکن بری لڑائی ان کی اب تک سخت تھی۔

سلطان عبدالمجید اوّل بن احمد ثالث:

(20 مارچ 1725ء تا 7 اپریل 1789ء) سلطنت عثمانیہ کا 27 واں سلطان تھا۔ وہ سلطان احمد ثالث کا صاحبزادہ تھا اور اپنے بھائی مصطفیٰ ثالث کے بعد 21 جنوری 1774ء کو تخت سلطنت پر بیٹھا۔ عبدالحمید نے اپنی زندگی کے ابتدائی سال کا بیشتر عرصہ حرم میں گزارا۔ سلطان بغاوت کے خطرے کے پیش نظر شہزادوں کو حرم میں قید کر دیا کرتے تھے۔ اس نے اپنی ابتدائی تعلیم والدہ رابعہ سیمی سلطان سے حاصل کی جنہوں نے عبدالحمید کو تاریخ اور خطاطی کے علوم سکھائے۔ حرم میں مقید زندگی گزارنے کے باعث عبدالحمید ریاستی معاملات پر کوئی گہری نظر نہیں رکھتا تھا اور اس طرح مشیروں کے رحم و کرم پر رہ گئے۔ البتہ حرم کی تربیت نے اسے بہت مذہبی اور امن پسند طبیعت دی۔ اس کی حکومت کے آغاز کے اگلے ہی سال سلطنت عثمانیہ کو جنگ کولویا میں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا جس کے باعث اسے 1774ء میں ذلت آمیز معاہدہ کوچک کناری پر دستخط کرنا پڑے جو اس کے زوال کے آغاز کی واضح دلیل تھی۔ اپنی تمام تر ناکامیوں کے باوجود عبدالحمید اول کو سب سے رحم دل عثمانی سلطان تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور اس کی مذہبی طبیعت کے باعث لوگ اسے 'ولی' کہا کرتے تھے۔ اس کے عہد میں سوائے شاہ روس اور والی نمسا کے کسی سے لڑائی نہیں ہوئی۔ والی نمسا کو شکست ہوئی۔ روس سے بھی خوب خوب مقابلہ ہوا۔ مگر سلطنت کا ضعف روبہ ترقی تھا۔

سلطان سلیم ثالث بن مصطفیٰ ثالث:

سلطنت عثمانیہ کے زوال کو روکنے اور اس کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لیے جن عثمانی سلاطین نے قابل قدر کوششیں کی ان میں سلطان سلیم سوم (1789ء تا 1807ء) کا نام سرفہرست ہے۔ سلطان سلیم میسور کے ٹیپو سلطان کا ہمعصر تھا۔ اس نے تعلیم عام کرنے اور جدید علوم کی اشاعت کی کوشش کی۔ اس کے دور میں فن جنگ سے متعلق کتابوں کا فرانسیسی زبان سے ترکی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ بری اور بحری فوجوں کو نئے سرے سے منظم کیا گیا اور اس نئی تنظیم کو نظام جدید کا نام دیا گیا۔ فرانسیسی انجینئروں اور توپچیوں کی مدد سے توپ ڈھالنے کے جدید طرز کے کارخانے قائم کیے گئے۔ جاگیرداری نظام اصلاحات کی راہ میں بڑی رکاوٹ تھا۔ اس کے لیے سلیم نے جاگیرداری بھی ختم کر دی۔ لیکن سلیم ان اصلاحات میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ سلطان ٹیپو کی طرح مفاد پرست عناصر اور تنگ نظر لوگ سلیم کے خلاف ہو گئے۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ینی چری جو کسی زمانے میں ترکی کی سب سے منظم اور طاقتور فوج تھی، نظام جدید کے خلاف تھی اور وہ اپنی اجارہ داری قائم رکھنا چاہتی تھی۔ ینی چری کے سپاہیوں نے جدید یورپی اسلحے اور جنگی طریقوں کو اختیار کرنے سے انکار کر دیا۔ شیخ الاسلام اسعد آفندی اصلاحات کے حامی تھے، لیکن 1807ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ نئے شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی ینی چری کے زیر اثر تھے۔ جاہل صوفیوں اور تنگ نظر علماء نے جو دین کے علم اور اس کی روح سے قطعاً ناواقف تھے، مذہب کے نام پر اصلاحات کی مخالفت کی۔ یورپی طرز پر فوجوں کی تنظیم کو بے دینی سے تعبیر کیا، جدید فوجی وردیوں کو تشبہ بالنصاریٰ قرار دیا، سنگین تک کے استعمال کی اس لیے مخالفت کی گئی کہ کافروں کے اسلحے استعمال کرنا ان کے نزدیک گناہ تھا۔ سلیم کے خلاف یہ کہہ کر نفرت پھیلائی گئی کہ وہ کفار کے طریقے رائج کر کے اسلام کو خراب کر رہا ہے۔ عطاء اللہ آفندی نے فتویٰ دیا کہ ایسا بادشاہ جو قرآن کے خلاف عمل کرتا ہو بادشاہی کے لائق نہیں آخرکار 1807ء میں سلیم کو معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مذہبی پیشواؤں نے اپنی جہالت اور تاریک خیالی سے اسلام کے مانع ترقی ہونے کا غلط تخیل پیدا کیا۔ اس کے عہد میں ضعف کے آثار نمایاں ہوئے۔ بادشاہ فرانس نپولین بوناپارٹ نے روس اور انگلستان کی عداوت سے سلطان سلیم کے پاس فوجی قواعد سکھانے کو آدمی بھیجے۔ فوج نے نصاریٰ کا لباس پہننا منظور نہ کیا اور بغاوت کی۔

سلطان مصطفیٰ رابع بن عبدالمجید:

اسے ایک سال کے اندر ہی تخت سے معزول کر دیا گیا۔

سلطان محمود ثانی بن عبدالمجید:

(پیدائش: 20 جولائی 1785ء، انتقال: یکم جولائی 1839ء)

30 ویں عثمانی سلطان تھے۔ سلیم ثالث کے بعد جس عثمانی سلطان نے اصلاح کا کام جاری رکھنے کی کوشش کی وہ محمود (1808ء تا 1839ء) ہی عبدالحمید اول کا بیٹا تھا۔ بدامنی، سرکشی اور بغاوتوں سے اس کے دور کا آغاز ہوا۔ مصر میں مقامی مملوک سردار بے لگام ہو چکے تھے اور عرب میں نجد کے سعودی خاندان کو عروج حاصل ہوا اور سعودی افواج نے حجاز پر قبضہ کر کے عراق اور شام تک چھاپے مارنے شروع کر دیے تھے۔ یونان نے بھی اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ محمود نے 18 سال کے اندر تمام بغاوتوں کا خاتمہ کر دیا۔ مصر کے والی محمد علی نے مصر و شام میں امن قائم کر دیا۔ حجاز کو سعودی افواج سے

Marfat.com

واپس لے لیا اور 1826ء میں یونان کی بغاوت بھی فرو کر دی گئی۔ اسی سال ینی چری کا بھی خاتمہ کر دیا گیا جس کے سردار اور سپاہی سلطنت کے لیے ایک مصیبت بن گئے تھے۔ محمود نے اب ان کی جگہ جدید طرز کی ایک نئی فوج تیار کی جس کی وردی یورپی طرز کی تھی اور پگڑی کے بجائے ترکی ٹوپی پہنتی تھی۔ سلطان نے بکتاشی اور درویشوں کا بھی خاتمہ کر دیا جو اصلاحات کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ اس کے علاوہ محمود نے جاگیرداری نظام پر بھی پابندیاں لگائیں اور یہ حکم جاری کیا کہ کوئی شخص مقدمے کے بغیر قتل نہ کیا جائے۔ سلیمان قانونی کے زمانے سے یہ قاعدہ ہو گیا تھا کہ سلاطین دربار میں آنا چھوڑ دیا تھا جہاں ساری کارروائی وزیراعظم کی صدارت میں ہوتی تھی۔ محمود نے اس دستور کو توڑا اور پابندی سے دیوان میں آنا شروع کیا۔ ان اصلاحات کے بعد توقع تھی کہ سلطنت ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتی لیکن مغربی قوتیں خصوصاً روس یہ نہیں چاہتا تھا کہ سلطنت عثمانی پھر ایک بڑی طاقت بن جائے۔ چنانچہ انہوں نے سلطنت عثمانیہ کے معاملات میں مداخلت شروع کر دی اور سلطنت سے جنگ چھیڑ دی۔ 20 اکتوبر 1827ء کو عثمانی سلطنت اور برطانیہ، فرانس اور روس کی مشترکہ افواج کے درمیان لڑی جانے والی ایک بحری جنگ میں شکست کے ساتھ ہی عثمانی سلطنت کا زوال یقینی ہو گیا۔ یہ جنگ یونان کی جنگ آزادی کے سلسلوں کے اہم ترین معرکوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ جنگ خلیج نوارینو کے مغربی ساحلوں پر بحیرہ آیونین میں لڑی گئی۔ اس جنگ میں عثمانی سلطنت اور مصر کا بحری بیڑہ برطانیہ، فرانس اور روس کے ہاتھوں مکمل تباہی کا شکار ہو گیا۔ یہ تاریخ کی آخری بڑی بحری جنگ تھی جو بادبانی جہازوں کے ذریعے لڑی گئی۔ جنگ میں اتحادیوں کی فتح کی سب سے بڑی وجہ ان کے عملے کا بہتر طور پر مسلح اور تربیت یافتہ ہونا تھا جس کے نتیجے میں ایک عظیم فتح ان کا مقدر بنی۔ جنگ نوارینو یونان کی جنگ آزادی میں بہت اہمیت کی حامل تھی۔ جو 1821ء میں سلطنت عثمانیہ کے خلاف یونانی قوم پرستوں کی جانب سے شروع کی گئی۔ اس وقت یونان پر سلطنت عثمانیہ کے اقتدار کو تین صدیاں گذر چکی تھیں۔ 1827ء میں حکومت کے خلاف بغاوت کا تقریباً خاتمہ ہو چکا تھا جو اس کے طاقتور باجگذار محمد علی پاشا خدیو مصر، کے صاحبزادے ابراہیم پاشا کی زیر نگرانی فوج نے کچل کر رکھ دی تھی۔ لیکن سلطنت عثمانیہ کے خلاف ہمیشہ سازشوں میں مصروف مغربی قوتوں نے یونانیوں کا بھرپور ساتھ دیا اور برطانیہ، فرانس اور روس نے یونان کی آزادی کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگانے کے لیے عثمانیوں کو میدان جنگ میں جالیا۔

آرتھوڈوکس فرقے کی واحد عظیم قوت ہونے کے باعث روس ہمیشہ یونان اور بلقان کے دیگر اہم فرقہ عیسائیوں کی مدد کا بہانہ بنا کر سلطنت عثمانیہ کے معاملات میں مداخلت کرتا تھا جس کا واحد سبب قسطنطنیہ پر قبضہ کرنا تھا اور جنگ نوارینو میں شکست کو روس نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کی پرانی خواہش پوری کرنے کا موقع سمجھتے ہوئے سلطنت عثمانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور روسی افواج مالڈوویا اور ولاچیا پر قبضہ کرتے ہوئے آگے بڑھتی رہیں اور پے در پے کامیابیوں کے بعد بالآخر سلطان محمود ثانی کو 1829ء میں ایک معاہدے پر دستخط کرنا پڑے جو معاہدہ ادرنہ کہلاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں یونان خود مختار ہو گیا تاہم بدستور سلطنت عثمانیہ کی باجگذاری میں رہا۔ لیکن یونان کی آزادی کا مسئلہ مستقل طور پر 1832ء میں لندن کانفرنس میں حل ہوا۔ سلطان کو روس سے پھر صلح کرنی پڑی۔ روسی دباؤ کے تحت یونان کو آزادی دے دی گئی۔ روسی افواج نے مفتوحہ علاقے واپس کر دیے لیکن دریائے ڈینیوب کے دہانے اور دریا کے شمال میں واقع رومانیہ کے علاقے پر قابض ہو گیا۔ ادھر سے اطمینان ہوا تو 1830ء میں فرانس الجزائر پر قابض ہو گیا۔ 1831ء میں مصر کے والی محمد علی پاشا نے بغاوت کر دی اور اس کی فوجیں ابراہیم پاشا کی قیادت میں شام کو فتح کرتی ہوئی ترکی کے قلب میں کوتاہیہ

گئیں اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب ان کا جلد ہی استنبول پر بھی قبضہ ہو جائے گا۔ ان حالات میں محمود ثانی کا انتقال ہو گیا۔
سلطنت میں بے انتظامی تھی۔ موقع پا کر روس نے کئی قلعے لے لئے۔ شاہ محمد علی مرزا سے بھی یہ لڑا اور فتح یاب رہا۔ لیکن خانہ
جنگیوں سے اور فوج کی بغاوت سے سلطنت کا ڈھانچہ ڈھیلا ہو رہا تھا۔

سلطان عبدالمجید ثانی بن محمود ثانی:

(پیدائش: 23 اپریل 1823ء انتقال: 25 جون 1861ء)

سلطنت عثمانیہ کے 31 ویں سلطان تھے جنہوں نے 2 جولائی 1839ء کو اپنے والد محمود ثانی کی جگہ تخت سلطانی سنبھالا۔ ان کا دور حکمرانی قوم پرستوں کی تحریکوں کے آغاز کا زمانہ تھا۔ سلطان نے عثمانیت کے فروغ کے ذریعے قوم پرستی کو روکنے کی ناکام کوشش کی حالانکہ انہوں نے نئے قوانین اور اصلاحات کے ذریعے غیر مسلم اور غیر ترک اقوام کو عثمانی معاشرے میں ضم کرنے کی بھرپور سعی کی۔ انہوں نے مغربی یورپ کی اہم سیاسی قوتوں برطانیہ اور فرانس کے ساتھ قریبی تعلقات استوار کیے اور انہی اتحادیوں کے ذریعے روس کے خلاف جنگ کریمیا لڑی۔ 30 مارچ 1856ء کو معاہدہ پیرس کے ذریعے سلطنت عثمانیہ کو یورپی اقوام کا باقاعدہ حصہ قرار دیا گیا۔ معاہدہ پیرس جنگ کریمیا کے بعد 1856ء میں روس اور اتحادیوں (سلطنت عثمانیہ، سلطنت سارڈینیا، سلطنت فرانس اور سلطنت برطانیہ) کے مابین طے پانے والا ایک معاہدہ تھا۔ اس معاہدے پر 30 مارچ 1856ء کو دستخط کیے گئے جس کے نتیجے میں بحیرہ اسود ایک آزاد علاقہ قرار پایا اور اسے تمام جنگی جہازوں کے لیے بند کر دیا گیا اور اس کے کناروں پر قلعوں کی تعمیر اور اسلحہ و سامان جنگ جمع کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ یہ معاہدہ خطے میں روسی اثر و رسوخ کے لیے تباہ کن ثابت ہوا۔ اسی معاہدے کے نتیجے میں روس دریائے ڈینیوب کے دہانے پر اپنے علاقوں سے محروم ہوا اور اسے سلطنت عثمانیہ کے عیسائیوں کے حقوق کے محافظ ہونے کے دعوے سے بھی دستبردار ہونا پڑا۔ علاوہ ازیں اسے رومانیہ کی امارتوں پر اپنے اثر و رسوخ سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ اس جنگ میں شکست کے بعد روس میں سیاسی اصلاحات کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔

عبدالمجید کی سب سے بڑی کامیابی تنظیمات کا اعلان اور نفاذ تھا جس کا آغاز اس کے والد محمود ثانی نے کیا تھا۔ اس طرح 1839ء سے ترکی میں جدیدیت کا آغاز ہو گیا۔ عبدالمجید نے یورپی طرز پر تعلیم حاصل کی اور وہ فرانسیسی زبان پر مکمل عبور رکھتا تھا اور ادب اور کلاسیکی موسیقی میں بھی انہیں رغبت تھی۔ وہ اپنے والد محمود ثانی کی طرح اصلاحات کو پسند کرتا تھا اور اس حوالے سے خوش قسمت تھا کہ اسے مصطفیٰ رشید پاشا، محمد امین علی پاشا اور فواد پاشا جیسے ترقی پسند وزیر ملے۔ اپنے پورے دور حکومت میں وہ اصلاحات مخالف قدامت پسندوں کے خلاف جدوجہد کرتا رہا۔ عبدالمجید خصوصاً جمعہ کو، ذاتی دلچسپی لے کر براہ راست عوامی شکایات سنتا تھا۔ اس نے تنظیمات کے نفاذ کے بعد عوام پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے سلطنت بھر کا دورہ بھی کیا اور اس سلسلے میں 1844ء میں ازمت، مدانیہ، بروصہ، گیلی پولی، چناقلعہ، لمنوس، لیسبوس اور جزیروں کے دورے کیے۔ اس نے 1846ء میں بلقان کے صوبوں کا بھی دورہ کیا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے دور میں سلطنت عثمانیہ جدیدیت کی راہ پر گامزن ہوئی اور سلطنت میں امن قائم ہوا لیکن اس جدیدیت کی سلطنت عثمانیہ کو بہت مہنگی قیمت چکانی پڑی۔ تاریخ میں پہلی بار جنگ کریمیا کے دوران سلطنت عثمانیہ کو اگست 1854ء میں غیر ملکی قرضہ لینا پڑا۔ اس کے بعد 1855ء، 1858ء اور 1860ء میں بھی سلطنت نے قرضے لیے اور یوں معاشی طور پر قرضوں میں جکڑتی گئی۔ دوسری جانب شاہ کے اخراجات میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا جس کا اندازہ استنبول میں دولمہ باغچی جیسے عظیم

Marfat.com

الشان محل کی تعمیر سے بھی ہوتا ہے جس پر 35 ٹن سونے کی لاگت آئی۔ عبدالمجید 39 سال کی عمر میں 25 جون 1861ء کو تپ دق کے باعث انتقال کر گیا۔ ان کی جگہ عبدالعزیز تخت سلطانی پر بیٹھا۔ اس نے سوگواران میں متعدد بیٹے چھوڑے جن میں سے مراد پنجم، عبدالحمید ثانی، محمد پنجم اور محمد ششم نے بعدازاں سلطان کی حیثیت سے امور سلطنت سنبھالے۔ ان کے دور میں جو اصلاحات کی گئیں ان میں اہم ترین یہ تھیں:

پہلے عثمانی کاغذی نوٹوں کا اجرا (1840ء)

فوج کی تنظیم نو (1843ء تا 1844ء)

عثمانی قومی ترانہ اور قومی پرچم کا انتخاب (1844ء)

فرانسیسی طرز پر مالیاتی نظام کی تنظیم نو

فرانسیسی طرز پر ہی ضابطہ فوجداری و دیوانی کی تنظیم نو

مجلسِ معارفِ عمومیہ کا قیام جو پہلی عثمانی پارلیمان کا نمونہ تھی (1876ء)

پہلی بار جدید جامعات و تعلیمی اداروں کا قیام (1848ء)

غیر مسلموں پر عائد اضافی محصولات کا خاتمہ (1856ء)

غیر مسلموں کو فوج میں شمولیت کی اجازت (1856ء)

معیشت کو مضبوط کرنے کے لیے انتظامی امور میں بہتری کے لیے اقدامات

عبدالمجید کے دور میں پہلی بار پگڑی کی جگہ فاس (جو بعدازاں ترکی ٹوپی کہلائی) کو اختیار کیا گیا۔ اس نے سلطنت کو بہت سنبھالا اور تمام شاہان یورپ سے صلح کر لی۔ محمد علی پاشا والی مصر جو اس کے باپ کے وقت سے سرکش ہو رہا تھا اس کے عہد میں پھر مطیع ہوا۔ اس کے عہد میں انگریزوں کا تقرب بہت بڑھ گیا۔ یورپ سے بمبئی تک جابجا انگریزوں کی نو آبادیاں جو دیکھی جاتی ہیں زیادہ تر اسی کے عہد میں قائم ہوئیں۔ 1272ھ میں روس نے پھر ترکی پر چڑھائی کی۔ فرانس اور انگلستان کی مدد سے ترک غالب آئے۔

سلطان عبدالعزیز خان بن محمود ثانی:

(پیدائش: 9 فروری 1830ء، انتقال: 4 جون 1876ء)

اس نے 25 جون 1861ء سے 30 مئی 1876ء تک عنان اقتدار سنبھالی۔ وہ سلطان محمود ثانی کا صاحبزادہ تھا اور 1861ء میں اپنے بھائی عبدالمجید اول کے بعد تخت سلطانی پر براجمان ہوا۔ بچپن میں روایتی تعلیم حاصل کی۔ جسمانی طور پر بہت قوی تھا اور کشتی میں دیگر پہلوانوں کو پچھاڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا تھا۔ موسیقی اور مصوری کا بھی شائق تھا۔ اس کی تیار کردہ کچھ موسیقی لندن اکادمی نے 'عثمانی دربار میں یورپی موسیقی' نامی البم میں جمع کر رکھی ہے۔ عبدالمجید اول کے عہد میں شروع ہونے والی اصلاحات 'تنظیمات' کا سلسلہ اس کے عہد میں بھی جاری رہا۔ 1864ء میں نئی ولایتوں (صوبوں) کا قیام عمل میں آیا اور 1868ء میں ایک ریاستی انجمن بھی قائم کی گئی۔ اس کے دور ہی میں عوامی تعلیم کے نظام کو فرانسیسی طرز پر منظم کیا گیا اور جامعہ استنبول کو جدید خطوط پر استوار کیا گیا۔ سلطان عبدالعزیز نے بلقان کے صوبوں میں بغاوتوں کے باعث روسی سلطنت سے دوستانہ تعلقات استوار کیے۔ عبدالعزیز کے دور حکومت میں سلطنت عثمانیہ کے فرانس اور برطانیہ سے بھی دوستانہ تعلقات قائم ہوئے اور وہ پہلا یورپی سلطان تھا جس نے، 1867ء میں، مغربی یورپ کا

کیا جس میں انگلستان کا دورہ بھی شامل تھا۔ اس نے یہ سفر ایک نجی ریل کار کے ذریعے کیا جو آج بھی استنبول کے 'آر کے عجائب گھر' میں محفوظ ہے۔ 1875ء میں سلطنت تقریباً دیوالیہ ہو گئی۔ اس کی وجہ جہاں ایک جانب افواج کی جدید طرز پر تربیت و تنظیم تو تھی وہیں اس میں سلطان کے شاہانہ و پرتعیش طرز زندگی اور عظیم تعمیراتی منصوبہ جات کا بھی ہاتھ تھا۔ علاوہ ازیں 1875ء میں بوسنیا و ہرزیگووینا اور 1875ء میں بلغاریہ میں بغاوتیں ہوئیں۔ اور 11 مئی 1876ء کو دار الخلافہ میں بغاوت کے نتیجے میں 29 اور 30 مئی 1876ء کی درمیانی شب سلطان کو استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا گیا۔ 4 جون کو اس کی لاش محل میں پائی گئی۔ اس کی موت کے حقیقی اسباب معلوم نہیں ہو سکے اور خودکشی یا قتل کو اس کے موت کا سبب سمجھا جاتا ہے۔

سلطان عبدالعزیز کا سب سے بڑا کارنامہ عثمانی بحریہ کو جدید خطوط پر استوار کرنا تھا۔ 1875ء میں عثمانی بحریہ میں 21 بحری جنگی جہاز اور 173 دیگر جہاز شامل تھے اس لحاظ سے وہ برطانیہ اور فرانس کی بحری افواج کے بعد دنیا کی تیسری سب سے بڑی بحری فوج تھی۔ اس کے دور میں ہی پہلی مرتبہ بذریعہ ریل سلطنت کے مختلف شہروں میں رابطہ قائم کیا گیا اس مقصد کے لیے استنبول میں سرکیجی ریلوے اسٹیشن کا قیام عمل میں لایا گیا جو آج بھی استنبول میں اسی آب و تاب کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے دور میں استنبول میں آثار قدیمہ کا عجائب گھر قائم ہوا۔ اس کے عہد میں ہی 1863ء میں ترکی میں پہلی مرتبہ ڈاک ٹکٹیں شائع کی گئیں اور ترکی نے 1875ء میں یونیورسل پوسٹل یونین میں بانی رکن کی حیثیت سے شمولیت اختیار کی۔

سلطان مراد خان (1293ھ):

سلطان عبدالعزیز کے بعد تخت نشین ہوا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں خلل دماغ کی وجہ سے معزول کیا گیا۔

سلطان عبدالمجید خان (1293ھ):

سلطان مراد خان کے بعد یہ تخت نشین ہوا۔ ترکوں کی جواں تحریک نے اُٹھ کر عبدالحمید ثانی کے دور کا خاتمہ کر دیا گیا اسے جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کی جگہ ان کے بھائی محمد پنجم کو تخت پر بٹھایا گیا۔

وحید الدین محمد ششم:

(پیدائش: 14 جنوری 1861ء۔ انتقال: 16 مئی 1926ء)

سلطنت عثمانیہ کا 36 واں اور آخری فرمانروا تھا جو اپنے بھائی محمد پنجم کے بعد 1918ء سے 1922ء تک تخت سلطانی پر متمکن رہا۔ اسے 4 جولائی 1918ء کو سلطنت کے بانی عثمان اول کی تلوار سے نواز کر 36 ویں سلطان کی ذمہ داریاں دی گئی تھیں۔ اس کے دور حکومت کا سب سے اہم اور بڑا واقعہ جنگ عظیم اول تھا جو سلطنت کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی۔ جنگ میں شکست کے نتیجے میں برطانوی افواج نے بغداد اور فلسطین پر قبضہ کر لیا اور سلطنت کا بیشتر حصہ اتحادی قوتوں کے زیر قبضہ آ گیا۔ اپریل 1920ء کی سان ریمو کانفرنس کے نتیجے میں شام پر فرانس اور فلسطین اور ما بین النہرین پر برطانیہ کا اختیار تسلیم کر لیا گیا۔ 10 اگست 1920ء کو سلطان کے نمائندوں نے معاہدہ سیورے پر دستخط کیے جس کے نتیجے میں اناطولیہ اور ازمیر سلطنت عثمانیہ کے قبضے سے نکل گئے اور ترکی کا حلقہ اثر مزید سکڑ گیا جبکہ معاہدے کے نتیجے میں اسے حجاز میں آزاد ریاست کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ ترک قوم پرست سلطان کی جانب سے معاہدے کو تسلیم کرنے کے فیصلے پر سخت

Marfat.com

ناراض تھے اور انہوں نے 23 اپریل 1920ء کو انقرہ میں مصطفیٰ کمال اتاترک کی زیر قیادت ترک ملت مجلس عالی (ترکی زبان: ترک بیوک ملت مجلسی) کا اعلان کیا۔ سلطان محمد ششم کو تخت سلطانی سے اتار دیا گیا اور عارضی آئین نافذ کیا گیا۔ قوم پرستوں نے جنگ آزادی میں کامیابی کے بعد یکم نومبر 1922ء کو سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کا باضابطہ اعلان کیا اور سلطان کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دیتے ہوئے ملک بدر کر دیا گیا جو 17 نومبر کو بذریعہ برطانوی بحری جہاز مالٹا روانہ ہو گئے اور بعد ازاں انہوں نے زندگی کے آخری ایام اطالیہ میں گزارے۔ 19 نومبر 1922ء کو ان کے قریبی عزیز عبدالمجید آفندی (عبدالمجید ثانی) کو نیا خلیفہ چنا گیا جو 1924ء میں خلافت کے خاتمے تک یہ ذمہ داری نبھاتے رہے۔ محمد ششم کا انتقال 16 مئی 1926ء کو سان ریمو، اٹلی میں ہوا اور انہیں دمشق کی سلطان سلیم اول مسجد میں سپرد خاک کیا گیا۔

سلطنت عثمانیہ کی تاریخ کا یہ دور دو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک 1566ء تک علاقائی، اقتصادی اور ثقافتی نمو کا دور جس کے بعد عسکری و سیاسی جمود کا دور۔

سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ:

نوجوانان ترک کے انقلاب کا آغاز 3 جولائی 1908ء کو ہوا اور جلد ہی تحریک سلطنت بھر میں پھیل گئی اور نتیجتاً سلطان کو 1876ء کے آئین کی بحالی کا اعلان اور پارلیمان کو طلب کرنا پڑا۔ آئینی دور میں 1909ء کے جوابی تاخت اور واقعہ 31 مارچ کے جوابی انقلاب کے دوران رخنہ آیا جس کے ساتھ ہی سلطان عبدالحمید ثانی کے دور کا خاتمہ کر دیا گیا، انہیں جلاوطن کر دیا گیا اور ان کی جگہ ان کے بھائی محمد پنجم کو تخت پر بٹھایا گیا۔

خارجی محاذ:

نوجوانان ترک کے انقلاب کے دوران سلطنت عثمانیہ کی داخلی صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے 1908ء میں آسٹریا، ہنگری نے مقبوضہ بوسنیا و ہرزیگووینا کا باضابطہ الحاق کر دیا۔ آسٹریا، ہنگری نے 1877ء کی روس ترک جنگ اور برلن کانگریس (1878ء) کے بعد اس پر قبضہ کیا تھا۔ اطالیہ ترک جنگوں کے دوران سربیا، مونٹی نیگرو، یونان اور بلغاریہ پر مشتمل بلقان لیگ نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جس کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ کو بلقان جنگ (1912ء-1913ء) کا سامنا کرنا پڑا اور اسے جزیرہ نما بلقان کے کئی علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ لیبیا اور جزیرہ نما بلقان میں جنگیں اتحاد و ترقی جمعیتی کا پہلا بڑا امتحان تھیں۔ اطالیہ ترک جنگوں میں سلطنت کو لیبیا سے بھی ہاتھ دھونا پڑے یہ پہلی جنگ تھی جس میں دنیا میں پہلی بار میدان جنگ میں ہوائی جہازوں کا استعمال بھی کیا گیا۔ 19 ویں صدی کے آخر میں قائم ہونے والی بلقان ریاستیں نسلی و قومی بنیادوں پر البانیہ، مقدونیہ اور تھریس (ترا قیا) کے عثمانی صوبوں سے بھی اضافی علاقوں کے حصول کی خواہشمند تھیں۔ ابتدائی طور پر مارچ 1912ء میں سربیا اور بلغاریہ اور مئی 1912ء میں یونان اور بلغاریہ کے درمیان معاہدے طے پائے جس میں روس نے ثالث کا کردار ادا کیا۔ سرب، بلغاری معاہدے میں مقدونیہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا گیا تھا جو پہلی بلقان جنگ کا سب سے اہم سبب بنا۔ دوسری بلقان جنگ کے آغاز کا اہم سبب سابق بلقان اتحادیوں میں نئے حاصل کردہ علاقوں کی تقسیم پر پیدا ہونے والے تنازعات تھے جس سے سلطنت عثمانیہ نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور تھریس میں کئی علاقے دوبارہ فتح کر لیے۔ بلقان جنگ کے سیاسی نتائج 1913ء کے تاخت اور تین پاشاؤں کی حکومت کا سبب بنے۔

جنگ عظیم اوّل:

پہلی جنگ عظیم میں بغداد ریلوے پر جرمن اختیار بین الاقوامی طور پر کشیدگی کا ایک اہم واقعہ تھا۔ سلطنت عثمانیہ نے پہلی جنگ عظیم کے مشرق وسطیٰ میدان میں حصہ لیا جس کا سبب ترک جرمن اتحاد تھا۔ عثمانیوں نے جنگ کے ابتدائی دور میں دو اہم فتوحات، جنگ گیلی پولی اور محاصرہ کوت، حاصل کیں لیکن اسے کئی دھچکے بھی پہنچے جیسے روس کے خلاف تباہ کن قفقاز مہم، 1917ء کے روسی انقلاب نے عثمانیوں کو شکست کے داغ دھونے اور کھوئے ہوئے علاقے حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا اور عثمانی افواج جنگ کے اختتامی مراحل میں آذربائیجان کے حصول میں کامیاب ہو گئیں لیکن جنگ عظیم کے اختتام پر اسے ان فتوحات سے ہاتھ دھونا پڑے۔ اس تنازعے میں پیش آنے والا ایک متنازع اور اہم واقعہ صوبہ دان میں ترک حکام، عثمانی افواج اور کرد جنگجوؤں کے ہاتھوں لاکھوں آرمینیائی باشندوں کا مبینہ قتل عام اور ملک بدری اور اس کے خلاف آرمینیائی باشندوں کی مزاحمت تھی۔ ایک مرکزی آرمینیائی مزاحمتی گروہ نے مئی 1915ء میں آزاد عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا، اور عثمانیوں نے اسے مشرقی اناطولیہ پر جارحیت کرنے والی روسی افواج کا ساتھ دینے کی کوشش سمجھا۔ 1917ء کے اختتام تک آرمینیائی انقلابی وفاق نے جمہوریہ آرمینیہ قائم کر دی جو آرمینیائی قتل عام سے بچ جانے والے باشندوں پر مشتمل تھی۔ واضح رہے کہ ترک حکومت آرمینیائی باشندوں کے قتل عام پر یقین نہیں رکھتی۔ آرمینیائی قتل عام کے علاوہ پہلی جنگ عظیم میں عثمانیوں کے شکست کے دو اہم اسباب ایڈمنڈ ایلنبائی کی زیر کمان برطانوی افواج کے اہم اہداف پر حملے اور عرب بغاوت تھے۔ ان میں عرب بغاوت سلطنت عثمانیہ کی شکست کا سب سے بڑا سبب سمجھی جاتی ہے۔ عرب بغاوت کی ان مہمات کا آغاز شریف مکہ حسین کی جانب سے برطانیہ کی مدد سے جون 1916ء میں جنگ مکہ سے اور اس کا اختتام دمشق میں عثمانیوں کے ہتھیار پھینک دینے کے ساتھ ہوتا ہے۔ مدینہ کے عثمانی کماندار فخری پاشا نے محاصرہ مدینہ میں ڈھائی سال سے زیادہ عرصے تک زبردست مزاحمت کی۔ پہلی جنگ عظیم کا آغاز 28 جون 1914ء کے اس واقعہ سے ہوا کہ کسی سلاو دہشت پسند نے آسٹریا کے شہزادہ فرڈینینڈ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ 28 جولائی کو آسٹریا نے سربیا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اگست 15 کو آسٹریا کے رفیق جرمنی کی فوجیں ہالینڈ، بیلجیم کے ممالک کو روندتی ہوئی فرانس کی سرزمین تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ جرمنوں نے فرانس پر حملہ آور ہونے کے لیے جو منصوبہ تیار کیا تھا اس میں یہ قرار پایا تھا کہ فرانس کے شمالی ساحل کے ساتھ ساتھ ہو کر فرانس کے دارالحکومت پیرس پر اس طرح حملہ کیا جائے جیسے پھیلے ہوئے بازو کی درانتی وار کرتی ہے۔ فرانسیسی فوج کا ہائی کمان اس منصوبے کو بھانپ نہ سکا اور اس نے اپنی مشرقی سرحد پر سے جرمنوں پر 14 اگست کو حملہ کر دیا۔ چونکہ یہ حملہ تدبیر و منصوبہ کے تحت نہیں ہوا تھا لہٰذا جرمنوں نے جو پہلے ہی گھات لگائے بیٹھے تھے۔ ایک بھرپور وار کیا اور فرانسیسی واپس ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد جرمنوں نے اپنے حملے کی سکیم کو، جسے شلفن منصوبہ کہتے ہیں اور جو 1905ء سے تیار پڑا تھا۔ عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ جلد ہی فرانس کے دارالحکومت کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ فرانس کی بدقسمتی سے اس وقت اس کی بے نظیر افواج کی قیادت جافرے کے ہاتھوں میں تھی۔ جو مدبر سپہ سالار ثابت نہ ہوا۔ انگریزوں کا جرنیل ہیگ بھی جرمنوں کے جرنیلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا ایسا معلوم ہونے لگا کہ پیرس چند دنوں میں ہی ہار جائے گا۔ مگر عین اس وقت ایک ہوشمند فرانسیسی جرنیل گلینی نمودار ہوا جس نے جرمنوں پر وہ کاری وار کیا کہ انھیں پریشانی کے عالم میں پیچھے ہٹتے ہی بنی۔ اس کے بعد جرمنوں کی پیش قدمی رک گئی اور آئندہ چار برسوں تک بھی تھوڑا جرمن بڑھ آتے تو کبھی فرانسیسی مگر انگریزوں نے کوئی خاص کارنمایاں

Marfat.com

انجام نہ دیا۔ نہ انھوں نے اس وقت تک فاش جیسا جرنیل پیدا کیا تھا جس کے زیر قیادت اتحادیوں کو بالآخر فتح نصیب ہوئی۔ نہ ان کے سپاہیوں نے وردن جیسی خونریز لڑائی لڑی جس میں فرانس کے 315000 آدمی بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ جرمن جرنیلوں میں سب سے زیادہ نام جن اشخاص نے پایا وہ لوڈنڈارف اور ہنڈنبرگ تھے۔ فرانسیسی جرنیلوں میں فاش اور پتیان قابل ذکر ہیں۔ انگریزوں میں لارڈ ایلن بائی ہے۔ اس جنگ میں ایک طرف جرمنی، آسٹریا، ہنگری سلطنت، ترکی اور بلغاریہ، اور دوسری طرف برطانیہ، فرانس، روس، اٹلی، رومانیہ، پرتگال، جاپان اور امریکا تھے۔ 11 نومبر 1918ء کو جرمنی نے جنگ بند کردی اور صلح کی درخواست کی۔ 28 جون 1919ء کو فریقین کے مابین معاہدہ ورسائی ہوا۔ مسلمان دنیا پر اس کا بہت برا اثر پڑا۔ چونکہ ترکی جرمنی کا اتحادی رہا اس لیے اسے اس جنگ کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ انگریزوں نے عربوں کو ترکوں کے خلاف جنگ پر اکسایا۔ اس طرح مسلمانوں میں قومیت کی بنیاد پر جنگ لڑی گئی اور ترکی کے بہت سے عرب مقبوضات ترکی سلطان کے ہاتھ سے چلے گئے۔ بعد میں انگریزوں نے ترکی پر بھی قبضہ کرلیا اور ترقی کی تقسیم کا فیصلہ کیا۔ لیکن کمال اتاترک جیسی عظیم شخصیت نے برطانیہ اور یونان کو ایسا کرنے سے باز رکھا۔ اسی جنگ کے نتیجے میں مسلمانوں کی عظیم خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔ جنگ عظیم میں دونوں فریقوں کے تقریباً ایک کروڑ آدمی کام آئے اور دو کروڑ کے لگ بھگ ناکارہ ہوگئے۔

تقسیم سلطنت:

جنگ عظیم کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ میں تقسیم کا عمل قسطنطنیہ پر قبضہ کے 13 دن بعد 30 اکتوبر 1918ء کو معاہدہ مدروس کے ذریعے شروع ہوا۔ اور بعد ازاں معاہدہ سیورے کے ذریعے مشرق وسطیٰ میں عثمانی مقبوضات کو برطانیہ اور فرانس کے حوالے کردیا گیا جبکہ بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں کو اٹلی، ترک ایجیئن ساحلوں کو یونان، اور آبنائے باسفورس اور بحیرہ مرمرہ کو بین الاقوامی علاقے کے طور پر اتحادی قوتوں کے حوالے کردیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مشرقی اناطولیہ میں جمہوریہ آرمینیا کو توسیع دیتے ہوئے ولسونین آرمینیا کی تشکیل دی گئی جو آرمینیائی باشندوں کا قدیم وطن تھا تاہم بعد ازاں ان علاقوں میں ترک اور کرد بھی بس گئے۔ برطانیہ نے مشرق وسطیٰ کی تقسیم کے لیے انتہائی چالاکی و عیاری کے ساتھ فرانس کے ساتھ سائیکوس، پیکوٹ نامی خفیہ معاہدہ کیا۔ استنبول اور ازمیر پر قبضہ ترک قومی تحریک کے قیام کا سبب بنا اور مصطفیٰ کمال پاشا کی زیر قیادت جنگ آزادی کے آغاز اور جمہوریہ ترکی کے قیام کے اعلان کیا گیا۔

خلافت عثمانیہ کا خاتمہ:

مصطفیٰ کمال کی زیر قیادت ترک قومی تحریک نے 23 اپریل 1920ء کو انقرہ میں 'قومی مجلس اعلیٰ' (بیوک ملت مجلسی) کے قیام کا اعلان کیا، جس نے استنبول میں عثمانی حکومت اور ترکی میں بیرونی قبضے کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ ترک انقلابیوں نے عوامی فوج کے ذریعے یونان، اٹلی اور فرانس کی افواج کو اناطولیہ سے نکال باہر کیا۔ معاہدہ سیورے کے نتیجے میں جو علاقے جمہوریہ آرمینیہ کو مل گئے تھے انہیں بھی دوبارہ حاصل کیا اور آبنائے پر قابض برطانوی افواج کے لیے خطرہ بن گئی۔ بالآخر ترک انقلابیوں نے آبنائے اور استنبول پر قبضہ کرلیا اور یکم نومبر 1922ء کو سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کا اعلان کردیا۔ آخری سلطان محمد ششم وحید الدین (1861ء تا 1926ء) 17 نومبر 1922ء کو ملک چھوڑ گئے اور معاہدہ لوزان کے تحت 24 جولائی 1923ء کو باضابطہ طور پر ترک جمہوریہ کو تسلیم کرلیا گیا۔ چند ماہ بعد 3 مارچ 1924ء کو

Marfat.com

لافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا اور سلطان اور ان کے اہل خانہ کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر جلاوطن کر دیا گیا۔ 50 ال بعد 1974ء میں ترک قومی مجلس اعلیٰ نے سابق شاہی خاندان کو ترک شہریت عطا کرتے ہوئے وطن واپسی کی بازت دے دی۔

لانِ بالفور:

اعلانِ بالفور برطانوی حکومت کی صیہونی یہودیوں سے ایک خفیہ معاہدے کی توثیق تھی جس کا تعلق پہلی جنگِ عظیم ے بعد سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے کرنے سے تھا۔ یہ بعد میں سامنے آ گیا۔ اس اعلان کی علامت برطانوی دفترِ خارجہ کے ، خط کو سمجھا جاتا ہے جو 2 نومبر 1917ء کو آرتھر جیمز بالفور (سیکریٹری خارجہ) نے صیہونیوں کے نام لکھا تھا۔ اس خط ں برطانیہ نے صیہونیوں کو اس بات کا یقین دلایا ہے کہ وہ فلسطین کی سرزمین میں ایک یہودی ریاست کے قیام میں بھر اور عملی مدد دیں گے۔ خط میں یہ بھی بتایا گیا کہ اس معاہدہ کی توثیق برطانوی کابینہ کے ایک خفیہ اجلاس میں 31 اکتوبر 191ء کو ہو چکی ہے۔ اسی اعلان کے تحت اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔ یہ معاہدہ، اعلان اور خط دو یہودیوں حاییم زمین (جو بعد میں اسرائیل کا پہلا صدر بنا) اور ناہوم سوکولو کی متواتر کوششوں کا نتیجہ تھا جو لندن میں یہودیوں کے ئندے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ فلسطین کے دس لاکھ لوگوں کو وہاں سے نکال کر وہاں ایک یہودی ریاست کا قیام عمل ں لایا جائے۔ یہ اعلان بعد میں نہ صرف ترکی کے ساتھ ایک معاہدہ کا حصہ بھی بنا جب ترکی جنگِ عظیم اول ہار گیا بلکہ اس خفیہ طور پر وائزمین نے کچھ عربوں سے بھی منوایا جو اس زمانے میں اقتدار کی شدید ہوس میں مبتلا تھے اور اس کے لیے طنتِ عثمانیہ کے خاتمے سمیت کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔

ط کا متن:

برطانیہ کے اس وقت کے سیکریٹری خارجہ آرتھر جیمز بالفور کے خط کے متن کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے:

دفترِ خارجہ

2 نومبر 1917ء

محترم روتھشیلڈ!

مجھے شاہ برطانیہ کی طرف سے آپ کو بتاتے ہوئے ازحد خوشی ہو رہی ہے کہ درج ذیل اعلان صیہونی یہودیوں کی امیدوں کے ساتھ ہماری ہمدردی کا اظہار ہے اور اس کی توثیق ہماری کیبنٹ بھی کر چکی ہے:

”شاہ برطانیہ کی حکومت فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی حامی ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی ہر ممکن صلاحیت کو بروئے کار لائے گی مگر اس بات کو مدِنظر رکھا جائے کہ فلسطین کی موجودہ غیر یہودی آبادی (مسلمان اور عیسائی) کے شہری و مذہبی حقوق یا دوسرے ممالک میں یہودیوں کی سیاسی حیثیت کو نقصان نہ پہنچے۔“

میں بہت ممنون ہوں گا اگر اس اعلان کو صیہونی فیڈریشن کے علم میں بھی لایا جائے۔

آپ کا مخلص

آرتھر جیمس بالفور

Marfat.com

روتھشیلڈ (Rothschild) ایک یورپی یہودی خاندان ہے جو نہ صرف یورپ کے مختلف ممالک میں بینکاری کے نظام پر حاوی ہے بلکہ امریکہ کے فیڈرل ریزرو (امریکہ کا مرکزی بنک جس کی حیثیت اصل میں سرکاری نہیں بلکہ نجی ہے) کے بنیادی حصہ داروں میں بھی شامل ہے۔ اس کے مشہور لوگوں میں بیرن روتھشیلڈ شامل ہے جو برطانیہ میں یہودیوں کا نمائندہ تھا اور فلسطین پر یہودی قبضہ کو مستحکم کرنے میں ان کا کردار ڈھکا چھپا نہیں۔ اس کا نام اعلانِ بالفور میں بھی آتا ہے۔

مصطفیٰ کمال اتاترک:

پیدائش: 1881ء۔ وفات: 1938ء

مصطفیٰ کمال جدید ترکی کے بانی اور پہلے صدر تھے۔ سالونیکا کے متوسط الحال خاندان میں پیدا ہوئے۔ سات برس کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ سالونیکا اور مناستیر کے کیڈٹ سکولوں میں تعلیم پائی اور 1905ء میں وہاں سے سٹاف کیپٹن بن کر نکلے۔ طالب علمی کے ایام میں ہی ایک منجھے ہوئے مقرر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ استنبول کے دوران قیام میں خلیفہ عبدالحمید کی حکومت کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ لینے پر کچھ عرصہ قید رہے۔ جیل سے رہا ہوئے تو فوجی ملازمت اختیار کی اور دمشق میں پانچویں فوج کے ہیڈ کوارٹر میں متعین ہوئے۔ اس دوران میں خفیہ تنظیم مجلس اتحاد و ترقی سے ان کا رابطہ قائم ہوا۔ اور وہ نوجوان ترک رہنماؤں سے مل کر ترکیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے کام کرنے لگے۔ انہوں نے 1908ء کے انقلاب ترکیہ کے بعد کچھ عرصے کے لیے سیاسیات سے علیحدگی اختیار کرلی۔ انہوں نے جنگ اطالیہ اور جنگ بلقان میں مختلف محاذوں پر فوجی خدمات سرانجام دیں۔ اور اپنی حاضر دماغی اور جرأت کے سبب شہرت حاصل کی۔ پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو مصطفیٰ صوفیہ میں ملٹری اتاشی کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کی درخواست پر انھیں جنگی خدمات سپرد کی گئیں۔ انھوں نے 1915ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے خلاف آبنائے فاسفورس کی کامیاب مدافعت کی۔ اس پر انھیں جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ 1916ء میں انہوں نے روسی فوج کو شکست دے کر ترکی کا مقبوضہ علاقہ آزاد کرا لیا۔ 5 جولائی 1917ء کو ساتویں فوج کے کمانڈر مقرر ہوئے۔ 30 اکتوبر 1918ء کو معاہدہ امن پر دستخط ہوگئے جس کے بعد ساتویں فوج توڑ دی گئی اور مصطفےٰ کمال پاشا واپس استنبول بلا لیے گئے۔

اس وقت خلیفہ وحید الدین سریر آرائے سلطنت تھا اور ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ سلطان وحید الدین کو ان کے عزائم کا علم نہ تھا۔ اس نے انھیں نویں فوج کا انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا۔ جس کا کام باقی ماندہ فوج سے ہتھیار واپس لینا تھا۔ لیکن انھوں نے اس کے برعکس تحریک مقاومت کی تنظیم شروع کر دی۔ انھوں نے اس تحریک کے دوسرے رہنماؤں سے رابطہ قائم کیا اور مادر وطن کے تحفظ کے لیے سرگرم عمل ہوگئے۔ اسی دوران میں ان کی قیادت میں متوازی عارضی حکومت قائم ہوگئی۔ 1920ء میں اتاترک انگورہ میں ترکی کی پہلی اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے۔ اور پھر 1921ء میں ان کی قیادت میں ترکوں نے یونانیوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ جنھوں نے ایشیائے کوچک کے بہت بڑے حصے پر قبضہ کر رکھا تھا۔ ایک سال کے اندر اندر یونانی فوج ترکی کی سرحدوں سے باہر نکال دی گئی۔ ترکوں اور انگریزوں کے درمیان براہ راست جنگ چھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ لیکن کمال اتاترک نے اپنی فراست سے یہ خطرہ ختم کر دیا۔ اکتوبر 1923ء میں ترکیہ میں خلافت ختم کرنے اور ملک کو جمہوریہ قرار دینے کا اعلان ہوا اور کمال اتاترک اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ انھوں نے زمام اقتدار سنبھالتے ہی دوررس اصلاحات نافذ کیں اور ترکیہ بڑی تیزی سے شاہراہ ترقی پر قدم بڑھانے لگا۔

Marfat.com

1934ء میں قوم کی طرف سے انہیں اتاترک (بابائے ترک) کا لقب دیا گیا۔

معاہدہ سیورے:

معاہدہ سیورے (Sevres of Treaty) جنگ عظیم اول کے بعد 10 اگست 1920ء کو اتحادی قوتوں اور سلطنت عثمانیہ کے درمیان طے پانے والا امن معاہدہ تھا۔ اس معاہدے پر عثمانی سلطنت نے دستخط کر دیئے تھے لیکن اسے ترکی کی جمہوری تحریک نے مسترد کر دیا اور اس معاہدے پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔ مصطفیٰ کمال اتاترک کی زیر قیادت اس تحریک نے معاہدے کے بعد ترکی کی جنگ آزادی کا اعلان کر دیا اور قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) میں بادشاہت کو ختم کر کے ترکی کو جمہوریہ بنا دیا۔ عثمانی حکومت کی جانب سے معاہدے پر دستخط کرنے والے نمائندے، رضا توفیق، فرید پاشا، ہادی پاشا اور رشید تھے۔ خالص اس معاہدے کو سلطنت عثمانیہ کی ایک عظیم شکست سمجھا جاتا ہے جو اپریل 1920ء میں اتحادیوں کے درمیان سان ریمو کانفرنس کے بعد طے پانے والے معاہدوں کی ایک کڑی تھا۔ اس معاہدے کے تحت حجاز (موجودہ سعودی عرب کا صوبہ) اور آرمینیہ آزاد ممالک قرار دیئے گئے۔ معاہدے کے سیکشن III کے آرٹیکل 62 تا 64 کے مطابق کردستان کو بھی آزادی ملنی تھی اور کرد ولایت موصل بھی آزاد کردستان میں شمولیت اختیار کر سکتی تھی۔ دوران جنگ سائیکس پیکوٹ معاہدے کے تحت بین النہرین یعنی میسوپوٹیمیا (موجودہ عراق) اور فلسطین اور لبنان اور شام کا علاقہ فرانس کے انتظام میں دے دیا گیا۔ اس کے علاوہ بحیرہ روم میں جزائر ڈوڈ کینیز اور رہوڈز (جو 1911ء سے ہی اٹلی کے قبضے میں تھے) کے علاوہ شمالی اناطولیہ اٹلی کو دے دیا گیا جبکہ تھریس اور مغربی اناطولیہ یونان کا حصہ قرار دیا گیا جس میں سمرنا (موجودہ ازمیر) کی اہم ترین بندرگاہ بھی شامل تھی۔ باسفورس، درہ دانیال اور بحیرہ مرمرہ کو غیر فوجی اور بین الاقوامی علاقہ قرار دیا گیا اور عثمانی افواج کی تعداد کو 50 ہزار تک محدود کر دیا گیا۔

ترکی کی جنگ آزادی اور معاہدہ لوزان:

انقرہ میں ترکی کی قومی اسمبلی نے معاہدے کو مسترد کرتے ہوئے مغربی اناطولیہ میں یونانی افواج کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی کو روکا۔ مارچ 1921ء میں مصطفیٰ کمال کے حامیوں نے سوویت روس کی بالشویک حکومت سے دوستی کا معاہدہ کر لیا جس کے نتیجے میں کمالیوں نے ستمبر 1922ء تک یونان کو شکست دے کر اس کی افواج کو اناطولیہ سے نکال باہر کیا۔ اس زبردست فتح کے بعد جنگ عظیم اول کے اتحادی مذاکرات کی میز پر آنے پر مجبور ہو گئے اور 1923ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر لوزان میں معاہدہ سیورے کو ترکی کے حق میں منسوخ کر دیا گیا۔ معاہدہ لوزان ترکی کی عظیم فتح سمجھا جاتا ہے۔ معاہدہ لوزان 24 جولائی 1923ء کو سوئٹزرلینڈ کے شہر لوزان میں جنگ عظیم اول کے اتحادیوں اور ترکی کے درمیان طے پایا۔ معاہدے کے تحت یونان، بلغاریہ اور ترکی کی سرحدی حدود متعین کی گئیں اور قبرص، عراق اور شام پر ترکی کا دعویٰ ختم کر کے آخر الذکر دونوں ممالک کی سرحدوں کا تعین کیا گیا۔ اس معاہدے کے تحت نوآموز جمہوریہ ترکی کو عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا۔

موسیٰ کاظم قرہ بکر پاشا

(پیدائش: 1882ء۔ انتقال: 26 جنوری 1948ء، انقرہ)

ترک جرنیل اور سیاست دان تھے۔ وہ جنگ عظیم اول کے اختتام پر سلطنت عثمانیہ کی مشرقی افواج کے کمان دار

Marfat.com

تھے اور اپنے انتقال سے قبل وہ ترک قومی مجلس ترکیہ بیوک ملت مجلسی کے اسپیکر بھی رہے۔ کاظم قرہ بکر پاشا کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں جبکہ نام کی تبدیلی سے قبل کاظم زیرک کہلاتے تھے۔

کاظم 1882ء میں استنبول کے علاقے خوجہ مصطفیٰ پاشا میں پیدا ہوئے۔ وہ یک عثمانی جرنیل محمد امین پاشا کے صاحبزادے تھے۔ فوج میں والد کی ذمہ داریوں کے باعث انہوں نے عثمانی سلطنت کے مختلف علاقوں میں رہائش اختیار کی۔ مکہ میں والد کی وفات کے بعد وہ 1893ء میں والدہ کے ہمراہ استنبول واپس آئے جہاں انہوں نے شہر کے علاقے زیرک میں قیام اختیار کیا۔ جنوری 1906ء میں وہ عثمانیوں کی تیسری فوج میں شامل ہوئے اور مقدونیہ کے علاقے میں خدمات انجام دیں جہاں وہ یونانی اور بلغاری باغی جنگجوؤں کا مقابلہ کرتے رہے۔ کامیاب خدمات کے عوض انہیں 1907ء میں سینئر کپتان کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ اگلے سالوں میں انہوں نے استنبول اور ادرنہ میں خدمات انجام دیں۔ 15 اپریل 1911ء کو کاظم نے اپنا خاندانی نام زیرک سے تبدیل کر کے قرہ بکر رکھ لیا۔ اس سے قبل وہ کاظم زیرک کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ادرنہ میں خدمات کی انجام دہی کے دوران قرہ بکر کو 27 اپریل 1912ء کو میجر کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ انہوں نے بلغاروی افواج کے خلاف پہلی بلقان جنگ میں حصہ لیا لیکن 22 اپریل 1913ء کو ادرنہ قلعہ کی جنگ میں گرفتار کر لیے گئے۔ وہ 21 اکتوبر 1913ء کو معاہدہ ہو جانے تک جنگی قیدی رہے۔

پہلی جنگ عظیم سے قبل قرہ بکر کچھ عرصہ استنبول میں گزارنے کے بعد مختلف یورپی ممالک گئے۔ وہ آسٹریا، جرمنی، فرانس اور سوئٹزرلینڈ کا دورہ کرنے کے بعد جولائی 1914ء میں وطن واپس آئے جب جنگ کے بادل منڈلاتے دکھائی دے رہے تھے۔ استنبول واپسی کے بعد قرہ بکر کو جنرل اسٹاف میں چیف آف انٹیلی جنس مقرر کیا گیا۔ جلد ہی انہیں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ جنوب مشرقی محاذ پر کچھ عرصہ گزارنے کے بعد انہیں دردانیال بھیج دیا گیا۔ 14 ویں ڈویژن کے کمان دار کی حیثیت سے قرہ بکر نے 1915ء کے موسم گرما میں جنگ گیلی پولی میں بہادری کے جوہر دکھائی۔ اکتوبر 1915ء میں انہیں استنبول میں پہلی فوج کا چیف اسٹاف آفیسر بنا دیا گیا۔ انہیں چھٹی فوج میں شمولیت کے لیے عراقی محاذ میں شامل کر لیا گیا۔ گیلی پولی میں عسکری سرگرمیوں کی بھرپور کامیابیوں پر انہیں دسمبر 1915ء میں عثمانی و جرمن دونوں کمانوں کی جانب سے اعزازات سے نوازا گیا اور کرنل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ اپریل 1916ء میں انہوں نے 18 ویں کور کی قیادت سنبھالی اور عراق میں کوت العمارہ کے محاصرے میں چارلس ٹاؤن شینڈ کی زیر قیادت انگریز افواج پر عظیم فتح حاصل کی۔ بعد ازاں قرہ بکر کو قفقاز کے محاذ پر دوسری کور کا کمان دار مقرر کیا گیا جہاں انہوں تقریباً دس ماہ روسی اور ارمنی افواج کا مقابلہ کیا۔ ستمبر 1917ء میں سلطان کی منظوری سے انہیں بریگیڈیئر جنرل کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ جنگ عظیم اول کے خاتمے پر معاہدہ سیورے کے تحت عثمانی سلطان محمد وحید الدین نے قرہ بکر کو اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ وہ ارض روم کانگریس کے انعقاد تک علاقے میں موجود رہے، جہاں مصطفیٰ کمال اتاترک کی آمد کے بعد انہوں نے شرکاء کی حفاظت کے لیے شہر کا دورہ کیا۔ ترکی کی آزادی کی تحریک کا آغاز ہوا تو ترک قومی تحریک (قوائے ملیہ) نے انہیں مشرقی محاذ کی کمان دی۔ 15 ... 1920ء کو ترک افواج نے قرہ بکر کی زیر قیادت ارمنی جمہوریہ (آرمینیا) پر حملہ کیا، جس نے جارحیت کرتے ہوئے سلطنت کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ترکوں نے ارمنی افواج کو فیصلہ کن شکست دی اور قرص اور سری کمش کو حاصل کرنے کے علاوہ نئی ارمنی جمہوریہ کے اہم مرکز الیگزینڈروپول پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد 2 دسمبر 1920ء کو ...

Marfat.com

جمہوریہ کے ساتھ معاہدہ الیگزینڈروپول طے پایا۔ بعدازاں انقرہ میں نوتشکیل شدہ پارلیمان نے 23 اکتوبر 1921ء کو سوویت یونین کے ساتھ دوستی کے معاہدے معاہدہ قرص پر بھی دستخط کے لیے قرہ بکر کو نامزد کیا۔

مغربی اناطولیہ میں یونانی افواج کی شکست کے بعد جمہوریہ ترکیہ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ کاظم قرہ بکر پاشا اکتوبر 1922ء میں انقرہ منتقل ہو گئے اور ادرنہ کے نائب کی حیثیت سے پارلیمان کیلئے خدمات انجام دیتے رہے۔ وہ دستور مشرقی افواج کے کمان دار تھے اور 29 جون 1923ء کو استنبول کے نائب منتخب ہوئے۔ چھ ماہ بعد وہ پہلی فوج کے انسپکٹر قرار پائے۔ پارلیمان نے جنگ آزادی میں اعلیٰ ترین عسکری وسیاسی خدمات پر انہیں ترکی کے اعلیٰ ترین اعزاز سے نوازا۔ وہ 26 اپریل 1924ء کو عسکری خدمات سے فارغ ہوئے۔ قرہ بکر مصطفیٰ کمال کی اصلاحات پر مختلف نقطہ نظر رکھتے تھے خصوصاً خلافت کے خاتمے پر انہیں شدید تحفظات تھے جس کی وجہ سے دونوں رہنماؤں کے درمیان کشیدگی رہی۔ 17 نومبر 1924ء کو قرہ بکر نے سیاسی تحریک "ترقی پرور جمہوریت فرقہ سی" قائم کی اور اس کے رہنما بنے۔ بعدازاں مصطفیٰ کمال نے قرہ بکر پر کرد بغاوت اور ازمیر میں خود پر قاتلانہ حملے کا الزام لگایا اور 5 جون 1925ء کو ان کی جماعت پر پابندی لگا دی گئی۔ قرہ بکر کو ان کی جماعت کے کئی رہنماؤں سمیت قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اس طرح قرہ بکر اور مصطفیٰ پاشا کے درمیان تعلقات کا یکسر خاتمہ ہو گیا۔ قتل کی دھمکیوں کے نتیجے میں قرہ بکر سیاست سے جبراً بے دخل کر دیے گئے۔ انہوں نے خود کو ترک جنگ آزادی اور جدید ترکی میں کی جانے والی اصلاحات کے بارے میں یادداشتیں لکھنے تک محدود کر لیا۔ لیکن ترک حکومت کے احکام پر ان کی تمام تحاریر کو جمع کر کے نذر آتش کر دیا گیا۔ قرہ بکر 1938ء میں مصطفیٰ کمال کی وفات تک خوف کے سائے تلے زندگی گزارتے رہے۔ نئے صدر عصمت انونو پاشا، جو اُن کے قریبی دوست تھے، نے ان پر عائد پابندیاں اٹھائیں۔ 1939ء میں کاظم قرہ بکر استنبول کے نائب کی حیثیت سے پارلیمان میں واپس آئے۔ حتیٰ کہ 5 اگست 1946ء میں پارلیمان کے اسپیکر منتخب ہوئے۔

پارلیمان کے اسپیکر کے عہدے پر برقرار رہتے ہوئے ہی وہ 26 جنوری 1948ء کو دل کا دورہ پڑنے کے باعث انقرہ میں انتقال کر گئے۔ بوقت وفات ان کی عمر 66 سال تھی۔ انہیں انقرہ میں ترکی کے ریاستی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ کاظم قرہ بکر نے سوگواران میں ایک بیوہ اجلال اور تین بیٹیاں حیات، عمل، تمثال چھوڑیں۔ استنبول میں ان کی رہائش گاہ، جہاں وہ 15 سال نظر بند رہے، کو 2005ء میں عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔ آپ 30 سے زائد کتابوں کے مصنف بھی تھے جن میں جنگ عظیم اول، ترک جمہوریہ کے قیام، اُس کو درپیش ابتدائی مسائل، عثمانی سلطنت کے آخری ایام، افواج اور اپنی ذاتی یادداشتوں پر مبنی کتابیں شامل ہیں۔

❀❀❀❀

Marfat.com

شاہانِ ایران

حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے عہد میں یہ ملک مسلمانوں نے فتح کیا۔ اس کے بعد مدینہ دمشق اور بغداد کے خلفا اس پر حکمران رہے۔ خلافت بغداد کے ضعیف ہونے پر سلاطین صفاریہ، سامانیہ، دیالمہ، غزنویہ، سلجوقیہ اور خوارزم شاہی اس پر حکمران ہوئے۔ اس کے بعد چنگیز خان کا زمانہ آیا۔ چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کی آٹھویں پشت میں ابوسعید کے زمانہ میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں جن کو مٹا کر امیر تیمور نے ایران کو اپنا ایک صوبہ قرار دیا۔ تیمور کے بعد اس کے خاندان میں دسویں صدی ہجری کے آغاز تک ایران کی حکومت تھی۔ خاندان تیموری کا زور وسط ایشیا میں دسویں صدی ہجری شروع میں کم ہوگیا۔ تاریخ میں دو سلطنتیں تیموری سلطنت کہلاتی ہیں جن میں سے پہلی امیر تیمور نے وسط ایشیا اور ایران میں تیموری سلطنت کے نام سے قائم کی جبکہ دوسری ظہیر الدین بابر نے ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے نام سے قائم کی۔

امیر تیمور:

اس سلطنت کا بانی امیر تیمور تھا جس کا چنگیز خان کے خاندان سے قریبی تعلق تھا۔ وہ دریائے جیحوں کے کنارے پر واقع شہر سبز میں 1336ء میں پیدا ہوا۔ وہ ایک اچھا سپاہی اور بے مثل سپہ سالار تھا۔ وہ ترکستان اور موجودہ افغانستان کے بڑے حصے پر قابض ہونے کے بعد 1366ء میں بلخ میں تخت نشین ہوا۔ بلخ میں تخت نشین ہونے کے بعد تیمور نے ان تمام علاقوں اور ملکوں پر قبضہ کرنا اپنا حق اور مقصد قرار دیا جن پر چنگیز خان کی اولاد حکومت کرتی تھی۔ اس غرض سے اس نے فتوحات اور لشکر کشی کے ایسے سلسلے کا آغاز کیا جو اس کی موت تک پورے 37 سال جاری رہا۔ تیمور کے ابتدائی چند سال چغتائی سلطنت کے باقی ماندہ حصوں پر قبضہ کرنے میں صرف ہوگئے۔ اگلے چند سالوں میں اس نے کاشغر، خوارزم، خراسان، ہرات، نیشاپور، قندھار اور سیستان فتح کرلیا۔ 1386ء میں اس نے ایران کی مہم کا آغاز کیا جو "یورش سہ سالہ" کہلاتی ہے اور اس مہم کے دوران ماژندران اور آذربائجان تک پورے شمالی ایران پر قابض ہوگیا۔ اس مہم کے دوران اس نے گرجستان پر بھی قبضہ کیا۔ 1391ء میں تیمور نے سیر اوردہ یعنی خاندان سرائے کے خان توقتمش کے خلاف لشکر کشی کی اور دریائے قندزچہ کے کنارے موجودہ سمارہ کے قریب 18 اپریل کو اسے کو ایک خونریز جنگ میں شکست دی۔ روس کی مہم سے واپسی کے بعد تیمور نے 1392ء میں ایران میں نئی لشکر کشی کا آغاز کیا جو "یورش پنج سالہ" کہلاتی ہے۔ اس مہم کے دوران اس نے ہمدان، اصفہان اور شیراز فتح کیا۔ آل مظفر کی حکومت کا خاتمہ کیا اور بغداد اور عراق سے جلائر کو بے دخل کیا۔ اس طرح وہ پورے ایران اور عراق پر قابض ہوگیا۔ تیمور ایران کی مہم سے فارغ ہو کر ابھی تبریز واپس ہی آیا تھا کہ اس کو اطلاع ملی کہ توقتمش نے دربند کے راستے پر حملہ کردیا ہے۔ تیمور نے دریائے تیرک کے کنارے اپریل 1395ء کو توقتمش کو ایک اور شکست فاش دی۔ اسکے بعد تیمور نے پیش قدمی کر کے سیر اوردہ کے دارالحکومت سرائے کو تباہ و برباد کردیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس مہم کے دوران تیمور استراخان، ماسکو، کیف اور کریمیا

Marfat.com

شہروں کو فتح کرتا اور تباہی پھیلاتا ہوا براستہ قفقاز، گرجستان اور تبریز 798ھ میں سمرقند واپس آ گیا۔ 1398ء میں تیمور ہندوستان کو فتح کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا۔ ملتان اور دیپالپور سے ہوتا ہوا دسمبر 1398ء میں دہلی فتح کر لیا۔ اگلے سال اس نے شام فتح کر لیا۔ 1402ء میں تیمور نے عثمانی سلطان بایزید یلدرم کو جنگ انقرہ کو شکست فاش دی اور سمرقند واپس آنے کے بعد چین پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تاہم اس سفر کے دوران وہ بیمار پڑ گیا اور 18 فروری 1405ء کو انتقال کر گیا۔ تیمور کے بعد اس کے کے جانشیں شاہ رخ نے تیموری سلطنت کو اس کے عروج پر پہنچا دیا۔ 1507ء میں شیبانی خان نے ہرات پر قبضہ کر کے وسط ایشیا میں تیموری اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

دولت مظفر:

آل مظفر 1315ء سے 1393ء تک ایران میں زیر اقتدار ایک حکومت تھی جس کا بانی ایک ایرانی امیر مظفر تھا جو ایل خانی حکومت کی طرف سے شہر یزد کا حاکم تھا۔

سلطان مبارز الدین محمد:

1315ء میں سلطان ابو سعید نے اس کے لڑکے مبارز الدین محمد کو یزد اور فارس کی حکومت دے دی اور وہ ایل خانیوں کے زوال کے بعد آزاد ہو گیا۔ اس نے 1340ء میں کرمان، 1353ء میں شیراز اور فارس اور 1357ء میں اصفہان پر قبضہ کر لیا۔ مبارز الدین کا دور اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس نے شراب خوری اور دوسری برائیوں کو جو شیراز میں اس زمانے میں عام ہو گئی تھیں، روکا اور اس مقصد کے لئے سخت قوانین نافذ کئے۔

سلطان شاہ شجاع:

مبارز الدین کے بعد شاہ شجاع (1357ء تا 1384ء) جانشیں ہوا جو اس خاندان کا سب سے ممتاز حکمران ہے۔ اس نے عراق کے جلائر حکمران سلطان اویس کے 1375ء میں انتقال کے بعد شستر، بغداد، سلطانیہ، تبریز، نخچوان اور قرہ باغ پر بھی قبضہ کر لیا اور اس طرح وہ خراسان کو چھوڑ کر پورے ایران پر قابض ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تیمور سمرقند میں ایک مضبوط حکومت قائم کر چکا تھا اور خراسان پر قابض ہو چکا تھا۔ شاہ شجاع نے اس کی بڑھتی ہوئی قوت کا اندازہ لگا کر اس کی اطاعت کر لی۔

سلطان زین العابدین:

شاہ شجاع کے بعد اس کا جانشیں زین العابدین (1384ء تا 1387ء) صرف تین سال حکمران رہا۔ 1387ء میں تیمور نے اس کو نکال دیا۔ اس کے بعد آل مظفر کے شہزادوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ یزد میں شاہ یحییٰ، کرمان میں سلطان احمد اور اصفہان میں شاہ منصور حکومت کرنے لگے۔ اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر تیمور نے 1393ء میں آل مظفر کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

آل مظفر علم و ادب کے سرپرست تھے۔ مشہور شاعر حافظ شیرازی (1315ء تا 1390ء) کا تعلق سلطان شاہ شجاع کے دربار سے تھا۔ حافظ فارسی کے بڑے غزل گو شاعر ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی اہل علم اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ فارسی کے سب سے بڑے ہجو گو اور طنز نگار شاعر عبید زاکانی (متوفی 1371ء) کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ اس کی کتاب

Marfat.com

'اخلاق الاشراف' طنز نگاری کا شاہکار ہے اور اس کے مطالعے سے معلومات ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ایرانی اخلاقی لحاظ سے کس قدر پستی میں گر چکے تھے۔

دولت جلائر:

جلائر قبائل ایل خانیوں ہی کی ایک شاخ تھی اور یہ نسلاً منگول تھے۔ جب ایل خانی سلطان ابو سعید کا انتقال ہوا تو امراء مرکز میں صاحب اقتدار ہو گئے۔ وہ جس کو چاہتے تخت نشین کرتے اور جس کو چاہتے تخت سے اتار دیتے۔ ان میں جلائر سردار شیخ حسن بزرگ نے بڑا اقتدار حاصل کیا اور وہ ایل خانی حکمرانوں کو کٹھ پتلیوں کی طرح نچاتا تھا۔

سلطان حسن بزرگ:

جب آخری ایل خانی حکمران نوشیرواں مرگیا تو حسن بزرگ (1339ء تا 1356ء) عراق پر قابض ہو گیا اور بغداد کو دارالحکومت بنا کر ایک مستقل حکومت قائم کر لی۔

سلطان اویس خان:

حسن بزرگ کے بعد اس کا لڑکا اویس خان (1356ء تا 1374ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے ترکمانوں سے جو آذربائیجان اور مشرقی اناطولیہ پر قابض ہو گئے تھے تبریز اور آذربائیجان چھین لیا اور موصل اور دیار باکر پر بھی قبضہ کر لیا۔

سلطان حسین خان:

اویس کے جانشین حسین (1374ء تا 1382ء) کی سیاہ بھیڑ (قرہ قویونلو) ترکمانوں اور آل مظفر سے لڑائیاں رہیں۔ ترکمانوں سے تو اس کی صلح ہو گئی لیکن آل مظفر کے حکمران شاہ شجاع نے اس کو آذربائیجان اور عراق کے بڑے حصے سے کچھ مدت کے لئے بے دخل کر دیا۔

سلطان احمد خان:

حسین کے بعد اس کی حکومت دو بیٹوں میں اس طرح تقسیم ہوئی کہ عراق اور آذربائیجان سلطان احمد (1382ء تا 1410ء) کو اور کردستان بایزید کو ملا۔ سلطان احمد کو اطمینان سے حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ تیمور کی فتوحات کا سلسلہ آذربائیجان تک پہنچ چکا تھا اور اس نے 1393ء میں بغداد اور عراق پر بھی قبضہ کر لیا۔ سلطان احمد بھاگ کر مصر چلا گیا۔ اس کے بعد یہ ہوتا تھا کہ جب تیمور بغداد سے چلا جاتا تھا تو سلطان احمد مصری حکومت کی مدد سے بغداد پر قابض ہو جاتا اور جب تیمور اس کی طرف رخ کرتا تو وہ پھر بھاگ جاتا تھا۔ آخر میں وہ بغداد پر قابض ہو گیا تھا لیکن آذربائیجان پر قبضہ کرنے کی کوشش میں قرہ قویونلو حکمران قرہ یوسف خان کے ہاتھوں شکست کھا کر مارا گیا۔

سلطان شاہ ولد:

اس کے بعد اس کا بھتیجا شاہ ولد بغداد میں جانشین ہوا لیکن اگلے سال ہی قرہ قویونلو ترکمانوں نے بغداد پر قبضہ کر کے جلائر خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ جلائر کی ایک شاخ اس کے بعد بھی 829ھ تک بصرہ، واسط اور شستر کے علاقے میں حکومت کرتی رہی لیکن وہ تیموری سلطنت کی باجگذار تھی بالآخر اس حکومت کو بھی قرہ قویونلو نے ختم کر دیا۔

Marfat.com

جلائر کا دور تعمیر وترقی کے کاموں کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ فارسی کے مشہور قصیدہ گو مسلمان ساوجی (متوفی 1378ء) اور عرب مورخ ابن عرب شاہ (1388ء تا 1450ء) کا جلائر کے دربار سے تعلق تھا۔ ابن عرب شاہ کی تاریخ عجائب المقدور اس دور کی تاریخ خصوصاً امیر تیمور کے حالات کا بڑا قیمتی ماخذ ہے۔ یہ عربی میں ہے اور اس میں تیمور کی برائیاں کی گئی ہیں۔ امیر تیمور بغداد فتح کرنے کے بعد ابن عرب شاہ کو سمرقند لے گیا تھا۔ احمد جلائر نے فارسی کے شاعر حافظ شیرازی کی سرپرستی بھی کی۔

قرہ قویونلو:

قرہ قویونلو ترکمان نسل کا ایک قبیلہ تھا جس نے موجودہ مشرقی اناطولیہ، آرمینیا، ایرانی آذربائیجان اور شمالی عراق پر 137۔ء سے 1468ء تک حکومت کی۔ قرہ قویونلو ترکمانوں نے ایک مرتبہ مشرقی فارس میں ہرات کو بھی اپنا دارالحکومت بنایا۔ وہ جلائر کے باجگذار تھے لیکن 1375ء میں ترکمانوں نے جلائر کے خلاف بغاوت کر کے آزادی حاصل کر لی اور قرہ یوسف کی زیر قیادت تبریز پر قبضہ لیا۔ 1400ء میں امیر تیمور کی افواج نے قرہ قویونلو ترکمانوں کو شکست دی تو قرہ یوسف نے مصر بھاگ کر مملوکوں کی پناہ لے لی۔ وہاں اس نے فوج اکٹھی کی اور 1406ء میں تبریز واپس لے لیا۔ 1410ء میں قرہ قویونلو نے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ 1420ء میں قرہ یوسف کی وفات کے بعد جانشینوں میں خانہ جنگی اور تیمور کے بڑھتے ہوئے خطرے کے باوجود قرہ قویونلو نے اپنے زیر تسلط علاقوں پر مضبوط گرفت رکھی۔ جہان شاہ نے تیموری بادشاہ شاہ رخ مرزا کے ساتھ امن معاہدہ کیا لیکن یہ معاہدہ 1447ء میں شاہ رخ کے انتقال کے ساتھ ہی ختم ہو گیا اور قرہ قویونلو نے عراق جزیرہ نما عرب کے مشرقی ساحلوں پر حملے کئے اور تیموری سلطنت کے حصے مغربی ایران کو بھی نشانہ بنایا۔ سلطنت میں وسیع کے باوجود جہان شاہ کا دور بیٹوں کی بغاوتوں اور تقریباً نیم خودمختار بغداد کے حکمرانوں سے متاثر ہوا جسے اس نے 146۔ء میں نکال باہر کیا۔ 1466ء میں جہان شاہ نے آق قویونلو ترکمانوں سے دیار باکر حاصل کرنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ انتہائی بھیانک نکلا اور جہان شاہ مارا گیا اور مشرق وسطی میں قرہ قویونلو کا خاتمہ ہو گیا۔ 1468ء میں آق قویونلو نے قرہ قویونلو کی باقیات کا بھی خاتمہ کر دیا۔

آق قویونلو:

آق قویونلو ترکمان نسل کا ایک قبیلہ تھا جس نے 1378ء سے 1508ء تک موجودہ مشرقی اناطولیہ، آرمینیہ، آذربائیجان، شمالی عراق اور مغربی ایران پر حکومت کی۔ بازنطینی صحائف کے مطابق آق قویونلو ترکمان 1340ء سے اناطولیہ میں موجود تھے اور قرہ قویونلو حکومت کے بانی قرہ عثمان نے ایک بازنطینی شہزادی سے شادی بھی کر رکھی تھی۔ آق قویونلو نے پہلی مرتبہ 1402ء میں حکومت حاصل کی جب امیر تیمور نے انہیں شمالی عراق میں دیار باکر سے نوازا۔ طویل عرصے تک آق قویونلو اپنی سلطنت میں توسیع نہ کر سکے کیونکہ ان کا حریف ترکمان قبیلہ قرہ قویونلو عروج پر تھا۔ تاہم 1467ء میں اوزون حسن کے ہاتھوں قرہ قویونلو کے جہان شاہ کی شکست کے بعد ان کی فتوحات کا آغاز ہوا۔ تیموری سلطان ابوسعید کی شکست کے بعد اوزون حسن بغداد اور خلیج فارس کے ساتھ علاقے حاصل کرنے کے قابل ہوا۔ وہ مشرقی ایران میں خراسان تک پہنچ گیا۔ اسی وقت عثمانی سلطنت مشرق کی جانب اپنی سرحدیں وسیع کر رہی تھی اور اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے آق قویونلو نے وسطی اناطولیہ قرہ مانیوں کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ 1464ء میں اوزون حسن نے عثمانیوں کے تخت ترین

Marfat.com

دشمن وینس سے عسکری امداد کی درخواست کی اور وعدوں کے باوجود وینس نے اس کو امداد نہیں بھیجی اور وہ 1473ء میں عثمانیوں کے ہاتھوں شکست کھا گیا تاہم اس شکست سے آق قویونلو کی سلطنت ختم نہ ہوئی۔ 1478ء سے 1490ء تک یعقوب کی حکومت نے سلطنت کو بچا لیا لیکن اس کی وفات کے ساتھ ہی سلطنت آخری ہچکیاں لینے لگی۔ 1501ء میں صفوی سلطنت کے ساتھ ٹکراؤ آق قویونلو کو مہنگا پڑا اور اسے نخ چیوان کے مقام پر جنگ میں شاہ اسماعیل صفوی کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ 1508ء میں شاہ اسماعیل صفوی نے آق قویونلو حکومت کا مکمل خاتمہ کر دیا۔

شاہانِ صفوی:

ایک سید بزرگ شاہ صفی نے پیشوائے مذہب کی حیثیت سے عروج پکڑا۔ تمام رعایا شاہ صفی کی معتقد تھی۔ اور شاہ صفی نے ایک رنگ حکومت کا پیدا کیا پھر اس کی نسل میں شاہ اسمٰعیل بڑا زبردست بادشاہ ہوا اور دو صدی تک یہ خاندان ایران پر قابض رہا۔ شیعوں کو سنیوں سے بالکل الگ قائم کرنا یہ اسمٰعیل صفوی اور اُس کے مابعد جانشینوں کی عملی تھی۔ شاہان صفوی نے بہت زیادہ کوشش یہ کی کہ شیعوں کا گروہ سنیوں سے بالکل الگ ہو جائے۔ اپنی پالیسی میں سلاطین صفوی پورے طور پر کامیاب ہوئے اور ایران کی فوج اور ایران کی رعایا اس نئے جوش میں عرصہ تک کارنمایاں کرتی رہی اور شاہی خاندان استقلال کے ساتھ حکمران رہا۔ ایران میں اسلامی فتوحات کے بعد جو سب سے بڑی حکومت قائم ہوئی، وہ 1501ء سے 1722ء تک قائم رہنے والی صفوی سلطنت تھی۔ جس نے تیموریوں کے بعد ایران میں عروج حاصل کیا۔

اس حکومت کا بانی شاہ اسماعیل ایک بزرگ شیخ اسحاق صفی الدین (متوفی 1334ء) کی اولاد میں سے تھا۔ انہی بزرگ کی نسبت سے یہ خاندان صفوی کہلاتا ہے۔ شیخ صفی الدین کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ امام موسیٰ کی اولاد میں سے تھے جو شیعی فرقہ اثناعشری کے ساتویں امام ہیں لیکن اس دعوے کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ خاندان دراصل ترکی النسل تھا۔ شیخ صفی الدین اور ان کے بیٹے صدر الدین سنی عقائد رکھتے تھے۔ لیکن ان کے پوتے خواجہ علی نے شیعی مذہب اختیار کر لیا۔ رسول ﷺ کے خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے شیخ صفی الدین کے گھرانے کا لوگوں کا بڑا احترام تھا۔ امیر تیمور نے بایزید عثمانی پر فتح پانے کے بعد خواجہ علی (1392ء تا 1456ء) کو آذربائیجان کے شہر اردبیل اور اس کے نواح کا علاقہ دے دیا تھا۔ بعد میں خواجہ علی کے پوتے شیخ جنید (1447ء تا 1456ء) اور پڑپوتے شیخ حیدر (1456ء تا 1488ء) نے گوشہ نشینی چھوڑ کر تلوار سنبھالی۔ یہ دونوں شاہ شیروان سے جنگ کرتے ہوئے مارے گئے۔

اسمٰعیل صفوی (908ھ):

شہنشاہ ایران (پیدائش: 1459ء، وفات: 1524ء)

وہ صفوی خاندان کا بانی۔ 1502ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے عربوں کے اقتدار کے بعد پہلی بار ایران آزاد حیثیت دی اور شیعیت کو ملکی مذہب قرار دیا۔ وہ ترکی زبان کا صاحب دیوان شاعر بھی تھا اور خطائی تخلص رکھتا تھا۔ تیموریوں کے زوال کے بعد سولھویں صدی کے آغاز میں ایران تقریباً دس چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ان میں سے طاقتور حکومت آق قویونلو ترکمانوں کی تھی اور تبریز سے دیار بکر تک کا علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔ شاہ اسماعیل جس وقت تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر اپنے ہمعصر بابر کی طرح صرف تیرہ سال تھی لیکن اس نے کم عمری کے باوجود حالات کا مقابلہ

Marfat.com

ذہانت اور شجاعت سے کیا۔ باکو اور شیروان کو فتح کرنے کے بعد شاہ اسماعیل نے 1499ء میں تبریز پر قبضہ کر کے
قونلو حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ 1503ء تک اسماعیل نے جنوب میں شیراز اور یزد تک، مشرق میں استرایار تک اور
میں بغداد اور موصل تک اپنی سلطنت کی حدوں کو بڑھالیا۔ ہرات میں تیموری حکمران حسین بائیقرا کے انتقال کے
انی خان ازبک ہرات اور خراسان پر قابض ہو گیا تھا۔ 1510ء میں مرو کے قریب طاہر آباد میں شیبانی خان اور
میں سخت جنگ ہوئی جس میں ازبکوں کو شکست ہوئی اور شیبانی خان مارا گیا۔ ازبکوں کی شکست کے بعد خراسان
اعیل کے قبضے میں آگیا۔ اب وہ ایران، عراق اور شیروان کا بلاشرکت غیرے مالک ہو گیا تھا اور اس کی طاقت
انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔

شاہ اسماعیل کو اس کی فتوحات نے غرور میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے ایک عثمانی شہزادے مراد کو پناہ دی اور سلطان
ثانی کو تخت سے اتار کر شہزادہ مراد کو اس جگہ تخت پر بٹھانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شاہ اسماعیل کی اس ناعاقبت
نے اس کو سلطان سلیم سے ٹکرا دیا۔ ایران اور ترکی کی موجودہ سرحد پر ترکی کی حدود میں واقع ایک مقام خالدران
ن 1514ء میں دونوں میں خونریز جنگ ہوئی جو تاریخ میں جنگ خالدران کے نام سے مشہور ہے۔ ایرانیوں نے
اعت سے ترکوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن ترکوں کی کثرت تعداد، توپ، آتشیں اسلحے اور سلطان سلیم کی برتری فوجی مہارت
منے ایرانی بے بس ہو گئے۔ ان کو شکست فاش ہوئی۔ 25 ہزار ایرانی مارے گئے اور شاہ اسماعیل زخمی ہو کر فرار ہونے
ہوا۔ سلطان سلیم نے آگے بڑھ کر دارالحکومت تبریز پر بھی قبضہ کر لیا۔ سلیم کی واپسی پر تبریز اور آذربائیجان تو صفوی
ت کو واپس مل گئے لیکن دیار بکر اور مشرقی ایشیائے کوچک کے صوبے ہمیشہ کے لئے صفویوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

اسماعیل صفوی سے ایران کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے جسے ایران کا شیعی دور کہا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل
کے بعض حصوں پر شیعہ خاندان کبھی کبھی حکمران رہے ہیں۔ ایران کے بعض بادشاہ بھی ایسے ہوئے ہیں جو شیعہ
رکھتے تھے جیسے غازان خان اور الجائیتو خدابندہ، لیکن ایران میں اکثریت سنی حکمران خاندانوں کی رہی تھی اور سرکاری
بھی اہل سنت کا تھا لیکن شاہ اسماعیل نے تبریز پر قبضہ کرنے کے بعد شیعیت کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا اور
ب رسول پر تبرا کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت تبریز کی دو تہائی آبادی سنی تھی اور شیعہ اقلیت میں تھے۔ خود شیعی علماء نے
اقدام کی مخالفت کی لیکن کچھ تو جوانی کا گرم خون اور کچھ عقیدے کی محبت، شاہ اسماعیل نے ان مشوروں کو رد کر کے تلوار
سب سے بڑی مصلحت قرار دیا۔ شاہ اسماعیل صفوی نے صرف یہی نہیں کیا کہ شیعیت کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا
اس نے شیعیت کو پھیلانے میں تشدد اور بدترین تعصب کا بھی ثبوت دیا۔ لوگوں کو شیعیت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا،
ت علماء قتل کر دیئے گئے جس کی وجہ سے ہزارہا لوگوں نے ایران چھوڑ دیا۔

شاہ اسماعیل کی فوج "قزلباش" کہلاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسماعیل کے باپ حیدر نے اپنے پیرووں کے
سرخ رنگ کی ایک مخصوص ٹوپی مقرر کی تھی جس میں 12 اماموں کی نسبت سے 12 کنگورے تھے۔ ٹوپی کا رنگ چونکہ
خ تھا اس لئے ترکی میں ان کو قزلباش یعنی سرخ ٹوپی والے کہا گیا۔ ایران کی زبان اگرچہ فارسی تھی لیکن آذربائیجان کی
ثریت ترکی بولتی ہے چنانچہ شاہ اسماعیل کی زبان بھی ترکی تھی۔ وہ ترکی زبان کا شاعر بھی تھا اور خطائی تخلص رکھتا تھا۔ اس
کے اشعار میں تصوف کا رنگ اور اہل بیت کی محبت پائی جاتی ہے اور ترکی زبان کی صوفیانہ شاعری میں اس کو اہم مقام
حاصل ہے۔ استنبول سے اس کا ترکی دیوان بھی شائع ہوا۔

Marfat.com

شاہ طہماسپ بن اسمٰعیل (931ھ):

(پیدائش: 3 مارچ 1514ء، وفات: 1576ء)

یہ صفوی سلطنت کا دوسرا بادشاہ اور اسماعیل صفوی کا لڑکا تھا۔ جب تخت پر بیٹھا تو عمر صرف 10 سال تھی۔ طہماسپ کا دور بڑا ہنگامہ خیز تھا۔ 1525ء تا 1540ء خراسان ازبکوں کے حملے کا نشانہ بنا رہا اور اس مدت میں شیبانی خان کے لڑکے جنید خان نے 6 حملے کیے جن سے ہرات اور مشہد وغیرہ کو بہت نقصان پہنچا۔ مغرب میں عراق کو ترکوں نے ایرانیوں سے چھین لیا اور تبریز اور ہمدان پر ترک کئی برس قابض رہے۔ ان تمام حملوں کے باوجود یہ طہماسپ اور ایران کی صلاحیت کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ انہوں نے ناسازگار حالات کے باوجود باقی ایران میں امن و امان قائم رکھا اور جارجیا یا گرجستان کے عیسائیوں کے خلاف 7 مہمیں بھیجیں اور گرجستان پر ایرانی قبضہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے۔

اس دور کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ انگلستان نے عثمانی ترکوں کے مقابلے میں ایران کا تعاون حاصل کرنا چاہا اور شمالی راستے سے ایران کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرنے چاہے۔ اس مقصد کے لئے ملکہ ایلزبتھ اول نے ایک انگریز کو خط دے کر طہماسپ کے پاس روانہ کیا تو بادشاہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "ہم کافروں سے دوستی نہیں کرنا چاہتے۔" شاہ طہماسپ کے ہی زمانے میں شہنشاہ بابر کا فرزند ہمایوں جسے شیر شاہ نے ہندوستان سے نکال دیا تھا، 1543ء میں ایران آیا اور طہماسپ نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور فوجی امداد دی جس کی وجہ سے ہمایوں دوبارہ اپنی سلطنت کو بحال کرنے میں کامیاب ہوا۔ تبریز پر عثمانی قبضہ ہو جانے کی وجہ سے طہماسپ نے قزوین کو دارالحکومت منتقل کر دیا تھا۔ طہماسپ ان مسلمان حکمرانوں میں سے ہے جنہوں نے 50 سال سے زیادہ حکومت کی۔ طہماسپ کے جانشینوں اسماعیل دوم اور محمد خدا بندہ کا دور غیر اہم ہے اور ان میں سے کوئی طہماسپ جیسی صلاحیتوں کا مالک نہ تھا۔ ان کے زمانے میں خراسان ازبکوں کے اور مغربی ایران عثمانیوں کے حملوں کا نشانہ بنا اور اندرون ملک بھی بدامنی رہی۔ طہماسپ کے جانشینوں شاہ اسماعیل ثانی اور محمد خدا بندہ کا دور غیر اہم ہے اور ان میں سے کوئی طہماسپ جیسی صلاحیتوں کا مالک نہ تھا۔ ان کے زمانے میں خراسان ازبکوں کے اور مغربی ایران عثمانیوں کے حملوں کا نشانہ بنا اور اندرون ملک بھی بدامنی رہی۔

شاہ اسمٰعیل ثانی بن طہماسپ (989ھ):

مدت سلطنت 9 سال۔

محمد خدا بندہ بن طہماسپ (996ھ):

یہ اپنے بھائی اسمٰعیل ثانی کے مرنے پر تخت پر بیٹھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد راہی ملک عدم ہوا۔

حمزہ بن محمد خدا بندہ:

اس نے برائے نام سلطنت کی۔

شاہ اسمٰعیل ثالث:

اس نے برائے نام سلطنت کی۔

Marfat.com

شاہ عباس:

(پیدائش: 17 جنوری 1571ء، وفات: 19 جنوری 1629ء)

اس کا دور خاندان صفویہ کا عہد زریں ہے۔ اسمٰعیل اول اور شاہ طہماسپ کی طرح یہ بھی زبردست بادشاہوں میں
ذکر کیا جاتا ہے۔ محمد خدابندہ کے بعد جب وہ ایران کے تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر صرف 17 سال تھی۔ ایران کے شمال مغربی
صوبوں پر عثمانی ترک قابض تھے اور مشرق میں خراسان ازبکوں کے قبضے میں تھا یا ان کی تاخت وتاراج کا ہدف بنا ہوا تھا۔
اندرون ملک بھی بدامنی تھی اور صوبوں کے امراء سرکشی اختیار کئے ہوئے تھے۔ عباس نے اس صورتحال کا بڑے تدبر اور
ہوشیاری سے مقابلہ کیا۔ اس نے سب سے پہلے ترکوں سے معاہدہ کرلیا اور آذربائیجان، گرجستان اور لورستان کا ایک حصہ
ان کے حوالے کردیا۔ شاہ اسماعیل کے زمانے میں ایران میں اصحاب کرام پر تبرا بھیجنے کی جو قبیح رسم چلی آرہی تھی، اس کو بھی
بند کرادیا اور اس طرح عثمانی ترکوں کو ایک حد تک مطمئن کردیا۔ مغربی سرحد سے مطمئن ہونے کے بعد شاہ عباس نے
خراسان کی طرف توجہ کی۔ ازبکوں کا طاقتور حکمران عبداللہ خان 1598ء میں مرچکا تھا۔ اس لئے شاہ عباس نے اسی سال
آسانی سے ازبکوں کو خراسان سے نکال دیا اور صفوی سلطنت کی حدود ہرات اور مرو تک وسیع کردیں۔ مشرقی سرحدوں کو
محفوظ کرنے کے بعد شاہ عباس نے ترکوں سے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں۔ اس نے ترکوں کی فوج ینی چری کے
نمونے پر ایک فوج تیار کی جو "شاہ سورن" کہلاتی تھی اور گرجستان اور آرمینیا کے نومسلموں پر مشتمل تھی لیکن ایرانیوں کی
ایک سے بڑی کمزوری توپ خانے کی عدم موجودگی تھی۔ اس وقت جبکہ ساری دنیا میں توپوں کا رواج ہوچکا تھا اور خود
ایران کے مغرب میں عثمانی ترک اور مشرق میں دہلی کے مغل سلاطین توپیں استعمال کررہے تھے، ایرانی فوج ابھی تک اس
جنگی ہتھیار سے محروم تھی۔ مغربی قومیں صلیبی جنگوں کے زمانے سے اس پالیسی پر عمل پیرا تھیں کہ مشرق وسطیٰ کی طاقتور
مسلمان حکومتوں کا زور توڑنے کے لئے دوسری مسلمان حکومتوں کا تعاون حاصل کریں۔ اس غرض سے انہوں نے مصر کے
مملوکوں اور ترکی کے عثمانیوں کے خلاف منگولوں، باطنیوں اور آق قویونلو ترکمانوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی اور
اب وہ عثمانی ترکوں کا زور توڑنے کے لئے ایران کی صفوی حکومت کا تعاون حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ طہماسپ کے زمانے
میں ملکہ ایلزبتھ اس مقصد میں ناکام ہوگئی تھی لیکن شاہ عباس کے دور میں ان کو اس مقصد کے حصول میں خاصی کامیابی
ہوئی۔ 1599ء میں دو انگریز بھائی انتھونی شرلے اور رابرٹ شرلے ترکوں کیخلاف مسیحی اتحاد کے لئے ایران سے مدد
حاصل کرنے کے لئے اور ایران اور یورپ کے درمیان تجارتی تعلقات قائم کرنے کے لئے آئے۔ شاہ عباس نے ان
سے کوئی معاہدہ تو نہیں کیا، لیکن ایرانی فوج کو جدید طرز پر مسلح کرنے میں ان سے مدد لی۔ ان انگریزوں نے ایران میں
توپ سازی کی صنعت شروع کی اور ایرانی افواج کو توپ خانے سے مسلح کردیا۔ جب ایرانی فوج جدید آتشیں ہتھیاروں
اور توپوں سے مسلح ہوگئی تو شاہ عباس نے 1602ء میں عین اس وقت جب عثمانی ترک آسٹریا سے جنگ میں مصروف تھے،
حملہ کردیا اور تبریز، شیروان اور پرتگالیوں سے بندرگاہ ہرمز چھین لیا اور خلیج فارس کے ساحل پر ایک نئی بندرگاہ قائم کی جو آج
تک بندر عباس کہلاتی ہے۔ اسی سال شاہ عباس نے دہلی کی تیموری سلطنت سے قندھار بھی چھین لیا۔

صفوی دور علمی لحاظ سے بنجر دور ہے لیکن شاہ عباس کے زمانے میں علم وادب کے میدان میں تھوڑی سے زندگی نظر
آتی ہے۔ اس کے درباری علماء میں میر محمد باقر قابل ذکر ہیں۔ مطالعہ قدرت اور فلسفہ ان کا خاص موضوع تھا۔ بہاء الدین
عاملی اور صدر الدین شیرازی بھی جو ملا صدرا کے نام سے مشہور تھے، اس دور کی اہم علمی اور ادبی شخصیتیں ہیں۔ ملا صدرا کی

Marfat.com

فلسفے کی ضخیم کتاب "اسفار اربعہ" کا اردو میں 4 جلدوں میں ترجمہ ہو چکا ہے لیکن فلسفے کی ان کتابوں میں مغز کم اور پھوک زیادہ ہے۔ شاہ عباس کے زمانے میں فنون لطیفہ نے خاص طور پر فن تعمیر اور فن مصوری نے بہت ترقی کی۔ دارالحکومت اصفہان کو بڑی ترقی دی گئی اور شاندار عمارتیں بنائی گئیں۔ شروع میں صفویوں کا دارالحکومت تبریز تھا لیکن وہ ہمیشہ عثمانی ترکوں کی زد میں رہتا تھا۔ اس لئے عباس اعظم نے ایران کے وسط میں اصفہان کو دارالسلطنت بنایا۔ عباس نے اصفہان کو اتنی ترقی دی کہ لوگ اس کو "اصفہان نصف جہان" کہنے لگے۔ اس زمانے میں اصفہان کی آبادی 5 لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ یہاں ایسی شاندار عمارتیں تعمیر کی گئی جو قسطنطنیہ اور قاہرہ کو چھوڑ کر اس زمانے کے کسی شہر میں نہیں تھیں۔ لاہور، دہلی اور آگرہ کی شاندار عمارات ابھی تعمیر ہی نہیں ہوئی تھیں۔ عباس نے اصفہان میں جو عمارتیں بنوائیں ان میں جامع مسجد، قصر چہل ستون، زندہ رود ندی کے دو پل اور چہار باغ بہت مشہور ہیں۔ یہ عمارتیں آج بھی اصفہان کی سب سے پرشکوہ عمارتیں ہیں۔ شاہ عباس اگرچہ ایک کامیاب اور سمجھدار حکمران تھا لیکن اعظم کا لقب اس کو زیب نہیں دیتا۔ وہ انتہائی ظالم اور شکی مزاج تھا اور اس نے محض شک کی بنیاد پر اپنے ایک لڑکے کو قتل اور دو کو اندھا کر دیا تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے دور میں 500 جلاد لوگوں کو قتل کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے، عباس کے بعد صفوی خاندان میں 4 حکمران ہوئے۔

شاہ صفی (1039ھ):

عباس کا جانشین شاہ صفی (1629ء تا 1641ء) نہایت ظالم اور سفاک تھا۔ اس کے عہد میں 1634ء میں بغداد پر ترکوں نے اور 1638ء میں قندھار پر دہلی کے مغلوں نے قبضہ کر لیا۔ اگرچہ خراسان پر ازبکوں کے حملے اس نے پسپا کر دیئے۔ اس کے عہد میں خاندان صفوی نے کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔

شاہ عباس صفوی ثانی (1052ھ):

اسمٰعیل، طہماسپ، عباس اول کی طرح یہ بھی بڑا زبردست بادشاہ ہوا ہے۔ غیر مذہب والوں سے لڑنے کی وجہ سے غازی کا لقب ملا۔ عباس دوم (1641ء تا 1668ء) کے عہد میں ایران کو پھر خوشحالی نصیب ہوئی۔ رعایا کے ساتھ اس کا سلوک منصفانہ تھا۔ اس نے 1649ء میں قندھار پھر واپس لے لیا۔

سلیمان صفوی (1125ھ):

اس کا جانشین سلیمان (1668ء تا 1694ء) اپنے باپ کی پالیسی پر چلتا رہا اور اس کا دور عہد صفویوں کا آخری پرامن دور تھا۔ سلیمان تک خیریت تھی اس کے بعد غلجیوں اور ابدالیوں نے اس خاندان کو کمزور کر دیا۔

شاہ حسنین صفوی:

سلیمان کے بعد صفویوں کا زوال شروع ہو گیا۔ آخری حکمران شاہ حسنین (1694ء تا 1722ء) نااہل ثابت ہوا۔ شیعہ علماء کے زیر اثر آ کر اس نے سنیوں پر مظالم کیے جس کا نتیجہ افغانوں کی بغاوت کی شکل میں نکلا۔ قندھار کے افغانوں نے دہلی کے مغلوں سے بچنے کے لئے خود کو ایران کی حفاظت میں دے دیا تھا لیکن جب ایرانیوں نے ان پر سختی کی تو انہوں نے اپنے ایک سردار میر اویس کی قیادت میں آزادی کا اعلان کر دیا۔

Marfat.com

ہ طہماسپ ثالث:

شاہ حسین کے بعد اس کا جانشین طہماسپ سوم نااہل ثابت ہوا۔ 1715ء میں باغی خودمختار سردار اویس کے انتقال بعد اس کے جانشین امیر محمود نے ایران پر حملہ کر دیا اور 1722ء میں اصفہان پر قبضہ کر کے صفوی سلطنت کا خاتمہ یا۔

وی دور کی خصوصیات:

صفوی سلطنت ایران کی آخری طاقتور اور پرشکوہ حکومت تھی۔ ساسانیوں، سلجوقیوں اور تیموریوں کی طرح صفویوں بھی دنیا بھر میں ایران کا بڑا نام کیا۔ صفوی حکومت سوا دو سو سال قائم رہی۔ اس زمانے میں علمی ترقی جس میں ایران سے ممتاز رہا، بالکل ختم ہوگئی۔ اس لئے صفوی دور میں ایسے بڑے بڑے عالم اور مصنف پیدا نہیں ہوئے جیسے پچھلے یں ہوئے تھے۔ کچھ شاعر اور مؤرخ البتہ پیدا ہوئے لیکن وہ بھی ایران چھوڑ کر دہلی اور آگرہ چلے گئے کیونکہ وہاں ان سرپرستی صفویوں سے زیادہ کی جاتی تھی۔ صفوی دور صرف فن تعمیر اور مصوری کی وجہ سے مشہور ہے۔ رضا عباسی اور میرا زمانے کے مشہور مصور ہیں۔ ایران کا سب سے بڑا مصور بہزاد آخری زمانے میں تبریز آ گیا تھا جو اس وقت شاہ یل کا دارالسلطنت تھا۔ صفوی دور میں صنعت و حرفت کو بھی ترقی ہوئی، بہترین قسم کے سوتی اور ریشمی کپڑے تیار ہونے اور ایران کی مشہور قالین کی صنعت نے عروج پایا۔ صفویوں کے بعد ان صنعتوں کو بھی زوال ہو گیا۔

صفویوں کا سب سے بڑا کارنامہ ایران میں فوجی حکومت کا قیام بتایا جاتا ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ں نے ایران کی سنی آبادی کو جس طرح بزور شمشیر شیعہ بنایا اور علماء کو قتل کرایا وہ تاریخ اسلام کا ایک کریہہ باب ہے۔ ن میں شیعیت کے فروغ نے اور اس معاملے میں ایرانیوں کے غلو اور تعصب نے ایران کو باقی اسلامی دنیا سے کاٹ دیا پنے پڑوسیوں کو بھی اپنا دشمن بنا لیا۔ اسلامی دنیا سے کٹ جانے سے ایران کو سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ایرانیوں کی نی قوتوں کے اظہار کے راستے بند ہو گئے اور ایران باقی اسلامی دنیا کے افکار سے پہلے کی طرح استفادہ کرنے سے م ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جو ایران قبول اسلام کے بعد سے تیموری دور تک عالم اسلام کے بہترین دماغ پیدا کرتا رہا اسی ن کی سرزمین عہد صفوی میں اہل علم و کمال کے لئے بنجر ہو گئی۔ اس کے برخلاف برصغیر کے تیموری سلاطین نے رواداری وسعت قلبی کا ثبوت دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایران کے صاحب کمال ہندوستان کا رخ کرنے لگے اور تیموری مملکت میں وادب کو غیر معمولی فروغ ملا۔ ایران میں متعصب شیعی حکومت قائم ہونے کی وجہ سے اسلامی دنیا بھی دو حصوں میں تقسیم ا۔ برصغیر اور ترکستان کا دنیائے عرب اور ترکی سے روایتی تعلق بڑی حد تک ختم ہو گیا اور مشرق سے مغرب اور مغرب مشرق کی طرف علوم و افکار کی منتقلی میں رکاوٹیں پڑ گئیں۔ یہ بات ایران ہی نہیں بلکہ پوری اسلامی دنیا کے زوال کا ث بنی۔ موجودہ دور کے ایرانی مورخین بھی صفوی سلاطین کے مذہبی مظالم، تنگ نظری اور تعصب کی مذمت کرتے ہیں ن ان کا کہنا ہے کہ صفوی سلاطین نے ایرانیوں کو شیعیت پر متحد کر کے ایران کے قومی وجود کا تحفظ کیا ورنہ ایران بھی لطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ بن جاتا۔

ود خلجی:

خاندان صفوی کے انحطاط کے زمانہ میں ابدالیوں اور خلجیوں کو کچھ زور ہوا۔ ابدالی اور دُرانی ایک ہی قوم ہے اور غور

Marfat.com

کے پہاڑوں پر ان کا اصل ٹھکانا تھا۔ لیکن اس وقت ہرات کے آس پاس آباد ہو گئے تھے۔ خلجیوں کی قوم اس زمانہ میں قندھار کے گرد و نواح میں بستی تھی۔ خلجی اور ابدالی آپس میں بھی لڑتے تھے۔ خلجیوں اور ابدالیوں نے مل کر ایرانیوں کی سلطنت کمزور کر دی اور پھر اس کے بعد خلجیوں نے جا کر ایران پر قبضہ کر لیا۔ خلجیوں کا سردار محمود قندھار سے روانہ ہو کر ایران میں داخل ہوا۔ اور 1722ء میں تخت نشین ہوا۔ خلجیوں اور ایرانیوں کی جنگ کی ابتدا شاہ حسین کے عہد میں ہوئی اور اُس کے بیٹے شاہ طہماسپ ثالث نے محاصرہ کی تکلیف سے گھبرا کر تاج شاہی محمود خلجی کے حوالے کر دیا۔

اشرف خان خلجی:

اپنے چچا محمود کے مرنے پر اشرف خان تخت پر بیٹھا۔ سلطان ترکی نے سلطان روس سے مل کر اشرف خان کو دبانا چاہا۔ شمالی ملک کا روس خواہاں تھا اور مغربی حصہ کو سلطان ترکی دبانا چاہتا تھا۔ اشرف خان نے لڑائیوں میں بڑی بہادری دکھائی۔ اُن دونوں سلطنتوں نے اس کی سلطنت تسلیم کی لیکن اشرف خان اُن حصوں کو واپس نہ لے سکا جو دشمنوں کے قبضہ میں آ گئے تھے۔

نادر شاہ درانی:

مرزا طہماسپ (جب تاج سلطنت محمود شاہ کے حوالہ کر کے علیحدہ ہوا) کسی طرح نادر قلی درانی کے قبضہ میں آ گیا اور نادر شاہ نے خود کو اُس کا سپہ سالار بنا کر ملکی فتوحات شروع کر دیں۔ نادر قلی پہلے قزاقوں کی طرح لوٹ مار کرتا تھا۔ اب طہماسپ کی سپہ سالاری نے اس کی حالت میں بہت کچھ تغیر پیدا کیا۔ نادر شاہ کے عہد میں (1726ء) اشرف خان قتل کیا گیا۔ جو علاقے ملک اشرف خان کے عہد نامہ سے سلطنت، ترکی میں داخل ہو گئے تھے اُسے نادر شاہ نے بزور شمشیر واپس لیا۔ نادر شاہ نے طہماسپ کو شاہ شطرنج کی طرح تخت سے اتار کر اُس کے شیر خوار بچے کو تخت پر بٹھایا اور 1836ء میں تمام لوگوں کی صلاح سے تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ نادر شاہ نے یہ چاہا کہ خاندان صفویہ کی محبت لوگوں کے دل سے نکل جائے۔ لیکن نتیجہ اچھا نہ ہوا، لوگ اس سے بددل ہونے لگے۔ فوج کے خوش کرنے کیلئے اس نے قندھار پر چڑھائی کی اور خلجیوں کو وہاں سے نکالا۔ پھر کابل سے غزنی ہوتے ہوئے ہندوستان پر اس نے چڑھائی کی اور یہاں کی دولت سے اپنی فوج کو مالا مال کرنا چاہا۔ دہلی نادر شاہ کے عہد میں تباہ ہوئی۔ تیمور کے حملوں کی طرح اب بھی دہلی میں قتل عام ہوا۔ ہند سے واپس جا کر نادر شاہ نے اور بھی فتوحات کیں۔ ہند میں جو کچھ خونریزی نادر شاہ سے ہوئی اس میں زیادہ تر دہلی والوں کا قصور تھا۔ لیکن اس کے بعد نادر شاہ میں سفاکی اور خونریزی کی عادت ہو گئی اور کچھ مالیخولیا کا دخل بھی شروع ہوا۔ ایرانیوں نے 1847ء/1160 میں اسے قتل کیا۔

احمد شاہ ابدالی:

دور حکومت 1747ء تا 1773ء

نادر شاہ والئی ایران کا سالار، افغانوں کے ابدالی قبیلے کا سردار اور افغانستان میں ابدالی سلطنت کا بانی احمد شاہ ابدالی نادر شاہ کے قتل 1747ء کے بعد افغانستان کا بادشاہ بنا۔ اس نے ہرات اور مشہد پر قبضہ کیا اور 1748ء تا 1767ء ہندوستان پر کئی حملے کیے۔ جن میں سب سے مشہور حملہ 1761ء میں ہوا۔ اس حملے میں اس نے مرہٹوں کو پانی پت کی تیسری لڑائی میں شکست فاش دی۔ اس وقت تک مرہٹے پاک و ہند کے بڑے حصے کو فتح کر چکے تھے۔ ان کے سردار

Marfat.com

رگھوناتھ نے مغلوں کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ پھر لاہور پر قبضہ کر کے اٹک کا علاقہ فتح کر لیا۔ احمد شاہ ابدالی نے اپنے مقبوضات واپس لینے کے لیے چوتھی مرتبہ برصغیر پر حملہ کیا۔ 14 جون 1761ء کو پانی پت کے میدان میں گھمسان کا رن پڑا۔ جس میں مرہٹوں نے شکست کھائی۔ احمد شاہ ابدالی نے دہلی پہنچ کر شہزادہ علی گوہر کو دہلی کے تخت پر بٹھایا اور دو ماہ بعد واپس چلا گیا۔ کابل، قندھار، اور پشاور پر قبضہ کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے پنجاب کا رخ کیا اور سرہند تک کا سارا علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ 1756ء میں دہلی کو تاخت و تاراج کیا اور بہت سا مال غنیمت لے کر واپس چلا گیا۔ ان حملوں نے مغلیہ سلطنت کی رہی سہی طاقت بھی ختم کر دی۔ پنجاب میں سکھوں کے فروغ کا ایک سبب احمد شاہ کے پے در پے حملے بھی ہیں۔ احمد شاہ ابدالی لویہ جرگہ کے ذریعے بادشاہ منتخب ہوا تھا۔ یہ جرگہ شیر سرخ بابا کے مزار پر منعقد ہوا تھا۔ اسی دوران صابر شاہ ملنگ نے ایک گندم کا خوشہ انکے سر پر بطور تاج کے لگایا اور احمد شاہ کو بطور بادشاہ تسلیم کر لیا گیا، احمد شاہ ابدالی کو بجا طور پر افغانستان کا بانی کہا جا سکتا ہے۔ اس وقت سلطنت اٹک سے کابل، کوئٹہ، مستونگ، قلات، سبی، جیکب آباد، شکار پور، سندھ، پشین، ڈیرہ اسماعیل خان، ضلع لورالائی اور تمام پنجاب پر مشتمل تھی، شال کوٹ کوہٹہ قندھار کا ایک ضلع تھا، احمد شاہ درانی کا دورِ سلطنت (1747ء سے 1823ء) تک افغانستان پر رہا۔ 1765ء کا زمانہ آیا سکھوں نے پنجاب میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا ہوا تھا۔ 1772ء تک احمد شاہ درانی اور اس کے بعد اس کی اولاد کی حکومت رہی۔ اس کی اولاد میں ایوب شاہ کو 1823ء میں قتل کر دیا گیا۔ احمد شاہ ابدالی کی ہمشیرہ کا مزار بھی خواجہ ولی مودودی چشتی کرمانی کی درگاہ کے احاطہ کے اندر کرانی، کوئٹہ کے مقام پر واقع ہے۔ پنجاب کی مہم سے واپسی پر احمد شاہ ابدالی نے میر نصیر خان کو ہڑند اور داجل کے علاقے بطور انعام دیے۔ اسی زمانے میں جب احمد شاہ کی مشرقی ایران کی مہم سے واپسی ہوئی تو اس نے میر نصیر خان کی والدہ بی بی مریم کو کوئٹہ کا علاقہ یہ کہتے ہوئے دیا کہ یہ آپ کی شال ہے۔ اسی دن سے کوئٹہ کا نام شال کوٹ پڑ گیا، اور یہ ریاست قلات کا حصہ بن گیا۔ قلعہ میری قلات (قلعہ کوہٹہ) کے قریب خواجہ نقرالدین شال پیر بابا مودودی چشتی کا مزار بھی واقع ہے، شال کوٹ کو جو شاہراہ ہندوستان اور ایران سے ملاتی ہے اُسے شال درہ کہتے تھے آج اس شاہراہ پر اسی نام سے ایک بہت بڑی آبادی قائم ہے۔

زمزمہ توپ:

احمد شاہ ابدالی کے حکم سے اس کے وزیر شاہ ولی نے 1757ء میں ایک تاریخی توپ زمزمہ بنوائی۔ اس کی لمبائی 14 فٹ ساڑھے چار انچ اور نال کا قطر ساڑھے 9 انچ ہے۔ اس کا گولا آہنی ہوتا ہے۔ 1761ء میں احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کی جنگ میں اسے مرہٹوں کے خلاف استعمال کیا اور کابل واپس جاتے ہوئے لاہور کے گورنر کے سپرد کر گیا۔ 1762ء میں یہ توپ ایک سکھ جرنیل ہری سنگھ بھنگی کے قبضے میں آ گئی اور بھنگیوں کی توپ کے نام سے مشہور ہوئی۔ بعد ازاں چڑت سنگھ والئی گوجرانوالہ اسے گوجرانوالہ لے گیا۔ 1806ء میں یہ توپ مختلف بھنگی سرداروں کے زیر تصرف رہی۔ آخر کار رنجیت سنگھ اسے امرتسر سے لاہور لایا اور جب انگریزوں نے لاہور پر قبضہ کیا تو انھوں نے اسے مال روڈ پر (یونیورسٹی کے سامنے اور عجائب گھر کے درمیان) بطور نمائش رکھ دیا۔

عادل شاہ:

نادر شاہ کے عہد میں صوبہ افغان میں احمد شاہ درانی (ابدالی) حکمران ہوا اور ایران میں نادر شاہ کے مخالف کا بھتیجا

Marfat.com

عادل شاہ تخت نشین ہوا۔ عادل شاہ دو برس کے بعد مر گیا اور پھر پچاس برس کے اندر ہی اندر آٹھ بادشاہ ابراہیم، شاہ رُخ مرزا، اسمٰعیل، محمد کریم خان، ذکی خان، صادق خان، جعفر خان، لطف علی یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے۔ سلطنت ایران روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ ان بادشاہوں میں کریم خان رند نے 30 برس تک سلطنت کی اور باقی بادشاہوں نے برائے نام سلطنت کی۔

دولت قاچار / آغا محمد قاچار:

آغا محمد شاہ قاچار نے 1212ھ میں کئی لڑائیاں فتح کر کے سلطنت ایران پر قبضہ کیا۔ شاہ روس سے بھی اس نے کئی لڑائیاں کیں اس کے بعد اس کا بیٹا فتح علی قاچار تخت ایران پر بیٹھا اور شاہ روس سے برابر لڑتا رہا۔ 1850ء میں محمد شاہ قاچار تخت پر بیٹھا۔ بادشاہ اور رعایا کا مذہب شیعہ تھا۔ افغانوں نے ان پر جہاد کی نیت سے حملہ کیا۔ 1260ھ میں ترکی کے گورنر نجیب پاشا حاکم بغداد نے کربلا پر چڑھائی کی اور 9 ہزار آدمیوں کو ہلاک کیا۔ محمد شاہ قاچار یہ سن کر غضب ناک ہوا مگر انگریزوں اور روسیوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔

ناصر الدین قاچار:

1264ھ میں سلطان محمد شاہ قاچار نے وفات پائی اور اُس کا بیٹا ناصر الدین شاہ قاچار تخت ایران پر بیٹھا۔ اس بادشاہ سے شیعہ مذہب کو بڑی تقویت ہوئی۔ افغان، روس اور ترکی ہر طرف سے شاہ ایران کو امن تھا۔ اس بادشاہ نے کئی مرتبہ یورپ کی سیر کی اور اپنا سفر نامہ بھی فارسی زبان میں لکھا۔ روس نے تو سلطنت ایران کو کمزور کر دیا لیکن پھر بھی یہ خود مختار بادشاہ رہا اور سلاطین اسلام میں بعد سلطان ترکی کے اس کا شمار ہوتا رہا۔ سنیوں میں جس طرح سلطان ترکی عبدالحمید خان پیشوائے مذہب سمجھا جاتا ہے، اسی طرح شیعوں میں شاہ کج کلاہ ناصر الدین شاہ قاچار امید کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

مظفر الدین قاچار:

شاہ مظفر الدین قاچار اپنے باپ کے مرنے پر 1896ء میں تخت نشین ہوا۔

احمد شاہ قاچار:

1925ء میں اس کے خلاف عسکری بغاوت ہوئی اور اسے معزول کر کے قاچار خاندان کی بادشاہت کا خاتمہ کر دیا گیا۔

دولت پہلوی:

ایران کا آخری شاہی خاندان، جس کی حکومت کا آغاز 1925ء میں رضا شاہ پہلوی کی تخت نشینی کے ساتھ اور خاتمہ 1979ء کے ایرانی انقلاب کے ساتھ ہوتا ہے اور اس طرح ایران میں ملوکیت کی قدیم روایت کا خاتمہ ہوا۔ 1921ء میں رضا خان نے (بعد ازاں رضا شاہ پہلوی) جو ایران کی فوج میں ایک افسر تھے اپنے دستوں کو استعمال کرتے ہوئے قاچار خاندان کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ چار سالوں کے اندر تمام مخالفتوں کو کچل انہوں نے خود کو ملک کا طاقتور ترین فرد ثابت کر دیا۔ 1925ء میں وہ قاچار خاندان کے آخری فرمانروا احمد شاہ قاچار کو معزول کر کے خاص طور پر بلائے گئے ایوان کے ذریعے نئے بادشاہ بن گئے۔ وہ ایران کو جدید ریاست بنانے کے وسیع تر منصوبے کے حامل تھے اور اس میں بڑے پیمانے پر صنعتوں کے قیام کے ساتھ بنیادی ڈھانچے کی توسیع، ذرائع نقل و حمل کی ملک بھر میں

Marfat.com

تیاری، قومی سرکاری تعلیمی نظام کے قیام، عدلیہ میں اصلاحات اور صحت عامہ کی سہولیات کی فراہمی کے منصوبہ جات شامل تھے۔ وہ ایک مستحکم اور مرکزی حکومت پر یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے سمیت سینکڑوں ایرانیوں کو یورپ تربیت کے لیے بھیجا۔ ان کے 16 سالہ دور اقتدار (1925ء تا 1941ء) میں ان کے منصوبہ جات نے ایران کو ایک ترقی یافتہ ملک بنا دیا۔ ان کی اصلاحات سے پیشہ ور متوسط اور صنعتوں میں کام کرنے والے طبقات ابھرے۔ لیکن 1930ء کی دہائی میں رضا شاہ کے آمرانہ انداز کے طرز حکومت نے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد خصوصاً مذہبی طبقے میں شدید بے چینی پیدا کر دی۔ 1935ء میں رضا پہلوی نے فارس کی جگہ ملک کے لیے ایران کا لفظ منتخب کیا۔ چند دانشوروں کے احتجاج کے بعد ان کے جانشین محمد رضا شاہ پہلوی نے 1959ء میں اعلان کیا کہ فارس اور ایران دونوں ہی قابل قبول ہیں۔

رضا شاہ نے برطانیہ اور سوویت یونین کی مداخلت سے بچنے کی پوری کوشش کی۔ حالانکہ ان کے ترقیاتی منصوبہ جات کو غیر ملکی تکنیکی تجربات کی ضرورت رہی لیکن انہوں نے برطانوی اور سوویت اداروں کو ٹھیکے دینے سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ حالانکہ برطانیہ نے اینگلو ایرانین آئل کمپنی کے ذریعے ایران کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کر لیا لیکن رضا شاہ نے تکنیکی مدد جرمنی، فرانس، اٹلی اور یورپ کے دیگر ممالک سے حاصل کرنے کو ترجیح دی۔ اس لیے 1939ء کے بعد اس وقت ایران کے لیے مسائل کھڑے ہو گئے جب جرمنی اور برطانیہ دوسری جنگ عظیم میں ایک دوسرے کے دشمن کے طور پر آمنے سامنے ہوئے۔ رضا شاہ نے ایران کے غیر جانبدار ہونے کا اعلان کیا لیکن برطانیہ بضد رہا کہ ایران میں جرمن مہندس اور تکنیکی ماہرین جاسوسی کر رہے ہیں جن کا مقصد جنوب مغربی ایران میں برطانیہ کی تیل کی تنصیبات کو سبوتاژ کرنا ہے۔ برطانیہ نے تمام جرمن شہریوں کو ملک بدر کرنے کا مطالبہ کیا لیکن رضا شاہ نے اس سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس سے تمام ترقیاتی منصوبہ جات پر برے اثرات پڑ سکتے ہیں۔

تاریخ کردستان:

کردستان مشرق وسطی کے ایک جغرافیائی و ثقافتی خطے کا نام ہے جس میں کرد نسل کے باشندوں کی اکثریت ہے۔ کردستان میں شمالی اور شمال مغربی بین النہرین سے ملحقہ علاقے شامل ہیں۔ کردستان کے علاقے ترکی، شام اور عراق میں تقسیم شدہ ہیں۔ کچھ علاقے ایران میں بھی ہیں۔ کردستان کے لوگ ننانوے فی صد مسلمان ہیں اور اسلام سے ان کی وابستگی بہت زیادہ ہے۔ 18ویں صدی میں کرد باشندوں کا یہ علاقہ صفوی ایران اور عثمانی سلطنت کے درمیان تقسیم ہو گیا۔ مگر کردستان کبھی بھی تاریخ میں ایک علیحدہ ملک کے طور پر نہیں رہا۔ وجہ یہ کہ ماضی میں یہ تمام علاقہ ایک ہی خطے میں شمار ہوتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم سے قبل بیشتر کرد باشندے سلطنت عثمانیہ کے صوبہ کردستان کے رہائشی تھے۔ جنگ عظیم میں شکست اور سلطنت کے خاتمے کے بعد اتحادی افواج نے علاقے میں سرحدیں تشکیل دیتے ہوئے مختلف ممالک بنانے کا پروگرام بنایا اور معاہدہ سیورے کے تحت اس میں کردستان بھی شامل تھا۔ کمال اتاترک کی جانب سے ان علاقوں کی دوبارہ فتح کے بعد معاہدہ لوزان طے پایا جس کے تحت موجودہ ترکی کی سرحدیں متعین کی گئیں اور کرد باشندوں کی اپنی حکومت کا خواب چکنا چور ہو گیا۔ دیگر کرد اکثریتی علاقے برطانیہ اور فرانس کے زیر قبضہ عراق اور شام میں شامل ہو گئے۔ پہلی جنگ عظیم سے اب تک کردستان 4 ممالک میں تقسیم ہے جن میں عراق، ترکی، ایران اور شام اہم ممالک ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق کردستان کا رقبہ 74 ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا ہے اور اس کے اہم ترین شہر دیار باکر اور وان (ترکی)، موصل، اربیل،

اور کرکوک (عراق) اور کرمان شاہ (ایران) شامل ہیں۔محتاط اندازے کے مطابق اس علاقے میں 40 ملین کرد باشندے رہائش پذیر ہے۔کوہ جودی اور کوہ ارارات یہاں کے اہم ترین پہاڑ اور دریائے دجلہ و دریائے فرات اہم ترین دریا ہیں۔جھیلوں میں جھیل وان (ترکی) اور جھیل ارمیہ (ایران) عالمی سطح پر معروف ہیں۔

فیصل بن حسین:

شاہ فیصل بن حسین عراق کے پہلے حکمران (1921ء تا 1933ء) تھے۔جنہوں نے عربوں کی تحریک آزادی میں بڑی بیدار مغزی سے حصہ لیا تھا۔شریف حسین کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔20 مئی 1883ء کو طائف میں پیدا ہوئے۔مشروطی حکومت کے قیام کے بعد جدہ سے عثمانی پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے تھے۔جدوجہد آزادی کے دوران انہوں نے ایک طرف برطانوی حکومت سے خفیہ مراسلت جاری رکھی اور دوسری طرف ترکوں کو اپنی وفاداری کا یقین بھی دلاتے رہے۔انہوں نے عثمانی حکومت کی امداد کے نام پر جو رضا کار دستے منظم کیے تھے وہ بغاوت شروع ہوتے ہی انگریزوں سے مل گئے اور ایک ایسے نازک موقع پر جب انگریز مصر کی طرف سے فلسطین پر حملہ آور ہوئے ان دستوں نے ترکوں کی پشت پر خنجر گھونپ دیا جس کی وجہ سے ترک فوجوں کے بڑے حصے کو انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے عرب باغیوں کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔جنگ کے بعد 1919ء میں شاہ فیصل نے پیرس امن کانفرنس میں اپنے والد کی طرف سے نمائندگی کی۔اس کے بعد وہ لندن چلے گئے تا کہ برطانیہ کو جولائی 1915ء کے عرب برطانیہ معاہدے پر عمل درآمد پر آمادہ کریں۔اس کے بعد وہ دمشق آئے جہاں ان کو شام کا بادشاہ منتخب کیا گیا لیکن فرانسیسیوں نے ان کو جلد ہی دمشق سے بے دخل کر دیا۔بالآخر انگریزوں نے ان کو 23 اگست 1921ء کو عراق کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔عراق کی مکمل آزادی کے بعد شاہ فیصل صرف ایک سال اور زندہ رہے۔8 ستمبر 1933ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔شاہ فیصل کے بعد ان کے بیٹے شاہ غازی تخت نشین ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم:

جون 1941ء میں جرمنی کی سوویت یونین میں مداخلت کے بعد برطانیہ اور سوویت روس اتحادی بن گئے۔دونوں نے اپنی توجہ ایران کی جانب مبذول کی۔برطانیہ اس وقت حال ہی میں تیار ہونے والی ریل کے نظام کو خلیج فارس کے راستے سوویت روس کو ذرائع نقل و حمل کی فراہمی کے ایک اہم ذریعے کے طور پر دیکھ رہا تھا۔جرمن شہریوں کو ملک بدر کرنے سے انکار پر اگست 1941ء میں برطانیہ اور روس نے ایران پر چڑھائی کر دی اور رضا شاہ کو گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا اور ایران کے ریل راستوں پر قبضہ کر لیا۔جنگ کے دوران برطانیہ اور روس کے اتحادی امریکہ نے ریل راستوں کی دیکھ بھال اور اسے رواں رکھنے میں مدد کے لیے فوجی دستہ بھیجا۔برطانیہ اور سوویت یونین نے رضا شاہ کے نظام حکومت کو ختم کرتے ہوئے آئینی حکومتی اختیارات کو محدود کر دیا۔انہوں نے رضا شاہ کے صاحبزادے محمد رضا پہلوی کو تخت پر فائز کرنے کی اجازت دی۔جنوری 1942ء میں انہوں نے ایران سے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس میں ایران کی آزادی کے احترام اور جنگ کے خاتمے کے چھ ماہ کے اندر فوج نکال دینے کا اعلان کیا گیا۔1943ء میں تہران کانفرنس میں ریاستہائے متحدہ امریکہ نے اس وعدے کا اعادہ کیا۔1945ء میں روس نے ایران کے شمال مغربی صوبوں مشرقی آذربائیجان اور مغربی آذربائیجان سے نکلنے کے لیے نظام الاوقات فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ان دونوں علاقوں میں

Marfat.com

روس کی مدد سے خودمختاری کی تحریکیں تیار کی گئیں۔ روس نے مئی 1946ء میں اپنے دستے واپس بلا لیے لیکن تناؤ کی کیفیت
ئی ماہ برقرار رہی۔ غیر ملکی افواج کے انخلاء کے بعد ایران کے سیاسی نظام میں سیاسی جماعتوں کے قیام کی مکمل اجازت
ی گئی اور 1944ء میں مجلس کے انتخابات ہوئے جو 20 سے زائد سالوں کے عرصے میں پہلے حقیقی انتخابات تھے۔ غیر ملکی
اخلت تمام جماعتوں کے لیے بدستور سب سے حساس مسئلہ تھا۔ اینگلو-ایرانین آئل کمپنی جو حکومت برطانیہ کی ملکیت تھی،
ران کا تیل پیدا اور فروخت کرتی جا رہی تھی۔ 1930ء کی دہائی کے اوائل میں چند حلقوں سے ملک کے تیل کے ذخائر کو
میانے کی صدا بلند ہوئی اور 1946ء تک یہ مطالبہ ایک مقبول سیاسی تحریک بن گیا۔

محمد رضا پہلوی نے 16 ستمبر 1941ء کو والد کی جگہ تخت شاہی سنبھالا۔ وہ اپنے والد کی اصلاحات کی پالیسیوں پر
ئم رہے لیکن جلد ہی حکومت پر اثر و رسوخ رکھنے کے لیے شاہ اور معروف سیاست دان محمد مصدق کے درمیان کشمکش کا
غاز ہو گیا۔ آئینی شہنشاہ کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے اور پارلیمانی حکومت کو جوابدہ ہونے کے دعووں کے باوجود
رضا پہلوی حکومت معاملات میں بہت زیادہ مداخلت کرتے۔ ان کی توجہ افواج میں اصلاحات اور اس امر کو یقینی بنانے
مرکوز رہی کہ وہ بدستور شاہی اثر و رسوخ کے زیر اثر رہے۔ 1949ء میں شاہ پر ایک قاتلانہ حملے کے بعد سیاسی جماعتوں
پابندیاں عائد کر دی گئیں اور شاہ کے آئینی اختیارات میں اضافہ ہو گیا۔ 1951ء میں برطانوی تیل نکالنے والی صنعت
و قومیانے کے فوراً بعد مجلس نے محمد مصدق کو 12 کے مقابلے میں 79 ووٹوں سے نیا وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ شاہ اس معاملے
مصدق کے مخالف تھے کیونکہ انہیں مغرب کی جانب سے تیل پر پابندی عائد کرنے کا خطرہ تھا جو ایران کو اقتصادی طور پر
ران سے دوچار کر سکتا تھا۔ شاہ ایران سے فرار ہو گئے لیکن جب برطانیہ اور امریکہ نے اگست 1953ء میں مصدق کے
لاف بغاوت ترتیب دی تو وہ وطن واپس آ گئے۔ مصدق کو شاہ نواز افواج نے گرفتار کر لیا۔

علاقائی بے چینی اور سرد جنگ کے تناظر میں شاہ نے خود کو مغرب کا اہم اتحادی قرار دے دیا۔ اس دوران انہوں
نے مزید اصلاحات کیں جنہیں انقلاب سفید کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس میں ملکیت زمین، عورتوں کے حق رائے دہی
ور ناخواندگی کے خاتمے کے حوالے سے اعلانات شامل تھے۔ ایران میں بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کے لیے عظیم تر منصوبہ
جات ترتیب دیے گئے جس کے نتیجے میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا اور صرف دو دہائیوں میں ایران غیر متنازع طور پر مشرق
سطی کی بڑی اقتصادی و فوجی قوت بن گئی۔ لیکن ساتھ ساتھ معاشرے پر مغربی اثرات گہرے ہوتے گئے۔ عوام میں غیر
سلامی اقدار کے فروغ کے باعث مذہبی رہنماؤں میں شدید بے چینی پیدا ہوئی اور آمرانہ طرز حکومت کے باعث سنجیدہ
حلقے بھی جمہوری اصلاحات کے خواہشمند تھے۔ ان مخالفین نے شاہ کی اصلاحات کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا اور انہیں آئین کی
خلاف ورزی قرار دیا کیونکہ وہ شاہی اختیارات کو محدود کرتا تھا۔ شاہ خود کو قدیم ایران کے شہنشاہوں کا جانشیں سمجھتے تھے اور
1971ء میں انہوں نے فارسی شہنشاہیت کے ڈھائی ہزار سال کی تکمیل پر جشن کا اہتمام کیا۔ 1976ء میں انہوں نے
اسلامی ہجری تقویم (سال 1355ھ) کی جگہ شمسی "شاہی" تقویم (سال 2595) کو رائج کر دیا جو 25 صدی قبل پہلی
فارسی سلطنت کے قیام سے شروع ہوتا ہے۔ شاہ کے ان اقدامات کو غیر اسلامی سمجھا گیا اور اس کے نتیجے میں ان کے خلاف
مذہبی رہنماؤں کی مخالفت میں مزید شدت آ گئی۔ عوامی سطح پر ردعمل کو دبانے کے لیے شاہ کی حکومت اپنے خفیہ جاسوسی کے
ادارے ساواک کے ذریعے مخالفین کے بے دردی سے کچلنے لگی۔ ان مخالفین میں مذہبی طبقات کے علاوہ اشتراکی نظریات
کی حامل تودہ پارٹی بھی شامل تھی جس نے کئی مرتبہ شاہ اور ان کے صاحبزادوں کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ 1970ء کی

Marfat.com

دہائی کے وسط تک تیل کے ذریعے بڑھتی ہوئی آمدنی کے نتیجے میں شاہ نے ملکی ترقی کے لیے مزید اہم اور بڑے منصوبہ جات کے سلسلے کا آغاز کیا۔ لیکن مغربی اثرات کے تلے روز بروز دبنے کی وجہ سے مذہبی طبقے کی بے چینی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اسلامی رہنماؤں خصوصاً جلاوطن آیت اللہ روح اللہ خمینی نے شاہ کی حکومت کا تختہ الٹنے اور اسلامی روایات کی جانب واپس پلٹنے کا اعلان کیا جسے اسلامی انقلاب کا نام دیا گیا۔ 1978ء اور 1979ء میں بڑے پیمانے پر عوامی مظاہروں کے بعد شاہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ شاہ ملک سے فرار ہو گئے اور مصر اور پانامہ سے ہوتے ہوئے دوبارہ مصر میں انور سادات کے مہمان بنے۔ ان کے انتقال پر ان کے صاحبزادے شہزادہ رضا پہلوی نے پہلوی خاندان کے سربراہ کی حیثیت سنبھالی۔ آج پہلوی خاندان امریکہ کی ریاست میری لینڈ میں تقریباً گمنامی کی زندگی گذار رہا ہے۔

❀❀❀❀

Marfat.com

دولت ایوبیہ

انیسویں صدی میں سلطنت مصر مسلمانوں کی تیسرے درجہ کی سلطنت سمجھی جاتی تھی یعنی سلطنت ترکی اور ایران کے بعد اسی کا درجہ تھا۔ خلیفہ عاضد الدین باللہ پر سلطنت اسماعیلیہ کا مصر میں خاتمہ ہوا اور بجائے عاضد کے بغداد کے خلیفہ عباسی مستضی باللہ کا نام خطبہ میں داخل کیا گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ خلفائے عباسیہ میں یہ قوت نہ تھی کہ وہ مصر کا پورا انتظام کر سکتے۔ صرف خطبہ میں اُن کا نام رہا لیکن حکومت دوسرے خاندان ایوبیہ نامی کی طرف منتقل ہوئی۔ ایوبی سلطنت یا سلطنت آل ایوب کردنسل کے مسلم خاندان کی حکومت تھی جس نے 12 ویں اور 13 ویں صدی میں مصر، شام، یمن، دیار باکر، مکہ، حجاز اور شمالی عراق پر حکومت کی۔ ایوبی سلطنت کے بانی صلاح الدین ایوبی تھے جن کے چچا شیرکوہ نے سلطان نور الدین زنگی کے سپہ سالار کی حیثیت سے 1169ء میں مصر فتح کیا تھا۔ اس سلطنت کا نام شیرکوہ کے بھائی اور صلاح الدین کے والد نجم الدین ایوب کے نام پر ایوبی سلطنت پڑا۔ صلاح الدین نے مصر میں فاطمی سلطنت کا خاتمہ کیا اور 1174ء میں نور الدین کے انتقال کے بعد دمشق پر قبضہ کر کے شام کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے بعد سلطنت ان کے بیٹوں کے درمیان بٹ گئی اور بالآخر 1200ء میں صلاح الدین کے بھائی العادل پوری سلطنت کا قبضہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ 1218ء میں العادل اور 1238ء میں الکامل کے انتقال پر پھر یہی صورتحال سامنے آئی۔ 1250ء میں آخری ایوبی سلطان توران شاہ قتل ہو گیا اور اس کے مملوک غلام جرنیل ایبک نے بحری مملوک سلطنت کی بنیاد رکھی۔ مصر ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایوبیوں نے اگلے 80 سال تک شام میں مزاحمت جاری رکھی اور بالآخر 1334ء میں شام بھی مکمل طور پر مملوکوں میں شامل ہو گیا۔

اسد الدین شیرکوہ بن شاذی:

یہ ایک مسلمان عسکری کمانڈر تھا جو فاتح بیت المقدس صلاح الدین ایوبی کا چچا تھا۔ وہ موجودہ آرمینیا کے ایک قصبے ڈوین کے ایک کرد گاؤں سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ایک کرد حکمران شاذی کا بیٹا اور ایوبی سلطنت کے جد اعلیٰ نجم الدین ایوب کا بھائی تھا۔ ان کا خاندان آل شداد سے قریبی تعلق رکھتا تھا اور 1130ء میں ان کی حکومت کے خاتمے کے بعد وہ پہلے بغداد اور بعد ازاں تکریت منتقل ہو گئے۔ 1163ء میں شیرکوہ نے نور الدین زنگی کو قائل کیا کہ وہ اسے مصر بھیجے تاکہ فاطمی سلطنت کا مسئلہ حل کیا جا سکے۔ اس سفر میں صلاح الدین ایوبی بھی شیرکوہ کے ہمراہ تھا۔ کئی نشیب و فراز کے بعد 1169ء میں شیرکوہ کا فاتح دستہ قاہرہ میں داخل ہوا تاہم دو ماہ بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا اور اس کی ذمہ داری بھتیجے صلاح الدین ایوبی نے سنبھالی۔ جس نے نور الدین زنگی کے انتقال پر ایوبی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

نجم الدین ایوب ابن شاذی: (انتقال: 9 اگست 1173ء)

نجم الدین ایوب یا نجم الدین ابن شاذی کرد نسل کا ایک سپاہی، سیاست دان اور فاتح بیت المقدس صلاح الدین

Marfat.com

ایوبی کا والد تھا۔ نجم الدین ایوب شاذی ابن مروان کے صاحبزادے اور شیر کوہ کے بھائی تھے۔۔ وہ کرد نسل کے قبیلہ روادیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آل شداد سے قریبی تعلقات تھے اور 1130ء میں ان کی حکومت کے خاتمے کے بعد پہلے بغداد اور بعد ازاں تکریت منتقل ہو گئے جہاں انہیں علاقے کے حاکم بہروز نے گورنر مقرر کر دیا۔ شاذی کے انتقال کے بعد نجم الدین ایوب نے اپنے والد کی جگہ تکریت کی گورنری سنبھالی۔ 1132ء میں ایوب نے زنگی خاندان کے لیے خدمات انجام دیں اور تکریت کے قریب سلجوق سلطان کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ نجم الدین نے دریائے دجلہ عبور کرتے ہوئے عماد الدین زنگی کی جان بھی بچائی۔ 1136ء میں شیر کوہ نے تکریت میں ایک عیسائی کو قتل کر دیا جس پر دونوں بھائیوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جس رات انہوں نے تکریت چھوڑا اسی رات نجم الدین کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام یوسف رکھا گیا یہی یوسف بعد ازاں صلاح الدین ایوبی کے نام سے دنیا بھر میں پہچانا گیا۔ عماد الدین زنگی نے نجم الدین کو بعلبک کا گورنر مقرر کیا لیکن جب 1146ء دمشق کے بوری اتابک معین الدین نے اس کو فتح کر لیا تو وہ دمشق آ گیا۔ دوسری صلیبی جنگ کے دوران نور الدین زنگی نے شہر فتح کر لیا اور ایوب کو دمشق کا گورنر مقرر کیا۔ ایوب کے صاحبزادے صلاح الدین نے بھی نور الدین زنگی کی افواج میں خدمات انجام دیں اور فتح مصر میں اپنے چچا شیر کوہ کے ہمراہ تھا۔ نجم الدین 31 جولائی 1173ء کو شہسواری کے دوران ایک حادثے کا شکار ہو گئے اور 9 اگست کو خالق حقیقی سے جا ملا۔ صلاح الدین ایوبی کی ایوبی سلطنت کا نام نجم الدین ایوب کے نام پر ہی رکھا گیا تھا۔

نجم الدین ایوب کی اولاد:

صلاح الدین یوسف ایوبی	1137ء تا 1193ء
الملک العادل سیف الدین ابوبکر احمد	1145ء تا 1218ء
الملک المعظم شمس الدولہ توران شاہ	انتقال 1181ء
تاج الملک ابوسعید بوری	انتقال 1184ء
المالک العزیز سیف الاسلام تغتکین	انتقال 1197ء

سلطان صلاح الدین ایوبی:

سلطان صلاح الدین ایوبی سلطنت کے بانی تھا۔ وہ نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کے مشہور ترین فاتحین و حکمرانوں میں سے ایک ہے۔ وہ 1138ء میں موجودہ عراق کے شہر تکریت میں پیدا ہوا۔ اس کی زیر قیادت ایوبی سلطنت نے مصر، شام، یمن، عراق، حجاز اور دیار بکر پر حکومت کی۔ صلاح الدین ایوبی کو بہادری، فیاضی، حسن خلق، سخاوت اور بردباری کے باعث مسلمان عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ صلاح الدین کو فاتح بیت المقدس کہا جاتا ہے جنہوں نے 1187ء میں یورپ کی متحدہ افواج کو عبرتناک شکست دے کر بیت المقدس ان سے آزاد کروالیا تھا۔ سلطان صلاح الدین نسلاً کرد تھا اور کردستان کے اس حصے میں پیدا ہوا جو اب عراق میں شامل ہے۔

شروع میں وہ سلطان نور الدین زنگی کے یہاں ایک فوجی افسر تھا۔ مصر کو فتح کرنے والی فوج میں صلاح الدین بھی موجود تھا اور اس لشکر کا سپہ سالار شیر کوہ صلاح الدین کے چچا تھا۔ مصر فتح ہو جانے کے بعد صلاح الدین کو 564ھ میں مصر کا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں 569ھ میں اس نے یمن بھی فتح کر لیا۔ نور الدین زنگی کے انتقال کے بعد چونکہ اس

کی کوئی لائق اولاد نہیں تھی اس لئے صلاح الدین حکمرانی پر فائز ہوا۔ صلاح الدین اپنے کارناموں میں نورالدین پر بھی بازی لے گیا۔ اس میں جہاد کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور بیت المقدس کی فتح اس کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ صلاح الدین یوسف بن نجم الدین ایوب عاضد کے عہد میں سپہ سالار تھا۔ مصر میں عیسائی بہت زیادہ غالب آگئے تھے۔ صلاح الدین ہی کی کوشش سے شام کے مسلمانوں کی کمک آئی اور اسی کی کوشش سے عاضد کے ضعف پر نظر ڈال مستفی کا نام خطبہ میں داخل کیا گیا اور اسی اثنا میں عاضد مر گیا اور صلاح الدین حکمران ہوا۔ اس کے باپ ایوب کے نام پر اس نسل کے سلاطین ایوبیہ کہلائے۔ نورالدین محمد زنگی والئی شام اس فوج کا بھیجنے والا تھا جس نے ابتدا میں مصر کے مسلمانوں کو عیسائیوں کے ہاتھ سے بچایا تھا، اس لئے بعض مؤرخوں نے صلاح الدین سے پہلے نورالدین کا نام سلاطین مصر کی فہرست میں داخل کیا ہے۔ مصر کے بعد صلاح الدین نے 1182ء تک شام، موصل، حلب وغیرہ فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔

اس دوران صلیبی سردار رینالڈ کے ساتھ چار سالہ معاہدہ صلح ہو چکا تھا جس کی رو سے دونوں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند تھے لیکن یہ معاہدہ محض کاغذی اور رسمی تھا۔ صلیبی بدستور اپنی اشتعال انگیزیوں میں مصروف تھے اور مسلمانوں کے قافلوں کو برابر لوٹ رہے تھے۔ 1186ء میں عیسائیوں کے ایک ایسے ہی حملے میں رینالڈ نے یہ جسارت کی کہ بہت سے دیگر عیسائی امرا کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کی غرض سے حجاز مقدس پر حملہ آور ہوا۔ صلاح الدین ایوبی نے ان کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لیے اقدامات کیے اور فوراً رینالڈ کا تعاقب کرتے ہوئے حطین میں اسے جا لیا۔ سلطان نے یہیں دشمن کے لشکر پر ایک ایسا آتش گیر مادہ ڈلوایا جس سے زمین پر آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ اس آتشیں ماحول میں 1187ء کو حطین کے مقام پر تاریخ کی خوف ناک ترین جنگ کا آغاز ہوا۔ اس جنگ کے نتیجہ میں تیس ہزار عیسائی ہلاک ہوئے اور اتنے ہی قیدی بنا لیے گئے۔ رینالڈ گرفتار ہوا اور سلطان نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر قلم کیا۔ اس جنگ کے بعد اسلامی افواج عیسائی علاقوں پر چھا گئیں۔

حطین کی فتح کے بعد صلاح الدین نے بیت المقدس کی طرف رخ کیا ایک ہفتہ تک خونریز جنگ کے بعد عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور رحم کی درخواست کی۔ بیت المقدس پورے 91 سال بعد دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور تمام فلسطین سے مسیحی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ بیت المقدس کی فتح صلاح الدین ایوبی کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔ اس نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر نورالدین کا تیار کردہ منبر اپنے ہاتھ سے مسجد میں رکھا۔ اس طرح نورالدین کی خواہش اس کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ صلاح الدین نے بیت المقدس میں داخل ہو کر وہ مظالم نہیں کئے جو اس شہر پر قبضے کے وقت عیسائی افواج نے کئے تھے۔ صلاح الدین ایک مثالی فاتح کی حیثیت سے بیت المقدس میں داخل ہوا۔ اس نے زر فدیہ لے کر ہر عیسائی کو امان دے دی اور جو غریب فدیہ نہیں ادا کر سکے ان کے فدیے کی رقم صلاح الدین اور اس کے بھائی ملک عادل نے خود ادا کی۔ بیت المقدس پر قبضہ کے ساتھ یروشلم کی وہ مسیحی حکومت بھی ختم ہو گئی جو فلسطین میں 1099ء سے قائم تھی۔ اس کے بعد جلد ہی سارا فلسطین مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ جب بیت المقدس پر قبضے کی خبر یورپ پہنچی تو سارے یورپ میں کہرام مچ گیا۔ ہر طرف لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جرمنی، اٹلی، فرانس اور انگلستان سے فوجوں پر فوجیں فلسطین روانہ ہونے لگیں۔ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ جو اپنی بہادری کی وجہ سے شیر دل مشہور تھا اور فرانس کا بادشاہ فلپ آگسٹس اپنی اپنی فوجیں لے کر فلسطین پہنچے۔ یورپ کی اس متحدہ فوج کی تعداد 6 لاکھ تھی۔ جرمنی کا بادشاہ فریڈرک باربروسا بھی اس مہم میں

Marfat.com

ان کے ساتھ تھا۔عیسائی دنیا نے اس قدر لاتعداد فوج ابھی تک فراہم نہ کی تھی۔ یہ عظیم الشان لشکر یورپ سے روانہ ہوا اور عکہ کی بندرگاہ کا محاصرہ کرلیا اگرچہ سلطان صلاح الدین نے تن تنہا عکہ کی حفاظت کے تمام انتظامات مکمل کر لیے تھے لیکن صلیبیوں کو یورپ سے مسلسل کمک پہنچ رہی تھی۔ایک معرکے میں دس ہزار عیسائی قتل ہوئے مگر صلیبیوں نے محاصرہ جاری رکھا لیکن چونکہ کسی اور اسلامی ملک نے سلطان کی طرف دست تعاون نہ بڑھایا اس لیے صلیبی ناکہ بندی کی وجہ سے اہل شہر اور سلطان کا تعلق ٹوٹ گیا اور سلطان باوجود پوری کوشش کے مسلمانوں کو کمک نہ پہنچا سکا۔تنگ آکر اہل شہر نے امان کے وعدہ پر شہر کو عیسائیوں کے حوالہ کر دینے پر آمادگی ظاہر کی۔فریقین کے درمیان معاہدہ طے ہوا کہ جس کے مطابق مسلمانوں نے دو لاکھ اشرفیاں بطور تاوان جنگ ادا کرنے کا وعدہ کیا اور صلیب اعظم اور 500 عیسائی قیدیوں کی واپسی کی شرائط طے کرتے ہوئے مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیے۔مسلمانوں کو اجازت دے دی گئی کہ وہ تمام مال اسباب لے کر شہر سے نکل جائیں لیکن رچرڈ نے بدعہدی کی اور محصورین کو قتل کر دیا۔عکہ کے بعد صلیبیوں نے فلسطین کی بندرگاہ عسقلان کا رخ کیا۔عسقلان پہنچنے تک عیسائیوں کا سلطان کے ساتھ گیارہ بار مقابلہ ہوا اور سب سے اہم معرکہ ارسوف کا تھا۔ سلطان نے جواں مردی اور بہادری کی درخشندہ مثالیں پیش کیں لیکن چونکہ کسی بھی مسلمان حکومت بالخصوص خلیفہ بغداد کی طرف سے کوئی مدد نہ پہنچی لہٰذا سلطان کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ واپسی پر سلطان نے عسقلان کا شہر خود ہی تباہ کر دیا۔اور جب صلیبی وہاں پہنچے تو انہیں اینٹوں کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔اس دوران سلطان نے بیت المقدس کی حفاظت کی تیاریاں مکمل کیں کیونکہ اب صلیبیوں کا نشانہ بیت المقدس تھا۔سلطان نے اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ اس قدر عظیم لاؤ لشکر کا بڑی جرأت اور حوصلہ سے مقابلہ کیا۔جب فتح کی کوئی امید باقی نہ رہی تو صلیبیوں نے صلح کی درخواست کی۔فریقین میں معاہدہ صلح ہوا۔جس کی رو سے تیسری صلیبی جنگ کا خاتمہ ہوا۔اس صلیبی جنگ میں سوائے عکہ شہر کے عیسائیوں کو کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور وہ ناکام واپس ہوئے۔رچرڈ شیر دل، سلطان کی فیاضی اور بہادری سے بہت متاثر ہوا۔جرمنی کا بادشاہ بھاگتے ہوئے دریا میں ڈوب کر مر گیا اور تقریباً چھ لاکھ عیسائی ان جنگوں میں کام آئے۔

معاہدہ کے شرائط مندرجہ ذیل تھیں:

1- بیت المقدس بدستور مسلمانوں کے پاس رہے گا۔

2- ارسوف، حیفہ، یافہ اور عکہ کے شہر صلیبیوں کے قبضہ میں چلے گئے

3- عسقلان آزاد علاقہ تسلیم کیا گیا۔

4- زائرین کو آمد و رفت کی اجازت دی گئی۔

5- صلیب اعظم بدستور مسلمانوں کے قبضہ میں رہی۔

تیسری صلیبی جنگ میں سلطان صلاح الدین نے ثابت کر دیا کہ وہ دنیا کا سب سے طاقتور ترین حکمران ہے۔ عیسائیوں نے یروشلم پر قناعت نہ کرکے مصر سے بھی مسلمانوں کو نکال دینا چاہا تھا۔مصر میں عیسائیوں کو شکست ہوئی۔ مستضی باللہ خلیفہ عباسی نے خطاب سلطانی صلاح الدین کو عطا کیا۔صلاح الدین بڑا بہادر اور فیاض تھا۔لڑائیوں میں اس نے عیسائیوں کے ساتھ اتنے اچھا سلوک کیا کہ عیسائی آج بھی اس کی عزت کرتے ہیں۔مسیحیوں سے صلح ہو جانے کے بعد صلاح الدین نے عیسائیوں کو بیت المقدس کی زیارت کی اجازت دے دی۔ اجازت ملنے پر یورپ کے زائرین جو برسوں سے انتظار کر رہے تھے اس کثرت سے ٹوٹ پڑے سلطان نے نہ صرف یہ کہ ان زائرین کو ہر قسم کی آزادی دی بلکہ

Marfat.com

اپنی جانب سے لاکھوں زائرین کی مدارات، آسائش اور دعوت کا انتظام کیا۔ صلاح الدین کا غیر مسلموں سے سلوک عین اسلامی تعلیمات کے مطابق تھا اور یہ اس کا ثبوت ہے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے حقوق بھی اسی طرح محفوظ ہوئے ہیں جس طرح مسلمانوں کے۔ نور الدین کی طرح صلاح الدین کی زندگی بھی بڑی سادہ تھی۔ ریشمی کپڑے کبھی استعمال نہیں کئے اور رہنے کے لئے محل کی جگہ معمولی سا مکان ہوتا تھا۔ قاہرہ پر قبضے کے بعد جب اس نے فاطمی حکمرانوں کے محلات کا جائزہ لیا تو وہاں بے شمار جواہرات اور سونے چاندی کے برتن جمع تھے۔ صلاح الدین نے یہ ساری چیزیں بیت المال میں داخل کرادیں۔ محلات کو عام استعمال میں لایا گیا اور ایک محل میں عظیم الشان خانقاہ قائم کی گئی۔ فاطمیوں کے زمانے میں مدرسے قائم نہیں کئے گئے شام میں تو نور الدین کے زمانے میں مدرسے اور شفاخانے قائم ہوئے لیکن مصر اب تک محروم تھا۔ صلاح الدین نے یہاں کثرت سے مدرسے اور شفاخانے قائم کئے۔ ان مدارس میں طلبا کے قیام وطعام کا انتظام بھی سرکار کی طرف سے ہوتا تھا۔ قاہرہ میں صلاح الدین کے قائم کردہ شفاخانے کے بارے میں ایک سیاح ابن جبیر لکھتا ہے کہ یہ شفاخانہ ایک محل کی طرح معلوم ہوتا ہے جس میں دواؤں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اس نے عورتوں کے شفاخانے اور پاگل خانے کا بھی ذکر کیا ہے۔ صلاح الدین سلطنت غوریہ کے حکمران شہاب الدین غوری اور مراکشی حکمران یعقوب المنصور کا ہم عصر تھا اور بلاشبہ یہ تینوں حکمران اپنے وقت میں دنیا کے عظیم ترین حکمرانوں میں سے تھے۔

1193ء/589ھ میں صلاح الدین انتقال کرگیا۔ اسے شام کے موجودہ دارالحکومت دمشق کی مشہور زمانہ اموی مسجد کے نواح میں سپرد خاک کیا گیا۔ صلاح الدین نے کل 20 سال حکومت کی۔ مورخ ابن خلکان کے مطابق ''اس کی موت کا دن اتنا تکلیف دہ تھا کہ ایسا تکلیف دہ دن اسلام اور مسلمانوں پر خلفائے راشدین کی موت کے بعد کبھی نہیں آیا''۔ موجودہ دور کے ایک انگریز مورخ لین پول نے بھی سلطان کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھتا ہے کہ

> ''اس کے ہمعصر بادشاہوں اور اس میں ایک عجیب فرق تھا۔ بادشاہوں نے اپنے جاہ وجلال کے سبب عزت پائی اور اس نے عوام سے محبت اور ان کے معاملات میں دلچسپی لے کر ہردلعزیزی کی دولت کمائی''۔

صلاح الدین ایوبی کی قائم کردہ حکومت اس کے والد نجم الدین ایوب کے نامی پر ''ایوبی'' کہلاتی تھی۔ صلاح الدین اگرچہ ایک دانشمند اور قابل حکمران تھا لیکن وہ خود کو روایتی تصور سے آزاد نہ کرسکا۔ خلافت کے حقیقی تصور کو اب مسلمان معاشرہ اس حد تک بھلا چکا تھا کہ نور الدین اور صلاح الدین جیسے حکمران بھی ملوکیت کے انداز میں سوچتے تھے۔ جانشینی کے معاملے میں صلاح الدین نے وہی غلطی کی جو سب سے پہلے ہارون الرشید نے کی تھی اور سلجوقیوں کے بعد سے تمام حکمران کرتے چلے آرہے تھے۔ اس نے زمانے کے غلط رواج کے تحت اپنی سلطنت تین لڑکوں میں تقسیم کردی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طاقتور سلطنت تقسیم ہوکر کمزور پڑ گئی۔ پھر بھی ایوبی خاندان کے ان چند لائق حکمرانوں جن میں صلاح الدین کا بھائی ملک العادل اور اس کا لڑکا ملک الکامل قابل ذکر ہیں، مصر، شام، حجاز اور یمن کو تقریباً 60 سال تک بڑی حد تک متحد رکھا۔ 648ھ میں ایوبی خاندان کی حکومت ختم ہوگئی اور ان کی جگہ ترک غلاموں کی حکومت قائم ہوئی جو مملوک کہلاتی تھی۔

سلاطین ایوبیہ کی مکمل فہرست:

ذیل میں ایوبی سلطانوں کی مکمل فہرست اور ان کے زمانے کا حال بیان کیا گیا ہے:

Marfat.com

مصر کے ایوبی سلاطین:

سلطان الملک صلاح الدین	1171ء تا 1193ء
سلطان الملک العزیز	1193ء تا 1198ء
سلطان الملک المنصور	1198ء تا 1200ء
سلطان الملک العادل	1200ء تا 1218ء
سلطان الملک الکامل	1218ء تا 1238ء
سلطان الملک العادل ثانی	1238ء تا 1240ء
سلطان الملک الصالح ایوب	1240ء تا 1249ء
سلطان الملک توران شاہ	1249ء تا 1250ء
سلطان الملک الاشرف ثانی	1250ء تا 1254ء

(اصل اقتدار مملوک سلطان ایبک کے پاس تھا)

دمشق کے ایوبی سلاطین:

سلطان الملک صلاح الدین	1174ء تا 1193ء
سلطان الملک الافضل	1193ء تا 1196ء
سلطان الملک العادل	1196ء تا 1218ء
سلطان الملک المعظم	1218ء تا 1227ء
سلطان الملک الناصر داؤد	1227ء تا 1229ء
سلطان الملک الاشرف	1229ء تا 1237ء
سلطان الملک الصالح اسماعیل	1237ء
سلطان الملک الکامل	1237ء تا 1238ء
سلطان الملک العادل ثانی	1238ء تا 1239ء
سلطان الملک الصالح ایوب	1239ء
سلطان الملک الصالح اسماعیل	1239ء تا 1245ء (دوسری مرتبہ)
سلطان الملک الصالح ایوب	1245ء تا 1249ء (دوسری مرتبہ)
سلطان الملک توران شاہ	1249ء تا 1250ء
سلطان الملک الناصر یوسف	1250ء تا 1260ء

حلب کے ایوبی امیر:

سلطان الملک العادل اول	1183ء تا 1186ء
سلطان الملک الظاہر	1186ء تا 1216ء

Marfat.com

سلطان الملک العزیز	1216ءتا1236ء
سلطان الملک الناصر یوسف	1236ءتا1260ء

اۃ کے ایوبی امیر:

سلطان الملک المظفر اول	1178ءتا1191ء
سلطان الملک المنصور اول	1191ءتا1221ء
سلطان الملک الناصر	1221ءتا1229ء
سلطان الملک المظفر ثانی	1229ءتا1244ء
سلطان الملک المنصور ثانی	1244ءتا1284ء
سلطان الملک المظفر ثالث	1284ءتا1299ء
سلطان الملک المؤید	1310ءتا1332ء
سلطان الملک الافضل	1332ءتا1334ء

ص کے ایوبی امیر:

سلطان الملک القاہر	1178ءتا1186ء
سلطان الملک المجاہد	1186ءتا1240ء
سلطان الملک المنصور	1240ءتا1246ء
سلطان الملک الاشرف	1248ءتا1263ء

ن کے ایوبی امیر:

سلطان الملک المعظم توران شاہ	1173ءتا1181ء
سلطان الملک العزیز تغتکین	1181ءتا1197ء
سلطان الملک معزالدین اسماعیل	1197ءتا1202ء
سلطان الملک الناصر ایوب	1202ءتا1214ء
سلطان الملک المظفر سلیمان	1214ءتا1215ء
سلطان الملک المسعود یوسف	1215ءتا1229ء

زیرہ کے ایوبی حکمران

سلطان الملک الاشرف	1218ءتا1237ء

❀❀❀❀

Marfat.com

دولت ممالیک مصر

بحری مملوک:

مصر وشام کے غلام بادشاہوں کو مملوک کہا جاتا ہے کیونکہ عربی میں مملوک غلام کو کہتے ہیں۔ یہ دو خاندانوں میں تقسیم تھے۔ ایک خاندان بحری مملوکوں کا تھا جنہوں نے 647ھ سے 784ھ تک حکومت کی اور دوسرا خاندان برجی مملوکوں کا تھا جنہوں نے 784ھ سے 922ھ تک حکومت کی۔ بحری مملوک نسلاً زیادہ تر ترک اور منگول تھے۔ یہ ملک صالح ایوبی کے غلام تھے اور چونکہ ان کو دریائے نیل کے کنارے آباد کیا گیا تھا اس لیے ان کو بحری مملوک کہا جاتا تھا۔ برجی مملوک زیادہ تر قفقاز کے رہنے والے سرکیشی غلام تھے۔ یہ بحری مملوکوں کے بادشاہ قلاوون کے حفاظتی دستے سے تعلق رکھتے تھے اور قلعوں میں تعینات تھے اس لیے ان کو برجی مملوک کہا جاتا تھا۔ ملک صالح نجم الدین ایوب کے انتقال کے بعد ایک ترک غلام معز الدین ایبک نے سلطان کے جانشین تاران شاہ کو قتل کر دیا لیکن ملک صالح کی بیوہ شجرۃ الدر 80 دن تک حکومت کرتی رہی اور اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور جب معز الدین ایبک کو امراء نے بادشاہ منتخب کر لیا تو شجرۃ الدر نے اس سے شادی کر لی۔ یہی ایبک مصر میں غلام خاندانوں کا بانی ہے۔ ہند و پاک کے غلام بادشاہوں اور مصر کے غلام بادشاہوں کے درمیان کئی باتوں میں جو مشابہت پائی جاتی ہے ان میں سے ایک دلچسپ مشابہت یہ بھی کہ دونوں سلطنتوں کے غلام خاندان کے بانیوں کا نام ایبک تھا اور دونوں خاندانوں میں ایک ایک عورت نے حکومت کی۔ مصر میں شجرۃ الدر نے اور دہلی میں رضیہ سلطانہ نے۔ مملوکوں کی حکومت میں باپ کے بعد بیٹا جانشین نہیں ہوتا تھا بلکہ جو غلام سردار طاقتور ہوتا تھا وہی حکومت پر قبضہ کر لیتا تھا۔ کوئی نظام نہ ہونے کی وجہ سے ہر سال ایک نیا سردار بادشاہ بن جاتا تھا؛ چنانچہ برجی مملوکوں کی 132 سال کی مختصر مدت میں 24 بادشاہ تخت پر بیٹھے۔ ان میں سے چار بادشاہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے مجموعی طور پر 84 سال حکومت کی اور مصر کو مستحکم حکومت دی۔ ان ہی میں سے ایک ملک صالح کا غلام بیبرس تھا۔ جس نے بادشاہ ہونے کے بعد ملک الظاہر کا خطاب اختیار کیا۔

سلطان الملک المنصور علی بن معز (655ھ):

اپنے باپ کے مقتول ہونے پر یہ بادشاہ ہوا۔ یہ سلطنت سے خود ہی دست کش ہو گیا۔

سلطان الملک المظفر قطوز (657ھ):

یہ شہنشاہ جلال الدین خوارزم کا بھانجا تھا جو غلامی کی صورت میں مصر پہنچا تھا اور الملک المنصور کا اتالیق مقرر ہوا۔ اس کے عہد میں عین جالوت کے میدان میں تاتاریوں کو شکست ہوئی۔

معرکہ عین جالوت:

معرکہ عین جالوت 3 ستمبر 1260ء (658ھ) میں مملوک افواج اور منگولوں کے درمیان تاریخ کی مشہور ترین

Marfat.com

جنگ جس میں مملوک شاہ سیف الدین قطز اور اس کے مشہور جرنیل رکن الدین بیبرس نے منگول افواج کو بدترین شکست دی۔ یہ جنگ فلسطین کے مقام عین جالوت پر لڑی گئی۔ اس فتح کے نتیجے میں مصر، شام اور یورپ منگولوں کی تباہ کاریوں سے بچ گئے۔ جنگ میں ایل خانی حکومت کے منگول بانی ہلاکو خان کا سپہ سالار کتبغا مارا گیا۔ ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں نے مسلمانوں کی سرزمین پر عظیم جارحیت کا ارتکاب کیا اور نتیجتاً مسلمانوں کا خلیفہ مستعصم باللہ ہلاک ہوگیا اور دارالحکومت بغداد سمیت مسلمانوں کی تین چوتھائی سرزمین تاتاریوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ سقوط بغداد کے بعد خلافت عباسیہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا جس کے بعد مسلمانوں کو شکست در شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ منگولوں نے سارے عراق پر قبضہ کرنے کے بعد شام کی سرزمین پر جارحیت کا ارتکاب کیا اور یہاں ظلم وستم کا بازار گرم کردیا کیونکہ اس علاقے کے لوگوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کردیا تھا۔ سقوط دمشق کے بعد تاتار مصر اور مراکش کی طرف بڑھے جو مسلمانوں کے آخری مضبوط گڑھ رہ گئے تھے اور اگر یہ بھی منگولوں کے قبضے میں چلے جاتے تو تمام مسلم امہ تباہ ہوجاتی۔ ہلاکو خان، خاقان اعظم منگول خان کی وفات کے باعث اپنے نائب کتبغا کو کمان دے کر خود وطن واپس روانہ ہوگیا۔ منگول کمانڈر کتبغا نے ایک دھمکی آمیز خط امیر مصر کو روانہ کیا۔ اس میں کچھ اس طرح سے لکھا۔ ''ہم نے زمین کو تاراج کردیا، بچوں کو یتیم اور لوگوں کو سزا دی اور قتل کردیا، ان کے سرداروں کی عزتوں کو خاک میں ملا دیا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہم سے بھاگ سکتے ہو؟ کچھ ہی دیر بعد تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ تمہاری طرف کیا آرہا ہے؟۔'' قطز نے منگول سفیروں کو قتل کروا کر ان کی لاشیں دارالحکومت میں لٹکا دیں جس سے افواج اور عوام کے حوصلے بلند ہوئے۔ جب قطز کا جواب منگولوں تک پہنچا تو انہیں معلوم ہوگیا کہ مصر میں انہیں ایک مختلف قسم کے رہنما کا سامنا ہوگا۔ فتح کے غرور میں مست منگول آگے بڑھتے چلے گئے اور عراق کو روندنے کے بعد شام، فلسطین اور مصر پر قبضے کی غرض سے آگے بڑھے اور عین جالوت میں ان کا ٹکراؤ مملوک افواج سے ہوا۔ قطز صرف جواب دے کر بھول نہیں گیا بلکہ اس کو اندازہ تھا کہ اس قسم کے واضح جواب کے بعد کس قسم کا ردعمل ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اس نے تیاریاں شروع کردیں۔ مسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے اس نے منتشر مسلمان سرداروں کی طرف اپنے امیر مملکت رکن الدین بیبرس کو روانہ کیا۔ اس نے منتشر سرداروں سے اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھلا کر متحد ہوجانے کا مطالبہ کیا تاکہ مشترکہ دشمن کو شکست دی جاسکے۔ قطز نے علماء سے بھی مدد اور دعا کی درخواست کی۔ اس کے قریبی اور اہم وزراء میں علماء بھی شامل تھے۔ سب سے اہم عالم جنہوں نے سلطان کی مدد کی وہ ''سلطان العلماء'' العز بن ابدیس سلام تھے۔ سلطان قطز نے بن ابدیس سلام سے فتویٰ طلب کیا تاکہ وہ عوام پر مزید جنگی ٹیکس عائد کرسکے اور مزید ہتھیار حاصل ہوسکیں۔ دیانت دار عالم نے سلطان پر یہ واضح کردیا کہ حکومت کوئی نیا ٹیکس عوام پر نہیں عائد کرسکتی جب تک کہ گورنر و وزرا اپنی ذاتی دولت اور ان کے تمام رشتہ دار اپنی تمام دولت خرچ نہ کرڈالیں۔ العز نے ان غلام سرداروں کو بھی فروخت کرنے کو کہا جو حکومت کے اہم عہدہ دار تھے مگر قانونی طور پر اپنے مالکان سے آزاد شدہ نہ تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی اس تنبیہ کی مدنظر رکھتے ہوئے کہ ''جو لوگ اپنی زمین کے وسط میں حملہ آور کا مقابلہ کریں گے وہ بے عزت ہوں گے''۔

قطز نے اپنی افواج کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر حملہ آور دشمن کا مقابلہ کریں۔ اس نے اپنا ایک ہراول دستہ بھی بیبرس کی قیادت میں غزہ، فلسطین کی طرف روانہ کیا جس نے تاتاریوں کی کچھ افواج کو وہاں مصروف کردیا اور شکست سے دوچار کیا۔ قطز کی مرکزی افواج اسی کی قیادت میں فلسطین کے ساحل کی طرف بڑھیں جہاں صلیبیوں کا مضبوط گڑھ واقع تھا۔ یہاں قطز نے صلیبیوں کو خبردار کیا کہ اگر وہ غیر جانبدار نہ رہے تو وہ منگولوں سے دو دو ہاتھ کرنے سے پہلے وہ صلیبیوں کو پیس کر رکھ سکتا

Marfat.com

ہے۔اس وقت منگولوں نے صلیبیوں سے اتحاد کرنا چاہا لیکن صلیبی قطز کی دھمکی اور مسلمانوں کی طاقت دیکھتے ہوئے غیر جانبدار رہنے پر مجبور ہو گئے۔ اس وقت وہ تعداد میں اور طاقت میں بھی بہت کمزور تھے۔ جب مرکزی مسلم افواج دشمن کی افواج کے نزدیک پہنچیں تو قطز نے میدان جنگ خود منتخب کیا جو کہ ایک وادی میں تھا جس کو پہاڑوں نے گھیرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے کچھ سپاہی پہاڑوں پر تعینات کیے تا کہ اگر صلیبی دھوکہ سے، یا منگول وغدار پیچھے کی طرف سے حملہ کریں تو دفاع کیا جا سکے۔ تاتاری ٹڈی دل آخر کار میدان جنگ میں پہنچ گیا جو کہ تینوں طرف سے گھرا ہوا تھا۔ معرکہ آرائی شروع ہوئی اور توازن تاتاری افواج کی طرف جھکتا نظر آیا۔ تاتاری افواج کا دایاں بازو مسلم افواج کے بائیں بازو پر غالب آنا شروع ہو گیا۔ مسلمان افواج نے پسپا ہونا شروع کر دیا۔ قطز ایک چٹان پر چڑھ گیا اور اپنے سر سے حفاظتی خود پھینک دیا اور پکار کر اپنی افواج کو لڑتے رہنے کی تاکید کی اور تلقین کی کہ اللہ کے دشمنوں سے جنگ میں پیچھے نہیں ہٹتے۔ مایوس ہوتی ہوئی مسلم افواج کے سرداروں نے اپنے رہنما کی طرف دیکھا تو بغیر خود کے قطز دیوانہ وار تلوار چلا رہا تھا اور دشمن کی صفوں کے درمیان گھس کر کشتوں کے پشتے لگا رہا تھا۔ قطز کی جرأت نے مسلم افواج کے سرداروں کو دم بخود کر دیا جنہوں نے فوراً قطز کی پیروی کی اور مسلم افواج کا حوصلہ بحال ہو گیا۔ کچھ ہی لمحوں میں پانسہ مسلم افواج کے حق میں پلٹ گیا۔ تاتاری افواج منتشر ہو گئیں اور ان کی ایک قابل ذکر تعداد ہلاک ہوگئی یا گرفتار ہوگئی۔ تاتاری افواج کا سردار کتبغا مارا گیا اور اس کا بیٹا بھی گرفتار ہوا۔ تاتاری افواج کا کوئی بھی فرد قتل یا گرفتار ہونے سے نہ بچ سکا کیونکہ جو تاتاری اس میدان جنگ سے بھاگ گئے وہ شام میں مارے گئے۔ جب شاندار فتح کی خبر دمشق اور گردونواح پہنچی تو مسلمان خوشی سے سرشار ہو گئے انہوں نے تاتاریوں پر حملے شروع کر دیے اور اسی سال منگولوں کو حمص سے بھی بے دخل کر دیا۔ جب تاتاریوں کو اندازہ ہوا کہ ان کی حکومت مشرقی اسلامی سرزمین پر کمزور ہو رہی ہے اور مسلمانوں نے اپنی قوت بحال کر لی ہے تو وہ اپنے وطن کی طرف بھاگے جس کی وجہ سے مملوک نے آسانی سے شام کو کچھ ہی ہفتوں میں آزاد کرانے میں کامیاب رہے۔ قطز نے ان مسلمان سرداروں کو جنہوں نے منگولوں کے خلاف جنگ میں مدد کی تھی نوازنا شروع کیا۔ اس نے کچھ ایوبی سرداروں کو ان کی سرزمین واپس کی اور اپنی حکومت میں انھیں قابل عزت وزرا کے طور پر شامل کیا۔

سلطان الملک الظاہر رکن الدین بیبرس (658ھ):

بیبرس مملوکوں کا پہلا نامور حکمران تھا۔ اس نے 1260ء سے 1277ء تک 17 سال مصر و شام پر حکومت کی۔ وہ ہلاکو خان اور دہلی کے غیاث الدین بلبن کا ہمعصر تھا۔ بغداد کو تباہ کرنے کے بعد جب ہلاکو کی فوجیں شام کی طرف بڑھیں تو سپہ سالار بیبرس اور مملوک سلطان سیف الدین قطز 1260ء میں عین جالوت کے مقام پر ان کو فیصلہ کن شکست دی اور شام سے منگولوں کو نکال باہر کیا۔ بیبرس کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے مصر و شام کو منگولوں کی تباہ کاریوں سے بچایا۔ بیبرس نے نہ صرف منگولوں کے حملے کو پسپا کیا بلکہ خود ان کے علاقوں پر حملہ آور ہوا۔ اس نے مصری سلطنت کی شمالی سرحد ایشیائے کوچک کے وسطی علاقوں تک پہنچا دی۔ بیبرس کا دوسرا بڑا کارنامہ شام کے ساحل پر قابض یورپی حکومتوں کا زور توڑنا ہے۔ یہ حکومتیں پہلی صلیبی جنگ کے زمانے سے شام کے ساحلی شہروں پر قابض تھیں۔ نورالدین اور صلاح الدین نے گرچہ اندرون فلسطین سے انہیں نکال باہر کیا تھا لیکن ساحلی شہروں پر ان کا اقتدار عرصے تک قائم رہا۔ بیبرس نے ان یورپی ریاستوں میں انطاکیہ کی طاقتور ریاست کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے کئی اور ساحلی شہر بھی فتح کیے۔ بیبرس نے مملوک سلطنت کو جنوب میں سوڈان کی طرف بھی وسعت دی اور نوبہ کا علاقہ بھی فتح کر لیا۔ اپنی انہی فتوحات اور

(کار)ناموں کی وجہ سے بیبرس کا نام مصروشام میں صلاح الدین کی طرح مشہور ہے۔ بیبرس ایک فاتح ہونے کے ساتھ (ساتھ) ایک عادل اور بیدار مغز حکمران تھا۔ اس نے دور حکومت میں کئی اہم کارنامے انجام دیے جن میں خلافت کی سلسلے کی (بحالی) بھی شامل ہے۔ بغداد میں مستعصم باللہ کی شہادت کے بعد اسلامی دنیا تین سال تک بغیر کسی خلافت کے رہی۔ اتفاق (سے) ظاہر باللہ عباسی کا ایک لڑکا ابوالقاسم احمد منگولوں کی قید سے چھوٹ کر 1262ء میں مصر آ گیا۔ بیبرس اس کو عزت و (احترا)م کے ساتھ قاہرہ لایا اور اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی اور مصر میں اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ اس (طرح) عباسی خلافت بغداد سے قاہرہ منتقل ہو گئی۔ مصر کے یہ عباسی خلفاء صرف نام کے ہوتے تھے اور اصل اقتدار مملوک (سلطا)نوں کے پاس ہوتا تھا۔

(سلط)ان الملک سعید محمد ناصر الدین (676ھ):

یہ سلطان بیبرس کا بیٹا تھا اسے ایک سال کے اندر ہی لوگوں نے اسے معزول کر دیا۔

(سلط)ان الملک عادل بدرمش الدین (678ھ):

بیبرس کا دوسرا بیٹا چار مہینے کے اندر ہی یہ تخت سے اُتارا گیا اور اس طرح خاندان بیبرس کا خاتمہ ہو گیا۔

(سلط)ان الملک منصور ابوالمعانی قلادوٗن صالحی (678ھ):

مملوکوں کا دوسرا امتیاز حکمران منصور قلادوٗن ہے جو بیبرس کے دو سال بعد تخت نشین ہوا۔ وہ بھی بیبرس کی طرح (ملک) صالح کا غلام تھا۔ اس کا تعلق دشت قپچاق سے تھا۔ قلادوٗن کے عہد میں ایل خانی حکمرانوں اباقا خان اور ارغون نے (یورپ) کے عیسائیوں کو مصر کے خلاف ایک نئی صلیبی جنگ شروع کرنے اور بیت المقدس کو فتح کرنے کی ترغیب دی۔ اباقا (خان) نے عیسائیوں کے تعاون سے شام پر حملہ بھی کیا لیکن قلادوٗن نے حمص کے پاس 1280ء میں اباقا خان کو شکست (دے ک)ر اس منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ بیبرس کی طرح قلادوٗن نے بھی سرزمین شام پر عیسائی نو آبادیوں کے خلاف مہم جاری (رکھی) اور لاذکیہ اور طرابلس کو یورپی فوجوں سے چھین لیا۔ قلادوٗن کے بعد اس کے بیٹے اشرف جلال نے عکہ، صور، صیدا، (بیروت ا)ور دیگر شہروں کو بھی فتح کر لیا اور اس طرح ساحل شام سے یورپی مسیحیوں کا اقتدار ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

(سلط)ان الملک اشرف صلاح الدین خلیل (689ھ):

ملک اشرف خلیل کے بعد 4، 5 سال بدستور بدامنی رہی اور مصر کے تخت پر کئی سرداروں نے قبضہ کیا اور بے دخل (کیے گئ)ے۔ سلطان الملک اشرف صلاح الدین دشمنوں کی سازش سے 693ھ میں مارا گیا۔

(سلط)ان الملک ناصر محمود بن قلادوٗن (693ھ):

بالآخر اس خانہ جنگی میں منصور قلادوٗن کا بیٹا محمد کامیاب ہوا۔ وہ تین مرتبہ تخت پر بیٹھا لیکن اگر اس ایک سال کی (مدت) کو نکال دیا جائے جب 1308ء میں ایک دوسرے سردار بیبرس جاشنکیر نے اس کو بے دخل کر دیا تھا، تو محمد نے (12..)ء سے 1341ء تک پورے 42 سال مسلسل حکومت کی۔ مصر کے مملوک حکمرانوں میں اس کا دور سب سے طویل (اور ش)اندار رہا۔ بادشاہ ہونے کے بعد اس نے ملک الناصر محمد کا خطاب اختیار کیا۔ ایل خانی بادشاہ غازان خان، الجایتو خدا (بندہ) اور ابوسعید اس کے ہمعصر تھے اور دہلی کے بادشاہوں میں علاؤالدین خلجی، غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق اس کے ہم

Marfat.com

زمانہ تھے۔ ملک الناصر کے عہد میں ایل خانی منگولوں نے، جواب مسلمان ہو چکے تھے، دو مرتبہ شام پر حملہ کیا۔ 1299ء میں پہلے حملے میں وہ دمشق تک آ گئے تھے جبکہ دوسرے حملے میں بھی وہ دمشق تک پہنچ گئے لیکن اس مرتبہ دمشق کے جنوب میں جنگ مرج الصفر میں 1303ء میں سلطان ناصر محمد نے منگولوں کو ایسی شکست دی کہ انہوں نے پھر کبھی شام کا رخ کیا۔ اس جنگ میں مشہور عالم دین اور مصلح ابن تیمیہ نے نمایاں حصہ لیا۔ ملک ناصر کے عہد میں نوبہ کی تسخیر مکمل ہوئی جس کا آغاز بیبرس کے دور میں ہوا تھا۔ اس کے زمانے میں فن تعمیر نے بہت ترقی کی، ناصر کو عمارتیں بنوانے سے بہت دلچسپی تھی اور اس نے قاہرہ کو ایک حسین شہر بنا دیا۔ اس کے اصلاحی کاموں میں قابل ذکر شراب پر پابندی ہے۔

سلطان الملک مظفر بیبرس الجاشنگیر:

یہ ایک مملوک غلام تھا جو غلامی سے ترقی کرتا ہوا سلطان سیف الدین قلاوون کے دربار تک پہنچا۔ سلطان قلاوون خود بھی مملوک تھا اور بیبرس میں فوجی صلاحیتیں بھی موجود تھیں لہٰذا اسے فوج میں منصب داری دے دی گئی۔ سلطان قلاوون کے بعد اس کا بیٹا الاشرف خلیل سلطان بنا اس نے دربار میں اپنے مخالفین کو دبانے کے لئے بیبرس کو ترقی دے کر امیر مقرر کیا۔ بیبرس دوئم کی خدمات سے سلطان الاشرف خلیل نے بہت فائدہ اٹھایا اور صلیبیوں کو جن جنگوں میں پے در پے شکستیں دیں۔ ان میں 1291ء جنگ عقبہ بہت اہم ہے۔ عقبہ جو یروشلم کی شکست کے بعد صلیبیوں کا ارض مقدس میں سب سے مضبوط ٹھکانہ تھا شکست کے بعد ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ جس کے بعد انھیں پے در پے شکستیں اٹھانا پڑیں مشہور ہے کہ جب عقبہ کو فتح کرنے کے بعد سلطان نے ایک چھوٹا سا دستہ امیر سنجر کی قیادت میں قریبی قلعے صور بھیجا صلیبی جو اس پر قبضہ کئے بیٹھے تھے اتنے گھبرائے کہ مقابلہ کئے بغیر فرار ہو گئے۔

سلطان الاشرف خلیل کی سازشی موت کے بعد اس کے چھوٹے بھائی الناصر محمود کو سلطان بنایا گیا جو اس وقت صرف آٹھ برس کا تھا۔ سلطان الناصر محمود کے دوسرے دور حکومت میں بیبرس کو مزید ترقی کا موقع ملا اور وہ سلطان کا نائب مقرر کیا گیا۔ اس دوران منگول ایک بار پھر شام پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے۔ بیبرس نے جو کہ اس وقت دمشق میں سلطان کی نیابت کر رہا تھا سلطان کو منگول سرگرمیوں کی خبر کر دی جس پر وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ دمشق کی حفاظت کے لئے پہنچ اور منگول جو سپہ سالار قتلغ شاہ کی قیادت دمشق کی سرحد پر پہنچ چکے تھے کو 1303ء میں بیبرس نے جنگ مرج السفر میں شکست سے دوچار کیا۔ اس جنگ میں اس نے کھل کر اپنی جنگی صلاحیتوں کا اظہار کیا اور نتیجتاً نوجوان سلطان اس سے دبنے لگا۔ بیبرس نے تیزی سے امراء اور فوج کے درمیان اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کیا اور ایک وقت آیا کہ سلطان الناصر محمود کو مصر سے کرک فرار ہونا پڑا۔ بیبرس تو یہی چاہتا تھا۔ اس نے مصر کا تخت خالی ہوتے ہی اس پر قبضہ کر لیا 1308ء میں اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ سلطان بنتے ہی اس نے الملک المظفر رکن الدین بیبرس الجاشنگیر المنصور کا لقب اختیار کیا۔ وہ بارھواں مملوک سلطان بنا۔ اس کا مختصر دور تقریباً 11 ماہ زیادہ تر معاشی اور جنگی افراتفری شکار رہا۔ ملک میں غربت بڑھی بدامنی میں اضافہ ہوا اور عوام چند ماہ میں ہی اس سے نفرت کرنے لگے۔ اس نے مسائل کا کوئی تدارک نہیں کیا بلکہ عوام پر سختی شروع کی جس کا نتیجہ مزید خراب نکلا۔ اس کے دور میں امراء اور فوجی بھی ر بن گئے تھے۔ بیبرس نے ان پر بھی سختی کی مگر سوائے اپنی اہمیت کم کروانے کے اور کچھ نہیں کر سکا۔ وہ ایک بے صلاحیت حکمران تھا اور اسی کو دیکھتے ہوئے صلیبی مصر پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک بار پھر پر تولنے لگے۔ دوسری طرف اسے منگول دانت دکھانے لگے۔ بیبرس کو آخر کچھ نہ سوجھی اور ایک شب قاہرہ سے فرار ہونے کی کوشش میں پکڑا گیا۔ اس وقت اس

ی کی صورت سے بھی بے زار ہو چکے تھے معزول سلطان الناصر محمود کا نام اب دوبارہ ہر شہری کی زبان پر سنائی دینے لگا۔ لطان الناصر محمود نے بڑی شان سے آ کر تیسری مرتبہ تخت سنبھالا۔ بیبرس کو اس سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے رحم کی واست کی مگر سلطان نے اسے موت کی سزا دی۔ ذیل میں دیگر مملکو سلاطین کی فہرست دی جا رہی ہے۔

سلطان الملک العادل کتبغا منصوری

سلطان الملک منصور حسام الدین

سلطان الملک مظفر رکن الدین

سلطان الملک منصور ابوبکر (741ھ)

سلطان الملک اشرف کجک (741ھ)

سلطان الملک ناصر احمد (742ھ)

سلطان الملک صالح اسمٰعیل ابوفدا ایوبی (745ھ)

سلطان الملک کامل شعبان (746ھ)

سلطان الملک مظفر حاجی (747ھ)

سلطان الملک ناصر حسن (748ھ)

سلطان الملک صالح (762ھ)

سلطان الملک منصور بن حاجی (765ھ)

سلطان الملک اشرف شعبان (767ھ)

سلطان الملک منصور علی (778ھ)

سلطان الملک صالح حاجی (783ھ)

سلطان الملک ظاہر برقوق (792ھ)

سلطان الملک ناصر فرخ (801ھ)

سلطان الملک منصور عبدالعزیز (805ھ)

سلطان الملک ابونصر شیخ (808ھ)

سلطان مظفر احمد ابن موید (810ھ)

سلطان الملک ظاہر ططر ابوالفتح (811ھ)

سلطان الملک صالح محمد (824ھ)

سلطان الملک اشرف ابوالنصر برسائی (824ھ)

سلطان عبدالعزیز ابوالمسی (841ھ)

سلطان الملک ظاہر ابوسعید علی ابن اینال (841ھ)

سلطان الملک منصور عثمان (857ھ)

سلطان الملک اشرف ابوالنصر (857ھ)

Marfat.com

سلطان موید احمد (865ھ)

سلطان الملک ظاہر ابو سعید خوش قدم (865ھ)

سلطان الملک ظاہر ابو سعید ملبائی (892ھ)

سلطان الملک ظاہر ابو سعید تمر بغا (892ھ)

سلطان الملک اشرف ابو النصر قاتیتن بائی (892ھ)

سلطان الملک ناصر محمد ابو السعادات (901ھ)

سلطان الملک اشرف قانصوہ (904ھ)

سلطان الملک ظاہر ابو سعید قانصوہ (904ھ)

سلطان الملک اشرف جن بلاط (906ھ)

سلطان الملک عادل خوبان بائی (957ھ)

سلطان الملک اشرف ابو النصر قانصوہ غوری (907ھ):

15 برس تک یہ بادشاہ رہا۔ سلیم اول سلطان ترکی نے حملہ کیا اور اس کو اذیت پہنچائی۔ جنگ مرج دابق 24 اگست 1516ء (922ھ) کو عثمانی اور مملوکوں کے درمیان لڑی گئی۔ عثمانی و مملوک سلطنتوں میں تعلقات خراب ہوتے سلطان سلیم اول نے مصر پر حملے کا فیصلہ کیا اور شام اور مصر کی جانب پیش قدمی کی۔ 1516ء میں شام میں حلب میں مرج دابق کے مقام پر سلطان سلیم اور مملوک سلطان قانصوہ غوری کے درمیان مقابلہ ہوا۔ مملوکوں کو شکست ہوئی قانصوہ غوری مارا گیا۔ اس فتح کے نتیجے میں حمص، حماۃ اور دمشق کے شہر سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو گئے۔

سلطان الملک اشرف طومان بے (933ھ):

سلطان سلیم نے بمقام رضوانیہ مملوک سلطان طومان بے کو بھی شکست دی اور 923ھ میں خاندان چراکسہ کا خاتمہ ہو گیا اور مصر دولت عثمانیہ میں داخل ہو گیا۔ سلیم کی چڑھائی تک مصر میں خلفائے عباسیہ کا سلسلہ قائم رہا تھا۔ (مستعصم) خلیفہ بغداد کی ہلاکت کے بعد خلفائے عباسیہ بغداد سے الگ ہوئے لیکن بلاد اسلام سے الگ نہیں ہوئے سلسلہ مصر میں قائم تھا۔ دینی امور میں سلاطین مصر انہیں پیشوا مانتے تھے۔ سلیم نے خلافت کا لقب اپنے لئے عباسی مستمسک باللہ سے حاصل کیا اور پھر اس کے بعد عباسیوں کی خلافت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا۔ مستعصم آخری خلیفہ بغداد کے بعد جتنے عباسی خلفا مصر میں ہوئے اُن کے نام ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

1-	مستنصر باللہ ثانی بن ظاہر بامر اللہ بن ناصر الدین اللہ	659ھ
2-	حاکم بامر اللہ بن مسترشد باللہ	660ھ
3-	مستکفی باللہ بن حاکم بامر اللہ	701ھ
4-	واثق باللہ	702ھ
5-	حاکم بامر اللہ بن مستکفی	742ھ
6-	معتضد باللہ	753ھ

Marfat.com

7- متوکل علی اللہ 763ھ
8- مستعصم باللہ بن محمد ابراہیم 788ھ
9- مستعین باللہ 808ھ
10- معتضد باللہ 815ھ
1- مستکفی باللہ سلیمان متوکل 845ھ
1- قاسم بامراللہ بن متوکل 858ھ
1- مستعصد باللہ بن متوکل 858ھ
1- متوکل علی اللہ بن یعقوب بن متوکل 872ھ
1- مستمک باللہ 903ھ

923ھ کے بعد یعنی دولت چراکسہ کے ختم ہونے اور سلیم شاہ ترکی کے فتح پانے کے بعد مصر کا مالک دولت عثمانیہ کا
ک صوبہ ہوگیا۔ دولت عثمانیہ کے گورنر یہاں مقرر ہوکر آتے رہے۔ یہ گورنر وزراء کہلاتے تھے اور پاشا لقب سے مشہور
ے ان میں سے مشہور گورنروں کے نام محمد پاشا گرجی، حسن پاشا، محمد پاشا، محمد پاشا صوفی، احمد پاشا، محمد علی پاشا ہیں۔

ملوک سلطنت اجمالی جائزہ

مملوک قرون وسطی میں مسلم خلفاء اور ایوبی سلاطین کے لئے خدمات انجام دینے والے مسلم سپاہی تھے۔ وقت
ے ساتھ ساتھ وہ زبردست عسکری قوت بن گئے اور ایک سے زیادہ مرتبہ حکومت بھی حاصل کی جن میں طاقتور ترین مصر
ں 1250ء سے 1517ء تک قائم مملوک سلطنت تھی۔ اولین مملوک سپاہیوں نے 9ویں صدی میں عباسی خلفاء کے لئے
مات انجام دیں۔ عباسی انہیں خصوصاً قفقاز اور بحیرہ اسود کے شمالی علاقوں سے بھرتی کرتے تھے۔ چرکسیوں کے سوا اکثر
ری غیر مسلم نسل سے تعلق رکھتے تھے جو اسلام قبول کرنے کے بعد خلیفہ کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالتے تھے۔ مملوک
ام کے تحت حکمرانوں کو ایسے جانباز سپاہی میسر آئے جنہیں کاروبار سلطنت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ مقامی جنگجو اکثر سلطان
غلیفہ کے علاوہ مقامی قبائل کے شیوخ، خاندان یا اعلیٰ شخصیات کے فرمانبردار ہوتے تھے۔ اگر کوئی سردار حکمران کے
اف بغاوت کرتا تو ان سپاہیوں کی جانب سے بھی بغاوت کا خدشہ رہتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں شہسوار
سالوں میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ ان کی تربیت میں شہسوار دستوں کی حکمت عملی کی ترتیب، شہسواری، تیر اندازی اور ابتدائی
ں امداد کی تربیت شامل تھی۔ مملوک چھاؤنیوں میں رہتے تھے جہاں وہ تیر اندازی اور دیگر صحت مند تفریح کے ذریعے اپنا
ں بہلاتے تھے۔ تربیت مکمل کرنے کے بعد وہ غلام نہیں رہتے تھے۔ سلطان مملوک فوج کو براہ راست اپنی کمان میں رکھتا
تا کہ وہ مقامی قبائل کی جانب سے بغاوت کی صورت میں اسے استعمال کر سکے۔ غلاموں کے ساتھ مسلمانوں کے اعلیٰ
وک کی واضح مثال ان مملوک سپاہیوں کا اونچے عہدوں تک پہنچنا ہے جن میں سپہ سالاری تک شامل ہے۔

1206ء میں ہندوستان میں مسلم افواج کے مملوک کمانڈر قطب الدین ایبک خود کو سلطان قرار دیتے ہوئے پہلے
زاد سلطان ہند بن گئے اور خاندان غلاماں کی بادشاہت کی بنیاد رکھی جو 1290ء تک قائم رہی۔ مصر میں مملوک سلطنت
ے ایوبی سلطنت سے جنم لیا جسے 1174ء میں عظیم مجاہد صلاح الدین ایوبی نے تشکیل دیا ہے۔ 1169ء میں اپنے چچا
رکوہ کی جانب سے دمشق کے زنگی سلطان نور الدین زنگی کے لئے مصر فتح کرنے اور 1189ء میں بیت المقدس کی فتح

کے بعد صلاح الدین نے مشرق وسطی میں اپنے خاندان کی گرفت مضبوط کر دی۔

برجی مملوک:

1382ء میں اقتدار برجی مملوکوں نے حاصل کیا۔ برجی مملوک قاہرہ میں قلعے کے برجوں پر تعیناتی کے باعث برجی مملوک کہلاتے تھے جن کی اکثریت چرکسیوں پر مبنی تھی۔ خود مختار مملوک سلطنت 1517ء تک قائم رہی جب سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیم اول نے جنگ مرج دابق اور جنگ ردانیہ میں مملوک سلطان قانصوہ غوری کو شکست دے کر ختم کر دیا۔ تاہم مملوک عثمانی سلطنت کے زیر انتظام بھی کام کرتے رہے لیکن انہیں پہلے جیسے اختیارات حاصل نہیں رہے۔ 1768ء میں سلطان علی بے الباقر نے عثمانیوں سے آزادی کا اعلان کیا لیکن مملوکوں نے اس تحریک کو سختی سے کچل دیا۔ اس موقع پر جارجیا سے نئے مملوک بھرتی کیے گئے۔ نپولین نے 1798ء کو مصر پر حملے میں مملوکوں کو شکست دی۔ 1801ء میں فرانسیسی دستوں کی روانگی کے بعد مملوکوں نے سلطنت عثمانیہ اور برطانیہ سے آزادی کے لئے جدوجہد جاری رکھی۔ 1803ء میں مملوک رہنماؤں ابراہیم بیگ اور عثمان بیگ نے روسی جنرل قونصل کو خط لکھا کہ وہ سلطان اور ان کے درمیان ثالث کا کردار ادا کریں تا کہ وہ جنگ بندی کے بعد اپنے آبائی وطن جارجیا جا سکیں۔ استنبول میں روسی سفیر نے ثالثی سے انکار کر دیا کیونکہ اسے جارجیا میں مملوکوں کی واپسی سے خطرہ تھا جہاں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی اور مملوکوں کی واپسی سے اسے مزید توانائی ملتی۔ 1805ء میں قاہرہ میں بغاوت پھوٹ گئی جو مملوکوں کے لئے اقتدار حاصل کرنے کا بہترین موقع تھا لیکن وہ اپنے داخلی مسائل کے باعث وہ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ 1806ء میں مملوکوں نے کئی مرتبہ ترک افواج کو شکست دیں اور جون کے مہینے میں دونوں افواج نے امن معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ جس کے تحت 26 مارچ 1806ء کو مصر کے گورنر مقرر کئے گئے محمد علی پاشا کو عہدے سے ہٹا دیا گیا اور مصر کا ریاستی انتظام ایک مرتبہ پھر مملوکوں کے حوالے کر دیا گیا۔ لیکن مملوکوں کی داخلی کشیدگی اور تنازعات نے انہیں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانے دیا اور محمد علی اپنی طاقت برقرار رکھنے میں کامیاب رہا۔

مصر میں مملوکوں کی طاقت کا خاتمہ:

محمد علی پاشا اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اسے مصر پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا ہے تو اسے مملوکوں سے سودے بازی کرنا ہوگی۔ وہ اب بھی مصر کی زمینوں کے مالک ہیں اور ان کی زمینیں اب بھی دولت وطاقت کا ذریعہ ہیں۔ 11 مارچ 1811ء کو محمد علی نے عرب میں وہابیوں کے خلاف اعلان جنگ کا جشن منانے کے لئے تمام مملوکوں کو محل میں مدعو کیا۔ قاہرہ میں منعقدہ اس تقریب میں تقریباً چھ سات سو مملوک شریک تھے۔ مکتب پہاڑی سے نیچے آتی ہوئی ایک تنگ شاہراہ پر باب العزب دروازوں کے قریب محمد علی کی افواج نے ان پر حملہ کرتے ہوئے تقریباً تمام مملوکوں کو قتل کر دیا۔ روایت ہے کہ صرف ایک مملوک جس کا نام حسن تھا زندہ بچا۔ اگلے چند ہفتوں میں مصر بھر میں سینکڑوں مملوکوں کو قتل کیا گیا۔ صرف قاہرہ کے قلعے میں ایک ہزار مملوک قتل ہوئے۔ مصر بھر کی گلیوں میں تقریباً تین ہزار مملوک اور ان کے رشتہ دار قتل ہوئے۔ مصر میں مملوکوں کو ختم کرنے کی محمد علی کی ان کوششوں کے باوجود ان کا ایک گروہ جنوب کی طرف موجودہ سوڈان میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ 1811ء میں ان مملوکوں نے دنقولہ، سینار میں ریاست قائم کر لی۔ عثمانی سلطنت کے دور حکومت میں 18ویں صدی میں بغداد کے مملوکوں نے آزادی کا اعلان کر دیا اور 1832ء میں عثمانیوں کی دوبارہ فتح تک خود مختار رہے۔

Marfat.com

نے 19 ویں صدی کے اوائل میں اپنی فوج میں مملوک کو تشکیل دی جو دنیا کی آخری مملوک فوج تھی۔ نپولین کا مشہور ذاتی محافظ روستان مصر سے تعلق رکھنے والا مملوک تھا۔

جنگ اہرام:

جنگ اہرام 21 جولائی 1798ء کو فرانس کے فرمانروا نپولین بوناپارٹ کی زیر قیادت افواج اور مصری مملوکوں کے درمیان لڑی جانے والی ایک جنگ تھی۔ یہ جنگ مصر میں فرانسیسی حملوں کے سلسلے میں لڑی گئی جنگوں کا حصہ تھی جس میں بوناپارٹ نے نئی جنگی حکمت عملی کا استعمال کرتے ہوئے فتح حاصل کی۔ نپولین نے اس جنگ کو جنگ اہرام کا نام دیا تھا حالانکہ اہرام مصر اس مقام سے کچھ فاصلے پر تھے لیکن میدان جنگ سے انہیں واضح دیکھا جا سکتا تھا۔ نپولین کے ہاتھوں اسکندریہ کی فتح کے بعد اس جنگ میں بدترین شکست مملوکوں کے مصر میں 700 سالہ اثر و رسوخ کے خاتمے کا نقطہ آغاز ثابت ہوئی۔ نپولین کی جنگی حکمت عملیوں اور جدید فوج کے سامنے روایتی جنگی ساز و سامان اور تکنیک سے لیس مملوک فوج کی ایک نہ چلی اور بھاری نقصان اٹھانے کے بعد مصر میں ان کے اقتدار کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ مملوک سردار مراد بے شکست کے بعد فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور کچھ عرصہ تک بالائی مصر میں اس نے گوریلا جنگ جاری رکھی۔ فرانسیسیوں کی اس عظیم الشان فتح کا نشہ محض دس دن برقرار رہا کیونکہ برطانیہ نے اسکندریہ کے قریب خلیج ابوقیر میں موجود فرانسیسی بیڑے کو تباہ کر کے نپولین کے مشرق وسطیٰ پر قبضے کے خواب کو چکنا چور کر دیا تھا۔ یہ بحری جنگ جنگ نیل یا جنگ خلیج ابوقیر کہلاتی ہے۔ جنگ نیل اگست 1798ء کو مصر میں سلطنت برطانیہ اور فرانس کی افواج کے مابین لڑی گئی۔ اس کے نتیجے میں مصر میں فتوحات سمیٹنے والی نپولین بوناپارٹ کی فوج کی رسد کٹ گئی اور وہ محصور ہو کر رہ گئی۔ اندازہ ہے کہ فرانس کو اس جنگ میں تقریباً 1700 جانوں کا نقصان اٹھانا پڑا جبکہ اس کے تین ہزار فوجی گرفتار ہوئے۔ برطانیہ کے صرف 218 فوجی اس جنگ میں مارے گئے۔

صنعتی ترقی اور جدیدیت:

محمد علی نے مصر میں کپاس کی صنعت کو فروغ دیا اور ملک بھر میں کسانوں کو کپاس کی کاشت پر آمادہ کیا۔ اس کے علاوہ اس نے جدید تعلیمی اداروں، سڑکوں، نہروں اور صنعتوں کا جال بچھا دیا اور اسکندریہ میں بحری جہاز سازی کا کارخانہ قائم کیا۔ اس نے قاہرہ کو جدید بنیادوں پر استوار کیا اور اسے ایک جدید شہر بنایا۔

سوڈان پر قبضہ:

محمد علی کی نظریں سوڈان کی سرزمین پر گڑی ہوئی تھیں اور اس نے 1820ء میں سوڈان پر جارحیت اور اس پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ محمد علی کی افواج 1821ء میں سوڈان میں داخل ہوئیں۔ انہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا لیکن بہتر تنظیم اور آتشیں اسلحے کی بدولت مصری افواج کامیاب ہوئیں۔

سلطان کے خلاف بغاوت:

20 اکتوبر 1827ء کو عثمانی نمائندے محرم بے کی زیر کمان مصری بحریہ کا پورا بیڑہ یورپ کے اتحادی بیڑے کے ہاتھوں تباہ ہو گیا۔ اس عظیم نقصان پر محمد علی نے شام کی مصر میں شمولیت کا مطالبہ کیا۔ لیکن سلطان نے اس مطالبے کو ٹھکرا دیا۔ محمد علی نے نیا بحری بیڑہ اور نئی فوج تشکیل دی اور 31 اکتوبر 1831ء کو ابراہیم پاشا کی قیادت میں شام پر مصری

Marfat.com

جارحیت کا آغاز ہوا۔ مصری افواج فتوحات پر فتوحات حاصل کرتے ہوئے عکہ تک پہنچ گئیں جہاں 6 ماہ کے محاصرے کے بعد 27 مئی 1832ء کو داخل ہوئیں۔ اب ان افواج کی شمال کی اناطولیہ میں پیشقدمی کا آغاز ہوا۔ 21 دسمبر 1832ء کو جنگ قونیہ میں ابراہیم پاشا نے عثمانی فوج کو زبردست شکست دی۔ محمد علی کی اس جارحیت کا مقصد عثمانی سلطنت کا خاتمہ نہیں بلکہ مصر کی آزاد حیثیت کا قیام اور سلطان محمود ثانی کی سبکدوشی تھی۔ ان خطرات کے پیش نظر محمود ثانی نے روس کی جانب سے عسکری مدد کی پیشکش قبول کرلی اور 1833ء میں معاہدے کے بعد محمد علی نے اناطولیہ سے افواج نکال لیں اسے کریٹ اور حجاز کا علاقہ بھی دیا گیا اور ابراہیم پاشا کو شام کا والی مقرر کیا گیا۔

1839ء میں شام کی نیم خودمختاری پر عدم اطمینان کے باعث محمد علی نے ایک مرتبہ پھر سلطان کی افواج کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ جب محمود ثانی نے اپنی افواج کو شامی سرحدوں پر پیش قدمی کی ہدایت دی تو ابراہیم نے حملہ کر کے 24 جون 1839ء کو عرفہ کے مقام پر جنگ نزب میں انہیں تباہ کردیا۔ جنگ قونیہ کے باعث دارالحکومت قسطنطنیہ کو خطرہ لاحق ہوگیا اور اس نازک موقع پر محمود ثانی کا انتقال ہوگیا جس کے بعد اس کے 16 سالہ بیٹے عبدالمجید نے اقتدار سنبھالا۔ اس موقع پر محمد علی اور ابراہیم نے پیشقدمی کے بارے میں غور کیا، ابراہیم کا کہنا تھا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرلیا جائے جبکہ محمد علی علاقوں کی حوالگی اور سیاسی خودمختاری کا مطالبہ کرنے کے حق میں تھا۔ 15 جولائی 1840ء کو برطانیہ، آسٹریا، روس اور پرشیا نے لندن کنونشن پر دستخط کئے جس کی رو سے محمد علی کو مصر پر حکمران تسلیم کرلیا گیا اور شام اور لبنان کے ساحلی علاقوں سے افواج کے اخراج کے بدلے عکہ کی تاحیات گورنری کی پیشکش دی گئیں۔ محمد علی نے ان شرائط کو مسترد کردیا اور بعد ازاں فرانس کی مخالفت کے باوجود اگلے چند ہفتوں میں کثیر القومی یورپی عسکری مہم کا آغاز کیا گیا۔

برطانوی اور آسٹرین بحریہ نے نیل کے ڈیلٹا کی ساحلی پٹی پر تجارتی گزرگاہ روک لی اور 11 ستمبر 1840ء کو بیروت پر گولہ باری کی۔ 3 نومبر 1840ء کو عکہ پر قبضہ کرلیا جس پر 27 نومبر کو محمد علی نے کنونشن کی شرائط منظور کرلیں۔ اسے کریٹ اور حجاز سے بھی محروم ہونا پڑا۔ اس کے علاوہ وہ اپنی بحری و بری فوج کو 18 ہزار افراد تک محدود کرنے پر بھی رضامند ہوگیا۔ ان شرائط کو منظور کرنے پر اسے اور اس کی اولاد کو مصر پر حکمرانی کی اجازت دی گئی۔

اپنے دور عروج پر محمد علی پاشا اور اس کے بیٹے ابراہیم پاشا کی عسکری قوت نے بلاشبہ عثمانی سلطنت کی بقا کو خطرات لاحق کردیے لیکن عالمی قوتوں کی مداخلت نے مصری افواج کی قسطنطنیہ کی جانب پیشقدمی روک دی اور اس طرح اس کی حکومت کو افریقہ تک محدود کردیا۔ محمد علی نے اپنے دور حکومت کے ابتدائی دور میں سوڈان فتح کیا اور اس کے جانشینوں نے اس قبضے کو مزید مضبوط کیا اور اس کو توسیع بھی دی، جن میں سب سے اہم ابراہیم پاشا کا بیٹا اسماعیل اول ہے۔

محمد علی پاشا کی جدیدیت پسندی نے جہاں مصر کو زراعت اور صنعت کے اعتبار سے ترقی ملی وہیں ترقیاتی کاموں پر اندھا دھند رقم خرچ کرنے سے مصر قرضوں میں جکڑ گیا۔ دیوان مالیہ کے مطابق مصر پر 80 ملین فرانک (400,00 پاؤنڈ) قرضہ تھا۔ ایک سال بعد ابراہیم تپ دق کا شکار ہوگیا اور اسے اٹلی بھیج دیا گیا جبکہ 1846ء میں محمد علی نے قسطنطنیہ کا دورہ کیا۔ ابراہیم کی وفات کے وقت محمد علی بھی بیمار پڑ گیا اس لئے اسے ابراہیم کے انتقال کی خبر نہ دی گئی اور چند ماہ بعد 2 اگست 1849ء کو محمد علی بھی چل بسا۔ اسے قاہرہ میں اس کی اپنی تعمیر کردہ محمد علی مسجد میں سپرد خاک کیا گیا۔

ابراہیم پاشا:

ابراہیم پاشا جدید مصر کے بانی محمد علی پاشا کا فرزند تھا جو میدان سیاست اور جنگ دونوں میں یکساں صلاحیت رکھتا

Marfat.com

تھا۔ مصر میں مملوکوں سے لڑا اوران پر فتح پائی۔ جزیرہ عرب میں وہابی تحریک کے علمبرداروں کے خلاف اپنا لوہا منوایا۔ مورہ میں یونانیوں پر اپنی دھاک جمائی اور شام اور اناطولیہ میں ترکوں کو شکست دی۔ ان کامیابیوں اور فتوحات نے سیاسی اثر رسوخ بہت وسیع کر دیا تھا۔

اسماعیل اوّل:

دور حکومت (1863ء،1879ء)

اس کے عہد میں نہر سویز تعمیر ہوئی، ریلیں نکالی گئیں، بینک قائم ہوئے اور تجارت کو جدید طرز پر منظم کیا گیا۔ اسماعیل پاشا نے بحری فوج پر بے انداز روپیہ خرچ کیا۔ جس کی وجہ سے حکومت مغربی طاقتوں کی مقروض ہوگئی اور برطانیہ نے دباؤ ڈال کر اس قرضے کے عوض نہر سویز کے حصص خرید لیے۔ مغربی طاقتوں کی سازشوں سے ملک میں بے اطمینانی پھیل گئی۔ چنانچہ 1879ء میں اسماعیل پاشا کو معزول کر دیا گیا۔ محمد علی اور اس کے جانشیں خدیو کا لقب استعمال کرتے تھے لیکن عثمانی دربار نے 1867ء تک اس لقب کی منظوری نہیں دی جبکہ سلطان عبدالعزیز نے باضابطہ طور پر اسماعیل پاشا اور اس کے جانشینوں کے لیے اس لقب کی منظوری دی۔ عثمانی سلطنت کے خلاف دادا کی جارحانہ حکمت عملی کے برعکس اسماعیل کی توجہ کم سے کم ٹکراؤ کے ذریعے مصر اور اپنے خاندان کو مزید مضبوط کرنے پر مرکوز رہی، اور انہی اقدامات کے باعث وہ عثمانی سلطنت کی جانب سے مصر کی نیم آزادی تسلیم کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ 1879ء میں اس آزادی کو بھی دھچکا پہنچا جب سلطان نے عالمی قوتوں کے ساتھ مل کر اسماعیل کو اپنے بیٹے توفیق اول کے حق میں دستبردار کرانے کا منصوبہ بنایا۔ تین سال بعد برطانیہ کی جارحیت اور ملک پر قبضے سے قبل مصر کی آزادی میں مزید اضافہ ہوا۔ حالانکہ اس کے بعد بھی مصر اور سوڈان پر نام کے خدیو ہی حکمران تھے لیکن حقیقی اقتدار اور قوت برطانوی ہائی کمشنر کے ہاتھ میں تھی۔ مصر کے برخلاف برطانیہ سرکاری طور پر سوڈان کو مصر و برطانیہ کی مشترکہ ملکیت سمجھتا تھا جو مصر کے مکمل حصے کے بجائے برطانیہ اور مصر کا مشترکہ علاقہ ہے۔ مصری حکومتی اور عوامی دونوں سطحوں اس کی کھل کر مخالفت کرتے رہے اور ان کا مطالبہ "وادی نیل کا اتحاد" رہا اور یہ مسئلہ 1956ء میں سوڈان کی آزادی تک برطانیہ اور مصر کے درمیان تنازع کا باعث بنا رہا۔ مصری مسلمان رعایا کبھی کبھی انگریزوں کی مداخلت سے ناخوش ہو جاتی ہے لیکن انگریزوں نے حقوق حاصل کر لیے تھے۔ محمد توفیق پاشا نے 1894ء میں انتقال کیا اور شروع 1895ء میں اسمٰعیل پاشا معزول خدیو نے بھی انتقال کیا۔ محمد توفیق پاشا کا بیٹا محمد عباس پاشا خدیو مصر ہوا۔

حسین کامل پاشا:

1914ء میں خدیو عباس ثانی نے عثمانی سلطنت کی حمایت کا اعلان کر دیا اور اس اعلان کے باعث ہی برطانیہ نے اسے ہٹا کر حسین کامل کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس طرح عثمانیوں کے مصر پر حق حاکیت کا باضابطہ خاتمہ ہوگیا، حسین کو مصر و سوڈان کا سلطان قرار دیا گیا ہے اور ملک برطانوی سرپرستی میں آگیا۔ قوم پرستی کے عنصر کے پھیلنے کے ساتھ برطانیہ نے 1922ء میں مصر کی آزادی کو تسلیم کر لیا اور حسین کے جانشیں سلطان فواد اول نے نئے سلطان کی حیثیت سنبھالی۔ حالانکہ برطانیہ کا قبضہ اور مصری معاملات میں مداخلت جاری رہی لیکن مصر کے لیے سب سے زیادہ باعث تشویش بات برطانیہ کا مصر کو سوڈان کا قبضہ نہ دینا تھی۔ شاہ اور قوم پرست تحریکیں اس ایک نقطے پر متفق تھیں کہ فواد اور اس کا بیٹا شاہ فاروق اول شاہ مصر و

Marfat.com

سوڈان ہیں۔

شاہ فاروق اول:

فاروق کا دور برطانوی قبضے کے خلاف قوم پرستوں کے احتجاج، شاہی سطح پر بدعنوانی اور بدانتظامی اور 1948ء کی تباہ کن عرب اسرائیلی جنگ جیسے ہنگامہ خیز واقعات سے عبارت رہا۔ یہ تمام عوامل فاروق کی حیثیت کے خاتمے کا باعث بنے اور ان سے 1952ء کے انقلاب کی راہ ہموار ہوئی۔ فاروق پر اپنے شیر خوار بیٹے احمد فواد کے حق میں دستبردار ہونے کے لیے دباؤ ڈالا گیا جو شاہ فواد ثانی کے نام سے تخت نشین ہوا لیکن حقیقی اختیار محمد نجیب اور جمال عبدالناصر کی زیر قیادت MovementOfficersFree کے ہاتھوں میں تھا۔ شیر خوار شاہ کا دور ایک سال بھی نہ چلا اور 18 جون 1953ء کو انقلابیوں نے شہنشاہیت کا خاتمہ کر کے مصر میں جمہوریت کا اعلان کر دیا اور اس طرح ڈیڑھ صدی کے عروج و زوال کے بعد آلِ محمد علی کے دور حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

آلِ محمد علیؒ کے حکمران (1805ء تا 1953ء)

والی (1805ء تا 1867ء):

محمد علی پاشا	9 جولائی 1805ء تا یکم ستمبر 1848ء
ابراہیم پاشا	یکم ستمبر 1848ء تا 10 نومبر 1848ء
محمد علی پاشا (بحالی)	10 نومبر 1848ء تا 2 اگست 1849ء
عباس اول	2 اگست 1849ء تا 13 جولائی 1854ء
سعید اول	13 جولائی 1854ء تا 18 جنوری 1863ء
اسماعیل اول	18 جنوری 1863ء تا 8 جون 1867ء

خدیو (1867ء تا 1914ء):

اسماعیل اول	8 جون 1867ء تا 26 جون 1879ء
توفیق اول	26 جون 1879ء تا 7 جنوری 1892ء
عباس ثانی	7 جنوری 1892ء تا 19 دسمبر 1914ء

سلطان (1914ء تا 1922ء):

حسین اول	19 دسمبر 1914ء تا 9 اکتوبر 1917ء
فواد اول	9 اکتوبر 1917ء تا 16 مارچ 1922ء

شاہ (1922ء تا 1953ء):

فواد اول	16 مارچ 1922ء تا 28 اپریل 1936ء
فاروق اول	28 اپریل 1936ء تا 26 جولائی 1952ء

فواد ثانی	26 جولائی 1952ء تا 18 جون 1953ء

خاندان کے غیر حاکم اراکین:

شہزادہ مصطفیٰ فضل پاشا	شہزادہ محمد علی توفیق
شہزادہ محمد عبدالمنعم	شہزادی فوزیہ شیریں
نریمان صادق	نازلی صابری

اسمٰعیل پاشا کو سلطان عبدالمجید خان نے خدیو کا لقب دیا جو پاشاہ کا مترادف لفظ ہے۔ عبدالحمید خان نے اسمٰعیل کو موقوف کر کے قسطنطنیہ بلالیا اور اسمٰعیل کے بیٹے محمد توفیق کو تخت پر بٹھایا۔ محمد توفیق پاشا کو اپنے فوجی جنرل احمد عربی پاشا سے کچھ دقتیں پیش آئیں۔ انگریزوں نے خدیو کی مدد کی اور عربی پاشا کو گرفتار کر کے لنکا میں نظر بند کیا۔ اس مداخلت نے کچھ انگریزوں کے حقوق بھی مصر میں قائم کروا دیئے تھے۔

اخوان المسلمون:

یہ جماعت 1929ء میں مصر میں قائم ہوئی۔ اس کے بانی شیخ حسن البنا تھے جو اسمعیلیہ کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے اس تحریک کا آغاز 1923 میں کیا تھا مگر 1929ء میں اسے باقاعدہ شکل دی گئی۔ اس کا منشا اسلام کے بنیادی عقائد کا احیا اور ان کا نفاذ تھا۔ مگر بعد میں یہ جماعت سیاسی شکل اختیار کر گئی۔ مصر میں یہ تحریک کافی مقبول ہوئی اور اس کی شاخیں دوسرے عرب ممالک میں بھی قائم ہو گئیں۔ شیخ حسن البنا مصر کے ممتاز مذہبی رہنما اور عظیم اسلامی تحریک اخوان المسلمون کے بانی تھے۔ وہ 1906ء میں مصر کی بستی محمودیہ کے ایک علم دوست اور دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بچپن میں ہی قرآن حفظ کر لیا اور ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں وہ قاہرہ کے دارالعلوم میں داخل ہوئے جہاں سے انہوں نے 1927ء میں سند حاصل کی۔

دیہاتی علاقوں کی نسبت شہروں میں اخلاقی انحطاط زیادہ ہوتا ہے، قاہرہ کی بھی یہی صورت تھی۔ حسن البنا جب اپنے قصبہ سے قاہرہ پہنچے تو ان کی حساس طبیعت پر شہر کے غیر اسلامی رجحانات نے گہرا اثر کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ مصر کو یورپ کا حصہ بنایا جا رہا ہے اور فرعون کے دور کی طرف پلٹنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ علماء اگرچہ غیر اسلامی نظریات کے خلاف وعظ و نصیحت تو کرتے رہتے ہیں لیکن ان برائیوں کو ختم کرنے کے لیے کوئی تحریک موجود نہیں تو انہوں نے 1928ء میں شہر اسماعیلیہ میں، جہاں وہ تعلیمی سند حاصل کرنے کے بعد استاد مقرر ہو گئے تھے، اخوان المسلمون کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ 1933ء میں اخوان کا صدر دفتر اسماعیلیہ سے قاہرہ منتقل کر دیا گیا۔ حسن البنا نے اعلان کیا کہ اسلام کا پیغام عالمگیر ہے اور یہ ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ اخوان المسلمون کی تنظیم کے ذریعے انہوں نے اپنے اسی نصب العین کو عملی جامہ پہنانے کا کام شروع کر دیا۔ جلد ہی مصر کے طول و عرض میں اخوان المسلمون کی شاخیں قائم کر دی گئیں۔ طلبہ اور مزدوروں کو منظم کیا گیا اور عورتوں کی تنظیم کے لیے "اخوات المسلمین" کے نام سے علیحدہ شعبہ قائم کیا گیا۔

اخوان نے مدرسے بھی قائم کیے اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی حصہ لیا۔ انہوں نے ایک ایسا نظام تربیت قائم کیا جس کے تحت اخوان کے کارکن بہترین قسم کے مسلمان بن سکیں۔ حسن البنا نے اسلامی حکومت کے قیام اور اسلامی قوانین

Marfat.com

کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ 50 سال سے مصر میں غیر اسلامی آئین آزمائے جا رہے ہیں اور وہ سخت ناکام ہوئے ہیں لہٰذا اب اسلامی شریعت کا تجربہ کیا جانا چاہیے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مصر کے موجودہ دستور اور قانون کے ماخذ کتاب وسنت نہیں بلکہ یورپ کے ممالک کے دستور اور قوانین ہیں جو اسلام سے متصادم ہیں۔ حسن البنا نے مصریوں میں جہاد کی روح بھی پھونکی اور اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا اور بتایا کہ مصر ہی کے ایک عالم امام بدر الدین عینی شارح بخاری ایک سال جہاد کرتے تھے اور ایک سال تعلیم وتدریس میں مصروف رہتے تھے اور ایک سال حج کرتے تھے۔

اخوان نے اخبار اور رسالوں کی طرف بھی توجہ دی۔ 1935ء میں رشید رضا کے انتقال کے بعد حسن البنا نے ان کے رسالے "المنار" کی ادارت سنبھال۔ اخوان نے خود بھی ایک روزنامہ، ایک ہفت روزہ اور ایک ماہنامہ جاری کیا۔ روزنامہ اخوان المسلمون مصر کے صف اول کے اخبارات میں شمار ہوتا تھا۔ ان مطبوعات اور چھوٹے چھوٹے رسالوں کے ذریعے اخوان نے اپنے اغراض ومقاصد کی پرزور تبلیغ کی اور بتایا کہ اسلام کس طرح زندگی کے مختلف شعبہ جات میں دنیا کی رہنمائی کرسکتا ہے۔ علمی لحاظ سے اخوان کا کام اگرچہ اتنی بلند سطح پر نہیں تھا جس پر پاکستان میں اس کی ہم خیال جماعت اسلامی نے انجام دیا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جماعت اسلامی کے علاوہ اسلامی دنیا کی کسی اور تنظیم نے فکری میدان میں اخوان کے برابر کام نہیں کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے آغاز تک اخوان کی دعوت مشرق کے بیشتر عرب ممالک میں جڑ پکڑ چکی تھی لیکن اخوان کا سب سے مضبوط مرکز مصر ہی تھا۔ جنگ کے بعد اخوان نے عوامی پیمانے پر سیاسی مسائل میں حصہ لینا شروع کیا۔ انہوں نے 1948ء میں فلسطین سے برطانیہ کے انخلاء کے بعد جہاد فلسطین میں عملی حصہ لیا اور اخوان رضا کاروں نے سرکاری افواج کے مقابلے میں زیادہ شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے علاوہ دوران جنگ انگریزوں نے آزادی مصر کا جو اعلان کیا تھا اسے اخوان نے فوری طور پر پورا کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس سے اخوان کی مقبولیت میں بے انتہا اضافہ ہوا، اور دو سال کے اندر اندر اخوان کے ارکان کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ گئی۔ ہمدردوں کی تعداد اس سے دوگنی تھی۔ اخوان کی روز بروز مقبولیت سے اگر ایک طرف شاہ فاروق کو خطرہ محسوس کرنے لگا تو دوسری طرف برطانیہ نے مصر پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ اخوان پر پابندی لگائی جائے چنانچہ 9 دسمبر 1948ء کو مصری حکومت نے اخوان المسلمون کو خلاف قانون قرار دے دیا اور کئی ہزار اخوان کارکنوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ تین ہفتے بعد وزیر اعظم نقراشی پاشا کو ایک نوجوان نے قتل کردیا۔ حسن البنا کو آخر تک گرفتار نہیں کیا گیا اور 12 فروری 1949ء کی شب قاہرہ میں اس عظیم رہنما کو ایک سازش کے تحت رات کی تاریکی میں گولی مار کر شہید کردیا گیا۔ شہادت کے وقت ان کی عمر صرف 43 سال تھی۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر اس کے اراکین کی تعداد بیس لاکھ کے لگ بھگ تھا۔ اخوان المسلمین 1952ء میں مصر کے فوجی انقلاب کی حامی تھی مگر اس کی طرف سے جنرل نجیب اور جنرل ناصر کی خارجہ پالیسی کی بھی مخالفت ہوتی رہی۔ 1954ء میں اس کے اراکین نے جنرل ناصر کو قتل کرنے کی ناکام کوشش کی جس کے بعد یہ جماعت خلاف قانون قرار دے دی گئی اور اس کی املاک ضبط کرلی گئیں۔ اس کے بعد اس جماعت کے رہنما شیخ حسن الہدیبی نے اپنا صدر مقام قاہرہ سے دمشق تبدیل کرلیا۔ اس جماعت نے عرب قوم پرستی کے خلاف شدید آواز اٹھائی اور اسلامی بھائی چارے کا نعرہ لگایا جس کی پاداش میں جماعت کے بہت سے اراکین کو جیلوں میں بند کردیا گیا اور سید قطب شہید جیسے لوگوں کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ پابندی کے بعد بھی یہ جماعت باقی رہی اور پورے عرب علاقوں میں پھیل گئی۔ اخوان کے پاکستان کی

Marfat.com

جماعت اسلامی سے قریبی تعلقات ہیں۔ آج دنیا کے مشہور اسلامی رہنماؤں کا تعلق اخوان سے تھا جن میں القاعدہ کے لیڈر ایمن الزواہری، حماس کے راہنما شیخ احمد یاسین اور ڈاکٹر عبدالعزیز رنتیسی شامل ہیں۔

جمال عبدالناصر:

(پیدائش: 15 جنوری 1918ء، وفات: 28 ستمبر 1970ء)

آپ 1954ء سے 1970ء میں اپنی وفات تک مصر کے صدر رہے۔ وہ عرب قوم پرستی اور نوآبادیاتی نظام کے خلاف اپنی پالیسی کے باعث مشہور ہوئے۔ عرب قوم پرستی انہی کے نام پر ناصرازم کہلاتی ہے۔ ناصر اب بھی عرب دنیا میں عربوں کی عظمت اور آزادی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ وہ 15 جنوری 1918ء کو مصر کے شہر اسکندریہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محکمہ ڈاک خانہ میں کام کرتے تھے۔ وہ بچپن ہی سے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے شوقین تھے اور محض 11 سال کی عمر میں ایک سیاسی مظاہرے میں شرکت کی جہاں پولیس کے لاٹھی چارج سے زخمی اور بعدازاں گرفتار ہوئے۔

انہوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران مصر کو برطانوی قبضے سے آزاد کرانے کے لیے محوری طاقتوں خصوصاً اطالویوں سے رابطہ کیا تاہم منصوبے میں ناکام رہے۔ انہوں نے فوج میں ہم خیال افراد کا ایک گروہ تشکیل دیا جو حرکۃ انضباط الاحرار کہلایا۔ اسی گروہ نے 23 جولائی 1952ء کو بغاوت کرتے ہوئے حکومتی دفاتر، ریڈیو اسٹیشنوں، تھانوں اور قاہرہ میں فوج کے صدر دفتر پر قبضہ کرلیا۔ اس بغاوت کے نتیجے میں 1948ء کی عرب اسرائیل جنگ کے ہیرو جنرل محمد نجیب مصر کے صدر بن گئے۔ جمال 23 جون 1956ء کو مصر کے صدر بنے۔ ان کے دور صدارت کے کارناموں میں نہر سوئز سے برطانوی افواج کا انخلا اور اسوان ڈیم کی تعمیر ہیں۔

صدر ناصر شروع شروع میں ایک ایسی پالیسی پر عمل پیرا تھے جو مغربی ملکوں کے خلاف نہیں تھی لیکن 1954ء کے بعد وہ روس اور اشتراکی ممالک کی طرف زیادہ جھکنے لگے اور اس طرح مصر اور مغربی ممالک کے درمیان براہ راست کشمکش شروع ہوگئی جس کا پہلا بڑا اظہار اسوان بند کی تعمیر کے سلسلے میں ہوا۔ مصر کی خوشحالی کا تمام تر انحصار دریائے نیل پر ہے، نیل کے پانی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے مصری حکومت نے اسوان کے مقام پر پرانے بند کی جگہ ایک نیا اور زیادہ بڑا بند تعمیر کرنے کا منصوبہ تیار کیا تھا تا کہ مصر میں مزید زمین زیر کاشت آسکے اور پن بجلی بڑی مقدار میں حاصل ہوسکے۔ امریکہ، برطانیہ اور عالمی بینک نے اس منصوبے کے لیے قرضہ فراہم کرنے کا وعدہ بھی کرلیا تھا لیکن ان ملکوں نے جب دیکھا کہ مصر روس اور اشتراکی ممالک کی طرف مائل ہورہا ہے اور ایک ایسی پالیسی پر چل رہا ہے جو ان کے مفاد کے خلاف ہے تو انہوں نے جولائی 1956ء میں قرضہ دینے کا فیصلہ واپس لے لیا۔ اسوان بند کی تعمیر مصری معیشت کے لئے بنیادی اہمیت رکھتی تھی اس لئے مصر میں امریکہ اور برطانیہ کے فیصلے کے خلاف شدید ردعمل ہوا۔ صدر ناصر نے فرانس اور برطانیہ کی زیر ملکیت نہر سوئز کو قومی ملکیت میں لے لیا اور اعلان کیا کہ اسوان بند نہر سوئز کی آمدنی سے تعمیر کیا جائے گا۔

برطانیہ اور فرانس نے مصر کے اس فیصلے کے خلاف اسرائیل کے ساتھ مل کر سازش کے تحت 29 اکتوبر 1956ء کو اسرائیل کے ذریعے مصر پر حملہ کرادیا جس کے دوران اسرائیل نے جزیرہ نمائے سینا پر قبضہ کرلیا۔ اگلے ہفتے برطانیہ اور فرانس نے بھی نہر سوئز کے علاقے میں اپنی فوجیں اتاردیں۔ برطانیہ اور فرانس کی اس جارحانہ کاروائی کا دنیا بھر میں شدید ردعمل ہوا، امریکہ نے بھی پرزور مذمت کی اور روس نے مصر کو مکمل کرامداد دینے کا اعلان کیا۔ رائے عامہ کے اس دباؤ کے تحت برطانیہ اور فرانس کو اپنی فوجیں واپس بلانا پڑیں اور اسرائیل نے بھی جزیرہ نمائے سینا خالی کردیا۔ اس کے بعد اقوام متحدہ

Marfat.com

کے دستے مصر اور اسرائیل کی سرحد پر متعین کردیئے گئے تاکہ طرفین ایک دوسرے کے خلاف جنگی کارروائی نہ کرسکیں۔ یہ واقعہ 'سوئز بحران' کہلاتا ہے۔

غیر ملکی افواج کے کامیاب انخلاء سے ناصر عرب دنیا میں ہیرو اور فاتح کی حیثیت سے ابھرے۔ روس کی مدد سے اسوان بند کی تعمیر یکم جنوری 1960ء کو شروع اور 1970ء میں مکمل ہوئی۔ بند کی تعمیر کے نتیجے میں جو جھیل وجود میں آئی اسے جھیل ناصر کا نام دیا گیا۔ 9 سے 26 مئی 1964ء تک مصر کے دورے کے دوران سوویت وزیر اعظم نکیتا خروشیف نے ناصر کو 'ہیرو آف سوویت یونین'، 'آرڈر آف لینن' اور 'سوویت گولڈن اسٹار' کے اعزازات سے نوازا۔ اسوان بند کی تعمیر کی ذمہ داری بھی روس نے قبول کرلی اور وسیع پیمانے پر اسلحہ بھی مصر کو فراہم کرنا شروع کردیا۔ مصر نے یہ پالیسی اگرچہ مغربی اثرات سے آزاد رہ کر قومی مقاصد کو اپنی مرضی کے مطابق پورے کرنے کے لیے اختیار کی تھی لیکن مغرب سے پوری طرح کٹ جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصر کی غیر جانبدارانہ پالیسی ختم ہوگئی اور مصر نہ صرف اپنی ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل بلکہ اپنی بقا کے لئے بھی روس کا محتاج ہوگیا۔ مصر کی حالت تقریباً اس قسم کی ہوگئی تھی جو سوئیکارنو کے آخری دور میں انڈونیشیا کی تھی۔

ناصر نے اگرچہ انقلاب کے آغاز میں ہی کمیونسٹ پارٹی کو خلاف قانون قرار دے دیا تھا لیکن اس کے باوجود اشتراکی نظریات پہلے سے زیادہ شدت سے مصر میں عام ہونا شروع ہوگئے اور صدر ناصر کے دور میں مصر میں جن سماجی اور اقتصادی نظریات کا غلبہ ہوا وہ روس کے اشتراکی نظریات سے زیادہ مختلف نہیں تھے۔ نہر سوئز کو قومی ملکیت میں لے کر برطانیہ اور فرانس کے حملوں کا جرات کے ساتھ مقابلہ کرکے ناصر نے جس ہمت کا ثبوت دیا اس کی وجہ سے وہ عربوں میں بالخصوص اور دنیا میں بالعموم مصر کا وقار بڑھ گیا لیکن مصر کے وقار میں اس اضافے کے ساتھ ساتھ مصر پر 'روس' کے اثرات میں اضافہ ہوگیا۔ اب تک مصر کے بیشتر ترقیاتی منصوبے امریکہ اور مغربی ممالک کی امداد سے مکمل کئے جاتے تھے لیکن نہر سوئز کو قومی ملکیت میں لینے کے بعد مغربی ممالک سے مصر کے تعلقات ختم ہوگئے۔ اس طرح بیرونی امداد کے معاملے میں جو خلا پیدا ہوا اسے روس اور دیگر اشتراکی ممالک نے پر کرنے کی کوشش کی۔ صدر ناصر چونکہ عرب دنیا کی مقبول ترین شخصیت بن چکے تھے اس لئے انہوں نے اپنی اس حیثیت سے فائدہ اٹھا کر عرب اتحاد کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز کردیں۔ اس مقصد کی تکمیل میں عرب ملکوں کے بادشاہی نظام اور غیر اشتراکی نظام سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ ناصر نے ان کو ختم کرنے کے لئے جمہوری طریقوں کے بجائے سازشوں کا طریقہ اختیار کیا اور عرب ملکوں میں براہ راست مداخلت شروع کردی۔ اس طریقہ کار نے عرب ممالک کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ ناصر عرب اتحاد نہیں بلکہ اپنا اقتدار چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عرب ممالک کے اختلافات پہلے سے زیادہ بڑھ گئے۔

عرب اتحاد کا نعرہ:

عرب اتحاد کے نقطہ نظر سے 1958ء سے 1960ء تک کا زمانہ سب سے کامیاب زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ فروری 1958ء میں شام میں اشتراکیوں کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لیے شام نے مصر سے الحاق کرلیا اور اس طرح دونوں ملکوں پر مشتمل متحدہ عرب جمہوریہ وجود میں آئی۔ بعد میں یمن اس جمہوریہ کا تیسرا رکن بن گیا لیکن صدر ناصر کی آمرانہ پالیسی کی وجہ سے متحدہ عرب جمہوریہ کی گاڑی زیادہ دن نہ چل سکی۔ سب سے پہلے شام نے بغاوت کی اور وہ 30 ستمبر 1961ء کو مصر سے علیحدہ ہوگیا۔ اس کے بعد یمن کو خود مصر نے متحدہ عرب جمہوریہ سے خارج کردیا۔ اس کے باوجود مصر اپنے لئے 10 سال یعنی ستمبر 1971ء تک متحدہ عرب جمہوریہ کی اصطلاح استعمال کرتا رہا۔ صدر ناصر اگرچہ اپنے

حامیوں کی مدد سے عراق، شام اور اردن میں مداخلت کر رہے تھے اور سعودی عرب کے خلاف انہوں نے مسلسل مہم چلائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان تمام ممالک میں مغربی کٹھ پتلی حکومتیں بادشاہت کی صورت میں قائم تھیں اور ہر فیصلے کے لیے مغرب کی محتاج تھیں۔ دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی سب سے نمایاں مثال یمن کی ہے۔ یہاں انہوں نے پہلے تو یمنی حریت پسندوں کے ایک گروہ سے سازش کر کے ستمبر 1965ء میں امام یمن کا تختہ الٹ دیا اور جب اس کے نتیجے میں شاہ پسندوں اور جمہوریت پسندوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو صدر ناصر نے اپنے حامیوں کی مدد کے لیے وسیع پیمانے پر فوج اور اسلحہ یمن بھیجنا شروع کر دیا اور چند ماہ کے اندر یمن میں مصری فوجوں کی تعداد 70 ہزار تک پہنچ گئی۔ بلاشبہ صدر ناصر کے اس جرأت مندانہ اقدام کی وجہ سے عرب کے ایک انتہائی پسماندہ ملک یمن میں بادشاہت کا قدیم اور فرسودہ نظام ختم ہو گیا اور جمہوریت کی داغ بیل ڈال دی گئی لیکن یہ اقدام خود مصر کے لئے تباہ کن ثابت ہوا۔

صدر ناصر یمن کی فوجی امداد کے بعد اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اب مصر دنیائے عرب کا سب سے طاقتور ملک بن گیا ہے اور وہ اسرائیل کے مقابلے میں روس پر مکمل بھروسہ کر سکتا ہے چنانچہ ایک طرف تو انہوں نے طاقت کے مظاہرے کے لیے ہزاروں فوجی یمن بھیج دیئے اور دوسری طرف اسرائیل کو دھمکیاں دینا اور مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ اقوام متحدہ کی جو فوج 1956ء سے اسرائیل اور مصر کی سرحد پر تعینات تھی صدر ناصر نے اس کی واپسی کا مطالبہ کر دیا اور خلیج عقبہ کو جہاز رانی کے لیے بند کر کے اسرائیل کی ناکہ بندی کر دی۔ اسرائیل نے جو جنگ کے لیے پوری طرح تیار تھا اور جس کو امریکہ کی امداد پر بجا طور پر بھروسہ تھا مصر کی کمزوری کا اندازہ کر کے جون 1967ء کے پہلے ہفتے میں بغیر کسی اعلان جنگ کے اچانک مصر پر حملہ کر دیا اور مصر کا بیشتر فضائی بیڑہ ایک ہی حملے میں تباہ کر دیا۔ مصری فوج کا بڑا حصہ یمن میں تھا جسے بروقت بلانا ناممکن تھا نتیجہ یہ ہوا کہ 6 دن کی مختصر مدت میں اسرائیل نے نہ صرف باقی فلسطین سے مصر اور اردن کو نکال باہر کیا بلکہ شام میں جولان کے پہاڑی علاقے اور مصر کے پورے جزیرہ نمائے سینا پر بھی قبضہ کر لیا۔ ہزاروں مصری فوجی قیدی بنا لئے گئے اور روسی اسلحہ اور ٹینک یا تو جنگ میں برباد ہو گئے یا اسرائیلیوں کے قبضے میں چلے گئے۔ عربوں نے اپنی تاریخ میں کبھی اتنی ذلت آمیز شکست نہیں کھائی ہو گی اور اس کے اثرات سے ابھی تک عربوں کو نجات نہیں ملی۔ اسرائیل کے مقابلے میں اس ذلت آمیز شکست کے بعد صدر ناصر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ انہوں نے سعودی عرب اور اردن سے مفاہمت پیدا کی اور شاہ فیصل سے تصفیہ کے بعد جس کے تحت مصر نے یمن میں مداخلت نہ کرنے کا عہد کیا، مصری فوجیں یمن سے واپس بلا لی گئیں۔ مصر کی شکست کی سب سے بڑی وجہ مصری فوج کی نااہلی اور مصری فوجی نظام کے نقائص تھے لیکن مصری فوج اور اسلحہ کی بڑی تعداد کو یمن بھیجنا بھی شکست کی ایک بڑی وجہ تھی۔

استعفیٰ:

جون 1967ء کی جنگ کے نتیجے میں غزہ (فلسطین)، اور جزیرہ نمائے سینا کا 24 ہزار مربع میل (ایک لاکھ 8 ہزار مربع کلومیٹر) کا علاقہ اسرائیل کے قبضے میں آ گیا، نہر سویز بند ہو گئی اور مصر جزیرہ نمائے سینا کے تیل کے چشموں سے محروم ہو گیا۔ صدر ناصر نے شکست کی ذمہ داری تسلیم کرتے ہوئے فوراً استعفیٰ دے دیا لیکن ایک آمرانہ نظام میں مشکل یہ ہوتی ہے کہ آمر کی جگہ لینے والا آسانی سے نہیں ملتا۔ مصر میں بھی یہی ہوا۔ چونکہ کوئی متبادل رہنما سامنے نہیں آیا اس لئے 9 جون کو استعفیٰ واپس لینے کے لئے قاہرہ میں مظاہرے کئے گئے اور صدر ناصر نے استعفیٰ واپس لے لیا۔ اس طرح صدر ناصر کا اقتدار تو قائم رہا لیکن 1967ء کی شکست کی وجہ سے مصری فوج کی عزت خاک میں مل گئی۔ لوگ فوجیوں کو دیکھ کر فقرے

Marfat.com

چست کرنے لگے جس کی وجہ سے فوجیوں کو عام اوقات میں وردی پہن کر سڑکوں پر نکلنے سے روک دیا گیا۔ 1967ء کی جنگ نے مصر کی معیشت کو بھی سخت نقصان پہنچایا۔ مصر کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ نہر سوئز تھی جس کی وجہ سے مصر کو ہر سال ساڑھے 9 کروڑ ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے۔ نہر کے مشرقی کنارے پر اسرائیل کا قبضہ ہو جانے کے بعد نہر سوئز میں جہاز رانی بند ہو گئی۔ ایک ایسے موقع پر جبکہ مصر کو اسرائیل کی جارحانہ کارروائیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اور اپنی معیشت کو مضبوط بنانے کے لیے سرمائے کی ضرورت تھی نہر سوئز کی آمدنی کا بند ہونا بڑا تباہ کن ثابت ہوتا لیکن سعودی عرب، کویت اور لیبیا آڑے آئے اور تینوں نے مل کر ساڑھے 9 کروڑ ڈالر سالانہ کی امداد فراہم کر کے نہر سوئز کی بندش سے ہونے والے نقصان کی تلافی کر دی۔

جولائی 1968ء میں صدر ناصر نے روس کا دورہ کیا جس کے بعد روس نے مصر کو از سر نو مسلح کرنا شروع کیا۔ روس نے پہلی مرتبہ زمین سے ہوا میں چلائے جانے والے کم فاصلے کے میزائل مصر کو دیئے۔ آواز کی رفتار سے ڈیڑھ گنا تیز چلنے والے جیٹ طیارے اور 500 ٹینک دینے کا وعدہ کیا۔ تین ہزار فوجی مشیر اور فنی ماہر بھی فراہم کئے۔ عرب ملکوں میں سعودی عرب، کویت اور لیبیا نے وسیع پیمانے پر مالی امداد فراہم کی۔ روس اور عرب ملکوں کی اس امداد سے مصر کے فوجی نقصانات کی ایک حد تک تلافی بھی ہو گئی اور اقتصادی حالت بھی سنبھل گئی۔ 1968ء کے آخر میں اسوان بند نے بھی کام شروع کر دیا۔ صدر نے اگرچہ 1968ء میں ایک استصواب رائے کے ذریعے عوام کا اعتماد بھی حاصل کر لیا تھا لیکن ان کی پالیسی کے خلاف اندرونی بے چینی میں برابر اضافہ ہو رہا تھا لیکن اس کا اظہار استبدادی نظام کی وجہ سے کھل کر نہیں ہو سکتا تھا لیکن جنوری 1968ء میں طلبہ نے پولیس راج کے خلاف جو مظاہرہ کیا اس سے اس بے چینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ روس کی پالیسی سے عوام غیر مطمئن تھے لیکن اب صدر ناصر کو بھی شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ روس صرف دفاع کی حد تک اسلحہ دینا چاہتا تھا اور وہ مصر کو اتنا مضبوط نہیں بنانا چاہتا تھا کہ اسرائیل کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ اس کے برخلاف امریکہ نے اسرائیل کو اتنا مسلح کر دیا تھا کہ وہ اپنے پڑوس کے تمام عرب ملکوں کے خلاف بیک وقت جارحانہ کارروائی کر سکتا تھا۔ صدر ناصر کو پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ روس فوجی اور اقتصادی امداد کے ذریعے مصر میں کمیونزم کا فروغ چاہتا ہے اور فلسطین سے متعلق عربوں کی پالیسی کو اپنے مفاد کے تحت تشکیل دینا چاہتا ہے۔ آخر کار صدر ناصر نے طے کیا کہ اسلحہ اور اقتصادیات کے معاملے میں صرف ایک ملک پر انحصار مصر کے لیے مفید نہیں ہو سکتا اور 1969ء میں انہوں نے اس مقصد کے لیے مغرب خصوصاً فرانس کی طرف رخ کیا لیکن صدر ناصر کی یہ پالیسی ابھی واضح شکل بھی اختیار نہ کر پائی کہ 28 ستمبر 1970ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث ان کا اچانک انتقال ہو گیا۔

ناصر اور اخوان:

ناصر نے اپنے دور اقتدار میں 13 جنوری 1954ء کو اخوان المسلمون پر پابندی عائد کر کے اسے خلاف قانون قرار دے دیا اور حسن الہضیبی سمیت بہت سے اخوانی گرفتار کر لئے گئے۔ اخوان کی سرگرمیاں پابندی کے بعد بھی ختم نہیں ہوئیں۔ 7 جولائی 1954ء کو مصری حکومت نے جب انگریزوں سے معاہدہ کیا تو اخوان نے اس کی شدت سے مخالفت کی اور اس معاہدے کو مصر کو برطانیہ کے ہاتھوں فروخت کر دینے کے مترادف قرار دیا۔ اس معاہدے کی مخالفت کی وجہ سے حکومت نے روزنامہ اخوان المسلمون کو 10 ستمبر 1954ء کو بند کر دیا۔ 26 اکتوبر کو ناصر پر قاتلانہ حملہ ہوا جس نے ناصر کو اخوان کے خلاف کارروائی کرنے کا موقع فراہم کر دیا اور اخوان کی تردید کے باوجود کارکنوں کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔

Marfat.com

ر کے مشہور اخبار المصری کے ایڈیٹر احمد ابوالفتح کے مطابق چند ہفتوں کے اندر گرفتار ہونے والوں کی تعداد 50 ہزار تک گئی جن میں سید قطب اور عبدالقادر عودہ جیسے مفکر اور ادیب بھی شامل تھے۔ 7 نومبر 1954ء کو فوجی عدالت نے 6 ممتاز ؤں کو صفائی کی سہولتیں فراہم کئے بغیر سزائے موت سنادی۔ حسن الہضیبی کی سزائے موت بڑھاپے کی وجہ سے عمر قید تبدیل کردی گئی۔ مارچ 1964ء میں جب مصر میں ہنگامی حالت کا خاتمہ ہوا تو تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے گئے جن اخوان بھی تھے لیکن ایک سال بعد ہی اخوان پر ابتلا اور آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ جولائی 1965ء میں حکومت کا تختہ کی سازش کے الزام میں پکڑ دھکڑ کی نئی مہم شروع ہوگئی جس میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 6 ہزار اخوان گرفتار کر گئے جبکہ غیر سرکاری اطلاعات کے مطابق یہ تعداد 20 سے 50 ہزار تک بیان کی گئی ہے جن میں تقریباً 800 خواتین شامل تھیں۔ حسن ہضیبی بھی دوبارہ گرفتار کر لئے گئے اور ان کو تین سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی جس کی تاب نہ وہ 8 نومبر 1965ء کو شہید ہو گئے۔ اس مرتبہ کو جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں سب سے ممتاز شخصیت سید قطب 19ء تا 1966ء) کی تھی جو نہ صرف اخوان کے حلقے بلکہ اپنے زمانے میں مصر کے سب سے بڑے مفکر اور ادیب ۔ انہیں 13 جولائی 1955ء کو عوامی عدالت کی طرف سے 15 سید قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ تاہم ان کی علمی عظمت واقفیت کے بعد ناصر نے انہیں ایک سال بعد معافی کی شرط پر رہا کرنے پر رضامندی ظاہر کی لیکن سید قطب نے مانگنے سے انکار کردیا۔ انہیں وزارت تعلیم کی بھی پیشکش کی گئی جو انہوں نے ٹھکرادی۔ حکومتی پیشکشیں قبول نہ کرنے قطب کی رہائی عمل میں نہ آسکی۔ مارچ 1964ء میں ہنگامی حالت کے خاتمے کے بعد رہا ہونے والے سیاسی قیدیوں ہ بھی شامل تھے لیکن ایک سال بعد اخوان کے تیسرے دور ابتلا و آزمائش میں وہ پھر گرفتار کر لئے گئے۔ اس مرتبہ ان ھائی محمد قطب اور دو بہنیں حمیدہ قطب اور امینہ قطب بھی گرفتار ہوئیں۔ 25 اگست 1966ء کو حکومت کا تختہ الٹنے کے میں سید قطب اور ان کے ساتھیوں پر بند کمرے میں مقدمہ چلایا گیا۔ ملزمان کی طرف سے پیروی کرنے والا کوئی نہ تھا، باہر کے لوگوں نے پیروی کرنا چاہی لیکن انہیں اس کی اجازت نہ دی گئی۔ بالآخر 25 اگست 1966ء کو سید ب کو پھانسی دے دی گئی۔ اس طرح وہ حق کی خاطر جان لٹانے والے شہداء کے قافلے کے ہم سفر بن گئے۔

یت و کردار:

اس میں کوئی شک نہیں کہ نہر سوئز کو قومی ملکیت میں لینا، زرعی و صنعتی اصلاحات اور مغرب کی سامراجی قوتوں کے بلے میں جرأت مندانہ اقدامات صدر ناصر کے ایسے کارنامے ہیں جن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن ان کے کارناموں کو ان کے استبدادی مزاج اور مخالف عناصر پر ہولناک مظالم نے داغدار کردیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ میں صدر ناصر کا نام اسلامی تحریک کو کچلنے، اسلامی اقدار اور پیغام کو دبانے اور غیر اسلامی اقدار کو فروغ دینے والوں فہرست ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب کچھ ایسے شخص کے دور میں ہوا جس نے مصر سے باہر افریقہ میں اسلام کی کے لئے قابل قدر کوششیں کیں۔ ناصر کی طبیعت کا یہ تضاد ظاہر کرتا ہے کہ اسلام سے زیادہ ان کو اپنا اقتدار عزیز تھا۔ میں ایسی ہی ایک مثال ہمیں حجاج بن یوسف کی ملتی ہے جس کے اسلامی کارناموں سے انکار نہیں کیا جاسکتا جن کی ے بہت سے سادہ لوح عوام اس کے گرویدہ ہو گئے تھے لیکن دنیا اس کو ہمیشہ ایک بدترین جابر اور ظالم کے نام سے یاد گی۔

ناصر 28 ستمبر 1970ء کو قاہرہ میں عرب ممالک کے رہنماؤں کے اجلاس کے بعد دل کا دورہ پڑنے سے انتقال

Marfat.com

کر گئے۔ ناصر نے زندگی میں ایک شادی کی جن سے ان کے تین بیٹے خالد، عبدالحکیم اور عبدالحمید اور دو بیٹیاں ہدی اور مونا پیدا ہوئیں۔

جمال عبدالناصر نے مندرجہ ذیل کتب لکھیں:

1948ء جنگ فلسطین پر جمال عبدالناصر کی یادیں (1955ء)

آزادی کی جانب (1959ء)

مصر کی آزادی، فلسفہ انقلاب (1955ء)

انور سادات:

فیلڈ مارشل انور سادات (محمد انور السادات) مصر کے ایک فوجی، سیاست دان اور 15 اکتوبر 1970ء سے 6 اکتوبر 1981ء کو اپنے قتل تک مصر کے تیسرے صدر تھے۔ وہ مصر اور مغرب میں جدید تاریخ کی بااثر ترین مصری اور مشرق وسطی کی شخصیت سمجھے جاتے ہیں۔

انور سادات 25 دسمبر 1918ء کو دریائے نیل کے ڈیلٹائی علاقے کے ایک قصبے میت ابوالکوم کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ وہ 13 بہن بھائیوں میں سے ایک تھے۔ ان کے والد مصری جبکہ والدہ سوڈانی تھی۔ انور سادات نے 1938ء میں قاہرہ میں رائل ملٹری اکیڈمی سے گریجویشن کیا اور سگنل کور میں بھرتی ہوئے۔ وہ فوج میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کی حیثیت سے شامل ہوئے اور انہیں سوڈان میں تعینات کیا گیا جہاں ان کی ملاقات جمال عبدالناصر سے ہوئی اور انہوں نے برطانیہ اور شاہ مخالف حرکۃ الضباط الاحرار تشکیل دی جس کا مقصد مصر کو برطانوی قبضے سے آزاد کرانا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانوی افواج کو مصر سے نکال باہر کرنے کے لیے محوری طاقتوں سے مدد کی کوششوں کے الزامات پر برطانیہ نے انہیں قید میں ڈال دیا۔ انہوں نے 1952ء کی فوجی بغاوت میں حصہ لیا، جس میں شاہ فاروق اول کو اقتدار سے ہٹا دیا گیا۔ اس انقلاب کے موقع پر انہیں ریڈیو پر قبضہ کرنے اور انقلاب کا اعلان کرنے کا ہدف دیا گیا۔ مصری حکومت میں کئی عہدے سنبھالنے کے بعد 1964ء میں انہیں صدر جمال عبدالناصر کا نائب مقرر کیا گیا۔ انہوں نے اس عہدے پر 1966ء تک اور بعد ازاں 1969ء سے 1970ء تک کام کیا۔ 1970ء میں دل کے دورے سے جمال عبدالناصر کی ہلاکت کے بعد انہوں نے صدارت سنبھالی۔ انور سادات نے 1971ء میں اسرائیل کے ساتھ مکمل امن کے لیے اقوام متحدہ کو امن تجاویز دیں لیکن امریکہ اور اسرائیل کی جانب سے ان تجاویز کو قبول نہ کرنے پر یہ کوشش ناکام ہو گئی۔ 1973ء میں سادات نے شام کے ساتھ مل کر اسرائیل کے خلاف جنگ یوم کپور چھیڑ دی جس میں اولین کامیابیاں بھی حاصل کیں اور 6 روزہ جنگ میں اسرائیل کے قبضے میں آنے والے جزیرہ نما سینا کو آزاد کرا لیا۔ لیکن جنرل ایریل شیرون کی زیر قیادت اسرائیلی فوج کے تین ڈویژن نہر سوئز پار کر کے مصری فوج کا گھیراؤ کر لیا۔ اس موقع پر مصر کے اتحادی سوویت یونین نے ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا۔

19 نومبر 1977ء کو سادات عرب دنیا کے پہلے صدر قرار پائے جنہوں نے اسرائیل کا باضابطہ دورہ کیا۔ اس دورے میں انہوں نے وزیر اعظم اسرائیل میناچم بیگن سے ملاقات کی اور بیت المقدس میں اسرائیلی پارلیمنٹ سے خطاب کیا۔ انہیں اس دورے کی دعوت بیگن نے دی تھی۔ 1978ء میں کیمپ ڈیوڈ میں امن معاہدہ طے پایا جس پر سادات اور بیگن کو امن کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔ اس امن معاہدے کے نتیجے میں اسرائیل نے مرحلہ وار جزیرہ نما سینا خالی کر

Marfat.com

اور 25 اپریل 1982ء کو پورا علاقہ مصر کے حوالے کر دیا۔ انور سادات کے اس اقدام کی عرب اور مسلم دنیا میں شدید مخالفت کی گئی کیونکہ اسرائیل کے خلاف مزاحمت اور فلسطینیوں کو ان کی سرزمین پر آباد کرنے کی مسلمانوں کی تمام تر امیدیں اس وقت مصر سے وابستہ تھیں۔ اس اقدام سے مصر عرب دنیا میں تنہا رہ گیا۔ 1979ء میں عرب لیگ نے مصر کی رکنیت معطل کر دی اور اپنا دفتر قاہرہ سے تیونس منتقل کر دیا۔ اس پابندی کا خاتمہ 1989ء میں ہوا اور صدر دفتر ایک مرتبہ پھر قاہرہ منتقل ہوا۔

انور سادات کے دور حکومت کے آخری ایام میں ان پر اور ان کے اہل خانہ پر بدعنوانی کے الزامات عائد کیے گئے۔ سادات کے عہد صدارت کے خاتمے کے قریب داخلی پالیسیوں کے خلاف بطور احتجاج کئی مشیروں نے استعفیٰ دے دیا۔ وزیر دفاع احمد بداوی کی پراسرار موت اور 6 مارچ 1981ء کو لیبیا کی سرحد کے قریب ہیلی کاپٹر گرنے سے 13 فوجی افسران کی ہلاکت پر عوام میں شدید غم وغصہ پھیل گیا۔ اس حادثے کے بعد عوام کی جانب سے دو اہم سوالات اٹھائے گئے کہ حادثے کے باوجود ہیلی کاپٹر کا پائلٹ کس طرح زندہ بچ گیا اور مصری فوج کے قانون کے باوجود کہ دو سے زائد جرنیلوں کسی ایک گاڑی یا ہیلی کاپٹر میں سفر نہیں کر سکتے، 14 جرنیل اس ہیلی کاپٹر میں کیوں سوار ہوئے؟ ستمبر 1981ء میں سادات نے دانشوروں اور تمام نظریاتی تنظیموں کے کارکنوں کے خلاف کریک ڈاؤن کا آغاز کیا اور کمیونسٹوں، اسلام پسندوں، جامعہ کے معلمین، صحافیوں اور طلبہ تنظیموں کے کارکنوں کو قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ اس مہم کے دوران 1600 افراد زیر حراست ہوئے جس کی عالمی سطح پر مذمت کی گئی۔ اس آپریشن کے ایک ماہ بعد 6 اکتوبر کو قاہرہ میں 'یوم فتح پریڈ' کے موقع پر انور سادات کو قتل کر دیا گیا۔ یہ قتل فوج میں شامل مصری اسلامی جہاد کے افراد نے کیا جو اسرائیل کے ساتھ سادات کے مذاکرات اور ستمبر کریک ڈاؤن کے مخالف تھے۔ اس حملے کے دوران 7 افراد ہلاک اور 28 زخمی ہوئے۔ اس قاتلانہ حملے میں خالد اسلامبولی نامی ایک فوجی نے سادات کو قتل کیا جسے بعد ازاں اپریل 1982ء میں سزائے موت دے دی گئی۔ اس مقدمے میں 300 سے زائد اسلام پسندوں کو گرفتار کیا گیا جن میں خالد اسلامبولی، ایمن الظواہری، عمر عبدالرحمٰن اور عبدالحامد کشک بھی شامل تھے۔ اس مقدمے کو عالمی سطح پر بھرپور کوریج ملی اور ایمن الظواہری کے انگریزی زبان عبور نے انہیں ملزمان کا ترجمان بنا دیا۔ بعد ازاں 1984ء میں الظواہری کو رہا کر دیا گیا جہاں سے وہ افغانستان روانہ ہو گئے اور اسامہ بن لادن کے قریبی ساتھی بن گئے۔ انور سادات کی جگہ نائب صدر حسنی مبارک نئے صدر قرار پائے۔

انور سادات نے دو شادیاں کیں جن سے ان کی 3 بیٹیاں اور ایک بیٹا پیدا ہوا۔ ان کی خودنوشت 'شناخت کی تلاش' 197[illegible] میں امریکہ میں شائع ہوئی۔ انور سادات نے اپنی زندگی کے دوران مندرجہ ذیل کتب لکھیں:

انقلاب کی مکمل کہانی (1954ء)

انقلاب کے نامعلوم صفحات (1955ء)

نیل کنارے بغاوت (1957ء)

انور سادات کی سوانح عمری (1958ء)

شناخت کی تلاش: ایک سوانح عمری (1978ء)، 1918ء کے بعد سے ان کی زندگی اور ملک کی کہانی۔

خالد اسلامبولی:

خالد احمد شوقی اسلامبولی مصر کے سابق صدر انور سادات کے قتل کے منصوبہ ساز اور قاتل تھے جنہوں نے 6 اکتوبر

Marfat.com

1981ء کو "فتح 6 اکتوبر 1973ء کی پریڈ" میں مصری صدر کو قتل کیا۔ اپنے اس عمل کے باعث وہ دنیائے اسلام کی بنیاد پرست تنظیموں میں ہیرو اور عہد جدید کے پہلے شہید سمجھے جاتے ہیں۔ خالد شمالی مصر کے ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے مصر کی عسکری اکادمی میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گریجویشن کیا اور مصری افواج کی میں لیفٹیننٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اپنے تقرری کے کچھ عرصے بعد خالد نے مصر کی اسلامی جہاد میں شمولیت اختیار کر لی۔ منصوبے کے مطابق لیفٹیننٹ اسلامبولی نے اکتوبر پریڈ میں انور سادات کے قتل کے کام میں شریک نہیں ہونا تھا لیکن ایک افسر کی معذرت کے باعث متبادل کے طور پر ان کا انتخاب کیا گیا۔ جب پریڈ کا آغاز ہوا تو اسلامبولی اور اس کے تین ساتھی اپنے ٹرک سے اترے اور گرینیڈ پھینکتے ہوئے سلامی کے چبوترے کی جانب دوڑنے لگے جہاں صدر انور سادات غیر ملکی شخصیات کے ساتھ موجود تھے۔ خالد اسلامبولی چبوترے میں داخل ہوئے اور اپنی رائفل کی تمام گولیاں انور سادات کے سینے میں اتار دیں اور نعرہ بلند کیا کہ "میں نے فرعون کو قتل کر دیا"۔ صدر کے قتل کے فوراً بعد انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ لیفٹیننٹ خالد اور 23 دیگر منصوبہ سازوں پر مقدمہ چلایا گیا اور جرم کا مرتکب قرار دیا گیا جس کے بعد خالد اور 5 افراد کو 15 اپریل 1982ء کو سزائے موت دے دی گئی۔ انور سادات کی جانب سے اسرائیلی حکومت کو تسلیم کرنے اور سابق شاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی کو سیاسی پناہ دینے پر ایرانی حکومت نے مصر سے اپنے تمام تعلقات منقطع کر لئے اور انور سادات کے قتل کے بعد 1981ء میں دارالحکومت تہران کی ایک مصروف سڑک کو خالد اسلامبولی سے موسوم کر دیا۔ ایران میں خالد کو شہید اور ہیرو کے طور پر پیش کرنا مصر، ایران تعلقات میں مزید خرابی کا باعث بنا۔ تاہم مئی 2001ء میں عوام کے شدید احتجاج کے باوجود تہران سٹی کونسل نے مصر کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے کے لئے سڑک کا نام تبدیل کر کے "انتفاضہ اسٹریٹ" رکھ دیا۔ خالد اسلامبولی دنیا بھر میں اسلامی تحریکوں میں ہیرو سمجھے جاتے ہیں۔ 31 جولائی 2004ء کو القاعدہ کی "خالد اسلامبولی" نامی بریگیڈ نے وزیر اعظم پاکستان شوکت عزیز پر خودکش حملے کی ذمہ داری قبول کی۔ اس وقت شوکت عزیز وزارت عظمیٰ کے امیدوار تھے۔ علاوہ ازیں 24 اگست 2004ء کو چیچن مزاحمتی گروپ جس نے خود کو "خالد اسلامبولی بریگیڈ" کے نام پر متعارف کرایا، نے ایک بیان جاری کرتے ہوئے دو روسی مسافر طیاروں کی تباہی کی ذمہ داری قبول کی۔

❀❀❀❀

مسلمانوں کی چھوٹی ریاستیں

ہندوستان کے علاوہ اور جو اسلامی ریاستیں مشہور ہیں ذیل میں اُن کا ذکر بھی اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

سلطنت کابل:

سلطنت ترکی۔ سلطنت ایران اور شاہی مصر کے بعد والی افغانستان یعنی امیر کابل کا درجہ ہے۔ افغانستان پر امیر خودمختارانہ قابض تھے۔ ترکستان کا بھی کچھ حصہ ان کے دخل میں تھا۔ حدودِ ارضی کے اعتبار سے مصر سے یہ ریاست بڑی تھی۔ پایہ تخت کابل تھا۔ سرحدی حفاظت کے خیال سے امیر کابل گورنمنٹ ہند کا وظیفہ خوار بنایا گیا تھا۔ سردار نصر اللہ خان قیصرۂ ہند ملکہ وکٹوریہ سے ملنے کو مئی 895ھ میں انگلستان گیا تھا تو اس کی خاطر تواضع وہاں بہت ہوئی تھی۔

امیر دوست محمد خان 1793ء تا 1863ء:

بارک زئی قبیلے کا سردار جو محمد شاہ کی برطرفی کے بعد 1826ء میں افغانستان کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے ملک کا انتظام بہتر کیا اور ایران اور روس سے تعلقات استوار کیے۔ کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پشاور پر قبضہ کر لیا تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی رنجیت سنگھ اور کابل کے تخت کے دعوے دار شاہ شجاع سے مل کر امیر دوست محمد خان کو تخت سے ہٹانا چاہتی تھی۔ لارڈ آکلینڈ نے 1839ء میں افغانستان پر حملہ کر دیا۔ اگست میں کابل فتح ہوا۔ امیر دوست محمد خان نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا اور شاہ شجاع کابل کے تخت پر بیٹھا۔ مگر افغانوں نے امیر دوست محمد خان کے بیٹے اکبر خان کی قیادت میں بغاوت کر دی۔ انگریزوں کی ساڑھے سولہ ہزار فوج میں سے فقط ایک آدمی زندہ سلامت ہندوستان واپس پہنچا اور شاہ شجاع کو قتل کر دیا گیا۔ انگریزوں نے مجبور ہو کر دوست محمد خان کو رہا کر دیا۔ وہ کلکتے سے 1855 میں کابل واپس گیا اور تادمِ مرگ حکومت کرتا رہا۔ مرنے سے کچھ عرصہ پیشتر اس نے ہرات کو فتح کر کے افغانستان میں شامل کر لیا۔

امیر امان اللہ خان 1892ء تا 1960ء:

فرمانروائے افغانستان اپنے والد امیر حبیب اللہ خان کے قتل کے بعد 1919 میں کابل میں تخت پر بیٹھے چند ماہ بعد افغانستان کی تیسری جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں برطانوی افواج تین محاذوں میں مغلوب ہوئیں مگر معاہدہ راولپنڈی کی رُو سے برطانیہ نے افغانستان کی مکمل خودمختاری قبول کی اور دونوں حکومتوں میں مساوی درجے پر تعلقات قائم ہو گئے۔ امان اللہ خان روشن خیال حکمران تھے۔ انھوں نے افغانستان میں مغربی طرز کا نظم و نسق قائم کرنے کی کوشش کی۔ 1928ء میں ملکہ ثریا کے ہمراہ یورپ کا سفر کیا اور سوویت روس بھی گئے۔ وہ وہاں کے سماجی انقلاب سے بہت متاثر ہوئے اور افغانستان میں سماجی اصلاحات کیں۔ اس پر افغانستان کے رجعت پسند حلقے ان کے خلاف ہو گئے۔ ادھر انگریز بھی اُن سے خفا تھے کیونکہ ان کا رجحان روس کی طرف تھا۔ انگریزوں نے بچہ سقا کو بغاوت پر آمادہ کیا اور اس کی مدد کی۔ 1929ء میں بچہ سقا نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ امان اللہ خان یورپ چلے گئے اور روم میں سکونت اختیار کی۔ بعد میں سوئٹزرلینڈ چلے

گئے جہاں 25 اپریل 1960 میں وفات پائی۔

ظاہر شاہ، 16 اکتوبر 1914ء تا جولائی 2007ء:

افغانستان کے آخری بادشاہ یا امیر قتل کیے جانے والے افغان بادشاہ نادر شاہ کے بچ جانے والا واحد فرزند تھا جس کی تعلیم کابل اور فرانس میں ہوئی۔ 8 نومبر 1933ء میں اپنے والد بچہ سقا کے قتل کے چند گھنٹے بعد ہی ظاہر شاہ کو بادشاہ بنا دیا گیا اور اس نے متوکل اللہ پیرو دین متینِ اسلام کا لقب اپنالیا۔ 1946ء تک ظاہر شاہ کی بادشاہت میں ملک کا انتظام اس کے چچا محمد ہاشم اور شاہ محمود غازی نے چلایا۔ دوسری جنگ عظیم میں اس نے اپنے ملک کو غیر جانبدار رکھا لیکن 1964ء میں ظاہر شاہ نے ایک نیا آئین متعارف کروایا جس میں شاہی خاندان کے ارکان پر کچھ حکومتی عہدوں پر تعیناتی پر پابندی عائد کردی۔ دو ایوانوں پر مشتمل پارلیمینٹ، آزاد الیکشن، آزاد پریس اور سیاسی جماعتوں کی تشکیل کی اجازت دی گئی۔ اس سے افغانستان میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ غیر ملکی مدد کی ملک میں آمد سے افغانستان ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ ظاہر شاہ افغانستان میں اکثر مختلف علاقوں کے دورے کرتا تھا اور غیر ملکی دوروں پر بھی جاتا تھا۔ لیکن ان سب اصلاحات کے باوجود اس کی حکومت خالص پشتون حکومت تھی جس کی وجہ سے دوسری اقوام میں بغاوت کے اثرات بھی نمودار ہوئے لیکن اس کے باوجود اس کے طویل دور حکمرانی کو امن، سکیورٹی اور جدید سیاسی اصلاحات کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ چالیس سال پر محیط اس کے دور اقتدار کی اہم باتوں میں خواتین کی تعلیم، انتخابات میں رائے شماری اور پریس کی آزادی شامل ہیں۔ 1973ء میں جب ظاہر شاہ اٹلی کے دورے پر تھا تو اس کے چچا زاد بھائی سردار محمد داؤد نے اس کا تختہ الٹ دیا اور ایک ری پبلکن حکومت قائم کرلی جس کا صدر وہ خود بن گیا اور ظاہر شاہ چالیس سال تک افغانستان کا حکمران رہنے کے بعد اٹلی میں جلاوطن ہوگیا۔

سردار داؤد خان 1909ء تا 1978ء:

یہ شاہ افغانستان ظاہر شاہ کا چچازاد بھائی تھا۔ جس نے فرانس میں تعلیم پائی۔ وہ 31 سال کی عمر میں کابل واپس آیا اور پیادہ فوج کے افسروں کے سکول میں داخل ہوگیا۔ 1935ء میں ظاہر شاہ کی بہن سے شادی کی اور اسی سال اسے مشرقی صوبے کا گورنر اور ساتھ ہی جنرل آفیسر کمانڈنگ بنا دیا گیا۔ بعد میں وزیر جنگ اور وزیر داخلہ مقرر ہوا۔ 1953 میں وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوا۔ 1962ء میں مستعفی ہوگیا۔ جولائی 1973ء میں فوج نے ظاہر شاہ کا تختہ الٹ دیا اور 19 جولائی کو سردار داؤد جمہوریہ افغانستان کا صدر اور وزیر اعظم مقرر ہوا۔ 27 اپریل 1978ء کے انقلاب میں جاں بحق ہوگیا۔

ظاہر شاہ کے بعد افغانستان:

اس کی جلاوطنی کے دوران افغانستان میں روسی فوجی مداخلت بھی ہوئی اور طالبان کا دور بھی آیا اور ملک بد سے بدتر حالات کی طرف بڑھتا گیا۔ 1991ء میں ظاہر شاہ پر روم میں ان کے گھر پر ایک قاتلانہ حملہ بھی ہوا جس میں وہ بال بال بچ گیا لیکن اس کے بعد اگلے دس برس تک وہ پبلک میں زیادہ نظر نہیں آیا۔ 11 ستمبر کے حملوں کے بعد جب امریکہ نے افغانستان پر حملے کی تیاری کی تو ایک بار پھر ظاہر شاہ سفارتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا اور طالبان کے بعد کے افغانستان کو متحد کرنے میں اس کے کردار پر بات چیت شروع ہوئی۔ ظاہر شاہ 2002ء میں روم سے کابل واپس پہنچا اور تاریخی لویہ

[جِ]رگہ کی سربراہی کی۔ بعدازاں وہ دارالحکومت میں واقع اپنے سابق محل منتقل ہوگیا۔ اس کی اپنے سابق محل میں واپسی لویہ [جِ]رگے میں طے پانے والے ایک معاہدے کا حصہ تھی۔ اس نے اس بات پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ وہ حامد کرزئی کے [م]قابل افغانستان کے سربراہ کے لیے کھڑا نہیں ہوگا۔ لیکن افغانستان کے بادشاہ کو اپنی سابق سلطنت میں قدم رکھتے ہی [ا]یک بہت بری خبر نے آن لیا۔ اس کی جیون ساتھی ملکہ حمیرا، اٹلی میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کرگئی۔ ظاہر شاہ اس کے [ا]نتقال سے اس قدر متاثر ہوا کہ کئی دنوں تک کسی سے بھی ملاقات نہ کی۔ اس کے آٹھ بچے ہیں جن میں سے ایک شاہ محمود [ظ]اہر 2002ء میں 56 سال کی عمر میں روم میں انتقال کرگیا تھا۔ ظاہر شاہ کا 92 سال کی عمر میں کابل میں انتقال ہوا۔

[م]لا محمد عمر سنگسار:

افغانستان کی طالبان تحریک کا رہنماء جو کہ وہ 1996ء سے 2001ء تک افغانستان کا حکمران رہا پھر امریکی و نیٹو [ا]فواج نے اس کی حکومت کا خاتمہ کردیا۔ اس وقت وہ امریکی و نیٹو افواج کے خلاف گوریلا جنگ لڑ رہا ہے۔ ملا محمد عمر سنگسار، [ا]فغانستان میں 1959ء کو قندھار میں پیدا ہوا۔ دینی مدرسوں سے مذہبی تعلیم پائی۔ وہ ایک پشتون ہے۔ پہلے وہ روسی [فو]جوں کیخلاف گوریلا جنگ لڑتا رہا۔ ایک معرکے میں وہ زخمی ہوا اور اس کی ایک آنکھ ختم ہوگئی۔ بحیثیت حکمران اس نے [ا]فغانستان میں امن قائم کیا اور منشیات کا خاتمہ کیا۔ یہ وہ کام ہیں جو اس کے علاوہ اور کوئی نہ کرسکا۔ ان اقدامات کے لئے [بع]ض اوقات طاقت کا اندھا استعمال بھی کیا گیا۔ کچھ لوگوں کو اس کا سخت گیر اسلام ناپسند تھا۔ لیکن یہ سب پشتون روایات کا [ح]صہ تھا۔ اس طرح ملا عمر نے پشتون روایات کو شریعت اور اسلام کا نام دے کر غیر پشتون اقوام بالخصوص ہزارہ قبائل پر شدید [ظ]لم وستم روا رکھے۔ اسی فارمولے کے تحت بامیان صوبہ میں، جہاں ہزاروی اکثریت میں تھے، تاریخ کی بدترین نسل کشی [ک]ی گئی۔ یاد رہے کہ طالبان کابل پر قبضے کے ایک سال بعد بامیان پر قبضہ کرپائے تھے۔ بعدازاں بامیان کے ہزاروں [لو]گوں کو معاشی طور پر مفلوج کرنے کے لئے سیاحوں کے لئے دلچسپی کا سبب بننے والے بدھا کے مجسمے بھی تباہ کردیئے گئے۔ در پردہ مقاصد کے برعکس، اس اقدام کو بھی اسلام کی عظمت اور سربلندی کے لئے بت شکنی کا نام دیا گیا۔

ملا عمر نے بہت کم انٹرویو دیا اور اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں بہت کم لوگوں کو پتہ ہے۔ لیکن پشتونوں کے لئے اس کا نام ایک عظیم حریت پسند اور قوم پرست رہنما کے طور پر ہمیشہ رہے گا۔ ملا محمد عمر کی زندگی اور افغانستان کی سیاست میں 1979ء کا سن کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی برس ایک طرف تو افغانستان کے پڑوسی ملک ایران میں امام خمینی کے زیر قیادت اسلامی انقلاب آیا اور مغربی ذرائع ابلاغ میں لفظ 'فنڈامینٹل ازم' یعنی قدامت پرستی پہلی دفعہ سنائی دیا۔ دوسری طرف روسی افواج افغانستان میں داخل ہوئیں۔ یہ سرد جنگ کا دور تھا، مغربی ممالک بالخصوص امریکہ پاکستان کے سہارے کمیونسٹ افواج کے خلاف افغانستان میں جنگجوؤں کی امداد کرتے تھے۔ اس عہد میں یہ جنگجو 'مجاہدین' کہلاتے تھے۔ انہیں مجاہدین میں بیس برس کا ملا محمد عمر بھی شامل تھا۔ 1989 میں روسی افواج کی افغانستان سے واپسی کے بعد محمد عمر اپنے گاؤں واپس چلا گیا جہاں وہ مدرسے میں تعلیم وتدریس میں مصروف ہوگیا۔ بظاہر وہ سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی مقصود تھا۔ روسی افواج کی واپسی کے بعد افغانستان میں لاقانونیت کا دور شروع ہوچکا تھا۔ کل کے مجاہدین اب شرپسندی پر اتر آئے۔ باہمی خانہ جنگی بام عروج کی طرف بڑھنے لگی۔ جس کے ہاتھ میں طاقت تھی اسی کی من مانی تھی۔ افغانستان کی سڑکوں پر ظلم وستم کرنیوالوں نے چیک پوسٹیں بنا رکھی تھیں۔

1989ء میں روسی افواج کی واپسی سے 1994ء تک محمد عمر کی زندگی اپنے گاؤں تک محدود رہتی تھی لیکن 1994ء

Marfat.com

میں ہونے والے ایک واقعے نے محمد عمر کو افغانستان کی سیاست میں جھونک دیا۔ یہ ایک مظلوم و معصوم لڑکی کی عصمت دری کا واقعہ تھا۔ دوسرا واقعہ جس نے شاید ملا محمد عمر کو طالبان کی سربراہی کے لیے مجبور کر دیا وہ یہ ہے کہ دو سابق جنگجوؤں قندھار کے مرکز میں ایک خوبصورت لڑکے کیلئے ٹینکوں سے جنگ لڑی گئی۔ لاقانونیت کے اس ماحول کی وجہ سے ملا محمد نے طالبان کو منظم کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ اس کی اہمیت بھی بڑھتی گئی اور پہلی دفعہ اس کی ضرورت پاکستان کو اس وقت پڑی جب پاکستانی ٹرکوں کے ایک قافلے کو مقامی جنگجوؤں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ ٹرکوں کا یہ قافلہ افغانستان ذریعے وسطی ایشیا کے لیئے ایک تجارتی راہ کی تلاش میں تھا۔ بعد میں ملا محمد عمر کی حمایت سے ان ٹرکوں کو چھڑایا گیا۔ ملا محمد کی قیادت میں پاکستان اور عربوں کی مدد سے طالبان نے 1996ء میں کابل پر قبضہ کر لیا اور افغانستان کو اسلامی امارت قرار دیکر ملا محمد عمر کو امیر المومنین بنایا گیا۔ جلد ہی طالبان نے افغانستان کے نوے فیصدی حصے پر قبضہ کر لیا۔ افغانستان پر گزشتہ بائیس برسوں میں سے پانچ برس طالبان کا قبضہ رہا۔ تقریباً سات برس لاقانونیت کی نظر تھے اور دس برس افواج قابض تھیں۔

ملا داد اللہ 1966ء تا مئی 2007ء:

ملا داد اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ طالبان رہنما ملا عمر کا عسکری کماندار تھا اور اس کا شمار ملا عمر کے انتہائی قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا۔ 2001ء میں طالبان کی حکومت گرنے کے وقت ملا داد اللہ شمالی افغانستان میں تھا اور قندوز میں ایک ہزار طالبان جنگجوؤں کے ساتھ گھیرے میں لے لیا گیا۔ اطلاعات کے مطابق جب ملا داد اللہ شمالی اتحاد کے دستوں کے گھیرے میں آ گیا تو اس نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے پر رضامندگی ظاہر کی کہ اس کو ساتھیوں سمیت شہر باحفاظت نکل جانے دیا جائے۔ کچھ ایسی اطلاعات بھی ہیں کہ ملا داد اللہ نے ہتھیار پھینکنے سے انکار کر دیا لیکن وہ وہاں سے غائب ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ 2003ء میں اطلاعات کے مطابق ملا داد اللہ کو پاکستان میں دیکھا گیا جہاں افغانستان میں جنگ کو دوبارہ شروع کرنے کے لیے لوگوں کو قائل کر رہا تھا۔ 2003ء میں طالبان کے رہنما ملا عمر نے داد اللہ کو طالبان مجلس شوریٰ میں شامل کرنے کا اعلان کیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ملا داد اللہ اورزگان علاقے میں طالبان رہنما رہا۔ ملا داد اللہ اس وقت اخباروں کی شہ سرخیوں میں آیا جب اس نے اعلان کیا کہ پیغمبر اسلام کے کارٹون بنانے والوں کو قتل کرنے والے کو ایک سو کلوگرام سونا انعام کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ افغانستان میں امریکی فوج کی موجودگی کے بارے میں ملا داد اللہ نے کہا تھا کہ 'کافر' خودکش حملہ آوروں کا راستہ نہیں روک سکتے اور وہ امریکی اور ان کے حمایتیوں کے خلاف اپنا جہاد جاری رکھیں گے۔ ملا داد اللہ نے ایک موقع پر کہا تھا کہ افغانستان میں طالبان طیاروں کو گرانے کے لیے ایک نیا ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ ایک انٹرویو میں انہوں نے بی بی سی کو بتایا تھا کہ ان کے پاس سینکڑوں خودکش بمبار ہیں جو اس کے حکم پر افغانستان میں موجود غیر ملکی فوجیوں کے خلاف آپریشن کر سکتے ہیں۔ ملا داد اللہ کا تعلق جنوبی افغانستان میں ہونے والی اغواء کی حالیہ وارداتوں سے بھی جوڑا جاتا رہا۔ ملا داد اللہ کی جانب سے غیر ملکیوں کے سر قلم کیے جانے کی ویڈیوز بھی جاری کی جاتی رہی۔ ملا داد اللہ کا نام ان طالبان رہنماؤں میں شامل تھا جنہیں افغانستان کی حکومت نے پاکستان سے واپس لانے کے لیے کہا تھا۔ 2007ء میں اتحادی افواج اور افغان انتظامیہ نے کئی دفعہ ان کی گرفتاری کے دعوے کیے لیکن وہ سب غلط ثابت ہوئے۔ آخر کار مئی 2007ء میں ملک کے جنوبی حصے میں لڑتے ہوئے مارا گیا۔ طالبان نے ان کی ہلاکت کی تردید کی۔

Marfat.com

اسامہ بن لادن اور ملا محمد عمر

اگرچہ مغربی میڈیا اسامہ بن لادن اور ملا محمد عمر کی سیاست میں زیادہ تفریق نہیں کرتا لیکن یہ بات اہم ہے کہ اسامہ بن لادن ذاتی طور پر مغربی ممالک کے خلاف لڑنا چاہتا تھا جبکہ ملا محمد عمر نے عالمی سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی ہے۔ اس نے اپنا پہلا غیر ملکی ریڈیو انٹرویو بی بی سی کی پشتو سروس کو 25 فروری 1998 کو دیا۔ ملا محمد عمر صرف ایک دفعہ افغانستان سے باہر گیا۔ یہ واقعہ تب پیش آیا جب روسی افواج کیخلاف لڑتے وقت اس کی ایک آنکھ میں چوٹ لگی تھی اور اسے پاکستان آنا پڑا جہاں عالمی امدادی ادارے ریڈ کراس کے ڈاکٹروں نے ان کی آنکھ کا آپریشن کیا۔ افغانستان پر امریکہ قبضے اور طالبان کے خاتمے کے بعد ملا عمر آج تک روپوش ہے، اس کے آڈیو بیانات سامنے آتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کے متعلق آج تک کوئی نہیں جان سکا کہ وہ کہاں ہے؟

حامد کرزئی

قندھار کے کرز نامی ایک گاؤں سے تعلق رکھنے والے حامد کرزئی کا تعلق پشتون قبیلے پوپلزئی سے ہے۔ اس کے والد عبدالاحد کرزئی ظاہر شاہ کے عہد میں ایک اہم سیاسی شخصیت رہ چکے ہیں۔ وہ دو مرتبہ پارلیمنٹ کے رکن اور ایک مرتبہ اسپیکر بھی چنا گیا۔ اس کا خاندان 1982ء میں افغانستان میں حالات کی خرابی کے باعث کوئٹہ منتقل ہو گیا۔ حامد کے والد کو دو سال پہلے نامعلوم مسلح افراد نے اس وقت قتل کر دیا جب وہ قریبی مسجد سے نماز پڑھ کر گھر واپس آ رہے تھے۔ ان کا قتل بھی افغانستان کے اعتدال پسند سابق سیاستدانوں کی پاکستان میں ہلاکتوں کے سلسلے کی ایک کڑی سمجھا جاتا ہے۔ حامد کرزئی نے ابتدائی تعلیم کابل کے ایک اسکول میں مکمل کی اور اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے بھارت چلا گیا۔ تعلیم کی تکمیل ہندوستان کی شمالی ریاست ہماچل پردیش میں اور اس کے بعد امریکہ میں ہوئی۔ اسے اپنی مادری زبان پشتو کے علاوہ انگریزی اور دری زبانوں پر بھی عبور حاصل ہے۔

حامد کرزئی نے 1982 میں افغانستان لبریشن فرنٹ کے ڈائریکٹر آپریشنز کی حیثیت سے افغان جہاد میں حصہ لیا۔ اسے پہلا سرکاری عہدہ پروفیسر صبغت اللہ مجددی کی سربراہی میں بننے والی عبوری حکومت میں بطور ڈائریکٹر جنرل تعلقات خارجہ ملا۔ مجاہدین دور حکومت میں وہ 1992 سے 1994 تک افغانستان کا نائب وزیر خارجہ رہا۔ اس نے طالبان اسلامی تحریک کی ابتدا میں امن کی بحالی اور افراتفری کے خاتمے کی وجہ سے حمایت کی لیکن بعد میں اس کے سخت گیر موقف کی وجہ سے اس سے الگ ہو گیا۔ دو برس پہلے جب اس کے والد کو قتل کر دیا گیا تو شک کی انگلی طالبان کی جانب اٹھائی گئی۔ امریکہ نے جب افغانستان میں فوجی کارروائی شروع کی، تو اس وقت وہ پاکستان میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس نے طالبان کے خلاف مختلف دھڑوں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور انہی خدمات کے صلے میں حامد کرزئی کو کابل پر امریکی قبضے کے بعد عبوری حکومت کا سربراہ مقرر کیا۔ اکتوبر 2004ء میں ہونے والے انتخابات میں اپنے حریف یونس قانونی کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی اور افغانستان کے پہلے باقاعدہ منتخب صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ حامد کرزئی کا شمار دنیا کے کمزور ترین سربراہ مملکت میں ہوتا ہے اور اس کی گورنمنٹ کی حدود صرف دارالحکومت تک محدود ہے۔ حامد کرزئی کی حکومت کے تعلقات پاکستان کے ساتھ ہمیشہ سے کشیدہ رہے۔ وہ پاکستان کو افغانستان کی خراب صورت حال کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔ اس کے خیال میں پاکستان ہی طالبان کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ لیکن پاکستان

Marfat.com

اس بات کی ہمیشہ سے تردید کرتا چلا آیا ہے۔ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے کئی دفعہ اعلیٰ سطح کی ملاقاتیں بھی ہوئیں لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔پاکستانی حکومت کا الزام ہے کہ جو شخص صرف دارالحکومت کو کنٹرول کر سکتا ہو اور ایک کٹھ پتلی صدر ہو وہ اپنی کمزریاں چھپانے کے لیے پاکستان پر الزام نہیں لگائے گا تو اور کس پر لگائے گا۔

سلطنت مالی:

سلطنت مالی مینڈن لوگوں کی سلطنت تھی جو مغربی افریقہ میں 1235ء سے 1645ء تک قائم رہی۔مغربی افریقہ کے ممالک (جو زیادہ تر اسی سلطنت کا حصہ رہے ہیں) کے رہن سہن، زبانوں، قوانین و رسوم و رواج پر سلطنت مالی کے اثرات پائے جاتے ہیں۔وفاقی دارالحکومت جنوبی صحارہ میں آباد شہر نیانی (Niani) تھا۔موجودہ جمہوریہ مالی میں اس نام کے دو شہر آباد ہیں لیکن تاریخ دانوں کے مطابق ان میں سے کوئی بھی سلطنت مالی کا دارالحکومت نہیں تھا۔1380ء میں تخمینہ آبادی کے مطابق سلطنت کی آبادی دو کروڑ کے لگ بھگ تھی اور اسکا رقبہ لگ بھگ گیارہ لاکھ مربع کلومیٹر تھا۔سلطنت موجودہ شمالی گنی اور موجودہ جنوبی مالی کے علاقوں پر مشتمل تھی اور اہم مذاہب میں اسلام اور قدیم افریقی مذاہب شامل تھے۔زبانوں میں مینڈن گروہ کے زبانیں بولی جاتی تھیں، جن میں سے کافی زبانیں موجودہ مغربی افریقی ممالک میں بولی جاتی ہیں۔اہم تعمیرات میں جینے کی عظیم مسجد (DjennéofMosqueGreat) ہے جو آج بھی مالی کے شہر جینے میں واقع ہے اور مٹی گارہ سے تعمیر کی گئی سب سے بڑی موجود عمارت تصور کی جاتی ہے۔سلطنت کے پھلنے پھولنے کی اہم ترین وجہ تجارت سمجھی جاتی ہے۔سلطنت میں سونے کی تین کانیں تھیں اور حکومت سونے کے ہر اونس کی تجارت پر ٹیکس وصول کرتی تھی۔

منسا موسیٰ:

منسا موسیٰ سلطنت مالی کا سب سے مشہور اور نیک نام حکمران رہا ہے جس نے 1312ء سے 1337ء تک حکومت کی۔اس کے عہد میں مالی کی سلطنت اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گئی۔ٹمبکٹو اور گاد کے مشہور شہر فتح ہوئے اور سلطنت کی حدود مشرق میں گادسے مغرب میں بحر اوقیانوس اور شمال میں تغازہ کی نمک کی کانوں سے جنوب میں ساحلی جنگلات تک پھیل گئی۔منسا کو سب سے زیادہ شہرت اس کے سفرِ حج کی وجہ سے ہوئی جو اس نے 1324ء میں کی تھا۔یہ سفر اتنا پرشکوہ تھا کہ اس کی وجہ سے منسا موسیٰ کی شہرت نہ صرف اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصے میں پھیل گئی بلکہ تاجروں کے ذریعے یورپ تک اس کا نام پہنچ گیا۔اس سفر میں منسا موسیٰ نے اس کثرت سے سونا خرچ کیا کہ مصر میں سونے کی قیمتیں کئی سال تک گری رہیں۔منسا موسیٰ مکہ معظمہ میں ایک اندلسی معمار ابو اسحاق ابراہیم الساحلی کو اپنے ساتھ لایا جس نے بادشاہ کے حکم سے گاد اور ٹمبکٹو میں پختہ اینٹوں کی دو مساجد اور ٹمبکٹو میں ایک محل تعمیر کیا۔مالی کے علاقے میں اس وقت پختہ اینٹوں کا رواج نہیں ہوا تھا۔منسا موسیٰ کے زمانے میں مالی کے پہلی مرتبہ بیرونی ممالک سے تعلقات قائم ہوئے چنانچہ مراکش کے مرینی سلطان ابو الحسن سے اس کے اچھے تعلقات تھے۔منسا موسیٰ درویش صفت اور نیک حکمران تھا۔اس کے عدل و انصاف کے متعدد قصے تاریخوں میں درج ہیں۔

منسا موسیٰ کے بعد مالی کی سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ایک ایک کر کے تمام علاقے ہاتھ سے نکل گئے اور 1854ء میں شہر گاد کے سونگھائی حکمران نے مالی کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اسی منسا موسیٰ کے

Marfat.com

ئی سلیمان بن ابوبکر کی حکومت کے دوران مالی کی مملکت میں ایک سال سے زیادہ قیام کیا اور ٹمبکٹو کی بھی سیر کی اور قے کی مالی خوشحالی اور امن وامان کی تعریف کی۔ چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں سلطنت مالی دنیا میں سونے کی ں ترسیل کے نصف کی مالک تھی۔ لین دین کے لیے کوئی مخصوص سکہ رائج نہ تھا، تاہم سونے کے ٹکڑوں کو کاروباری لین ین کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ سونے کے بعد دیگر اہم تجارتی لین دین کی اکائیوں کے طور پر نمک اور تانبا بھی استعمال یا جاتا تھا۔ سلطنت مالی کی پیشہ ورانہ فوج تھی جس کا کام سرحدوں کی حفاظت تھا۔ سلطنت کے ہر قبیلہ کے ذمہ لڑنے لے افراد کی ایک تعداد بوقت ضرورت فراہم کرنا تھی اور عروج وزوال کے ادوار میں سلطنت مالی کے لگ بھگ ایک لاکھ راد پر مشتمل فوج تھی، جنہیں انتہائی کم وقت میں اکٹھا اور سلطنت کے کسی بھی حصہ میں بھیجا جاسکتا تھا۔

رانسیسی تسلط:

فرانسیسی سوڈان شمالی افریقہ کی آٹھ فرانسیسی کالونیوں میں سے ایک تھی جو تاریخی ادوار میں دو دفعہ 1890ء تا 189ء اور 1920ء تا 1960ء قائم رہی، حتی کہ 1960ء میں فرانس سے مکمل آزادی حاصل کر کے جمہوریہ مالی بن گیا۔ انسیسی کالونی کی بنیاد 8 ستمبر 1880ء کو بالائی سینی گال کے نام سے رکھی گئی جس کا نام تبدیل کر کے 18 اگست 1890ء فرانسیسی سوڈان کر دیا گیا، اور کیز دارالحکومت قرار پایا۔ 10 اکتوبر 1899 کو کالونی ٹوٹ گئی اور گیارہ جنوبی صوبے نسیسی گنی، آیوری کوسٹ اور ذوہاہیے بنے تاہم دو صوبے بعد میں واپس مل گئے۔ 1902ء میں کالونی کے حصے جو فوجی ترکٹ نہ تھے، سینی گامبیا اور نائیجر بنے، اور بعد میں بالائی سینی گال اور نائیجر 1904ء میں اور 1920ء میں تنظیم نو کے قدیم نام دوبارہ سے اپنایا گیا۔ 1933ء میں بالائی وولٹا کو چھوڑنے کے بعد فرانسیسی سوڈان کو اس کے مزید صوبے پس مل گئے۔ 4 اکتوبر 1958ء کو فرانسیسی آئینی ریفرنڈم کے بعد فرانسیسی سوڈان، فرانسیسی کمیونٹی کا ممبر بنا اور مکمل داخلی خود اری 25 نومبر 1958ء کو ملی۔ 4 اپریل 1959ء کو فرانسیسی سوڈان نے سینی گال کے ساتھ اتحاد کر کے مالی فیڈریشن کی ادر کھی جو فرانسیسی کمیونٹی کے اندر مکمل خودمختار ہوگئی۔ فیڈریشن 20 اگست 1960ء کو سینی گال کے اخراج کی وجہ سے طاط کا شکار ہوئی اور 22 ستمبر کو فرانسیسی سوڈان نے فرانسیسی کمیونٹی سے الگ ہو کر مکمل آزاد ملک جمہوریہ مالی کے قیام کا لان کیا۔

سلطنت شام / شکری القوتلی:

شکری شام کے پہلے صدر تھے۔ آپ شام کی جدوجہد آزادی میں شامل اہم شخصیات میں سے ایک تھے۔ وہ 189ء میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم جامعہ استنبول میں حاصل کی۔ 1913ء میں تعلیم مکمل کر کے وطن واپس گئے۔ انہوں نے زمانہ طالب علمی ہی میں سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ 1908ء میں استنبول میں قائم ہونے الی عرب نوجوانوں کی خفیہ تنظیم 'جمعیہ الفتاۃ' کے قیام میں ان کا اہم حصہ تھا۔ دمشق واپس آ کر انہوں نے عملی سیاست میں حصہ لیا۔ 1916ء میں پہلی جنگ عظیم کے دوران عربوں کی بغاوت کے بعد جن شامی رہنماؤں کو جمال پاشا نے سازش کے الزام میں گرفتار کیا تھا ان میں شکری القوتلی بھی شامل تھے۔ اعتراف جرم کرانے کے لیے ان کو مسلسل کوڑے مارے گئے۔ شکری القوتلی کو اس وقت رہا کیا گیا جب فیصل بن حسین نے جمال پاشا کو دھمکی دی کہ اگر شامی حریت پسندوں کو رہا کیا گیا تو مکہ اور طائف میں گرفتار کیے جانے والے ترک افسر قتل کر دیے جائیں گے۔ 1920ء میں جب فرانس نے شاہ

Marfat.com

فیصل کو دمشق سے بے دخل کیا تو شام کے حریت پسند رہنماؤں کو بھی گرفتار کر لیا ان میں شکری القوتلی بھی شامل تھے جنہیں سزائے موت سنائی گئی۔ لیکن شکری کسی طرح جیل سے بھاگ نکلے اور یورپ ہوتے ہوئے مصر پہنچ گئے۔ سیاسی قیدیوں کی عام معافی کے اعلان کے بعد وہ پھر شام واپس آ گئے اور آزادی کی تحریک میں پھر سرگرمی سے حصہ لینا شروع کر دیا۔

شکری القوتلی شام کی ممتاز سیاسی جماعت حزب استقلال کے بانی ہیں۔ 1923ء میں انہیں دوبارہ سزائے موت سنائی گئی لیکن وہ روپوش ہو گئے اور مصر، فلسطین اور حجاز میں رہ کر شام کی آزادی کے لیے کام کیا۔ عام معافی کے بعد وہ پھر شام واپس آ گئے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران جب شامی رہنماؤں نے شام کی آزادی کا اعلان کیا تو شکری کو ان کی خدمات کی وجہ سے 11 مارچ 1943ء کو جمہوریہ شام کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ وہ اس عہدے پر مارچ 1949ء کے فوجی انقلاب تک فائز رہے۔ 1945ء میں فرانس نے شام کی نوآزاد جمہوریہ کو ختم کرنے کے لیے دمشق پر شدید گولہ باری کی اور شہر پر قبضہ کر لیا اس وقت شکری القوتلی سخت بیمار تھے۔ اُس وقت برطانوی سفیر نے ان سے ملاقات کی اور فرانس کے ساتھ صلح نامے پر دستخط یا کسی محفوظ مقام پر منتقلی کی تجویز دی جو انہوں نے رد کر دی۔ ان کے اس عزم و حوصلے کے باعث ہی فرانس گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوا اور اسے اگلے سال شام خالی کرنا پڑا۔ اسرائیل اور عربوں کی پہلی جنگ (1947ء) شکری القوتلی کے دورِ صدارت میں ہوئی۔ شام کی سرحد چونکہ فلسطین سے ملتی تھی اس لیے شام کا اسرائیل سے براہِ راست تصادم ہوا۔ لیکن جنگ میں شام کی فوجیں کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔ شام کی اس ناکامی نے عوام میں بے چینی پیدا کر دی جس سے شام کے فوجی افسروں نے فائدہ اٹھایا اور مارچ 1949ء میں شکری القوتلی کی جمہوری حکومت کا خاتمہ کر کے فوجی آمریت قائم کر دی۔ فوجی آمریت کے خاتمے کے بعد اگست 1955ء میں ہونے والے پہلے عام انتخابات میں شکری القوتلی ایک مرتبہ پھر صدر منتخب ہوئے۔ انہوں نے انتہائی پرآشوب دور میں اقتدار سنبھالا۔ فوج اگرچہ سیاست سے بظاہر بے دخل ہو گئی تھی لیکن اس کی مداخلت اور اندرونی سازشیں جاری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ 30 اکتوبر 1956ء کو جب اسرائیل نے مصر پر حملہ کیا تو شام کوئی موثر قدم نہ اٹھا سکا۔ شام میں قوم پرست بعث پارٹی اور اشتراکی عناصر نے زور پکڑ لیا تھا اور انہوں نے فوج کے ان عناصر کو بھی غلط راستے پر ڈال دیا تھا جو نصیری اور دروزی فرقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ فوجی عناصر شام کو خالص کمیونسٹ ریاست میں تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ ان حالات میں اشتراکیت مخالف شامی حلقوں نے، جن میں اخوان بھی شامل تھے، مناسب سمجھا کہ شام کا مصر سے الحاق کر دیا جائے۔

متحدہ عرب جمہوریہ:

مصر اور شام کے الحاق کی تحریک میں شکری القوتلی کا نمایاں ہاتھ تھا۔ ستمبر 1957ء میں ان کی کوششوں سے شام اور مصر کے درمیان ایک فوجی معاہدہ ہوا اور یکم فروری 1958ء کو شام اور مصر نے متحدہ عرب جمہوریہ تشکیل دی۔ شامی حکومت ختم کر دی گئی اور صدر قوتلی اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ یہ شامی و مصری اتحاد ستمبر 1961ء تک قائم رہا۔ اس کی بڑی وجہ مصر کا شام کو نوآبادی بنا لینا اور شام میں پولیس راج کا قیام تھا۔ بعثی و اشتراکی عناصر کی دھاندلیوں اور قاہرہ کی بے تدبیریوں کی وجہ سے متحدہ عرب جمہوریہ اپنے قیام کے صرف تین سال 7 ماہ بعد ختم ہو گئی۔ اس دوران 1959ء میں صدر ناصر سے تنازع کے باعث انہیں ایک مرتبہ پھر انہیں جلاوطن کر دیا گیا اور اس طرح ان کا سیاسی دور اختتام کو پہنچا۔ 1967ء میں اُن کا بیروت، لبنان میں انتقال ہو گیا۔

❀❀❀❀

Marfat.com

شمالی افریقہ کی سلطنتیں

یہ مراکش میں مسلمانوں کی قدیم شیعی سلطنت (788-974) ہے جس کا بانی ادریس اول حضرت علی کی اولاد میں
ا۔عرب میں عباسیوں کے خلاف بغاوت کی ناکامی کے بعد ادریس مرکزی مراکش کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں اس
نی حکومت کی بنیاد رکھی۔اس کے بیٹے ادریس دوم نے شہر فیض کی بنیاد رکھی۔ بربریوں کی بغاوتوں، ہسپانیہ کے
ں اور تیونس کے فاطمیوں نے ادریسی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔بیسویں صدی کے شروع میں عربوں کی ایک سلطنت
پہلا حاکم احمد الادریس مراکش کے ادریسی خاندان سے تھا۔ اس نے خالص مذہبی بھائی چارے کی بنیاد پر ایک
ت قائم کی۔اسی خاندان کے ایک فرد سید محمد السنوسی نے شمالی افریقہ میں سنوسی بھائی چارے کی بنیاد رکھی۔ یہ مقام
کے قریب ہے۔غرناطہ کا آخری بادشاہ الزاجل یہیں بھاگ کر آیا تھا لیکن یہاں کے بادشاہ نے اس پر التفات نہیں
سلطان ترکی کی بحری قوت گھٹنے کے بعد جب یورپین طاقتوں نے زور پکڑا تو اس مقام پر بھی اہل یورپ کے
ں کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ان کا آنا تھا کہ سلطان کے اختیارات پر اثر پڑنے لگا۔اگر ایک ہی یورپین طاقت کا
زر ہوتا تو سلطان مراکش کا خاتمہ ہو جاتا۔ چونکہ ایک طاقت دوسرے کی حریف ہے، اس سہارے میں سلطان
فیض (دارالخلافت) میں بادشاہی تخت پر جلوہ افروز رہا۔

ن مرابطین:

453ھ تا 541ھ بمطابق 1061ء تا 1147ء

یہ صحرائے اعظم کا ایک بربر خاندان تھا جس نے 11ویں صدی میں شمال مغربی افریقہ اور مسلم اندلس پر عظیم الشان
ن قائم کی۔اس حکومت کا بانی تاریخ ملت اسلامیہ کا عظیم حکمران اور فاتح یوسف بن تاشفین تھا جس نے دولت
نا پر (1061ء تا 1107ء) کل 50 سال حکومت کی۔یوسف کے بعد یہ حکومت کل چالیس سال قائم رہی۔یوسف
شفین مراکش کے جنوب میں صحرائی علاقے کا رہنے والا تھا جس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے صحرائے اعظم اور اس
رب میں خاندان مرابطین کی حکومت قائم کی اور بعد ازاں اسے اسپین تک پھیلا دیا۔اس نے صحرائے اعظم میں
والے نیم وحشی اور حبشی باشندوں سے کئی سال تک لڑائیاں کیں اور اپنی حکومت دریائے سینی گال تک بڑھا دی تھی۔
ان قبائل کے خلاف جہاد ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ان میں اسلام کی تبلیغ بھی کرتے تھے اور اس طرح انہوں نے بے
بروں اور حبشیوں کو مسلمان بنایا۔تبلیغ کا یہ کام یوسف کے چچا عبداللہ بن یٰسین کی نگرانی میں ہوتا تھا۔جنہوں نے
مد کیلئے دریائے سینی گال کے ایک جزیرے میں ایک خانقاہ بنائی تھی۔یوسف اس تبلیغی کام میں اپنے چچا کے
ہوتا تھا۔لیکن بعد میں وہ شمال کی طرف آ گیا اور یہاں فاس اور دیگر شہر فتح کر کے کوہ اطلس کے دامن میں شہر
ں کی بنیاد ڈالی۔

Marfat.com

جنگ زلاقہ:

(23 اکتوبر 1086ء بمطابق رمضان 476ھ) دولت مرابطین کے عظیم مجاہد رہنما یوسف بن تاشفین اور اسپین کی عیسائی ریاست قشتالہ کے بادشاہ الفانسو ششم کے درمیان لڑی گئی جس میں یوسف بن تاشفین نے تاریخی فتح حاصل کی۔ اندلسی خلیفہ ہشام ثانی نے اپنے 26 سالہ دور حکومت میں ہسپانیہ میں ابھرتی ہوئی عیسائی ریاستوں کے خلاف 52 مہمات میں حصہ لیا اور کبھی بھی شکست نہیں کھائی لیکن 1002ء اس کے انتقال کے بعد اسپین میں مسلم حکومت کو زوال آ گیا اور وہ کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ 1082ء میں الفانسو ششم نے قشتالہ سے اپنی تاریخی فتوحات کے سفر کا آغاز کیا۔ نااہل مسلم حکمرانوں میں اسے روکنے کی ہرگز صلاحیت نہیں تھی۔ 1085ء میں اس نے بنوامیہ کے دور کے دارالحکومت طلیطلہ پر قبضہ کرلیا۔ شہر کے عظیم باسیوں نے 5 سال تک عیسائیوں کے خلاف بھرپور مزاحمت کی لیکن بالآخر ہمت ہار بیٹھے۔ الفانسو کا اگلا ہدف سرغوسہ کی کمزور ریاست تھی۔

مسلم حکمرانوں کی نااہلی کے مکمل ادراک کے بعد علماء نے شمال مغربی افریقا میں دولت مرابطین کے امیر یوسف بن تاشفین سے رابطہ کیا اور ان سے اندلس کی ڈوبتی ہوئی مسلم ریاست کو بچانے کا مطالبہ کیا۔ اشبیلیہ، غرناطہ اور باداجوز کے قاضیوں نے یوسف سے مطالبہ کرتے ہوئے یہ شرط رکھی کہ وہ مقامی حکمرانوں کی خودمختاری برقرار رکھیں گے۔ یوسف نے تمام شرائط تسلیم کیں جس کے بدلے میں انہیں قلعہ قائم کرنے اور اپنی افواج کو منظم کرنے کے لئے ساحلی شہر الجزیرہ سے نوازا گیا۔ انتظامات مکمل کرنے کے بعد یوسف 12 ہزار فوجیوں کے ساتھ اشبیلیہ روانہ ہوا اور الجزیرہ کے قلعے میں ہزار فوجیوں کو چھوڑا۔ وہ 8 روز اشبیلیہ میں رہا اور اندلس کے حکمرانوں کی جانب سے فراہم کردہ فوجی دستوں کی ترتیب و تنظیم کرتا رہا۔ کل 20 ہزار افواج کے ساتھ یوسف شمال کی جانب روانہ ہوا جہاں اس کا ٹکراؤ زلاقہ کے میدان میں الفانسو ششم سے ہوا۔ قشتالہ کے بادشاہ الفانسو ششم کو 80 ہزار شہسواروں، 10 ہزار پیادوں اور 30 ہزار کرائے کے عرب فوجیوں کی خدمات حاصل تھیں۔ 20 ہزار مسلم افواج میں سے شامل 12 ہزار بربر (10 ہزار شہسوار اور دو ہزار پیادی) بہترین جنگجو تھے جبکہ مقامی 8 ہزار افواج شہسواروں اور پیادہ افواج پر مشتمل تھے۔ دونوں سپہ سالاروں نے جنگ سے قبل پیغامات کا تبادلہ کیا۔ یوسف نے دشمن کو تین تجاویز پیش کیں: 1۔ اسلام قبول کرو، 2۔ جزیہ 3۔ یا جنگ۔

الفانسو نے مرابطین سے جنگ کو ترجیح دی۔ جنگ 23 اکتوبر 1086ء بروز جمعہ صبح سورج نکلتے وقت الفانسو کے حملے کے ساتھ شروع ہوئی۔ یوسف نے اپنی فوج کو دستوں میں تقسیم کیا۔ پہلے دستے کی قیادت عباد ثالث المعتمد کر رہا تھا جبکہ دوسرے دستے کی قیادت خود یوسف بن تاشفین نے کی۔ دوپہر تک المعتمد کی افواج ہی الفانسو کا مقابلہ کرتی رہیں جس کے بعد یوسف بن تاشفین اپنی فوج سمیت جنگ میں داخل ہوا اور الفانسو کی افواج کا گھیراؤ کرلیا جس پر عیسائی افواج میں افراتفری پھیل گئی اور یوسف نے سیاہ فام باشندوں پر مشتمل تیسرے دستے کو حملے کا حکم دے دیا جس نے آخری وفیصلہ کن حملہ کرتے ہوئے جنگ کا فیصلہ مسلم افواج کے حق میں کردیا۔ مسلمانوں کی فیصلہ کن فتح کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 60 ہزار کے عیسائی لشکر میں سے 59 ہزار 500 اس جنگ میں کام آئے جبکہ الفانسو زندہ بچ گیا تاہم اس کی ایک ٹانگ ضائع ہو گئی۔ اس میدان جنگ کو زلاقہ کے نام سے پکارا جاتا ہے جس کا مطلب ''پھسلتا ہوا میدان'' ہے کیونکہ معرکے کے روز اس قدر خون بہا کہ افواج کو قدم جمانے میں مشکل ہونے لگی۔ اس تاریخی فتح کے نتیجے میں اگلے 300 سال تک اسپین میں مسلم حکومت موجود رہی بصورت دیگر 1092ء میں ہی ختم ہو جاتی۔ اس جنگ کو صلیبی جنگوں کے

Marfat.com

غاز کی اہم ترین وجہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس میں شکست کے بعد ہی عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف وسیع پیمانے پر رحیت کے سلسلے کا آغاز کیا۔

اس جنگ کے بعد یوسف وطن واپس آگیا لیکن اندلس کے مسلم حکمرانوں نے عیسائیوں کے ہاتھوں اقتدار بال بال بچنے کے بعد دوبارہ وہی روش اختیار کر لی جس پر غزالی اور طرطوسی سمیت نامور علمائے کرام نے یوسف کے لیے فتویٰ جاری کیا کہ اگر وہ اندلس کے حکمرانوں کی حکومت ختم کر دے تو اس پر کوئی وبال نہ ہوگا۔ اس طرح 1094ء میں اس نے تمام اندلس کو دولت مرابطین میں شامل کر کے اندلس کو مسلمانوں سے چھیننے کی عیسائی کوششوں کو زبردست دھچکا پہنچایا۔ 109ء میں یوسف نے اپنے لیے امیر المسلمین کا خطاب پسند کیا۔ 1106ء میں 100 سال کی عمر میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال کے وقت مرابطین کی حکومت اپنے عروج پر تھی جس میں تمام شمال مغربی افریقہ اور دریائے تغوس (دریائے تاجہ) کے مغرب کا تمام اسپین اور دریائے ایبرو کے دہانوں تک مشرقی ساحل اور جزائر بیلارک شامل تھے۔

دورِ زوال:

یوسف کے انتقال کے تین سال بعد اس کے جانشیں علی بن یوسف کے دور حکومت میں 1119ء اور 1121ء میں عیسائیوں نے اندلس پر حملے کیے لیکن ناکام رہے۔ ان حملوں میں فرانسیسیوں نے ارغونی عیسائیوں کی مدد کی تاکہ سرقسطہ کو مسلمانوں سے چھین لیا جائے۔ 1138ء میں علی بن یوسف کو قشتالہ اور لیون کے الفانسو ہفتم کے ہاتھوں اور 1139ء میں جنگ اوریک میں الفانسو اول کے ہاتھوں شکست ہوئیں۔ 1147ء میں پرتگیزیوں کی جانب سے لزبن کی فتح کے بعد یہی الفانسو تخت پر بٹھایا گیا۔ اس عرصے میں موحدین ملک میں بھرپور قوت پکڑ گئے اور 1142ء میں علی کے انتقال کے بعد اس کے صاحبزادے و جانشیں تاشفین بن علی کی حکومت موحدین کے مقابلے میں اپنی ساکھ کھونے لگی۔ اس دوران 1146ء میں تاشفین بن علی کو قتل بھی کر دیا گیا۔ اس کے دو جانشیں ابراہیم بن تاشفین اور اسحاق بن علی بے اختیار حکمران تھے۔ 1147ء میں موحدین کے ہاتھوں مراکش شہر کی فتح نے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تاہم مرابطین کا ایک حصہ (بنو غانیہ) جزائر بیلارک اور تیونس میں حکومت بچانے کی جدوجہد کرتا رہا۔

خاندان مرابطین کی حکومت:

یوسف بن تاشفین	453ھ تا 500ھ بمطابق 1061ء تا 1107ء
علی بن یوسف تاشفین	500ھ تا 537ھ بمطابق 1107ء تا 1143ء
تاشفین بن علی	537ھ تا 541ھ بمطابق 1143ء تا 1147ء

خلافت موحدین:

موحدین بربر مسلمانوں کی ایک زبردست قوت تھی جس نے 12 ویں صدی عیسوی میں شمالی افریقہ اور اندلس پر حکومت کی۔ ان کی حکومت شمالی افریقہ میں مصر تک پھیل گئی تھی۔

ابن تومرت:

اس خاندان کے بانی محمد بن تومرت تھے جو کوہ اطلس کے ایک بربر قبیلے کے رکن تھے۔ وہ ایک پیش امام کے

Marfat.com

صاحبزادے تھے۔ محمد ابن تومرت بہت بڑے عالم دین تھے۔ وہ عہد سلجوقی کے مشہور عالم امام غزالی کے شاگرد تھے اور انہی کی تحریک پر انہوں نے مغرب (یعنی مراکش) میں اپنی اصلاحی تحریک شروع کی۔ اس تحریک کا مقصد سماجی و اخلاقی اصلاح تھا۔ وہ جہاں کہیں شریعت کے خلاف کوئی حرکت دیکھتے تو اس پر ٹوکتے۔ انہوں نے مسلمانوں میں پھیلنے والی شراب نوشی اور بے پردگی سمیت دیگر برائیوں کے خاتمے کے لئے بھرپور جدوجہد شروع کی۔ ان کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت دیکھ کر مرابطین کی حکومت کو خطرہ پیدا ہوا اور ان کو مراکش سے جلاوطن کر دیا۔ وہ دوسرے شہر اغمات آگئے لیکن یہاں سے بھی انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ اب وہ اپنے وطن ہرغہ چلے گئے جو کوہ اطلس میں واقع تھا۔ یہاں کے لوگوں نے ہزاروں کی تعداد میں ان کی دعوت قبول کی۔ انہوں نے فوجی تربیت بھی حاصل کی اور مذہبی تعلیم بھی۔ اب مرابطین کی فوج یہاں بھی آگئی اور بستی کا محاصرہ کر لیا لیکن اب ابن تومرت کے ساتھی، جن کا نام موحدین تھا، مقابلہ کرنے کے قابل ہوگئے تھے اس لئے بڑی سخت لڑائی ہوئی اور سرکاری فوج کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد موحدین اور مرابطین میں لڑائیوں کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ 524ھ میں ابن تومرت کا انتقال ہوگیا اور ان کے ایک ساتھی عبدالمومن کو جماعت موحدین کا امیر منتخب کر لیا گیا۔

عبدالمومن:

عبدالمومن کے زمانے میں موحدین نے بڑی قوت حاصل کی انہوں نے 1147ء میں مراکش پر قبضہ کر کے مرابطین کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد عبدالمومن نے ایک فوج اندلس بھیجی جس نے مرابطین کی حکومت وہاں سے بھی ختم کر دی۔ اب عبدالمومن نے مشرق کا رخ کیا اور طرابلس تک اپنی سلطنت کو وسعت دے دی۔ اس زمانے میں طرابلس، تیونس اور مہدیہ جو اس وقت افریقہ کہلاتا تھا، پر نارمن عیسائی قوم قابض تھی جس طرح مشرق میں نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی نے مسیحی حکومت کا خاتمہ کیا، اسی طرح عبدالمومن نے تیونس اور طرابلس فتح کر کے مغرب میں عیسائی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ مرابطین اور موحدین کی لڑائیوں کے زمانے میں اندلس میں مسیحی پھر زور پکڑ گئے تھے۔ عبدالمومن نے اندلس میں بھی ان کی پیش قدمی روکی۔ عبدالمومن نورالدین زنگی کا ہمعصر تھا اور اس کا مسلمانوں پر اتنا ہی احسان ہے جتنا نورالدین اور اس کے جانشین صلاح الدین کا ہے۔ عبدالمومن نے جتنی وسیع حکومت قائم کی اتنی بڑی حکومت شمالی افریقہ کے کسی مسلمان نے اب تک قائم نہیں کی تھی اور نہ اس کے بعد پھر اتنی بڑی حکومت قائم ہوئی۔ عبدالمومن تاریخ اسلام کا بہت بڑا حکمران ہے۔ وہ ایک معمولی انسان تھا اس نے اپنی قابلیت سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ وہ شریعت کا بڑا پابند تھا اور اس نے اس کی کوشش کی کہ قرآن اور سنت کے مطابق حکومت کی جائے۔ وہ علم و فن کا بھی بڑا سرپرست تھا اور اس دور کے مشہور فلسفی ابن طفیل (متوفی 1185ء) اور اس عہد کے سب سے بڑے طبیب عبدالملک ابن زہر اس کے دربار سے وابستہ تھے۔

یوسف بن عبدالمومن:

عبدالمومن کے بعد موحدین کی جماعت نے اس کے بیٹے یوسف کو امیر منتخب کیا۔ یوسف نے 22 سال تک بڑی قابلیت سے حکومت کی۔ اندلس کے شہر اشبیلیہ کو بڑی ترقی دی۔ یوسف اموی خلیفہ الحکم کی طرح علم و ادب کا شوقین تھا۔ اس نے مراکش میں جو کتب خانہ قائم کیا تھا اس میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔

یوسف یعقوب المنصور:

ابو یوسف یعقوب المنصور (1160ء تا 23 جنوری 1199ء) خلافت موحدین کا تیسرا خلیفہ تھا، جس نے اپنے ادابو یعقوب یوسف کی جگہ تخت سنبھالا۔ اس نے 1184ء سے 1199ء تک حکومت کی۔ وہ موحدین کا سب سے مشہور راں تھا۔ یعقوب کو سب سے زیادہ شہرت اس فتح کی وجہ سے ملی جو اس نے شمالی اندلس کے عیسائی حکمران الفانسو پر ارک میں حاصل کی۔ الفانسو ہشتم اور امیر یعقوب کے درمیان 5 سال کے لئے صلح کا ایک معاہدہ ہو گیا تھا لیکن انسو نے معاہدہ توڑ کر اسلامی علاقے پر حملہ کیا۔ یعقوب کو جب اطلاع ہوئی تو وہ مراکش سے اندلس پہنچا اور 18 جولائی 119ء (591ھ) کو ارک کے مقام پر الفانسو کو ویسی ہی زبردست شکست دی جیسی 100 سال پہلے یوسف بن تاشفین زلاقہ میں دے چکا تھا۔ ابو یوسف یعقوب المنصور نے اسپین میں مسلمانوں کے ڈوبتے ہوئے اقتدار کو بچانے کی میاب کوشش کی۔ یعقوب کا سامنا ارک کے مقام پر عیسائی ریاست قشتالہ کے بادشاہ الفانسو ہشتم سے ہوا۔ جنگ میں لمانوں نے فیصلہ کن فتح حاصل کی اور 4 شہر 40 سال تک عیسائی قبضے میں رہنے کے بعد دوبارہ مسلم سلطنت میں شامل گئے۔ اس کے بعد یعقوب نے الفانسو کے دارالحکومت طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ شہر فتح ہونے کے قریب تھا کہ الفانسو نے بوڑھی ماں کو امیر یعقوب کے پاس بھیج کر معافی مانگی۔ یعقوب اپنے دشمن کی بوڑھی ماں کی درخواست رد نہ کر سکا اور سال کے لئے صلح کر کے واپس ہو گیا۔ اس طرح یعقوب المنصور کی رحم دلی کی وجہ سے طلیطلہ کا تاریخی شہر دوبارہ لمانوں کے قبضے میں آنے سے رہ گیا۔ اس فتح کے بعد یعقوب نے المنصور باللہ کا لقب اختیار کیا۔

یعقوب کی زندگی عام بادشاہوں کی طرح نہیں تھی بلکہ وہ سادہ زندگی گذارتا، معمولی کپڑے پہنتا، پانچوں وقت کی ز عام مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں ادا کرتا تھا۔ اسے انصاف کا اتنا خیال تھا کہ ہر راہ چلتے فریادی کے لئے سواری روک ۔ اس کے عہد میں علما فقہا اور محدثین کے وظیفے مقرر تھے۔ اس نے کئی سڑکیں تعمیر کرائیں اور جگہ جگہ سرائیں بنوائیں۔ نے اپنی سلطنت میں مدرسے اور شفا خانے بھی قائم کئے۔ ان میں مراکش کا شفا خانہ بہت شاندار تھا۔ یعقوب ہر نماز ہ کے بعد خود اس عظیم شفا خانے کا معائنہ کرتا اور مریضوں سے مل کر ان کی عیادت کرتا۔ یعقوب کو عمارتیں بنانے کا بھی ت شوق تھا۔ اس کے عہد میں ایسی عمارتیں بنائی گئیں کہ اس کی نظیر شمالی افریقہ کی تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملتی۔ ان ں سب سے شاندار عمارت مراکش کی جامع کتبیہ ہے۔ اس مسجد کا مینار ساڑھے تین سو فٹ اونچا ہے۔ اس مسجد کے چند ال بعد دہلی میں قطب مینار تعمیر کیا گیا لیکن کتبیہ کا یہ مینار اس سے بھی سو فٹ اونچا ہے۔ یہ مسجد اور مینار آج بھی قائم ں۔ یہ مسجد کتبیہ اس لئے کہلاتی ہے کیونکہ اس کے نیچے کتابوں کی دکانیں تھیں۔ اس زمانے میں مراکش میں لکھنے پڑھنے کا وق انتہا درجے تک پہنچا ہوا تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کتابوں کی ان دکانوں کی تعداد ڈھائی سو ی۔ جامع کتبیہ کی ایک دلچسپ چیز اس کا مقصورہ ہے۔ معماروں نے یہ مقصورہ اس طرح بنایا تھا کہ منصور کے مسجد میں اخل ہوتے ہی نمودار ہو جاتا اور جب وہ واپس چلا جاتا تو مقصورہ غائب ہو جاتا اور مسجد کی دیوار پہلے کی طرح برابر وجاتی۔ یعقوب نے اشبیلیہ کی مسجد میں بھی مینار کا اضافہ کیا۔ یہ مینار آج کل جیرالڈا کہلاتا ہے۔ اس کی بلندی بھی تقریباً 32 فٹ ہے اور یہ دنیا کے خوبصورت ترین میناروں میں شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے رباط میں دنیا کی سب سے بڑی مسجد کی میر کا منصوبہ بنایا لیکن انتقال کے باعث یہ منصوبہ مکمل نہ ہو سکا اور صرف برج حسن اور ابتدائی تعمیر مکمل ہو سکی۔

یعقوب بھی عبدالمومن اور یوسف کی طرح علما اور فضلا کا بڑا قدردان تھا۔ ابن طفیل اور ابن رشد کا تعلق اسی کے

Marfat.com

دربار سے تھا۔ ان کے علاوہ اس دور کا مشہور ادیب اور شاعر ابوبکر بن زہر بھی اس کے دربار سے وابستہ تھا۔ امیر یعقوب سلطان صلاح الدین ایوبی کا ہمعصر تھا اور اس زمانے میں ساری دنیا میں سوائے سلطان صلاح الدین کے کوئی اور حکمران ان خوبیوں میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اچھا حکمران 15 سال حکومت کرنے کے بعد 23 جنوری 1199ء کو مراکش میں انتقال کر گیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف 40 سال تھی۔

الناصر:

یعقوب کے بعد اس کا بیٹا الناصر تخت پر بیٹھا۔ اس کا عہد بھی بڑی خوشحالی کا زمانہ تھا لیکن اس کو 609ھ میں اندلس میں معرکہ العقاب میں عیسائیوں کے مقابلے میں ایسی شکست ہوئی کہ موحدین کا زور ٹوٹ گیا۔ اسپین کے مسلمانوں کے قبضے سے آزاد کرانے کی عیسائی مہم استرداد کے سلسلے کی ایک اہم جنگ جو خلافت موحدین اور عیسائیوں کے اتحاد کے مابین تیرہویں صدی میں لڑی گئی اس میں عیسائیوں نے فیصلہ کن فتح حاصل کی اور اسے اسپین میں مسلم اقتدار کے خاتمے کے سلسلے میں اہم موڑ قرار دیا جاتا ہے۔ یورپ نے سرزمینِ فلسطین پر مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا بدلہ اندلس و مراکش سے لینا چاہا کیونکہ وہ اس سے زیادہ قریب تھا۔ اس مقصد کے لیے یورپ کے تمام عیسائی برشلونہ اور لیون کے عیسائی سلاطین کے پاس جمع ہونے لگے۔ پاپائے روم نے موحدین کی حکومت کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور اس کی زبردست تیاریاں ہونے لگیں۔ موحدین کے خلیفہ ابوعبداللہ المعروف محمد الناصر الدین نے عیسائیوں کی اس تیاری اور مسلمانوں کے خلاف یورپ کے اعلان جہاد کے بارے میں سنا تو اس نے بھی مراکش و اندلس سے افواج کو جمع کر کے تقریباً چھ لاکھ فوج جمع کر لی لیکن ناصر الدین کی بدقسمتی سے اس بڑے لشکر میں دشمنوں سے جہاد کا جوش و جذبہ نہ تھا جس کی وجوہات میں ناصر کی بے اتفاقی اور سرداروں کا بددل ہونا، فوج میں پہلے جیسی طاقت و ہمت نہ رہنا اور انہیں کئی ماہ سے تنخواہیں نہ ملنا شامل تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود اس نے ایک عظیم فوج جمع کر لی۔ العقاب کے مقام پر عیسائیوں کا ٹکراؤ ناصر الدین کی افواج سے ہوا۔ عیسائیوں میں انتہائی جوش تھا کیونکہ ایک طرف ان کا وہی مذہبی اختلاف اور دوسری طرف سرزمین فلسطین پر شکستوں کا صدمہ تھا جس کی تلافی وہ اندلس میں مسلمانوں کو شکست دے کر کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ 609ھ میں العقاب کے مقام پر عیسائی اور اندلس کے مسلمان صف آرا ہوئے۔ اسلامی لشکر کے کئی سرداران چونکہ بددل تھے اس لیے وہ جنگ سے قبل ہی فوج سے علیحدہ ہو گئے اور لشکر کی تعداد نصف رہ گئی جبکہ بعض سرداران نے دانستہ جنگ کے دوران اپنی حرکات سے کمزوری کا اظہار کیا اور ناصر الدین کے احکامات کی تعمیل نہ کر کے اس زبردست جنگ کو مسلمانوں کے لیے شکست میں بدل دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً پورا لشکر اپنے انجام کو پہنچا اور صرف ایک ہزار سپاہی ناصر الدین کو بمشکل بچا کر میدان جنگ سے واپس لائے۔ ناصر الدین شکست کھا کر اشبیلیہ آیا اور ادھر عیسائیوں نے اندلس کے مفتوحہ شہروں میں قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ اس جنگ نے اندلس میں اسلامی سلطنت کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیا اور سلطنت موحدین تیزی سے زوال کی جانب گامزن ہو گئی۔ جنگ العقاب میں شکست کھا کر ناصر الدین دل برداشتہ ہو گیا اور مراکش آنے کے کچھ عرصے بعد 610ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد موحدین کا زوال شروع ہو گیا۔ 1237ء میں بلنسیہ میں اور 1248ء میں اشبیلیہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اندلس کا بڑا حصہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ خود مراکش میں 667ھ میں خاندان بنومرین نے موحدین کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

Marfat.com

خلفائے موحدین:

عبدالمومن	1145ءتا1163ء
ابویعقوب یوسف	1163ءتا1184ء
یعقوب المنصور	1184ءتا1199ء
محمد الناصر	1199ءتا1213ء
یوسف مستنصر	1213ءتا1224ء
عبدالواحد اول	1224ء
عبداللہ	1224تا1227ء
یحییٰ	1227ءتا1235ء
ادریس اول	1227ءتا1232ء
عبدالواحد ثانی	1232ءتا1242ء
علی	1242ءتا1248ء
عمر	1248ءتا1266ء
ادریس ثانی	1266ءتا1269ء

تاریخ لیبیا:

جنگِ طرابلس، اصل میں اٹلی اور سلطنت عثمانیہ کی جنگ تھی، جس میں ترکی نے تو شکست مان کر طرابلس اور دوسرے صوبے (موجودہ لیبیا) اٹلی کے حوالے کر دیئے تھے، لیکن وہاں کے مقامی مجاہدین نے، غیر ملکی قابضین کے خلاف اپنی جدو جہد جاری رکھی۔ لیبیا کو تاریخ عالم میں ہمیشہ سے ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے، اس کی تاریخ کم و بیش ساڑھے تین، چار ہزار سال پرانی ہے، قدیم یونانیوں نے اسے یہ نام دیا تھا کہ قریب 1300 قبل مسیح میں یہاں ایک قبیلہ موسوم بہ لیبی یا لیبو آباد تھا۔ شمالی افریقہ کے بحیرہ روم کے ساحلوں پر آباد یہ ملک ہمیشہ سے حملہ آوروں اور استعماریوں کی جولاں گاہ بنا رہا ہے۔ کبھی یہ ملک ایک وحدت کے طور پر موجود رہا اور کبھی دو، تین صوبوں کی خود مختار ریاستوں میں۔ قبل اسلام اسے سلطنت رومانے کئی بار پامال کیا، عربوں نے اسے فتح کیا، یہاں اسلام پھیلایا اور یہاں آباد بھی ہوئے، بعد میں سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ بنا اور صدیوں تک ان کے زیرِ نگیں رہا۔

تاریخ عالم کا یہ ایک انتہائی تاریک باب ہے کہ فاشسٹ اور استعماری واستبدادی قوتوں نے ہمیشہ سے اپنے ملکوں کے علاوہ دوسرے اور غیر جانبدار و لاچار ملکوں کو اپنا مشق ستم بنایا، کبھی مال و دولت کیلئے اور کبھی اپنے مفادات کیلئے اور صد حیف کہ طلوعِ 'انسانیت' سے شروع ہونے والا یہ بھیانک کھیل، انسان اور انسانیت کی ترقی کے باوجود رکا نہیں۔ اٹلی نے یورپ میں اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے، ستمبر 1911ء کو ایک دن کے الٹی میٹم پر لیبیا پر حملہ کر دیا تاکہ ترکی کو مزید کمزور کیا جا سکے اور ادھر سے دباؤ ڈال کر ان کو یورپ سے ہمیشہ کیلئے فارغ کر دیا جائے۔ ترکی کی ایک کمزور سی فوج اس وقت لیبیا میں موجود تھی جو شاید بہت جلد ہتھیار ڈال دیتی، لیکن وہاں کے عربی اور مقامی بربر قبیلے اٹلی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ

جنگ اکتوبر 1912ء تک چلی، اکتوبر میں ایک معاہدے کے تحت ترکی نے لیبیا پر اٹلی کا مکمل تسلط تسلیم کرلیا اور وہاں سے ہمیشہ کیلئے فارغ ہو گئے۔ لیکن مقامی لوگوں نے اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اٹلی کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ اس کے بعد اٹلی اور ترکی کے درمیان بلقان کی جنگ لڑی گئی اور اور پھر پہلی جنگ عظیم میں مقابلے ہوئے۔ اس جنگِ عظیم میں مقامی لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت اٹلی کو ناکوں چنے چبوا دیئے اور تمام صوبہ طرابلس پر قابض ہو کر اپنی خودمختار حکومت قائم کر لی، پہلی جنگِ عظیم میں ترکی کی عبرتناک شکست اور سلطنت عثمانیہ کے سقوط کے بعد اٹلی نے مقامی لوگوں کو پر مظالم کے پہاڑ ڈھا دیئے یہاں اس تحریک اور اسکے بانی کا تھوڑا سا جائزہ پیش کر دینا مناسب ہے جس نے لیبیا اور ملحقہ ملکوں، مراکش، سوڈان، الجزائر وغیرہ کے مسلمانوں کے دلوں میں اس قدر جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ فاطمہ سی معصوم بچی بھی جہاد کیلئے نکل کھڑی ہوئی۔

سنوسی تحریک:

انیسویں صدی میں لیبیا کے جنوبی صحرائی علاقوں میں شروع ہونے والی ایک تحریک، جس بانی سید محمد ابن علی سنوسی (1787ء تا 1859ء) تھے۔ انہوں نے اس تحریک کی بنیاد 1837ء میں مکہ معظمہ میں رکھی۔ انہوں نے مختلف مقامات اپنے قیام کے دوران اس طرح کے زاویے قائم کیے اور ان زاویوں سے انہوں نے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانا شروع کیا۔ آخر میں انہوں نے برقہ یا سائرینیکا کے صحرا میں جغبوب کے نخلستان میں 1853ء میں اپنی دعوت کا مرکز قائم کیا اگرچہ بعد میں انہوں نے یہ مرکز جنوب میں کئی سو میل کے فاصلے پر نخلستان کفرہ میں منتقل کر دیا لیکن جغبوب کو سنوسی تحریک میں ہمیشہ اہم مقام حاصل رہا۔ سنوسی تحریک کا مقصد کتاب وسنت کی بنیاد پر عالم اسلام کا دینی احیاء تھا۔ وہ احمد بن حنبل امام غزالی، ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب سے بہت متاثر تھے اور ان کی تحریک محمد بن عبدالوہاب کی ہمعصر نجدی تحریک سے بہت زیادہ مشابہ تھی۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے علاوہ محمد سنوسی نے صحرائے اعظم میں خانہ بدوشوں کی بستیاں آباد کرنے اور کھیتی باڑی شروع کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ دراصل سنوسیوں کی یہی بستیاں زاویہ کہلاتی تھیں۔ ہر زاویہ اقتصادی لحاظ سے خودکفیل ہوتا تھا۔ یہی زاویے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے مرکز بن گئے۔ اخوان کی طرح سنوسی ایک ہی وقت میں مبلغ، معلم اور کسان تھے اور جب انہیں جہاد کی دعوت پہنچتی تو وہ میدان جنگ کا رخ اختیار کر لیتے۔

سید محمد سنوسی کے صاحبزادے سید مہدی (1824ء تا 1902ء) کے زمانے میں سنوسی تحریک کی قوت اور اثر ونفوذ عروج پر پہنچ گیا۔ کفرہ نے ایک دارالعلوم کی شکل اختیار کر لی۔ وہاں کے کتب خانے میں مختلف علوم کی آٹھ ہزار کتابیں تھیں۔ صحرائے اعظم میں کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کرنا انتہائی حیرت انگیز تھا۔ سنوسی مبلغین کی کوششوں سے دنیا کے سب سے بڑے صحرا میں چوری، قتل وغارت اور دوسرے جراء ختم ہو گئے اور صحرا کے جنوبی حصوں میں آباد سیاہ فام باشندوں میں اسلام بھی پھیلا۔ انیسویں صدی کے آخر میں جب فرانس نے مغربی افریقہ پر قبضہ کرنا چاہا تو سنوسیوں سے اس کا تصادم ہو گیا۔ سید مہدی کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے محمد ادریس کی عمر صرف 12 سال تھی۔ اس لئے تحریک کی قیادت ان کے چچازاد بھائی سید احمد شریف (1873ء تا 1933ء) نے سنبھالی۔ فرانس نے سنوسیوں کے خلاف 1902ء میں فوجی کاروائی شروع کی۔ سید احمد شریف دس سال تک فرانس کا مقابلہ کرتے رہے لیکن اس جنگ میں سنوسی تحریک کو نقصان پہنچا اور صحرائے اعظم کے جنوبی علاقوں میں اس تحریک کا زور ٹوٹ گیا۔

فرانس سے جنگ کا ابھی خاتمہ ہی نہیں ہوا تھا کہ سنوسیوں کا تصادم اٹلی سے ہو گیا۔ یہ حملہ شمال کی سمت سے لیبیا

Marfat.com

ہوا تھا۔ سنوسی اگر چہ لیبیا کی صحرائی زندگی پر چھائے ہوئے تھے لیکن لیبیا انتظامی لحاظ سے عثمانی سلطنت کا ایک حصہ تھا اور ساحلی علاقوں اور شہروں میں ترکی حکومت مستحکم تھی۔ اطالوی باشندے کچھ سے ساحلی علاقوں میں آباد ہونا شروع ہو گئے تھے اور انہوں نے کاروباری دنیا پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ اٹلی نے اپنے سیاسی عزائم کو پورا کرنے کے لیے انہی اطالوی باشندوں کی جان و مال کی حفاظت کے بہانے سے لیبیا میں مداخلت شروع کر دی۔ یہ وہی طریقہ تھا جس پر برطانوی حکومت مصر میں اور فرانسیسی حکومت شمالی افریقہ میں عمل کر چکی تھی۔ اٹلی نے 26 ستمبر 1911ء کو ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور 5 اکتوبر کو طرابلس پر قبضہ کر لیا۔

ترکوں کے لیے اٹلی سے جنگ جاری رکھنا بہت مشکل تھا کیونکہ بلقان کی صورتحال نازک تھی اور بحری راستے سے کمک بھی نہیں بھیجی جا سکتی تھی۔ اس لیے ترکوں نے اکتوبر 1912ء□ میں اطالویوں سے صلح کر لی اور لیبیا سے تمام فوجیں واپس بلانے کا وعدہ لیا۔ اس دوران سید احمد شریف کفرہ سے جغبوب آئے اور وہاں ترک رہنما انور پاشا سے ملاقات کی جو بھیس بدل کے مصر کے راستے لیبیا پہنچے تھے۔ اٹلی کو امید تھی کہ عربوں اور ترکوں کی نسلی کشمکش کی وجہ سے لیبیا کے عرب اطالویوں کا خیر مقدم کریں گے لیکن لیبیا کے حالات شام، عراق اور حجاز سے مختلف تھے، یہاں سنوسی تحریک نے اسلامی اخوت کا رشتہ اتنا مضبوط کر دیا تھا کہ نسلی اور علاقائی مفادات اور تعصبات اس کو نہیں توڑ سکتے تھے۔ لیبیا کے باشندوں نے سنوسی قیادت میں ترکوں کی بھرپور مدد کی اور قدم قدم پر اٹلی کا مقابلہ کیا۔ 1914ء کے شروع تک بیشتر ترک فوجیں لیبیا سے واپس چلی گئیں اس لیے اٹلی سے جنگ کا سارا بوجھ سنوسیوں کے کاندھوں پر آ پڑا۔ اس جنگ میں جواب لیبیا کی آزادی کی جنگ بن چکی تھی، سید احمد شریف کی قیادت میں سنوسیوں نے 1912ء سے 1918ء تک اٹلی سے جنگ کی۔ 1915ء میں اٹلی اتحادیوں کی طرف سے جنگ عظیم میں شامل ہو گیا جس کی وجہ سے سنوسی مجاہدوں کا برطانیہ سے بھی ٹکراؤ ہو گیا اور فروری 1916ء میں برطانوی افواج نے حریت پسندوں کو شکست دے دی۔ سید احمد شریف اب لیبیا سے نکل کر نخلستانِ داخلہ (مصر) میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے جہاں سے ستمبر 1918ء میں وہ ترکی چلے گئے۔ یہ وہی سید احمد سنوسی ہیں جو عرب قوم پرستوں کے مقابلے میں برابر ترکی خلافت کی تائید کرتے رہے۔

اب سنوسی تحریک کی قیادت سید محمد ادریس کے ہاتھ آ گئی۔ اٹلی اور محمد ادریس کے درمیان صلح کے مذاکرات شروع ہوئے۔ ان مذاکرات کے نتیجے میں اٹلی نے محمد ادریس کو صحرائی علاقوں میں سنوسی تحریک کا امیر تسلیم کر لیا لیکن اٹلی نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ جس کی وجہ سے پھر لڑائی شروع ہو گئی اور محمد ادریس سنوسی کو دسمبر 1922ء میں مصر میں پناہ حاصل کرنی پڑی جہاں سے وہ سنوسیوں کی تحریک مزاحمت کی رہنمائی کرتے رہے۔ محمد ادریس کے مصر چلے جانے کے بعد مارچ 1923ء میں اٹلی نے لیبیا پر مکمل تسلط حاصل کرنے کی غرض سے ایک نئی مہم شروع کی۔ سنوسیوں نے حسب سابق ان جارحانہ کارروائیوں کا نہایت دلیری سے مقابلہ کیا۔ جنگ کا یہ سلسلہ 1933ء تک جاری رہا۔ اس جنگ میں سنوسی حریت پسندوں کی قیادت ایک اور سنوسی شیخ عمر مختار نے کی۔ اس جنگ میں اٹلی کی فوجوں نے سخت ظلم و ستم اور بربریت کا مظاہرہ کیا۔ سنوسی زاویے ڈھا دیے گئے، کنوؤں کو پاٹ دیا گیا، تاکہ مجاہد صحرا میں پیاس سے مر جائیں، جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور عمر مختار اور دیگر رہنماؤں کو گرفتار کرنے کے بعد پھانسی دے دی گئی۔ عمر مختار کی شہادت کے ساتھ سنوسی تحریک کی مسلح مزاحمت کا خاتمہ ہو گیا۔ آج طرابلس کی سب سے بڑی شاہراہ اسی مرد مجاہد کے نام پر شارع عمر مختار کہلاتی ہے۔ تاریخ میں یہ تحریک سنوسی تحریک کے نام سے جانی جاتی ہے جو کہ اس کے بانی سید محمد بن علی سنوسی کے نام

Marfat.com

نامی سے منسوب ہے۔ وہاں کے مقامی لوگ آج بھی ان کو السوسی الکبیر کے نام سے اپنے دلوں میں بسائے ہوئے ہیں۔

تحریک عوام کے دلوں میں بسی ہو، اور ایمان کی حرارت اس میں جوان لہو شامل کرتی رہے وہ بھلا کب ختم ہوتی ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں تحریک سنوسی کو ایک دفعہ پھر ابھرنے کا موقع ملا اور اس دفعہ انہوں نے اتحادی فوجوں کے ساتھ مل کر اٹلی کا مقابلہ کیا اور جنگ کے بعد اقوام متحدہ کی قرارداد کی رو سے 1951ء میں مکمل خود مختار ملک بن گیا۔ لیبیا کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ دنیا کا پہلا ملک تھا جس نے اقوام متحدہ کی حمایت سے آزادی حاصل کی۔

محمد احمد المعروف مہدی سوڈانی:

(پیدائش: 12 اگست 1845ء، انتقال: 22 جون 1885ء)

محمد احمد بن سید عبداللہ سوڈان کی ایک معروف شخصیت ہیں جنہیں ملک میں تحریک اسلامی کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے وہ انگریزوں اور مصریوں کی جارحیت کے خلاف جہاد اور شریعت اسلامی کے نفاذ کے باعث دنیا بھر میں مشہور ہوئے مصری حکمران محمد علی پاشا نے 1820ء میں نوبیہ اور اگلے سال سنار فتح کر لیا اور سوڈان پر مصری تسلط آہستہ آہستہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ 1870ء میں استوائیہ یعنی موجودہ سوڈان کا انتہائی جنوبی حصہ بھی مصری سلطنت میں شامل ہو گیا۔ مصری حکومت نے سوڈانی باشندوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جس کا سوڈانیوں میں شدید ردعمل ہوا اور 1883ء میں انہوں نے ایک درویش صفت انسان محمد احمد کی رہنمائی میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہی محمد احمد مہدی سوڈانی کہلاتے تھے۔ مہدی سوڈانی کے پیرو 'درویشوں' نے دو سال کے اندر اندر تقریباً پورے سوڈان پر قبضہ کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مصر پر انگریزوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ چنانچہ مصری حکومت نے بغاوت کچلنے کے لئے ایک انگریز فوجی جنرل گورڈن کی خدمات حاصل کیں لیکن جنرل گورڈن کو اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس طرح 26 جنوری 1885ء کو خرطوم پر درویشوں کا قبضہ ہو گیا۔ مہدی سوڈانی اب مصر پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

مہدی سوڈانی تاریخ اسلام کی ممتاز شخصیت ہیں۔ وہ صرف ایک سیاسی رہنما اور ایک حکومت کے بانی ہی نہیں تھے بلکہ ایک مصلح بھی تھے۔ انہوں نے جامع ازہر میں تعلیم پائی اور کہا جاتا ہے کہ وہیں ان کی ملاقات جمال الدین افغانی سے بھی ہوئی۔ مصر سے واپس آنے کے بعد انہوں نے تصوف کی منزلیں طے کیں۔ وہ تمام زندگی احکام اسلام کی سختی سے پابندی کرتے رہے۔ 1880ء میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد مہدی سلسلہ سمانیہ کے سربراہ ہو گئے۔ انہوں نے کئی سال دریائے نیل کے ایک جزیرے آبا میں رہائش اختیار کی اور یہیں سے اپنی تحریک چلائی۔ یہ تحریک 29 جون 1881ء میں اس وقت شروع ہوئی جب مہدی نے سوڈان کے ممتاز لوگوں کو کتاب وسنت کی بالادستی قائم کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اس پر زور دیا کہ اس مقصد کے لئے لوگوں کو جان و مال کی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئے اور تمام پیرو جزیرہ آبا ہجرت کر کے آ جائیں۔ پس اس کے بعد سوڈان کے مصری حکام اور مہدی کے حامیوں میں جھڑپیں شروع ہو گئیں جو بالآخر مہدی کی فتح پر ختم ہوئیں۔

مہدی نے کامیابی حاصل کر کے نیل کے مغربی کنارے پر خرطوم کے بالمقابل ام درمان کے شہر کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ حکومت سنبھالتے ہی انہوں نے اصلاحات نافذ کرنا شروع کر دیں۔ نئے سکے ڈھالے گئے اور جن لوگوں کو سابق حکومت نے ناجائز طور پر زمینوں سے بے دخل کر دیا تھا انہیں ان کی زمینیں واپس کر دی گئیں۔ مہدی سوڈانی نے اسلامی تعلیمات کے خلاف پھیلنے والی رسوم کو ختم کرنے کی کوشش کی اور شراب و نشہ آور اشیاء کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا۔ عورتوں

Marfat.com

کو پردے کی ہدایت کی گئی، شادی بیاہ پر فضول اخراجات سے روکا گیا اور جہیز پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ انگریزوں نے مہدی سوڈانی اور ان کے پیروؤں کو بدنام کرنے کی بڑی کوششیں کی حتیٰ کہ 1900ء میں سوڈان پر انگریزی و مصری قبضہ مکمل ہونے کے بعد انگریز سردار لارڈ کچنر نے جذبہ انتقام سے مغلوب ہوکر مہدی کی قبر کھدوادی اور اس کی ہڈیاں جلا ڈالیں۔ مہدی سوڈانی کو سوڈان کی تحریک بیداری کا پیشرو مانا جاتا ہے۔ ام درمان میں آپ کا مزار آج بھی سوڈانی مسلمانوں کی جائے عقیدت ہے۔

❀❀❀❀

Marfat.com

چین میں اسلامی بستیاں

چین اور مجمع الجزائر شرقی کے مسلمانوں کے حالات اب تک کچھ بھی یہاں نہیں کیے گئے۔ مسلمان مؤرخوں نے ان مقامات کے مسلمانوں سے بہت دلچسپی رکھی۔ لیکن زمانہ حال کی یورپین تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات کے مسلمان بھی اسلامی دنیا میں بڑی وقعت کے قابل ہیں۔ چین کے صوبہ یانان میں جب چینی مسلمانوں نے سخت بغاوت کی تو یورپین مؤرخوں نے ادھر توجہ کی۔ اس وقت مسلمانان چین کی آبادی زیادہ تر صوبہ کن تن۔ یانان۔ شانسی اور کیان گوسو میں ہے۔ کل آبادی چینی مسلمانوں کی دو کروڑ سے زیادہ ہے۔ کن تن چین کا جنوبی حصہ ہے اور بحر چین پر واقع ہے۔ اس کے قریب مغرب کی جانب یانان بھی ہے اور صوبہ جات شانسی اور کیان گوسو سرحد ترکستان پر شمال و مغرب کی جانب واقع ہے۔ قریب الفہم ہونے کے لئے کن تن اور یانان کے حالات ایک جگہ درج کیے جاتے ہیں اور شانسی اور کیان گوسو کا بیان جدا کیا جاتا ہے۔

کن تن/یانان:

اس کتاب کے شروع میں جہاں اُن ایلچیوں کے نام لکھے گئے ہیں جو رسول ﷺ عربی نے اشاعت اسلام کے لئے جابجا روانہ کیے تھے وہاں کسی سفیر کا چین جانا مذکور نہیں ہوا ہے لیکن بیان کیا جاتا ہے اور بظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے کہ 6ھ میں حضرت وہاب ابو کبشہؓ شاہ چین کے پاس بھیجے گئے تھے۔ اُن کی آمد بحری سفر کے ذریعہ سے ہوئی، اس لئے حضرت ابو کبشہؓ صوبہ کن تن میں جو بحر چین کے ساحل پر واقع ہے اُترے۔ عربوں کی بحری تجارت اور ملکوں میں بہت پہلے سے قائم تھی۔ یہاں عرب سے حجاز کے باشندے مراد نہیں ہیں بلکہ شام اور یمن کے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عرب کے باشندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہلے سے لنکا کی راہ سے ساحل چین تک پہنچ گئے تھے۔ حضرت وہاب ابو کبشہؓ کا چین میں آنا غالباً تاجرانہ حیثیت سے تھا اور اسی ضمن میں دعوت اسلام کا خط بھی بھیجا گیا تھا۔ کن تن میں حضرت ابو کبشہؓ کی بڑی عزت ہوئی اور آپ کے ہم مذہبوں کو تعمیر مسجد اور اعلان دین کی اجازت دی گئی۔ حضرت ابو کبشہؓ 632ء میں جب مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جمع کیا ہوا قرآن ساتھ لے کر وہ پھر کن تن لوٹ گئے۔ کن تن میں اُن کا مزار اب تک موجود ہے اور آپ کی بنائی ہوئی مسجد بھی تغیر و تبدل کے بعد اب تک قائم ہے۔ خلفاء کے عہد میں مسجد کے گرد مسلمان تاجروں کی بستی تھی اور بہت عزت کے ساتھ یہ لوگ وہاں رہتے تھے۔ جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں شاہان مغلیہ کے عروج میں بھی اپنی عدالت اور اپنا ملکی قانون ساتھ رکھتی تھی اسی طرح کن تن کے مسلمان بھی اپنا قاضی الگ رکھتے تھے اور خلیفہ اسلام کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے۔

758ء میں خلیفہ منصور نے چار ہزار عرب شاہ تھانگ کی کمک پر ایک بغاوت کے فرو کرنے کیلئے روانہ کیے تھے۔

Marfat.com

جب لڑائی ختم ہوگئی تو عربی سپاہیوں نے اپنے ملک کو واپس جانے سے انکار کیا اور اس ذریعہ سے کن تن میں مسلمانوں کی حیثیت وہ قائم ہوئی جو عربی پاشا کی گرفتاری کے بعد اب انگریزوں کو مصر میں حاصل تھی۔ مسلمان دعوت اسلام کے ذریعہ سے نومسلموں کی تعداد بڑھاتے رہے۔ چینی عورتوں کے بطن سے مسلمانوں کی نسل بھی خوب بڑھی۔ شاہانِ چین کے منگول خاندان کے عہد میں مسلمانان چین کو باہر سے بھی مدد پہنچتی رہی۔ منگول خاندان شاہی کے زوال پر گورنمنٹ چین نے اپنا یہ اصول قرار دیا کہ غیر ملک کے لوگ آنے نہ پائیں۔ ممکن تھا کہ یہ زمانہ مسلمانان چین کو دیگر بلاد اسلام سے الگ کر کے تاریکی خیالات میں ڈال دیتا لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوا۔ اسلام کو جب زور تھا تب باشندگان چین کی تجارت اسلامی سلطنت کی موافقت پر منحصر تھی اور اہالی تبت کے مقابلہ میں بھی چینیوں کو مسلمانوں کی ضرورت تھی۔ اُس وقت تک مسلمانان چین کی حالت تو بری ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن اس کے بعد بھی اُن کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ بلکہ روز بروز ترقی ہی ہوتی رہی۔ ارکان مذہبی ادا کرنے کے علاوہ اور تمام باتوں میں اب مسلمانان چین اصل چینیوں سے مشابہ ہیں۔ ننگے سر پھرتے ہیں لیکن مسجدوں میں جانے کے وقت سر پر عمامہ رکھ لیتے ہیں، مسجد کے مینار یہ بہت بلند نہیں کرتے، اصلی باشندوں کے ساتھ یہ ہر طرح ملے جلے رہتے ہیں، اس لئے غیر قوم سمجھے نہیں جاتے۔ یہ کیفیت صوبہ کن تن ہی کے مسلمانوں کی نہیں ہے بلکہ کم و بیش یہی حالت تمام مسلمانان چین کی ہے۔

شانسی / کیان گوسو:

شانسی اور کیان گوسو کے دونوں صوبوں میں بہت زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ بلادِ اسلام کے ہم سرحد ہونے سے داعی اسلام یہاں بآسانی پہنچے۔ سلطنت چین کی طرف سے کچھ مزاحمت نہ ہوئی کیونکہ چین کے بادشاہ اور مسلمانوں میں برابر خلوص قائم تھا۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث کے عہد میں یزدجرد کے بیٹے فیروز کے لئے سفارشی ہو کر خاقان چین کا سفیر خلیفہ کے پاس پہنچا تھا۔ خلیفہ نے اُس کی بہت خاطر کی اور ایک عرب سپہ سالار اُس کے ساتھ کر دیا۔ چنانچہ اس طرح شمالی اور مغربی چین میں بھی براہ خشکی 651ء دعوت اسلام پہنچ گئی۔ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جو عربوں کے انتہائے عروج کا زمانہ تھا۔ جب ایک طرف طارق نے اسپین فتح کیا۔ محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا تو خراسان کے حاکم قتیبہ بن مسلم نے دریائے جیحون عبور کر کے سمرقند و بخارا وغیرہ فتح کیے اور مسلمانوں کی فوج سرحد چین تک پہنچ گئی۔ خاقان نے ایلچیوں کو ایک رقم کثیر دے کر خلیفہ اسلام کی بزرگی تسلیم کی۔ نہ خاقان چین کو مسلمانوں سے لڑنے کی جرأت ہوئی اور نہ مسلمانوں نے اتنی دور حکومت کرنے کی خواہش کی۔ مصالحت کی صورت قائم رہی اور دعوت اسلام کے لئے راستہ کھلا رہا۔ پہلی مسجد شانسی میں 742ء میں بنی۔

علاوہ ان مسلمانوں کے جن کی تعداد اشاعت اسلام کی بدولت اور مسلمان تاجروں کی فیض صحبت سے بڑھتی رہی چنگیز خان کے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی آبادی بڑھ جانے کا ایک سبب پیدا ہو گیا۔ چنگیز خان کے تخت و تاج سے بڑے بڑے امراء جس طرح وسط ایشیا سے ہندوستان میں آکر پناہ گزیں ہوئے، اُسی طرح بہت سے مسلمان چین میں جا کر آباد ہو گئے اور مسلمانان چین کی آبادی میں دفعتہً ترقی ہو گئی۔ صوبجات کیان گوسو اور شانسی دونوں قریب ہی قریب ہیں۔ آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں کیان گوسو میں بھی اسلام پھیلا۔ صوبہ کیان گوسو کے فرمانروا 'خان استپک' کے مسلمان ہونے پر اسلام نے یہاں اور زور پکڑا۔ منگول خاقانوں کے عہد میں عبدالرحمٰن 1244ء میں چین کے شاہی خزانہ کا افسر تھا۔ سید اجل بخاری 1259ء میں خزانہ شاہی کا وزیر تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاقان چین کی طرف سے مسلمانان

Marfat.com

چین کو عہدہ ہائے جلیلہ ملتے رہے۔ مثل اور قوموں کے مسلمانان بھی وہاں سلطنت کے ایک رکن سمجھے جاتے ہیں۔ مفتوحہ قوم کی حالت میں نہیں ہیں۔ اسلامی سلطنتوں کے زور گھٹنے پر مسلمانان چین کی حالت سیاسی معاملات میں کسی قدر گھٹ گئی۔

امام شامل:

(پیدائش 1797ء۔ انتقال مارچ 1871ء)

شمالی قفقاز کے مسلمانوں کے ایک عظیم رہنما تھے جن کی قیادت میں انہوں نے روسی استعمار کے خلاف جنگ قفقاز میں بے مثل شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ وہ داغستان اور سیستان کے تیسرے سربراہ اور نقشبندی سلسلے کے تیسرے امام تھے (از 1834ء تا 1859ء)۔

امام شامل 1797ء میں موجودہ داغستان کے ایک چھوٹے سے قصبے گھمری میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک زمیندار تھے۔ امام شامل نے بچپن میں عربی سمیت کئی مضامین میں تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے نقشبندی مجددی خالدیہ صوفی سلسلے میں شمولیت اختیار کر لی اور قفقاز کے علاقے کے مسلمانوں کی ایک تعلیم یافتہ اور ہر دلعزیز شخصیت بن گئے۔ جب امام شامل پیدا ہوئے تو روسی سلطنت سلطنت عثمانیہ اور فارس کے علاقے پر قبضے کر کے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کر رہی تھی۔ فارس کے سلطان کی حمایت سے جنگ قفقاز میں علاقے کے کئی مسلمان قبائل نے روسی استعمار کے بغاوت کر دی۔ قفقازیوں کی مزاحمت کے اولین رہنماؤں میں شیخ منصور اور غازی ملا معروف ہیں۔ امام شامل غازی ملا کے بچپن کے دوست تھے۔ 1834ء میں غازی ملا جنگ گھمری میں شہید ہو گئے اور امام شامل قفقاز کے جہاد کے رہنما اور نقشبندی مجددی خالدیہ طریقت کے امام بن گئے۔

روسیوں کے قبضے سے پہلے قفقاز کے علاقے کبھی ایران کی حکومت کے تحت آ جاتے تھے اور کبھی ان پر عثمانی ترک قابض ہو جاتے تھے۔ شروان کا علاقہ جہاں سے اسماعیل صفوی نے اپنی حکومت کا آغاز کیا آذربائیجان کا ایک حصہ ہے۔ جب افغانوں نے اصفہان پر قبضہ کر کے صفوی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تھا تو ایران کے ابتر حالات سے فائدہ اٹھا کر روس نے داغستان اور شمالی آذربائیجان پر اور عثمانی ترکوں نے گرجستان اور آرمینیا پر قبضہ کر لیا تھا لیکن نادر شاہ نے ان علاقوں کو جلد ہی واپس لے لیا۔ اس کے بعد روسی 1797ء میں پھر داغستان پر قابض ہو گئے اور چند سال میں دریائے ارس تک پورے آذربائیجان پر قبضہ کر لیا۔ فتح علی شاہ قاچار 1828ء میں معاہدہ ترکمانچی کے تحت ان تمام علاقوں پر سے ایران کے حق سے دستبردار ہو گیا۔ روسیوں کی اس جارحانہ پیش قدمی کے دوران جس علاقے کے باشندوں نے حملہ آوروں کا سب سے زیادہ مقابلہ کیا وہ داغستان ہے جہاں کے جری باشندوں نے بار بار بغاوت کی اور روسیوں کو اپنے وطن سے نکال باہر کیا۔ آزادی کی اس جنگ میں سب سے زیادہ شہرت اور نیک نامی امام شامل نے حاصل کی۔ داغستان کے حکمران کی حیثیت سے انہوں نے 25 سال تک بے مثل شجاعت سے روسیوں کی لاتعداد فوج کا مقابلہ کیا اور 1845ء تک داغستان کے ہر حصے سے روسیوں کو نکال دیا لیکن روسی بار بار حملہ آور ہوتے تھے اور امام شامل کے لئے ان کی کثیر تعداد اور جدید اسلحے سے لیس افواج کا تنہا مقابلہ کرنا ممکن نہیں رہا۔ انہوں نے سلطنت عثمانیہ اور برطانیہ سے مدد حاصل کرنا چاہی لیکن ناکام رہے۔ آخرکار 1859ء میں غنیب کے سخت ترین معرکے میں روسیوں کی تمام شہریوں کو قتل کر دینے کی دھمکی پر انہوں نے تمام شہریوں کی جان کے بدلے خود کو روسی فوج کے حوالے کر دیا اور عبدالقادر الجزائری کی طرح ہتھیار ڈال دیئے۔ روسی کمانڈر نے جو زار روس کا بھائی تھا، زار کو مبارکباد کا تار دیا کہ آج 100 سال سے جاری قفقاز کی جنگ ختم ہو گئی۔ روسی

Marfat.com

حکومت امام شامل کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئی۔ ان کی پنشن مقرر کردی گئی اور رہنے کے لئے مکان دیا گیا۔ 1870ء تک امام شامل روس میں نظر بند رہے۔ 1870ء میں وہ روسی حکومت کی اجازت سے حج کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ حجاز مقدس کی جانب سفر کے دوران وہ ترکی اور مشرق وسطی کے دیگر ممالک سے گذرے جہاں کے عوام نے ان کا فقید المثال خیر مقدم کیا۔ اگلے سال 1871 میں ان کے صاحبزادے غازی محمد روسی قید سے رہا ہو کر مکہ مکرمہ پہنچے لیکن امام شامل مدینہ منورہ میں انتقال کر گئے۔ انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

شخصیت و کردار:

امام شامل کی عظمت محض ان کی دلیرانہ جنگ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کی سیاسی بصیرت، سوجھ بوجھ، انتظامی صلاحیت اور کردار کی بلندی نے عبدالقادر الجزائری اور ٹیپو سلطان کی طرح ان کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ ان کا زمانہ داغستان کی تاریخ میں "شریعت کا دور" کہلاتا ہے۔ امام شامل تصوف کے نقشبندی سلسلے کے سربراہ تھے۔ ان کے مرتب کردہ انتظامی اور قانونی ضابطے 'نظام شامل' کہلاتے تھے۔ اس کے تحت داغستان 32 انتظامی اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا۔ انتظامیہ اور عدلیہ الگ الگ تھے۔ ہر ضلع کا مفتی عدالت کے محکمے کا ذمہ دار تھا اور ضلع کا حاکم اس کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔ ہر مفتی کے تحت 4 قاضی ہوتے تھے۔ اگر کسی معاملے کو قاضی طے نہ کر سکتے تھے تو وہ مفتی کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اور مفتی اس معاملے کو امام شامل یا مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کرتا تھا جس کو دیوان کا نام دیا گیا تھا۔ امام شامل نے احتساب کا محکمہ بھی قائم کیا تھا جس کے ذریعے عہدے داروں پر نگرانی رکھی جاتی تھی۔ فوجوں کی تنظیم بھی جدید طرز پر کی گئی تھی اور دارالحکومت ودینو Vedeno میں بندوقوں اور توپوں کو ڈھالنے کا کارخانہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ ایک زمانے میں داغستان کی افواج کی تعداد 60 ہزار سوار اور پیادہ فوج تک پہنچ گئی تھی۔ فوجی تربیت کے لئے جو مراکز قائم کئے گئے تھے ان میں قید کئے جانے والے روسی افسر تربیت دیتے تھے۔ امام شامل کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد داغستان میں 5 سال تک روسیوں کی مزاحمت جاری رہی یہاں تک کہ 21 مئی 1864ء کو داغستان کا آخری پہاڑی قلعہ بھی روسیوں کے قبضے میں آگیا اور داغستان کی آزادی کی جنگ ختم ہوگئی۔ سیستان میں جاری آزادی کی تحریک شاید انہی کی خاک کی چنگاری ہے۔ چیچن جانبازوں کے سربراہ شامل بسایوف کا نام ان کے والدین نے امام شامل کے نام پر ہی رکھا تھا جو رواں سال 10 جولائی 2006ء کو جاں بحق ہوئے۔

مسلمانان مجمع الجزائر

بحرالکاہل اور بحر ہند کے درمیان میں چین اور برما کے جنوب آسٹریلیا کے قریب تک جو سیکڑوں جزیرے چھوٹے بڑے قریب قریب واقع ہیں، اُن کے مجموعے کو مجمع الجزائر کہتے ہیں۔ اِن جزائر میں بھی مسلمانوں کی آبادی صدیوں سے آباد ہے۔ جس طرح سراندیپ کی راہ سے عرب کن تن صوبہ چین میں تجارت کی غرض سے پہنچے، اُسی طرح اور اُسی زمانہ میں تجارت کے ذریعہ سے دعوت اسلام کا مجمع الجزائر میں آنا قیاس کیا جاتا ہے۔ مجمع الجزائر کے مسلمان باعتبار مسلمانان چین کے زیادہ تر متشرع ہیں۔

ساتویں صدی عیسوی میں مسلمان تاجر ملک چین میں پہنچے اور آٹھویں صدی کے وسط تک چین میں بکثرت نظر آنے لگے۔ اس کے بعد ان تاجروں کی حالت روز بروز بڑھتی گئی۔ دسویں صدی سے پندرھویں صدی تک مشرقی ملکوں کی

Marfat.com

تجارت پر عرب پورے طور پر قابض تھے۔ چین کی بعض تاریخی کتب سے پتہ چلتا ہے کہ آخر ساتویں صدی عیسوی میں سماٹرا میں عربوں کی بستی قائم ہوگئی تھی۔ اس کے بعد جب ہندوستان میں مسلمان پہنچے تو ہندی مسلمانوں نے بھی سماٹرا میں آنا شروع کیا۔ چودھویں صدی عیسوی میں جب ابن بطوطہ نے اس جزیرہ میں قدم رکھا تو مذہب اسلام کو اس نے بہت بارونق پایا۔ وسط تیرہ صدی میں یہاں کا فرمانبروا بھی بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہوگیا۔ یہاں کے ایک بادشاہ کا نام ملک الصلاح تھا۔ 1346ء میں جزیرہ سماٹرا کے شہر سدرا کا بادشاہ ملک طاہر بن ملک صالح تھا۔ ابن بطوطہ نے اس کی شان، تشرع اور شجاعت کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی زمانے میں شریف مکہ نے بھی دعوت اسلام کے لئے ایک سیاح شیخ اسمٰعیل کو یہاں بھیجا تھا۔

جاوا میں بہ نسبت اور جزائر کے اسلام دیر سے پہنچا۔ حاجی پروا، مولانا ابراہیم، راذن رحمت، مولانا اسحاق، شیخ خلیفہ حسین، شیخ لوز الدین ابراہیم یہ لوگ دعوت اسلام میں زیادہ نامی گزرے ہیں۔ جاوا میں اسلام کا بہت چرچا ہے۔ 1874ء میں 33802 اور 1886ء میں 48237 آدمی صرف جزیرہ جاوا سے حج کو روانہ ہوئے تھے۔ 1882ء میں 10913 اسلامی مدرسے جزیرہ جاوا میں تھے جن میں 164667 طلبا دینیات پڑھتے تھے۔ مذہبی ترقی کی ایک مثال یہ ہے کہ تین برس کے بعد یعنی 1885ء میں اسلامی مدارس کی تعداد 16760 ہوگئی تھی اور طلبا کی تعداد 2 لاکھ 55 ہزار 148 تک پہنچ گئی۔ مجمع الجزائر میں مسلمانوں کی خودمختاری قائم نہیں تھی۔ ان کی شہنشاہی تو شاید کبھی نہ تھی۔ پندرہویں صدی تک ان کے اختیارات وسیع تھے۔ جابجا خودمختار ریاستیں بھی تھیں اور جہاں بت پرست یا ہندو راجہ قابض تھے وہاں بھی جہاز رانی کے ذریعہ سے یہ لوگ بہت بااقتدار تھے۔ بادبانی جہاز چلانے میں مسلمان اول درجہ رکھتے تھے۔ اس کے بعد جب یورپ نے ترقی کی تو اسپین یعنی پرتگال کے باشندے پرتگیز نے مجمع الجزائر میں مسلمانوں کا زور بہت کم کر دیا۔ حکومت اور تجارت سب اپنے ہاتھ میں لے لی لیکن دعوت اسلام کے ذریعہ سے جو مسلمانوں کی روزافزوں ترقی تھی اُس کو نہ روک سکے۔ بحرالجزائر پر یورپ کی مختلف عیسائی قوموں کی حکمرانی رہی لیکن وہاں کے اصلی باشندے دین کے معاملات میں اسلام کی طرف متوجہ رہے۔

دہشت پر جنگ:

امریکی صدر جارج بش نے 2001ء میں امریکی ٹریڈ سنٹر پر حملے کو جواز بنا کر دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ اس جنگ کا پہلا نشانہ افغانستان بنا۔ اس کے بعد عراق۔ شروع ہی میں امریکی صدر جارج بش نے اس جنگ کو صلیبی جنگ (warCrusade) بھی کہا جس سے اس کی اصل نیت واضح ہوتی ہے اگرچہ بعد میں اس لفظ کو استعمال نہیں کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ دو تہذیبوں کی جنگ نہیں ہے۔

11 ستمبر 2001ء کو دو مسافر بردار طیارے نیویارک میں واقع عالمی تجارتی مرکز (ورلڈ ٹریڈ سینٹر ٹاورز) کی بلند و بالا عمارتوں سے ٹکرا گئے، جس سے یہ مینار زمین بوس ہو گئے۔ امریکی انتظامیہ کے مطابق طیاروں کو فضا میں اغوا کر کے جان بوجھ کر عمارتوں سے ٹکرایا گیا اور اس کی ذمہ داری القاعدہ نامی تنظیم کے سر ڈالی گئی۔ اس واقع کو امریکی ذرائع ابلاغ نے نائن الیون کا نام دیا۔ تاہم ابھی تک غیر جانبدار ذرائع سے اس دن کے حالات و واقعات کی مکمل و درست تفصیل معلوم نہیں ہوسکی۔ بہت سے سوالوں کا تسلی بخش جواب نہیں مل سکا۔ امریکی اس معاملے میں حقیقت سے بالا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ امریکی صدر کے ایلچی کارل روو کا بیان ہے کہ "ہم اب ایک بادشاہت ہیں۔ ہم اپنی حقیقت خود بناتے ہیں۔"

Marfat.com

9/11 کو جواز بنا کر افغانستان اور عراق پر امریکہ اور اس کے حواریوں نے جنگ مسلط کی۔ افغانستان سب سے پہلے نشانہ بنا۔ افغانستان کے خلاف اس جنگ میں تقریباً تمام مغربی ممالک امریکہ کے حواری بن کر شامل ہو گئے۔ ان ممالک میں برطانیہ، آسٹریلیا، کینیڈا، اور نیٹو تنظیم کے بیشتر ممالک شامل ہیں۔ اس کاروائی میں نیٹو فوجوں نے ہوائی طاقت بے شمار استعمال کرتے ہوئے فرضی دہشت گردوں کو نشانہ بناتے ہوئے ان گنت بم افغانستان کے علاقہ پر گرائے۔ افغانستان میں امریکی اور نیٹو فوج انوکھے انداز سے جنگ لڑ رہی ہے۔ اگر امریکی فوجی فائرنگ کی زد میں آ جائیں تو فوراً بمبار لڑاکا ہوائی جہازوں کی مدد مانگ لیتے ہیں۔ لڑاکا جہاز سارے علاقے پر اندھا دھند بمباری کر کے سینکڑوں افغانیوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

نئے امریکی صدر بارک اوبامہ نے 2009 میں جنوبی افغانستان پشتونوں کے خلاف جنگ تیز کرنے کے لیے میرین بریگیڈ روانہ کیا۔ بہت سے لوگوں کو دنیا کے مختلف حصوں سے اغوا کر کے امریکہ نے کیوبا کی خلیج گوانتانامو میں واقع ایک امریکی فوجی اڈے کے زندانوں میں قید کر رکھا ہے۔ یہ قید خانہ امریکی نظامِ انصاف کے ماتحت نہیں آتا بلکہ امریکی فوج اور خفیہ ادارے اسے چلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ CIA نے یورپ کے کئی ممالک میں نجی جیل قائم کیے جو ہر طرح کی عدالتی نگرانی سے آزاد تھے۔ اس کے علاوہ بحری جہازوں میں بھی اغوا شدگان کو قید کیا گیا۔ یہاں قیدیوں پر اذیت ناک تشدد کیا جاتا رہا۔ اس کے علاوہ پانی تختہ کی اذیت بھی استعمال کی گئی جس کی اجازت امریکی حکومت کے بالائی ایوانوں نے دی۔ صلیب احمر (ریڈ کراس) نے اس کی تصدیق کی ہے کہ امریکی جنیوا معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قیدیوں پر تشدد میں ملوث رہے ہیں۔ 2008ء میں بارک اوبامہ امریکہ کا صدر بنا، تو اس نے گوانتانامو کا عقوبت خانہ بند کرنے کا وعدہ کیا پھر امریکی تشدد کے طریقوں کی تفصیل اخبارات کو جاری کی اور کہا کہ تشدد کے جرائم پر کسی امریکی اہلکار کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ برطانوی فوج بھی عراقی شہریوں کے اغوا، تشدد، اور قتل میں ملوث رہی۔ امریکی سرکاری اداروں اور فوج نے بہت سے جنگی کام تجارتی اداروں کو ٹھیکے پر دے دیے۔ اس میں سب سے زیادہ بدمشہور کمپنی بلیک واٹر ہے جس کے امریکی نائب صدر ڈک چینی سے تعلقات تھے۔ تجارتی کمپنی کو اسی کام کے پانچ گنا پیسے ملتے جو کہ ایک سرکاری ملازم کو ملتے۔ CIA نے بھی تجارتی اداروں کو تشدد اور جیل چلانے کے ٹھیکے دیے۔ مشہور ہوائی جہاز کمپنی بوئنگ بھی اس کام میں ملوث رہی۔ ان کمپنیوں کو عدالتی کاروائی سے بچانے کے لیے امریکی حکومتیں جارج بش اور بارک اوبامہ کی صدارت میں سینہ سپر رہیں۔ اس جنگ کی آڑ لے کر امریکی حکومت نے اپنے عوام کی آزادیاں بھی سلب کرنا شروع کر دیں۔ امریکی کانگریس نے امریکی عوام پر وسیع پیمانے کی جاسوسی کی منظوری دی۔ اس قانون سے امریکی آئین کی چوتھی ترمیم عضو معطل ہو کر رہ گئی ہے۔ امریکی انتظامیہ نے ایک امریکی شہری ہوزے پاڈیلا پر دہشت گردی کے الزامات لگا کر خصوصی عدالت میں مقدمہ چلانے میں ناکامی کے بعد فلوریڈا کی ایک جیوری سے چھوٹے موٹے دہشت گردی الزامات میں سزا کا فیصلہ حاصل کر لیا۔ فلوریڈا یونیورسٹی کے پروفیسر سمیع کے خلاف دہشت الزامات کے میں عدالتی ناکامی کے بعد امریکی انتظامیہ نے اسے ملک بدر کر دیا۔ امریکہ میں مقیم 5000 مسلمان افراد کو بغیر کسی الزام کے جیل میں بند کر دیا گیا۔ امریکی ایف۔ بی۔ آئی۔ باقاعدہ مسلمانوں کو پھانسنے کے لیے عادی مجرموں کو بھاری رقوم دیتی ہے جو باتوں باتوں میں نوجوان مسلمانوں سے قابلِ اعتراض جملے کہلوا لیتے ہیں جس پر امریکی عدالتوں سے آسانی سے سزا کا فیصلہ حاصل کر لیا جاتا ہے۔ کینیڈا کے خفیہ ادارے شہریوں کو غیر قانونی طور پر دوسرے ممالک کے حوالے کرنے میں ملوث رہیں۔ 2006ء

Marfat.com

میں امریکی کانگریس نے سرکار کی طرف سے قید کو عدالت میں اعتراض کا بنیادی انسانی حق (Habeas Corpus) معطل کر دیا۔

دوسرے مغربی ممالک میں بھی آئینی آزادیاں سلب کرنے کے قانون بنائے گئے جن کی توثیق عدالتی فیصلوں سے ہوئی۔ عالمی سیاست میں terror اور terrorist کے الفاظ امریکہ اور مغربی طاقتوں کا عملی طور پر ٹریڈ مارک بن چکے ہیں۔ جس کو چاہیں دہشت گرد قرار دے دیں، اور کوئی دوسرا ان الفاظ کو اپنے مرضی سے استعمال نہیں کر سکتا۔ اس تدبیر کے تحت پاکستان کے انسداد دہشت گردی کا قانون، جس میں اجتماعی آبروریزی کو دہشت گردی میں شامل کیا گیا تھا، کو امریکی فیصلے کے مطابق ختم کر دیا گیا کیونکہ دہشت گردی کی تعریف امریکی مرضی سے ہی ہو سکتی ہے۔ اگست 2007ء میں امریکہ نے ایران کی ایک سرکاری فوجی تنظیم پاسداران انقلاب کو دہشت گرد قرار دے دیا۔ اس جنگ میں مغربی ممالک کی انتظامیہ کو دائیں اور بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے ذرائع ابلاغ (اخبارات، ریڈیو، ٹی وی) کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ اس کی کئی مثالیں مل سکتی ہیں۔ مغربی ممالک کی انتظامیہ بھی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ جھوٹے دعوے لوگوں تک پہنچانے پر زور صرف کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ جامعات کے پروفیسر بھی جھوٹ پر مبنی مقالے لکھ رہے ہیں۔

امریکی صدر اور اس کی انتظامیہ کے تشدد میں ملوث ہونے کی کہانی طشت ازبام ہونے کے بعد نیویارک ٹائمز جیسے اخبار پردہ پوشی کی کوشش میں لگ گئے۔ عراقی شہر فالوجہ میں امریکی فوج کے بے دریغ قتل عام کو بہادر جنگ کا نام دیتے ہوئے اس پر کھیل تیار کیے گئے اور بچوں کی کتابوں پر اجارہ داری رکھنے والی کمپنی سکالسٹک نے کتابیں چھاپیں۔ جنگجو مغربی ممالک میں حزب اختلاف نے بھی اپنی حکومتوں کا بالعموم بھرپور ساتھ دیا۔ امریکہ میں ڈیموکریٹ پارٹی نے کانگریس میں عراق جنگ کے حق میں ووٹ ڈالے۔ 2006ء میں ڈیموکریٹ جماعت نے امریکی کانگریس میں اکثریت حاصل کرنے کے بعد بھی عراق جنگ کو ختم کرنے کی طرف کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔ کینیڈا میں لبرل اور قدامت پسند جماعتوں نے حکومت اور حزب اختلاف دونوں میں ہوتے ہوئے افغانستان پر جنگ کی بھرپور حمایت جاری رکھی۔ برطانیہ کی قدامت پسند حزب اختلاف نے بھی حکمران لیبر پارٹی کی تدابیر کی بھرپور حمایت کی۔ اکیسویں صدی کے آغاز سے 'دہشت گردی' مغربی حکومتوں کی نفسیات پر سوار ہے۔ مغربی ممالک کا طریقہ واردات یہ بن رہا ہے کہ دہشت گردی کے الزامات میں مسلمانوں کو گرفتار کیا جاتا ہے اور ذرائع ابلاغ میں اس کی بے پناہ تشہیر کرتے ہوئے ان کا تعلق القاعدہ سے جوڑا جاتا ہے مثلاً برطانیہ کے مکین اپنے ملک میں سیاست دانوں کے جھوٹے دعووں کو تو شاید بھانپ جائیں مگر دوری کے سبب آسٹریلیا میں دہشت گردی کی گرفتاری کو درست سمجھ جانے کا امکان زیادہ ہوگا۔ آسٹریلیا میں جھوٹے دہشت گردی الزامات میں ایک بھارتی مسلمان ڈاکٹر کو گرفتار کیا گیا، اسی وقت جب برطانیہ میں کچھ مسلمان ڈاکٹر 'دہشت گردی' کے الزامات میں گرفتار کیے گئے۔ آسٹریلوی حکومت کو البتہ منہ کی کھانی پڑی جب ڈاکٹر کے خلاف الزامات وکیلوں نے بآسانی جھوٹے ثابت کر دیے۔

عراق پر حملہ کو جائز ثابت کرنے کے لیے جھوٹے پروپیگنڈے میں آسٹریلوی وزیر اعظم جان ہاورڈ آگے آگے رہا اور اپنی فوج کو بھی شرمناک حملے میں حصہ لینے بھیجا۔ آسٹریلیا نے افغانستان پر امریکی حملے میں بھی اپنی افواج سے حصہ لیا۔ ایک مسلمان نوجوان کو غیر جمہوری دہشت گرد رویہ پر دہشت گردی قانون مروجہ 2000ء اور 2006ء کے تحت سزا سنا دی گئی۔ 21 سالہ نوجوان محمد عاطف کو اپنے کمپیوٹر پر دہشت مواد رکھنے پر آٹھ سال کی قید سنائی گئی۔ نئے کالے قوانین کے تحت مسلمان خاتون کو قابل اعتراض نظم لکھنے پر سزا ملی۔ برطانیہ نے طالب علم محمود ہاشمی کو کسی ملزم کے اس بیان پر کہ وہ ایک

Marfat.com

ت محمود کے گھر ٹھہرا تھا، دہشت کے الزام میں گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کر دیا۔ برطانیہ نے عراق اور افغانستان پر یکی حملے میں اپنی افواج سے حصہ لیا۔ برطانوی شاہی خاندان کے شہزادے ہیری نے افغانستان میں بم برسانے میں رمعاون کچھ ہفتے گزارے اور مغربی دنیا میں بے تحاشا داد پائی۔ 2006ء میں اٹھارہ مسلمانوں کو جن میں بچے بھی ل تھے، پولیس نے دہشت گردی کی منصوبہ بندی کے الزام میں گرفتار کر لیا جو اب تک قید ہیں۔ مقدمے کی تفصیلات ئع کرنے پر عدالت نے پابندی لگائی ہوئی ہے۔ عدالت کے ایک رکن جج نے کینیڈا کے خاص دہشت گردی نئے ون کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بغیر ثبوت کے ایک بچے کو سزا سنا دی۔ کینیڈا نے افغانستان پر امریکی قبضہ برقرار رکھنے کے ے اپنی افواج بھجوائیں۔

❀❀❀❀

Marfat.com

جدید اسلامی ممالک کی تاریخ

آذربائیجان

آذربائیجان پہلے روس ہی کی ریاست تھی۔ روس سے آزاد ہونے کے بعد یہ خودمختار ملک بن گیا۔ اس کے شمال میں کرغستان، شمال مغرب میں جارجیا اور روس، جنوب مغرب میں آرمینیا، جنوب میں ایران، ترکی اور مشرق میں بحیرۂ کیسپین واقع ہیں۔ ملک کا نصف سے زیادہ رقبہ پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے۔ آذربائیجان کا آدھے سے زیادہ علاقہ پہاڑی ہے۔ شمال میں عظیم تر سلسلہ قفقاز اور مغرب میں کمتر سلسلہ قفقاز واقع ہے۔ جنوب میں کوہسار تالیش وسطی حصہ کور اور ارکالیس کا حصہ زیریں علاقہ ہے۔ جس کے مشرق میں بحیرۂ خصریا کیسپین بہتا ہے۔ اس ملک کا سب سے بڑا دریا کورا ہے۔ اس کے معاون دریا اراکس اور آکران ہیں۔ دیگر دریاؤں میں سمو، تارتر لینکوران، اکیرا شامل ہیں۔ آذربائیجان شروع میں سکاتھی قبائل کے پاس تھا۔ اس کے بعد سلطنت روما کا حصہ بنا۔ بعد میں ایران نے اس علاقہ پر قبضہ کرکے اس کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ عربوں کی آمد کے بعد یہاں اسلام پھیلا۔ منگولوں نے یہاں بڑی تباہی مچائی۔ منگولوں کے فتنے کے سرد ہونے کے بعد ترکی اور ایران اس علاقے کے لئے کوشاں رہے۔ بالآخر 1806ء میں روس نے اس پر قبضہ جمالیا۔ اس سلسلہ میں ایران اور روس کے درمیان جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں ایران قفقاز کے علاقوں سے دست بردار ہو گیا لیکن 1826ء میں ایک مرتبہ پھر ایران نے اس پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ 1828ء میں ترکمانچا لئے معاہدۂ امن کے تحت اس ملک کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ ایک حصہ ایران کے حصے میں آیا جب کہ دوسرا روس کے پاس چلا گیا۔ دریائے آراکس دونوں حصوں کے مابین حد فاصل قرار پایا۔ اگرچہ روس نے آذربائیجان پر اپنا مکمل قبضہ کرلیا تھا۔ لیکن مقامی باشندوں نے صدقِ دل سے روس کی حاکمیت کو قبول نہ کیا۔ 1837ء میں آذربائیجان کے باشندوں نے زارروس کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی۔ زارروس نے ظلم وستم کی انتہا کردی اور یہاں کے باشندوں کو ان کی اپنی زمین سے بے دخل کردیا۔ 1903ء میں یہاں کے عوام نے پھر ایک بار متحد ہو کر ظلم واستبداد کے خلاف جنگ لڑی جس میں ہزاروں افراد شہید ہوئے۔ اکتوبر 1917ء میں روس میں سرخ انقلاب رونما ہوا۔ کمیونسٹ پارٹی نے اقتدار سنبھالا۔ اس کے بعد 31 جولائی کو ترک افواج نے باکو پر قبضہ کرلیا مگر بعد میں انہیں شکست ہوئی۔ مئی 1921ء میں آذربائیجان کا آئین منظور ہوا۔ 30 دسمبر 1922ء کو اسے روس میں شامل کرلیا گیا۔ 1936ء میں اس آئینی جمہوریہ قرار دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم میں یہاں کے باشندوں نے روس کے لئے بڑی قربانیاں دیں۔ 1922ء سے لے کر 30 اگست 1991ء تک آذربائیجان روس کا حصہ رہا۔ افغان جنگ میں ہونے والی شکست کے بعد جب سوویت یونین روس میں تبدیل ہوا تو ثابت ہوا کہ کمیونسٹ انقلاب جو بڑے خوش رنگ نعرے لے کر آیا تھا محض ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ جب یہ دیوار گری تو 30 اگست 1991ء کے روز آذربائیجان کو آزادی نصیب ہوگئی۔ 1992ء میں اسلام پسند ابوالحافظ الخ بے اس کے صدر بنے مگر کمیونسٹوں کا زور رنگ لایا اور ایک ہی برس بعد کمیونسٹ رہنما حیدر علی یوف نے اقتدار سنبھال لیا۔ بعد ازاں انہوں

199...ء اور 2002ء کے انتخابات میں کامیابی حاصل کی مگر قومی و بین الاقوامی مبصرین نے ان انتخابات کے نتائج کو ...رار دیا۔ 2003ء میں گرتی صحت کو جواز بنا کر انہوں نے حکومت اپنے بیٹے الہام علی یوف کو سونپ دی۔ اکتوبر ...2ء کے انتخابات کے بعد وہ ملک کا نیا صدر بن گیا۔ 12 دسمبر 2003ء کو حیدر علی یوف کا انتقال ہو گیا۔ آذربائیجان کا ...ی مسئلہ "نگورو کاراباخ" کے علاقے کا ہے۔ 1983ء میں آذربائیجان اور پڑوسی ریاست ملک آرمینیا کے درمیان ...اقے کے مسئلے پر تنازع پیدا ہو گیا۔ تنازعہ یہ ہے کہ نگورو کاراباخ میں عیسائیوں کی اکثریت ہے اور وہ آرمینیا کے ...الحاق چاہتے ہیں۔ 1988ء میں نگورو کاراباخ کی مقامی حکومت نے آرمینیا کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا تو یہ ...ئیجان کے مفادات کے خلاف تھا کیونکہ یہ علاقہ آذربائیجان کے وسط میں واقع ہے۔ اس مسئلے پر آذربائیجان اور ...کے درمیان وقتاً فوقتاً عسکری جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔

...ن

...براعظم افریقہ کے شمال میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں شام، شمال مشرق میں عراق، مغرب میں اسرائیل ...ق اور جنوب میں سعودی عرب واقع ہے۔ یہ دنیا کا قدیم ترین ملک ہے۔ 3000 سے 2500 ق م کے درمیان ...قوم یہاں سب سے پہلے آباد ہوئی۔ قبل از اسلام یہاں مختلف قوموں نے حکومت کی۔ 106ء میں یہ ملک رومی ...ا۔ سن 5 ہجری میں یہ حضور ﷺ کی زندگی میں ہی اسلامی ریاست کا حصہ بن گیا۔ بعد میں اموی، عباسی اور فاطمی ...کومت کرتے رہے۔ پہلی جنگ عظیم میں اردن پر ترکی نے قبضہ کر لیا۔ پھر برطانیہ اس پر قابض ہو گیا۔ 1946ء میں ...زادی میسر ہوئی۔ عبداللہ بن حسین بادشاہ بن گیا۔ 1948ء میں اردن اسرائیل جنگ ہوئی۔ 20 جولائی 1951ء ...شاہ کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد شاہ طلال بادشاہ بنا جو 11 مئی 1952ء کے روز دماغی عارضے کے سبب شاہ حسین ...سے دستبردار ہو گیا۔ جون 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں مسلمانوں کے قبلہ اول یروشلم پر اسرائیل نے قبضہ ...اس کے بعد اردن اور اسرائیل کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت بحیرۂ مردار دونوں ملکوں کی سرحد بن ...1974ء میں عرب سربراہوں کے اجلاس کے بعد دریائے اردن کے مغربی کنارے کو فلسطینیوں کے حوالے ...گیا۔ ستمبر 1980ء میں عراق ایران جنگ میں اردن نے عراق کی حمایت کی اور شام کی مخالفت کے باوجود اپنی ...یں عراق کے لئے کھول دیں۔ اردن نے 1991ء میں کویت پر عراقی قبضے کو درست قرار دیا مگر اس سے اردن کے ...سے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ جون 1991ء میں تمام سیاسی جماعتوں کو آئین اور بادشاہت کی قبولیت کی شرط پر اپنی ...یوں کی اجازت دی گئی۔ وسط 1991ء اردن نے مشرق وسطیٰ مذاکرات میں شمولیت کی تو اس کے تعلقات عراق ...شیدہ ہو گئے کیونکہ شاہ نے تکثیری (Pluralistic) حکومت کے قیام کی حمایت کی تھی۔ تاہم 1991ء میں خلیجی ...کے دوران اردن نے عراق کا ساتھ دیا جس کی وجہ سے امریکہ نے اس کی اقتصادی امداد بند کر دی۔ جنگ کے ...پر جب اردن نے مشرق وسطیٰ میں امن مذاکرات میں شرکت کی تو امریکہ سے اس کے تعلقات بحال ہو گئے۔ ...ری 1994ء کو اردن اور تنظیم آزادی فلسطین کے مابین اقتصادی تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔ لیکن اس کے ...ساتھ جولائی میں شاہ حسین اور اسرائیلی وزیراعظم کے درمیان بھی امن معاہدہ ہو گیا جس کے تحت دونوں ملکوں کی ...خاصمت دور کرنے کا عزم کیا گیا۔ اس معاہدے کی وجہ سے امریکہ اور سعودی عرب سے اردن کے تعلقات خوشگوار ...تب سے اب تک اردن کی پالیسی یہی رہی ہے کہ دونوں فریقوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھے جائیں۔

Marfat.com

اسرائیل اور اردن کے تعلقات میں آخری مرتبہ کشیدگی اس وقت پیدا ہوئی جب ستمبر 1997ء میں دو اسرائیلی ایجنٹوں نے کینیڈین پاسپورٹوں پر اردن میں داخل ہو کر حماس کے سینئر لیڈر خالد مشعل کو زہر دے دیا۔ اردن نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات منقطع کرنے کی دھمکی دیتے کر نہ صرف اس زہر کا تریاق حاصل کیا بلکہ درجنوں اردنی اور فلسطینی قیدیوں کو اسرائیل کی جیلوں سے رہا بھی کروایا۔ ان قیدیوں میں حماس کے روحانی قائد شیخ احمد یاسین بھی شامل تھے۔ خالد مشعل اس حملے سے جانبر ہونے میں کامیاب رہے۔ 23 جنوری 1999ء کے روز سرطان کے شکار شاہ حسین نے غیر متوقع طور پر اپنے بھائی شہزادہ حسن کو تخت کی جانشینی سے معزول کر دیا گیا جو گذشتہ 34 سال سے تخت کے وارث اور ولی عہد تھے۔ ان کی جگہ اپنے بڑے بیٹے عبداللہ کو نیا ولی عہد مقرر کر دیا۔ اس کے صرف دو ہفتے بعد 7 فروری کے روز شاہ حسین بن طلال نے 46 سال مسلسل حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد عبداللہ بن حسین نے زمام اقتدار سنبھالی۔ جون 2003ء میں پارلیمانی انتخابات ہوئے جس میں شاہ کے حمایتیوں کو فتح حاصل ہوئی تاہم اسلام پسند بھی 18 نشستیں جیتنے میں کامیاب رہے۔ حال ہی میں اردن نے مغربی کنارے کے فلسطینیوں کو اردن میں مستقل طور پر بسانے کی اسرائیلی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے ہزاروں فلسطینیوں کی شہریت منسوخ کر دی۔ ایسے فلسطینیوں کو خصوصی کارڈ جاری کئے گئے جن کی بدولت انہیں تمام شہری حقوق تو حاصل رہیں گے لیکن ملک کی شہریت ان کے پاس نہ ہوگی۔

اری ٹیریا

اری ٹیریا بحیرۂ احمر کے کنارے پر، ایتھوپیا کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کا خشک ساحلی میدان مغرب کی طرف بڑھتا ہوا ایک دم بلند ہو کر سطح مرتفع کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ اس علاقے میں بارشیں نسبتاً زیادہ ہوتی ہیں۔ شمال اور مغرب کا علاقہ پہاڑیوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ مغرب کی طرف جاتے ہوئے براکا اور ستیت کے دریاؤں کے درمیان وسیع میدان حائل ہو جاتے ہیں۔ 1557ء میں اس ملک پر ترکوں نے قبضہ کر کے اپنی سلطنت کا حصہ بنالیا۔ 1884ء میں مصری یہاں پر قابض ہو گئے۔ 1885ء میں اٹلی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ عوام اٹلی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے مگر بے ضمیر راہنماؤں کے ہاتھوں یہ تحریک ختم ہو گئی۔ 1889ء میں اٹلی نے اسے نو آبادیاتی حیثیت دی۔ 36-1935 میں ایتھوپیا پر حملہ کر کے اٹلی نے اسے مکمل فتح کر لیا۔ شہنشاہ ہیل سیلاسی کو جلاوطن کر دیا۔ 1947ء میں اس کی وطن کو واپسی ہوئی۔ برطانوی افواج کی مدد سے اس نے اٹلی کی فوج کو ملک سے نکال دیا۔ 1952ء میں اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک کمیشن قائم ہوا۔ اری ٹیریا کو داخلی خود مختاری مل گئی۔ ایتھوپیا اس کا وفاق قرار پایا۔ 1952ء تا 1962ء یہ عمل جاری رہا۔ 1962ء میں ایتھوپیا کی پارلیمنٹ میں اسے ایتھوپیا کا 14واں صوبہ بنالیا گیا جس پر اری ٹیریا کے عوام اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے 1958ء میں قاہرہ میں اری ٹیریا لبریشن فرنٹ قائم کر کے گوریلا جنگ لڑنے کا اعلان کر دیا اور 1966ء میں رضا کار فوج تشکیل دی اور ایتھوپیا کے اندر اور باہر آزادی کے لئے سرگرم عمل ہو گئے۔ انہوں نے ہوائی جہاز اغوا کئے اور بھرپور طریقے سے عالمی برادری کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا۔ 1970ء میں حکومت نے اری ٹیرین لبریشن فرنٹ کی گوریلا کارروائیوں سے تنگ آ کر ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا۔ مئی 1978ء میں ایک لاکھ ایتھوپیائی فوجی دستوں نے اری ٹیریا پر حملہ کر دیا اور دس ماہ کے بعد اسمارا کے محصور شہر پر بھی قبضہ کر لیا۔ 1982ء کے دوران جنگ میں تیزی آ گئی ایتھوپیا نے 50 ہزار افواج روس سے کمک منگوالی مگر اری ٹیریا کی فوج نے اہم جنگی شہر متسیانائی پر قبضہ کر لیا۔ مارچ 1984ء میں الفعیا کے مقام پر اری ٹیریا کے گوریلوں نے ایتھوپیا کی فوج کو شکست دی۔ لڑائی میں چار ہزار افراد

Marfat.com

ے گئے۔ جون 1989ء میں ایتھوپیا کی حکومت نے جب دیکھا کہ شکست مقدر بنی جا رہی ہے تو انہوں نے امن
رمولا پیش کر دیا۔ مئی 1991ء میں منگستو ہیل مریم کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور اری ٹیرین پیپلز لبریشن فرنٹ
ایتھوپیا پیپلز ریوولیوشنری ڈیموکریٹک فرنٹ نے اقتدار سنبھال لیا۔ دونوں جماعتوں نے اری ٹیریا کی آزادی کے
لئے پر ریفرنڈم کرانے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ چنانچہ 23 تا 25 اپریل 1993ء میں ریفرنڈم منعقد ہوا جس کے نتیجے
عوام کی اکثریت نے اری ٹیریا کے ایتھوپیا سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ دیا۔ اس طرح 24 مئی 1993ء کو اری ٹیریا کی
اداور خود مختار حکومت معرض وجود میں آ گئی۔ رائے شماری کے بعد اری ٹیرین پیپلز لبریشن فرنٹ نے سیاسی جماعت کی
اختیار کر لی اور اس کا نام پیپلز فرنٹ فار ڈیموکریسی اینڈ جسٹس رکھا گیا۔ اس کے ارکان پر مشتمل ایک آئینی اسمبلی قائم
اور جماعت کے سیکرٹری جنرل عیساس ازفورکی کو اری ٹیریا کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ تب سے اب تک وہی صدر چلے آ
ہے ہیں۔ مئی 1997ء میں آئین بنایا گیا۔ دسمبر 2001ء میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا تھا لیکن پھر بوجوہ
ں مؤخر کر دیا گیا۔ مئی 1998ء میں سرحدی تنازعہ پر ایتھوپیا اور اری ٹیریا میں جنگ چھڑ گئی۔ جنگ میں 80 ہزار سے
لوگ مارے گئے اور دونوں غریب ممالک کے لاکھوں ڈالر اسلحہ کی خریداری پر صرف ہونے لگے۔ آخر دسمبر 2000ء
اقوام متحدہ نے امن معاہدہ کرا دیا۔ اپریل 2002ء میں ایک بین الاقوامی سرحدی کمیشن نے سرحدی تنازعہ کے سلسلے
فیصلہ دیا جسے ایتھوپیائی حکومت نے قبول نہیں کیا۔ اس بناء پر دونوں ملکوں میں کشیدگی تا حال موجود ہے۔

بکستان

یہ وسط ایشیاء کی ان اسلامی ریاستوں میں سے ایک ہے، جو پہلے روس کے زیر تسلط تھیں۔ اس کی سرحدیں مغرب
ترکمانیہ، شمال میں قازقستان، مشرق میں کرغستان اور تاجکستان اور جنوب میں افغانستان سے ملتی ہیں۔ یہ ملک تاریخی
ر سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ 329 ق م میں اسکندر اعظم علاقے پر قابض ہوا۔ اس کی وفات کے بعد یہ علاقہ باختہ
ی سلطنت کا حصہ رہا۔ اس کے بعد کشن خاندان حکومت کرتے رہے۔ اسلام کی آمد کے بعد اسماعیل سامانی قراخوانی
ں نے یہاں حکومت کی۔ چنگیز خان کے ہاتھوں 1220ء میں اس ملک کو بہت نقصان پہنچا۔ چودھویں صدی عیسوی
تیموریوں نے یہاں حکومت کی۔ ازبک نامی ایک حکمران نے اسلام کی ترقی و تبلیغ کا یہاں بہت کام کیا۔ سولہویں صدی
شیبانی خان نے تیموری سلطنت کا خاتمہ کیا اور تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد مغل شہنشاہ بابر سلطنت کا بادشاہ بنا جو بعد میں
ستان کی عظیم سلطنت کا بانی ہوا۔ 1857ء میں روس نے اس پر قبضہ کر لیا اور 1924ء میں اسے باقاعدہ طور پر اپنا حصہ
۔ روس کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے بعد 29 اگست 1991ء کے روز ریاست ازبکستان ایک آزاد اور خود مختار مملکت
ی۔ کمیونسٹ پارٹی کے صدر اسلام کریموف نے صدارت کا عہدہ سنبھالا۔ کریموف نے جمہوریت اور بنیادی انسانی
ق کی پاسداری کا اعلان کیا، لیکن وسط 1993ء میں حزب اختلاف کی تمام سیاسی جماعتوں کو کچل کے رکھ دیا حتیٰ کہ
ت کے خلاف سرگرمیوں پر زیادہ سخت پابندیاں عائد کرنے کے لئے قانون میں ترمیم کی گئی۔ انتخابات میں شرکت
روکنے کے لئے قانون میں ایسی تبدیلیاں کی گئیں جن کی رو سے حکمران پارٹی کو سہولتیں حاصل ہوئیں اور حزب
ف کی جماعتوں کے لئے مشکلات پیدا ہوئیں۔ 1999ء میں اسلام پسند جماعتوں نے حکومت کے خلاف محاذ آرائی
ع کر دی لیکن سیکولر حکومت کی طرف سے ان کے خلاف سخت کارروائی کی گئی۔ فروری 1999ء میں تاشقند میں بم
کے ہوئے اور اس کے بعد سے وقتاً فوقتاً ایسی کارروائیاں اسلام پسندوں کی طرف سے کی جاتی رہتی ہیں۔ 2000ء

Marfat.com

میں اسلام کریموف نے دوبارہ صدارت کے انتخاب میں کامیابی حاصل کی اور دو سال بعد ریفرنڈم کے ذریعے اپنے
اقتدار میں توسیع کرالی۔ 2004ء میں اسلام پسند جماعتوں نے ایک بار پھر حکومت کے خلاف بغاوت کردی۔ تاشقند
بخارا میں ہونے والے فسادات میں کئی افراد کو جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ انسانی حقوق کے حوالے سے خراب ریکارڈ
حامل ہونے کی بدولت ازبکستان کو امریکہ کی طرف سے ملنے والی امداد رک گئی تاہم روس کے ساتھ اس کے تعلقات
گئے۔ 2005ء کے وسط میں اندیجان میں ہونے والے فسادات کو حکومت کی طرف سے نہایت سختی کے ساتھ کچل
جس پر ازبکستانی حکومت کو امریکہ اور یورپی یونین کی طرف سے کڑی تنقید سہنا پڑی۔ صدر کریموف نے امریکہ
ڈال کر اسے قرشی خان آباد کا ہوائی اڈہ خالی کرنے پر مجبور کردیا اور اس کے نتیجے میں امریکہ اور یورپی یونین کی طرف
ازبکستان پر اقتصادی پابندیاں عائد کردی گئیں۔ اسی دوران روس اور ازبکستان کے درمیان مشترکہ دفاع کا معاہدہ
گیا۔ 2006ء میں ازبکستان اور کرغستان کے درمیان پائی جانے والی کشیدگی میں اس وقت اضافہ ہوگیا جب ازبکستان
نے کرغستان سے مطالبہ کیا کہ وہ پناہ گزین اس کے حوالے کردیئے جائیں جو اندیجان میں ہونے والے فسادات
بھاگ کر کرغستان میں آگئے تھے۔ سرحدی جھڑپوں کے بعد تاجکستان سے بھی تعلقات کشیدگی اختیار کرگئے۔
میں کریموف کو ایسے انتخابات کے ذریعے پھر سے صدر منتخب کیا گیا جنہیں عالمی سطح پر دھاندلی کا شاہکار قرار دیا گیا
ماہرین نے جو انتخابات کے عمل کی نگرانی کے لئے وہاں پہنچے تھے، رائے دی کہ یہ انتخابات منصفانہ انتخاب کے بین
الاقوامی معیار پر پورے نہیں اترتے۔ ان انتخابات کے نتیجے میں کوئی حزب اختلاف ابھر کر سامنے نہ آسکی۔

افغانستان:

یہ براعظم جنوبی ایشیاء میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں روس، انتہائی شمال مشرق میں چین مشرق میں اور
میں پاکستان اور مغرب میں ایران واقع ہے۔ افغانستان چاروں طرف سے خشکی میں گھرا ہوا ہے۔ زیادہ تر علاقہ
ہے۔ اس کے قریب کوہ ہندوکش کا سلسلہ ہے جو 16000 فٹ کی بلندی تک جاتا ہے جبکہ مشرق میں یہ 25000
بلندی تک چلا گیا ہے۔ پاکستان اور افغانستان میں باہمی تجارت کا راستہ درہ خیبر ہے۔ زمانہ قدیم میں اسے
اور باختریا کے نام سے پکارا جاتا رہا ہے۔ ازمنہ وسطیٰ میں اسے خراسان کا نام دیا گیا۔ یہ سرزمین مختلف تہذیبوں
ہے۔ شمالی افغانستان میں زرتشت پیدا ہوا۔ یہاں سے ہی اس نے اپنے مذہب کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ 332
سکندر اعظم نے اس پر حملہ کیا۔ اس کے بعد سکندر اعظم کے جرنیل نے یونانی باختری سلطنت کی بنیاد رکھی جو دو صدی
قائم رہی۔ پھر یہاں بدھ مت کا دور دورہ رہا۔ گوتم بدھ کے مجسمے افغانستان میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔ تیسرے
راشد کے عہد میں افغانستان کو مسلم ریاست میں شامل کیا گیا جبکہ قبل ازیں یہ ایرانی حکومت کا حصہ تھا۔ 2
مسلمانوں نے اس علاقے کو فتح کیا مگر یہاں کے حکمران علاقائی لوگوں ہی کو بنایا۔ پہلے یہ حکمرانی خراسانی عرب
پاس رہی۔ 998ء میں محمود غزنوی نے ان سے اقتدار چھین لیا۔ غوریوں نے 1146ء میں غزنویوں کو شکست دی
غزنی کے علاقے تک محدود کردیا۔ یہ سب مسلمان تھے مگر 1219ء میں چنگیز خانی منگولوں نے افغانستان کو تاراج
ہرات، غزنی اور بلخ مکمل طور پر تباہ ہوگئے۔ منگول بعد میں خود مسلمان ہوگئے حتیٰ کہ تیمور نے چودھویں صدی میں
سلطنت قائم کرلی۔ اسی کی اولاد سے شہنشاہ بابر نے کابل کو سولہویں صدی کے شروع میں پہلی دفعہ اپنا دارالحکومت
سولہویں صدی سے اٹھارویں صدی تک افغانستان کئی حصوں میں تقسیم رہا۔ شمالی حصہ پر ازبک، مغربی حصے

Marfat.com

سمیت) پر ایرانی صفویوں، اور مشرقی حصہ پر مغل اور پشتون قابض رہے۔ 1709ء میں پشتونوں نے صفویوں کے خلاف جنگ لڑی اور 1719ء سے 1729ء تک افغانستان بلکہ ایرانی شہر اصفہان تک پر قبضہ رکھا۔ 1729ء میں ایرانی بادشاہ نادر شاہ نے انھیں واپس دھکیلا اور ان کے قبضے سے تمام علاقے چھڑائے حتیٰ کہ 1738ء میں قندھار اور غزنی پر بھی قبضہ کرلیا جو 1747ء تک جاری رہا۔ پشتونوں اور فارسی بولنے والوں کی یہ کشمکش آج بھی جاری ہے حالانکہ دونوں مسلمان ہیں۔ احمد شاہ درانی کو بجا طور پر افغانستان کا بانی کہا جا سکتا ہے۔ احمد شاہ درانی کو احمد شاہ ابدالی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ جون 1747ء میں نادر شاہ قتل ہو گیا جس کے بعد لویہ جرگہ نے ابدالی قبیلہ کے احمد شاہ درانی کو سربراہ چن لیا۔ پہلے قندھار میں اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد احمد شاہ درانی نے تمام تر قوت افغانستان کو ایک ملک بنانے پر صرف کی۔ درانی سلطنت میں موجودہ ایران، افغانستان، پاکستان اور بھارت کے کچھ علاقے شامل تھے۔ اس کی سلطنت میں ایران کے شہر مشہد سے لے کر کشمیر اور موجودہ بھارت کے شہر دہلی تک کے علاقے شامل تھے۔ احمد شاہ درانی کا ایک اہم کارنامہ جنوری 1761ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کو شکست دینا تھا لیکن اس جنگ کے بعد سکھوں نے پنجاب میں زور بڑھانا شروع کیا اور آہستہ آہستہ پنجاب کے کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا لیکن اس وقت تک افغانستان کو ایک مضبوط ملک کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ 1772ء تک احمد شاہ درانی اور اس کے بعد اس کی اولاد کی حکومت رہی۔ اس کی اولاد میں ایوب شاہ کو 1823ء میں قتل کر دیا گیا۔ بعد میں کابل کی حکومت محمد شاہ اور پھر 1826ء میں دوست محمد خان کے پاس چلی گئی۔ امیر دوست محمد خان، جس نے کابل کی حکومت 1826ء میں سنبھال لی تھی، نے روس اور ایران سے تعلقات بڑھانا شروع کیے کیونکہ سکھوں نے پنجاب پر قبضہ کرلیا تھا اور انگریزوں نے اپنی روایتی چالاکی کا ثبوت دیتے ہوئے سکھوں اور دہلی کے شاہ شجاع کے ساتھ مل کر افغانستان میں اپنا اثر بڑھانا شروع کیا۔ حالانکہ دونوں انگریزوں کے بظاہر دشمن تھے۔ شاہ شجاع کو انگریزوں نے کابل کے تخت کے سبز باغ دکھائے۔ اس زمانے میں روس اور برطانوی ہند میں کئی ہزار میل کا فاصلہ تھا اور وسطی ایشیاء کے شہروں مرو، خیوا، بخارا اور تاشقند کو مغرب میں زیادہ لوگ نہیں جانتے تھے مگر انگریز یہ جانتے تھے کہ روسی ان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو روکنے اور افغانستان میں اپنا اثر بڑھانے کے لیے انگریزوں کی مکارانہ جدوجہد کو "عظیم چالبازیوں" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں انگریزوں نے دو جنگیں لڑیں۔ پہلی جنگ (1839ء-1842ء) اس وقت ہوئی جب ایرانیوں نے ہرات کے لوگوں کے ساتھ مل کر انگریزوں اور روسیوں کو افغانستان سے بے دخل کرنے کے لیے افواج پورے ملک میں روانہ کیں۔ انگریزوں نے کابل پر قبضہ کر کے دوست محمد خان کو گرفتار کرلیا۔ افغانیوں نے برطانوی فوج کے ایک حصے کو مکمل طور پر قتل کر دیا جو سولہ ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ صرف ایک شخص زندہ بچا۔ انگریز مدتوں اپنے زخم چاٹتے رہے۔ اسی وجہ سے مجبوراً انگریزوں نے دوست محمد خان کو رہا کر دیا۔ بعد میں دوست محمد خان نے ہرات کو بھی فتح کرلیا۔ دوسری جنگ (1878ء-1880ء) اس وقت ہوئی جب امیر شیر علی نے برطانوی سفارت کاروں کو کابل میں رہنے کی اجازت نہ دی۔ اس جنگ کے بعد انگریزوں کی ایما پر 1880ء میں امیر عبدالرحمن نے افغانستان کا اقتدار حاصل کیا مگر عملاً کابل کے خارجی معاملات انگریزوں کے ہاتھ میں چلے گئے۔ اسی اثر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں نے افغانستان کے ساتھ سرحدوں کے تعین کا معاہدہ بھی کیا۔ امیر عبدالرحمن کے بیٹے امیر حبیب اللہ خان بعد میں افغانستان کے بادشاہ ہوئے۔ ان کے دور میں افغانستان میں مغربی مدرسے کھلے اور انگریزوں کا اثر مزید بڑھ گیا۔ اگرچہ بظاہر انگریزوں نے افغانستان کو ایک آزاد ملک کے طور پر تسلیم کیا۔ 1907ء میں امیر حبیب اللہ خان نے انگریزوں کی

Marfat.com

دعوت پر برطانوی ہند کا دورہ بھی کیا۔ اسی مغربی دوستی اور اثر کی وجہ سے امیر حبیب اللہ خان کو اس کے رشتہ داروں نے 20 فروری 1919ء کو قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد اس کا بیٹا امان اللہ خان بادشاہ بن گیا اور انگریزوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی مگر 19 اگست 1919ء کو اس کے اور انگریزوں کے درمیان راولپنڈی میں ایک معاہدہ ہوا جس میں انگریزوں نے افغانستان پر اپنا کنٹرول ختم کیا اور افغانستان میں ان کا اثر تقریباً ختم ہو گیا۔ 19 اگست 1919ء کو اسی وجہ سے افغانستان کی یوم آزادی کے طور پر منایا جاتا ہے۔ امان اللہ خان (دورِ اقتدار: 1919ء-1929ء) نے افغانستان کا اقتدار سنبھالنے کے بعد اصلاحات کیں اور مغربی دنیا سے تعلقات قائم کیے۔ اصلاحات میں بنیادی تعلیم کا لازمی قرار دینا اور مغربی طرز کی دیگر اصلاحات شامل تھیں۔ ان نے 1921ء میں افغانستان میں ہوائی فوج بھی بنائی جس کے جہاز روس سے آئے لیکن افواج کی تربیت ترکی اور فرانس سے کروائی گئی۔ 1927ء میں امان اللہ خان نے یورپ اور ترکی کا دورہ کیا جس میں اس نے مغربی مادی ترقی کا جائزہ لیا اور افغانستان میں ویسی ترقی کی خواہش کی مگر جب اس نے کمال اتاترک کی طرز پر پردہ پر پابندی لگانے کی کوشش کی تو قبائل میں بغاوت پھوٹ پڑی اور افغان اس کے سخت خلاف ہو گئے۔ شنواری قبائل نے نومبر 1928ء میں جلال آباد سے بغاوت شروع کی اور دوسرے لوگوں کو ساتھ ملا کر کابل کی طرف بڑھنے لگے۔ شمال سے تاجک کابل کی طرف بڑھنے لگے۔ امان اللہ خان پہلے قندھار بھاگا اور فوج تیار کرنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوا جس کے بعد وہ بھارت فرار ہو گیا۔ وہاں سے پہلے اطالیہ اور بعد میں سوئٹزرلینڈ میں پناہ لی جہاں 1960 میں وفات پائی۔ اس بغاوت کے دوران جنوری 1929ء میں حبیب اللہ کلاکانی عرف بچہ سقا نے کابل پر قبضہ کیا اور حبیب اللہ شاہ غازی کے نام سے حکومت قائم کی مگر اکتوبر 1929ء میں جنرل نادر خان کی فوج نے کابل کو گھیر لیا جس پر بچہ سقا فرار ہو کر اپنے گاؤں چلا گیا۔ جنرل نادر خان کو انگریزوں کی مکمل حمایت حاصل تھی جنہوں نے اسے ہتھیار اور پیسہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے جنرل نادر خان کو ایک ہزار افراد کی فوج بھی تیار کر کے دی تھی جو وزیرستانی قبائلیوں پر مشتمل تھی۔ نادر خان نے قرآن کو ضامن بنا کر اس کو پناہ اور معافی دی مگر جب وہ کابل آیا تو اسے قتل کروا دیا۔ نادر خان (دورِ اقتدار: 1929ء-1933ء) جو امان اللہ خان کا رشتہ دار تھا اس نے نادر شاہ کے نام سے 1929ء میں افغانستان کا تخت سنبھالا۔ مگر 1933ء میں کابل کے ایک طالب علم نے اسے قتل کر دیا جس کے بعد اس کا انیس سالہ بیٹا ظاہر شاہ بادشاہ بن گیا۔ ظاہر شاہ (دورِ اقتدار: 1933ء-1973ء) نے چالیس سال تک افغانستان پر حکومت کی۔ وہ افغانستان کا آخری بادشاہ تھا۔ اس نے کئی وزیر اعظم بدلے جن کی مدد سے اس نے حکومت کی۔ جن میں سے ایک سردار محمد داؤد خان (المعروف سردار داؤد) تھا جو اس کا کزن تھا۔ سردار داؤد نے روس اور بھارت سے تعلقات بڑھائے۔ اسے پاکستان سے نفرت تھی۔ پاکستان سے تعلقات کی خرابی کی وجہ سے افغانستان کو اقتصادی مشکلات ہوئیں تو سردار داؤد کو 1963 میں استعفیٰ دینا پڑا۔ مگر سردار داؤد نے دس سال بعد 17 جولائی 1973ء کو ایک فوجی بغاوت میں افغانستان پر قبضہ کر لیا۔ اس بغاوت کو روس (اس وقت سوویت یونین) کی مدد حاصل تھی۔ ظاہر شاہ فرار ہو کر اطالیہ چلا گیا۔ 27 اپریل 1978ء کو سردار داؤد کو ایک اور بغاوت میں قتل کر دیا گیا اور نور محمد ترہ کئی صدر بن گیا۔ اس بغاوت کو بھی روس کی مدد سے ممکن بنایا گیا۔ اس حکومت نے کمیونزم کو رائج کرنے کی کوشش کی اور روس کی ہر میدان میں مدد لی جن میں سڑکوں کی تعمیر سے لے کر فوجی مدد تک سب کچھ شامل تھا۔ روس کی یہ کامیابی امریکہ کو بھی پسند نہیں آئی چنانچہ سی آئی اے نے اسلامی قوتوں کو مضبوط کرنا شروع کیا جس سے ملک میں فسادات پھوٹ پڑے۔ نتیجتاً 1979ء میں روس نے افغانستان کی حکومت کی دعوت

افغانستان میں اپنی فوج اتار دی اور عملاً افغانستان پر اسی طرح روس کا قبضہ ہو گیا جس طرح آج کل امریکہ کا قبضہ ہے۔ روس کی کمیونسٹ پارٹی نے کمال اتاترک کی طرز پر غیر اسلامی نظریات کی ترویج کی مثلاً پردہ پر پابندی لگانے کی کوشش کی۔ یہ تبدیلیاں افغانی معاشرہ سے بالکل مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ 25 دسمبر 1979 کو روسی فوج کابل میں داخل ہوگئی تو افغانستان میں مجاہدین نے ان کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ امریکہ نے ان مجاہدین کو خوب مدد فراہم کی مگر امریکہ کا مقصد اسلام کی خدمت نہیں بلکہ روس کے خلاف ایک قوت کو مضبوط کرنا تھا۔ امریکہ کو پاکستان کو بھی ساتھ ملانا پڑا۔ پاکستان کی مذہبی جماعتوں کو بھی امریکہ نے روس کے خلاف استعمال کیا۔ پاکستان نے بھی دنیا کو روس سے نجات دلا کر ساری مسلم دنیا کو امریکی چنگل میں پھنسانے میں مدد کی۔ افغان مجاہدین اسلام سے مخلص تھے مگر امریکہ انھیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتا رہا مگر جب امریکہ کو ان کی ضرورت نہ رہی تو وہی مجاہدین امریکی اور پاکستانی زبان میں دہشت گرد کہلانے لگے۔ امریکی سی آئی اے، پاکستان، امریکہ اور سعودی عرب نے اس دوران اپنا اپنا کردار ادا کیا جس میں ان ممالک کے کچھ مفادات مشترک تھے اور کچھ ذاتی۔ اس جہاد کا نتیجہ یہ نکلا کہ روس کو 1989ء میں مکمل طور پر افغانستان سے نکلنا پڑا بلکہ بعض دانشوروں کے خیال میں روس کے ٹوٹنے کی ایک بڑی وجہ یہی تھی۔ اس سلسلے میں روس، افغانستان اور پاکستان کے درمیان 1988ء میں جنیوا معاہدہ ہوا تھا۔ روس نے افغانستان سے فوج نکالنے کے بعد بھی اس وقت کی نجیب اللہ حکومت کی مدد جاری رکھی مگر 18 اپریل 1992ء کو مجاہدین کے ایک گروہ نے جنرل عبدالرشید دوستم اور احمد شاہ مسعود کی قیادت میں کابل پر قبضہ کر لیا اور افغانستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کا اعلان کر دیا مگر امریکی اسلحہ کی مدد سے مجاہدین کے مختلف گروہوں کے درمیان اقتدار کے حصول کے لیے خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اس وقت ایک اسلامی جہادی کونسل بنائی گئی جس کی قیادت پہلے صبغت اللہ مجددی اور بعد میں برہان الدین ربانی نے کی مگر مجاہدین کی آپس کی لڑائی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بیرونی طاقتوں نے پشتو اور فارسی بولنے والوں کی باہمی منافرت کا خوب فائدہ اٹھایا۔ اس وقت کی حکومت میں پشتونوں کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی جس سے ان میں شدید احساسِ محرومی پیدا ہوا۔ پاکستان اور افغانستان کے کچھ علما نے مدرسوں کے طلبا کو منظم کرنا شروع کیا جن کو بعد میں طالبان کہا جانے لگا۔ پاکستانی فوج کے جنرل نصیر اللہ بابر طلبا کو استعمال کرنے کے خیال کے بانی تھے۔ 1996ء میں طالبان کے رہنما ملا محمد عمر نے کابل پر قبضہ کیا۔ انھوں نے افغانستان کو اسلامی امارت قرار دیا اور طالبان نے انھیں امیر المومنین تسلیم کر لیا۔ طالبان نے 2000ء تک افغانستان کے پچانوے فی صد علاقے پر قبضہ کر کے ایک اسلامی حکومت قائم کی۔ اس زمانے میں افغانستان میں نسبتاً امن قائم رہا اور پوست کی کاشت بھی نہ ہوئی۔ طالبان کو بجز پاکستان اور سعودی عرب کے کسی نے تسلیم نہ کیا اور مغربی دنیا نے شمالی اتحاد کی مدد جاری رکھی جو افغانستان کے شمال میں کچھ اختیار رکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک خالص اسلامی حکومت مغربی دنیا اور بھارت کو ہرگز قبول نہ تھی۔ یاد رہے کہ طالبان سے پہلے بھارت کو افغانستان میں خاصا عمل دخل تھا۔ طالبان کے دور میں پاکستان کا اثر افغانستان میں بڑھ گیا اور پچاس سال میں پہلی دفعہ پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر ایک طرح سے دوستانہ امن قائم رہا مگر پاکستان نے طالبان کے خلاف امریکہ کی مدد کر کے نہ صرف طالبان کا اعتماد کھویا بلکہ ایک پاکستان دشمن اور بھارت دوست حکومت افغانستان میں قائم ہوگئی۔ طالبان کے دور میں کچھ ایسے لوگوں نے افغانستان میں اپنے اڈے بنائے جو پہلے امریکہ کے منظور نظر تھے مگر جب امریکہ کو ان کی ضرورت نہ رہی تو وہ یکا یک امریکہ کی نظر میں دہشت گردوں میں تبدیل ہو گئے۔ ان میں اسامہ بن لادن اور اس کے حواری شامل تھے جو افغان میں روس کے خلاف جہاد میں

سرگرم تھے۔ 11 ستمبر 2001ء کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حادثے کا الزام اسامہ بن لادن اور القاعدہ پر لگایا گیا۔ ان لوگوں کو طالبان نے پناہ دے رکھی تھی اور افغانی روایات کے مطابق انھیں دشمن کے حوالے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس بہانے 17 اکتوبر 2001ء کو امریکہ نے افغانستان پر پاکستان کی مدد سے حملہ کر دیا اور افغانستان پر قبضہ کر لیا۔ پاکستان کا کردار تاریخی لحاظ سے نہایت شرمناک کہلایا جا سکتا ہے کیونکہ امریکی دباؤ کی وجہ سے انھوں نے اپنے سابقہ دوستوں کے خلاف کارروائی میں مدد کی۔ امریکہ نے بعد میں عراق پر بھی قبضہ کیا جس سے سوچا جا سکتا ہے کہ ایک تو اس نے عراق پر حملہ سے پہلے افغانستان میں ایسی حکومت کو ختم کیا جہاں سے ممکنہ مدد عراق کو جہاد کے نام پر مل سکتی تھی۔ دوسرے افغانستان اور عراق پر قبضہ کر کے اور پاکستان کو دباؤ میں رکھ کر امریکہ نے ایران اور کسی حد تک اسلام کے مرکز سعودی عرب کو گھیرے میں لے لیا۔ خلیج فارس میں اتنی زیادہ امریکی بحری طاقت قائم ہوگئی جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ امریکی ایما پر جرمنی کے شہر بون میں ایک افغانی حکومت کا قیام عمل میں آیا جس کے سربراہ حامد کرزئی تھے۔ 9 اکتوبر 2004ء کو حامد کرزئی کو افغانستان کا صدر چن لیا گیا۔ موجودہ حالات یہ ہیں کہ حامد کرزئی کی کٹھ پتلی حکومت قائم ہے۔ افغانستان میں امریکی اور اتحادی فوج تا حال موجود ہے جو افغانستان کی اصل حاکم ہے۔ بھارت کا اثر ورسوخ افغانستان میں بہت زیادہ ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ بھارت اور امریکہ پاکستان کے صوبے بلوچستان جیسے علاقوں میں پر تشدد کارروائیوں اور دہشت گردی کو خوب فروغ دے رہے ہیں۔ 13 اور 14 مئی 2007 کو افغانی و امریکی فوج اور پاکستانی افواج میں آپس میں پہلی باقاعدہ جھڑپ ہو چکی ہے جس میں کچھ پاکستانی اور کچھ امریکی فوجی ہلاک ہوئے ہیں۔ یہاں یہ یاد رہے کہ امریکہ وقتاً فوقتاً پاکستانی علاقے میں متعدد بار میزائیل پھینک چکا ہے جس سے سو سے زائد پاکستانی شہری ہلاک ہو چکے ہیں۔ یہ کارروائیاں بعینہٖ اسی طرز پر ہوتی ہیں جیسے اسرائیل جنوبی لبنان میں کرتا ہے۔

البانیہ

یہ جنوب مشرقی یورپ میں واقع ہے۔ شمال اور مشرق میں یوگوسلاویہ جنوب میں یونان اور مغرب میں بحیرہ اڈریاٹک ہے۔ ساحلی علاقوں کی آب وہوا گرم مرطوب ہے جبکہ اندرونی علاقوں کا موسم گرم اور خشک رہتا ہے۔ یہاں سردی بہت کم پڑتی ہے۔ مسلمان یہاں تیرھویں صدی عیسوی میں اسلام کی تبلیغ کی غرض سے آئے۔ جارج کیسٹرا وائی نے جو سکندر بیگ کے نام سے مشہور تھا، ترکوں کے حملوں کے خلاف مزاحمت جاری رکھی۔ 1467ء میں اس کی وفات کے بعد ترکوں نے پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔ جو 1877ء تک جاری رہا مگر سلطنت عثمانیہ کے کمزور ہونے پر روس نے یہاں حملہ کر دیا اور دو بندرگاہوں اور قلعوں کی ریاست مانٹی نیگرو کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس موقع پر یہاں کے عوام آزادی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ 1909ء میں مناستر (Manastir) کے مقام پر عثمانی سلطنت کے اندر ایک خود مختار البانیہ کی بنیاد کا نعرہ بلند ہوا۔ اسمٰعیل کمال و بورقائد تھے۔ یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور البانیہ کو آزادی میسر آئی۔ 1925ء میں اسے جمہوریہ قرار دیا گیا۔ اس دوران دسمبر 1922ء سے 1929ء تک احمد بیگ زوگ وزیر اعظم رہا۔ 1928ء سے 1939ء تک احمد بیگ یہاں حکومت کرتا رہا۔ اس نے اٹلی سے 50 ملین فرانک ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ادھار لیا لیکن یہ تمام رقم عیاشیوں پر خرچ ہوئی۔ 1928ء میں مسولینی نے ایک لاکھ فوج کی مدد سے البانیہ پر قبضہ کر لیا۔ وکٹر عمانویل البانیہ کا بادشاہ بنا۔ دوسری جنگ عظیم کے ختم ہونے کے بعد کمیونسٹ انتہا پسندوں نے 1944ء میں ملک سوشلسٹ جمہوریہ قرار دیا۔ دسمبر 1961ء تک یہ سوویت بلاک سے وابستہ رہا۔ پھر روس سے تعلقات ختم کر کے چین

Marfat.com

سے تعلقات استوار کر لئے۔ 1968ء میں روس نے اسے وارسا سمجھوتے میں شمولیت کرنے سے روک دیا۔ ماؤزے تنگ کی وفات کے بعد البانیہ کے تعلقات چین سے کشیدہ ہو گئے۔ 1973ء میں سرکاری افسروں کی چھانٹی کی گئی۔ 11 اپریل 1985ء کو انور ہوکسا چالیس سال کی طویل حکمرانی کے بعد انتقال کر گئے۔ 1990ء میں انسانی حقوق اور معیشت کے حوالے سے محدود پیانے پر اصلاحات نافذ کی گئیں۔ 1991ء میں عام ہڑتال کے ذریعے شہری مخالف قوتوں نے کیمونسٹ کابینہ کو استعفیٰ دینے پر مجبور کیا۔ مارچ 1991ء تک غیر کیمونسٹ نگران کابینہ تشکیل دی گئی۔ اس دوران میں چالیس ہزار افراد ملک چھوڑ کر اٹلی چلے گئے۔ 4 اپریل 1992ء کو البانیہ کے صدر رمیز ایلیاز کے مستعفی ہونے سے وہاں کیمونسٹ دور کا خاتمہ ہو گیا اور اپوزیشن لیڈر صالح بریشا نے 9 اپریل 1992ء کو اقتدار سنبھال لیا۔ 25 جولائی کے انتخابات میں حزبِ اختلاف کی جماعت ڈیموکریٹک پارٹی کو بھاری اکثریت حاصل ہوئی لیکن البانیہ کو جمہوریت راس نہ آئی۔ جتنی بھی اصلاحات کی گئیں، سب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اوپن مارکیٹ بیٹھ گئی۔ ملک میں سیاسی لٹیروں کا راج شروع ہو گیا۔ لوٹ مار اور دہشت گردی کا دور آ گیا۔ پندرہ سو اموات ہوئیں۔ بڑی مشکل سے امن وامان بحال کر کے نئے انتخابات کرائے گئے اور صدر سالی بریشا کو مسند اقتدار سے اتار دیا گیا۔ جنوری 1999ء میں السیر میٹا نے وزیراعظم کا عہدہ سنبھالا۔ اسی سال البانیہ کو اپنے شمال میں واقع کوسوو کے اندرونی معاملات میں اس لئے مداخلت کرنا پڑی کہ وہاں ان کے ہم نسل البانوی باشندے آباد ہیں۔ خانہ جنگی کے دوران کم وبیش ساڑھے چار لاکھ پناہ گزین البانیہ میں چلے آئے۔ ان میں تقریباً نصف نسلاً البانوی تھے۔ انہیں جبراً کوسوو سے نکال دیا گیا تھا۔ 2002ء میں السیر میٹا نے سیاسی خانہ جنگی سے پریشان ہو کر استعفیٰ دے دیا۔ فروری 2002ء میں پنڈلی میک جو کو وزیراعظم منتخب کیا گیا۔ جون 2005ء میں جمہوری اتحاد نے سالی بریشا کے ساتھ مل کر حکومت بنائی۔ الفریڈ موئیسو کو 2006ء سے 2010ء تک کی مدت کے لئے صدر منتخب کر لیا گیا۔ سیاسی صورتِ حال غیر مستحکم ہونے کے باوجود، 2007ء میں البانیہ کی معاشی شرح نمو 5 فیصد رہی۔ البانی لیک کی قیمت میں بھی معتدبہ اضافہ ہوا اور فی ڈالر 143 لیک سے بڑھ کر اس کی قیمت فی ڈالر 92 لیک تک جا پہنچی۔ 2008ء میں البانیہ نے باقاعدہ طور پر نیٹو میں شمولیت اختیار کر لی۔

الجزائر

الجزائر رقبے کے لحاظ سے اسلامی ممالک میں انڈونیشیا کے بعد دوسرا بڑا اسلامی ملک ہے۔ یہ شمالی افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے جنوب میں مالی اور نائیجیریا، مغرب میں مراکش اور ماریطانیہ، مشرق میں تیونس اور لیبیا اور شمال میں بحیرہ روم واقع ہیں۔ یہ ملک تاریخی اعتبار سے بڑا قدیم ہے۔ بربروں، فنیقیوں، رومیوں، وینڈلوں اور عربوں نے اس علاقے پر ہزاروں سال حکومت کی۔ 1518ء سے لے کر 1830ء تک یہ ملک ترکی کی عظیم الشان اسلامی سلطنت کا حصہ رہا۔ ترکوں کے زوال پذیر ہونے کے بعد اس پر فرانسیسیوں نے قبضہ کر لیا۔ یہاں کے مسلمانوں نے غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف ایک طویل اور سخت آزمائشوں والی جنگ لڑی اور تقریباً بیس لاکھ مسلمانانِ اسلام نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ ایک طویل اور اندھیری رات تھی۔ یہ جنگ آزادی 132 سالہ جدوجہد تھی جس کے نتیجے میں آخرکار 1962ء میں انہیں آزادی کا سورج دیکھنا نصیب ہوا۔ احمد بن بیلا جمہوری حکومت کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ ان کا دورِ حکومت 1965ء تک رہا۔ کرنل حواری بومدین نے فوجی انقلاب کی صورت میں اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ ان کے دورِ اقتدار میں الجزائر نے اسرائیل کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ یورپ کے ممالک سے روابط منقطع کئے۔ امریکہ سے مکمل سفارتی تعلقات ختم کئے اور روس کے

Marfat.com

ساتھ تعلقات کی بنیاد رکھی اور یک پارٹی نظام سیاست رائج کیا۔ ان کی وفات کے بعد 9 فروری 1977ء کو شاذلی بن جدید نے عنان حکومت سنبھالا۔ ملکی انتظامات اور خارجہ پالیسی میں انقلابی تبدیلیاں کیں۔ شاذلی بن جدید نے احمد بن بیلا کو ان کے ساتھیوں سمیت رہا کر دیا، امریکہ اور یورپی ممالک سے تعلقات استوار کیے اور جمہوریت کی داغ بیل رکھی۔ 1988ء میں خانہ جنگی کی صورت کے بعد قاصدی مریاح نئے وزیر اعظم بنے۔ 1989ء میں ڈاکٹر عباسی مدنی نے اسلامی نجات پارٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ اسلامی نجات پارٹی نے اسلام کے نفاذ کا اعلان کیا۔ 1987ء میں کثیر الجماعتی نظام، بنیادی حقوق کے تحفظ اور الجزائریوں کو ہر قسم کی آزادی دینے کا دستور پاس ہوا۔ 12 جنوری 1992ء کو شاذلی بن جدید نے استعفیٰ دے دیا۔ بوفیاف نئے صدر ہوئے مگر جون 1992ء میں انہیں قتل کر دیا گیا۔ ملک میں آئین معطل کر کے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا اور ملک میں مارشل لاء لگ گیا۔ یکم جولائی 1992ء میں علی کافی نئے صدر اور جولائی 1992ء کو عبدالسلام بیلا نئے وزیر اعظم بنے۔ 21 اگست 1993ء کو رضا ملک نے ملک کے نئے وزیر اعظم کے طور پر حلف اٹھایا۔ 30 جنوری سے تاحال الجزائر کی حفاظتی کونسل کے وزیر دفاع لیمائن زیرول کو ملک کا صدر مقرر کیا گیا۔ 21 اپریل 1994 کو مقداد سیفی ملک کے نئے وزیر اعظم بنے۔ 1996ء میں ایک ریفرنڈم کے ذریعے آئین میں تبدیلیاں کر کے صدر کے اختیارات میں اضافہ کر دیا گیا اور اسلام پسند جماعتوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اپریل 1999ء میں صدارتی انتخابات منعقد ہوئے۔ اگرچہ سات امیدوار انتخابات میں حصہ لینے کے اہل قرار پائے مگر عبدالعزیز بوت فلیکا کے علاوہ سب نے دھاندلی کے الزامات عائد کرتے ہوئے ایک دن پہلے اپنی نامزدگیاں واپس لے لیں۔ عبدالعزیز کو فوج کے علاوہ بارسوخ جماعت نیشنل لبریشن فرنٹ کی حمایت بھی حاصل تھی۔ وہ ڈالے گئے ووٹوں کا 70 فیصد حصہ حاصل کر کے صدارت کے عہدے پر براجمان ہونے میں کامیاب رہے۔ پانچ سال کے لئے صدر منتخب ہونے کے بعد بوت فلیکا نے ملک میں استحکام لانے اور امن وامان کی صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے پابندی یافتہ اسلام پسند جماعت اسلامک سالویشن فرنٹ کے ہزاروں کارکنان کی رہائی کے لئے مہم چلائی اور کامیاب رہے۔ ستمبر 2000ء میں ملک گیر ریفرنڈم کے ذریعے "سول کنکارڈ" (Civil Concord) یعنی "شہری مفاہمت" کی تصدیق کر دی گئی۔ اس مفاہمت سے متشدد کارروائیوں کا خاتمہ تو نہ ہو سکا تاہم ان میں خاصی حد تک کمی آ گئی۔ حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھانے والے کم وبیش 80 فیصد افراد نے اس معاہدے کو قبول کر لیا۔ صدر نے نظام تعلیم، عدلیہ اور ریاستی بیورو کریسی میں اصلاحات کی گنجائش کا جائزہ لینے کے لئے قومی کمیشن قائم کئے۔ صدر بوت فلیکا کے ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپریل 2004ء میں انہیں پھر سے پانچ سال کے لئے صدر منتخب کر لیا گیا۔ اس مرتبہ انتخابات میں چھ امیدواروں نے حصہ لیا اور فوج نے ان میں یکسر مداخلت نہ کی۔ ستمبر 2005ء میں مجوزہ "میثاق برائے امن وقومی مفاہمت" کی توثیق کے لئے ایک اور ریفرنڈم کرایا گیا، جو بھاری اکثریت سے منظور ہوا۔ اس میثاق کے ذریعے چند افراد کو چھوڑ کر (جن کے دامن خون کے دھبوں سے بہت زیادہ آلودہ تھے) اسلام پسند بغاوت کے تمام اراکین کو معافی دے دی گئی اور ان کے ساتھ ان سرکاری فوجیوں کو بھی معاف کر دیا گیا جن پر اسلام پسندوں کے خلاف فوجی کارروائیوں کے دوران حد سے بڑھی ہوئی سخت گیری سے کام لینے کے الزامات لگائے گئے تھے۔

انڈونیشیا

یہ براعظم ایشیاء کے جنوب مشرق میں واقع جزائر پر مشتمل ملک ہے۔ شمال میں ملائیشیا، مشرق میں پاپوانیوگنی ہیں۔

Marfat.com

ملک میں جنگلات کی کثرت ہے جن میں مختلف قسموں کے درخت پائے جاتے ہیں۔ ماہی گیری عام ہے کیونکہ یہ ملک چھوٹے بڑے 17 ہزار جزائر پر مشتمل ہے۔ ہندوؤں کا اثر ورسوخ یہاں شروع سے تھا مگر بعد میں مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا۔ سولہویں صدی میں پرتگالی تاجر یہاں آئے مگر جلد ہی یہاں کے باشندوں نے انہیں نکال دیا۔ 1602ء سے 1798ء تک نیدرلینڈ ایسٹ انڈیا کمپنی حکمران رہی۔ سترہویں صدی کے آخر تک انگریز یہاں سے چلے گئے اور حکومت پرتگیزیوں کے ہاتھ میں رہی۔ 1816ء سے 1942ء تک یہ ملک براہ راست نیدرلینڈ کی حکومت میں رہا۔ 1942ء میں جنگ آزادی لڑتے ہوئے انڈونیشی عوام نے انہیں اٹھا باہر پھینکا۔ ڈاکٹر سوئیکارنو اور ڈاکٹر حتیٰ نے اس جنگ میں اپنی قوم کی رہنمائی کی اور فتح کے بعد ملک کو جمہوریہ قرار دیا۔ ہالینڈ نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ستمبر 1945ء میں ولندیزی اور برطانوی فوجی دستوں نے مل کر انڈونیشیا پر حملہ کر دیا۔ دسمبر 1945ء میں اقوام متحدہ کی مداخلت پر جنگ بند ہوئی۔ 18 نومبر 1948ء کو ولندیزیوں نے انڈونیشیاء پر پھر حملہ کر دیا۔ جاوا اور سماٹرا پر قبضہ کر کے احمد سوئیکارنو کو گرفتار کر لیا مگر عوام نے بغاوت کر دی۔ ماشوی پارٹی کے رہنما ظفر الدین کی قیادت میں عبوری حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ جنوری 1949ء میں سلامتی کونسل نے جنگ بندی کرنے کی اپیل کی۔ جولائی 1949ء میں احمد سوئیکارنو کو دیگر ساتھیوں سمیت رہا کر دیا گیا۔ 27 دسمبر کو ہالینڈ نے طویل مذاکرات کے بعد انڈونیشیا کو آزاد کر دیا۔ 1956ء میں نائب صدر محمد حتیٰ مستعفی ہو گئے۔ 1963ء میں احمد سوئیکارنو کو عوامی مشاورتی کونسل نے تاحیات صدر مقرر کر دیا۔ ایریان کا علاقہ ہالینڈ کے ساتھ متنازعہ تھا۔ 1962ء میں ہالینڈ نے اس کو اقوام متحدہ کے حوالے کر دیا جو 1963ء میں انڈونیشیا میں شامل ہو گیا۔ 1964ء میں انڈونیشیا اور ملائیشیا نے اقوام متحدہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ 1965ء میں احمد سوئیکارنو کے خلاف فوجی بغاوت ہوئی۔ جنرل سوہارتو نے اقتدار سنبھال لیا۔ انہوں نے آتے ہی اقوام متحدہ میں پھر شمولیت اختیار کی اور ملائیشیا کے ساتھ سلسلہ باہمی رضامندی کے ساتھ درپیش معاملات کو طے کر لیا۔ بعد ازاں ہونے والے تمام انتخابات میں جنرل سوہارتو کو بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل ہوتی رہی۔ 1989ء میں چین اور انڈونیشیا کے درمیان 22 سال کے تعطل کے بعد تعلقات بحال ہوئے۔ 1997ء میں انڈونیشیا کو شدید اقتصادی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ اکثر بنک دیوالیہ ہو گئے اور کرنسی کی قدر بے حد کم ہو گئی۔ حکومت کے خلاف عوامی تحریک چلی۔ طلبہ نے پارلیمنٹ کا گھیراؤ کر لیا اور جنرل سوہارتو کے استعفے کا مطالبہ کیا۔ 21 مئی 1998ء کے روز سوہارتو نے اپنے 32 سال اقتدار پر اختتام کی مہر ثبت کرتے ہوئے حکومت نائب صدر یوسف حبیبی کے حوالے کر دی۔ 1999ء میں عام انتخابات ہوئے جن میں عبدالرحمٰن واحد صدر مملکت منتخب ہوئے۔ اس دوران مشرقی تیمور میں چلنے والی علیحدگی پسندانہ تحریک خوفناک شدت اختیار کر گئی اور مغربی ممالک کی مداخلت اور دباؤ اس قدر بڑھ گیا کہ مجبوراً حکومت کو مشرقی تیمور کو الگ کرنا پڑا اور اکتوبر 1999ء میں مشرقی تیمور ایک الگ مملکت کی حیثیت سے معرضِ وجود میں آ گیا۔ جولائی 2001ء میں عبدالرحمٰن واحد کو زبردستی اقتدار سے الگ کر دیا گیا۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ ملک کا نظام صحیح طرح نہیں چلا سکے۔ ان کی جگہ نائب صدر میگاوتی سوئیکارنو پتری نے سنبھالی جو سابق صدر احمد سوئیکارنو کی بیٹی ہیں۔ اپریل 2004ء میں انڈونیشیاء میں پارلیمانی انتخابات ہوئے۔ میگاوتی کی جماعت پی ڈی آئی پی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر سکی اور گولکر پارٹی سب سے بڑی سیاسی جماعت کے روپ میں سامنے آئی۔ جولائی میں انڈونیشیا کے پہلے براہِ راست صدارتی انتخابات ہوئے۔ پہلے مرحلے میں کوئی امیدوار واضح برتری حاصل نہ کر سکا۔ ستمبر میں دوسرا مرحلہ منعقد ہوا اور سابق جرنیل، بمبانگ یدھویونو سب سے زیادہ ووٹ لے کر انڈونیشیاء کے نئے صدر بن

گئے۔ دسمبر میں ساٹرا کے قریب زبردست زلزلہ آیا جس سے اٹھنے والی سونامی نے صوبہ آچے میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ افراد کو ان کی جانوں اور اس سے کئی گنا زیادہ افراد کو گھروں سے محروم کر دیا۔ آچے میں اس وقت آزادی کی تحریک چل رہی تھی۔ اس تباہی کے بعد، امدادی کارروائیوں کے لئے امن کی ضرورت محسوس کی گئی اور حکومت اور تحریک آزادی کے رہنماؤں کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہیلسنکی میں معاہدے پر دستخط کئے گئے جس کی رو سے آچے میں فوج کی تعداد میں کمی کی گئی جبکہ تحریک آزادی کے ارکان نے ہتھیار رکھ دیئے اور معافی حاصل کرنے کے لئے درخواستیں جمع کرا دیں۔

ایتھوپیا

ایتھوپیا کے شمال میں بحیرۂ قلزم اور سوڈان، مشرق میں جبوتی اور صومالیہ، جنوب میں کینیا اور مغرب میں سوڈان واقع ہیں۔ ایتھوپیا کا بیشتر وسطی علاقہ پہاڑی ہے جس کی اوسط اونچائی سطح سمندر سے 1800 میٹر سے لے کر 3000 میٹر تک ہے۔ بعض چوٹیوں کی اونچائی 4500 میٹر تک ہے۔ سب سے اونچی چوٹی راس وشن ہے جو 4620 میٹر اونچی ہے۔ یہاں ٹانا جھیل سے نیلی نیل ندی نکلتی ہے جو ملک کے شمال مغربی حصے میں واقع ہے۔ نیلی نیل دریائے نیل کی اہم شاخ ہے۔ ایتھوپیا کو تاریخ اسلام میں حبشہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تاریخ میں رسول کریم ﷺ اور حبشہ کے نجاشی کے درمیان دوستانہ مراسم کا ذکر موجود ہے۔ اس علاقے میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر اس وقت ہوئی جب ریاست اکسومی اپنے دورِ زوال میں تھی۔ ایرانی بحیرۂ قلزم اور اس کے تجارتی راستوں کو درہم برہم کر چکے تھے۔ مسلمانوں کی خلافت میں پورا عرب اور شمالی افریقہ شامل ہو چکے تھے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام عیسائی سلطنت کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا۔ جزائرِ دہلک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ دسویں صدی عیسوی کے اختتام پر مسلمان حبشہ کی سرحدوں پر چھاتے چلے جا رہے تھے لیکن مسلمانوں نے اس حسن سلوک کے پیش نظر جو یہاں کے لوگوں نے ابتدا میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ کیا تھا، اس علاقے کو اپنے دائرۂ فتوحات میں شامل نہ کیا لیکن سرحدوں پر جو یورشیں ہو چکی تھیں، ان کے اثرات کو مٹایا نہ جا سکا۔ زیریں علاقوں میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلنے لگا اور مسلم طاقتیں یکے بعد دیگرے بحیرۂ قلزم کے افریقی ساحلوں پر اقتدار قائم کرتی رہیں۔ اسلام کا نفوذ نہ صرف ان ساحلی علاقوں میں ہو رہا تھا، جہاں سے حکومت حبشہ کا اقتدار مٹ چکا تھا بلکہ وہ خانہ بدوش بھی اسلام قبول کر رہے تھے جو سمندر اور مشرقی ڈھلانوں کے درمیانی علاقوں میں آباد ہوتے اور آتے جاتے رہتے تھے۔ آخر کار اسلام مشرقی سواحل اور مملکت سدامہ تک پہنچ گیا۔ دسویں اور بارھویں صدی کے درمیانی زمانے میں اسلام کی اشاعت بڑے منظم طریقے سے ایک وسیع علاقے میں ہوئی۔ چنانچہ جزیرہ نمائے دہلک، دنقلی، صومالی سواحل، شمال بجابہ، جنوب میں سوامہ، مشرقی شوآ کی ریاست افات میں، مشرق میں ہرار اور مغرب میں جھیل زوائی کے قریب اسلام پہنچ چکا تھا۔ ساحلی میدانوں میں اسلام مسلمان تاجروں کے ذریعے پھیلا۔ ان علاقوں میں اسلام کی اشاعت کی وجہ یہ بھی تھی کہ اسلام غلامی کا مخالف ہے۔ وہاں کے لوگ سمجھتے تھے کہ غلام بن کر فوج میں بھرتی ہونے سے یہ بہتر ہے کہ اسلام قبول کر کے آزادانہ زندگی بسر کی جائے۔ وسطی پہاڑی علاقے کی عیسائی ریاستوں اور مسلم سلطنتوں کے درمیان چودھویں صدی عیسوی سے لے کر سولہویں صدی تک کشمکش رہی جس میں عیسائیوں کا پلہ بھاری رہا۔ عیسائیوں کی فتح سے بہت سے لوگ عیسائی ہو گئے۔ اس زمانے میں بہت سی خانقاہیں اور گرجے قائم کئے گئے۔ جب مصر میں خدیو اسماعیل کی حکومت تھی تو اس نے حبشہ کی فتح کے منصوبے بنائے چنانچہ 1875ء میں مصر نے اس پر تین اطراف

Marfat.com

سے حملہ کیا لیکن ناکامی ہوئی۔ اس شکست سے مصریوں کو بہت نقصان پہنچا مگر انہوں نے فوراً ایک اور مہم تیار کی جس کی قیادت خدیو کے بیٹے نے کی جس میں تقریباً بیس ہزار افراد شامل تھے۔ اس مرتبہ شہنشاہ ایتھوپیا نے صلیبیوں کی فوج منظم کی۔ 1876ء میں دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ مصریوں نے انہیں شکست فاش دی۔ اہل حبشہ اور مسلمانوں کی آخری لڑائی 1899ء میں اس وقت ہوئی جب مہدی سوڈانی کی ریاست کے قیام کے تھوڑے عرصے بعد سوڈان اور حبشہ میں عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ 1916ء میں شاہ مینی لک کے پوتے لج یاسوا نے اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے اسے تاج و تخت سے محروم کر دیا گیا۔ اس کی جگہ مینی لک کی بیٹی جودتھ کو ایتھوپیا کی ملکہ بنا کر اس کے چچیرے بھائی راس طفاری کو جانشین بنا دیا گیا۔ 1930ء میں ملکہ جودتھ کی وفات کے بعد راس طفاری کو بادشاہ بنایا گیا۔ اس نے اپنا لقب ہیل سلاسی رکھا اور پہلا آئین نافذ کیا۔ 1935ء میں اٹلی نے ایتھوپیا پر قبضہ کر لیا۔ ہیل سلاسی نے لیگ آف نیشنز سے تحفظ کی اپیل کی۔ 1941ء میں دوسری جنگ عظیم میں اٹلی کی شکست کے بعد ہیل سلاسی برطانیہ کی مدد سے عدیس ابابا میں فاتحانہ داخل ہوا۔ 1952ء میں اری ٹیریا اور ایتھوپیا نے مل کر فیڈریشن بنائی جس کی توثیق اقوام متحدہ کی طرف سے کر دی گئی۔ 1974ء میں ہیل سلاسی کے خلاف فوجی بغاوت ہوئی اور 12 ستمبر کو اسے معزول کر دیا گیا۔ آئین منسوخ کر دیا گیا۔ ایتھوپیا کو مشترکہ فوجی کونسل کے تحت اشتراکی ملک قرار دے دیا گیا۔ امریکہ نے امداد بند کر دی اور روس اور کیوبا نے امداد شروع کر دی۔ ہیل سلاسی نے قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے 1975ء میں وفات پائی۔ 1977ء میں لیفٹیننٹ کرنل ہیل مریام کو صدر مملکت بنایا گیا جو سوویت یونین کے خاتمے یعنی 1991ء تک اس عہدے پر برقرار رہا۔ 1991ء میں انقلابی جمہوری فرنٹ کے رضا کاروں نے دارالحکومت عدیس ابابا پر قبضہ کر لیا اور مئی میں علیحدگی پسند گوریلا تنظیم ''اری ٹیریا لبریشن فرنٹ'' نے صوبہ اری ٹیریا پر تسلط قائم کر لیا۔ دونوں گروپوں میں رضامندی سے طے ہوا کہ اری ٹیریا کی آزادی کے مسئلے پر بین الاقوامی نگرانی میں ریفرنڈم کرایا جائے۔ اپریل 1993ء میں ریفرنڈم ہوا جس میں اری ٹیریا کی آزادی کے حق میں فیصلہ ہوا لیکن آزادی کے بعد ایتھوپیا اور اری ٹیریا کے درمیان سرحد کی حد بندی پر اختلاف رائے پیدا ہونے کی وجہ سے دوبارہ کشیدگی بڑھ گئی۔ رفتہ رفتہ سرحدی جھڑپوں نے بھرپور جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ بعد میں صومالیہ بھی اری ٹیریا کی طرف داری میں شریک ہوا۔ لاکھوں لوگ مارے گئے اور تینوں ملکوں کی اقتصادی حالت ابتر ہو گئی۔ اگست 1999ء میں امن مذاکرات ہوئے لیکن کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ جون 2000ء میں دو سال کی جنگ کے بعد ایتھوپیا اور اری ٹیریا نے معاہدۂ امن پر دستخط کر دیئے۔ اپریل 2002ء میں ایک بین الاقوامی کمیشن نے دونوں ممالک کے مابین نئے سرے سے سرحد کا تعین کیا مگر ایتھوپیا نے کمیشن کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا اور دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی پھر بڑھ گئی۔ مئی 2005ء میں ایتھوپیا میں کثیر جماعتی انتخابات کرائے گئے۔ ان انتخابات کے نتائج نے زبردست تنازعہ پیدا کیا۔ حزب اختلاف کی جماعتوں نے انہیں ''فراڈ'' قرار دیا۔ اگرچہ مشہور ادارے کارٹر سنٹر نے انتخابات سے پہلے کے حالات کو مناسب قرار دیا مگر انتخابات کے بعد اٹھنے والے معاملات پر بے اطمینانی کا اظہار کیا۔ یورپی یونین کے مشاہدہ نگاروں نے بھی حکمران جماعت پر دھاندلی سے کام لینے کا الزام لگایا۔ اگرچہ کئی یورپی ممالک خود یورپی یونین کے مشاہدہ نگاروں کی رائے پر شبہات کا اظہار کرتے ہیں۔ لہٰذا ان انتخابات کے نتائج کی صحت کا معاملہ ابھی تک ہوا میں معلق ہے۔

ایران

ایران جنوبی ایشیا میں جزیرہ نما عرب کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کے جنوب میں خلیج فارس، خلیج عمان

Marfat.com

اور بحیرۂ عرب، شمال میں بحیرۂ کیسپین اور سوویت یونین، مشرق میں پاکستان اور افغانستان اور مغرب میں ترکی اور عراق واقع ہیں۔ ایران کا زیادہ تر علاقہ سطح سمندر سے چار ہزار فٹ بلند ہے اور پہاڑوں سے گھرا ہوا۔ سطح کے لحاظ سے اسے چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہاڑ، صحرا بحیرۂ کیسپین کا ساحل اور خوزستان کا میدان کوہ زاگرس اور آرمینیہ، آذربائیجان، ترکمانستان کی سرحد سے لے کر خلیج فارس تک جنوب سے مغرب میں پھیلا ہوا۔ کوہ البرز ا ایران کی شمالی سرحد کا کام دیتا ہے۔ اسکی بلند ترین چوٹی دیماوند 18934 فٹ بلند ہے۔ دشت لوط اور دشت کاویر قابل ذکر صحرا ہیں۔ اس کا شمالی ساحل بحیرہ کیسپین کے ساتھ ساتھ 375 میل کے علاقہ میں پھیلا ہوا ہے جبکہ جنوبی ساحل خلیج فارس اور خلیج عمان کے ساتھ ساتھ 1275 میل تک چلا گیا ہے۔ 1600 ق م میں آرین، میرس اور پارسی نسل کے لوگ یہاں آ کر آباد ہوئے۔ 556 ق م میں سائرس دوئم نے بیلونیا شام اور ایشیائے کوچک کو ملا کر سلطنت ایران کی بنیاد رکھی۔ بعد میں مصر، تھریس اور مقدونیہ بھی شامل کر لئے گئے۔ 334 تا 328 ق م کے مابین سکندر اعظم نے اسے فتح کر کے سیلوکس اور اس کے حواریوں کے سپرد کر دیا۔ تیسری صدی ق م میں پارتھیا حکمرانوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ 226 ق م میں ساسانی حکومت کے بانی اردشیر نے اس پر قبضہ کر لیا۔ 1037ء تا 1055ء سلجوق ترک ایران پر حکومت کرتے رہے۔ بارہویں صدی عیسوی میں منگول ایران کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ 1334ء میں ایران تقسیم ہو گیا۔ 1380ء میں تیمور لنگ یہاں کا حکمران بنا۔ 1499ء تا 1739ء صفوی خاندان برسر اقتدار رہا۔ پھر نادر شاہ حکومت کرتا رہا۔ جنگ عظیم اول کے دوران روس اور برطانیہ نے ایران کے دو حصے کر دیئے۔ 1917ء میں انقلاب روس کے بعد روسی حکومت نے شمالی ایران پر اپنی عمل داری ختم کرنے کا اعلان کیا۔ اس موقع پر انگریزوں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے تہران پر قبضہ کر لیا۔ 1921ء میں رضا خان نے صرف تین ہزار فوجیوں کی مدد سے تہران پر قبضہ کر لیا اور 1925ء میں رضا خان، رضا شاہ پہلوی کے لقب سے بادشاہ بن گیا۔ رضا شاہ کے دور حکومت میں ایران میں جدید دور کا آغاز ہوا۔ وہ آزاد خیال شخص تھا۔ اس کے دور میں پردے کو ختم کیا گیا۔ اسلامی قوانین ختم کیے گئے۔ اس نے تیل کی صنعت کو قومی ملکیت میں لیا اور جدید ایران کی تعمیر کا آغاز کیا۔ 15 ستمبر 1941ء کو اس نے اپنے بیٹے رضا محمد شاہ پہلوی کو بادشاہ بنا دیا۔ جس نے شہنشاہیت کے 2500 سالہ جشن کا اہتمام کیا اس کے دور میں ایران منی یورپ کی تصویر پیش کرتا تھا۔ داتا دربار لاہور (حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کا مزار) میں اس نے سونے کا دروازہ لگوایا تھا جس کی وجہ سے پاکستان کے عوام میں اچھی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ بلاشبہ یہ اس کا ایک اچھا اقدام تھا مگر اس نے ایران میں جو بے راہ روآزادی اور گلیمر پرست معاشرہ قائم کیا وہ بہت برا تھا۔ ایران کے مذہبی حلقے اس بات پر اٹھ کھڑے ہوئے اور بالآخر ملک بھر میں مظاہروں کی وجہ سے سیاسی عدم استحکام عروج پر پہنچ گیا اور آخر کار اس عوامی سیلاب نے یکم فروری 1979ء میں اسلامی انقلاب برپا کیا۔ انقلاب کے نتیجے میں ملک میں مکمل طور پر اسلام نظام قائم کیا گیا اور اسلامی اقدار کی مکمل پاسداری شروع ہو گئی۔ اس انقلاب کے راہنما آیت اللہ خمینی تھے۔ دنیا میں ایک مکمل اسلامی طاقت کو دیکھ کر اسلام دشمن قوتوں نے 22 دسمبر 1980ء کو بھائی کو بھائی سے ایک چھوٹے سے خطے کی خاطر لڑوا دیا۔ عراق ایران جنگ چھڑ گئی۔ اصل مسئلہ جو لڑائی کا باعث بنا شط العرب کے پانی کا مسئلہ تھا۔ یہ جنگ آٹھ سال تک جاری رہی جس میں ہزاروں قیمتی جانوں کے علاوہ دونوں ممالک کا بہت سا سرمایہ برباد ہوا۔ 28 جولائی 1989 کو صدارتی انتخابات میں علی اکبر ہاشمی رفسنجانی صدر منتخب ہوئے اور دوسری بار جون 1993ء میں دوبارہ صدر منتخب ہوئے۔ 21 جون 1990ء کو شدید زلزلہ آیا جس سے 45000 آدمی مارے گئے۔ ایران عراق جنگ ختم ہونے کے بعد

Marfat.com

شمی رفسنجانی کی حکومت نے ایسی پالیسیوں کو اختیار کیا جن کے نتیجے میں کاروباری سرگرمیوں کو فروغ ملا اور ملک کی تعمیر نو کا کام نہایت احسن طریقے پر جاری ہوگیا۔ رفسنجانی نے 1997ء تک اس عہدے پر خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد یہ عہدہ اعتدال پسند محمد خاتمی نے سنبھالا۔ خاتمی بھی دو مرتبہ اس عہدے کے لئے منتخب ہوئے۔ اپنے دورِ صدارت میں انہوں نے آزادیٔ اظہار، رواداری، سول سوسائٹی اور دیگر ریاستوں کے ساتھ تعمیری سفارتی تعلقات کے فروغ کے لئے کام کیا اور ایسی اقتصادی پالیسی اپنائی جس سے فری مارکیٹ اور غیر ملکی سرمایہ کاری کو ترقی حاصل ہوئی۔ 2005ء کے صدارتی انتخابات میں ایران نے سیاسی ڈگر ایک بار پھر تبدیل کرتے ہوئے محمود احمدی نژاد کو اکبر ہاشمی رفسنجانی کے مقابلے میں منتخب کرلیا۔ خاتمی کے مقابلے میں احمدی نژاد کا رویہ زیادہ رجعت پسندانہ اور سخت تصور کیا جاتا ہے۔ اپنے پہلے دورِ صدارت میں انہوں نے مختلف معاملات پر مغرب کو منہ توڑ جواب دے کر سب کی توجہ اور مسلم دنیا کی تحسین حاصل کی۔ 200‌ء کے صدارتی انتخابات میں احمدی نژاد کو ایک بار پھر کامیابی حاصل ہوئی مگر فریق مخالف کی طرف سے الزام لگایا گیا کہ انتخابات میں دھاندلی کی گئی ہے۔ یورپی یونین اور کئی دیگر مغربی ممالک نے بھی ان انتخابات کے نتائج پر تشویش کا اظہار کیا۔ بہر حال، روحانی رہنما آیت اللہ خامنہ ای نے اپنا وزن احمدی نژاد کے پلڑے میں ڈالا اور یوں وہ دوسری مرتبہ ایران کے صدر قرار پاگئے۔

بحرین

بحرین چند جزیروں پر مشتمل ہے جن میں جزیرۂ بحرین سب سے بڑا ہے۔ یہ جزائر قطر اور سعودی عرب کے درمیان خلیج فارس میں واقع ہیں۔ بحرین اور سعودی عرب کے مابین سمندر پر 16 میل کے پل کی وجہ سے بحرین کا رابطہ خشکی کے ذریعے باہر کی دنیا سے قائم ہے۔ بحرین کے عربوں کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ تقریباً ایک سو سال سے ماہرین تحقیق اس کی قدیم تاریخ کا کھوج لگا رہے ہیں۔ قدیم کھدائی کرنے والوں کے خیال کے مطابق یہاں کے آثارِ قدیمہ فونیقیوں کے زمانے سے چلے آرہے ہیں۔ بعضوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ بحرین وہی مقام ہے جسے عراق کی مٹی دستاویزات میں دلمن بتایا گیا ہے۔ یونانی اور لاطینی ماخذ سے بھی اس کے متعلق بہت کم معلومات دستیاب ہوتی ہیں۔ عرب کی عوامی روایات میں بحرین کے کچھ گمشدہ قبائل کا ذکر ملتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بحرین کی آبادی میں بنوعدنان کے قبیلہ عبدالقیس کی اکثریت تھی۔ آنحضور ﷺ نے جب العلاء بن حضرمی کو مشرق کی طرف مہم جوئی کے لئے بھیجا تو بحرین ایک ایرانی حاکم کے ماتحت تھا۔ پہلی صدی ہجری یعنی ساتویں صدی عیسوی میں خارجیوں نے نجدہ بن عامر اور ابوفدیک کی قیادت میں اپنی حکومت کا ایک مرکز یہاں قائم کیا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں یہاں عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی۔ جب قرامطہ نے سر اٹھایا تو انہیں بحرین سے اپنے جاںنثار مل گئے۔ 1030ء میں وہ حجر اسود مکہ معظمہ سے بحرین لے آئے جو تقریباً بیس سال تک وہاں پڑا رہا۔ 1059ء تک بحرین قرامطہ کے قبضے میں رہا۔ پھر ابوالبہلول العوام نے عباسی خلیفہ کے نام پر دوبارہ صحیح العقیدہ اسلامی حکومت قائم کر کے قرامطہ کو شکست دی۔ 1235ء میں بحرین اور قطیف پر فارس کے سلغری اتابک ابوبکر بن سعد کی فوج نے قبضہ کرلیا۔ بعد میں عامر ربیعہ کی ایک شاخ بن عصفور کے تحت بحرین آزاد ہوگیا۔ 1330ء میں اسے جزیرہ ہرمز کے حکمران کی مملکت میں شامل کرلیا گیا۔ پندرھویں صدی کے وسط میں عامر ربیعہ نے بحرین کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ 1514ء میں پرتگالی بحرین پہنچے اور اس کے کچھ عرصہ بعد بحرین پر پرتگالیوں کا تسلط ہوگیا۔ تقریباً 80 سال تک وہ اس پر قابض رہے۔

Marfat.com

1602ء میں شاہ عباس اول کے دور میں بحرین ایران کے قبضے میں آ گیا اور تقریباً ڈیڑھ سو سال تک ایرانی اس پر حکومت کرتے رہے۔ 1783ء میں شیخ احمد بن خلیفہ نے آل نصر کو بحرین سے نکال دیا اور اپنے خاندان کی حکومت وہاں قائم کر دی۔ آج تک یہی حکومت قائم ہے۔ قیمتی موتیوں کی تجارت پر مسقط والوں کا قبضہ ہو گیا تھا، چنانچہ بحرین والوں نے ان سے تجارتی مقابلہ شروع کر دیا۔ اسی بناء پر مسقط کے اباضی حکمران بحرین پر حملہ آور ہوتے رہے۔ انہوں نے پہلا حملہ 1801ء میں کیا۔ آل سعود نے آل خلیفہ کا ساتھ دیا لیکن ان دونوں حکمران خاندانوں میں زیادہ دیر نہ بن سکی۔ بالآخر آل خلیفہ نے 1802ء میں حکومت برطانیہ سے معاہدے کئے جن کی رو سے بحرین پوری طرح سے برطانیہ کی گود میں جا گرا۔ ایران برطانیہ کے اس اقتدار کے خلاف تقریباً ایک صدی تک احتجاج کرتا رہا ہے اور بحرین کی سیادت کا دعوے دار ہے۔ 1932ء میں بحرین میں تیل دریافت ہوا اور اس کی دولت نے بحرین کو تیزی سے جدت کی راہ پر گامزن کر دیا۔ اس دریافت نے برطانیہ کو بھی بحرین سے مزید "گہرے" تعلقات بنانے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے یہاں کئی اڈے قائم کر دیئے۔ ملک کی ترقی کے ساتھ ساتھ برطانویوں کا اثر و رسوخ بھی بڑھتا رہا۔ چارلز بیل گریو کو حکمران کے مشیر کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اس نے بحرین میں جدید تعلیمی نظام قائم کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ مخالف جذبات پوری عرب دنیا میں پھیل رہے تھے اور بحرین میں بھی ان کے زیر اثر فسادات ہوئے۔ ان فسادات کی زیادہ تر زد وہاں کی یہودی آبادی پر پڑی جس کے ارکان میں کئی ممتاز مصنف، گلوکار، اکاؤنٹنٹ، انجینئر وغیرہ شامل تھے۔ ان فسادات کے بعد بحرین کی یہودی آبادی کے زیادہ تر ارکان اپنی زمینیں جائیدادیں چھوڑ کر بمبئی (موجودہ ممبئی) منتقل ہو گئے اور بعد ازاں وہاں سے فلسطین جا پہنچے۔ آج بحرین میں صرف 36 یہودی آباد ہیں۔ 1960ء میں برطانیہ نے بحرین کے مستقبل کا سوال بین الاقوامی ثالثی پر چھوڑ دیا اور اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے یہ ذمہ داری اٹھانے کی درخواست کی۔ 1970ء میں ایران نے بحرین اور خلیج فارس کے دیگر جزائر پر اپنا حق جتایا تاہم برطانیہ کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اس نے وعدہ کیا کہ اگر اس کے دیگر دعویٰ جات تسلیم کر لئے جائیں تو وہ بحرین پر دعویٰ جتانے میں زور نہیں دے گا۔ بعد ازاں ہونے والے استصواب میں بحرین نے برطانیہ کے تسلط سے آزادی حاصل کر لی اور آج عرب لیگ اور خلیج فارس کی عرب ریاستوں کی کوآپریشن کونسل کا رکن ہے۔ 16 دسمبر 1971ء کے روز برطانیہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ 1979ء میں ایران میں آنے والے اسلامی انقلاب کے بعد بحرین کے شیعہ بنیاد پرستوں نے 1981ء میں حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ 1990ء کی دہائی کے وسط میں بحرین میں حکومت اور اسلام پسندوں کے درمیان تصادم ہوئے اور درجنوں افراد کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ مارچ 1999ء میں شاہ حماد ابن عیسیٰ الخلیفہ نے اپنے والد کی جگہ عنان اقتدار سنبھالی اور پارلیمان کے لئے انتخابات منعقد کرانے کے علاوہ خواتین کو ووٹ دینے کا حق دیا اور تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ان اقدامات کو "انسانی حقوق کا ایک تاریخی دور" قرار دیا۔ 2002ء میں بحرین کو سلطنت قرار دے دیا گیا۔ اس سے پہلے اسے ریاست سمجھا جاتا تھا اور سرکاری طور پر "سلطنت" کا نام دیا جاتا تھا۔ سیاسی آزادی کا مزا چکھنے کے بعد بحرین نے 2004ء میں امریکہ کے ساتھ آزاد تجارت کا معاہدہ کیا۔ 2001ء میں افغانستان میں طالبان کے خلاف ہونے والی جنگ میں بحرین کے فوجیوں نے بھی حصہ لیا اور اس کے بحری جہاز دشمن کی کشتیوں کی تلاش میں بحیرۂ عرب میں گھومتے رہے۔ تاہم بحرین نے عراق پر حملے کی مخالفت کی۔ حوار جزائر کے حوالے سے کھڑے ہونے والے سرحدی تنازعے کے عالمی عدالت میں حل ہو جانے کے بعد قطر سے بھی بحرین کے تعلقات بہتر ہو گئے۔ اب

دونوں ریاستوں کے منسلک کرنے کے لئے ان کے درمیان قطر بحرین فرینڈ شپ برج تعمیر کیا جارہا ہے جو تکمیل پانے کے دنیا کا سب سے طویل fixed-link پل ہوگا۔

برکینا فاسو

برکینا فاسو مغربی افریقہ کا ایک ملک ہے جو چاروں طرف سے خشکی میں گھرا ہوا ہے۔ اگست 1984ء سے پہلے سے بالائی وولٹا (Upper Volta) کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس کی سرحدیں چھ ممالک سے ملتی ہیں۔ اس کے شمال میں مالی، مشرق میں نائیجر، جنوب مشرق میں بینن، جنوب میں ٹوگو اور گھانا اور جنوب مغرب میں کوت دیوور واقع ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، برکینا فاسو کا پرانا نام اپر وولٹا ہے۔ نام کی تبدیلی 4 اگست 1984ء کے روز سابقہ صدر کیپٹن تھامس سنکارا کی حکومت کی پہلی سالگرہ کے موقع پر ہوئی۔ اپر وولٹا کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ دریائے وولٹا کے دو خاص معاون دریاؤں کے منبع اس ملک میں ہیں۔ چودھویں صدی عیسوی میں یہ ملک مالی کی اسلامی سلطنت کا حصہ تھا۔ اس سے پہلے کے حالات دستیاب نہیں ہیں۔ مالی کے بعد یہ صنغائی کی اسلامی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ زمانہ قدیم میں اس علاقے پر موسی قبیلے کی حکومت تھی۔ آج بھی یہ برکینا فاسو کا سب سے بڑا قبیلہ ہے۔ یہ سترھویں صدی میں مشرقی افریقہ سے نقل مکانی کر کے یہاں وارد ہوا۔ انہوں نے اس علاقے میں تین آزاد سلطنتوں کی بنیاد رکھی جن میں سے ایک گیما گا میں تھی جس کا موجودہ نام گھانا ہے۔ اوگاڈوگو (موجودہ دارالحکومت) کی سلطنت سب سے زیادہ طاقتور تھی۔ جب پورے مغربی افریقہ میں اسلام پھیل چکا تھا تب بھی موسی قبائل اسلام نہ لائے اور اسلامی سلطنت میں لامذہب رہے۔ ان کا بادشاہ "مورونابا" کہلاتا تھا جس کا مطلب ہے ہماری زمین کا آفتاب۔ پہلے اس کا دارالحکومت تنکو ڈوگو تھا اور اس کے بعد اوگاڈوگو۔ گیارہویں صدی میں موسی قبائل نے پڑوسی اسلامی سلطنتوں یعنی مالی اور صنغائی سے مسلسل جنگیں جاری رکھیں۔ مسلمانوں سے پے در پے شکستیں کھانے کے بعد یہ قبائل سکڑتے گئے اور ہوتے ہوتے ان کی عملداری محض اوگاڈوگو کے شہر تک رہ گئی۔ انیسویں صدی میں برطانوی اور فرانسیسی آبادکار یہاں آپہنچے۔ 1896ء میں انہوں نے اوگاڈوگو پر قبضہ کر لیا۔ 1919ء میں کوت دیوور کے بعض صوبوں کو انہوں نے فرنچ اپر وولٹا میں شامل کر کے فرنچ ویسٹ افریقہ کی فیڈریشن قائم کردی۔ 1932ء میں اس نوآبادی کو ختم کر دیا گیا مگر 1937ء میں اسے "اپر کوسٹ" کے نام سے پھر تشکیل دے دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد موسی قبائل نے اپنے علاقے کو نوآبادی سے الگ کرانے کے لئے فرانسیسی حکومت پر دباؤ ڈالا اور 4 ستمبر 1947ء کے روز فرنچ اپر وولٹا کی سابقہ الگ حیثیت بحال کر دی گئی۔ بعد ازاں فرانسیسی حکومت کے چند اقدامات مثلاً 1956ء کا بنیادی قوانین کا ایکٹ اور 1957ء میں علاقوں کی ازسرنو تنظیم نے بہت سے علاقوں کے لئے حکومت خود اختیاری کو ممکن بنا دیا۔ 11 دسمبر 1958ء کے روز برکینا فاسو کو فرانسیسی سلطنت میں ایک خود اختیار جمہوریہ کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس جمہوریہ کو مکمل آزادی 5 اگست 1960ء کے روز نصیب ہوئی۔ پہلا صدر ہونے کا اعزاز مارلیس یامیوگو کو حاصل ہوا جس نے اقتدار میں آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد اپنی جماعت (وولٹک ڈیموکریٹک یونین) کے علاوہ تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی۔ اس کی حکومت 1966ء تک قائم رہی اور بالآخر عوامی بے چینی، ہنگاموں، شورشوں اور ہڑتالوں نے فوج کو مداخلت کرنے پر مجبور کر دیا۔ فوجی بغاوت نے یامیوگو کو معزول کیا، آئین کو معطل کیا، قومی اسمبلی کو تحلیل کیا اور لیفٹیننٹ کرنل سنگولے لامیزانا کو سینئر فوجی افسروں پر مشتمل ایک حکومت کا سربراہ بنا دیا۔ فوج 4 سال تک برسر اقتدار رہی۔ 4 جون 1970ء کے روز ایک نیا آئین منظور کیا گیا اور مکمل سویلین حکومت کے قیام کے لئے 4 سال کی

Marfat.com

عبوری مدت کا تعین کیا گیا۔ 1970ء کا پورا عشرہ اقتدار لامیزانا کے قبضہ میں رہا اور وہ مختلف حکومتوں کے سربراہ کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ 1970ء کے آئین پر اختلافات ہونے کے بعد 1977ء میں ایک نیا آئین تحریر کیا گیا اور 1978ء کے عام انتخابات میں لامیزانا کو ایک بار پھر صدر منتخب کر لیا گیا۔ تاہم یہ حکومت زیادہ عرصہ نہ چل سکی۔ ملک کی ٹریڈ یونینز میں بے چینی پھیلنے کے بعد، 25 نومبر 1980ء کے روز کرنل سائے زربو نے حکومت کا تختہ الٹ دیا، اور فوجی افسران پر مشتمل ایک انتظامی کمیٹی کو مقتدر اعلیٰ کا منصب دے کر 1977ء کے آئین کو تحلیل کر دیا۔ سائے زربو کو بھی ٹریڈ یونینز کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور دو سال بعد اس کی حکومت کا انجام بھی گذشتہ حکومت جیسا ہوا۔ ایک اور فوجی میجر ژاں بپتست اوڈریگو نے 7 نومبر 1982ء کو اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی برقرار رہی لیکن نئے سربراہِ حکومت نے وعدہ کیا کہ ایک نیا آئین اور نئی سویلین حکومت کا قیام جلد ہی ممکن بنایا جائے گا۔ جنوری 1983ء میں کیپٹن تھامس سنکارا نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا۔ ملک کے سیاسی عدم استحکام اور سنکارا کے بائیں بازو کی طرف رجحان کا نتیجہ اس کی گرفتاری کی صورت میں نکلا۔ اس گرفتاری سے پیدا ہونے والی لہر نے ایک اور انقلاب کو جنم دیا اور 4 اگست 1983ء کے روز ایک نئی حکومت نے اقتدار سنبھال لیا جس کی سربراہی تھامس سنکارا کے حصے میں آئی۔ اپنے اقتدار کی پہلی سالگرہ کے روز سنکارا نے اپر وولٹا کا نام تبدیل کیا اور اس کا نیا نام برکینا فاسو رکھا گیا جس کا مطلب ہے: ''قابل احترام لوگوں کی سرزمین۔'' 25 دسمبر 1985ء کے روز برکینا فاسو اور مالی کے درمیان ایک ایسی سرحدی پٹی کی ملکیت کے تنازعے پر جنگ چھڑ گئی جسے معدنیات سے بھرپور خیال کیا جاتا تھا۔ یہ جنگ پانچ روز جاری رہی اور بالآخر کوت دیوور کے صدر کی مداخلت کے بعد ختم ہوئی۔ برکینا فاسو میں اس جنگ کو ''کرسمس وار'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس دوران تھامس سنکارا کے بعض اقدامات کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں خاصی کمی آ چکی تھی۔ 15 اکتوبر 1987ء کے روز اس کے خلاف بغاوت ہوئی اور سنکارا کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ کیپٹن بلیس کمپاؤرے نے اس کی جگہ عنانِ اقتدار سنبھال لی۔ تب سے آج تک اس منصب پر وہی براجمان ہیں۔ ان کے بعض اقدامات کو اگرچہ عوامی مقبولیت حاصل ہوئی مگر بہ حیثیت مجموعی ان کی کامیابی کا اندازہ برکینا فاسو کی معیشت پر ایک نگاہ ڈالنے سے لگایا جا سکتا ہے۔ 2 جون 1991ء کے روز انہوں نے ایک نیا آئین منظور کیا جس کے تحت سربراہِ حکومت کی حیثیت صدر کو حاصل رہی۔

برونائی دار السلام

جنوب مشرقی ایشیا میں دنیا کے تیسرے بڑے جزیرے بورنیو کے شمالی ساحل پر واقع یہ سلطنت برونائی دار السلام کہلاتی ہے۔ اس کے شمال میں بحیرہ جنوبی چین ہے اور یہ باقی جانب سے ملائیشیا کی ریاست سراوک سے گھرا ہوا ہے۔ مشرق سے شمال تک اس کا پھیلاؤ 71 میل ہے شمال سے جنوب مغرب تک 56 میل تک پھیلا ہوا ہے۔ سراوک کی ایک تنگ پٹی اس کے درمیان سے گزرتی ہوئی اسے دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے تاہم مغربی حصہ کچھ بڑا ہے۔ دریائے برونائی اہم دریا ہے۔ 14ویں صدی کے شروع کی بات ہے کہ برونائی دار السلام میں ایک اللہ کا برگزیدہ بندہ برکت اسلام کی تبلیغ کے لئے یہاں آیا۔ اس نے اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا پسند آئی۔ لوگ جوق در جوق مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔ 1425ء میں ایک شاہ نے اسلام قبول کر کے اپنا نام محمد رکھا جس نے اس تحریک کو اور تقویت بخشی۔ شاہ بولقیہ پنجم کے زمانے میں اس ملک کی سرحدیں جزائر بورنیو، سولو اور فلپائن تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پرتگیزیوں اور ولندیزیوں کی جنگ کے نتیجے میں ملک تقسیم ہو گیا۔ سترہویں صدی کے آغاز میں ولندیزی جنوبی بورنیو کی کئی

Marfat.com

ستیوں میں آباد ہو چکے تھے۔ 1841ء میں سلطنت برونائی کے خلاف بغاوت ہوئی جسے ایک انگریز جیمز روک نے کچل یا۔ 1841ء کی بغاوت کے نتیجے میں انگریزوں نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا۔ 1888ء میں برونائی کے سلطان اور رطانیہ میں ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت برونائی کی حفاظت کا ذمہ دار برطانیہ تھا۔ 1906ء میں یہاں انگریز حکمران بن گئے۔ شاہ محض کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتا تھا۔ 1942ء تا 1945ء جاپان کی حکمرانی رہی۔ آسٹریلیا کی مداخلت پر جاپانی اس ملک سے نکل گئے۔ جنگ عظیم کے بعد سراوک بھی برطانیہ کے زیر اثر آ گیا۔ یکم جنوری 1984ء کو طویل مذاکرات کے بعد اسے آزاد اور خود مختار مملکت قرار دیا گیا۔ 43 سالہ شاہ حسن البولقیہ سلطان بنے۔ برونائی دارالسلام کا موجودہ آئین 29 ستمبر 1959ء میں سلطان کی طرف سے نافذ کیا گیا۔ 6 فروری 1965ء کو اس میں ترمیم ہوئی جس کے تحت اسمبلی کے نتخابات ہوئے۔ اسمبلی اکیس ارکان پر مشتمل ہے جن میں سے دس منتخب اور پانچ نامزد ہوتے ہیں۔ کابینہ کا سربراہ سلطان ہوتا ہے۔ 2004ء میں بیس سال کے تعطل کے بعد سلطان بولقیہ نے اکیس رکنی لیجسلیٹو کونسل بحال کر دی۔ مزید برآں یک اور آئینی ترمیم منظور کی گئی جس کے بعد جزوی طور پر منتخب کونسل کی راہ ہموار ہو گئی۔ آزاد اور خود مختار خارجہ پالیسی کے صولوں پر قائم برونائی دارالسلام اقوام متحدہ، اسلامی ممالک کی تنظیم، غیر جانبدار ممالک کی تنظیم اور آسیان کا رکن ہے۔

بنگلہ دیش

بنگلہ دیش جنوبی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کے شمال مشرق اور مغرب میں بھارت، جنوب میں خلیج بنگال اور برما ہے۔ یہ دنیا کا سب سے گنجان آبادی والا ملک ہے۔ اس کی آب و ہوا گرم و مرطوب ہے۔ 1947ء سے پہلے پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش ایک ہی ملک تھا جسے متحدہ ہندوستان کہتے تھے۔ اس علاقے میں سے پہلے قطب الدین ایبک نے 119ء میں اسلامی حکومت قائم کی جو اس کے سپہ سالار اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی نے فتح کیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے سب سے پہلے 1651ء میں یہاں قدم جمائے۔ 1757ء میں یہاں نواب سراج الدولہ اور انگریزوں کے درمیان جنگ پلاسی لڑی گئی جس میں نواب سراج الدولہ کو شکست ہوئی۔ اسی جنگ کے نتیجے کے طور پر ہندوستان میں انگریزوں کا اثر ورسوخ بڑھ گیا۔ 1764ء میں شاہ عالم ثانی نے بنگال ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اسی ملک کے دارالحکومت میں 1905ء میں مسلم لیگ کی بنیاد پڑی۔ 14 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں بے شمار قربانیوں کے بعد ایک اسلامی مملکت پاکستان کا قیام عمل آیا۔ آج کا بنگلہ دیش اس اسلامی مملکت کا مشرقی حصہ قرار پایا جس میں برطانوی ہند کا سابقہ صوبہ مشرقی بنگال اور آسام کا ضلع سلہٹ شامل ہیں۔ یہاں کے لوگوں نے پاکستان کے قیام کے لئے بے شمار جانی و مالی قربانیاں دیں لیکن قیام پاکستان کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا، مشرقی پاکستان کے لوگوں میں محرومیت اور ملکی امور میں غیر مؤثر ہونے کا احساس بڑھتا گیا۔ آبادی میں تیزی سے اضافہ اور معاشی عدم توازن نے لوگوں کے مسائل کو کئی گنا بڑھا دیا جس کے سبب علیحدگی کے رجحانات نے جنم لیا۔ 1954ء میں شیخ مجیب الرحمٰن اور عوامی لیگ کے زیر قیادت پہلی دفعہ سیاسی خود مختاری کے لئے تحریک چلی۔ 1970ء میں یہ تحریک زور پکڑ گئی جب مشرقی پاکستان میں پانچ لاکھ افراد سیلاب کی تباہ کاریوں کے شکار ہو گئے۔ 1971ء میں یہ تحریک سول نافرمانی اور پھر انارکی کی صورت اختیار کر گئی۔ انتظامی مشینری مفلوج ہو گئی۔ پورے صوبے میں ہیضہ اور قحط پھیل گئے۔ ان حالات میں ہندوستان کی مداخلت کے سبب حالات مزید بگڑ گئے۔ بالآخر 1971ء میں ہندوستان اور پاکستان کے مابین جنگ کے بعد جمہوریہ بنگلہ دیش وجود میں آیا جسے 1972ء میں بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن اس کے پہلے وزیراعظم بنے۔

Marfat.com

15 اگست 1975ء کو ایک زبردست انقلاب برپا ہوا۔ شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے خاندان کے تمام افراد اور سیاسی حلیفوں کو قتل کر دیا گیا۔ خوندکر مشتاق صدر بنے۔ نومبر 75ء میں جنرل ضیاء الرحمٰن نے مارشل لا لگا دیا۔ 30 مئی 1981ء کو انہیں بھی چٹا گانگ میں قتل کر دیا گیا۔ نائب صدر عبدالستار نے چھ ماہ کے اندر انتخابات کروانے کا اعلان کیا مگر چیف آف آرمی سٹاف جنرل ارشاد نے مئی 1982ء میں اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ 1988ء میں بنگلہ دیش کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا۔ 88ء اور 89ء میں قدرتی آفات سے چار ہزار آدمی مارے گئے اور تیس لاکھ بے گھر ہو گئے۔ دسمبر 1990ء میں جنرل ارشاد کرپشن کے الزامات کا شکار ہو کر عوامی دباؤ کی بدولت استعفیٰ دینا اور جیل کی ہوا کھانا پڑی۔ فروری 1991ء میں پارلیمانی انتخابات ہوئے جن میں بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی نے اکثریت حاصل کر لی۔ مرحوم جنرل ضیاء الرحمٰن کی بیوہ اور پارٹی کی رہنماء خالدہ ضیاء وزیراعظم بن گئیں۔ 1992ء میں میانمر سے مہاجرین کی آمد سے بنگلہ دیش کی معیشت کو بری طرح نقصان پہنچا۔ بنگلہ دیش کا سیاسی کلچر پاکستان کے سیاسی کلچر سے چنداں مختلف نہیں۔ بیگم خالدہ ضیاء کو بھی چین سے حکومت کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ حزبِ اختلاف مسلسل ان کے خلاف تحریک چلاتی رہی۔ 1995ء میں یہ تحریک اتنی قوت پکڑ گئی کہ نومبر میں پارلیمان کو ہی تحلیل کر دیا گیا۔ فروری 1996ء کو عوامی دباؤ کے نتیجے میں وزیراعظم خالدہ ضیاء نے انتخابات کروائے۔ اپوزیشن نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ نتائج یہ رہے کہ حکمران پارٹی بی این پی دو تہائی اکثریت سے جیت گئی۔ اس پر اپوزیشن کی جماعتوں نے زبردست احتجاج کیا اور تحریک چلائی۔ وزیراعظم خالدہ ضیاء کو مجبوراً آئین میں ترمیم کے ایک نگران حکومت تشکیل دینا پڑی۔ نگران حکومت کے منعقد کردہ جون 96ء انتخابات کے نتیجے میں عوامی لیگ نے اکثریت حاصل کی اور چند دیگر جماعتوں کے ساتھ اتحاد بنا کر شیخ مجیب الرحمٰن مرحوم کی بیٹی شیخ حسینہ واجد وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہو گئیں۔ جون 1999ء میں بی این پی اور حزبِ اختلاف کی دیگر جماعتوں نے پارلیمنٹ کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ اور پورے ملک میں ہڑتالوں کا ایک سلسلہ شروع کروا دیا۔ حزبِ اختلاف کی چار جماعتوں کے ایک اتحاد نے اعلان کیا کہ وہ ضمنی انتخابات کے علاوہ مقامی بلدیاتی انتخابات کا بھی بائیکاٹ کریں گے۔ یکم اکتوبر 2001ء کو عام انتخابات کا انعقاد ہوا۔ ان انتخابات بی این پی کے بنائے ہوئے چار جماعتوں کے اتحاد نے کامیابی حاصل کی۔ بیگم خالدہ ضیاء تیسری بار وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوئیں۔ ان کا یہ دورِ اقتدار بھی حزبِ اختلاف کی مخالفتوں اور شورشوں سے بھرا رہا لیکن بہرحال وہ اپنی مدت مکمل کرنے میں کامیاب رہیں۔ فروری 2006ء میں عوامی لیگ نے مطالبہ کیا کہ انتخابی عمل میں تبدیلیاں کی جائیں اور انتخابات سے پہلے نگران حکومت قائم کی جائے تاکہ موجودہ حکومت انتخابات میں دھاندلی نہ کر سکے۔ حکومت اور حزبِ اختلاف کے درمیان مذاکرات کوئی نتیجہ برآمد کرنے میں ناکام رہے۔ 3 جنوری 2007ء کو عوامی لیگ نے اعلان کیا کہ وہ 22 جنوری کے روز منعقد ہونے والے انتخابات کا بائیکاٹ کرے گی۔ 11 جنوری کے روز صدر فخر الدین احمد نے ایمرجنسی کا اعلان کرتے ہوئے چیف ایڈوائزر کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور انتخابات کو غیر معینہ مدت تک کے لئے ملتوی کر دیا۔ ایمرجنسی کے قوانین کے تحت بعض بنیادی آئینی آزادیاں معطل کر دی گئیں اور انگنت سیاستدانوں کو کرپشن اور دیگر جرائم کے الزامات کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ حکومت نے اعلان کیا کہ نئے انتخابات کا انعقاد 2008ء کے اواخر میں ہوگا۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد حکومت نے شیخ حسینہ واجد اور بیگم خالدہ ضیاء کو کرپشن کے الزامات کے تحت گرفتار کر لیا۔ بہرحال، دونوں رہنماؤں پر کوئی الزام ثابت نہیں کیا جا سکا۔ 29 نومبر 2008ء کو منعقد ہونے والے عام انتخابات میں شیخ حسینہ واجد کی عوامی لیگ اور اس کے ساتھ اتحاد بنانے والی دیگر جماعتوں نے کامیابی حاصل کی اور

Marfat.com

وری 2009ء کے روز شیخ حسینہ واجد ایک بار پھر بنگلہ دیش کی وزیراعظم بن گئیں۔ بیگم خالدہ ضیاء نے انتخابات کے نتائج کو مسترد کر دیا اور الزام لگایا کہ چیف الیکشن کمشنر نے ان انتخابات کو "stage-manage" کیا ہے۔ بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی ناکامی میں ان کے اتحاد میں شامل کرپشن کے لئے بدنام رہنماؤں اور ان کے بیٹے طارق رحمان کے متعلق پھیلتی ہوئی باتوں نے اہم کردار ادا کیا۔ 25 سے 27 فروری 2009ء تک بنگلہ دیش سرحدی رڈز کی بغاوت کی زد میں رہا۔ بارڈر سیکیورٹی فورس کے ایک ہزار سے زائد جوانوں نے فورس کے ہیڈ کوارٹرز پر قبضہ کر لیا اور کئی افسروں کو یرغمال بنائے رکھا۔ دوسرے دن تک یہ جنگ 12 مزید قصبوں اور شہروں تک پھیل چکی تھی۔ تاہم حکومت سے مذاکرات کے بعد باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور یرغمالیوں کو رہا کر دیا۔ اس واقعے کا غالباً سب سے افسوس ناک پہلو یہ رہا کہ یرغمال بنائے جانے والے 181 افسران میں سے صرف 33 زندہ بچ سکے۔ آزاد اور خودمختار خارجہ پالیسی، اقوام متحدہ کا ممبر ملک، اسلامی کانفرنس کی تنظیم، غیر جانبدار ممالک کی تنظیم اور سارک کا رکن ملک ہے۔

بوسنیا ہرزگووینا

جنوب مشرقی یورپ کے اس ملک کے شمال مغرب میں جمہوریہ کروشیا سربیا، مانٹی نیگرو مشرق میں اور بحیرہ ایڈریاٹک جنوب میں واقع ہیں۔ اس کا 50 فی صد رقبہ جنگلات سے گھرا ہوا ہے۔ چند ایک پہاڑ بھی ہیں۔ پہلے یہ ملک سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا۔ غازی عثمان خان نے اس کی بنیاد رکھی۔ 1463ء میں جنگ کوسووہوئی جس میں عثمانی ترکوں نے ہنگری اور آسٹریا کو شکست سے دوچار کر کے کوسوو اور بوسنیا پر قبضہ کر لیا۔ ازاں بعد بلغراد بھی عثمانی ترکوں کے قبضے میں آ گیا۔ 1878ء تک یہ ترکوں کے قبضے میں رہا۔ 1914ء میں جنگ عظیم اول کے اختتام پر ہنگری، سربیا اور یوگوسلاویہ معرض وجود میں آئے۔ آسٹریا کے ٹکڑے ہونے کے بعد سربیا، کروشیا، سلووینیا، مانٹی نیگرو اور بوسینا ہرزگووینا کا وفاق یوگو سلاویہ کی صورت میں تکمیل پایا۔ جب تک مارشل ٹیٹو زندہ رہا، یوگوسلاویہ میں مستحکم حکومت رہی۔ اس کی وفات کے بعد یوگوسلاویہ کے کیمونسٹ نظام میں دراڑیں پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔ مشرقی یورپ سے کیمونسٹ حکومتوں کا بتدریج خاتمہ ہوتا چلا گیا۔ جون 1991ء میں کروشیا اور سلووینیا نے بغاوت کر کے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ 15 اکتوبر 1991ء کو بوسنیا کی پارلیمنٹ نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ سربوں نے ریفرنڈم کی مخالفت کی اور ہنگامے شروع کر دیئے لیکن پروگرام کے مطابق صدر عالی جاہ عزت بیگووچ نے ریفرنڈم کروایا جس کے نتیجے میں 65 فی صد عوام نے آزادی کے حق میں ووٹ دیا۔ 21 مئی 1992ء کو اسے اقوام متحدہ کی رکنیت مل گئی اور کئی ممالک نے اس کی آزادی اور خودمختاری کو تسلیم کر لیا۔ فوجی ہتھیار اور اڈے چونکہ سربیا کے متعصب عیسائیوں کے کنٹرول میں تھے اس لئے انہوں نے بوسنیا پر یلغار کر دی۔ ادھر بوسنیا میں مقیم سربوں نے خانہ جنگی شروع کر دی جس کے نتیجے میں متعدد علاقوں پر سربوں کا قبضہ ہو گیا۔ جبکہ سرائیوو، تزلہ، سربری نیکا اور موستر تک بوسنیا کی حکومت محدود ہو گئی۔ اس دوران اپریل 1992ء میں امریکہ اور یورپی مشترکہ منڈی کے رکن ممالک نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ 1993ء بھی اس ملک پر منحوس سایہ بکھیرتا رہا۔ ہر طرف تباہی بربادی پھیل گئی۔ سال بھر اقوام متحدہ کے فوجی دستے، خوراک اور علاج کی سہولتیں فراہم کرتے رہے۔ ادھر سرب بیگار کیمپوں میں بوسنیائی باشندوں کو بند کر دیا گیا اور مسلم خواتین کی اجتماعی بے حرمتی کو ہر روز کا معمول بنا لیا گیا حالانکہ متعدد بار جنگ بندی کا معاملہ طے پایا تھا۔ بالآخر نیٹو کی مداخلت شروع ہوئی۔ 1995ء کے وسط میں سرب ٹھکانوں پر فضائی حملے کئے گئے۔ اس دوران سربوں اور کروشیا کے مابین جنگ چھڑ گئی۔ کروشیا نے مسلمانوں کی حمایت شروع کر دی تاہم اس وقت تک سرب ڈھائی

لاکھ مسلمانوں کو شہید کر چکے تھے۔ بوسنیا کے مسلمانوں اور کروشیا کی فوجوں نے ذمی سربوں پر حملے کئے اور یوں سربوں سے بیشتر علاقہ واپس چھین لیا گیا۔ امریکہ کے زیر اثر فریقین کے مابین مذاکرات ہوئے جس کے نتیجے میں "مسلم کروشیائی فیڈریشن" وجود میں آئی اور بوسنیا کی حدود میں سربوں کو بطور اقلیت تسلیم کر لیا گیا۔ ستمبر 1996ء میں باضابطہ انتخابات ہوئے۔ عالی جاہ عزت بیگووچ کو صدر منتخب کیا گیا، لیکن سربوں نے معاہدۂ امن کو صدقِ دل سے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے نئی حکومت کے خلاف اپنی جارحانہ اور مسلح سرگرمیاں جاری رکھیں۔ نیٹو کی پچاس ہزار نگران فوج بھی انہیں جارحیت سے نہ روک سکی تاہم جنگ کے "مجرمین" کی حیثیت سے سربوں کے لیڈروں کے فرار کے بعد کچھ سکون ہوا۔ صدر عزت بیگووچ کی قیادت میں بوسنیا کی حکومت چھ ارب ڈالر بیرونی امداد کے سہارے ملک میں اقتصادی بحالی میں مصروف ہو گئی۔ بوسنیا کی حکومت نے سربیا کے خلاف بین الاقوامی عدالت انصاف میں نسل کشی کے الزام کے تحت مقدمہ دائر کیا۔ 26 فروری 2007ء کے روز بین الاقوامی عدالت انصاف نے رولنگ دی جس سے طے پا گیا کہ اس جنگ کی نوعیت بین الاقوامی تھی لیکن سربیا کو نسل کشی کی براہِ راست ذمہ داری سے بری کر دیا گیا۔ تاہم عدالت نے یہ ضرور کہا کہ سربیا اپنی افواج کو نسل کشی سے روکنے اور اس قتل عام کے ذمہ داروں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے میں ناکام رہا ہے۔ سربیا کے مسلمانوں کے قتل عام کو عمومی طور پر نسل کشی (genocide) قرار دینے کے بجائے بین الاقوامی قانون کے تحت انسانیت کے خلاف جرائم قرار دیا گیا۔ عدالت نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ مئی 2006ء میں مانٹی نیگرو کے اعلانِ آزادی کے بعد سربیا ان جرائم کی واحد جوابدہ ریاست ہے تاہم ماضی کے واقعات کی ذمہ داری مانٹی نیگرو اور سربیا کی مشترکہ ریاست پر ہی عائد رہے گی۔

بینن

بینن مغربی افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے مغرب میں ٹوگو، مشرق میں نائیجیریا اور برکینو فاسو اور شمال میں نائیجر واقع ہیں۔ اس کے جنوب میں مختصر سا سمندری ساحل بھی موجود ہے۔ قبل از اسلام بینن میں رہنے والے قبائل کی تاریخ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ آثارِ قدیمہ کی کھدائی سے جو ظروف وغیرہ دریافت ہوئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قدیم زمانے میں بھی انسانی معاشرت اور تہذیب موجود تھی۔ یہاں اسلام کا ظہور ابتدائی ہجری ہی میں ہو گیا تھا۔ شمالی علاقوں میں مسلمانوں کی معاشرت کے آثار، مساجد وغیرہ آج تک موجود ہیں۔ اس ملک پر فرانسیسی قبضے کے بعد اسلام تیزی سے پھیلا تاہم بینن میں کوئی اسلامی سلطنت قائم نہیں ہو سکی۔ یہاں کے قبائل کی تاریخ کا مستند اور صحیح ریکارڈ سترہویں صدی سے ملنا شروع ہوتا ہے جب سلطنت "دہومی" قائم ہوئی۔ بینن دہومی کا نیا نام ہے۔ یہ سلطنت 1818 تک اپنے عروج پر تھی۔ اس وقت بادشاہ گیزو سلطنت پر حکمران تھا۔ اس نے مسلسل چالیس سال تک حکومت کی۔ 1851ء میں شاہ گیزو نے فرانس سے ایک تجارتی معاہدہ کیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا شاہ گلے گل تخت نشین ہوا۔ اس نے یہ معاہدہ برقرار رکھا۔ جس طرح ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے تجارت کے بہانے رفتہ رفتہ اپنے سیاسی قدم جمائے تھے، اسی طرح فرانسیسیوں نے بھی سیاسی چالیں چلیں اور 1863ء میں پورٹ نوودو کا الحاق کر لیا۔ جب نائیجر میں برطانیہ نے لاگوس پر قبضہ جما لیا تو پھر فرانس اور برطانیہ کے مابین سرحدوں کے تعین کے بارے میں ایک معاہدہ ہوا کہ برطانیہ کی حکمرانی یہاں تک ہے اور فرانس کی حکومت یہاں تک۔ ادھر قریب ہی مغرب میں جرمنی ٹوگو میں آ پہنچا تھا۔ انہوں نے بینن کی طرف بڑھنا چاہا لیکن فرانس نے تدبر سے کام لیتے ہوئے ان سے معاہدہ کر لیا اور 1885ء میں طے

گیا کہ جرمنی صرف گنی اور ٹوگو تک محدود رہے گا۔ 1889ء میں جرمنی، برطانیہ اور فرانس کے درمیان سہ فریقی معاہدہ طے پایا جس کے مطابق سرحدوں کی حد بندی مستقل ہوگئی۔ اسی سال بینن کے بادشاہ اور فرانس کے درمیان چپقلش شروع ہو گئی۔ باضابطہ جنگ ہوئی جس میں بینن کی ایمزن خواتین نے غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ 1890ء میں صلح نامہ ہوا جس کی رو سے طے پایا کہ فرانس بینن کا ''محافظ'' ہوگا اور بادشاہ کو سالانہ آٹھ سو پونڈ پنشن ملے گی۔ شاہ گلے گل کے بعد اس کا بیٹا بہازین تخت پر بیٹھا جس نے 1892ء میں فرانس کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ قبائل کو شکست ہونے لگی تو شاہ بہازین نے دارالحکومت کو آگ لگوا دی اور خود فرار ہو گیا۔ آخر 1894ء میں اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اب فرانس نے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ابومی اور الیوڈا۔ ابومی کے تخت پر بہازین کے بڑے بیٹے کو بٹھا دیا اور باقی ملک پر خود قابض ہو گیا۔ 1900ء میں فرانسیسیوں نے شاہ ابومی کو بھی معزول کر کے کانگو روانہ کر دیا۔ 1898ء میں برطانیہ اور فرانس کے مابین ایک اور معاہدہ طے پایا، جس کی رو سے مشرقی سرحدوں کا تعین ہوا۔ پھر 1912ء میں فرانس نے جرمنی سے معاہدہ کیا، جس کے مطابق ٹوگو اور بینن کی مغربی سرحدوں کا تعین ہوا اور یوں جغرافیائی طور پر موجودہ بینن وجود میں آیا۔

1904ء میں یہ علاقہ فرانسیسی مغربی افریقہ میں شامل کر لیا گیا۔ فرانس نے یہاں ریلوے اور سڑکیں تعمیر کیں اور کافی کی پیداوار میں اضافہ کیا۔ ترقیاتی کاموں کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ بھی زور شور سے جاری رہی۔ سکولوں اور ہسپتالوں کی تعمیر سے تبلیغ کے کاموں میں آسانیاں اور ترغیبات پیدا ہو رہی تھیں۔ چنانچہ بیس سال کے اندر اندر عیسائیوں کی تعداد پونے تین لاکھ تک پہنچ گئی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی بینن کے شمالی علاقوں کے قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ نائجیریا اور مالی کے مسلمان بھی ہجرت کر کے یہاں آباد ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کی آمد سے قدیم قبائل کے مرد و زن بھی رفتہ رفتہ اسلام کی سادگی اور حقانیت کو تسلیم کرنے لگے۔ یہاں کسی بھی بڑے اسلامی ملک کی طرف سے مبلغین کی کوئی جماعت نہیں پہنچی۔ محض یہاں کے مسلمانوں کی ذاتی تبلیغی کوششوں کا ثمر ہے کہ آج بینن کی آبادی کا بیشتر حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد یہاں پہلی نیم خود مختار حکومت فرانس کے زیر سایہ قائم ہوئی۔ 1957ء میں اسے داخلی خود مختاری دے دی گئی اور بالآخر یکم اگست 1960ء کو مکمل آزادی حاصل ہوگئی۔ آزادی کے فوراً بعد کا دور بینن کے لئے شورشوں سے بھرپور تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آزادی کے بعد سے لے کر 1969ء تک اس ملک نے پانچ فوجی انقلابوں کا سامنا کیا۔ مئی 1970ء میں فوج نے تین لیڈروں ماگا، احمد جی اور اپیتھی پر مشتمل ایک کمیشن چھ سال کی مدت کے لئے قائم کیا۔ اصول طے پایا کہ اس کا ہر رکن دو سال تک بینن کی صدارت کے فرائض انجام دے گا۔ چنانچہ ماگا اس کے پہلے صدر بنے۔ 1972ء میں پھر فوجی انقلاب آیا، احمد جی کو اقتدار سے محروم کر دیا گیا اور میجر کریکو نے بہ حیثیت صدر اور وزیر اعظم اقتدار سنبھال لیا۔ 1975ء میں صدر کریکو کے حکم پر باضابطہ پردھومی کا نام تبدیل کر کے بینن رکھ دیا گیا۔ ان کی جماعت 1990ء کی دہائی تک اقتدار پر قابض رہی۔ فرانس اور دیگر جمہوری قوتوں کی حوصلہ افزائی پا کر کریکو نے ایک نیشنل کانفرنس بلائی، نیا جمہوری آئین متعارف کرایا اور صدارتی اور قانون ساز مجلس کے انتخابات منعقد کرائے۔ صدارتی انتخابات میں کریکو کے بڑا مخالف وزیر اعظم نسے فور سوگلو تھا جو جیتنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ قومی اسمبلی کی نشستوں پر بھی اس کے حامیوں کو اکثریت حاصل ہوئی۔ یوں بینن پہلا افریقی ملک بنا جو آمریت سے جمہوریت تک کا سفر کامیابی سے طے کرنا میں سرخرو ہوا۔ مارچ 1995ء میں قومی اسمبلی کے انتخابات کا دوسرا مرحلہ منعقد ہوا اور سوگلو کی پارٹی کو سب سے زیادہ نشستیں حاصل ہوئیں، تاہم اسے حتمی اکثریت حاصل نہ ہو سکی۔ تاہم سابق صدر کریکو کے حامیوں کی

ایک جماعت خاصی کامیاب رہی اور اس کامیابی کے بدولت کریکو 1996ء اور 2001ء کے صدارتی انتخابات میں کامیاب ہو پایا۔ تاہم 2001ء کے انتخابات دھاندلی اور بے ضابطگیوں کے الزامات کی زد میں آ کر مشکوک قرار پا گئے۔ دو بڑے صدارتی امیدواروں نے انتخابات سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور کریکو ایک طرح سے بلامقابلہ صدر مملکت بن گیا۔ دسمبر 2002ء میں بینن میں پہلی مرتبہ میونسپل انتخابات کا انعقاد ہوا اور یہ مرحلہ بخیر و عافیت تکمیل تک پہنچا۔ مارچ 2006ء کے صدارتی انتخابات میں ویسٹ افریقن ڈیولپمنٹ بینک کے ایک سابق صدر بونی یائی کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بین الاقوامی ماہرین نے ان انتخابات کو آزاد، منصفانہ اور شفاف قرار دیا۔ صدر کریکو کو عمر اور متعدد بار منتخب ہونے کی وجہ سے آئینی طور پر انتخابات میں حصہ لینے سے روک دیا گیا تھا۔

پاکستان

پاکستان جنوبی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کے جنوب میں بحیرۂ عرب، مغرب میں افغانستان اور ایران واقع ہیں، چین مشرق اور جنوب مشرق میں بھارت ہے۔ پاکستان میں دنیا کی ترین تہذیبوں کے آثار ملے ہیں۔ 326 ق م میں سکندر اعظم نے اسے فتح کیا۔ 711ء میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں محمد بن قاسم برصغیر (موجودہ پاکستان، ہندوستان) کے خاصے حصے کو فتح کرتا ہے اور یوں برصغیر (موجودہ پاکستان) دنیا کی سب سے بڑی عرب ریاست کا ایک حصہ بن جاتا ہے جس کا دارالحکومت دمشق، زبان عربی اور مذہب اسلام تھا۔ یہ علاقہ سیاسی، مذہبی اور ثقافتی طور پر عرب دنیا سے جڑ جاتا ہے۔ اس واقعہ نے برصغیر اور جنوبی ایشیا کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ 1947ء سے پہلے بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش برطانوی کالونی تھے اور برصغیر کے نام سے جانے جاتے تھے۔ ہندوستان کی آزادی (انگریزوں سے) کی تحریک کے دوران ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے لیے ایک علیحدہ ملک کا مطالبہ کیا۔ "پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ" اس تحریک کا مقبول عام نعرہ تھا۔ اس مطالبے کے تحت تحریک پاکستان وجود میں آیا۔ اس تحریک کی قیادت محمد علی جناح نے کی۔ 14 اگست 1947 کو پاکستان وجود میں آیا۔ تقسیم برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں نے کچھ ایسے ستم چھوڑے جو پاکستان اور انڈیا کے درمیان 1948ء اور 1965ء میں کشمیر کے مسئلہ پر دو جنگوں کا سبب بن گئے۔ اس کے علاوہ چونکہ پاکستانی پنجاب میں بہنے والے تمام دریا انڈیا کے زیرِ قبضہ کشمیر سے ہو کر آتے تھے لہٰذا پاکستان کو 1960ء میں انڈیا کے ساتھ سندھ طاس معاہدہ کرنا پڑا جس کے تحت پاکستان کو مشرقی دریاؤں ستلج، بیاس اور راوی سے دستبردار ہونا پڑا۔ جبکہ دریائے سندھ، چناب اور جہلم پر پاکستان کا حق تسلیم کر لیا گیا۔ 1947ء سے لے کر 1948ء تک پاکستان کو بڑی مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ بھارت نے پاکستان کے حصہ میں آنے والی رقم پاکستان کو ادا نہ کی۔ اس کے علاوہ صنعتی ڈھانچے کے نام پر پاکستان کے حصے میں گنتی کے چند کارخانے آئے اور مزید برآں کئی اندرونی و بیرونی مشکلات نے بھی پاکستان کو گھیرے رکھا۔ 1948ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی اچانک وفات ہوگئی۔ ان کے بعد حکومت لیاقت علی خان کے ہاتھ میں آئی۔ 1951ء میں لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا۔ 1951ء سے 1958ء تک کئی حکومتیں آئیں اور ختم ہو گئیں۔ 1956ء میں پاکستان میں پہلا آئین نافذ ہوا۔ اس کے باوجود سیاسی بحران کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1958ء میں پاکستان میں مارشل لاء لگ گیا۔ 27 اکتوبر 1958ء کے روز جنرل محمد ایوب خان نے صدر کے اختیارات سنبھال لئے اور صدر سکندر مرزا کو جلاوطن کر دیا۔ جون 1962ء کو جنرل محمد ایوب خان نے ملک کو نیا آئین دیا۔ جنوری 1965ء کو ایوب خان پھر صدر منتخب ہوئے۔ ستمبر 1965ء میں بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔ جسے پاکستان کی بہادر افواج نے پسپا

Marfat.com

کردیا۔ دشمن کو بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا اور ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ پاکستان میں موجود تمام بڑے آبی ڈیم جنرل ایوب کے دور آمریت میں بنائے گئے۔ ایوب دور میں پاکستان میں ترقی تو ہوئی لیکن مشرقی پاکستان دور ہوتا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ مشرقی اور مغربی صوبے میں ترقی کی رفتار میں ہم آہنگی نہیں تھی جس کے سبب مشرقی پاکستان کے لوگوں میں محرومیت اور ملکی معاملات میں غیر موثر ہونے کا احساس بڑھتا گیا جس کے نتیجے میں ملک کے مشرقی حصے میں بے اطمینانی بڑھتی گئی۔ آخر کار 1969ء میں مشرقی پاکستان میں مسلسل ہڑتالوں، اقتصادی تعطل اور مغربی پاکستان میں سیاسی تحریکوں کے سبب ایوب خان نے صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خان (جو اس وقت افواج پاکستان کے کمانڈرانچیف تھے) نے ملک میں مارشل لا لگادیا اور صدارت کے فرائض بھی سنبھال لئے۔ 1970ء میں ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر ملک میں عام انتخابات ہوئے جن میں مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پاکستان پیپلز پارٹی نے واضح اکثریت حاصل کی لیکن انتخابات کے باوجود ملک میں سول حکومت بحال نہیں ہو سکی۔ مشرقی پاکستان میں حالات مزید بگڑتے گئے بالاخر 1971ء میں ہندوستان اور پاکستان کے مابین جنگ کے بعد بنگلہ دیش وجود میں آگیا اور شیخ مجیب الرحمٰن اس کے پہلے وزیر اعظم بنے۔ مغربی پاکستان (جو اب پاکستان کہلاتا ہے) میں ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کی صدارت کے فرائض سنبھال لئے۔ 1972ء سے لے کر 1977ء تک پاکستان میں پی پی پی کی حکومت تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے صدر اور بعد ازاں وزیر اعظم رہے۔ اس دور میں وطن عزیز کی تمام سیاسی جماعتوں کی رضامندی سے آئین پاکستان مرتب اور نافذ العمل کیا گیا۔ اس دور میں سوشلسٹ اور پین اسلامک عنصر بڑھا۔ اس دور میں پاکستان میں نیشنلائزیشن ہوئی اور زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں۔ نئے آئین کے تحت 1977ء میں پھر عام انتخابات ہوئے جن میں پاکستان پیپلز پارٹی نے واضح اکثریت حاصل کی۔ حزب اختلاف کو صرف 36 نشستیں ملیں۔ حزب اختلاف نے حکومت پر دھاندلی کا الزام لگایا اور نتائج کو تسلیم کرنے سے انکار دیا۔ بھٹو نے متنازعہ نشستوں پر دوبارہ انتخابات کروانے کی کوشش کی لیکن سیاسی ابتری بڑھتی گئی اور مسلسل ہڑتالوں اور صنعتی تعطل کے سبب ملک ایک بار پھر "انارکی" کا شکار ہو گیا۔ آخر کار 1977ء میں ملکی افواج نے ایک بار پھر مارشل لاء لگا کر اقتدار سنبھال لیا اور جنرل محمد ضیاء الحق مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور ملک کے صدر بن گئے۔ فروری 1985ء میں جنرل ضیاء الحق نے غیر سیاسی بنیادوں پر انتخابات کروائے جن کا بڑی بڑی سیاسی جماعتوں نے بائیکاٹ کیا۔ تاہم انتخابات کے نتیجے میں محمد خان جونیجو وزیر اعظم بن گئے۔ اس دوران آٹھویں ترمیم منظور ہو گئی۔ جس کے تحت تمام اختیارات صدر کے پاس چلے گئے۔ 1988ء میں صدر نے وزیر اعظم کو بدعنوانی کے الزام میں برطرف کر کے نئے انتخابات کا اعلان کیا۔ 17 اگست 1988ء کو وہ طیارے کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ ان کے مرنے کے بعد سینیٹ کے چیئر مین اسحاق خان صدر بن گئے۔ انتخابات کے نتیجے میں پیپلز پارٹی نے حکومت بنائی مگر وہ دو سال بھی مکمل نہ کر سکی اور بدعنوانی کے الزام میں برطرف کر دی گئی۔ نئے انتخابات ہوئے۔ میاں نواز شریف صدر اسلامی جمہوری اتحاد ان انتخابات کے نتیجے میں وزیر اعظم بن گئے مگر 18 اپریل 1993ء کو وزیر اعظم نواز شریف کو بھی برطرف کر دیا گیا۔ ان پر بھی بدعنوانی کے الزامات تھے مگر 26 اپریل کو سپریم کورٹ نے اسمبلی بحال کر دی۔ صدر اور وزیر اعظم کے درمیان شدید قسم کی سرد جنگ کے بعد اکتوبر 1993ء میں صدر اور وزیر اعظم کو رخصت کر کے نئے انتخابات کا اعلان کیا گیا اور ایک بار پھر بینظیر بھٹو وزیر اعظم بن گئیں۔ 14 نومبر کو سردار فاروق احمد خاں لغاری صدر مملکت منتخب ہوئے۔ 5 نومبر 1996ء کے روز صدر فاروق لغاری نے آٹھویں ترمیم کے تحت بے نظیر

Marfat.com

بھٹو، ان کی حکومت اور قومی اسمبلی کو برطرف کر دیا اور ملک معراج خالد کو نگران وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ 3 فروری 1997ء کو عام انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ اور اس کی حلیف جماعتوں کو بھاری اکثریت حاصل ہوئی۔ صدر فاروق لغاری نے میاں نواز شریف کو وزیر اعظم نامزد کیا۔ میاں صاحب نے صدر مملکت سے صلاح مشورے کے بعد آٹھویں ترمیم کو باقاعدہ اسمبلی میں پیش کر کے ختم کرا دیا۔ بعد ازاں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سجاد علی شاہ سے عدلیہ کے اختیارات کے ضمن میں وزیر اعظم سے اختلافات پیدا ہونے کے باعث صدر فاروق لغاری عہدۂ صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ ان کی جگہ محمد رفیق تارڑ صدر مملکت کے عہدے پر متمکن ہوئے۔ 1998ء میں بھارت کے پانچ ایٹمی دھماکوں کے جواب میں پاکستان نے چھ ایٹمی دھماکے کیے اور پہلی اسلامی ایٹمی قوت بننے کا اعزاز حاصل کیا، اگرچہ اس اعزاز کے نتیجے میں انہیں بین الاقوامی اقتصادی پابندیاں بھگتنا پڑیں۔ اسی راہ پر چلتے ہوئے اپریل 1999ء میں پاکستان نے بھارت کے پرتھوی میزائل کے جواب میں غوری میزائل کا کامیاب تجربہ کیا۔ مئی 1999ء میں کشمیر میں کارگل کی پہاڑیوں پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا۔ بھارت نے مجاہدین پر فضائی حملے کیے اور الزام عائد کیا کہ مجاہدین کے بھیس میں دراصل پاکستانی فوج قابض ہے۔ امریکہ نے بھی بھارت کی ہمنوائی کی اور پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ کارگل سے مجاہدین کو واپس بلوانے کے لئے اقدامات کرے۔ جب 12 اکتوبر 1999 میں نواز شریف نے جنرل پرویز مشرف کو ہٹا کر آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل خواجہ ضیاء الدین کو نیا آرمی چیف مقرر کرنا چاہا تو اس وقت جنرل پرویز مشرف ملک سے باہر ایک سرکاری دورے پر گئے ہوئے تھے اور ملک واپس آنے کے لیے ایک کمرشل طیارے پر سوار تھے۔ تب فوج کے اعلیٰ افسران نے ان کی برطرفی کو مسترد کر دیا اور جنرل پرویز مشرف نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی اور فوج کے ساتھ اپنے حلف کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے نواز شریف کی منتخب حکومت کا تختہ الٹ کر ان کو معزول کر دیا اور جنرل پرویز مشرف ملک کے نئے چیف ایگزیکٹو بن کر مسند اقتدار پر براجمان ہو گئے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ تین سالوں کے اندر اندر ملک میں نئے انتخابات کرائے جائیں گے۔ نواز شریف کے خلاف طیارہ سازش کیس تیار کیا گیا اور شاید تاریخ ایک بار پھر اپنے آپ کو دہراتی مگر برادر مسلم ممالک کے دباؤ پر انہیں ''معاف'' کر کے محض ''جلاوطن'' کر دیا گیا۔ 9 ستمبر 2001ء کے روز ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر ہونے والے حملوں کے بعد 13 ستمبر 2001ء کو پاکستان میں امریکی سفیر وینڈی چیمبر لین کے ذریعے پرویز مشرف کے سامنے واشنگٹن نے سات مطالبات رکھے جنہیں پرویز مشرف نے فوری طور پر تسلیم کر لیا اور یوں امریکی جنگ میں پاکستان باقاعدہ طور پر شامل ہو گیا۔ راتوں رات تین دہائیوں پر مشتمل افغان پالیسی تبدیل کر دی گئی اور کل کے دوست آج کے دشمن بن گئے۔ اس جنگ کے دوران پرویز مشرف نے امریکی ہدایات پر 689 افراد کو گرفتار کیا جن میں سے 369 افراد بشمول خواتین کو امریکہ کے حوالے کیا گیا۔ جنرل مشرف اپنی یادداشتوں پر مبنی کتاب 'In the Line of Fire' میں اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے ان افراد کے عوض امریکہ سے کئی ملین ڈالرز کا انعام وصول کیے۔ یہ جملہ انہوں نے بعد ازاں اردو ترجمہ سے حذف کر دیا۔ پرویز مشرف کے گرفتار اور امریکہ کے حوالے کیے جانے والے افراد میں اکثریت ان عام افراد کی تھی جو افغانستان میں تعلیمی و فلاحی یا نجی کاموں سے گئے تھے اور جن کو امریکہ نے گوانتانامو بے میں کئی برس تک بدترین تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد بالآخر رہا کر دیا۔ 20 مئی 2000ء کے روز سپریم کورٹ آف پاکستان نے جنرل پرویز مشرف کو حکم دیا کہ وہ اکتوبر 2002 تک جنرل الیکشن کروائیں۔ اپنے اقتدار کو طول دینے اور محفوظ کرنے کی غرض سے انہوں نے 30 اپریل 2002 میں ایک صدارتی ریفرنڈم کروایا جس کے مطابق 98 فیصد عوام نے انہیں آئندہ 5 سالوں کے لیے

Marfat.com

صدر منتخب کرلیا۔ البتہ اس ریفرنڈم کو سیاسی جماعتوں کی اکثریت نے مسترد کردیا اور اسکا بائیکاٹ کیا۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنے اقتدار کے راستے میں آنے والے بہت سے عہدیداروں کو بھی ہٹایا جن میں سپریم کورٹ کے جج حضرات اور بلوچستان پوسٹ کے ایڈیٹر بھی شامل ہیں۔ اکتوبر 2002ء میں ہونے والے عام انتخابات میں جنرل پرویز مشرف کے حامیوں پر مشتمل جماعت پاکستان مسلم لیگ ق نے قومی اسمبلی کی اکثریتی سیٹیں جیت لیں۔ میر ظفر اللہ خان جمالی ملک کے نئے وزیراعظم بنے۔ دسمبر 2003ء میں جنرل پرویز مشرف نے متحدہ مجلس عمل کے ساتھ معاہدہ کیا کہ وہ دسمبر 2004ء تک وردی اتار دیں گے۔ لیکن وہ پوری قوم کے سامنے کیے گئے اپنے اس وعدے سے پھر گئے۔ اس کے بعد جنرل پرویز مشرف نے اپنی حامی اکثریت سے قومی اسمبلی میں سترھویں ترمیم منظور کروالی جس کی روح سے انہیں باوردی صدر رہنے کا قانونی جواز مل گیا۔ 2004ء میں پاکستانی ایٹم بم کے خالق ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اس الزام میں نظر بند کردیا گیا کہ انہوں نے ایٹمی معلومات دوسرے ممالک کو منتقل کی ہیں۔ اسی سال مارچ میں حکومت نے وزیرستان میں چھپے غیر ملکیوں کے خلاف آپریشن شروع کیا۔ مقامی لوگ انہیں مجاہدین جبکہ حکومت انہیں دہشت گرد سمجھتی تھی۔ اپریل میں صدر جنرل پرویز مشرف نے نیشنل سیکیورٹی کونسل بنائی۔ جون میں جمالی حکومت کو ختم کردیا گیا اور چودھری شجاعت حسین کو عبوری وزیراعظم بنا کر وزیر خزانہ شوکت عزیز کو انتخاب لڑوایا گیا۔ کامیابی کے بعد وزارت عظمٰی کا عہدہ انہیں مل گیا۔ 10 ستمبر 2007ء کو جلاوطن مسلم لیگی رہنما میاں محمد نواز شریف سعودی عرب سے پاکستان آئے۔ مشرف حکومت نے ان کو کتنی ہی دیر جہاز میں روکے رکھا اور مبینہ طور پر دھوکے سے ایک دفعہ پھر جلاوطن کر کے سعودی عرب بھیج دیا۔ سیاسی لوٹوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ یورپین یونین نے بھی نواز شریف کے دفاع کے حق کے متعلق بیان دیا۔ مشرف کے چند دیگر "یادگار" اقدامات میں خونریز بسنت میلوں کا انعقاد، مخلوط میراتھن ریسوں کا انعقاد، جامعہ حفصہ اور لال مسجد پر آگ و آہن کی بارش، بدنام زمانہ این آر او، بلوچستان آپریشن اور 12 مئی کے روز کراچی میں کھیلی گئی خون کی ہولی شامل ہیں۔

پرویز مشرف کے زوال کا آغاز حقیقی معنوں میں اس وقت ہوا جب انہوں نے عدلیہ کے ساتھ محاذ آرائی کا آغاز کیا۔ 3 نومبر 2007ء کو پرویز مشرف نے ایمرجنسی کے نفاذ کا اعلان کرتے ہوئے آئین کو معطل کردیا۔ یہ اعلان رئیس عسکریہ کی جانب سے "عبوری آئینی حکم" کے عنوان سے جاری کیا گیا (نہ کہ صدر پاکستان کے دفتر سے)۔ اس وجہ سے مبصرین نے اس ہنگامی حالت کو دراصل مارشل لاء قرار دیا۔ اگرچہ مشرف نے اس لفظ کو استعمال کرنے سے گریز کیا۔ خیال رہے کہ اس وقت پرویز مشرف صدر کے عہدے پر بھی قابض تھے اور وفاقی اور صوبائی وزرا پہلے ہی مشرف کے تابع اور حمایتی تھے۔ البتہ اکتوبر 2007ء میں مشرف کے صدارتی انتخاب پر عدالت عظمٰی چند روز میں فیصلہ سنانے والی تھی جس کے تحت مشرف کو صدارتی عہدہ 15 نومبر 2007ء کے بعد خالی کرنا پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ مشرف نے 3 نومبر کو دوسری بار ملک پر شبخون مارا۔ اس روز پولیس اور فوج کی بڑی تعداد نے عدالت عظمٰی کی عمارت کو گھیرے میں لے لیا۔ اسی دوران جناب افتخار چودھری کی سربراہی میں عدالت عظمٰی کے سات رکنی بنچ نے عبوری حکم میں ہنگامی حالت کے نفاذ کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے معطل کردیا، اور فوج اور انتظامیہ کو حکم دیا کہ آمر کے غیر قانونی حکم کی تعمیل نہ کی جائے۔ مشرف نے ردعمل میں عدلیہ کو توڑ دیا اور چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کو معزول کر کے نظر بند کردیا گیا۔ 4 نومبر کو اتوار کا دن گزرنے کے بعد پیر کے دن یعنی 5 نومبر کو ملک میں وکلاء کی جانب سے شدید ردعمل سامنے آیا۔ لاہور، کراچی ہائی کورٹ میں پولیس کے ساتھ تصادم میں کئی وکلا زخمی ہوئے اور سینکڑوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ میڈیا پر پابندی بدستور برقرار رہی اور تمام پرائیویٹ چینلو کی نشریات کو

Marfat.com

اس دن بھی روک دیا گیا۔ اس دن مشرف کی نظر بندی کی افواہ نے بھی زور پکڑا اور میڈیا پر بندش کی وجہ سے اس افواہ نے چند گھنٹوں میں پورے پاکستان کو لپیٹ میں لے لیا۔ پاکستان کی سیاسی قیادت اس معاملے میں عوام کو سڑکوں پر لانے میں ناکام رہی۔ پی سی او کے تحت حلف نہ لینے والے ججوں کو اپنے گھروں میں نظر بند کر دیا گیا۔ بین الاقوامی سطح پر ایمر جنسی کی شدید مذمت کی گئی۔ پاکستان کا کراچی سٹاک ایکسچینج ریکارڈ مندی کا شکار رہا اور مارکیٹ چھ سو پینتیس پوائنٹ کی کمی کے ساتھ بند ہوئی۔ وکلاء کا ملک گیر احتجاج جاری رہا۔ جامعات کے طلباء نے بھی مظاہروں میں حصہ لیا۔ بینظیر بھٹو نے راولپنڈی میں احتجاجی جلسہ کیا اور لانگ مارچ کی دھمکی دی۔ اس سے پہلے بینظیر نے اسلام آباد میں امریکی سفیر سے ملاقات کی۔ ایمر جنسی کی آڑ لیتے ہوئے 'آرمی ایکٹ' میں ترمیم کی گئی جس کے تحت عوام پر بھی فوجی عدالت میں مقدمہ چلا کر سزا دی جاسکے گی۔ 11 نومبر کو پرویز مشرف نے اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے عدلیہ اور چیف جسٹس پر الزامات لگائے، اور اگلے انتخابات ایمر جنسی کے زیر سایہ کرانے کا عندیہ دیا۔ جناب افتخار چودھری نے مشرف کے الزامات مسترد کرتے ہوئے کہا کہ عدالت کے خلاف کاروائی کا ایک مقصد انتخابات میں دھاندلی کے ذریعے اپنے من پسند امیدواروں کا کامیاب کروانا ہے۔ 14 نومبر کو تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان جامعہ پنجاب پہنچے جہاں انھوں نے فوجی آمر کی حرکات کے خلاف طلبا کے جلوس کی قیادت کرنے کے بعد کھلے عام گرفتاری دینا تھی۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے غنڈوں نے جامعہ میں عمران سے بدتمیزی کی، اور انھیں حبس بیجا میں رکھا اور بعد ازاں پولیس نے عمران خان کو گرفتار کر لیا۔ 15 نومبر کو قومی اسمبلی اپنی مدت پوری کر کے تحلیل ہو گئی۔ اس ادارے کی سیاہ کاریوں میں متحدہ مجلس عمل کے تعاون سے سترھویں ترمیم کی منظوری، اور اپنے آخری دنوں میں مسلم لیگ ق کی اکثریت سے آمر کی کارروائیوں کی تائید شامل تھے۔ 19 نومبر کو فوجی آمر کے ہاتھ سے چنے ہوئے منصفین نے عدالت عظمی کی عمارت میں بیٹھ کر پرویز مشرف کے صدارتی انتخابات پر اعتراضات باہر پھینک دیے۔ جید وکلا جیل میں ہونے اور عدالت کو تسلیم نہ کرنے کے باعث پیش نہیں ہوئے۔ مخالف وکلا کو چیف جسٹس عبدالحمید ڈوگر نے برا بھلا کہا اور جیل میں ڈال دینے کی دھمکی دی۔ 20 نومبر 2007ء کو مولانا فضل الرحمان نے امریکی سفیر سے ملاقات کے دوران اپنی ''اعتدال پسندی'' کا یقین دلایا۔ مولانا کا کہنا ہے کہ موقع ملنے پر وہ دوسروں سے بہتر نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔ پرویز مشرف 29 نومبر 2007ء کو عوامی دباؤ کے تحت چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے سے سبکدوش ہو گئے اور بطور صدر اعلان کیا کہ 16 دسمبر 2007ء کو ایمر جنسی ختم کر دی جائے گی۔ ملک کی بہت سی جماعتوں نے عدلیہ کی بحالی نہ ہونے کی صورت میں جنوری 2008ء میں ہونے والے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کر دیا۔ 14 دسمبر 2007ء کو مسلم لیگ ن نے اپنے انتخابی منشور کا اعلان کرتے ہوئے منصفین کی بحالی کو اپنی اولین ترجیح قرار دیا۔ ریٹائرڈ جنرل پرویز مشرف نے 14 دسمبر 2007ء کو حکم جاری کر کے آئین میں متعدد ترامیم کر دیں۔ ماہرین کے مطابق یہ ترامیم غیر قانونی تھیں کیونکہ آئین میں ترمیم صرف قومی اسمبلی کر سکتی ہے اور وہ بھی دو تہائی اکثریت کی صورت میں۔ مشرف کی ان حرکتوں سے اس کے خوف زدہ ہونے کی نشان دہی ہو رہی تھی۔ 17 دسمبر کو اسلام آباد پولیس نے طلبہ، وکلاء، اور سرگرم ارکان کو چیف جسٹس افتخار چودھری کی رہائش گاہ (جہاں وہ نظر بند تھے) کی طرف جانے سے روکنے کے لیے تشدد کا استعمال کیا جس میں متعدد افراد زخمی ہو گئے۔ ان شورشوں کے دوران ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے حالات کا رخ یکسر بدل دیا۔ راولپنڈی کے لیاقت باغ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے بعد واپس پلٹتی ہوئی بے نظیر بھٹو کو ایک خودکش حملے میں شہید کر دیا گیا۔ اس شہادت کے بعد جو عوامی لہر پیدا ہوئی، اس نے نہ صرف

Marfat.com

ز مشرف کے قدم ہمیشہ کے لئے اکھیڑ دیئے بلکہ پیپلز پارٹی کو اپنے کندھوں پر سوار کر کے ایک بار پھر اقتدار کے ایوانوں
پہنچا دیا۔ یوسف رضا گیلانی نئے وزیراعظم منتخب ہوئے اور ملکی تاریخ میں جمہوریت کا نیا دور شروع ہو گیا۔ پرویز
ف 18 اگست 2008ء کے روز عہدۂ صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ ملک کے اگلے صدر بننے کا اعزاز آصف علی
اری کو حاصل ہوا۔ عام انتخابات کے بعد پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن کی مخلوط حکومت اعلانِ مری کے بعد بنی جس میں
وں فریقوں نے ججز کو 30 دن کے اندر بحال کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن پیپلز پارٹی کے سربراہ آصف زرداری وعدہ نبھانے
ضی نہ ہوئے جس کے بعد مسلم لیگ ن نے 12 مئی 2008ء کو اپنے وزراء کا حکومت سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ وکلاء
ریک ایک بار پھر زور پکڑ گئی اور رفتہ رفتہ اس میں اتنی شدت پیدا ہوئی کہ بالآخر 16 مارچ 2009ء کو وزیراعظم گیلانی
لی الصبح 6 بجے اعلان کیا کہ افتخار چودھری 21 مارچ سے چیف جسٹس کے عہدے پر بحال ہو جائیں گے۔ ان کے
دوسرے ججز بھی بحال ہوں گے۔ یہ اعلان وکلاء اور حزب اختلاف کی جماعتوں کی طرف سے اسلام آباد کی طرف
مارچ شروع کرنے کے بعد کیا گیا۔ یوں آخر تقریباً 18 ماہ طویل جدوجہد کے بعد عدلیہ پر کیا جانے والا یہ حملہ
ریت وانصاف کے مخالفوں کی رسوا کن شکست پر انجام پذیر ہوا۔ مگر ملک میں سب اچھا نہیں تھا۔ دہشت گردی کے
ب جنگ میں امریکہ کی فرنٹ لائن سٹیٹ بننے کے اقدام کے نتائج پاکستان کے شمالی علاقوں کے دہشت گردی کی
میں آ جانے کی صورت میں نکلے۔ عسکریت پسندی کی جو لہر سرحد پار سے اٹھی تھی، اس کا سب سے گہرا اثر وزیرستان
وات پر پڑا۔ عسکریت پسندوں کے قدم یہاں اتنے مضبوط ہو گئے کہ ایک موقعے پر حکومت پاکستان بھی سوات کے
ریت پسندوں سے معاہدہ کر کے نظامِ عدل کے نفاذ کے حوالے سے ان کے مطالبات ماننے پر مجبور ہو گئی۔ مگر عسکریت
وں نے یہیں پر بس نہ کی۔ ان کے قدم بڑھتے گئے، اور ان کی کارروائیوں میں شدت آتی گئی۔ انہوں نے پورے
تے میں لاقانونیت اور دہشت گردی کا بازار گرم کر دیا۔ ایک موقعے پر تو یوں نظر آنے لگا جیسے ان کے ہاتھوں پاکستان
سالمیت خطرے میں پڑ جائے گی مگر بالآخر پاکستانی فوج میدان میں اتر آئی۔ مئی 2009ء میں سوات کے شدت
وں کے خلاف آپریشن راہِ حق کا آغاز کیا گیا۔ پاکستانی فوج نے آغاز سے ہی اس آپریشن میں کامیابیاں حاصل کرنا
ع کیں اور آہستہ آہستہ پیش قدمی کرتے ہوئے پورے علاقے کو شدت پسندوں سے خالی کرا لیا۔ شدت پسندوں کی
ر توڑ دی گئی اور وادیٔ سوات میں ایک بار پھر حکومت کی عملداری قائم ہو گئی۔ اس آپریشن کے نتیجے میں تیس لاکھ کے
یب لوگوں کو اپنے گھروں کو چھوڑنا پڑا اور پاکستان کی تاریخ کے دوسرے بڑے ''پناہ گزین بحران'' نے جنم لیا۔ حکومت
، ان پناہ گزینوں کی امداد اور بحالی کے لئے اپنے طور پر جو کوششیں کیں سو کیں، مگر حکومت سے کہیں آگے بڑھ کر عوام
، اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کے لئے دل اور بانہیں وا کر دیں۔ پوری کوشش کی گئی کہ انہیں کسی طرح کی تکلیف اور
شانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اگرچہ یہ کوششیں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکیں اور کئی جگہوں پر ناگوار واقعات رونما ہوئے
ن پھر بھی عوام کی کشادہ دلی کی بدولت صورتِ حال بگڑنے سے محفوظ رہی۔ آپریشن کی کامیابی کے بعد سوات کے عوام
واپسی کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور پاکستانی فوج وزیرستان میں بیٹھے شدت پسندوں کے قدم اکھاڑنے کے لئے راہ
ات کے نام سے آپریشن شروع کر چکی ہے۔

جکستان

یہ قدیم ترین تہذیب کا ملک وسط ایشیا کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس کے مغرب اور شمال میں ازبکستان اور

Marfat.com

کرغستان واقع ہیں۔ مشرق کی جانب جمہوریہ چین اور افغانستان ہیں۔ واخان کی ایک تنگ پٹی اسے پاکستان سے جدا کرتی ہے۔ اس میں گورنو بدخشاں کا علاقہ خودمختار ہے۔ یہ کوہستانی سلسلے واقع ہیں واخش کیزل سوئی اور حصار اہم وادیاں ہیں۔ تاجکستان کی تاریخ 3000 ق م پرانی ہے۔ اس کے بعد یہاں زیادہ عرصہ ایرانی اور عرب حکمرانی کرتے رہے۔ منگول ازبک اور افغان بھی یہاں حکومت کرتے رہے۔ 1924ء میں سوویت یونین کا حصہ بنا۔ 1929ء میں اسے ریاست کی شکل دے دی گئی۔ 9 ستمبر 1991ء میں یہ ملک آزاد ہوا۔ 14 نومبر 1991ء کو یہاں عام انتخابات ہوئے۔ بنی اوف پہلے صدر بنے۔ 21 ستمبر 1991ء کو تاجکستان آزاد جمہوریہ کی دولت مشترکہ کا ممبر بنا۔ 1992ء میں پارلیمانی نظام رائج ہوا۔ تاہم کیمونسٹ پارٹی نے اس ملک پر قبضہ برقرار رکھا جس کے باعث تاجکستان میں سابق امرائی سیاسی نظام اور ابھرتی ہوئی جمہوری اسلامی اقتدار میں کشمکش جاری رہی۔ تاجکستان میں اسلام پسند قوتوں کی کامیابی دوسری جمہوریاؤں میں پسندیدگی سے نہیں دیکھی گئی۔ ان ہمسایہ ملکوں کے حکمرانوں کی مدد اور رشین فیڈریشن کے زیر انتظام افواج کی مداخلت سے سابق کیمونسٹ حکومت ایک بار پھر اقتدار میں آ گئی۔ تاجکستان کی ایک کثیر تعداد افغانستان ہجرت پر مجبور ہوگئی۔ تاجکستان کی صنعت چونکہ روسی بولنے والوں کی وجہ سے قائم تھی، اس لئے بڑے پیمانے پر ان کی نقل مکانی کے اثرات جلد محسوس ہونے لگے۔ ترسون زوے کا ایلومینیم پلانٹ وخش کی معدنی دولت اور نائٹروجنی کھاد کے کارخانے اور نیوریک کا بجلی گھر بند ہوگئے۔ پورے ملک میں افراتفری پھیل گئی اور تمام صنعتیں بند ہوگئیں۔ 1997ء میں رحمانوف اور حزب مخالف کی جماعتوں (تاجک متحدہ حزب اختلاف) کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔ 1999ء میں پرامن انتخابات کا انعقاد ہوا، اور رحمانوف ایک مرتبہ پھر ملک کے صدر قرار پائے۔ حزب مخالف نے ان انتخابات کو غیر منصفانہ قرار دیا۔ افغانستان کے ساتھ سرحد کی حفاظت کے لیے روسی افواج موسم گرما 2005ء تک ملک میں موجود رہیں۔ 11 ستمبر 2001ء کے حملوں کے بعد سے امریکی و فرانسیسی افواج اس ملک میں موجود ہیں۔ 2008ء میں ملک نے اپنی گزشتہ ربع صدی کا سب سے سخت موسم سرما دیکھا اور موسم کی تباہ کاریوں کے بدولت انہیں 85 کروڑ ڈالر کا نقصان اٹھانا پڑا۔ روس نے امداد میں ایک ارب ڈالر دینے کا وعدہ کیا۔ فروری میں سعودی عرب کی طرف سے امدادی سامان سے بھرے ہوئے دس جہاز بھجوائے گئے اور مارچ میں مزید گیارہ ٹن سامان بھجوایا گیا۔

ترکمانستان

یہ وسط ایشیا کی نوآزاد ریاستوں میں سے ایک ملک ہے۔ شمال میں قازقستان، شمال مشرق میں ازبکستان، جنوب میں ایران اور جنوب مشرق میں افغانستان واقع ہے۔ مغرب میں بحیرہ کیسپین واقع ہے۔ ترکمانستان بہت عرصہ پہلے ایران کا حصہ تھا۔ 11ویں صدی میں سلجوق ترک یہاں حکمران ہوئے۔ 13ویں صدی میں منگولوں نے اس پر حکومت کی 19ویں صدی عیسوی میں یہ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ جمہوریہ ترکمانستان کو 27 اکتوبر 1924ء کو ریاست کا درجہ ملا۔ 13 مئی 1925ء کو سوویت یونین میں شامل ہوا۔ اگست 1990ء میں ترکمانستان نے سوویت یونین سے یکطرفہ طور پر آزادی کا اعلان کر دیا۔ اکتوبر 1990ء میں ایک ریفرنڈم کے ذریعے آزادی کے حق میں 94.1 فی صد ووٹ پڑے۔ دسمبر 1991ء میں آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ کا ممبر ملک بنا۔ جون 1992ء میں نیازوف انتخابات جیت کر صدر بنے۔ جناب نیازوف نے ملک کو نیا آئین دیا اور اشیائے صرف کی قیمتوں میں نمایاں کمی کی۔ 99.9 فی صد ووٹ لے کر 1994 میں پھر کامیاب ہوئے۔ ان کی کتاب ''روح نامہ'' کا مطالعہ تمام طالب علموں کے لازم قرار دیا گیا۔ ترکمانستان میں

Marfat.com

حزبِ مخالف کی جماعتوں پر پابندی ہے۔ دسمبر 1999ء میں ترکمانستان کے آئین میں تبدیلی کی گئی اور نیازوف کو تاحیات صدر منتخب کرلیا گیا۔ نیازوف نے ترکمانستان کی خارجہ پالیسی غیر جانبدارانہ رکھی۔ ترکمانستان نے کسی فوجی اتحاد میں یا اقوامِ متحدہ کی افواج میں شمولیت اختیار نہیں کی۔ 2005ء میں نیازوف نے اعلان کیا کہ 2010ء میں ترکمانستان میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرائے جائیں گے۔ ان کے اس اعلان نے مغربی مشاہدہ نگاروں کو حیران ہونے پر مجبور کردیا۔ 21 دسمبر 2006ء کے روز نیازوف دل کے عارضے میں مبتلا ہوکر اچانک وفات پاگئے اور اپنی جانشینی کا مسئلہ ہوا میں معلق چھوڑ گئے۔ گربانگولی بردی محمدوف قائم مقام صدر بنے۔ 11 فروری 2007ء کے روز منعقد ہونے والے الیکشن میں وہ 89 فیصد ووٹ لے کر ترکمانستان کے نئے صدر بن گئے۔ تاہم غیر ملکی مشاہدہ نگاروں نے ان انتخابات کو شبہات سے بالاتر قرار نہیں دیا۔ محمدوف نے برسرِاقتدار آکر ترکمانستان کی خارجہ پالیسی میں کچھ تبدیلی کی اور دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات میں اضافہ کرنے کی راہ اپنائی۔ عوام کو زیادہ آزادیاں فراہم کیں اور نیازوف کی چند ایسی پالیسیاں ختم کردیں جو انسانی حقوق کے منافی خیال کی جاتی تھیں۔ ستمبر 2008ء میں ترکمانستان کے لئے نیا آئین منظور کیا گیا۔

ترکی:

ترکی یورپ اور ایشیا کے درمیان پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ملک 95 فیصد براعظم ایشیا میں اور 5 فیصد براعظم یورپ میں واقع ہے۔ اس کے مغرب میں یونان اور بلغاریہ واقع ہیں جبکہ مشرق میں ایران ہے۔ شام جنوب کی طرف اور مشرق میں جارجیا، آرمینیہ اور آذربائیجان واقع ہیں۔ یہ بحیرۂ اسود اور بحیرۂ روم کے درمیان ایشیائے کوچک کا علاقہ ہے۔ آبنائے باسفورس ان دونوں سمندروں کو ملاتا ہے۔ 600 ق م میں یونانیوں نے اس ملک کے قدیم ترین اور عالمی شہرت یافتہ شہر استنبول کی بنیاد رکھی تھی۔ اس زمانے میں استنبول کا نام بازنطین تھا۔ تقریباً آٹھ سو سال کے بعد یہاں رومی قابض ہوگئے اور انہوں نے اس مشہور شہر کا نام قسطنطنیہ رکھا۔ انہوں نے یہاں 1000 سال حکومت کی اور یہ بازنطینی حکومت کے نام سے مشہور ہوئے۔ عثمانی سلطان محمد دوم نے اس سلطنت کا خاتمہ 1453ء میں کیا۔ اب یہاں عیسائیت کی جگہ اسلام تیزی سے پھیلا۔ یہ حکومت 19 ویں صدی تک بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حکمران رہی۔ جنگ عظیم اول میں ترکی کی حکومت نے جنگ میں جرمنی کا ساتھ دیا۔ 1918ء میں اسے شکست ہوئی جس کے نتیجے میں اس کی سرحدوں میں کمی واقع ہوئی اور اتحادی افواج اس پر قابض ہوگئیں۔ 1920ء میں اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا نے انقرہ میں عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کیا۔ اس مردِ مجاہد نے مٹھی بھر جان نثار ساتھیوں کی مدد سے یونانیوں کو مار بھگایا اور آخری سلطان محمد ششم بھی 20 نومبر 1922ء کو مالٹا بھاگ گئے۔ 29 اکتوبر 1923ء کو آزاد جمہوری حکومت قائم ہوئی اور 1924ء میں خلافت کا خاتمہ ہوا۔ جمہوریہ ترکی مصطفیٰ کمال اتاترک کی کوششوں سے میں وجود میں آیا۔ وہ ترکی کو ایک ایسا جدید ملک بنانا چاہتے تھے جس میں حکومتی نظام دین کی بنیادوں پر استوار نہ کیا گیا ہو۔ وہ فوجی اور اقتصادی امور میں ترکی کو مغربی ممالک کے برابر دیکھنا چاہتے تھے۔ آج ترکی سوائے یورپی یونین کے یورپ کی ہر تنظیم کا رکن ہے۔ وہ 1952ء میں نیٹو کا اور 1949ء میں کونسل آف یورپ کا رکن بنا۔ اب وہ یورپی یونین کا رکن بننا چاہتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے 1999ء سے کوشاں ہے۔ اتاترک (لغوی معنی، ترکوں کا باپ) ترکی کے پہلے صدر تھے۔ وہ 1938ء میں انتقال کرگئے۔ ترکی کی افواج خود کو اتاترک کے تصورات کا اصل محافظ قرار دیتی ہیں اور سیاسی استحکام بحال کرنے کی خاطر تین مرتبہ 1960ء، 1971ء اور 1980ء میں ملک کے سیاسی نظام میں براہ راست مداخلت تک کرچکی ہیں۔ 1970ء کے عشرے میں ملک

Marfat.com

میں امن وامان قائم رکھنے میں ناکام مخلوط حکومتوں سے بیزار ہو کر انہوں نے ستمبر 1980ء میں اقتدار سنبھال لیا۔ مارشل لائی ضوابط کے تحت کئی ہزار افراد پکڑ دھکڑ کی زد میں آئے۔ ان میں سے کئی ہزار کو تخریب کاری کا مجرم قرار دے کر قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا پڑیں اور کئی کو سزائے موت بھی دی گئی۔ 1982ء میں ترکی میں نیا آئین نافذ کیا گیا۔ 1989ء میں جنرل ایورن کی جگہ ترغت اوزال صدر بنے۔ صدر اوزال نے ترک معیشت کو جدید خطوط پر استوار کیا اور بین الاقوامی سطح پر ترکی کے رتبے کو کافی بلند کیا۔ وہ 1993ء میں فوت ہو گئے۔ مئی 1993ء میں وزیر اعظم سلیمان ڈیمرل صدر منتخب ہوئے۔ جون 1993ء میں سابق وزیر معیشت تانسو چلر ڈیمرل کی جگہ راہ حق پارٹی کی سربراہ منتخب ہو گئیں اور یوں وہ ترکی کی پہلی خاتون وزیر اعظم بنیں۔ جون 1996ء میں راہ حق پارٹی اور رفاہ پارٹی کے اتحاد سے بننے والی حکومت میں نجم الدین اربکان وزیر اعظم بنے لیکن رفاہ پارٹی کے اسلام پسند نظریات کے بعد قومی سلامتی کونسل کے ساتھ ان کے تعلقات میں بدمزگیاں پیدا ہو گئیں۔ یہ اندیشے بھی سر اٹھانے لگے کہ کہیں نئی حکومت ترکی کے سیکولر نظام اور مغرب کی طرف التفات کی پالیسی کو تباہ ہی نہ کر دے۔ آخر کار قومی سلامتی کونسل کے دباؤ میں آ کر جون 1997ء میں اربکان کو مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے باعث ہونے والی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا سب سے زیادہ فائدہ بلند ایجوت کی جمہوری بائیں پارٹی کو ہوا اور انہوں نے پہلے مادر وطن پارٹی اور آگے چل کے راہ حق پارٹی کے ساتھ اتحادی حکومت بنائی۔ 18 اپریل 1999ء کو ہونے والے قومی اور بلدیاتی انتخابات کے نتیجے میں جمہوری بائیں پارٹی، مادر وطن پارٹی اور دیولت باہ چلی کی قوم پرست ایکشن پارٹی کے اتحاد نے حکومت بنائی جس میں بلند ایجوت ہی بدستور وزیر اعظم رہے۔ ترکی کی آئینی عدالت (سپریم کورٹ) کے سابق سربراہ احمد نجدت سیزر کو 5 مئی 2000ء کو ترکی کا صدر منتخب کیا گیا۔ انہوں نے 16 مئی کو اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ اس حکومت نے پہلے ہی برس آئینی و اقتصادی اصلاحات کا ایک پروگرام بنایا۔ اس میں وہ نکات بالخصوص شامل تھے جن کے باعث یورپی یونین میں ترکی کی رکنیت کے امکانات بہتر ہو جاتے لیکن ان اصلاحات کو عملی شکل دینے کے بارے میں حکومت کی صلاحیت سے متعلق شکوک کے ساتھ ساتھ ایک اقتصادی اسکینڈل کے باعث فروری 2001ء میں ترکی ایک اقتصادی بحران میں پھنس گیا۔ جیسے جیسے یہ بحران سخت ہوتا گیا، کھلے بازار میں ترک لیرا کی فروخت بڑھ گئی جس کے باعث حکومت کو لیرا کی قیمت میں 40 فیصد تک کی کرنا پڑی۔ ساتھ ہی سود کی شرح اور اشیائے صرف کی قیمتوں میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا اور روزگار کے مواقع بھی کم ہونے لگے۔ اس بحران کا اثر جن دیگر معاملات پر پڑا ان میں اقتصادی استحکام کے لئے بلند ایجوت حکومت کے بے نظیر اقدامات اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے 11 ارب ڈالر کے قرض کی مدد سے چلنے والا مہنگائی توڑ پروگرام سرفہرست تھے۔ ان حالات سے نمٹنے کے لئے وزیر اعظم نے عالمی بینک کے ایک سابق نائب صدر کمال درویش کو مارچ 2001ء میں وزیر اقتصادیات مقرر کیا۔ متعدد اقتصادی و عملی اصلاحات اور نچلی سطح پر اقتصادی استحکام اور بجٹ سازی میں حکومت کو سہارا دینے کے لئے انہوں نے مئی 2001ء تک مجموعی طور پر بین الاقوامی مالیاتی فنڈ سے 10 ارب ڈالرز کے قرضوں کا انتظام کیا۔ فروری 2002ء میں عالمی مالیاتی فنڈ نے 9 ارب ڈالرز کے مزید قرضے منظور کر دیئے اور اس شرط پر سال بھر کے دوران چند قسطوں پر مشتمل مزید 5 ارب ڈالرز کا وعدہ بھی کیا کہ ترکی اپنی اقتصادی اصلاحات ان کے مشوروں کی روشنی میں مرتب کرے گا۔ تاہم حکومتی اتحاد میں کشیدگی چلتی رہی۔ عالمی مالیاتی فنڈ کی شرائط (بالخصوص سرکاری اداروں کی نجکاری) اور سیاسی اصلاحات کی سست روی تنازعات کی بڑی وجوہ تھیں۔ مئی 2002ء میں خرابی صحت کے آثار سامنے آنا شروع ہونے کے باوجود بلند ایجوت کے مستعفی نہ ہونے کے باعث وزیر اعظم

Marfat.com

اپنی جمہوری بائیں پارٹی کے 60 ارکان اسمبلی، نائب وزیر اعظم اور وزیر خزانہ سمیت کئی وزراء نے بھی استعفے دے دیئے۔ ان استعفوں کے ساتھ ساتھ حزب اختلاف کی دونوں جماعتوں اور حکومتی اتحاد میں شامل دیگر جماعتوں کی طرف دباؤ کے نتیجے میں ترک پارلیمنٹ کو مقررہ وقت سے 18 ماہ قبل 3 نومبر 2002ء کو نئے انتخابات کرانے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اپنے آخری دنوں میں اس پارلیمنٹ نے اہم سیاسی اصلاحات پر مشتمل ایک پروگرام کی منظوری دے دی تھی۔ نومبر 20ء کے انتخابات میں صرف قدامت پسند انصاف و ترقی پارٹی اور بائیں بازو کی جمہوری عوامی پارٹی ہی وہ دو تیں تھیں جنہوں نے پارلیمنٹ میں نمائندے بھیجنے کے لئے کم از کم 10 فیصد ووٹ جیتنے کی شرط پوری کی۔ ان میں اول نے 34 اور دوسری نے 19 فیصد ووٹ حاصل کئے تھے تاہم بعد میں ان دونوں پارٹیوں کے بعض ارکان کی طرف اپنی اپنی پارٹیوں سے علیحدگی کے باعث تین مزید پارٹیوں کو پارلیمنٹ کی رکنیت مل گئی۔ 2002ء کے انتخابات کے پر انصاف و ترقی پارٹی کے چیئرمین رجب طیب اردوگان 1998ء میں اپنی کسی تقریر میں کہی گئی کسی بات پر سزا پانے باعث انتخابات و وزارت عظمٰی کے لئے نااہل تھے۔ نتیجتاً ان کی جگہ ان کے نائب عبداللہ گل وزیر اعظم بنائے گئے تاہم یں ایک آئینی ترمیم کے ذریعے اس پابندی اور اس کی وجہ سے ہونے والی سزا کو ختم کر دیا گیا۔ 9 مارچ کو ایک ضمنی ب کے ذریعے اردوگان پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے اور ان کو حکومت میں لانے کی خاطر عبداللہ گل وزارت عظمٰی دستبردار ہو گئے۔ انہیں بعد ازاں وزیر خارجہ مقرر کیا گیا۔ ابھی انصاف و ترقی پارٹی نے پوری طرح حکومت ہی نہ لی تھی کہ جنگ عراق شروع ہو گئی۔ پارلیمنٹ نے امریکہ کے اتحادی ممالک کی افواج کے دستوں کو ترکی سے گزرنے جازت نہیں دی تھی البتہ اپنے دستے بھیجنے کی منظوری دے دی لیکن امریکہ اور ترکی بعد میں اس بات پر متفق ہو گئے کہ کی اس پیشکش سے فائدہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ اس وقت انصاف و ترقی پارٹی کے سیاسی ایجنڈے پر عراق، یورپی کی رکنیت، قبرص اور معیشت زیادہ نمایاں نکات ہیں۔ نومبر 2003ء میں حکومت کو دہشت گردی کے 4 بڑے ت سے نمٹنا پڑا۔ ان میں یہودیوں کی دو عبادت گاہوں، برطانوی قونصل جنرل اور ایک غیر ملکی بینک کو نشانہ بنایا گیا۔ واقعات استنبول میں پیش آئے۔ مارچ 2004ء میں برسراقتدار انصاف و ترقی پارٹی نے بلدیاتی انتخابات میں 42 ووٹ حاصل کر کے اپنی پوزیشن مستحکم کر لی۔ قبرص کے سیاسی حالات کے باعث 1950ء کے عشرے کے وسط سے اور یونان کے تعلقات میں کشیدگی چلی آ رہی ہے۔ 1960ء میں قبرص کی آزادی کے بعد یہ کشیدگی اتنی بڑھ گئی کہ 1963ء میں وہاں عیسائی مسلم فسادات پھوٹ پڑے۔ یہ فسادات 1974ء تک جاری رہے۔ ترک قبرصیوں کی 1964ء میں اقوام متحدہ کی حفاظت میں اپنی پناہ گاہوں میں چھپنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ یونان میں اقتدار پر قابض فوج ت پناہی کے ساتھ انتہا پسندوں کے ہاتھوں جولائی 1974ء میں قبرص کے منتخب صدر کا تختہ الٹے جانے کے بعد ترک شمالی قبرص پہنچ گئیں۔ اس کے بعد پورا جزیرہ عملاً کسی ایک حکومت کے کنٹرول میں نہیں ہے۔ جزیرے کے تقریبا صد علاقے پر حکومت جمہوریہ قبرص کا راج نہیں۔ جزیرہ کے شمال میں ترک افواج کے دستے بھی بڑی تعداد میں ت ہیں۔ منصفانہ، دیرپا اور ہمہ گیر سمجھوتے کی تلاش میں 1974ء کے بعد سے اقوام متحدہ کی زیر نگرانی مذاکرات کی کئی یں کی جا چکی ہیں تاہم یہ مقصد تا حال حاصل نہیں کیا جا سکا۔ مسئلہ قبرص کے حل کی تلاش میں اقوام متحدہ کی نگرانی کی کوشش 24 اپریل 2004ء کو ختم ہو گئی۔ یہ کوشش اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی جانب سے تجویز کئے جانے والے ہمہ گیر منصوبہ پر ریفرنڈم کی شکل میں تھی۔ اس پر جزیرے کے دونوں حصوں میں بیک وقت ریفرنڈم کروایا گیا تھا۔

Marfat.com

یونانی قبرصیوں نے اس منصوبے کے خلاف اور ترک قبرصیوں نے اس کے حق میں ووٹ دیئے۔ نتیجتاً یکم مئی کو یورپی یونین نے قبرص کو منقسم حالت میں ہی اپنا رکن بنالیا۔ جزیرے کا شمالی حصہ یورپی یونین کا رکن نہیں جسے ترک قبرص کہا جاتا ہے۔ طویل جدوجہد کے بعد 1830ء میں سلطنت عثمانیہ سے آزاد ہونے والے یونان اور عثمانی حکومتوں کے درمیان تعلقات ہمیشہ مشکلات سے دوچار رہے لیکن 1950ء کے عشرے کے وسط میں قبرص کے مستقبل کے سوال پر بین الاقوامی تنازعہ کھڑے ہونے تک یونان اور جمہوریہ ترکی کے تعلقات ہمیشہ دوستانہ رہے۔ قبرص کے سوال پر جاری اختلاف کے علاوہ بھی ترکی اور یونان کے تعلقات بحیرہ ایجیئن کی خودمختاری کے حوالے سے بھی کئی امور پر الجھے رہے۔ لیکن 1999ء میں ترکی اور یونان میں آنے والے زلزلے نے دونوں ملکوں کو ایک دوسرے کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں مدد فراہم کی۔ یونان اور ترکی کے تعلقات میں بہتری دسمبر 1999ء میں ہیلسنکی میں ہونے والے یورپی کونسل کے اجلاس میں یورپی یونین کی رکنیت کے بارے میں ترکی کی درخواست پر ہمدردانہ غور کے لئے آمادہ کرنے کی ایک بڑی وجہ تھی۔ اس سے ترکی کے یورپی یونین اور یونان کے ساتھ تعلقات کی ایک نئی بنیاد فراہم ہوگئی۔ یورپی یونین کی رکنیت کے سوال پر یونان اب ترکی کی حمایت کررہا ہے۔ ترکی دوسرا ملک ہے جس نے 1963ء میں یورپی تنظیم بنانے سے متعلق معاہدے پر دستخط کئے تھے۔ اس کی بنیاد پر یورپی کونسل اور ترکی کی کسٹم یونین بنی۔ پھر دونوں کے درمیان کسٹم قوانین اور ضوابط سے متعلق ایک معاہدہ ہوا جو بالآخر یکم جنوری 1996ء کو نافذ کردیا گیا۔ اس معاہدے میں بھی آخرکار ترکی کے یورپی کونسل کا رکن بننے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اس کے لئے ترکی نے 1987ء میں رسمی درخواست دی۔ 1989ء میں یورپی کمیشن نے یہ درخواست نہ ماننے کا فیصلہ دیتے ہوئے کہا کہ ترکی میں ابھی مزید سیاسی اور اقتصادی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ تاہم یورپی کونسل نے 1999ء کے ہیلسنکی اجلاس میں بالآخر ترکی کو رکنیت کا امیدوار تسلیم کرلیا۔ اس پر 2002ء میں یورپی کونسل کے کوپن ہیگن اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ اگر یورپی کمیشن کی سفارش اور رپورٹ نے اس بات کی تصدیق کردی کہ ترکی دسمبر 2004ء کے اجلاس تک کوپن ہیگن اجلاس سے سامنے آنے والے سیاسی پیمانوں پر پورا اترتا ہے تو رکنیت کے بارے میں اس سے مذاکرات بلاتاخیر شروع کردیئے جائیں گے۔ کوپن ہیگن سیاسی پیمانوں پر ترکی کے پورا اترنے سے متعلق یورپی کمیشن کی رپورٹ کی تصدیق کرتے ہوئے دسمبر 2004ء میں ہونے والے اجلاس میں یورپی کونسل نے ترکی کی رکنیت سے متعلق 3 اکتوبر 2005ء کو مذاکرات شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ مذاکرات 3 اکتوبر کو شروع ہوئے۔ 12 دسمبر 2005ء کو ترکی کو یورپی یونین کا رکن بنانے کا فیصلہ ہوا اور 23 دسمبر کو یہ فیصلہ نافذ کردیا گیا۔ یورپی یونین میں ترکی کی شمولیت سے متعلق یورپی کونسل میں پیش کرنے کے لئے یورپی کمیشن ہر سال ایک تحریری رپورٹ پیش کرے گا۔ کمیشن کی 2005ء رپورٹ کے مطابق ترکی کافی حد تک کوپن ہیگن پیمانوں پر پورا اتر رہا ہے۔

تنزانیہ

وسطی مشرقی افریقہ میں واقع اس ملک کے شمال میں کینیا اور یوگنڈا واقع ہیں۔ مغرب میں روانڈا، برونڈی اور کانگو واقع ہیں اور جنوب میں زیمبیا، ملاوی اور موزمبیق شامل ہیں۔ مشرق میں بحر ہند واقع ہے۔ 700 ق م میں تنزانیہ کے ساتھ ہندوستان اور عرب ممالک کی ساحلی تجارت زوروں پر تھی۔ پہلی صدی عیسوی میں یونانی تاجروں نے بھی اس کے ساتھ تجارت کی۔ 1498ء میں واسکوڈے گاما کے یہاں سے ہوکر جانے کے بعد پرتگالیوں نے عربوں کو اس ملک سے نکال باہر کیا اور خود قابض ہوگئے لیکن تعداد کی کمی کے باعث وہ سلطنت کا انتظام چلانے میں ناکام رہے۔ چنانچہ جلد

عربوں کی حکومت دوبارہ بحال ہوگئی۔ 1856ء میں سید سعید حاکم تنزانیہ کی وفات کے بعد تنزانیہ کو تقسیم کردیا گیا اور زنجبار ایک علیحدہ سلطنت کے روپ میں معرضِ وجود میں آ گیا۔ تقسیم کے بعد تنزانیہ میں جرمنوں کا اثر ونفوذ اس قدر تیزی سے بڑھا کہ 1884ء میں جرمنی کے سفیر ڈاکٹر کارل پیٹرز نے یہاں کے سرداروں سے تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے معاہدہ کرلئے۔ جرمنوں کا اثر ونفوذ بڑھتا گیا یہاں تک کہ 1885ء میں تنزانیہ میں حاصل کردہ علاقے کو جرمنوں کا محروسہ (زیر تحفظ) علاقہ قرار دے دیا گیا۔ 1890ء میں سلطان نے زنجبار کا علاقہ برطانیہ کے حوالے کردیا۔ جنگ عظیم اول کے دوران برطانیہ اور بلجیم کی افواج نے جرمنوں کو اس علاقے سے نکال دیا۔ 1919ء میں ورسائی کا معاہدہ عمل میں آیا جس کی رو سے ٹانگانیکا برطانیہ تحفظ یافتہ علاقہ قرار دے دیا گیا۔ 1926ء میں ٹانگانیکا میں پہلی قانون ساز کونسل قائم کی گئی اور 1946ء میں اس علاقے کو اقوامِ متحدہ کی تولیت میں دے دیا گیا۔ 1954ء میں جولیس نائریرجو ٹانگانیکا کے ان محض دو باسیوں میں سے ایک تھے جنہیں یونیورسٹی کی سطح تک تعلیم پانے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، نے ایک سیاسی جماعت ٹانگانیکا افریقن نیشنل یونین کے نام سے بنائی۔ مئی 1961ء کو دولت مشترکہ میں رہتے ہوئے داخلی خودمختاری مل گئی۔ اور نائریرے نئے آئین کے تحت وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوگئے۔ 9 دسمبر 1961ء کے روز ایک جمہوریہ آئین نافذ کیا گیا جس کے بعد نائریرکو صدر بنا دیا گیا۔ زنجبار نے 19 دسمبر 1963ء برطانیہ سے آزادی حاصل ہوگئی اور یہ سلطان کے تحت ایک آئینی بادشاہت کی حیثیت اختیار کرگیا۔ 12 جنوری 1964ء کے روز افریقی اکثریت نے سلطان کے خلاف بغاوت کردی اور عبید کروم کی سربراہی میں ایک نئی حکومت تشکیل دی گئی۔ انقلابی کونسل کی چیئرمینی بھی عبید کے حصے میں آئی۔ اس دور میں ہزاروں عربوں اور ہندوستانیوں کو قتل کردیا، مزید ہزاروں کو گرفتار کرلیا گیا یا ملک سے نکال دیا گیا اور جائیدادوں کو ضبط یا تباہ کردیا گیا۔ اسی دوران ٹانگانیکا کی فوج نے بھی بغاوت کردی اور جولیس نائریرے نے برطانیہ سے مدد کی درخواست کی۔ انگلستان نے اپنے کمانڈو ٹانگانیکا میں داخل کردیئے جنہوں نے ٹانگانیکا کی فوج کو غیر مسلح کردیا۔ بعدازاں ملک کا نظم ونسق کینیڈا کی فوج کے حوالے کردیا گیا۔ 26 اپریل 1964ء کے روز ٹانگانیکا نے زنجبار کے ساتھ اتحاد کرکے ''متحدہ جمہوریہ ٹانگانیکا وزنجبار'' تشکیل دی۔ 29 اکتوبر کے روز اس ملک کو ''متحدہ جمہوریہ تنزانیہ'' کا نام دیا گیا۔ اس اتحاد کے تحت داخلی طور پر زنجبار کی حکومت کو خاصی حد تک خودمختاری حاصل ہے۔ دونوں ملکوں میں ایک واحد حکمران جماعت تشکیل دینے کے لئے نائریرے نے اپنی جماعت کو زنجبار کی حکمران جماعت میں مدغم کردیا اور 5 فروری 1977ء کے روز ایک نئی جماعت تشکیل دی۔ نائریرے نے افریقی سوشلزم متعارف کرایا جس میں انصاف اور مساوات کے اصولوں پر زور دیا گیا۔ 1979ء میں یوگنڈا کی طرف سے تنزانیہ کے شمالی صوبے کاگیرا کو قبضے میں لینے کی کوشش کے بعد تنزانیہ نے یوگنڈا کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔ تنزانیہ نے نہ صرف یوگنڈا کی فوجوں کو مار بھگایا بلکہ یوگنڈا سے بھاگ کر تنزانیہ آنے والے یوگنڈا کے باشندوں کو فوج میں شامل کرکے یوگنڈا پر حملہ کردیا۔ 11 اپریل 1979ء کے روز یوگنڈا کے صدر عیدی امین اپنے دارالحکومت کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئے اور تنزانیہ کی فوج دارالحکومت پر قابض ہوگئی۔ امین کو جلاوطنی اختیار کرنا پڑی۔ نائریرے نے اقتدار 1985ء میں علی حسن موی نئی کے حوالے کردیا تاہم حکمران جماعت کا کنٹرول 1990ء تک اپنے ہاتھ میں رکھا اور بعدازاں اسے بھی موی نئی کے حوالے کردیا۔ اکتوبر 1995ء میں یک جماعتی حکومتی نظام کا خاتمہ ہوگیا۔ تنزانیہ میں پہلی مرتبہ کثیر جماعتی انتخابات ہوئے، تاہم حکمران جماعت سی سی ایم آسانی سے جیت گئی اور اس کے امیدوار بنجامن ولیم مکاپا کو نئے صدر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ 2000ء کے اواخر میں انتخابات میں شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں

Marfat.com

جن کا نتیجہ جنوری 2001ء میں زنجبار میں قتلِ عام کی صورت میں نکلا جب حکومت نے احتجاجی مظاہرین کے ہجوموں پر فائرنگ کر دی اور 35 افراد ہلاک اور 600 سے زائد زخمی ہو گئے۔ دسمبر 2005ء جاکایا مرشو کویت کو نئے صدر کی حیثیت سے پانچ سال کے لئے منتخب کیا۔

تیونس

تیونس براعظم شمالی افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں بحیرہ روم، جنوب میں لیبیا اور مغرب میں الجزائر واقع ہیں۔ مشرق مغرب اٹلس پہاڑ اسے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان پہاڑوں کا شمالی حصہ زرخیز ہے۔ تاریخی حقائق کے مطابق تیونس کی ابتداء بربر قبائل سے ہوئی۔ تقریباً 10 صدی قبل مسیح میں تیونس کی بندرگاہ کی دریافت و آغاز کا سہرا فونیقی باشندوں کو جاتا ہے جبکہ صور کے باشندوں نے تقریباً 9 صدی قبل مسیح شہر قرطاج کی بنیاد رکھی جو کہ آج کے جدید دور میں لبنان کہلاتا ہے۔ کچھ مورخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ ملکہ ایلیزا نے تقریباً 814 قبل مسیح اس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ یونانی شہر سسلی سے جنگوں کے ایک طویل سلسلے کے بعد تقریباً 5 صدی قبل مسیح قرطاج کو بالآخر فتح حاصل ہوئی اور یوں مغربی بحیرہ روم میں قرطاج کی تہذیب مربوط انداز میں سامنے آئی۔ قرطاج کے لوگ بتوں کے پجاری تھے، ان بتوں میں مشرق وسطیٰ کے اُس کے زمانے کے بت بعل اور تانیت کی بھی پوجا کی جاتی تھی۔ تانیت ایک لمبے ہاتھوں اور لمبے لباس والی دیوی تھی، جو کہ ایک مشہور نشان یا علامت کے طور پر اب بھی قدیم جگہوں پر پائی جاتی ہے۔ گو کہ رومیوں کے حوالے سے نیا شہر قرطاج فونیق یا فونیقی طرز میں بڑھتا چلا گیا تاہم قرطاج کے اطراف میں قائم ہونے والی سلطنت فونیقی بستیوں کے مقابلے میں مغربی بحیرہ روم میں ایک آزاد سیاسی حیثیت کی حامل تھی۔ قرطاجیوں کی جانب سے ہنی بال کی زیرِ قیادت اٹلی پر حملوں کے آغاز میں دوسری فونیقی جنگ کے دوران، جو کہ رومیوں کے خلاف جنگوں کے ایک سلسلہ اختیار کر گیا، نے رومی سلطنت کے بڑھتے ہوئے قدموں کو مفلوج کر دیا۔ قرطاج کو روم نے دوسری صدی قبلِ مسیح میں فتح کر لیا، جس کی بدولت اس خطہ کی تہذیب میں ایک اہم موڑ آیا اور بحیرہ روم کی تہذیب و تمدن یورپ زدہ ہو گئی۔ رومیوں کی فتح کے بعد یہ علاقہ روم کے لئے اناج کی گودیوں کا مرکز بن گیا اور مکمل طور پر لاطینی اور مسیحی زیرِ اثر ہو گیا۔ تقریباً پانچویں صدی عیسوی میں اس کو وینڈلز نامی جنگجوؤں نے فتح کر لیا تاہم چھٹی صدی میں اس کو بازنطینی حکمران جسٹینین نے فتح کر لیا۔ ساتویں صدیِ عیسوی میں عرب مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدموں نے اس خطے کو بھی فتح کر لیا اور یہاں پر قیروان کی بنیاد رکھی۔ یہاں کی پشت در پشت مسلم حکمرانی میں خلل اُس وقت پڑا جب بربر قبائل کے باغیوں نے بغاوت کی۔ نویں صدی عیسوی میں یہاں پر اغالبہ حکومت کی بنیاد پڑی جو کہ 972ء عیسوی سے زیریوں کے ہاتھ میں آ گئی، اس دور میں فاطمی کے پیروکاروں کو کافی مالی آسودگی حاصل ہوئی۔ جب 1050ء میں زیریوں اور فاطمیوں میں اختلافات ہوئے تو بنو ہلال کو ایک خط بھیجا گیا جس میں تیونس کو غارت گری کا نشانہ بنانے کی دھمکی دی گئی۔ بارہویں صدی عیسوی میں ساحلی علاقوں پر ایک بار پھر سسلی نے قبضہ کر لیا، جس کو مسلم عرب نے دوبارہ فتح کیا، نتیجتاً مسیحی تیونس سے بالکل غائب ہو گئے۔ 1159ء میں تیونس کو موحدین نے فتح کر لیا، 1230ء بنو حفص نے اس خطے پر اپنا جھنڈا لہرایا، جن کے زیرِ اثر 1230ء سے 1574ء تک اس خطے نے خوب ترقی کی۔ سولہویں صدیِ عیسوی میں بنو حفص کے زوال کے باعث ساحلی علاقے قزاقوں کا مضبوط گڑھ بن گئے۔ بنو حفص کے اختتامی سالوں میں اسپین نے کئی ساحلی شہروں کو فتح کر لیا جو کہ خلافت عثمانیہ نے واپس لے لئے۔ ترک گورنر، حکمرانوں کے دورِ حکومت میں تیونس کو غیر معینہ آزادی حاصل ہو گئی۔

اس طرح پشت در پشت چلنے والی حکومت جو کہ 1705ء میں قائم ہوئی تھی، 1957ء میں ختم ہوئی۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں جب بے سیور لے تیونس کا حکمران تھا، کئی ایسے متنازعہ معاشی فیصلے کیے گئے، جس کے نتیجے میں تیونس دیوالیہ ہو گیا۔ ایسے میں جب بے سیور لے نے فرانس سے ایک خطیر رقم بطور قرض حاصل کی تا کہ ملک کو مغرب زدہ یا مغربی ترقی کی راہ پر ڈالا جائے تو اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فرانس نے تیونس پر قبضہ کے لئے منصوبہ بندی شروع کر دی۔ ایک ناکام ریاست کو دیکھتے ہوئے الجزائر نے بھی کئی حملے کیے تا کہ تیونس پر قبضہ کیا جا سکے۔ کمزور بے سیور لے اس موقع پر ان حملوں کے سامنے بے بس ہو گیا اور یورپی ریشہ دوانیوں کے سامنے بھی کوئی مزاحمت نہ کر سکا۔ 1878 میں برطانیہ اور فرانس کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ ہوا، جس میں شمالی افریقہ کے اس ملک کے مستقبل کا تعین کیا گیا۔ مشروط معاہدہ کے تحت اگر فرانس قبرص پر برطانیہ کے قبضے کو تسلیم کر لیتا ہے تو برطانیہ بھی تیونس پر فرانس کا قبضہ تسلیم کر لے گا۔ اس معاہدہ پر دونوں فریق راضی ہو گئے اور اس طرح تیونس 12 مئی 1881 کو تیونس باقاعدہ طور پر فرانس کے زیر اثر آ گیا۔

1942-1943 میں تیونس نازی قوتوں (اٹلی اور جرمنی) کے خلاف اتحادی قوتوں (برطانوی اور امریکی) کے دوسرے جنگِ عظیم کے دوران پہلے مضبوط گڑھ کی صورت میں سامنے آیا۔ برطانوی افواج کا مرکزی دستہ جو کہ الامین کی جنگ اور پھر فتح کے تجربہ سے لیس تھے، فیلڈ مارشل برنارڈ منٹگمری کی زیرِ قیادت جنوب سے تیونس میں داخل ہوئے جبکہ امریکی و دیگر اتحادی افواج نے مغرب سے حملوں کا آغاز کرتے ہوئے الجزائر اور مراکش کے ''آپریشن ٹارچ'' کا آغاز کیا۔ شمالی افریقہ میں نازی افواج کے کمانڈر میں جنرل ایروِن رومل جو کہ 1940ء میں فرانس کی جنگ میں فتح کے بعد بہت پُر اُمید تھے کہ اتحادی افواج کو بھی فرانس کی طرح شکست سے دوچار کریں گے۔ تیونس کی جنگ سے قبل ناتجربہ کار اتحادی افواج، جرمنی کے ابتدائی جنگی حملوں کا سامنا کرنے کے بھی قابل نہ تھیں اور نہ ہی کوئی باہمی جنگی حکمتِ عملی اُن کے پاس تھی۔ اس طرح تیونس کی یہ جنگ اتحادی افواج کے لئے بھی ایک بڑی آزمائش تھی۔ اس لئے اتحادی افواج نے اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ نازی افواج کو شکست دینے کے لئے ضروری ہے کہ تمام تر جنگی حملوں میں مکمل باہمی ربط و ضبط رکھا جائے اور تجربہ کار جرمنی اور اٹلی کی افواج کو ہر محاذ پر بھرپور طاقت کے ساتھ جواب دیا جائے۔ 19 فروری 1943ء کو نازی جنرل رومل نے مغربی تیونس میں واقع درۂ قصرین کے علاقے میں امریکی افواج پر حملہ کیا، جنرل رومل کو امید تھی کہ اس حملے کے نتیجے میں اتحادی افواج کا حوصلہ ٹوٹ جائیگا اور اتحاد پارہ پارہ ہو جائیگا، جس طرح جرمنی نے پولینڈ اور فرانس کو شکست دی تھی۔ اتحادی افواج نے 8 اپریل کو جنگی اتحاد کو بروئے کار لاتے ہوئے صف بندی کی اور 2 مئی، 1943ء کو جرمنی اور اٹلی کی افواج کو شکست سے دوچار کیا۔ اس طرح امریکہ، برطانیہ، آزاد فرانس، پولینڈ (اور دیگر اتحادی افواج) نے ایک بڑی جنگ اتحادی فوج کی صورت جیت لی۔ مغربی ریشہ دوانیوں سے قبل 1881 تک تیونس کے بندرگاہوں کا ایک حصہ ترکی کے زیرِ اثر تھا۔ اُس وقت تک تیونس یورپ سے مالی امداد لے رہا تھا تا کہ تیونس میں مالی استحکام و جدید طرزِ زندگی لایا جا سکے۔ تاہم جب تیونس کی عوام کے لئے قرضوں کے بڑھتے ہوئے حجم کے باعث محصولات کا بوجھ ناقابلِ برداشت ہو گیا تو ملک دیوالیہ ہو گیا اور یہی وہ وقت تھا کہ فرانس، برطانیہ اور اٹلی نے ایک بین الاقوامی معاہدے کے ذریعے تیونس کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ابتدائی مراحل میں سرمایہ کاری، تہذیب و شہریت اور جغرافیائی حدود بندی جیسے محرکات کی بناء پر اٹلی نے تیونس پر تسلط کی خواہش کا اظہار کیا۔ تاہم برطانیہ اور فرانس کے باہمی اشتراک نے اٹلی کی اس خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔ 1871ء سے 1878ء تک کی ان کوششوں کا اختتام تب ہوا کہ

Marfat.com

جب برطانیہ کے تعاون سے فرانس نے قبرص پر تبادلۂ اقتدار کرلیا، یعنی فرانس نے ایک معاہدہ کے تحت قبرص پر برطانوی قبضے کو تسلیم کرلیا اور بدلے میں برطانیہ نے تیونس پر فرانس کے تسلط کو تسلیم کرلیا۔ اٹلی کا فرانس میں اثر قائم تھا جو کہ فرانس کے لئے ایک مسئلہ تھا، لہٰذا اس کو روکنے کا فیصلہ کیا گیا۔ تیونس کے الجزائر پر حملے کے تناظر میں فرانس نے تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے چھتیس ہزار فوجیوں کی مدد سے بندرگاہوں پر بھی قبضہ کرلیا اور یوں 1881ء میں "معاہدۂ القصر السید" وجود میں آیا، جس کے تحت تیونس کا نظم و نسق مکمل طور پر فرانس کے ہاتھوں میں آگیا اور تیونس مکمل طور پر فرانس کے زیرِ اثر آگیا۔ تیونس پر فرانس کے تسلط سے جہاں تیونس کی آزادی سلب ہوئی، وہیں تیونس کو چند فوائد بھی حاصل ہوئے تاہم تیونس کی عوام میں خودمختاری کی خواہش باقی رہی۔ 1910ء میں علی بچ حمبہ اور بشیر اصفر نے تیونس کے نوجوانوں کو متحد کرنا شروع کیا، اور 1920ء میں جماعتِ دستور (آئین) بنا ڈالی۔ آزادی کی اس نئی تحریک کو دبانے کے لئے فرانس "جزا اور سزا" کی حکمتِ عملی اپنانے پر مجبور ہوگیا، یعنی جو لوگ فرانس کے وفادار ہوتے، اُن کو نوازا جاتا اور جو فرانس کے مفاد کے خلاف کام کرتے، اُن کے لئے سزائیں۔ اس حکمتِ عملی نے وقتی طور پر کام بھی کیا لیکن آزادی کی اس تحریک کو دبا نہ سکی۔ 1934ء میں حبیب بورقیبہ، ڈاکٹر محمود ماتیر، طہر اصفر اور باحری جیجہ، جیسے لوگوں کی ولولہ انگیز قیادت میں "نئی جماعت دستور" سامنے آئی۔ حبیب بورقیبہ نے زندگی کا بڑا حصہ فرانسیسی جیلوں میں گزارا، تاہم اس سے اُن کی شخصیت کے تاثر یا تحریک پر زیادہ فرق نہیں پڑا۔ دوسری جنگِ عظیم میں نازی افواج نے ان کی مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر تیونس میں جگہ بنانے کی کوشش کی مگر بورقیبہ نے ان کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کردیا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد دس سال تک آزادی کی یہ تحریک جاری رہی اور بورقیبہ کی حمایت بڑھتی ہی رہی۔ 1952ء سے 1954ء کے دوران حبیب بورقیبہ کو ایک بار پھر قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا نتیجتاً آزادی کے حمایتیوں کی جانب سے گوریلا حملوں کا آغاز کردیا گیا۔ 1954ء میں حالات نے تیزی سے کروٹ لی جب پیری مینڈس نے فرانس کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور نئی حکومتی پالیسی کا اعلان کیا، جس کے تحت تمام ایسی فرانسیسی نوآبادیوں سے پیچھا چھڑانے کا فیصلہ کیا گیا جو کہ فرانس کی معیشت کے لئے بوجھ بن گئیں تھیں، تیونس اس میں شامل تھا۔ نتیجے کے طور پر اپریل 1955 میں معاہدہ عمل میں آیا، جس کے تحت تیونس کو اندرونی خودمختاری دی گئی جبکہ بیرونی و بین الاقوامی تعلقاتِ عامہ کا نظم و نسق فرانس کے پاس ہی رہا۔ کچھ اسی طرح کی انتظامی تبدیلیاں ترکی کی بندرگاہوں کے ساتھ بھی کی گئیں جو کہ 1881ء کے معاہدہ کے زیرِ اثر تھیں۔ نئی دستور جماعت اب قابو میں تھی تاہم حبیب بورقیبہ نے اس وقت تک کسی بھی قسم کی انتظامی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کردیا کہ جب تک تیونس کو مکمل خودمختاری نہ دی جائے۔ اُن کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا کیونکہ الجزائر کی جنگِ آزادی نے فرانس کی بستیاں بنانے کی خواہش کو بدل ڈالا اور یوں "معاہدۂ القصر السید" ختم ہوگیا اور 20 مارچ 1956ء کو تیونس کو مکمل خودمختاری مل گئی۔ حبیب بورقیبہ وزیرِ اعظم بنے اور پھر 1957ء میں جمہوریہ تیونس کے پہلے صدر بن گئے۔ 1959ء میں ملک کو نیا دستور ملا۔ 8 نومبر کو قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ اب ملک چودہ ولایتوں میں منقسم ہے اور ہر ولایت کا حاکم والی کہلاتا ہے۔ اس کے معاون کو معتمد کا نام دیا جاتا ہے۔ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں شرکت کرنے سے تیونس نے انکار کردیا کیونکہ ایسا کرنے سے امریکہ کے ساتھ تعلقات خراب ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ اس دور میں کھڑی ہونے والی اسلام پسند تحریک کو "بنیاد پرست" قرار دے کر دبانے کی کوشش کی گئی۔ حبیب بورقیبہ نے 1987ء تک حکومت اور اس کے بعد بوجہ علالت سبکدوش ہوگئے۔ ان کی جگہ زین العابدین بن علی کو صدر منتخب کیا گیا۔ اس سے پہلے ملک کی معاشی حالت بگاڑ کی

طرف مائل تھی۔ آئی ایم ایف کی لگائی ہوئی شرائط حکومت کو بنیادی ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں اضافہ کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ عوام میں بے چینی بڑھ رہی تھی اور اسلام پسندوں کی سرگرمیوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان حالات میں زین العابدین بن علی نے اقتدار سنبھالا۔ 1988ء میں بن علی نے ملک کے اسلامی تشخص کو دوبارہ اجاگر کیا۔ کئی اسلامی کارکنوں کو جیل سے رہا کر دیا اور اسلام پسند جماعت حرکت الاتجاہ الاسلامی کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ اس کے نتیجے میں 1989ء کے انتخابات میں اسلام پسند عناصر کو پہلے سے کچھ زیادہ پذیرائی حاصل ہوگئی۔ تاہم بعدازاں اسلامی جماعتوں کی طرف سے حکومت پر دھاندلی سے کام لینے اور بدعنوانی کے الزامات لگائے گئے اور جواب میں بن علی نے ایک بار پھر اسلام پسند جماعتوں پر پابندی لگادی۔ 2004ء میں بن علی کو ایک بار پھر پانچ سال کی مدت کے لئے صدر منتخب کیا گیا اور تاحال ملک کی صدارت کا بوجھ انہی کے کاندھوں پر ہے۔

ٹوگو

ٹوگو مغربی افریقہ کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔ اس کے مغرب میں گھانا، شمال میں برکینافاسو اور مشرق میں بینن واقع ہیں۔ خلیج گنی کی 32 میل لمبی ساحلی پٹی نشیب میں ہے۔ ٹوگو کے باشندوں کے آباؤ اجداد چودھویں صدی میں دریائے نائیجر کی وادی سے نقل مکانی کر کے اس علاقے میں آباد ہوئے تھے۔ سولھویں صدی میں برازیل کے سیاح اور تاجر یہاں آئے اور انہوں نے رہائشی بستیاں قائم کیں۔ آئندہ دو صدیوں کے دوران میں یورپ کے سوداگر یہاں غلاموں کی تلاش میں آتے رہے اور غلاموں کے جہاز کے جہاز بھر کر یورپ لے جاتے رہے۔ انہوں نے اس علاقے کا نام ہی ''غلاموں کا ساحل'' (Slave Coast) رکھ چھوڑا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ علاقہ 1884ء میں جرمنی کے زیر اثر آ گیا۔ 1914ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑنے کے بعد ٹوگولینڈ کے مشرقی حصے پر فرانس اور مغربی حصے پر برطانیہ نے قبضہ کر لیا اور 1922ء میں لیگ آف نیشنز نے فرانس اور برطانیہ کے مقبوضات کو قانونی حیثیت دے دی۔ دونوں حصوں پر برطانیہ اور فرانس کا قبضہ 1956ء تک برقرار رہا۔ اس سنہ میں برطانوی ٹوگولینڈ نے گولڈ کوسٹ کے ساتھ ادغام کرنے کے حق میں ووٹ دیا۔ فرانسیسی ٹوگولینڈ نے فرانس کا حصہ رہتے ہوئے خود مختار جمہوریہ کی حیثیت حاصل کر لی تاہم اقوامِ متحدہ کی طرف سے اس منصوبے کو مسترد کر دیا گیا۔ 1958ء میں اقوامِ متحدہ کے زیر اہتمام انتخابات ہوئے۔ اسمبلی میں یونین پارٹی واضح اکثریت سے برسر اقتدار آ گئی اور اس کے لیڈر اولمپیو کو وزارتِ عظمیٰ کا منصب مل گیا۔ 1960ء میں ٹوگو کو جمہوریہ قرار دے دیا گیا۔ 13 جنوری 1963ء کو یہاں پہلا فوجی انقلاب برپا ہوا جس میں وزیراعظم اولمپیو کی حکومت کا تختہ الٹ کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ نئی حکومت کی صدارت نکولس گرنٹز کے حصے میں آئی۔ 1967ء میں آرمی چیف آف سٹاف کرنل ایاڈیما نے اس حکومت کا تختہ الٹ دیا اور تب سے لے کر اپنی وفات تک وہ صدارت کے عہدے پر فائز رہے۔ برسر اقتدار آنے کے بعد انہوں نے آئین منسوخ کر دیا، سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی۔ ایاڈیما کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش مسلسل کی جاتی رہی لیکن ہر کوشش ناکام رہی اور سازشیوں کو سخت سزاؤں کا نشانہ بننا پڑا۔ 1979ء میں ایسی ہی ایک ناکام بغاوت کے نتیجے میں 13 سازشیوں کو موت کی سزا سنائی گئی۔ موت کی سزا پانے والوں میں سابق صدر اولمپیو کے دو بیٹے بھی شامل تھے جو جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اسی سال نیا آئین بنایا گیا اور نئے انتخابات ہوئے جن میں صدر ایاڈیما کو مزید سات سال کے لئے ''منتخب'' کر لیا گیا۔ تب سے لے کر اپنی وفات تک وہ اسی طرح منتخب ہوتے گئے۔ حالیہ دور میں افریقہ کے طویل ترین دورِ حکومت کے حامل حکمران کا

Marfat.com

اعزاز انہی کے پاس ہے۔ 2005ء کے اوائل میں ایاڈیما کا انتقال ہوگیا۔ فوج نے فوراً ان کے بیٹے فارگناسنگ بے کوان کی جگہ بٹھادیا مگر وہ زیادہ عرصہ یہ مقام سنبھالے نہ رکھ سکے۔ بین الاقوامی سطح پر فوج کی اس حرکت کی شدید مذمت کی گئی۔ تاہم فرانس، سینی گال اور نائیجریا نے اس اقدام کی حمایت کی۔ ان کی حمایت نے افریقی یونین میں دراڑ پیدا کر دی۔ فارگناسنگ بے نے استعفیٰ دے دیا اور انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا۔ دو ماہ بعد ہونے والے ان انتخابات میں انہیں ہی کامیابی حاصل ہوئی مگر حزبِ اختلاف نے ان علاقوں کو سراسر دھاندلی پر مبنی قرار دے دیا۔ انسانی حقوق کے حوالے سے خراب ریکارڈ، امن وامان کی خراب صورتِ حال اور انتخابی دھاندلیوں کے الزامات نے ٹوگو کی عالمی سطح پر ساکھ کو بری طرح متاثر کیا ہے اور یورپی یونین کے ساتھ اس کے تعلقات تاحال نارمل نہیں کہے جاسکتے۔

جبوتی

جبوتی براعظم افریقہ کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ اس کے مشرق میں خلیج عدن، جنوب مشرق میں صومالیہ اور جنوب مغرب میں ایتھوپیا واقع ہے۔ تیسری صدی ق م میں عبل (ABEL) نامی قبیلہ سب سے پہلے یہاں آباد ہوا۔ اس کے بعد صومالیہ کے کچھ قبائل یہاں آباد ہوئے۔ 825ء میں اسلام یہاں پہنچا۔ 1900ء میں فرانس نے یہاں قبضہ کر لیا۔ 7 جون 1917ء کو 486 میل ریلوے لائن بنائی گئی جس کے ذریعہ ایتھوپیا کے صدر مقام عدیس ابابا سے رابطہ قائم ہوا۔ 1936ء میں اطالوی فوجوں نے ایتھوپیا پر قبضہ کیا تو اس جگہ کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ 1943ء میں دوسری جنگ عظیم میں اٹلی کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد یہ ملک فرانس کے زیر تسلط آ گیا۔ 1967ء میں یہاں رائے شماری ہوئی جس کے نتیجے میں فرانس کی حکومت کو عوام نے قبول کیا۔ 1977ء میں ریفرنڈم ہوا جس میں 98 فی صد لوگوں نے آزادی کے حق میں ووٹ دیئے۔ چنانچہ فرانس نے 27 جون 1977ء کو افاس اور ایساس کو متحد کر کے جمہوریہ جبوتی کے نام سے اسے تسلیم کر لیا۔ حسن گولڈاپی ڈان پہلے صدر منتخب ہوئے۔ 1981ء میں دوبارہ صدر بنے۔ 1987ء اور 1992ء کے انتخابات میں حکمران جماعت واضح اکثریت سے جیت کر اقتدار میں ہی رہی۔ 4 ستمبر 1992ء کے روز نئے آئین سے متعلق ریفرنڈم کرایا گیا جس میں کثیر جماعتی سیاسی نظام کے متعلق عوامی رائے طلب کی گئی تھی۔ عوام نے اس کے حق میں بھاری اکثریت سے ووٹ دیئے۔ آزادی کے بعد سے صدر چلے آ رہے حسن گولڈ آخر کار 1999ء میں مستعفی ہو گئے۔ ان کی جگہ اسماعیل عمر کو صدر منتخب کیا گیا۔ 2000ء میں حکومت جبوتی اور افار قبائل کے درمیان معاہدۂ امن ہوا اور اس طرح ملک میں جاری خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا۔ 2002ء میں امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف مہم کا آغاز کیا تو جبوتی امریکی افواج کے لئے اہم اڈے کے روپ میں سامنے آیا۔ 8 اپریل 2005ء کے روز منعقد ہونے والے صدارتی انتخابات میں اسماعیل عمر کو چھ سال کی مدت کے لئے دوبارہ منتخب کر لیا گیا۔ حزبِ اختلاف نے ایک مرتبہ پھر ان انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ اس وقت اختیارات صومالی صدر اور افار وزیراعظم کے درمیان منقسم ہیں۔ کابینہ کی اہم نشستیں بھی انہی دو گروہوں کے درمیان بٹی ہوئی ہیں تاہم گورنمنٹ، سول سروسز اور حکومتی جماعت میں صومالی عسی گروہ کو امتیاز حاصل ہے اور چونکہ ملکی سطح پر غیر سرکاری ملازمتیں دستیاب نہیں، اس لئے عوام اس حوالے سے احساسِ محرومی کے شکار نظر آتے ہیں۔ مارچ 2006ء میں جبوتی میں پہلی مرتبہ علاقائی انتخابات کا انعقاد ہوا اور اختیارات کی منصفانہ تقسیم کی پالیسی پر عملدرآمد شروع کیا گیا۔ حزبِ اختلاف نے ان انتخابات میں شرکت کے لئے چند شرائط رکھی تھیں جو حکومت نے منظور نہ کیں لہٰذا انہوں نے ایک بار پھر انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔

جمہوریہ وسطی افریقہ

یہ ملک وسطی افریقہ میں واقع ہے اور چاروں طرف سے خشکی میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے شمال میں چاڈ، مشرق میں سوڈان، جنوب میں ری پبلک آف کانگو اور ڈیموکریٹک ری پبلک آف کانگو اور مغرب میں کیمرون واقع ہیں۔ انیسویں صدی کے اوائل تک وسطی افریقہ کے لوگوں کا بیرونی دنیا سے واسطہ بہت کم پڑا تھا۔ اسلام یہاں آنے والے عرب تاجروں کی بدولت پھیلا۔ عیسائیت اور یہودیت جیسے بڑے مذاہب کا گزر یہاں ممکن نہ ہو سکا اور نئی دنیا کے خیالات کی روشنی بھی ان تک پہنچنے میں ناکام رہی۔ مسلمان تاجروں کی یہاں آمد بھی انیسویں صدی کے اوائل میں ہی ہوئی۔ 1850ء کے لگ بھگ غلاموں کے تاجروں کی نگاہ یہاں پر پڑ گئی اور اگلے پچاس سالوں میں سوڈان، چاڈ، کیمرون، دارالکوتی کے تاجروں نے یہاں کی افرادی قوت کا جی بھر کر استحصال کیا۔ 1880ء میں فرانس نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا اور اگلے 80 سال تک اسے اپنی سلطنت کا حصہ بنائے رکھا۔ 1960ء میں جمہوریہ وسطی افریقہ کو آزادی نصیب ہوئی اور ڈیوڈ ڈیکو پہلے صدر بنے۔ 1966ء میں ڈیکو کے کزن، آرمی چیف ژاں بیدل بوکا سا نے اقتدار پر قبضہ کر کے ایک آمرانہ حکومت قائم کر دی اور علاقے کو ''سلطنت وسطی افریقہ'' کا نام دیا۔ بوکا سا کی حکومت کا تختہ 1979ء میں ڈیکو نے فرانسیسی حکومت کی پشت پناہی کے ساتھ الٹ دیا۔ مگر اسے برسر اقتدار آئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایک اور فوجی بغاوت نے اس کے اقتدار کا قصہ بھی ختم کر دیا۔ یکم ستمبر 1981ء کے روز جنرل آندرے کولنگ با نے اقتدار پر قبضہ کر کے آئین کو معطل کر دیا اور 1985ء تک فوج کی مدد سے حکومت کرتا رہا۔ 1986ء میں اس نے ایک نیا آئین متعارف کرایا جسے ملک گیر ریفرنڈم کے ذریعے منظور کر لیا گیا۔ 1987ء میں پارلیمنٹ کے لئے ''نیم مسابقتی'' انتخابات منعقد ہوئے اور 1988ء میں میونسپل انتخابات کرائے گئے۔ کولنگ با کے بڑے سیاسی حریفوں نے ان انتخابات کا بائیکاٹ کیا کیونکہ ان کی جماعتوں کو حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ 1990ء میں دیوار برلن کے گرنے کے بعد جمہوریت نواز تحریک زور پکڑ گئی۔ مئی 1990ء میں 253 ممتاز شہریوں کے دستخطوں سے مزین ایک خط میں نیشنل کانفرنس کے انعقاد کا مطالبہ کیا گیا لیکن کولنگ با نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کئی سیاسی حریفوں کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا۔ اقوام متحدہ اور کئی دیگر ممالک کی طرف سے دباؤ کے بعد کولنگ با بالآخر اکتوبر 1992ء میں اقوام متحدہ کے دفتر برائے انتخابی امور کی مدد سے آزادانہ انتخابات کرانے پر رضامند ہو گیا۔ انتخابات تو ہو گئے لیکن کولنگ با نے اقتدار پر قبضہ جمائے رکھنے کے لئے بہانہ گھڑا کہ انتخابات میں بے ضابطگیوں کا ارتکاب ہوا ہے، لہٰذا ان کے نتائج کو کالعدم قرار دے دیا جائے۔ اقوام عالم نے اس پر دباؤ ڈالا کہ وہ منصفانہ انتخابات کے انعقاد کے لئے ایک ''انتخابی کمیشن'' تشکیل دے جس میں تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندے شامل ہوں۔ بالآخر 1993ء میں انتخابات منعقد ہوئے۔ اینگ فیلکس پٹاسے کی جماعت کو ان انتخابات میں سادہ اکثریت حاصل ہوئی اور چند دیگر جماعتوں کے ساتھ اتحاد کر کے اس نے ملک میں نئی حکومت قائم کر لی۔ مارچ 1994ء میں سابق صدر کولنگ با کو اس کے فوجی عہدے سے سبکدوش کر دیا گیا اور بعد ازاں کئی سابقہ وزراء سمیت اس پر بھی کئی جرائم کے ارتکاب کی فرد جرم عائد کی گئی۔ صدارتی محافظ دستے کے کئی ارکان کو برطرف کر دیا گیا یا انہیں فوج کا حصہ بنا دیا گیا۔ کولنگ با کی جماعت نے اس پر شور مچایا کہ انہیں اور ان کے نسلی گروہ ''یاکوما'' کو سیاسی انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ 28 دسمبر 1994ء کے روز نیا آئین متعارف کرایا گیا جسے 14 جنوری 1995ء کو منظور کر لیا گیا تاہم سیاسی روز و شب پر نئے آئین سے کوئی خاص اثر مرتب نہ ہوا۔ 1996ء اور 1997ء میں پٹاسے کے خلاف تین بغاوتیں

Marfat.com

ہوئیں اور نسلی بنیادوں پر ملک بھر میں فسادات ہوتے رہے۔ 1998ء کے پارلیمانی انتخابات میں کولنگ با کی جماعت نے 109 میں سے 20 نشستیں جیت کر اپنی سیاسی واپسی کا اعلان کیا تاہم 1999ء کے صدارتی انتخابات میں پتاسے نے ایک بار پھر کامیابی حاصل کر لی۔ مئی 2001ء میں اس کے خلاف ایک اور ناکام بغاوت ہوئی۔ اکتوبر 2002ء میں، جبکہ صدر پتاسے ملک سے باہر تھا، اس کے سابق جنرل بوزیزے نے ایک اور بغاوت کا آغاز کیا اور اس مرتبہ کامیاب رہا۔ فرانسوا بوزیزے نے آئین کو معطل کر کے نئی کابینہ کا تقرر کیا۔ مسٹر کلین کی عرفیت سے مشہور ابیل گوما کو نائب صدر بنا کر بوزیزے نے اپنی حکومت کے لیے ایک مثبت تاثر حاصل کر لیا۔ اس نے اعلان کیا کہ نئے آئین کی منظوری کے بعد وہ اپنے عہدے سے سبکدوش ہو کر از سر نو انتخاب لڑے گا۔ ایسا ہی ہوا اور 27 اکتوبر 2003ء کے روز ہونے والے آزاد انتخابات میں بوزیزے نے کامیابی حاصل کر لی۔ ان انتخابات میں پتاسے کو حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ 2005ء میں ہونے والے انتخابات میں بھی بوزیزے کو کامیابی حاصل ہوئی۔

چاڈ

براعظم شمال وسطی افریقہ میں واقع اس ملک کے شمال میں لیبیا، مشرق میں سوڈان، جنوب میں جمہوریہ وسطی افریقہ اور مغرب میں نائیجیریا اور کیمرون واقع ہیں۔ زیادہ تر حصہ صحرائی ہے۔ چاروں طرف سے چٹنک پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ نشیب کے علاقے میں جھیل چاڈ ہے جو 7000 مربع میل علاقے میں پھیلی ہوئی ہے۔ آج سے 500 سال ق م میں بھی یہاں زندگی کے آثار موجود تھے۔ مسلمان یہاں آٹھویں صدی عیسوی میں آئے۔ یہاں اسی دوران بربر قبائل آ کر آباد ہوئے۔ گیارہویں صدی میں یہ ملک سارے کا سارا مسلمان ہو گیا۔ بورنو اور کانم حکومتوں کے ایک ہونے پر مملکت چاڈ معرض وجود میں آئی۔ 1910ء میں اسے فرانسیسی استوائی فیڈریشن میں شامل کیا گیا۔ 1946ء میں فرانس کی نو آبادیاتی بستی بن گیا۔ چاڈ ایک عظیم الشان اور طویل جدوجہد کے بعد 28 نومبر 1958ء میں آزاد ہوا۔ مکمل آزادی 1960ء میں 11 اگست کے روز ملی۔ اسکے پہلے صدر فرانسو ٹمبلور تھے۔ 1975ء میں ان کی وفات کے بعد جنرل فلیکس میلوم صدر بن گئے۔ 1977ء میں لیبیا نے یہاں فوجی کارروائی کی جس کے نتیجے میں ملک میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ 1980ء میں صدر گوکونی اودی نے مذاکرات کے ذریعہ لیبیا کو اپنی فوجیں واپس بلانے پر رضامند کر لیا۔ 1982ء اکتوبر میں چاڈ کے نئے صدر حسن ہبرے ملک بن گئے۔ امن وامان کے لئے فرانس کے تین ہزار فوجی 1983ء میں آئے۔ 1984ء میں فرانس اور لیبیا نے یہاں سے اپنی فوجیں واپس بلا لینے پر رضامندی کا اظہار کیا مگر 1987ء تک لیبیا کی فوجیں یہاں موجود رہیں جس کے نتیجے میں دونوں ملکوں کے سفارتی تعلقات ختم ہو گئے جو اکتوبر 1988ء میں بحال ہوئے۔ اگست 1989ء میں دونوں ملکوں میں اتفاق رائے ہوا اور متنازعہ علاقے (جس میں یورینیم کی فراوانی ہے) کے اختلافی مسائل ایک سال میں مل بیٹھ کر حل کر لئے گئے۔ 10 دسمبر 1989ء کو عام انتخابات کے نتیجے میں حسن ہبرے مزید سات سال کے لئے صدر منتخب ہو گئے۔ دسمبر 1990ء کو ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور کرنل ادریس دبائی نئے صدر بن گئے۔ 4 مارچ 1991ء کو ژاں ایلنگوے بادیو ملک کے نئے وزیراعظم بنے۔ مئی 1992ء میں جوزف یورومن اور 1993ء میں ڈاکٹر فیڈلموئنگر ملک کے نئے وزیراعظم بنے۔ 1994ء میں نئے آئین کی تشکیل ہوئی اور تمام سیاسی قیدیوں کو رہائی مل گئی۔ 1996ء میں ادریس دبائی نے انتخابات جیت لئے اور 2001ء میں بھی دوبارہ صدر منتخب ہوئے۔ تاہم ان کے خلاف ہر سال بغاوتیں ہوتی رہیں۔ 2000ء میں عالمی بینک کے تعاون سے پائپ لائن تعمیر ہوئی جس کے

Marfat.com

ذریعے چاڈ میں تیل کے کنوؤں کو کیمرون کے کنوؤں سے منسلک کیا گیا۔اس منصوبے کی نگرانی ورلڈ بینک نے اپنے ہاتھ میں رکھی جس پر اسے شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ اکتوبر 1998ء سے لے کر ستمبر 2002ء تک ''تحریک چاڈ برائے انصاف و جمہوریت'' کے باغیوں اور حکومت کے درمیان جنگ چلتی رہی جس میں سینکڑوں شہری، حکومتی سپاہی اور باغی مارے گئے مگر کوئی حتمی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔اس تحریک کا دائرہ کار تبستی کے علاقے تک محدود تھا۔دیگر علاقوں سے اگرچہ مسلح مزاحمت کے آثار ہویدا نہیں ہوئے مگر فسادات وغیرہ ہوتے رہے جنہیں دبانے کے لئے حکومتی افواج کو حرکت میں آنا پڑا۔مئی 2001ء میں دبائی نے صدارتی انتخابات میں کامیابی حاصل کی لیکن حزب اختلاف کی جماعتوں نے ان انتخابات کو ''نقص زدہ'' قرار دیا اور نئی حکومت کے خلاف لوگوں کو سڑکوں پر لانے کی کوشش کی تاہم ان کی کوششیں ناکام رہیں۔

2003ء میں مشرقی چاڈ میں مغربی سوڈان کے خطے دارفور کے پناہ گزینوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔دو لاکھ سے زیادہ پناہ گزین دو باغی گروہوں اور حکومت کی حمایت ملیشیاز کے درمیان ہونے والی جنگ سے بچنے کے لئے چاڈ میں آ گئے۔ صدر ادریس دبائی نے سوڈان کے صدر عمر حسن احمد البشیر پر الزام لگایا کہ وہ دارفور کی جنگ کو چاڈ میں دھکیل کر چاڈ کو عدم استحکام کا شکار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔سرحد پر ہونے والے کئی دیگر واقعات کا نتیجہ چاڈ اور سوڈان کے درمیان جنگ کی صورت میں نکلا۔حکومت چاڈ کے بقول، چاڈ میں اٹھنے والی بغاوتوں کو سوڈان کی حمایت حاصل ہے۔چھوٹی بڑی جھڑپوں کے ایک طویل سلسلے کے بعد 25 نومبر 2006ء کے روز باغیوں نے مشرقی قصبے ابیچے پر قبضہ کرلیا۔اسی روز بلتائن کے قصبے پر بھی باغیوں کا قبضہ ہوگیا۔باغیوں کے ان دونوں گروہوں کو سوڈانی حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اگلے روز چاڈ کی حکومت نے اعلان کیا کہ دونوں قصبوں کا کنٹرول باغیوں سے چھین لیا گیا ہے۔یکم اپریل 2008ء کے روز باغیوں کے ایک گروہ نے چاڈ کے دارالحکومت انجمینہ پر حملہ کردیا اور صدارتی محل کے گرد گھیرا ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔تاہم چاڈ کی افواج لڑ کر باغیوں کو پیچھے ہٹانے میں کامیاب ہوگئیں۔فرانسیسی افواج کی طرف سے ملنے والے اسلحے نے اس کامیابی میں اہم کردار ادا کیا۔

سرینام

سرینام جنوبی امریکہ کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے۔اس کے مغرب میں گیانا، مشرق میں فرانسیسی گیانا اور جنوب میں برازیل ہے۔اس ملک کے قدیم باشندے سری نن انڈین تھے جن کے نام پر اس ملک کا نام رکھا گیا۔سولہویں صدی تک جنوبی امریکا کے دیگر ریڈ انڈین قبائل بھی یہاں آ کر آباد ہوگئے۔بعدازاں برطانوی، ولندیزی اور ہسپانوی باشندے بھی آتے گئے یہاں تک کہ برطانوی یہاں پر قابض ہوگئے۔ 1667ء میں برطانویوں نے نیوایمسٹرڈم (نیویارک) کے بدلے میں اسے ولندیزیوں کے ہاتھ فروخت کردیا۔اس زمانے میں غلاموں کی تجارت عام تھی۔افریقہ سے غلام خرید کر یہاں لائے جاتے تھے جن سے کافی اور گنے کی کاشت کا کام لیا جاتا تھا۔1863ء میں غلامی کے خاتمے کے بعد یہاں کے باشندے ملک کے اندرونی علاقوں میں جا کر بستیاں بنا کر رہنے لگے۔1870ء کے بعد مزدوروں کی برآمد کا کام انگریزوں کے مقبوضہ جزائر مشرق الہند سے لیا جانے لگا تھا۔1948ء میں اس نوآبادی کو مملکت نیدرلینڈ میں شامل کرلیا گیا۔اس وقت اسے ڈچ گیانا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔1954ء میں دفاع اور خارجہ امور کے سوا اسے تمام دوسرے امور میں خودمختاری دے دی گئی۔1973ء میں سرینام کی بڑی جماعت این پی کے کی سربراہی میں قائم مقامی حکومت نے مکمل آزادی حاصل کرنے کے لئے ولندیزی حکومت سے مذاکرات شروع کئے اور 25 نومبر 1975ء کے

Marfat.com

روز ان کا نتیجہ سرینام کی مکمل آزادی کی صورت میں نکلا۔ نیدر لینڈ کی طرف سے ڈیڑھ ارب ڈالر کا ایک امدادی پروگرام فراہم کیا گیا جس کے تحت 1985ء تک سرینام کو امداد ملتی رہی۔ ملک کے پہلے صدر ہونے کا اعزاز جوہان فریئر کو حاصل ہوا اور وزارتِ عظمیٰ دوسری بڑی پارٹی، سرینام نیشنل پارٹی، کے ہینک آرون کے حصے میں آئی۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ آزادی کے وقت آبادی کا تقریباً ایک تہائی حصہ ہجرت کر کے نیدر لینڈ منتقل ہو گیا کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ نیا ملک اپنے بل پر زندہ نہیں رہ پائے گا۔ 1980ء میں ہینک آرون کی حکومت کو ایک فوجی بغاوت نے ختم کر دیا۔ بغاوت کی قیادت سارجنٹ میجر دیسی بطروس کے ہاتھ میں تھی۔ صدر فریئر نے نئی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ایک نئے وزیراعظم کا تقرر کیا۔ پانچ ماہ کے بعد ایک اور بغاوت ہوئی اور موجودہ وزیراعظم چن آ سن کو صدر فریئر کی جگہ بٹھا دیا گیا۔ عوام نے اس حکومت کا استقبال کیا کیونکہ وہ کرپشن کے خاتمے اور اپنے معیارِ زندگی میں بہتری کی توقع لگائے ہوئے تھے۔ نئی حکومت نے تمام مخالف جماعتوں پر آتے ہی پابندی لگا دی اور روز بروز اس کے طرزِ عمل میں آمریت کا عنصر نمایاں ہوتا گیا۔ ولندیزیوں نے ابتداء میں نئی حکومت کو تسلیم کیا تاہم جب فوج نے 8 دسمبر 1982ء کے روز سیاسی حزبِ اختلاف کے پندرہ ارکان کو قتل کر دیا تو نیدر لینڈ اور سرینام کے درمیان تعلقات ختم ہو گئے۔ ولندیزی اور امریکی حکومتوں نے امداد کا سلسلہ بند کر دیا جس کے نتیجے میں بطروس کو امداد کے لئے گریناڈا، نکاراگوا، کیوبا اور لیبیا جیسے ممالک کی طرف دیکھنا پڑا۔ 1985ء میں حزبِ اختلاف کی جماعتوں پر لگائی گئی پابندی اٹھا لی گئی۔ اس کے بعد حکومت کے خلاف گوریلا بغاوت شروع ہو گئی۔ 1990ء میں بطروس مستعفی ہو گئے اور بوش نیگرو گروپ کی گوریلا تنظیم نے مسلح مزاحمت کا آغاز کر دیا۔ 1991ء میں انتخابات ہوئے جس سے فوج کے اقتدار میں کمی واقع ہو گئی۔ 1992ء میں گوریلا گروپوں اور حکومت کے درمیان امن معاہدہ ہوا۔ 1997ء میں نیدر لینڈ نے اعلان کیا کہ سابق فوجی آمر بطروس کے خلاف کوکین کے ناجائز کاروبار اور بدعنوانی کے الزامات کے تحت مقدمہ چلایا جائے گا۔ مئی 1999ء میں صدر جولیس وجدن بوش کے خلاف احتجاجی تحریک کا آغاز ہوا اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے منصب سے مستعفی ہو جائیں۔ صدر جولیس نے اعلان کیا کہ وہ 2001ء تک عام انتخابات کرا کے سبکدوش ہو جائیں گے۔ تاہم 2000ء میں افراطِ زر ستر فیصد تک بڑھ جانے کے باعث عوام میں زبردست احتجاجی لہر پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں جولیس وجدن بوش کو قبل از وقت انتخابات کرانے پڑے۔ ان انتخابات میں سابق صدر رونالڈ وینی لسن کی جماعت کو فتح حاصل ہوئی اور وہ نئے صدر بن گئے۔

سعودی عرب

سعودی عرب براعظم ایشیا میں مشرق وسطیٰ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں اردن، عراق اور کویت واقع ہیں۔ سعودی عرب کے جنوب میں شمالی اور جنوبی یمن مغرب میں بحیرۂ احمر جبکہ مشرق کی سمت خلیج فارس، قطر، متحدہ عرب امارات اور عمان واقع ہیں۔ سعودی عرب کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ اتنی ہی قدیم جتنا خود انسان۔۔۔ دنیائے اسلام کے لئے یہ ملک بہت مقدس ہے۔ اس کی سرزمین بہت مقدس ہے کیونکہ ایک ارب سے زائد مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ یہاں موجود ہے اور یہیں سے اسلام کا نور پھوٹا تھا۔ جس کی روشنی سے چہار دانگ عالم منور ہوئے اور جس ہستی کے ذریعے اسلام ہم تک پہنچا، اس نے یہاں ہی جنم لیا۔ 571ء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور آپ کے جدامجد حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام نے یہاں خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسلام کو پھیلایا اور اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کے دورِ حکومت میں اسلامی سلطنت وسیع سے وسیع تر

وتی گئی۔ 644ء تک مشرق وسطیٰ کا بیشتر علاقہ اسلامی قلمرو میں شامل ہو چکا تھا اور اس کی سرحدیں سپین، شمالی افریقہ اور ندوستان تک پھیل گئی تھیں۔ 1055ء میں سلجوق اور ترکوں نے بغداد کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد ایوبیوں اور مملوکوں نے یہاں حکومت کی۔ 1517ء میں سلطان سلیم اول نے مصر و حجاز پر قبضہ کر لیا اور خادم الحرمین کا لقب اختیار کیا۔ 1741ء ں محمد بن عبدالوہاب نے توحید کا پرچم بلند کیا۔ پھر محمد بن سعود کے فرزند اور جانشین عبداللہ اول نے مصری حکمران محمد علی کو 1815-1ء میں شکست دی۔ 1902ء میں عبدالعزیز بن سعود نے پورے نجد پر قبضہ کر لیا اور 1925ء میں حجاز تک اپنا سلط جما لیا۔ عبدالعزیز نے 1932ء میں اسے متحد کیا۔ 1935ء میں یہاں سے تیل دریافت ہوا۔ 1945ء میں اقوام تحدہ کا ممبر ملک بن گیا۔ 9 فروری 1953 کو شاہ سعود ابن عبدالعزیز یہاں کے بادشاہ بنے جو 2 نومبر 1964ء کے روز ناہ فیصل کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ 1967ء میں سعودی عرب نے عرب اسرائیل جنگ میں مصر، شام اور اردن کی مالی دد کی۔ 1968ء میں ایران کے ساتھ ساحلی پٹی کی نشاندہی کا معاہدہ ہوا۔ رباط میں 1969ء میں اسلامی ممالک کی تنظیم کے قیام کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ 1975ء میں شاہ فیصل کو ان کے بدبخت بھتیجے نے شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے ند شہزادہ خالد بادشاہ بنے۔ 1979ء میں 25 مسلح انتہا پسندوں نے بیت اللہ پر قبضہ کر لیا تاہم جلد ہی ان پر قابو پا لیا گیا۔ 198ء میں عراق کے ساتھ نیوٹرل زون کی تقسیم ہوئی۔ 1987ء میں شاہ خالد انتقال کر گئے۔ ان کی وفات کے بعد ہزادہ فہد بادشاہ بن گئے۔ جولائی 1987ء میں مکہ مکرمہ میں ایرانی عازمین حج کے احتجاج کے نتیجے میں 350 حاجی شہید ئے۔ 1990ء میں عراق نے کویت پر قبضہ کیا تو کویت کو آزاد کرانے میں سعودی عرب نے بڑی مدد کی اور اس سلسلہ ں متحدہ فوجوں نے سعودی عرب کے تعاون سے ہی عراق کے خلاف جنگ لڑی۔ سعودی عرب کے اس اقدام نے کئی سلمانوں کے جذبات برانگیختہ کر دیئے کیونکہ ان کے خیال میں غیر ملکی افواج کو سعودی عرب میں اترنے کی اجازت دینا ں مقدس سرزمین کی بے حرمتی تھی۔ 1991ء کی جنگ خلیج سے پہلے اور اس کے دوران شاہ فہد نے کلیدی کردار ادا کیا۔ عودی عرب نے کویت کے شاہی خاندان کو پناہ دی اور اس کے ساتھ چار لاکھ پناہ گزینوں کو بھی قبول کیا۔ جنگ کے وران عراق نے سعودی عرب پر سکڈ میزائل فائر کیے تاہم کوئی قابل ذکر نقصان پہنچانے میں ناکام رہا۔ نومبر 1995ء ں شاہ فہد پر فالج کا حملہ ہوا۔ اس دوران عسکریت پسند سعودی عرب میں موجود غیر ملکی افواج کے خلاف حرکت میں آ چکے تھے۔ اسی ماہ سعودی عرب میں نیشنل گارڈ بیس پر حملہ ہوا اور سات افراد ہلاک ہو گئے۔ جون 1996ء میں الخوبار میں مریکی فوجیوں پر ٹرک بم سے حملہ کیا گیا جس میں 19 امریکی فوجی ہلاک ہو گئے۔ ان حملوں کے بعد دنیا کو دہشت گردی سے لاحق خطرے کے خدوخال اجاگر ہونا شروع ہو گئے۔ جون 2000ء اور مارچ 2001ء میں ہونے والے معاہدوں کے ذریعے سعودی عرب نے یمن اور قطر کے ساتھ اپنی سرحدوں کا تعین کر کے پرانے تنازعات ختم کر دیئے۔ 11 ستمبر 200ء کے حملوں کے بعد انکشاف ہوا کہ 19 مبینہ ہائی جیکروں میں سے 15 کا تعلق سعودی عرب سے تھا۔ اس نکشاف نے ایک بار پھر سعودی عرب کو دنیا بھر کی توجہ کا مرکز بنا دیا۔ عسکریت پسندوں کے خلاف سعودی عرب کے مؤقف ر سوالات اٹھائے جانے لگے۔ سعودی عرب نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اپنے تعاون کی بھرپور یقین دہانی کرائی تاہم مئی 2003ء میں القاعدہ کی پشت پناہی میں عسکریت پسندوں نے حکومت کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کر یا۔ ان کارروائیوں میں غیر ملکیوں پر حملوں کو خصوصی اہمیت حاصل تھی تاکہ سعودی حکومت کی ساکھ کو نقصان پہنچایا جا سکے۔ گرچہ اب ان کارروائیوں پر خاصی حد تک قابو پا لیا گیا ہے لیکن سعودی عرب میں امریکہ مخالف جذبات میں کوئی کمی واقع

نہیں ہوئی۔ جولائی 2005ء میں شاہ فہد کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ ان کے بھائی شہزادہ عبداللہ تخت نشین ہوئے۔

سوڈان

سوڈان براعظم افریقہ کا سب سے بڑا ملک ہے۔ سوڈان کے شمال میں مصر، مشرق میں بحیرۂ احمر اور ایتھوپیا جنوب میں، کینیا، یوگنڈا اور زائر واقع ہیں۔ اس ملک کے مغرب میں چاڈ اور لیبیا کی حکومتیں واقع ہیں۔ شمال میں دریائے نیل اس کے میدانی علاقوں میں بہتا ہے۔ سوڈان کی سرزمین کو آباد کرنے والے سب سے پہلے مصری تھے۔ چھٹی صدی میں یہاں عیسائی راہب آئے۔ 11 ویں صدی میں بربر قبائل نے اسلام پہنچایا۔ سارے سوڈان میں 1820ء کو اسلام پہنچا۔ 1820ء کے بعد مصر کی حکومت قائم ہوگئی۔ 1898ء میں مصر کی فوج نے مہدوی تحریک کا اعلان کر کے خاتمہ کیا۔ 1951ء میں مصری پارلیمنٹ نے برطانیہ کے ساتھ کئے گئے معاہدے کو ختم کرنے کا اعلان کر کے اس کو آزادی کی طرف گامزن کر دیا۔ یکم جنوری 1956ء کو عوام نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ 1958ء میں جنرل عبود حکمران بنے۔ اکتوبر میں مستعفی ہو گئے۔ 1965ء کے انتخابی عمل کے ذریعے یہاں مخلوط حکومت بنی جو سیاسی محاذ آرائی کا شکار ہوگئی۔ 1969ء میں جنرل نمیری نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ 1973ء مین ملک کو نیا آئین ملا۔ 30 جون 1984ء میں فوجی انقلاب کے نتیجے میں جنرل عمر احمد البشیر حکمران بن گئے۔ جنہوں نے اسلامی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی اور ملک میں اسلام کو نافذ کرنے میں اب بھی کوششیں کر رہے ہیں۔ مگر سازشوں کی وجہ سے اور سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے اس ملک کے باشندوں کی حالت یہ ہوگی ہے کہ وہ فاقہ سے مرنا شروع ہو گئے ہیں۔ 1991ء میں سوڈان میں اقوام متحدہ نے عوام کی فاقہ کشی کو دیکھتے ہوئے ان کی خوراک اور طبی سہولتوں کی سپلائی کے لئے ایک بڑے پیکج کا اعلان کیا۔ جس کو خانہ جنگی اور محاذ آرائی نے بند کروا دیا کیونکہ وہاں عدم اعتماد اور جنگل کا قانون نافذ ہے۔ باغی دندناتے پھرتے ہیں۔ 17 مارچ 1994ء کو دوسرے افریقی ملکوں کی مداخلت کی وجہ سے انتہا پسندوں اور حکومت میں مصالحت ہوئی مگر کوئی فائدہ حاصل نہ کیا جاسکا۔ اس خانہ جنگی نے جنوبی سوڈان کے چالیس لاکھ سے زیادہ باشندوں کو بے گھر کر دیا ہے۔ ان میں سے بہت سے ایتھوپیا، کینیا، یوگنڈا، مصر اور دیگر پڑوسی ممالک میں جا پناہ گزین ہوئے ہیں۔ یہ پناہ گزین بڑے پیمانے پر غذائی کمی اور اس سے پیدا ہونے والی گوناگوں بیماریوں کے شکار ہیں۔ چونکہ گذشتہ حکومتوں نے جنوبی سوڈان میں سرمایہ کاری پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی، اس لئے یہاں کے باشندے تعلیم، روزگار اور صحت کی بنیادی سہولیات سے بھی محروم رہے ہیں۔ 2003ء اور 2004ء میں مذاکراتِ امن میں خاطر خواہ پیش رفت دیکھنے میں آئی لیکن جھڑپوں کا سلسلہ رکا نہیں۔ تاہم فریقین کا اس امر پر ضرور اتفاقِ رائے ہو گیا کہ ایک حتمی معاہدۂ امن ہونے کے بعد جنوبی سوڈان کو چھ سال کے لئے داخلی خود مختاری دے دی جائے گی۔ اس مدت کے ختم ہونے کے بعد ریفرنڈم کرایا جائے گا جس میں جنوبی سوڈان کے باشندے آزادی کے حق میں ووٹ دے سکیں گے۔ اس کے علاوہ ان چھ سالوں میں تیل سے حاصل ہونے والی آمدنی کو حکومت اور باغیوں کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے گا۔ تاہم زیادہ تر مشاہدہ نگاروں کا خیال تھا کہ سوڈان کی حکومت اس معاہدے کی پاسداری نہیں کرے گی۔ 2003ء کے اوائل میں مغربی حصے میں واقع دارفور میں ایک نئی بغاوت کا آغاز ہو گیا۔ باغیوں نے مرکزی حکومت پر دارفور کو نظر انداز کرنے کا الزام لگایا تھا۔ دونوں فریقین پر بڑے پیمانے پر ظالمانہ کارروائیوں کا ارتکاب کرنے کا الزام لگایا گیا، تاہم ان کارروائیوں کی زیادہ تر ذمہ داری حکومت کی اتحادی عرب ملیشیا (جنجوید) پر ڈالی گئی۔ باغیوں نے الزام لگایا کہ یہ ملیشیا دارفر میں نسل کشی کی کارروائیوں میں ملوث ہے۔ یہاں ہونے والی لڑائی نے

Marfat.com

لاکھوں لوگوں کو بے گھر کر دیا جن میں سے بیشتر پناہ کی تلاش میں پڑوسی چاڈ کی سرحدوں میں داخل ہو گئے۔ 2004ء میں طائن کے سرحدی قصبے پر قبضہ کرنے کے بعد سوڈانی حکومت نے اپنی فتح کا دعویٰ کیا مگر علاقے میں جاری متشددانہ کارروائیوں میں کوئی کمی دیکھنے میں نہیں آئی۔ 9 جنوری 2005ء کے روز نیروبی میں ایک حتمی معاہدہ امن پر دستخط ہو گئے۔ اس معاہدہ کے مطابق، جنوب کو چھ سال کے داخلی خودمختاری اور اس مدت کے اختتام پر آزادی کے لئے ریفرنڈم کرانے کا حق دے دیا گیا۔ یہ بھی طے پایا کہ اگر ریفرنڈم کا نتیجہ جنوبی سوڈان کی علیحدگی کے حق میں نہ نکلا تو دونوں فریق چھ سال کے بعد اپنی فوجیں ایک دوسرے میں مدغم کر دیں گے۔ تیل کے کنوؤں سے ہونے والی آمدنی جنوب اور شمال میں برابر تقسیم ہوگی۔ سرکاری ملازمتیں مختلف شرح ہائے تناسب سے تقسیم کی جائیں گی مثلاً مرکزی انتظامیہ میں حکومت کو ستر اور باغیوں کو تیس فیصد حصہ ملے گا اور جنوبی حصے میں حکومت کو پچپن اور باغیوں کو پینتالیس فیصد حصہ دیا جائے گا۔ شمال میں اسلامی قانون نافذ رہے گا جبکہ جنوب میں شریعت کے نفاذ کا فیصلہ منتخب اسمبلی کرے گی۔ 23 دسمبر 2005ء کے روز چاڈ اور سوڈان کے درمیان باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ چاڈ کی حکومت کا کہنا تھا کہ سوڈان کی حکومت ان کے باغیوں کی پشت پناہی کر کے ان کے ملک کو عدم استحکام کا شکار کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ چاڈ کی حکومت اپنے باغیوں پر قابو پانے میں کامیاب رہی تاہم دونوں ہمسایہ ممالک کے تعلقات میں پیدا ہونے والی کشیدگی تا حال برقرار ہے۔ جہاں تک سوڈانی حکومت کا سوال ہے تو وہ چاڈ میں ہونے والی کسی بھی شورش انگیزی میں اپنے کسی کردار سے یکسر انکاری ہے۔

سیرالیون

مغربی افریقہ میں واقع سیرالیون کے شمال مشرق میں گنی، جنوب مشرق میں لائبیریا اور مغرب میں بحر اوقیانوس واقع ہے۔ پرتگالی سیاح پیڈرو ڈی چنتا نے 1460ء میں اس ملک کو سیرالیون یعنی ''شیروں کے پہاڑ'' کا نام دیا کیونکہ اس کی پہاڑیوں پر چھائے ہوئے بادلوں کی گرج اسے شیروں کی دھاڑ جیسی معلوم ہوئی۔ 1787ء میں برطانیہ نے یہاں فری ٹاؤن کے نام سے ایک نوآبادی بنائی اور اس نوآبادی کے راستے یہاں سے لوگوں کو غلام بنا بنا کر برطانیہ اور امریکہ بھیجنا شروع کیا۔ 1924ء میں یہاں نیا آئین نافذ کیا گیا اور قبائلی سرداروں پر مشتمل ایک کونسل بنائی گئی مگر اس کونسل میں عوام کو براہ راست کوئی نمائندگی حاصل نہ تھی، اس لئے عوام نے اسے مسترد کر دیا۔ 1943ء میں انہیں بھی اس کونسل میں تھوڑی بہت نمائندگی ملنا شروع ہوگئی۔ 1951ء میں نیا آئین بنایا گیا اور 1958ء میں کونسل کی جگہ ایوانِ نمائندگان کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کو اکثریت حاصل ہوئی اور ڈاکٹر ملٹن مارگئی کو وزیراعظم منتخب کیا گیا۔ سیرالیون 1961ء میں ایک آزاد مملکت بنا اور دولت مشترکہ کی رکنیت حاصل کی۔ 1964ء میں ڈاکٹر ملٹن کا انتقال ہو گیا اور ان کے بھائی کو گورنر جنرل کی طرف سے نئی حکومت بنانے کی دعوت دی گئی۔ 1967ء میں حزب اختلاف آل پیپلز کانگریس کے رہنما سیاکا سٹی وینس انتخابات میں جیت جاتے ہیں۔ ان کی وزارت عظمیٰ کو فوج نے قبول نہ کیا اور پرامن انقلاب کے ذریعے انہیں معزول کر دیا گیا۔ آئین معطل کر دیا گیا اور فوج اور پولیس کے اعلیٰ افسروں پر مشتمل ''نیشنل ریفارمیشن کونسل'' بنائی گئی۔ 1968ء میں فوج اور پولیس کے جونیئر افسروں نے ایک اور انقلاب برپا کیا اور ایوانِ نمائندگان بحال کر کے سیاکا سٹی وینس سے وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالنے کی درخواست کی۔ 1971ء میں ان کے خلاف ایک اور بغاوت ہوئی مگر اسے کچل دیا گیا۔ اسی سال سیرالیون کو جمہوریہ قرار دے دیا گیا۔ 1973ء میں ہونے والے انتخابات میں آل پیپلز کانگریس کو کامیابی حاصل ہوئی۔ 1976ء میں سیاکا کو دوسری مرتبہ صدر منتخب کر لیا گیا۔ 1978ء میں نیا آئین

Marfat.com

متعارف کرایا گیا جس کے تحت عہدۂ صدارت کی معیاد پانچ سال سے بڑھا کر سات سال کر دی گئی۔ آل پیپلز کانگریس کے علاوہ باقی تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ یوں ملک میں یک جماعتی نظام نافذ ہو گیا۔ اگست 1985ء میں ہونے والے انتخابات میں آرمی چیف میجر جنرل موماہ کو بہ حیثیت صدر منتخب کرلیا گیا جو اگلے سات سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ 1992ء میں فوج نے ان کا تختہ الٹ دیا اور کثیر جماعتی سیاسی نظام کو از سر نو نافذ کیا گیا۔ 1996ء کے عام انتخابات میں پیپلز کانگریس کے احمد تیجان کباہ کو فتح حاصل ہوئی اور وہ پہلے منتخب صدرِ مملکت بنے۔ 1997ء میں ان کے خلاف فوجی بغاوت ہوئی اور لیفٹیننٹ کرنل جونی پال کوروما نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ اس پر بین الاقوامی سطح پر شدید ردعمل دیکھنے میں آیا۔ نائیجیریا نے سویلین حکومت کو واپس لانے کے لئے اپنی فوج سیرالیون میں داخل کر دی۔ مارچ 1998ء میں صدر احمد تیجان کباہ واپس سیرالیون آ گئے۔ تاہم باغی فوجیوں نے اپنی کارروائیاں جاری رکھیں۔ جولائی 1999ء میں حکومت اور باغیوں کے درمیان معاہدہ ہو گیا اور دونوں فریقوں نے اقتدار میں مساویانہ شرکت کا اصول تسلیم کرلیا۔ 2002ء میں ہونے والے صدارتی انتخابات میں ایک بار پھر احمد کباہ کو فتح حاصل ہوئی اور وہ ستر فیصد سے زائد ووٹ حاصل کر کے صدر بن گئے۔ مارچ 2003ء میں سیرالیون کی خصوصی عدالت نے خانہ جنگی کے دوران جنگی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں پر فردِ جرم عائد کی۔ زیادہ تر مجرمان حراست میں لے لئے گئے یا روپوشی کے دوران قتل کر دیئے گئے۔ 11 اگست 2007ء کے روز ہونے والے انتخابات میں عوام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سرکاری مشاہدہ نگاروں نے ان انتخابات کو آزاد، منصفانہ اور قابل بھروسہ قرار دیا۔ پیپلز پارٹی کو فتح حاصل ہوئی اور اس کے قائد ارنسٹ بائی کوروما نئے صدر بنے۔

سینی گال

سینی گال براعظم جنوبی افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں ماریطانیہ، مشرق میں مالی، جنوب میں گنی بساؤ اور مغرب میں بحرِ اوقیانوس واقع ہیں۔ سینی گال کے مشہور دریا دریائے سینی گال، گیمبیا اور سلوم ہیں۔ 1040ء میں سینی گال میں اسلام کی روشنی پہنچی اور یہاں کے حکمران ٹوکولیز رنگی قبائلوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر یہاں 15ویں صدی تک مسلمان حکمران رہے۔ 15ویں میں فرانسیسی دریائے سینی گال کے کنارے آباد ہوئے اور انہوں نے کچھ تجارتی سٹیشن قائم کئے۔ 1650ء میں فرانسیسیوں نے دوسری اہم بندرگاہ سینٹ لوئی کے مقام پر اپنی تجارتی بستی قائم کی۔ پھر اس ملک پر قابض ہو گئے۔ بعد میں نپولین بوناپارٹ کی شکست کے بعد یہ ملک برطانیہ کے ہاتھ آ گیا۔ مگر 1815ء میں پھر یہ علاقہ فرانسیسیوں کو واپس کر دیا گیا۔ 1893ء میں آخری مسلم ریاست بھی یہاں سے ختم ہو گئی۔ 1895ء میں یہ تمام علاقہ فرانسیسیوں کے پاس چلا گیا اور یہاں سے وہ افریقہ کا دوسرا مفتوح علاقہ بھی کنٹرول کرتے رہے۔ 1946ء میں یہ فرانسیسی یونین کا علاقہ قرار پایا اور دو ارکان فرانسیسی اسمبلی میں کامیاب بھی ہو گئے۔ 1958ء میں گنی یونین سے نکالے جانے پر سینی گال کو خود مختاری مل گئی۔ 1959ء میں سینی گال اور مالی کو مدغم کر کے وفاق مالی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ 20 اگست 1960ء کو یہ مکمل آزاد اور خود مختار ملک بن گیا۔ لیوڈ رسیڈر سینگور پہلے صدر بنے اور اسی سال سینی گال نے اقوام متحدہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ 1962ء میں صدر کا تختہ الٹنے کی ناکام سازش ہوئی۔ 1968ء میں صدر سینگور کی جماعت نے انتخابات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ڈاکار یونیورسٹی کا ایک طالب علم پولیس کے ہاتھوں مارا گیا اور اس ضمن میں طلبہ نے ہنگامے شروع کر دیئے۔ حکومت نے ان ہنگاموں کو سختی سے کچل دیا۔ 1969ء میں طلبہ نے پھر ہنگامے شروع کر

Marfat.com

ے اور حکومت نے ملک میں ایمرجنسی نافذ کردی۔ 1970ء میں نئے آئین کی منظوری کے لئے ریفرنڈم ہوا۔ پارلیمانی حکومت قائم کیا گیا اور عبدہ دیوف وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ 1976ء میں سینی گال کے دارالحکومت ڈاکار میں "تنظیم تی اتحاد" اور عرب لیگ کی مشترکہ کانفرنس ہوئی جس میں صدر سینگور نے تجویز پیش کی کہ ان دونوں تنظیموں کا ادغام ہونا ہئے اور ایک ایسی مصالحتی یا ثالثی عدالت قائم ہونی چاہئے جس میں افریقی ممالک کے باہمی تنازعات کا تصفیہ ہوا ے۔ صدر سینگور نے 1978ء میں بارہ برس کے بعد ہونے والے کثیر جماعتی انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ 19ء میں جمہوری پارٹی کی قیادت میں حزبِ اختلاف کے ایک ہزار سے زائد ارکان نے ایوانِ صدر کے سامنے جی مظاہرہ کیا۔ سینی گال نے لیبیا سے سفارتی تعلقات منقطع کر لئے۔ 31 دسمبر 1980ء کو صدر سینگور نے سیاست ریٹائرمنٹ لے لی۔ 1981ء کے انتخابات کے نتیجے میں وزیر اعظم عبدہ دیوف صدر بنے۔ 83ء میں وزیر اعظم کا ہ ختم کر دیا گیا۔ 88ء میں عبدہ دیوف پھر جیت گئے۔ 89ء میں سرحد پر واقع چراگاہوں کے مسئلے پر موریطانیہ سے عد ہو گیا۔ دونوں ملکوں نے سفارتی تعلقات ختم کر لئے۔ 1989ء میں یہاں اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے وزرائے ت کا اجلاس ہوا۔ 1993ء کے عام انتخابات میں صدر دیوف پھر جیت گئے۔ حزبِ مخالف نے زبردست دھاندلی کا لگایا۔ حکومت نتائج دکھانے میں تاخیر کرتی رہی۔ آخر تین ہفتوں کے بعد نتائج کا اعلان ہوا۔ جس میں دیوف اکثریت منتخب ہوئے۔ اگلے انتخابات مارچ 2000ء میں ہوئے جن میں دیوف کے معاصر عبدالعلی ودی نے 60 فیصد ووٹ کر جیت لئے اور نئے صدر بن گئے۔ جنوری 2001ء میں نیا آئین منظور ہوا اور تمام سیاسی جماعتوں کو قانونی حیثیت ل ہو گئی۔ 30 دسمبر 2004ء کے روز صدر عبدالعلی نے اعلان کیا کہ وہ کاسامانسے کے علاقے میں سرگرم عسکریت دوں کے ساتھ معاہدۂ امن کریں گے۔ اس طرح مغربی افریقہ میں چلنے والی طویل ترین خانہ جنگی کا خاتمہ ممکن ہو سکتا تھا ز 2006ء کے اواخر تک اس معاہدۂ امن پر دستخط نہ ہو سکے تھے۔

ام

براعظم افریقہ میں واقع اس ملک کے شمال مشرق کی جانب ترکی اور مشرق کی جانب عراق واقع ہے۔ شام بحیرۂ م کے مشرقی سرے پر واقع ہے۔ شام کے جنوب کی طرف اردن اور مغرب میں اسرائیل اور لبنان واقع ہیں۔ شام دنیا ی قدیم ترین تہذیبوں کا مرکز رہا ہے۔ دنیا کے قدیم ترین سامی اقوام اور زبانوں کے آثار شام سے دستیاب ہوئے ں۔ مشرقی شام کے شہر عبیل (انگریزی میں Ebla) سے 1975ء میں ایک عظیم سامی سلطنت کے آثار ملے ہیں جس ں قدیم ترین سامی زبانوں اور تہذیب کا بہترین نوادراتی اثاثہ شامل ہے جس میں 17000 مٹی کی تختیاں ہیں۔ ان پر ں زمانے کی تجارت، ثقافت، زراعت وغیرہ کے بارے میں بیش قیمت معلومات درج ہیں۔ ان کا زمانہ 2500 قبل مسیح ے بھی پہلے کا ہے۔ شام پر یکے بعد دیگرے کنعانیوں، عبرانیوں، آشوریوں اور بابلیوں نے قبضہ کیا اور نت نئی تہذیبوں کو نم دیا جن کو آج ہم دنیا کی قدیم تہذیبوں کے نام سے جانتے ہیں۔ بعد میں رومیوں، بازنطینیوں، یونانیوں، ایرانیوں اور ربوں نے بھی شام پر حکومت کی۔ دمشق جو دنیا کے قدیم ترین آباد شہروں میں سے ایک ہے، 636 عیسوی میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ بعد میں 661 عیسوی سے 750 عیسوی تک یہاں اموی سلطنت قائم رہی جس کی حدود ہسپانیہ سے وسط یشیا تک تھیں۔ 750 عیسوی میں عباسیوں نے امویوں کو سلطنت وخلافت سے بے دخل کر دیا اور سلطنت کا مرکز بغداد ن گیا۔ 1260 عیسوی میں مملوکوں نے اسے دوبارہ دارالخلافہ بنایا مگر امیر تیمور نے 1400 عیسوی میں دمشق اور اس کے

Marfat.com

گردونواح کو تباہ کر دیا اور اس کے تمام نابغہ روزگار لوگوں اور ہنرمندوں کو اپنے ساتھ سمرقند لے گیا۔ اس کے بعد انیسویں صدی کے شروع تک یہ زیادہ تر عرصہ سلطنت عثمانیہ کے تحت رہا۔ جنگ عظیم اول کے بعد 1918ء میں وہاں فرانسیسیوں اور برطانویوں کے ایما پر ایک کٹھ پتلی حکومت قائم ہوئی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کچھ ہی عرصہ بعد شام کا زیادہ تر علاقہ فرانسیسیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ شریف مکہ نے برطانوی سامراج کی ایما پر ترکی خلافت کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے 1918 عیسوی میں دمشق میں ایک قومی حکومت قائم کرنے میں مدد دی جو فیصل بن حسین نے قائم کی جس کے تحت شام کے کچھ علاقے اور لبنان، اردن اور فلسطین کے کچھ علاقے آتے تھے۔ 1919ء میں انتخابات ہوئے اور ایک پارلیمنٹ قائم ہوئی مگر اصل طاقت برطانوی سامراج اور اس کے دوستوں کے پاس رہی۔ 1916ء میں برطانیہ اور فرانس میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا جسے سائیکس پیکوٹ معاہدہ کہتے ہیں جس کے بعد لیگ آف نیشنز کے ذریعے اقتدار فرانس کو سونپ دیا گیا۔ 1920ء میں فرانسیسی افواج نے شام پر مکمل قبضہ کر لیا اور شام کو 1921ء میں چھ ریاستوں میں تقسیم کر دیا جن میں لبنان بھی شامل تھا۔ اس اثناء میں شام میں کئی مزاحمتی تحریکوں نے جنم لیا۔ فرانس نے شام کو کئی دفعہ مصنوعی آزادی کا فریب دیا۔ 1932ء میں شام میں پہلی دفعہ آزادی کا اعلان ہوا مگر پارلیمنٹ فرانس کی مرضی کی تھی اور تمام کابینہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو فرانس کے حواری تھے۔ اسی وجہ سے شام اس وقت ایک آزاد ملک نہ بن سکا۔ آزادی کی تحریکیں چلتی رہیں حتیٰ کہ یہ پارلیمنٹ فرانس نے 1939ء میں دوسری جنگ عظیم کے بہانے ختم کر دی۔ فرانس خود 1940ء میں جرمنی کے قبضہ میں آ گیا مگر شام پھر بھی آزاد نہ ہو سکا اور برطانوی اور فرانسیسی افواج نے 1941ء میں شام کو روند ڈالا۔ اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے فرانس نے کئی پارلیمانیں بنوائیں اور مصنوعی حکومتیں تشکیل دیں۔ ایسی ایک پارلیمنٹ 1943ء میں تشکیل دی گئی جس کے ساتھ 1944ء میں فرانس نے ایک معاہدۂ آزادی کیا۔ مگر 1945ء میں فرانسیسی افواج نے دمشق کے ارد گرد گھیرا ڈال کر زبردست بمباری کی اور پارلیمنٹ کی عمارت تباہ کر دی۔ اس بمباری میں شامی حکومت کے افراد کے علاوہ 2000 سے زیادہ عام لوگ، عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔ اس وقت شام کے صدر شکری القوتلی تھے جن سے برطانوی سفیر نے ملاقات کی اور فرانس کے ساتھ صلح نامے پر دستخط یا کسی محفوظ مقام پر منتقلی کی تجویز دی جو انہوں نے رد کر دی۔ ان کے اس عزم و حوصلے کے باعث ہی فرانس گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوا اور اسے اگلے سال شام خالی کرنا پڑا۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے فرانس اور برطانیہ دونوں کمزور ہو گئے تھے۔ فرانس نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ مزید شام پر اپنا قبضہ نہیں رکھ سکتا تو اس نے شام کو آزادی دینے کا فیصلہ کیا۔ 1946ء میں فرانس نے 1944ء میں کیے جانے والے معاہدہ آزادی کو دوبارہ تسلیم کر لیا اور 15 اپریل 1946ء کو فرانسیسی اور برطانوی افواج شام سے نکل گئیں۔ 17 اپریل 1946ء کو شام نے آزادی کا اعلان کر دیا اور بیسویں صدی کا ایک آزاد ملک بن گیا۔ بعد میں 30 مارچ 1949ء کو برطانیہ، فرانس اور سی آئی اے کی مدد سے ایک فوجی بغاوت ہوئی جس نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور کم و بیش وہی کہانی شروع ہو گئی جو نو آزاد مسلمان ملکوں کی مشترکہ داستان ہے۔ شامی افواج نے 1948ء کی عرب اسرائیل جنگ میں حصہ لیا جس کے بعد برطانیہ، فرانس اور سی آئی اے نے اس کی حکومت کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ اس سازش نے مارچ 1949ء کی فوجی بغاوت کو جنم دیا۔ (1952ء میں ایسی ہی فوجی بغاوت مصر میں بھی ہوئی)۔ جنرل حسنی الزعیم (جنرل زعیم) نے اقتدار سنبھالا۔ جنرل زعیم 25 جولائی 1949ء کو ایک ریفرنڈم کے ذریعے 99 فی صد ووٹ لے کر صدر بن گیا۔ (بعینہٖ یہی کہانی پاکستان اور دوسرے کئی ممالک میں بھی دہرائی گئی ہے)۔ اگست میں ایک اور فوجی بغاوت ہوئی جس کے بعد جنرل زعیم کو قتل کر دیا گیا۔ ایک نئی حکومت بن گئی۔

Marfat.com

...ی حکومت نے عراق کے ساتھ اتحاد کی کوشش کی جسے برطانیہ، فرانس اور سی آئی اے نے سخت ناپسند کیا حالانکہ عراق میں ...ی انہی کی کٹھ پتلی حکومت قائم تھی۔ مگر وہ اسلامی ممالک کے اتحاد کو برداشت نہیں کر سکتے تھے چنانچہ اسی سال دسمبر میں ...ک اور فوجی بغاوت ہوئی اور جنرل ششکالی کی حکومت قائم ہوئی۔ اس حکومت نے 1953ء میں ایک آئین بھی منظور کیا۔ ...امی دباؤ پر 1955ء میں انتخابات ہوئے اور ایک غیر فوجی حکومت قائم ہوگئی جس نے مصر کی حکومت سے تعلقات قائم ...ئے۔ روس کے ساتھ بھی قریبی تعلقات قائم ہوئے۔ 22 فروری 1958ء کو مصر اور شام نے اتحاد کیا اور ایک متحدہ ملک ...ئم ہوگیا جس کا نام متحدہ عرب جمہوریہ تھا۔ یاد رہے کہ مصر میں بھی امریکی اور برطانوی حمایت یافتہ قوتیں ختم کر کے جمال ...الناصر برسر اقتدار آچکے تھے جن کی وجہ سے یہ اتحاد ممکن ہوا۔ مگر 28 ستمبر 1961ء میں سامراجی قوتوں کی ایما پر ایک ...فوجی بغاوت ہوئی جس نے یہ اتحاد ختم کر کے شام کو دوبارہ ایک الگ ملک کی حیثیت دے دی۔ ملک میں روسی حمایت ...تہ لوگوں اور سامراجی حمایت رکھنے والوں کے درمیان رسہ کشی جاری رہی اور 8 مارچ 1963ء کو بعث پارٹی کے لوگوں ...نے اقتدار پر قبضہ کیا۔ بعث پارٹی نے تیل کی صنعت کو قومیالیا اور عیسائی مشنری سکولوں کو بند کر دیا۔ 23 فروری 1966ء کو ...ی پارٹی کے حافظ الاسد نے حکومت پر قبضہ کر کے صدر امین حفیظ کو برطرف کر دیا۔ انہی حافظ الاسد کے بیٹے بشار الاسد ...ج کل شام کے حاکم ہیں۔ 1973 میں شام نے مصر کے ساتھ مل کر اسرائیل کے خلاف جنگ کی اور گولان کی پہاڑیوں کا ...ھ حصہ آزاد کروایا۔ اس موقع پر روس اور امریکہ دونوں ایک ہوگئے اور جنگ بندی میں اہم کردار ادا کیا۔ انہی ممالک نے ...ر اور اسرائیل کی صلح کروائی اور مصر نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا۔ اس میں بنیادی کردار امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے ادا ...جو خود ایک سابق جرمن یہودی تھا۔ مگر شام اس حد تک جانے پر تیار نہ ہوا اور اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا۔ 1976ء میں ...ی افواج لبنانی حکومت کی درخواست پر لبنان میں داخل ہوئیں اور لبنان میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان خانہ ...ی کو روکنے میں اہم کردار ادا کیا۔ 10 جون 2000ء کے روز حافظ الاسد کا انتقال ہوگیا اور ان کے بیٹے بشار الاسد نے ...ارت سنبھال لی۔ انہوں نے سابقہ حکومت کی نسبت شخصی آزادیوں میں بہتری پیدا کی ہے۔ آج کل وہ امریکہ کے ...تھ سرد جنگ میں الجھے ہوئے ہیں۔ 16 جون 2006ء کو انہوں نے ایران کے ساتھ ایک دفاعی معاہدہ بھی کیا ہے جو ...ت اہم ہے اور اس کے ذریعے ہتھیاروں کا تبادلہ بھی ممکن ہے۔

...راوی عرب ری پبلک

...بر اعظم افریقہ کے شمال مغربی حصہ میں واقع ہے۔ اس ملک کے مشرق اور جنوب میں موریطانیہ اور شمال میں ...اکش واقع ہیں۔ مغرب میں بحر اوقیانوس واقع ہے۔ یہاں اسلام دسویں صدی میں آیا۔ 1436ء میں پرتگالی یہاں ...ئے۔ انیسویں صدی میں ہسپانیہ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ 1958ء میں مراکش نے سپین سے مطالبہ کیا کہ وہ یہ علاقہ ...وڑ دے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ اس موقع پر سلامتی کونسل کی وجہ سے جنگ ٹل گئی 14 نومبر 1975ء کو سپین ...نے علاقہ چھوڑنے کا اعلان کیا۔ مراکش اور موریطانیہ کے فوجی دستے اس ملک میں داخل ہو گئے۔ 26 فروری 1976ء کو ...پانیہ نے یہاں سے اپنی فوجیں واپس بلالیں۔ 27 فروری کو صحراوی قوم پرستوں نے صحراوی عرب ڈیموکریٹ ری ...ک کے قیام کا اعلان کیا۔ 7 مارچ 1976ء کو مراکش اور برطانیہ نے الجزائر سے سفارتی تعلقات ختم کر دیئے کیونکہ وہ ...ی اس علاقے کا دعویدار تھا۔ 18 اپریل 1976ء کو مراکش اور برطانیہ کے مابین جنگ چھڑی جو 15 اگست 1979ء کو ختم ...کی۔ شاہ حسین دوم نے اسے اپنا 37 واں صوبہ قرار دے دیا اور انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا۔ صحراوی قوم پرستوں

Marfat.com

اور مراکشی فوج کے درمیان جنگ ہوئی جو اٹھارہ ماہ جاری رہی۔ فروری 1981ء تک 45 ممالک نے اس ملک کو تسلیم
کرلیا۔ 1980ء جولائی میں افریقی اتحاد کی تنظیم کے اجلاس میں 50 ممبروں نے شرکت کی جن میں سے 30 نے اسے
تسلیم کرلیا۔ 1982ء میں یہ افریقی اتحاد کی تنظیم کا رکن ممبر ملک بن گیا۔ 1989ء تک اسے 70 سے زائد ممالک تسلیم
کرچکے تھے۔ 1990ء میں مراکش سے جنگ بندی ہوئی اور مذاکرات کے نتیجے میں یہ طے پایا کہ ریفرنڈم ہو مگر ابھی
اس فارمولے پر عمل نہ ہوسکا۔ حال ہی میں اقوام متحدہ نے بیکر پلان کی منظوری دی ہے جس کے مطابق صحراوی عرب
پبلک کی جگہ ایک عبوری حکومت مغربی صحارا اتھارٹی کے نام سے قائم کی جائے جسے داخلی خودمختاری حاصل ہو اور مراکش
اس کی نگرانی کرے۔ اس کے بعد آزادی کے لئے ریفرنڈم کرایا جائے تاہم مراکش نے اس منصوبے میں بھی شامل ہونے
سے انکار کردیا ہے۔ اپریل 2007ء میں مراکش کی حکومت نے داخلی طور پر خودمختار ایک علاقے کی تشکیل کی تجویز دی
پر اقوام متحدہ میں غور کیا جارہا ہے۔

صومالیہ

یہ ملک براعظم افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں خلیج عدن، مشرق اور جنوب میں بحر ہند واقع ہے۔ مغرب
میں کینیا، ایتھوپیا اور جبوتی واقع ہیں۔ یہاں کے قبائل دو ہزار سال قدیم ہیں۔ یہاں نویں اور چودھویں صدی کے
درمیان ورنج سلطنت قائم تھی۔ پرتگالیوں نے پندرھویں صدی میں ان کی حکومت کا تختہ الٹ کر اس علاقے پر قبضہ
سولہویں صدی میں مسقط اور اومان کے سلطان نے اس کے ساحلی قصبوں پر کنٹرول حاصل کرلیا۔ 18ویں صدی میں
علاقہ اہل زنجبار کو منتقل ہوگیا۔ 1885ء سے 1927ء تک یہ اٹلی کا نوآبادی حصہ رہا۔ 1949ء میں یہ آزاد ہوا
مگر 1960ء تک اٹلی کے زیر اثر رہا۔ 26 جون 1960ء کو برطانوی علاقے صومالی لینڈ اور ایتھوپیا کو ایک علاقہ قرار
کر آزاد اور خودمختار علاقہ قرار دیا گیا۔ 1960ء سے 1967ء تک عدن عبداللہ عثمان صومالیہ کے صدر رہے۔ ان کے
عبدالرشید علی صدر بنے جنہیں 1969ء میں قتل کردیا گیا۔ مختار محمد موسیٰ نے اقتدار سنبھال لیا۔ ان کے بعد سپریم کونسل
اقتدار حاصل کرلیا اور جنرل سید بارے نئے صدر بن گئے۔ انہوں نے پارلیمنٹ کو توڑ دیا اور بہت سی بیرونی کمپنیوں کو
لیا۔ 1976ء میں سوشلسٹ انقلابی پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔ وسط 1977ء میں صومالیہ کے حریت پسندوں نے ا
کے علاقے اوگاڈن پر حملہ کردیا۔ جب روس اور کیوبا نے ایتھوپیا کی مدد کی تو 13 نومبر 1977ء کو صومالیہ نے
اور کیوبا کے ساتھ معاہدۂ دوستی ختم کردیا۔ تاہم 1978ء میں صومالیہ نے اوگاڈن کے علاقہ سے اپنی فوجیں نکال لیں
کے باوجود 1980ء کے عشرے میں لڑائی جاری رہی۔ 30 دسمبر 1979ء کو یہاں عام انتخابات منعقد ہوئے۔ 22
1980ء کو امریکہ اور روس کے مابین معاہدہ طے پایا جس میں طے ہوا کہ امریکہ موغادیشو اور بربرا کی بندرگاہیں
سہولیت کے لئے استعمال کرسکے گا۔ اس کے عوض امریکہ اسے 45 ملین ڈالر کی خطیر رقم مہیا کرے گا تاکہ ایتھوپیا کے
مقابلے میں صومالیہ فوجی لحاظ سے مستحکم ہوسکے۔ 1982ء میں صومالیہ اور ایتھوپیا کے درمیان اوگاڈن کے مسئلے پر
چھڑ گئی۔ جون 1986ء میں قحط سے متاثر افراد کی ایک کثیر تعداد یہاں آگئی۔ 1988ء میں شمال مشرقی حصوں
گوریلوں نے اپنی کاروائیاں تیز کردیں۔ جنوری 1991ء میں سید بارے ملکی خزانہ لے کر فرار ہوگیا۔ اس کے جانے کے
بعد خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ دارالحکومت پر قبضہ کی کوشش میں 47 ہزار افراد مارے گئے۔ جنرل فرح عدید اور علی مہدی
درمیان اقتدار کی جنگ لڑی گئی۔ مجبوراً اقوام متحدہ کو دخل دینا پڑا۔ 1992ء میں صومالیہ کی تاریخ کا بدترین قحط پڑا

Marfat.com

کی طرف سے غذائی امداد فراہم کی گئی لیکن جنرل فرح عدید نے امریکی فوجیوں پر حملے کیے اور انہیں ہلاک کر کے گلیوں میں لاشوں کی نمائش کی۔ صومالیہ میں شدید ترین طوائف الملوکی اور انتشار پھیل گیا۔ متعدد فوجی سرداروں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلیں۔ اسی دوران اقوام متحدہ کی فوج میں شامل پاکستانی فوج کے دستے کے 25 سے زائد جوان شہید ہوگئے۔ ان کے خلاف جنرل فرح عدید نے کارروائی کی تھی۔ اس کے باوجود پاکستانی فوج وہاں فرائض انجام دیتی رہی اور اسی کی حفاظت میں امریکی فوجی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ 24 مارچ 1994ء میں ایک معاہدہ امن نیروبی میں طے پایا جن کے تحت رضا کارانہ طور پر امن کے لئے کوششیں کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس سلسلہ میں جنرل فرح عدید اور عبوری حکومت کے صدر علی مہدی نے بارہ دھڑوں کی جانب سے جنگ بندی کے مسئلہ پر سمجھوتے پر دستخط کیے۔ مگر امن بحال نہ ہوسکا۔ یکم اگست 1996ء کے روز فرح عدید مخالف فریقوں کے ساتھ لڑائی میں گولیاں لگنے سے مارا گیا۔

2000ء میں ملک کے محب وطن سیاسی رہنماؤں نے جبوتی میں پارلیمان کا اجلاس منعقد کیا جس میں قومی حکومت قائم کر دی گئی لیکن اس حکومت کا اقتدار ملک کے صرف 10 فیصد حصے تک محدود تھا۔ یہ قومی حکومت اگست 2003ء تک قائم رہی۔ اگست 2004ء میں ایک نئی پارلیمان تشکیل دی گئی اور ستمبر میں پنٹ لینڈ کے سابق صدر عبداللہ یوسف علی کو نیا صدر مقرر کیا گیا۔ صومالی لینڈ اس نئی حکومت سے الگ رہا۔ صومالیہ میں اس وقت اسلام پسند تحریک زوروں پر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے طول طویل ساحل کے گرد دندناتے قزاقوں نے بھی عالمی برادری کے لئے مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر رکھا ہے۔ صومالیہ پہنچنے والی امداد کا نوے فیصد حصہ بحری جہازوں سے آتا ہے اور ان جہازوں کو فوجی حفاظت میں یہاں تک آنا پڑتا ہے جس سے شپنگ کے اخراجات میں معتدبہ اضافہ ہوگیا ہے۔ صدر عبداللہ یوسف علی دسمبر 2008ء میں مستعفی ہوگئے اور نئے صدر عدنان محمد نور مدوب بنے۔

عراق

یہ براعظیم ایشیا کے شمال میں واقع ہے اور مشرق وسطی کا ایک زرخیز ملک ہے۔ اس کے شمال میں ترکی، مشرق میں ایران، جنوب مشرق میں کویت اور خلیج فارس، جنوب مغرب میں سعودی عرب اور مغرب میں شام اور اردن واقع ہیں۔ اسلام سے قبل لخمی اس علاقے پر حکمران تھے۔ 637ء میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ساسانیوں کو شکست دے کر اس ملک میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس مشہور لڑائی کو جنگ قادسیہ کہا جاتا ہے۔ جنگ نہاوند میں بھی دشمن کو شکست ہوئی اور لشکر اسلام غالب آیا۔ یہ بات 641ء اور 642ء کی ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں نے بصرہ اور کوفہ میں فوجی چھاؤنیاں قائم کرلی تھیں۔ اکتوبر 749ء میں میں اموی حکومت کے بعد عباسی یہاں کے حکمران بنے۔ 1059ء میں سلجوق طغرل بیگ نے بغداد کو فتح کیا۔ بغداد علم وادب کی وجہ سے عالمی شہرت یافتہ شہر ہے۔ ازمنۂ وسطی یہ اپنی انتہائی بلندیوں پر تھا۔ بڑے بڑے علماء، فضلا، سائنس دان، حساب دان، عقل منداور ذہین افراد یہاں موجود تھے اور کتب کی شکل میں دنیا کا سب سے بڑا علمی خزانہ یہاں ملتا تھا۔ 1258ء میں ہلاکو خان کی صورت میں ایک عذاب نازل ہوا جو سب کچھ بہا کرلے گیا۔ 1401ء میں تیمور لنگ نے یہاں قبضہ کرلیا۔ 1917ء میں انگریز یہاں کے حکمران بنے۔ 1918ء میں عراق قوم کو ایک علیحدہ قوم تسلیم کرلیا گیا۔ 23 اگست 1921ء کو تاج وتخت شاہ فیصل کو ملا۔ جون 1922ء میں ملک کا آئین بنا۔ 18 اکتوبر 1922ء کو برطانوی تحویل کو معاہدے کی صورت دی گئی جس کے مطابق برطانیہ عراق کی انتظامیہ، دفاع، خارجہ امور اور مالیات کا ذمہ دار ٹھہرا مگر عوام نے شدید احتجاج کیا جس کے نتیجے میں

Marfat.com

13 اکتوبر 1932ء کو ملک مکمل آزاد ہو گیا۔ شاہ فیصل کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا شہزادہ غازی حکمران بنا۔ 14 اپریل 1939ء کو وہ ٹریفک کے حادثے میں مارا گیا۔ شہزادہ فیصل چار برس کی عمر میں بادشاہ بنے۔ ان کے ماموں امیر عبداللہ کو نگران مقرر کیا گیا۔ 1958ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ 14 جولائی 1958ء کو جنرل عبدالکریم قاسم نے تختہ الٹ دیا۔ شاہ کے ماموں کو قتل کر دیا گیا۔ وزیر اعظم نور السعید بھی مارے گئے۔ فروری 1963ء میں عبدالکریم قاسم ایک اور انقلاب میں مارے گئے۔ عبدالسلام عارف صدر بنے۔ 1966ء میں وہ ایک فضائی حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ ان کی جگہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن عارف صدر بنے۔ جولائی 1968ء میں ان کا بھی تختہ الٹ دیا گیا اور مارشل احمد حسن البکر عراق صدر بن گئے۔ 1969ء میں ایران سے شط العرب کے مسئلے پر عراق کا جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ 1972ء میں روس سے 15 سالہ دوستی کا معاہدہ طے پایا جس کے نتیجے میں اسلحے کی کثیر تعداد اسے ملی۔ 1973ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عراق نے شام کی مدد کی اور اسے اپنی فوجیں بھی دیں۔ 1975ء میں کردوں کی بغاوت کو کچل دیا گیا۔ 1979ء میں حسن البکر مستعفی ہو گئے تو صدام حسین برسر اقتدار آئے۔ ستمبر 1980ء میں ایران عراق جنگ شروع ہوئی جو 8 سال بعد اگست 1988ء میں ختم ہوئی۔ اس جنگ سے دونوں ملک اقتصادی اور فوجی لحاظ سے شدید نقصان سے دوچار ہوئے۔ دس لاکھ افراد اس جنگ میں مارے گئے۔ اگست 1990ء میں صدام حسین نے کویت پر قبضہ کر لیا۔ امریکہ نے اتحادی فوجوں کی مدد سے اسے آزاد کرایا۔ عراق پر زبردست بمباری کی گئی۔ معصوم جانیں ضائع ہوئیں۔ شہری مارے گئے اور صدام حسین اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے۔ انہوں نے اسے اسلام اور کفر کی جنگ میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جو ناکام ہوئی۔ اتحادی افواج نے صرف عراقی افواج کو کویت سے نکال پھینکا بلکہ اقوام متحدہ کی طرف سے عراق پر بے شمار پابندیاں بھی عائد کر دی گئیں۔ صدام حسین کی مہم جوئی کا نتیجہ عراقی عوام کو بھگتنا پڑا۔ لاکھوں بچے بھوک اور بیماری کے ہاتھوں لقمہ اجل بن گئے کیونکہ ادویات کی درآمد کی اجازت نہ تھی۔ بات یہیں پر ختم نہ ہوئی۔ نیوکان لابی کی طرف سے الزام لگایا گیا کہ اقوام متحدہ کی پابندیاں عراق کو وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تیاری سے روکنے کے لئے کافی نہیں۔ اگرچہ اقوام متحدہ کے انسپکٹر بارہا کہہ چکے تھے کہ انہیں عراق میں ایسے ہتھیاروں کی موجودگی کے کوئی شواہد نہیں ملے۔ نائن الیون کے بعد ایسے ہتھیاروں کی موجودگی کا بہانہ بنا کر 2003ء میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ایک بار پھر عراق پر حملہ کر دیا اور صدام حسین کی حکومت ختم کر کے ایک کٹھ پتلی حکومت قائم کر دی۔ اس معاملے کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بعد ازاں امریکہ اور برطانیہ کے سربراہان مملکت نے خود اعتراف کیا کہ انہیں انٹیلی جنس اداروں نے گمراہ کیا تھا اور عراق میں ایسے ہتھیار موجود نہ تھے۔ ان کی اس غلطی کا خمیازہ عراقی عوام آج تک بھگت رہے ہیں۔ عراق میں امریکی قبضے کے خلاف پیدا ہونے والی مزاحمتی لہر نے بعد ازاں فرقہ ورانہ روپ دھار لیا اور مسلک کے نام پر شیعہ سنی ایک دوسرے کا خون بہانے لگے۔ دسمبر 2003ء میں روپوش سابق عراقی صدر صدام حسین کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر جنگی جرائم کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور 30 دسمبر 2006ء کے روز انہیں پھانسی چڑھا دیا گیا۔ آج کل عراق میں ایک برائے نام حکومت قائم ہے جو تیس جنوری 2005ء کے انتخابات کے نتیجے میں قائم ہوئی تھی مگر امریکی قبضہ جاری ہے اور اصل طاقت اسی کے پاس ہے۔ تیل کی عراقی دولت کو برطانیہ اور امریکہ دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ یہ دور ایک خون آلود دور کے طور پر یاد کیا جائے گا کیونکہ ان چند سالوں میں اتنی عراقی عوام قتل ہوئی ہے جو پچھلے پچاس سال میں نہیں ہوئی۔ صدام حسین کی پھانسی کے بعد فرقہ ورانہ فساد میں اور اضافہ ہوا ہے۔ استعماری طاقتیں سنی، شیعہ اور کرد مسلمانوں میں اختلافات کو ہوا دے رہے ہیں۔

ہیں جس کا منطقی نتیجہ عراق کی تقسیم کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ 2009ء میں امریکی افواج کی عراق سے واپسی کا عمل شروع ہوا جس کا عراقی عوام نے پُر جوش خیر مقدم کیا۔ عراق میں کبھی جمہوریت آ پائے گی یا نہیں، یہاں کے عوام کو سکھ کا سانس لینا کب نصیب ہوگا، بہ حیثیت ایک مسلمان ملک عراق کا مستقبل کیا ہوگا؟ یہ اور ان جیسے کئی اہم سوالوں کا جواب ہنوز مستقبل کے دھندلکوں میں پوشیدہ ہے۔

عمان

جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مشرقی ابھار پر یہ ملک واقع ہے۔ اس کے مغرب میں متحدہ عرب امارات، سعودی عرب اور یمن ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی اہل عمان نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یورپ سے عمان کا پہلا رابطہ 1508ء میں ہوا جب پرتگالیوں نے اس کے ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیا جو 1650ء تک برقرار رہا۔ بالآخر یہاں کی عوام نے انہیں اپنے ملک سے نکال دیا۔ ایرانیوں نے سترھویں صدی کے آخر میں اس پر قبضہ کر لیا۔ 1784ء میں ساحل بلوچستان پر واقع بندرگاہ گوادر کو خان قلات نے عمان کے حوالے کر دیا جسے پاکستان نے ستمبر 1958ء میں 804 ملین ڈالر کے عوض خرید لیا۔ 1768ء میں سلطان عمان و مسقط نے اپنی حفاظت کے لیے انگریزوں کو تجارتی مراعات دیں۔ اس کے بعد عمان اور برطانیہ میں کئی معاہدے ہوئے۔ 1891ء میں برطانیہ نے عمان و مسقط کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا جس کی تجدید 1939ء اور پھر بارہ سال بعد 1951ء میں ہوئی۔ 1913ء سے لے کر 1920ء تک اندرونِ عمان کے قبائل کی طرف سے مسقط کے سلطان کے خلاف بغاوتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ سلطان کی حکمرانی صرف دو شہروں مسقط اور مطرہ محدود ہو کر رہ گئی۔ 1920ء میں سلطان نے قبائل کی داخلی خود مختاری کو تسلیم کر لیا اور ان سے عدم جارحیت کا معاہدہ کر لیا۔ 1951ء میں برطانیہ کے ساتھ دوستی، تجارت اور جہاز رانی کے معاہدے کی تجدید ہوئی۔ 1954ء میں قبائل کے امام کا انتقال ہو گیا اور اس کے جانشینوں نے 1920ء کا معاہدہ توڑ دیا جس پر انہیں دارالحکومت سے باہر نکال دیا گیا اور مسقط نے عمان کا انتظام سنبھال لیا۔ 23 جولائی 1960ء کو سلطان سید بن تیمور کو اس کے بیٹے قابوس بن سید نے معزول کر دیا اور اقتدار خود سنبھال لیا۔ انہیں اقتدار کے ابتدائی ایام میں پاپولر فرنٹ برائے آزادی کا سامنا کرنا پڑا لیکن 1973ء میں ایرانی افواج کی مدد سے ان پر قابو پا لیا گیا۔ 1980ء میں عمان امریکہ سمجھوتے کے تحت ایک معاہدہ قرار پایا۔ جس کے تحت امریکہ نے عمان کی سلطنت کو ہتھیار فراہم کیے۔ 18 دسمبر 1989ء کو خلیجی کونسل کے سربراہوں کا اجلاس عمان میں منعقد ہوا۔ 1992ء اکتوبر میں اس کا یمن کے ساتھ سرحدی تنازعہ پر امن طریقے سے ختم ہوا اور معاہدے پر سلطان قابوس نے دستخط کیے۔ 1997ء میں سلطان قابوس نے خواتین کو مجلس شوریٰ کی رکن منتخب ہونے کا حق دیا اور 2003ء میں اکیس برس سے زائد عمر کے ہر فرد کو ووٹ دینے کا حق دے دیا گیا۔

فلسطین

فلسطین دنیا کے قدیم ترین ممالک میں سے ایک ہے۔ یہ اس علاقہ کا نام ہے جو لبنان اور مصر کے درمیان تھا جس کے بیشتر حصے پر اسرائیل کی ریاست قائم کی گئی ہے۔ 1948ء سے پہلے یہ تمام علاقہ فلسطین کہلاتا تھا۔ جو خلافت عثمانیہ میں قائم رہا مگر بعد میں انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اِس پر قبضہ کر لیا۔ 1948ء میں یہاں کے بیشتر علاقے پر اسرائیلی ریاست قائم کی گئی۔ اس کا دارالحکومت بیت المقدس تھا جس پر 1967ء میں اسرائیل نے قبضہ کر لیا۔ بیت المقدس کو

Marfat.com

اسرائیلی یروشلم کہتے ہیں اور یہ شہر یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں تینوں کے نزدیک مقدس ہے۔ جس زمانہ میں لوگ ایک جگہ رہنے کی بجائے تلاش معاش میں چل پھر کر زندگی بسر کیا کرتے تھے، عربستان سے قبیلہ سام کی ایک شاخ جو کنعانی یا فونیقی کہلاتی تھی، 2500 قبل مسیح میں یہاں آ کر آباد ہو گئی۔ پھر آج سے 4000 سال پہلے یعنی لگ بھگ 2000 قبل مسیح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے شہر ار (Ur) سے جو دریائے فرات کے کنارے آباد تھا ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایک بیٹے اسحٰق علیہ السلام کو بیت المقدس میں، جبکہ دوسرے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کیا۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا نام اسرائیل بھی تھا۔ ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یحیٰی علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بہت سے دیگر پیغمبر اسی سرزمین میں پیدا ہوئے یا باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے۔ اسی مناسبت سے یہ خطہ زمین پیغمبروں کی سرزمین کہلایا۔ ان علاقوں میں عبرانی قومیت کے لوگوں کی آمد کا نشان ولادت مسیح سے لگ بھگ 1100 سال قبل میں ملتا ہے۔ حضرت سیموئیل جو اللہ کے نبی تھے، پہلے اسرائیلی بادشاہ تھے۔ انہوں نے کافی عرصہ حکومت کی اور جب وہ بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے اللہ کے حکم سے حضرت طالوت علیہ السلام کو بادشاہ مقرر کیا۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید کے پارہ دوئم میں سورہ بقرہ کی آیات 247 تا 252 میں ملتا ہے۔ حضرت طالوت علیہ السلام نے 1004 قبل مسیح سے 1020 قبل مسیح تک حکمرانی کی۔ اس دوران انہوں نے جنگ کر کے جالوت کو مغلوب کیا اور اس سے تابوت سکینہ واپس لیا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے تبرکات تھے۔ حضرت طالوت علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے۔ انہوں نے پہلے ہیبرون اور پھر بیت المقدس میں اپنا دارالحکومت قائم کیا۔ بیت المقدس دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔ یہ دنیا کا واحد شہر ہے جو یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے یکساں مقدس اور محترم ہے۔ اس شہر کا موجودہ نام "یروشلم" حضرت داؤد علیہ السلام نے رکھا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے 1004 قبل مسیح سے 965 ق م تک 33 سال حکمرانی کی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے 965 ق م میں حکومت سنبھالی جو 926 قبل مسیح تک 39 سال قائم رہی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد اسرائیل کی متحدہ ریاست دو حصوں سامریہ اور یہودیہ میں تقسیم ہو گئی۔ دونوں ریاستیں ایک عرصے تک باہم دست و گریبان رہیں۔ 598 قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے حملہ کر کے یروشلم سمیت تمام علاقوں کو فتح کر لیا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر بادشاہ اور ہزاروں شہریوں کو گرفتار کر کے بابل میں قید کر دیا۔ 539 قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ خسرو نے بابل کو فتح کیا اور قیدیوں کو رہا کر کے لوٹا ہوا مال واپس یروشلم بھیج دیا۔ 332 قبل مسیح میں یروشلم پر سکندر اعظم نے قبضہ کر لیا۔ 168 قبل مسیح میں یہاں ایک یہودی بادشاہت کا قیام عمل میں آیا۔ لیکن اگلی صدی میں روما کی سلطنت نے اسے زیر نگین کر لیا۔ 135 قبل مسیح اور 70 قبل مسیح میں یہودی بغاوتوں کو کچل دیا گیا۔ اس زمانے میں اس خطے کا نام فلسطین پڑ گیا۔ 20 اگست 636ء کو عرب فاتحین نے فلسطین کو فتح کر لیا۔ یہ قبضہ پرامن طریقہ سے عمل میں آیا۔ 463 سال تک یہاں عربی زبان اور اسلام کا دور دورہ رہا تاہم یہودی ایک اقلیت کی حیثیت سے موجود رہے۔ گیارہویں صدی کے بعد یہ علاقہ غیر عرب سلجوق، مملوک اور عثمانی سلطنتوں کا حصہ رہا۔ 1189ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کیا اور یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ چار صدیوں تک عثمانیوں کی حکمرانی کے بعد 1917ء میں برطانیہ نے اس خطے کو اپنی تحویل میں لے لیا

اوراعلان بالفور کے ذریعہ یہودیوں کے لئے ایک قومی ریاست کے قیام کا وعدہ کیا گیا۔ فلسطین کی جانب یہودیوں کی نقل مکانی 17 ویں صدی کے اواخر میں شروع ہوگئی۔ 1930ء تک نازی جرمنی کے یہودیوں پر مظالم کی وجہ سے اس میں بہت اضافہ ہوگیا۔ 1920ء، 1921ء، 1929ء اور 1936ء میں عربوں کی طرف سے یہودیوں کی نقل مکانی اور اس علاقے میں آمد کے خلاف پرتشدد مظاہرے ہوئے لیکن یہ سلسلہ جاری رہا۔ 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعہ فلسطین کو تقسیم کر کے ایک عرب اور ایک اسرائیلی ریاست قائم کرنے کا اعلان کردیا۔ برطانیہ نے اس علاقے سے 1948ء میں اپنی افواج واپس بلالیں اور 14 مئی 1948ء کو اسرائیل کی آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کردیا گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کے ساتھ ہی فلسطینی ریاست بھی قائم کردی جاتی لیکن ایسا نہ ہوا۔ عربوں نے تقسیم کو نامنظور کردیا اور مصر، اردن، شام، لبنان، عراق اور سعودی عرب نے نئی اسرائیلی ریاست پر حملہ کردیا، تاہم وہ اسے ختم کرنے میں ناکام رہے۔ بلکہ اس حملے کی وجہ سے یہودی ریاست کے رقبے میں اور اضافہ ہوگیا۔ 1949ء میں اسرائیل نے عربوں کے ساتھ الگ الگ صلح کے معاہدے کئے۔ اس کے بعد اردن نے غرب اردن کے علاقے پر قبضہ کرلیا جب کہ مصر نے غزہ کی پٹی اپنی تحویل میں لے لی۔ تاہم ان دونوں عرب ممالک نے فلسطینیوں کو داخلی خودمختاری سے محروم رکھا۔ 29 اکتوبر 1958ء کو اسرائیل نے صحرائے سینا پر حملہ کر کے اسے مصر سے چھین لیا۔ اس حملے میں برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں نے اسرائیل کا ساتھ دیا۔ 6 نومبر کو جنگ بندی عمل میں آئی۔ عربوں اور اسرائیل کے درمیان ایک عارضی صلح کا معاہدہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہوا جو 19 مئی 1967ء تک قائم رہا جب مصر کے مطالبے پر اقوام متحدہ کے فوجی دستے واپس بلالئے گئے۔ مصری افواج نے غزہ کی پٹی پر قبضہ کرلیا اور خلیج عقبہ میں اسرائیلی جہازوں کی آمد و رفت پر پابندی لگادی۔ 5 جون 1967ء کو چھ روزہ عرب اسرائیل جنگ شروع ہوگئی۔ اسرائیلیوں نے غزہ کی پٹی کے علاوہ صحرائے سینا پر قبضہ کرلیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مشرقی یروشلم کا علاقہ، شام کی گولان کی پہاڑیاں اور غرب اردن کا علاقہ بھی اپنے قبضہ میں کرلیا۔ 10 جون کو اقوام متحدہ نے جنگ بندی کرادی اور معاہدے پر دستخط ہوگئے۔ 6 اکتوبر 1973ء کو یہودیوں کے مقدس دن "یوم کپور" کے موقعہ پر مصر اور شام نے اسرائیل پر حملہ کردیا۔ اسرائیل نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے شامیوں کو پسپائی پر مجبور کردیا اور نہر سویز عبور کر کے مصر پر حملہ آور ہوگیا۔ 24 اکتوبر 1973ء کو جنگ بندی عمل میں آئی اور اقوام متحدہ کی امن فوج نے چارج سنبھال لیا۔ 18 جنوری 1974ء کو اسرائیل نہر سویز کے مغربی کنارے سے واپس چلا گیا۔ نومبر 1977ء میں مصر کے صدر انور السادات نے اسرائیل کا دورہ کیا اور 26 مارچ 1979ء کو مصر اور اسرائیل نے ایک امن معاہدے پر دستخط کر کے 30 سالہ جنگ کا خاتمہ کردیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں ممالک میں سفارتی تعلقات قائم ہوگئے۔ (تین سال بعد 1982ء میں اسرائیل نے مصر کو صحرائے سینا کا علاقہ واپس کردیا۔) جولائی 1980ء میں اسرائیل نے مشرقی یروشلم سمیت پورے یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیدیا۔ 7 جون 1981ء کو اسرائیلی جیٹ جہازوں نے بغداد کے قریب عراق کا ایک ایٹمی ری ایکٹر تباہ کردیا۔ 6 جون 1982ء کو اسرائیلی فوج نے پی ایل او کی مرکزیت کو تباہ کرنے کے لئے لبنان پر حملہ کردیا۔ مغربی بیروت پر اسرائیل کی تباہ کن بمباری کے بعد پی ایل او نے شہر کو خالی کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ 16 ستمبر 1982ء کو لبنان کے عیسائی شدت پسندوں نے اسرائیل کی مدد سے دو مہاجر کیمپوں میں گھس کر سینکڑوں فلسطینیوں کو ہلاک کردیا۔ اس سفاکانہ کارروائی پر اسرائیل کو دنیا بھر میں شدید مذمت کا نشانہ بننا پڑا۔ 1988ء میں یاسر عرفات نے ریاست فلسطین کی آزادی کا اعلان کیا۔ 1993ء میں پی ایل او اور حکومت اسرائیل کے

Marfat.com

درمیان خفیہ مذاکرات ہوئے جن کے تحت پانچ سال کے اندر اندر مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں فلسطینیوں کو خودمختار حکومت کامل جانا طے پا گیا۔ 13 ستمبر کو یاسر عرفات اور اسرائیل کے وزیر اعظم رابن نے ''اصولوں کی قرارداد'' پر دستخط کیے۔ معاہدے کے تحت 1994ء میں اسرائیل نے غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے سے جیریکو کے علاقے خالی کر دیئے۔ یاسر عرفات کی قیادت میں ''فلسطینی اتھارٹی'' کی حکومت قائم ہوگئی۔ فلسطینیوں کے نکتہ نظر سے حکومت خود اختیاری مکمل آزادی کا نعم البدل نہیں ہے، اس لئے اسرائیل سے امن وسلامتی اور مکمل آزادی کے موضوع پر گاہے گاہے مسائل ہوتے رہتے ہیں۔ مارچ 2004ء میں اسرائیلیوں نے حماس کے رہنما شیخ احمد یاسین کو شہید کر دیا۔ چند ماہ بعد ان کے جانشین عبدالعزیز رینتیسی کو بھی شہید کر دیا گیا۔ اسی سال نومبر میں یاسر عرفات کا انتقال ہو گیا اور پی ایل او کی صدارت محمود عباس نے سنبھالی۔ جنوری 2005ء میں منعقد ہونے والے انتخابات میں بھی انہیں فتح حاصل ہوئی۔

قازقستان

وسط ایشیاء کی سب سے بڑی آزاد مسلم ریاست ہے۔ اس کے مشرق میں عوامی جمہوریہ چین، جنوب میں کرغستان اور ترکمانستان اور شمال مغرب میں بحیرہ کیسپین واقع ہیں۔ یہ ملک بہت قدیم ہے۔ اس کے علاقے خوارزم، سمرقند، بخارا اور خیوا صدیوں اسلامی تہذیب وتمدن کے مرکز رہے ہیں۔ 13ویں صدی عیسوی میں تاتاریوں نے یہاں بہت ظلم وستم ڈھائے، چنگیز خان اور ہلاکو خان کی شکل میں امت اسلامیہ پر ایک عذاب نازل ہوا۔ جس نے سب کچھ ختم کر کے رکھ دیا۔ 1730ء سے 1853ء کے درمیانی عرصہ میں اس علاقے پر روس کا اثر رسوخ رہا۔ اکتوبر 1917ء میں سوشلسٹ انقلاب کے بعد یہ روس کا حصہ بن گیا۔ 5 دسمبر 1936ء کو یونین آف سویت سوشلسٹ ری پبلک کا رکن بنا۔ اکتوبر 1990ء تک یہ فیڈریشن کا حصہ رہا اور پھر آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے ابھرا۔ اکتوبر 1990ء میں یہاں کی اسمبلی نے خود مختاری کا اعلان کیا۔ شدید جدوجہد کے بعد 16 دسمبر 1991ء کو اسے آزاد اور مختار ملک بنا دیا گیا۔ 21 دسمبر تک ساری دنیا نے اسے تسلیم کر لیا۔ جون 1992ء میں ملک میں نیا آئین نافذ ہوا۔ مئی 1992ء کو دو سال میں تمام جوہری ہتھیاروں کے خاتمے کا فیصلہ کیا گیا۔ 26 جنوری 1994ء کو قازقستان کی حکومت نے ملکی ترقی اور خوشحالی کے لئے عالمی بنک سے 255 ملین ڈالر کی امداد حاصل کی۔ اس وقت تک معیشت اور قومی تحفظ کے معاملات میں قازقستان کا سب سے بڑا اسپانسر روس ہی تھا تاہم صدر نذر بائیوف کی خواہش تھی کہ روس کے حلقہ اثر سے نکل کر کثیر القومی دولت مشترکہ بنانے کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نذر بائیوف نے وسط ایشیا کی دیگر ریاستوں، مغربی ممالک اور چین کے ساتھ عمدہ تعلقات کو فروغ دیا۔ بہر حال ابھی تک اسے روس کے دائرے سے پوری طرح نکلنے میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

قطر

یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ نما ہے جو براعظم شمالی افریقہ میں واقع ہے۔ مشرق وسطی کی آزاد ریاست ہے۔ مغرب میں سعودی عرب اور جنوب میں متحدہ عرب امارات ہیں۔ یہ ملک پہلے بحرین کا حصہ تھا۔ پھر 1872ء میں ترکوں نے یہاں قبضہ کر لیا جو 1915ء تک رہا۔ 1916ء میں ترکوں کی عثمانی سلطنت کے خاتمے پر برطانیہ اور قطر میں ایک معاہدہ ہوا جس کے نتیجے میں دفاع اور خارجہ امور کی ذمہ داری برطانیہ کی قرار پائی۔ اس سروس کی بدولت برطانیہ کو یہاں تجارتی

اعات مل گئیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد قطر کے عوام نے برطانیہ سے نجات حاصل کرنے کوشش کی۔ 15 اگست 197ء کو برطانیہ اور قطر کے مابین ایک ماہدہ طے پایا جس کے تحت 1916ء کا معاہدہ منسوخ کر دیا گیا اور برطانیہ سمیت ری دنیا نے قطر کو آزاد اور خود مختار مملکت تسلیم کر لیا۔ 1960ء سے 1972ء تک امیر احمد بن الثانی یہاں حکمران رہے۔ خلیفہ ابن حماد الثانی جوان کے چچازاد بھائی بھی ہیں، نے ان کو معزول کر کے 22 فروری 1972ء کو اقتدار سنبھال لیا۔ وں نے قطر کی ترقی کے لئے بہت کام کیا۔ صنعتوں کو ترقی دی گئی۔ سٹیل پلانٹ اور پیٹرو کیمیکل انڈسٹری ملک میں لگائی ی۔ 1977ء میں تیل کی صنعت کو قومیا لیا گیا۔ 1978ء میں 300 ملین ڈالر کی لاگت سے پیٹرو کیمیکل پلانٹ لگایا گیا۔ ر میں 1984ء میں سب سے پہلے انہی کے دورِ اقتدار میں تیل صاف کرنے کا کارخانہ لگایا گیا۔ 1991ء میں گہرے سندر میں گیس کے بہت بڑے ذخیرے نارتھ فیلڈ سے گیس کی فراہمی شروع ہوئی جس پر 20 فی صد علاقے کا دعویٰ ران نے کیا۔ جولائی 1988ء میں قطر نے، عوامی جمہوریہ چین سے سفارتی تعلقات قائم کئے۔ جون 1992ء میں مریکہ کے ساتھ دفاعی معاہدہ کیا۔ 1992ء میں ہی سعودی عرب کے ساتھ پیدا شدہ سرحدی تنازعہ کو ختم کر کے دوستی کو بارہ شروع کیا گیا۔ 1993ء میں اگرچہ امارت کا منصب خلیفہ ابن حماد کے پاس ہی رہا مگر ان کے ولی عہد اور وزیر دفاع ماد ابن خلیفہ نے امورِ سلطنت کی زیادہ تر ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ آنے والے دو سالوں میں دونوں ایک سرے کی مشاورت سے سلطنت کا انصرام کرتے رہے۔ 27 جون 1995ء کے روز حماد ابن خلیفہ نے ایک پُرامن نقلاب کے ذریعے اپنے والد کو معزول کر دیا اور امارت کا منصب سنبھال لیا گیا۔ 1996ء میں ان کی حکومت کا تختہ الٹنے ی کوشش کی گئی جو ناکام رہی۔ اب دونوں باپ بیٹا میں صلح ہو چکی ہے اور حماد ابن خلیفہ امارت کی ذمہ داریاں بہ حسن وخوبی ہ رہے ہیں۔ اپریل 2003ء میں امیر نے ایک نیا آئین متعارف کرایا جسے جون 2005ء میں منظور کر لیا گیا۔ اس ئین کے ذریعے امیر نے جمہوریت کی طرف پیش قدمی کے عمل کا آغاز کیا۔ اخبارات کو زیادہ آزادی فراہم کی اور رلیمانی انتخابات کے نقیب کے طور پر میونسپل انتخابات کا انعقاد کرایا۔ امیر کئی بار قطر کو ایک جمہوری ریاست بنانے کے زم کا اعادہ کر چکے ہیں۔ حالیہ سالوں میں معاشی، سماجی اور جمہوری اصلاحات روبہ عمل لائی گئی ہیں۔ 2003ء میں ایک ماتون کو وزیر تعلیم بھی مقرر کیا گیا۔

کرغستان

وسط ایشیاء کی اس ریاست کے شمال میں قازقستان، مغرب میں ازبکستان، جنوب مغرب میں تاجکستان اور مشرق میں چین شامل ہیں۔ یہاں کے عوام 13 ویں صدی تک خود مختار تھے۔ 1864ء میں وہ قوقند کی امارات کے ساتھ روس میں شامل ہوئے۔ 1917ء تک روسی انقلاب کے بعد یہ سارا کرغیز کا خود مختار علاقہ تھا۔ 1926ء میں اس کو دوبارہ منظم کیا گیا۔ 1936ء میں سوویت یونین کی ایک جمہوریہ قرار دیا گیا۔ 1991ء کو سوویت یونین کے ختم ہونے پر ایک آزاد اور خود مختار ملک بن گیا۔ 25 دسمبر 1991ء کو آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ کا قیام عمل میں آیا تو کرغستان نے بھی اس میں شمولیت اختیار کی۔ 2 مارچ 1992ء میں اقوام متحدہ کا رکن بنا۔ 30 جنوری 1994ء صدر عسکر اکائیوف 96.7 فی صد ووٹ لے کر مزید پانچ سال کے لئے صدر منتخب ہوئے۔ 1996ء میں ایک ریفرنڈم کے تحت رائے دہندگان نے صدر مملکت کو غیر معمولی آئینی اختیارات دے دیئے۔ اپریل میں روس، چین، قازقستان اور تاجکستان نے عدم جارحیت کا معاہدہ کیا۔ اکتوبر 2000ء میں صدارتی انتخابات ہوئے جو عسکر اکائیوف نے 75 فیصد اکثریت سے جیت لئے تاہم

Marfat.com

حزب اختلاف نے الزام لگایا کہ انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی ہوئی ہے۔ 2001ء میں کرغستان میں امریکہ نے فوجی اڈے قائم کئے تاکہ وہاں سے فوج بھیج کر افغانستان میں طالبان اور القاعدہ پر حملہ کیا جا سکے۔ 2003ء میں ایک متنازعہ ریفرنڈم کے بعد اکائیوف کے اختیارات میں مزید اضافہ ہوگیا۔ جلد ہی پارلیمان نے صدر کو عمر بھر کے لئے عدالت کے سامنے پیش ہونے سے بالاتر قرار دے دیا۔ 2005ء کے پارلیمانی انتخابات کو بھی عالمی اداروں کی طرف سے آزاد اور منصفانہ ہونے کی سند نہ مل سکی۔ کچھ عرصہ بعد عوام کی بے چینی نے ہنگاموں کی شکل اختیار کرلی اور حالات اس حد تک بگڑے کہ صدر اکائیوف کو بھاگ کر ماسکو میں پناہ لینا پڑی تاہم انہوں نے اقتدار چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

کموروز

یہ بحر ہند میں موجود تین چھوٹے چھوٹے جزائر پر مشتمل ہے اور ان کے نام گرینڈ کومورو، آنجوان اور موہیلی ہیں موزچینل میں شمال مشرقی مڈغاسکر اور جنوب مشرقی افریقہ کے مابین واقع ہے۔ اس کے مغرب میں موزمبیق اور مشرق میں مڈغاسکر ہیں۔ جزیرہ میوٹ اس سے کچھ فاصلے پر ہے۔ 1525ء میں پرتگیزی جہاز ران ڈیگو ریبیرو نے اس کو دریافت کیا۔ 1591ء میں برطانوی ملاح جیمز لنکاسٹر اس کے ساحل پر اترا۔ پھر یہاں مسلمان تاجروں کی آمد و رفت سے اسلام پھیلا۔ 1841ء تک یہاں مسلمانوں کی حکمرانی رہی۔ 1841ء سے 1909ء تک یہاں فرانس نے حکومت کی۔ 1974ء میں ریفرنڈم کے ذریعہ یہ ملک آزاد ہوا۔ جولائی 1975ء میں یہاں کے باشندوں نے فرانس سے یک طرفہ آزادی کا اعلان کر دیا۔ صرف میوٹ کے عیسائی باشندوں نے فرانس کا ساتھ دیا۔ صدر علی صالح نے اگست 1976ء میں صدر عبداللہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ 13 مئی 1978ء کو صدر علی صالح کو بھی اقتدار چھوڑنا پڑا۔ 19 مئی 1978ء کو احمد سید عبداللہ صالح نے اقتدار سنبھالا۔ ستمبر 1984ء میں وہ دوبارہ منتخب ہوئے۔ دسمبر 1987ء میں ان کے خلاف بغاوت ہوئی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ 26 نومبر 1989ء کو انہیں قتل کر دیا گیا۔ جناب حریب الیشابی نے عبوری صدر کا عہدہ سنبھالا جو سپریم کورٹ کے جج تھے، بعد میں محمد جوہر نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ 28 ستمبر 1995ء میں کرائے کے فوجیوں کے ایک گروہ نے بوب ڈینارڈ کی قیادت میں کموروز جزائر پر قبضہ کرلیا۔ فرانس نے فوراً اس بغاوت کی مذمت کرتے ہوئے اور صدر ژاک شیراک نے اپنی سپیشل فورسز کو حکم دیا کہ وہ جزیرے پر چڑھ دوڑیں۔ صدر شیراک نے یہ اقدام 1978ء کے ایک دفاعی معاہدے کے تحت کیا تھا۔ 3 اکتوبر کے روز فرانس کے فوجی دستے کموروز پر اترے تاہم ڈینارڈ نے اپنے فوجیوں کو جنگ نہ کرنے کا حکم دے دیا۔ سات گھنٹوں کے اندر اندر فرانس کی فوج تمام اہم مقامات پر قابض ہو چکی تھی۔ ڈینارڈ اور اس کے فوجیوں نے اگلے روز ہتھیار ڈال دیئے۔ اس آپریشن میں کوئی ایک جان بھی ضائع نہیں ہوئی۔ مارچ 1996ء میں صدارتی انتخابات کے بعد محمد تقی عبدالکریم صدر بن گئے۔ تقی عبدالکریم اس شہری حکومت میں بھی شامل تھے جو ڈینارڈ نے قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ 1997ء میں آنجوان اور موہیلی نے کموروز سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ حکومت نے بزور ان جزائر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ افریقی یونین نے فریقین میں صلح کرانے کی کوشش کی اور خاصی حد تک کامیاب بھی رہی۔ مئی 2006ء میں احمد عبداللہ سامبی کو آنجوان کے جزیرے سے کموروز کی یونین کا صدر منتخب کیا گیا۔ احمد عبداللہ ایک اعتدال پسند عالم دین ہیں اور ملکی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

کوت دیوور (آئیوری کوسٹ)

کوت دیوور (عربی نام ساحل العاج) افریقہ کے مغربی ساحل کا ایک ملک ہے جس نے فرانسیسی قبضہ سے آزادی

حاصل کی ہے۔کوت دیوورکا سابقہ نام آئیوری کوسٹ تھا۔اس نام کو1985ء میں تبدیل کر کے اسی کا ہم معنی فرانسیسی نام رکھ دیا گیا۔اس کے معنی ہاتھی دانت کا ساحل (ساحل العاج) کے ہیں۔عربی میں، جو اس علاقے میں کافی لوگ سمجھتے ہیں،اسے ساحل العاج ہی کہا جاتا ہے۔اس کی سرحد مغرب میں لائبیریا اور گیانا سے،شمال میں مالی اور برکینا فاسو،مشرق میں گھانا اور جنوب میں گیانا کی خلیج سے ملتی ہیں۔1460ء میں پرتگالی جہازوں کی آمد سے قبل تک اس کے بارے بہت کم علم موجود ہے۔اہم لسانی گروہ نسبتاً قریبی دور میں ہمسایہ ممالک سے آئے ہیں۔لائبیریا کے کروقبائل 16ویں صدی میں آئے،سینوفو اور لوبی جنوب کی طرف برکینا فاسو اور مالی سے ہجرت کر کے ادھر آئے ہیں۔18ویں اور19ویں صدی میں اکان لوگ آئے جن میں باولی گھانا سے ہجرت کر کے ملک کے مشرقی حصے میں آئے اور مالین کے لوگ گیانا سے شمال مغرب میں پہنچے۔ہمسایہ گھانا کے مقابلے کوت دیوور کو غلاموں کی تجارت سے کم ہی پالا پڑا۔یورپین غلام بنانے والے اور تجارتی جہازوں نے دوسرے علاقوں کو ترجیح دی جو ساحل کے ساتھ ساتھ واقع تھے اور جہاں بہتر بندرگاہیں موجود تھیں۔1840ء میں فرانس نے دلچسپی لی اور مقامی سرداروں کی ملی بھگت سے فرانسیسی تجارتی جہازوں کو اجارہ داری ملی۔ بعدازاں انہی فرانس کی بنائی ہوئی بندرگاہوں سے غیر فرانسیسی تاجروں کو باہر رکھا گیا اور بتدریج اندر کی طرف فتوحات کو جاری رکھا گیا۔یہ کام 1890ء میں ہونے والی مینڈ رینکا کی فوجوں جو کہ زیادہ تر گیمبیا کی طرف سے آئی تھیں، کے خلاف طویل جنگ کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچا۔1917ء تک باولے اور دیگر قبائل کی طرف سے گوریلا جنگ جاری رہی۔فرانس کا بنیادی مقصد برآمدات کا فروغ تھا۔کافی،کوکا اور پام آئل کی فصلوں کی کاشت ساحل کے ساتھ کرنے پر زور دیا گیا۔یہاں کوکا،کافی اور کیلے کے باغات کی ایک تہائی فرانسیسی آبادکاروں کی ملکیت تھی اور جبری مزدوری کا نظام معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ایک باول سردار کا بیٹا فیلکس ہوفویٹ بوئیگنی کوت دیوور کی آزادی کا سبب بنا۔1944ء میں اس نے ملک میں اپنے جیسے افریقی کوکا کے کاشتکاروں کی کی پہلی زرعی ٹریڈ یونین بنائی۔فرانسیسی پالیسی کے خلاف انہوں نے نئے آبادکاروں کو اپنی مزروعہ زمینوں پر کام کے لئے تیار کیا۔ہوفویٹ بوئیگنی کو جلد ہی عروج حاصل ہوا اور ایک ہی سال کے اندر اندر اسے پیرس میں فرانسیسی پارلیمان کا ممبر چن لیا گیا۔ایک سال بعد فرانس نے جبری مزدوری کو ختم کر دیا۔ ہوفویٹ بوئیگنی نے فرانسیسی حکومت کے ساتھ گہرے تعلقات قائم کئے اور یہ تاثر دیا کہ اس سے ملک کو فائدہ ہوگا۔یہ کئی سال تک جاری رہا۔فرانس نے اسے وزیر کا عہدہ دیا جو کہ پہلی بار کسی افریقی کو یورپی حکومت میں ملا تھا۔1958ء میں کوت دیوور فرانسیسی کمیونٹی کا خودمختار رکن بن گیا۔کوت دیوور کی آزادی کے وقت یہ ملک خطے میں کل برآمدات کا 40فیصد حصہ پیدا کرتا تھا۔جب ہوفویٹ بوئیگنی پہلا صدر بنا تو اس کی حکومت نے کاشتکاروں کو ان کی فصلوں کی اچھی قیمت دینا شروع کی جس کے نتیجے میں پیداوار میں اضافہ ہوا۔کافی کی پیداوار میں اتنا اضافہ ہوا کہ کوت دیوور دنیا کا تیسرا بڑا کافی پیدا کرنے والا ملک بن گیا۔1979ء میں یہ ملک کوکا کی پیداوار کا دنیا میں سب سے اہم ملک تھا۔اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ افریقہ کا سب سے بڑا اناس اور پام آئل برآمد کرنے والا ملک بھی بن گیا۔فرانسیسی ٹیکنیک کاروں نے اس معجزے کو ممکن بنایا۔افریقہ کے دیگر علاقوں میں ممالک کی آزادی کے ساتھ ہی ساتھ یورپیوں کو نکلنا پڑا جبکہ کوت دیوور میں انہیں خوش آمدید کہا گیا۔فرانسیسی کمیونٹی میں آزادی سے قبل کے مقابلے میں 10000 سے 50000 کا اضافہ ہوا جن میں اکثریت استادوں اور مشاورت دانوں کی تھی۔20 سال تک ملکی معیشت میں تقریباً 10 فیصد کا اضافہ ریکارڈ کیا گیا جو کہ ان افریقی ممالک میں سب سے زیادہ تھا جو تیل نہیں پیدا کرتے۔سیاسی طور پر ہوفویٹ بوئیگنی نے سختی کے ساتھ، یا یوں کہیں کہ آہنی

گرفت کے ساتھ حکومت کی۔ صحافت آزاد نہ تھی اور صرف ایک سیاسی جماعت موجود تھی۔ اس کے علاوہ اس پر یہ بھی تنقید کی جاتی ہے کہ اس نے وسیع پیمانے والے منصوبوں پر زیادہ توجہ دی۔ کچھ لوگوں کو اس کی جانب سے لاکھوں ڈالر خرچ کر کے اس کے گاؤں کی دارلحکومت میں منتقلی پر اعتراض تھا تو کچھ لوگوں کو اس کی طرف سے امن، تعلیم اور مذہب کو ملک کے وسط میں ایک مقام دینے پر خوشی تھی۔ لیکن 1980ء میں عالمی مندی اور مقامی قحط نے آئیوری کی معیشت پر بہت برا اثر ڈالا۔ جنگلات کی حد سے زیادہ کٹائی اور چینی کی تیزی سی گرتی ہوئی قیمتوں کے سبب بیرونی قرضہ جات کی مقدار تگنی ہو گئی۔ عابد جان میں جرائم کی شرح میں ڈرامائی اضافہ ہوا۔ 1990ء میں سینکڑوں سرکاری ملازمین نے طلبا کا ساتھ دیتے ہوئے رشوت ستانی کے خلاف ہڑتال کر دی۔ عوامی بے چینی نے حکومت کو مجبور کیا کہ وہ ایک سے زیادہ سیاسی جماعتوں کی اجازت دے۔ ہوفویٹ بوئیگنی بہت زیادہ کمزور ہوتا گیا اور 1993ء میں انتقال کر گیا۔ اس نے ہنری کونان بیڈی کو اپنے جانشین بنانے کی حمایت کی۔ اکتوبر 1995ء میں غیر منظم اور بکھری ہوئی اپوزیشن کے خلاف اکثریت سے انتخابات جیت لئے۔ اس نے سیاسی زندگی کے گرد اپنا جال مضبوط کیا اور سینکڑوں مخالفین کو جیل میں ڈال دیا۔ اس کے برعکس معاشی صورتحال بہتر ہوئی اور بظاہر افراط زر کی شرح میں کمی ہوئی اور بیرونی قرضہ جات کو اتارنے کی کوشش کی گئی۔ ہوفویٹ بوئیگنی کے برعکس، جو کہ کسی بھی لسانی یا گروہی اختلاف کے لئے بہت محتاط تھا، اس نے ہمسایہ ممالک سے آنے والے مہاجرین کے لئے انتظامی عہدے خالی کر دیئے۔ چونکہ برکینا فاسو سے بہت سارے لوگ آئیوری آبادی کا بڑا حصہ تھے، ان کی ترقی کے راستے مسدود ہو گئے اور اس پالیسی کی وجہ سے بہت سارے لوگوں کو آئیوری کی شہریت نہ مل سکی اور مختلف لسانی اور نسلی گروہوں میں خلیج بڑھتی چلی گئی۔ اسی طرح بیڈی نے فوج سے اپنے کئی پوشیدہ مخالفین کو ہٹایا۔ 1999ء کے آخر میں غیر مطمئن افسران نے فوجی بغاوت کی اور جنرل رابرٹ گوئی کو حکمران بنایا۔ بیڈی فرانس فرار ہو گیا۔ اس فوجی بغاوت نے جرائم کی شرح میں کمی کی اور کرپشن کو روکا۔ اکتوبر 2000ء میں صدارتی انتخابات ہوئے جن میں لاورنٹ گبا گبو نے گوئی کا مقابلہ کیا لیکن یہ سب پر امن نہ رہا۔ اس کے نتیجے میں عوام اور فوج میں بے چینی پیدا ہوئی۔ گوئی نے انتخابات میں دھاندلی کی کوشش کی جس کے نتیجے میں عوامی مزاحمت ہوئی اور 180 افراد مارے گئے اور گوئی کی جگہ اس کے مقابل گبا گبو نے لے لی۔ الاسانے اواتارا کو ملکی سپریم کورٹ نے اس کی متنازعہ برکینا بے کی شہریت کے سبب نااہل قرار دیا۔ موجودہ اور اس کے بعد کی آئینی ترامیم نے غیر شہری کو صدر ہونے سے روک دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں متشدد احتجاج شروع ہوئے جس میں اس کے حامیوں نے جو کہ زیادہ تر شمال سے تھے، یاموسوکرو میں پولیس کے خلاف ایک طرح کی جنگ لڑی۔ 19 ستمبر 2002ء کی علی الصبح صدر کا تختہ الٹنے کی ایک فوجی بغاوت کی کوشش کی گئی۔ اس دوران صدر اٹلی کے دورے پر تھا۔ دستوں نے کئی شہروں پر حملہ کیا۔ دوپہر تک فرانس کی طرف سے حکومت کے حق میں مداخلت کی گئی تاہم یہ ابھی تک نہیں کہا جا سکتا کہ اس مداخلت کے سبب صورتحال بہتر ہوئی کہ بدتر۔ تاہم دن کے اختتام تک ملک کے شمال پر ان کا کنٹرول ختم ہو چکا تھا جو کہ آج تک جنوب سے کٹا ہوا ہے۔ جنوب کے لئے ہونے والی لڑائی بہت سخت تھی۔ مین جینڈارماری بیرک کے لئے عابد جان میں ہونے والی لڑائی اگلے دن صبح تک جاری رہی۔ اس رات کیا ہوا، یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ حکومت نے دعویٰ کیا کہ سابقہ صدر رابرٹ گوئی نے فوجی بغاوت کی سربراہی کی اور ریاستی ٹی وی نے اس کی اور پندرہ دیگر افراد کی لاشیں سڑکوں پر پڑی دکھائیں۔ مخالفین کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کو گھروں پر قتل کر کے سڑکوں پر ڈالا گیا تا کہ انہیں مجرم گردانا جا سکے۔ الاسانے اوتارا نے فرانسیسی سفارت خانے میں پناہ لی اور اس کا گھر جلا دیا گیا۔ صدر گبا گبو نے اپنا اٹلی کا دورہ

Marfat.com

مختصر کر دیا اور ملک واپسی پر یہ اعلان کیا کہ کچھ باغی ان قصبوں میں چھپے ہوئے ہیں جہاں غیر ملکی مہاجرین ور کر رہتے ہیں۔ ینڈ آرمس نے ہزاروں گھروں کو بلڈوز کیا اور جلا دیا جبکہ مکینوں پر بھی حملے کیے گئے۔ باغیوں سے ہونے والا فائر بندی کا معاہدہ عارضی ثابت ہوا اور کوکا کی کاشت کے علاقوں میں لڑائی دوبارہ شروع ہو گئی۔ فرانس نے اپنے فوجیوں کو بھیجا تا کہ فائر بندی، سرحدوں اور ملیشیا کو روکا جا سکے جس سے لائبیریا اور سیرالیون سے آنے والے جنگی سردار اور جنگجوؤں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغربی حصوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ جنوری 2003ء میں صدر گباگبو اور باغی رہنماؤں نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کی رو سے ''ملکی اتحاد کے لئے حکومت'' بنانے کا کہا گیا تھا۔ کرفیو اٹھا لیا گیا اور فرانسیسی دستوں نے مغربی لاقانونیت کا شکار علاقہ صاف کر دیا۔ تب سے متحدہ حکومت انتہائی غیر مستحکم ثابت ہوئی ہے اور مرکزی مسائل ویسے کے ویسے ہیں اور کوئی بھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو رہا۔ مارچ 2004 میں 120 لوگ اپوزیشن کی ریلی میں مارے گئے اور اس کے بعد مشتعل ہجوم سے پیدا ہونے والے حالات میں غیر ملکیوں کا انخلا کیا گیا۔ بعد ازاں ایک رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا کہ یہ قتل پہلے سے طے شدہ تھے۔ اگرچہ اقوام متحدہ کے امن سفارت کار تعینات کئے گئے تا کہ زون آف کانفیڈنس قائم رہ سکے لیکن گباگبو اور اپوزیشن کے تعلقات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ نومبر 2004ء کے اوائل میں امن معاہدے کی ناکامی کے بعد باغیوں نے غیر مسلح ہونے سے انکار کر دیا اور گباگبو نے باغیوں کے خلاف فضائی حملے کا حکم دے دیا۔ بوآکے میں ہونے والے ان حملوں میں فرانسیسی فوجی بھی شکار ہوئے اور نو فوجی مارے گئے۔ آئیوری حکومت کے مطابق یہ غلطی تھی لیکن فرانسیسیوں نے دعویٰ کیا کہ یہ جان بوجھ کر حملہ کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے آئیوری کے طیاروں کو تباہ کیا جس کے بعد فرانس کے خلاف تشدد بغاوتیں عابد جان میں شروع ہو گئیں۔ گباگبو کی اصلی صدارتی مدت 30 اکتوبر 2005ء میں ختم ہو رہی تھی لیکن ملکی حالات کے پیش نظر انتخابات کا ہونا غیر یقینی تھا اور اس کے نتیجے میں صدارتی مدت میں زیادہ سے زیادہ ایک سال کا اضافہ کیا گیا۔ اس کا منصوبہ افریقی یونین نے بنایا تھا اور اسے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے بھی منظور کیا۔ اکتوبر 2006ء کی ڈیڈ لائن پہنچنے کے بعد یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اب بھی انتخابات کا انعقاد مشکوک ہے لیکن اپوزیشن نے گباگبو کو مزید مہلت دینے سے انکار کر دیا۔ سلامتی کونسل نے صدارتی مدت میں ایک سال کا مزید اضافہ کرتے ہوئے یہ بھی منظور کیا کہ وزیر اعظم کے اختیارات کو بڑھا دیا جائے۔ اگلے ہی دن گباگبو نے کہا کہ اس قرارداد کے نکات ملکی آئین سے متصادم ہیں اس لئے ان پر عملدرآمد نہیں کیا جا سکتا۔ حکومت اور باغیوں میں طے پانے والے امن معاہدے کے تحت، جسے نیو فورس کا نام دیا گیا، 4 مارچ 2007ء کو اس پر دستخط ہوئے اور نتیجتاً نیو فورسز کے لیڈر گویلیام سورو وزیر اعظم بن گئے۔ کچھ مبصروں نے ان واقعات کو گباگبو کی مضبوطی میں اضافے کی نظر سے دیکھا۔

کویت

کویت براعظم شمالی افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال اور مغرب میں عراق، مشرق میں خلیج فارس اور جنوب میں سعودی عرب واقع ہیں۔ ساحل سے پرے بہت سے جزیرے ہیں جن میں سب سے بڑا جزیرہ بوبیان ہے۔ شیخ صباح الاول نے 1756ء میں کویت کے اقتدار پر قبضہ کیا اور ابھی تک یہی خاندان حکومت کر رہا ہے۔ وہ 1772ء تک برسر اقتدار رہے۔ 1899ء میں اس وقت کے حکمران امیر شیخ مبارک نے برطانیہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے تحت یہ علاقہ برطانیہ کے زیر تحفظ آ گیا۔ 1914ء میں اندرونی طور پر اسے برطانیہ سے آزادی ملی اور 19 جون 1961ء کو یہ مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ملک بن گیا۔ اس دوران یہاں تیل کے وسیع ذخائر دریافت ہوئے۔ 1952ء میں عراقی حکومت

Marfat.com

نے ایک پرانے معاہدے کو بنیاد بنا کر کویت پر دعویٰ کیا مگر برطانیہ نے اسے مسترد کر دیا۔ 1967ء اور 1973ء میں عرب اسرائیل جنگوں میں بے گھر افراد کو کویت نے اپنے ہاں پناہ دی۔ 18 دسمبر 1969ء کو سعودی عرب اور کویت میں ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت 2000 میل کا علاقہ تقسیم کر لیا گیا۔ 20 مارچ 1973ء کو خلیج فارس کے نزدیک عراق نے کویت پر حملہ کر دیا مگر سعودی فوجی امداد پر عراق نے جنگ بند کر دی۔ 1975ء میں حکومت نے تمام ملکی اور غیر ملکی تیل کی کمپنیوں کو قومی تحویل میں لے لیا۔ 1976ء میں امیر کویت نے قومی اسمبلی توڑ دی۔ 31 دسمبر 1977ء کو شیخ جابر الاحمد الجابر الصباح کویت کے امیر بنے۔ 1977ء میں روس اور کویت کے مابین اسلحہ کا معاہدہ طے پایا۔ 1981ء میں کویت خلیج تعاون کونسل کا رکن بنا۔ 1987ء میں کویت نے خلیج میں بڑھتی ہوئی کشیدگی کو دیکھتے ہوئے اپنے گیارہ آئل ٹینکر امریکی بحریہ کی نگرانی میں دے دیئے۔ 2 اگست 1990ء کو صدر صدام نے کویت پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنا صوبہ قرار دے دیا۔ اس مسئلہ میں 30 ملکی اتحادی فوجوں نے مل کر عراق پر حملہ کر دیا۔ 27 فروری 1991ء میں عراق کو کویت چھوڑنا پڑا۔ اس جنگ میں کویت کی تیل کی صنعت کو انفراسٹرکچر کو جو نقصان پہنچا، اس کی مرمت کرنے کے لئے حکومت کو پانچ ارب ڈالر خرچ کرنا پڑے۔ 2003ء میں عراق پر حملے کے لئے اتحادی افواج نے کویت کی سرزمین استعمال کی۔ یہ حملے کی حمایت کرنے والی واحد عرب قوم تھی۔ صباح الاحمد الجابر الصباح 18 جنوری 2006ء کو کویت کے نئے امیر بنے۔

کیمرون

کیمرون براعظم افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں جھیل چاڈ، مشرق میں چاڈ اور جمہوریہ وسطی افریقہ، جنوب میں کانگو، گیبون اور استوائی گنی، مغرب میں خلیج گنی اور مغرب اور شمال میں نائجیریا واقع ہیں۔ جب شمالی افریقہ کے ملکوں نے اسلام قبول کیا اور بربر قبائل کٹر مسلمان ہو گئے تو یہ پیغام توحید بلاد السودان (سیاہ ممالک) یعنی صحرائے اعظم کے جنوب میں بھی کارروان در کارروان لے جانے لگے، اور یوں اسلام کی روشنی صحرائے اعظم کے جنوب میں حبشی قبائل میں بھی پھیلنے لگی۔ جب شمال میں مرابطین نے زور پکڑا تو انہوں نے صرف سیاسی اقتدار ہی قائم نہیں کیا بلکہ جنوب میں اشاعت اسلام کے لئے مبلغین بھی بھیجے۔ مرابطین کے بعد بربریوں کے خاندان موحدین کا دور شروع ہوا۔ موحدین شمالی افریقہ اور ہسپانیہ میں مور تہذیب کے علمبردار تھے۔ یہ بنیادی طور پر ایک مذہبی تحریک تھی۔ موحدین کے عہد حکومت میں اسلام جنوبی افریقہ میں تیزی سے پھیلا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحرائے اعظم کے جنوب میں چھوٹی چھوٹی اسلامی مملکتیں وجود میں آنے لگیں، جن میں کیمرون میں شامل ہے۔ کیمرون کا شمالی علاقہ صدیوں سے مسلمانوں کی آماجگاہ چلا آ رہا ہے۔ جنوب میں کافر، دہریئے اور لامذہب قبائل رہتے تھے جن کے لئے یہاں یورپ نے عیسائی مبلغ بھیجے۔ نیز تجارتی اور کاروباری تعلقات بڑھائے، اور یوں جنوب میں عیسائیت نے زور پکڑا۔ شمال کے مسلمانوں اور جنوب کے عیسائیوں کے مابین مستقل عداوت رہتی ہے۔ 15ویں صدی میں پرتگالی آئے۔ 1884ء میں جرمنی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد یہ ملک جرمنوں کے ہاتھ سے نکل کر فرانس کے قبضہ میں چلا گیا۔ اتحاد نامی سیاسی تحریک کے زیر سایہ اس ملک میں آزادی کی تحریک چلی جس کے نتیجے میں یکم جنوری 1960ء میں ریفرنڈم کے بعد یہ ملک برطانیہ سے بھی آزاد ہو گیا۔ 1982ء میں پال بیا ملک کے صدر بنے اور اب تک اس عہدے پر وہی فائز ہیں۔

گنی

گنی براعظم جنوبی افریقہ کا ملک ہے۔ اس کے شمال میں گنی بساؤ، سینی گال اور مالی، مشرق میں کوت دیووار اور

Marfat.com

جنوب میں لائبیریا واقع ہیں۔اس کے مغرب میں بحراوقیانوس ہے۔اس کی آب وہوا گرم مرطوب ہے۔ساحل پر گرمی اور رطوبت ہوتی ہے جبکہ اندرونی علاقوں میں آب وہوا معتدل ہے۔تیرہوں صدی میں یہاں پرتگالی آئے۔سولہویں صدی میں فولانی قبائل یہاں حکمران رہے جو 1849ء تک حکمرانی کرتے رہے۔پھر یہ علاقہ فرانس کے زیر قبضہ آگیا اور 1958ء تک فرانس اس علاقے پر قابض رہا۔12 اکتوبر 1958ء میں گنی کے لوگوں نے طویل جدوجہد کے بعد عظیم رہنما سیکوطورے کی ولولہ انگیز قیادت میں آزادی حاصل کی جو 1961ء سے 1983ء تک صدر رہے۔27 مارچ 1984ء کو یہ عظیم رہنما انتقال کر گیا۔ان کی جگہ کرنل لاسانا کونتے نے لی اور ملک میں مارشل لاء لگا دیا۔1992ء کونتے نے سویلین حکومت کی طرف پلٹنے کی خواہش کے تحت اقدامات کا آغاز کیا۔1993ء میں صدر کے انتخاب کے لئے رائے شماری کرائی گئی اور 1995ء میں پارلیمان کے انتخابات کرائے گئے۔ان انتخابات میں کونتے کی پارٹی نے 114 میں سے 71 نشستیں حاصل کیں۔اقتدار پر کونتے کی گرفت مضبوط رہی۔2001ء میں کونتے نے اپنی مدتِ صدارت کو طول دینے کے لئے ایک ریفرنڈم کرایا اور کامیابی حاصل کی۔2003ء میں ہونے والے انتخابات کے اپوزیشن کی طرف سے بائیکاٹ کے بعد، کونتے نے نئی مدتِ صدارت کا آغاز کیا۔جنوری 2005ء میں کونتے پر قاتلانہ حملہ ہوا مگر ان کی جان محفوظ رہی۔لاسانا کونتے کا انتقال 23 دسمبر 2008ء کے روز ہوا جس کے فوراً بعد فوج نے حرکت میں آ کر اقتدار پر قبضہ کرلیا۔

گنی بساؤ

یہ ملک براعظم جنوبی افریقہ میں واقع ہے۔اس کے شمال مغرب میں بحراوقیانوس، شمال میں سینی گال، اور مشرق میں گنی واقع ہیں۔مسلمان یہاں تیرھویں صدی میں اسلام کی روشنی لے کر آئے۔ان کے بعد پرتگالی، ولندیزی، انگریز اور بعد میں فرانسیسی آئے جو یہاں غلاموں کی خرید وفروخت کرتے رہے۔1879ء میں فرانسیسی نوآبادی قرار دیا گیا۔اس میں کیپ وردی اور گولڈ کوسٹ کا علاقہ بھی شامل تھا۔1945ء میں تحریک آزادی عروج پر تھی۔بڑی جماعت گولڈ کوسٹ کیپ وردی پارٹی تھی جس نے آزادی کی تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔10 نومبر 1974ء کو یہ ملک آزاد ہو گیا۔1980ء میں یہاں جونارڈ دویرا کی قیادت میں فوجی انقلاب آیا۔1994ء میں پرتگال سے آزادی کے 20 سال بعد پہلی مرتبہ کثیر جماعتی انتخابات قانون ساز مجلس اور عہدہ صدارت کے لئے ہوئے۔1998ء میں فوج نے بغاوت کردی جس کا نتیجہ خانہ جنگی کی صورت میں نکلا اور لاکھوں افراد کو گھر بار چھوڑ کر پناہ کی تلاش میں بھاگنا پڑا۔فوج نے 7 مئی 1999ء کے روز صدر کو اقتدار سے اتار پھینکا۔فروری 2000ء میں ایک عبوری حکومت نے اقتدار اپوزیشن کے رہنما کمبالالا کے حوالے کردیا جو شفاف صدارتی انتخابات کے دو مراحل سے گزر کر صدر بن گئے۔جمہوریت کی طرف گنی بساؤ کے سفر کو بگڑی ہوئی معیشت اور فوج کی اقتدار میں بار بار مداخلت نے بہت مشکل بنا دیا۔ستمبر 2003ء میں ایک پرامن انقلاب آیا جس میں فوج کے جنرل ویری سیموکوریا سیارا نے لالا کو گرفتار کرلیا، یہ کہہ کر کہ وہ مسائل حل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔اپریل 2004ء میں تاخیر کے بعد ایک بار پھر قانون ساز مجلس کے انتخابات ہوئے۔اکتوبر 2004ء میں فوج کے چند حصوں نے بغاوت کردی جس کا نتیجہ جنرل سیابرا اور ان کے ساتھیوں کی موت کی صورت میں نکلا۔وزیر اعظم کالوس گومز جونیئر کے بیان کے مطابق، باغی فوجی اقوام متحدہ کی فوج میں شامل رہ کر لائبیریا سے واپس آنے والے فوجی تھے جو تنخواہوں میں تاخیر ہو جانے پر ناراض تھے۔ان فوجیوں اور حکومت کے درمیان مذاکرات کا ابھی تک کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا۔جون

Marfat.com

2005ء میں صدارتی انتخابات ہوئے جن میں سابیہ صدر جوآؤ برنارڈو وائیرا کو فتح حاصل ہوئی۔ 2 مارچ 2009ء کو فوجیوں نے وائیرا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ 5 جون کے روز کئی دیگر بڑے سیاستدانوں کو اسی انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ کہا جا رہا ہے کہ یہ سب قتل اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے کھیلی جا رہی گیم کا ایک حصہ ہیں۔

گیمبیا

گیمبیا براعظم افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال مشرق اور جنوب میں سینی گال اور مغرب میں بحراوقیانوس واقع ہیں۔ گیمبیا میں انسانی آبادکاری کے عمل نے گھانا، مالی اور سونگھے کی اسلامی مملکتوں کے زمانے میں زور پکڑا۔ یہی وجہ ہے کہ آج یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ تیرھویں صدی میں اسلام یہاں پہنچا۔ پندرھویں صدی میں پرتگالی یہاں آئے۔ سولہویں صدی میں پرتگالیوں نے یہاں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کرلیں۔ 1588ء میں انہوں نے تجارتی حقوق انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر دیئے۔ 1651ء میں انگریزوں نے یہاں جیمس فورٹ کا قلعہ تعمیر کیا اور حکمران بن بیٹھے۔ عرصہ دراز تک گیمبیا برطانیہ اور فرانس کے مابین وجہ مخاصمت بنا رہا۔ نپولین کی جنگوں کے بعد سینی گال فرانس کے قبضے میں چلا گیا اور برطانیہ کے تاجروں نے گیمبیا پر تسلط جما لیا۔ 1783ء میں معاہدہ ورسائی کی رو سے یہاں برطانیہ کے تجارتی حقوق اصولی طور پر تسلیم کر لئے گئے۔ 1807ء میں یہاں سے غلاموں کی تجارت کا خاتمہ ہوا اور 1843ء میں اسے نوآبادی کا درجہ دے دیا گیا۔ 1866ء میں اسے مغربی افریقہ کا حصہ بنانے کے بعد دسمبر 1888ء میں اسے علیحدہ نوآبادی کی حیثیت دے دی گئی اور اس کی جدید تاریخ کا آغاز ہوا۔ 1901ء کا سورج طلوع ہونے تک یہاں کے مقامی سردار برطانیہ سے ایسے کئی معاہدے کر چکے تھے کہ برطانیہ نے اسے اپنا محروسہ (زیر حفاظت) ملک قرار دے دیا۔ دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد 1945ء میں یہاں تحریک آزادی کا آغاز ہوا جو 1965ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ حصول آزادی کے بعد گیمبیا برطانوی دولت مشترکہ کا رکن بن گیا۔ ملک کو جمہوریہ قرار دینے کے سلسلے میں ریفرنڈم ہوا لیکن دوتہائی اکثریت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا۔ 1966ء میں عام انتخابات ہوئے۔ وزیراعظم سر داؤد جوارا کی پیپلز پروگریسو پارٹی کو واضح اکثریت ملی۔ اپریل 1970ء میں دولت مشترکہ کے اندر رہتے ہوئے یہ جمہوریہ بنا اور اسی روز نیا آئین نافذ کیا گیا۔ داؤد جوارا نئے آئین کے تحت صدر بنے اور مارچ 1974ء میں عام انتخابات کے نتیجہ میں دوبارہ 5 سال کے لئے صدر منتخب ہوئے۔ 1982ء میں گیمبیا اور سینی گال کی کنفیڈریشن بنی اور جوارا کو ایک بار پھر صدر منتخب کیا گیا۔ 1984ء میں صدر جوارا کو اسلامی سربراہی کانفرنس کی امہ کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ جولائی 1994ء میں کیپٹن یحیٰ جمعہ نے داؤد جوارا کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور آئین معطل کر کے نئے انتخابات کرانے کا وعدہ کیا۔ 1996ء میں ہونے والے انتخابات میں کیپٹن یحیٰ جمعہ نے 55 فیصد ووٹ لے کے کامیابی حاصل کی۔ 1997ء میں سول حکومت کو بحال کر دیا گیا تاہم سیاسی جماعتوں پر پابندی رہی اور اخبارات بھی سنسر شپ کے شکار رہے۔ اکتوبر 2001ء کے انتخابات میں یحیٰ جمعہ ایک بار پھر کامیاب رہے اور اسی سال انہوں نے سیاسی سرگرمیوں پر عائد پابندیاں ہٹا دیں۔ تاحال ملک کی صدارت انہی کے قبضہ میں ہے۔

لبنان

یہ مشرق وسطیٰ کا سب سے چھوٹا ملک ہے۔ براعظم مغربی ایشاء میں واقع ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں شام،

Marfat.com

جنوب میں اسرائیل اور مغرب میں بحیرۂ روم واقع ہیں۔ جبل لبنان اہم پہاڑی سلسلہ ہے۔ عاصی اور لیطانی یہاں کے مشہور دریا ہیں۔ یہ براعظیم ایشیا اور یورپ کے درمیان واقع ہے۔ یہ بہت قدیم ملک ہے۔ اس پر حطیطی، رومی اور بازنطینی حکمران حکومت کرتے رہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں عربوں نے اس کے کچھ حصہ پر قبضہ کرلیا۔ صلیبی جنگوں کی فتح کے بعد سے پہلی جنگ عظیم تک اس پر ترک حکمران رہے۔ جنگ عظیم اول میں جب خلافت عثمانیہ بکھر گئی اور اس کے زیر اقتدار علاقوں کو الگ الگ ریاستوں میں تقسیم کر کے یورپی ممالک نے ان پر قبضہ جمالیا تو شام کا شمالی حصہ فرانس کے تسلط میں چلا گیا۔ شام کا جنوبی حصہ، جس میں فلسطین کا علاقہ شامل تھا، برطانیہ نے اپنے قبضے میں لے لیا کیونکہ برطانیہ اعلانِ بالفور کے تحت یہودیوں سے فلسطین کے علاقے میں ان کی حکومت قائم کرنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ 1943ء تک لبنان کسی مستقل ملک کا نام نہ تھا۔ فرانس نے اپنی نوآبادیاتی مصلحتوں کے تحت شام کے پانچ اضلاع کو ملا کر لبنان کے نام سے ایک نئی ریاست قائم کی۔ 1944ء میں جنگ عظیم دوم میں شکست کھانے کے بعد فرانس نے شام اور اپنی ساختہ نئی مملکت لبنان کے عوام کو الگ الگ اختیاراتِ حکومت دے دیئے۔ تاہم اس کے فوجی دستے 1946ء تک دونوں ملکوں میں موجود رہے۔ 1958ء میں صدر کمال شمعون کی مغرب نواز پالیسی کی مخالفت نے بغاوت کا روپ دھار لیا۔ بغاوت اتنی شدید تھی کہ صدر شمعون نے امریکا سے فوجی امداد کی درخواست کی۔ نئی حکومت بننے تک امریکہ کی فوجیں لبنان میں رہیں۔ 1970ء میں سلیمان صدر منتخب ہوئے اور رشید کرامی کی جگہ وزارتِ عظمیٰ سلام کے حصے میں آئی۔ 1972ء میں میونخ اولمپکس کے کھلاڑیوں کے قتل کا انتقام لینے کے لئے اسرائیل نے لبنان میں فلسطین کے گوریلا ٹھکانوں پر حملہ کیا۔ 1973ء میں اسرائیلی چھاپہ ماروں نے بیروت پر حملہ کیا اور تین گوریلا لیڈر ہلاک کر دیئے۔ اس واقعے کے نتیجے میں بیروت میں گوریلوں اور لبنانی فوج کے درمیان لڑائی شروع ہوگئی جو دو ہفتوں تک جاری رہی۔ وزیر اعظم سلام کو استعفیٰ دینا پڑا۔ نئے وزیر اعظم تقی الدین صلح نے مصالحت کی کوشش کی لیکن گوریلوں کی سرگرمیاں اور اسرائیلی فوجی کارروائیاں اکتوبر 1973ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد بھی جاری رہیں۔ 1975ء میں عیسائیوں، مسلمانوں اور فلسطینی گوریلوں کے مابین جھڑپیں شروع ہوگئیں۔ 1976ء میں الیاس سارکس لبنان کے صدر بنے۔ 19 اپریل 1979ء کو عیسائی ملیشیا کے سربراہ میجر سعد مراد جنوبی لبنان کے صدر بنے اور اس کا نام آزاد لبنان رکھا۔ اس پران کے اوپر غداری کا مقدمہ چلا۔ یکم اپریل 1981ء کے روز شامی فوجوں اور عیسائی ملیشیا کے مابین پھر جھڑپیں ہوئیں۔ 24 جولائی 1981ء کو اسرائیل اور فلسطینی گوریلوں کے درمیان جنگ بندی کا سمجھوتہ ہوا مگر اس کے باوجود جنگ جاری رہی۔ 10 جون 1982ء کو اسرائیلی فوجیں بیروت کے نواح تک پہنچ گئیں۔ اس جنگ میں ہزاروں فلسطینی شہید ہوئے اور بالآخر جنوبی لبنان فلسطینیوں کو خالی کرنا پڑا۔ 14 ستمبر 1982ء تک تمام فلسطینی لبنان سے چلے گئے۔ مئی 1985ء میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان شدید جھڑپیں ہوئیں۔ 1986ء میں پی ایل او کے اڈوں پر اسرائیل نے فضائی حملے کئے۔ یکم جون 1987ء کو وزیر اعظم رشید کرامی فضائی حادثے میں جاں بحق ہوگئے۔ 1988ء میں امین جمائل صدارت سے دستبردار ہوگئے۔ میکائل عون نے اقتدار سنبھالا مگر وزیر اعظم سلیم الحوص نے ان کی حکومت کو تسلیم نہ کیا۔ کاسابلانکا، مراکش میں عرب راہنماؤں کی کوششوں سے لبنانی پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ مارونی عیسائی رینی معوض صدر اور مسلم الحوص وزیر اعظم نامزد ہوئے۔ 22 نومبر 1989ء میں صدر کار بم دھماکے میں ہلاک ہوگئے۔ ان کی جگہ الیاس ہراوی 24 نومبر 1989ء کو صدر بنے۔ مئی 1991ء میں منعقدہ انتخابات میں عیسائیوں نے حصہ نہ لیا۔ ان کا موقف تھا کہ لبنان سے شامی فوجیں چلی جائیں۔ جنوری

Marfat.com

1993ء میں عیسائی ملیشیاء دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔ 3 اپریل 1991ء کو بیروت میں متعین فرانسیسی سفیر نے سابق صدر جنرل عون کو فرانس میں سیاسی پناہ کی پیش کش کی جو انہوں نے مان لی۔ 27 اگست کو 1991ء میں لبنان حکومت نے جنرل عون کو 5 سال لبنان میں نہ آنے اور سیاست میں ساری زندگی حصہ لینے کی شرائط پر معاف کر دیا۔ لبنانی مسلمان جنرل عون کو قاتل اور جلاد کہتے ہیں۔ لبنان میں یرغمالیوں کی رہائی اگست 1991ء کے پہلے عشرے میں شروع ہوئی۔ ایران نے اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا۔ ایک صحافی جو 5 سال سے یرغمال تھا، رہا کر دیا گیا۔ انہی دنوں میں امریکی یرغمالی بھی رہا ہوئے۔ اسی سال میں لبنان نے شام کی پشت پناہی سے تمام پرائیویٹ گوریلا تنظیموں کا خاتمہ کیا اور یوں سولہ سالہ خانہ جنگی ختم ہوئی۔ جون 1999ء میں اسرائیل کی فضائیہ نے جنوبی لبنان پر شدید بمباری کی تا کہ شامی فوج اور حزب اللہ کے گوریلا ٹھکانوں کو ختم کیا جا سکے۔ مئی 2000ء میں اٹھارہ سال بعد اسرائیل نے لبنان سے اپنی فوج واپس بلالی۔ 2001ء میں شام نے بھی بیروت اور ارد گرد کے علاقے سے اپنے پچیس ہزار فوجی واپس بلالئے تاہم اندرونِ لبنان میں پندرہ ہزار شامی فوجی موجود رہے۔ 2004ء میں لبنان کے شام نواز صدر ایملی لاہود کو مزید تین برس کے لئے صدر منتخب کر لیا گیا۔ فروری 2005ء میں سابق وزیر اعظم رفیق الحریری بم دھماکے میں ہلاک ہو گئے اور شام پر بین الاقوامی دباؤ ڈالا جانے لگا کہ وہ لبنان سے اپنی فوج واپس بلالے۔ 2005ء کے انتخابات کے نتیجے میں حزب اللہ بھی لبنانی حکومت کا حصہ بن گئی تاہم اقوام متحدہ کی طرف سے اس کے عسکریت پسند حصے کو ختم کرنے کی قرارداد منظور ہونے کی وجہ سے ابھی تک اس کی حیثیت کا تعین نہیں ہو سکا۔ 12 جولائی 2006ء کے روز اسرائیل نے لبنان پر حملہ کر دیا۔ حزب اللہ کے نیم فوجی دستوں نے اسرائیل کی باقاعدہ فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور 33 دن تک انہیں پیش قدمی کرنے سے روک رکھا۔ بالآخر اقوام متحدہ نے مداخلت کی اور 14 اگست 2006ء کے روز فائر بندی کا معاہدہ ہو گیا۔ اس جنگ نے اسرائیلی فوج کے ناقابل تسخیر ہونے کے تاثر کو پاش پاش کر دیا۔

لیبیا

لیبیا براعظم افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں بحیرۂ روم، مشرق میں مصر، جنوب مشرق میں سوڈان، جنوب میں چاڈ اور نجد، مغرب میں الجزائر اور شمال مغرب میں تیونس واقع ہیں۔ 630 ق م میں یونانی سب سے پہلے یہاں آئے۔ اس وقت اس علاقے کو سائریکا کہتے تھے۔ اس دوران فینیقیوں نے یہاں حکومت قائم کی۔ پہلی صدی میں رومی یہاں آئے۔ 642ء میں اسے عربوں نے فتح کیا۔ 1551ء میں عثمانی سلطنت کا حصہ بن کر یہ علاقہ ترکوں کے زیر سایہ آ گیا اور یہ 1910ء تک اس ملک کا حصہ رہا۔ 1911ء میں اس پر اٹلی نے قبضہ کر لیا مگر سنوسی قبائل نے غیر ملکی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ 42-1941ء میں لیبیا دوسری عالمگیر جنگ کا اکھاڑہ بن گیا۔ اس جنگ میں لیبیا کو بغیر کسی وجہ سے شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ اس جنگ سے برطانوی جنرل منٹگمری، جرمن رومیل اور امریکی جنرل آئزن ہاور نے عالمی شہرت حاصل کی۔ 1942ء میں دوسری عالمگیر جنگ کے دوران انگریزوں نے سنوسیوں سے وعدہ کیا کہ جنگ کے بعد انہیں آزاد کر دیں گے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ انہیں آزادی 24 دسمبر 1951ء کے روز ملی اور 2 جنوری 1952 آزادی کا عمل مکمل ہو گیا۔ شاہ ادریس سنوسی یہاں کے حکمران بنے۔ یکم ستمبر 1969ء کو کرنل معمر قذافی نے ان کا تختہ الٹ کر ملک کے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اب تک وہی حکمران ہیں۔ 1972ء میں مصر اور لیبیا کے وفاق کا قیام اور 12 جنوری 1974ء کو تیونس لیبیا کا ادغام کرنے کی کوششیں ہوئیں مگر کامیاب نہ ہو سکیں۔ 1977ء میں امریکہ کے طیاروں نے

Marfat.com

سدرہ کی جھڑپ میں لیبیا کے دو جنگی طیارے مار گرائے۔ 6 جنوری 1986ء کو امریکہ نے اس ملک پر اقتصادی پابندیاں لگا دیں۔ امریکہ لیبیا پر جوہری اور کیمیائی ہتھیار تیار کرنے کا الزام لگا تا رہا ہے۔ اگست 1989ء کے معاہدے کی رو سے اوزو کی متنازعہ پٹی کا معاملہ بین الاقوامی عدالت انصاف میں پیش کیا گیا جس پر 1993ء میں لیبیا کے خلاف فیصلہ دیا گیا۔ 21 دسمبر 1988ء کے روز امریکا کا ایک مسافر بردار بوئنگ 747 سکاٹ لینڈ کے اوپر سے پرواز کرتے ہوئے مار گرایا گیا جس کے تمام 259 مسافر ہلاک ہو گئے۔ امریکہ نے لیبیا کے محکمہ جاسوسی کے دو افسران کو اس کا ذمہ دار قرار دیا لیکن لیبیا نے انہیں امریکہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ 1992ء میں اقوام متحدہ کی جانب سے لیبیا پر تجارتی اور فضائی ٹریفک کی پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ 5 اپریل 1999ء کے روز بالآخر لیبیا نے امریکہ کا مطالبہ مان لیا اور دونوں افسروں، عبدالباسط علی اور خلیفہ مہمہ کو اقوام متحدہ کے حوالے کر دیا۔ لیبیا کے تعاون کی وجہ سے اقوام متحدہ نے بھی اپنی پابندیاں اٹھا لیں۔ اس کے ساتھ یورپ کی آئل کمپنیوں نے فی الفور لیبیا سے رابطے کرنا شروع کر دیئے۔ دسمبر 2003ء میں امریکہ اور برطانیہ کے خفیہ مذاکرات کے بعد کرنل قذافی نے یہ کہہ کر سب کو حیرت زدہ کر دیا کہ لیبیا وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تیاری کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ جون 2004ء میں چوبیس سال کے بعد امریکہ اور لیبیا کے درمیان دوبارہ سفارتی تعلقات قائم ہو گئے۔

موریطانیہ

یہ ملک براعظم مغربی افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں ہسپانوی صحرا اور الجزائر واقع ہیں جبکہ مغرب اور جنوب مشرق میں مالی، جنوب مغرب میں سینی گال اور بحیرہ اوقیانوس واقع ہے۔ اس علاقے میں مسلمانوں کی آمد مرابطین کے عہد حکومت میں ہوئی اور ان کے توسط سے یہاں کے افریقی قبائل مشرف بہ اسلام ہوئے۔ چودھویں اور پندرہویں صدی میں یہاں مصر کے ایک عرب قبیلے کا اثر و نفوذ رہا۔ یہ قبیلہ آہستہ آہستہ پورے علاقے پر قابض ہو گیا۔ سترہویں صدی میں اس قبیلے کے لوگوں نے بربروں کو شکست دی۔ 15 ویں صدی کے آخر میں پرتگالی یہاں حکمران ہو گئے۔ ان سے فرانسیسیوں نے اقتدار حاصل کیا۔ انگریزوں اور ولندیزیوں نے اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش مگر ناکام ہے۔ 1920ء میں یہ فرانس کی نوآبادی بنا۔ 1958ء میں فرانس نے اسے داخلی خودمختاری دے دی۔ 28 نومبر 1960ء کو یہ ملک آزاد ہو گیا۔ 1966ء، 1971ء اور 1976ء میں مختار الدادہ وزیراعظم بنے اور بعد ازاں صدر بن گئے۔ 1974ء میں ہسپانوی صحرا کو تقسیم کرنے کے سلسلے میں موریطانیہ نے مراکش کے ساتھ الحاق کیا اور 16 اپریل کو ہسپانوی نوآبادی کے تیسرے جنوبی حصہ کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ اس سلسلہ میں پولیساریو گوریلوں سے فوج کی جھڑپیں ہونے لگیں۔ الجزائر کی افواج نے ان کی مدد کی۔ 9 جولائی 1978ء لیفٹیننٹ کرنل مصطفیٰ اولد سالک نے صدر مختار الدادہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ جولائی 1978ء میں پولیساریو گوریلوں نے یک طرفہ طور پر موریطانیہ سے جنگ بندی کر دی۔ 3 جون 1979ء کو صدر سالک کے مستعفی ہونے پر کرنل محمد محمود الوڈالی صدر بنے اور محمد نواز کھونو ہنڈالا وزیراعظم۔ 15 اگست 1979ء کو پولیساریو گوریلوں کے ساتھ معاہدۂ امن طے پایا جس کے تحت موریطانیہ مغربی صحرا کے علاقے سے اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو گیا اور مراکش کے ساتھ فوجی معاہدہ ختم کر دیا۔ 4 جنوری کو ہنڈالا نے لولی کا تختہ الٹ دیا اور صدر بن گئے۔ مارچ 1980ء میں فوجی کونسل نے اسلامی نظام کے قیام کا اعلان کیا۔ 1986ء میں شراب نوشی پابندی عائد کر دی گئی۔ اکتوبر 1987ء کو صدر کے خلاف ایک زبردست بغاوت ہوئی مگر کچل دی گئی۔ 1988ء میں دارالحکومت میں فسادات

ہوئے۔ بعدازاں حکمرانوں کو بلدیاتی انتخابات کروانا پڑے۔ 1989ء میں سینی گال کے ساتھ سرحدی جنگ ہوئی۔ 12 جولائی 1991ء کو فوجی حکومت کے پیش کردہ آئین پر ریفرنڈم ہوا جس میں کثیر جماعتی نظام ایک پارلیمنٹ اور سینٹ کی تشکیل کا وعدہ ہوا تھا۔ 97فی صد ووٹروں نے اس کے حق میں رائے دی۔ صدر کا عہدہ چھ سال کے لئے تھا۔ 1992ء میں ملک کے پہلے کثیر جماعتی صدارتی انتخابات ہوئے جو کرنل اولوسیدی احمد طیبہ نے جیت لئے۔ تاہم مخالفین نے ان پر دھاندلی کے الزامات لگائے۔ 2003ء اور 2004ء میں احمد طیبہ کے خلاف بغاوتیں ہوئیں جو ناکام رہیں۔ ان بغاوتوں کی وجہ احمد طیبہ کی طرف سے اسرائیل اور امریکہ کی حمایت بتائی گئی۔ 3 اگست 2005ء کے روز موریطانیہ کی فوج اور صدارتی محافظ دستے کے ارکان نے دارالحکومت کے اہم مقامات پر قبضہ کرلیا اور سید احمد طیبہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ احمد طیبہ اس وقت سعودی عرب کے شاہ فہد کے جنازے میں شرکت کے سلسلے میں ملک سے باہر تھے۔ انہیں اس کے بعد آج تک ملک واپس آنے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ نئی فوجی حکومت خود کو "ملٹری کونسل برائے انصاف و جمہوریت" کے نام سے پکارتی ہے۔ کرنل ایلی اولد محمد وال اس کونسل کے قائد کی حیثیت سے سامنے آئے۔ سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا گیا اور سیاسی فضا میں چھایا ہوا تناؤ ختم کر دیا گیا۔ جون 2006ء میں ایک نیا آئین منظور کیا گیا۔ مارچ 2007ء میں انتخابات ہوئے اور سیدی اولد شیخ عبداللٰہی کو صدر منتخب کرلیا گیا۔ محمد وال سبکدوش ہو گئے۔ 6 اگست 2008ء کے روز اس حکومت کے خلاف بھی فوجی بغاوت ہوئی اور اس کا تختہ الٹ دیا گیا۔ کہا جا رہا ہے کہ اس انقلاب کو عوام کی حمایت بھی حاصل ہے۔

مالدیپ

جنوبی ایشیا میں واقع یہ ملک بحر ہند کے تقریباً دو ہزار چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے۔ اس کا قریب ترین ہمسایہ بھارت 95 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ دوسرا ہمسایہ سری لنکا 670 میل دور ہے۔ کسی جزیرے کا رقبہ 5 مربع میل سے زیادہ نہیں ہے۔ یہاں سب سے پہلے بدھ مت کے پیروکار رہتے تھے۔ ایک بزرگ ابوالبرکات یوسف البربری کی وجہ سے یہاں کا راجہ مسلمان ہو گیا اور ان کی وجہ سے رعایا مسلمان ہوئی۔ بدھ مت کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ سلطان محمد بن عبداللہ کے عہد میں یہاں اسلام پھیلا پھولا۔ اس کے بعد مالکہ رہندی کبادی کلاغد المعروف بہ خدیجہ نے اقتدار سنبھالا۔ وہ پہلی مسلمان حکمران خاتون تھی۔ ملکہ خدیجہ کے بعد سلطان علی (1512-1513) یہاں کا حکمران رہا۔ اس کے بعد سلطان حسن نہم اور سلطان علی ششم یہاں کے حکمران بنے۔ 1518ء میں ان جزائر پر پرتگالیوں نے قبضہ کرلیا۔ سترہویں صدی میں سری لنکا کے حاکم ولندیزیوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ 1887ء میں ہونے والے ایک معاہدے کے تحت برطانیہ کو ہندوستان کے ساتھ ساتھ مالدیپ کا بھی حکمران تسلیم کرلیا گیا۔ 1932ء میں سلطان شمس الدین سکندر نے ملک کو نیا آئین دیا۔ انگریزوں نے 1939ء میں یہاں ہوائی اڈہ اور بحری اڈاہ تعمیر کیا۔ 1948ء میں حکومت برطانیہ کے ساتھ ایک اور معاہدہ ہوا جس میں قرار پایا کہ برطانیہ مالدیپ کے داخلی امور میں مداخلت نہیں کرے گا اور اس کے بدلے اسے جزیرہ گان میں ایک ہوائی اڈہ قائم کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ 1965ء میں وزیر اعظم ابراہیم ناصر کی قیادت میں یہ ملک آزاد ہوا۔ 1968ء تک یہاں بادشاہت قائم رہی۔ 29 مارچ 1979ء تک برطانوی مکمل طور پر یہاں سے چلے گئے۔ 1978ء میں ابراہیم ناصر کے استعفیٰ کے بعد عبدالقیوم مامون صدر بنے۔ 1990ء میں جمہوری اصلاحات کا اعلان ہوا۔ عوامی شرکت کے لئے شوریٰ کے ارکان کی تعداد 15 سے بڑھا کر 55 کردی گئی۔ اکتوبر 1993ء میں صدر

Marfat.com

مامون کو چوتھی مرتبہ پانچ سالہ معیاد کے لئے صدر منتخب کیا گیا۔ اگلے دونوں انتخابات میں بھی انہیں ہی کامیابی ملی جس پر ملک میں مظاہرے ہوئے اور حکومت سے سیاسی اصلاحات کا مطالبہ کیا گیا۔ دسمبر 2004ء میں انڈونیشیا کے نزدیک آنے والے خوفناک زلزلے سے سونامی لہریں پیدا ہوئیں جنہوں نے مالدیپ کے تقریباً ہر جزیرے پر تباہی مچائی۔ اکتوبر 2008ء میں منعقد ہونے والے ملکی تاریخ کے پہلے عوامی انتخابات میں بالآخر ملک نے ایک نئے صدر کا استقبال کیا اور عبدالقیوم مامون کی جگہ محمد ناشید نئے صدر بنے۔

مالی

مالی براعظم افریقہ میں واقع ہے۔ یہ سب سے بڑا افریقی اسلامی ملک ہے اور افریقہ کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کے مغرب میں موریطانیہ، سینی گال، جنوب میں گنی، کوت دیودر اور برکینا فاسو، مشرق میں نائیجر اور شمال میں الجزائر واقع ہیں۔ یہ ملک صدیوں سے اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ چلا آتا ہے۔ ٹمبکٹو اس ملک میں اہم حیثیت رکھتا ہے اور اسلامی تاریخ میں بھی۔ 1828ء میں یہاں فرانس نے قبضہ کرلیا اور علاقہ فرانسیسی سوڈان کہلانے لگا۔ 1946ء میں یہاں کے لوگوں کو محدود خودمختاری مل گئی۔ 28 نومبر 1958ء کے ریفرنڈم کے نتیجے میں اس ملک اور سینی گال میں یونین قائم ہوئی۔ 20 اگست کو 1960ء کو علیحدگی ہوگئی۔ 22 ستمبر 1960ء کو فرانسیسی سوڈان کو مالی کا نام دے کر آزاد کردیا گیا۔ مودیبو کیتا اس کے پہلے صدر بنے۔ 8 جون 1963ء کو فرانس کے ساتھ اقتصادی اور ثقافتی معاہدے ہوئے۔ مالی اور سینی گال کے درمیان بھی تجارت اور آمدورفت کے معاہدے ہوئے۔ مالی اور سینی گال کے درمیان بھی تجارت اور آمدورفت کے معاہدے ہوئے۔ 19 نومبر 1968ء کو فوجی حکومت کی صورت میں لیفٹیننٹ جنرل موسیٰ طراورے زمام نے اقتدار سنبھالا۔ 1974ء کے آئین میں صدر کے عہدے کی معیاد پانچ سال مقرر ہوئی اور اسمبلی چار سال کے لئے منتخب ہونا قرار پائی۔ 1969ء میں شدید قحط سالی نے ملک کو بہت نقصان پہنچایا۔ 1972ء تک ایک لاکھ افراد مارے گئے اور سات لاکھ افراد ہجرت کرگئے۔ 1977ء میں ملک میں ہنگامی حالت کا خاتمہ ہوا۔ 81-1980ء میں برکینا فاسو کے ساتھ سرحدی جھڑپیں ہوئیں۔ 26 مارچ 1991ء کو صدر موسیٰ طراورے کے اقتدار کا سورج ڈوب گیا۔ کرنل احمد تو مناتی برسر اقتدار آئے مگر وہ بھی زیادہ دیر حکومت نہ کرسکے۔ 1992ء میں عمر کنارے ملک کے صدر بن گئے۔ اس دوران 1991ء میں 29 مارچ کو فوجی جنتا کی جانب سے سرکاری ہینڈ آؤٹ جاری کیا گیا کہ ملک میں نو ماہ کے اندر انتخابات ہوں گے۔ 12 اپریل کے روز مسٹر سوانا سا کو وزیراعظم بنایا گیا۔ مئی 1997ء میں دوسرے کثیر جماعتی انتخابات ہوئے جن میں صدر عمر کونرے دوسرے بار مالی کے صدر منتخب ہوئے۔ انہوں نے مالی کی بحران میں مبتلا معیشت کو بڑے تدبر سے سنبھالا دیا اور بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ ان کی باشعور پالیسیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مالی کپاس پیدا کرنے والا دوسرا بڑا افریقی ملک بن گیا۔ عمر کونرے اپنی مدت پوری کرنے کے بعد بہ مطابق آئین سبکدوش ہوگئے۔ جون 2002ء کے انتخابات میں احمد وطومانی طورے صدر منتخب ہوئے۔ انہی کی کوششوں سے 1991ء میں وہ بغاوت رونما ہوئی تھی جس نے مالی کو فوجی حکمرانی سے نجات دلوائی۔

متحدہ عرب امارت

براعظم شمالی افریقہ میں واقع ہے۔ یہ سات ریاستوں دوبئی، شارجہ، راس الخیمہ، فجیرہ، ام القوین، ابوظبی اور عمان

کا مجموعہ ہے۔ اس کے شمال مغرب اور جنوب میں سعودی عرب، مشرق اور شمال مشرق میں عمان اور شمال میں خلیج فارس ہے جو اسے ایران سے ملاتی ہے۔ اندرونی اعتبار سے یہ ریاستیں سعودی عرب سے ملتی ہیں۔ جنوب میں ہجر (Hajar) کی پہاڑیاں واقع ہیں۔ پندرھویں اور سولہویں صدی میں اس پر پرتگالیوں کا قبضہ تھا۔ بعد میں اس پر ایران قابض ہو گیا۔ 1783ء میں یہاں کے باشندوں نے ایرانیوں کو ملک سے نکال دیا۔ 1866ء میں انگریزوں نے یہاں قدم جمانے شروع کر دیئے اور یہ ملک آہستہ آہستہ برطانیہ کے زیر تحفظ آ گیا۔ اس دوران بحری قزاقوں نے بڑا سر اٹھا رکھا تھا جن انگریزوں نے خاتمہ کر دیا۔ 1880ء سے 1916ء تک برطانیہ سے یہاں کے حکمرانوں نے متعدد معاہدے کیے۔ 1958ء میں یہاں پر تیل دریافت ہوا۔ 1971ء میں برطانیہ سے کئے گئے حفاظت کے معاہدے ختم ہو گئے اور امارات مکمل آزادی حاصل ہو گئی۔ اس کا نیا نام متحدہ عرب امارات رکھا گیا۔ 1975ء میں امارات نے اوپیک کی رکنیت حاصل کر لی۔ 1976ء میں امارات کی فوج کو مشترک و متحد رکھنے کے لئے سپریم ڈیفنس کونسل بنائی گئی۔ جبل عالی کے مقام پر آئل ریفائنری کھولی گئی۔ فروری 1979ء میں راس الخیمہ بھی متحدہ عرب امارات میں شامل ہو گئی۔ شیخ زائد بن سلطان النہیان ایک معتبر اور قابل احترام لیڈر کی حیثیت سے دنیائے اسلام میں ابھرے۔ خلیج کی پہلی جنگ کے دوران امارات نے اتحادی افواج کو مکمل اعانت فراہم کی اور عراق میں اپنا سفارت خانہ بند کر دیا۔ یہ سفارت خانہ 2000ء میں دوبارہ کھولا گیا۔ 2003ء میں امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو اس دوران بھی اسے امارات کا مکمل تعاون حاصل رہا۔ نومبر 2004ء میں متحدہ عرب امارات کے بانی اور 1971ء سے فیڈریشن کے صدر چلے آ رہے شیخ زائد بن سلطان وفات پا گئے اور آئین کے مطابق امارات کے حکمرانوں کی سپریم کونسل نے ان کے بیٹے خلیفہ بن زائد النہیان کو نیا امیر منتخب کر لیا۔

مراکش

براعظم جنوبی مغربی افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں بحیرہ روم، مشرق اور جنوب مشرق میں الجزائر، جنوب میں مغربی (ہسپانوی) صحرا اور مغرب میں بحر اوقیانوس واقع ہیں۔ جدید مراکش کا علاقہ 8 ہزار سال قبل مسیح میں آباد ہوا۔ قدیم دور میں یہ موریطانیہ کہلاتا تھا۔ واضح رہے کہ موریطانیہ نام کا ملک بھی مراکش کے قریب ہی واقع ہے۔ شمالی افریقہ اور مراکش عظیم رومی سلطنت کا حصہ رہے ہیں اور رومی سلطنت میں مراکش کا علاقہ TingitanaMauretania کہلاتا تھا۔ 5 ویں صدی میں رومی سلطنت کے زوال کے بعد ونڈلز، وزیگوتھ اور بازنطینی یونانیوں نے اس سرزمین پر قبضہ کیا۔ اس دور میں بھی جدید مراکش کے پہاڑی علاقے آزاد رہے جن میں بربر نسل کے لوگ رہتے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی میں اسلام یہاں پہنچا۔ جب حضرت عقبہ بن نافع اور موسیٰ بن نصیر نے اسے فتح کیا۔ خاندان امیہ کے حکمران ادریس اول نے اس علاقے کو بہت ترقی دی اور ایک ترقی یافتہ علاقہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ 1061ء سے 1106ء تک یوسف بن تاشفین یہاں حکمران رہا اور بہت سے افریقی علاقے اس نے فتح کئے۔ عبدالمومن بن علی نے اس کے بعد مراکش اور اندلس کے علاقے فتح کئے۔ یعقوب المنصور نے 1184ء سے 1199ء تک یہاں حکومت کی۔ بعدازاں سلطنت علویہ نے عروج حاصل کیا جسے اسپین اور مسلسل مغرب کی جانب توسیع پانے والی سلطنت عثمانیہ کی جارحیت کا سامنا کرنا پڑا۔ علوی اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے حالانکہ ان کی حکومت گذشتہ حکومتوں کے مقابلے میں چھوٹی لیکن کافی دولت مند تھی۔ 1684ء میں انہوں نے طنجہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ مراکش پہلا ملک ہے جس نے 1777ء میں امریکہ کو بطور آزاد ملک تسلیم کیا۔ امریکی انقلاب کے آغاز میں بحر اوقیانوس میں سفر کرنے والے امریکی جہازوں پر بربر قزاق حملے کیا کرتے

Marfat.com

تھے۔ اس وقت امریکیوں نے یورپی قوتوں سے مدد کی درخواست کی لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوئی۔ 20 دسمبر 1777ء کو مراکش کے سلطان نے اعلان کیا کہ امریکی تاجروں کے جہاز سلطنت کی حفاظت وامان میں ہوں گے۔ امریکہ مراکش دوستی کا یہ معاہدہ امریکہ کا قدیم ترین دوستی کا معاہدہ ہے جو آج تک برقرار ہے۔ اس معاہدے پر جون ایڈمز اور تھامس جیفرسن نے دستخط کیے تھے اور یہ 1786ء سے نافذ ہے۔ صدر جارج واشنگٹن نے سلطان سیدی محمد کو خط لکھا جس سے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات مزید مستحکم ہوئے۔ طنجہ میں امریکی قونصلیٹ ملک میں امریکی حکومت کی پہلی ملکیت تھی۔ اس عمارت میں اب طنجہ امریکن لیگیشن میوزیم قائم ہے۔ مراکش اس وقت افریقہ میں سب سے دولت مند ملک تھا اور وہ بحیرہ روم میں داخلے کے راستے پر قائم ہونے اور اپنے بہترین محل وقوع کے باعث یورپی استعماری قوتوں کی نظر میں آ گیا۔ فرانس نے 1830ء میں مراکش میں زبردست دلچسپی دکھائی۔ 1904ء میں مراکش میں فرانس کے حلقہ اثر کی برطانوی قبولیت نے جرمنی میں زبردست ردعمل پیدا کیا اور جون 1905ء کے اس بحران کو 1906ء میں اسپین میں الجزیراس کانفرنس کے ذریعے حل کیا گیا جس کے ذریعے مراکش میں فرانس کی "خصوصی حیثیت" اور فرانس اور اسپین کے مشترکہ قبضے کو تسلیم کیا گیا۔ یورپی قوتوں کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی کے ساتھ مراکش کا دوسرا بحران برلن نے پیدا کیا اور 30 مارچ 1912ء کو معاہدہ فاس کے تحت مراکش کو فرانس کی کالونی بنا دیا گیا۔ معاہدے کے تحت اسی سال 27 نومبر کو اسپین کو شمالی وجنوبی علاقوں کا قبضہ دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد طے پانے والے میثاق اوقیانوس کے تحت مراکش کی کئی قومی سیاسی جماعتوں نے ملک کی آزادی کا مطالبہ کیا اور استقلال پارٹی نے پہلی مرتبہ 1944ء میں عوامی سطح پر آزادی کی آواز اٹھائی۔ 1953ء میں سلطان محمد پنجم کی مڈغاسکر جلاوطنی اور ان کی جگہ غیر مقبول محمد بن عارفہ کی تقرری نے ملک بھر میں فرانس کے خلاف زبردست ردعمل پیدا کیا۔ اس دوران سب سے مشہور واقعہ اوجدا میں مراکشی باشندوں کو فرانس اور دیگر یورپی باشندوں کی رہائش گاہوں پر حملہ تھا۔ فرانسی قبضے کے خلاف یکم اکتوبر 1955ء کو "آرمی ڈی لبریشن" قائم کی گئی۔ اس کا ہدف سلطان محمد پنجم کی وطن واپسی اور الجزائر اور تیونس کی آزادی تھا۔ فرانس نے 1955ء میں محمد پنجم کو وطن واپسی کی اجازت دی اور مذاکرات کا آغاز ہوا جو بالآخر اگلے برس مراکش کی آزادی پر منتج ہوئے۔ یہ "انقلاب شاہ وعوام" کہلاتا ہے جسے ہر سال 20 اگست کو منایا جاتا ہے۔ مراکش جون 2004ء میں امریکہ کا نان نیٹو اتحادی قرار پایا اور اس نے امریکہ ویورپی یونین کے ساتھ آزاد تجارت کے معاہدے کیے۔ 2003ء میں مراکش کا سب سے بڑا شہر کاسابلانکا دہشت گرد حملوں کا نشانہ بنا۔ ان حملوں کا نشانہ مغربی اور یہودی باشندے تھے جس میں 33 شہری ہلاک اور 100 سے زائد زخمی ہوئے جن کی اکثریت مراکشی تھی۔ 2006ء میں مراکش نے آزادی کی 50 ویں سالگرہ منائی۔

مصر

یہ ملک براعظم افریقہ میں اندر کی جانب واقع ہے اور افریقہ کے شمال کی طرف ہے۔ اس کے شمال میں بحیرہ روم، مشرق میں اسرائیل اور بحیرہ قلزم (احمر)، جنوب میں سوڈان اور مغرب میں لیبیا واقع ہیں۔ تاریخی لحاظ سے یہ ملک بہت قدیم ہے۔ اس کی تہذیب بھی دنیا کی قدیم ترین تہذیب ہے۔ 3200 ق م میں یہاں جیتا جاگتا ماحول تھا اور ترقی یافتہ بھی۔ یہاں کے اہرام جن کا دنیا کے عجوبوں میں شمار ہوتا ہے، 2600 ق م اور 2500 ق م میں تعمیر ہوئے۔ 525ء میں یہ ایران کے زیر قبضہ آ گیا۔ 640ء میں حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلامی حکومت میں شامل ہوا۔ اس علاقے کو حضرت عمروؓ بن العاص نے فتح کیا تھا۔ 1517ء میں یہ علاقہ ترکوں کی عثمانی سلطنت کے زیر نگیں آ گیا۔ 1798ء میں نپولین بوناپارٹ

Marfat.com

نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد فرانس اور برطانیہ کے زیر اثر یہ علاقہ رہا۔ 1882ء میں برطانیہ نے اس پر مکمل قبضہ کر لیا۔ 1914ء میں یہ علاقہ برطانیہ کے زیر نگرانی قرار پایا۔ 1922ء میں شاہ فواد اول یہاں کا حکمران بنا۔ 1936ء میں اس کا بیٹا فاروق تخت نشین ہوا۔ دوسری جنگ عظیم میں مصر اتحادیوں کا ایک بہت اہم اڈا تھا۔ 1948ء میں عرب اسرائیل جنگ میں انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ 1952ء جنرل محمد نجیب نے شاہ فاروق کا تختہ الٹ دیا اور ملک کو جمہوری ملک قرار دے دیا۔ نائب وزیر اعظم جمال عبدالناصر بنے۔ مگر اختلافات پر جنرل جلد ہی اقتدار سے علیحدہ ہو گئے اور جمال عبدالناصر صدر بن گئے۔۔ اکتوبر 1954ء میں نہر سویز سے برطانوی فوج کے انخلاء کا معاہدہ طے پایا اور نہر کو بین الاقوامی آبی راستہ قرار دے دیا گیا۔ جولائی 1956ء میں امریکہ، برطانیہ اور بین الاقوامی بنک نے اسوان ہائی ڈیم کی تعمیر میں مصر کو قرضہ دینے سے انکار کر دیا جس پر مصر نے نہر سویز کو قومی ملکیت میں لے لیا۔ اسرائیل، برطانیہ اور امریکہ نے مل کر مصر پر حملہ کیا اور شکست کھائی، اقوام متحدہ کی مداخلت پر جنگ بند کرنا پڑی۔ 1970ء میں انوار السادات، جمال عبدالناصر کی وفات پر صدر بنے۔ انہوں نے مغرب سے دوستی کا اظہار کیا جس پر عربوں نے مصر کو مالی امداد بھی دی۔ جون 1967ء میں اسرائیل نے جو علاقہ زیر قبضہ کر رکھا تھا 1973ء میں اس کے ایک بڑے حصے کو آزاد کروالیا گیا۔ صدر انور السادات نے 18 مئی 1978 کو کیمپ ڈیوڈ کے مقام پر اسرائیل سے معاہدہ کیا۔ اس دوران مصری صدر نے اسرائیل کا دورہ بھی کیا جس کے تحت صحرائے سینا مصر کو مل گیا۔ 6 اکتوبر 1981ء کے روز اسرائیل سے مذاکرات پر ناراض فوجیوں نے انور سادات کو ایک فوجی پریڈ کے دوران فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ ان کے بعد حسنی مبارک صدر بنے اور اب تک اقتدار سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان کی حکومت اسلام پسندوں پر سخت گیری اور مغرب نوازی کے لئے خاص شہرت رکھتی ہے۔

ملائیشیا

براعظم جنوب مشرق ایشیا میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں بحیرہ جنوبی چین، شمال میں تھائی لینڈ اور جنوب میں سنگاپور ہے۔ 878 عیسوی میں اسلام نے اس علاقے کو منور کیا اور اس مذہب نے یہاں بہت ترقی کی۔ لوگ سنی العقیدہ ہیں۔ 15ویں صدی میں ساٹرا کے بادشاہ میشورار نے اس سلطنت کی بنیاد رکھی مگر صرف 15 سال بعد ہی پرتگالیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد 1641ء میں یہاں ولندیزیوں نے قبضہ کر لیا۔ 1795ء میں یہ علاقہ برطانیہ کے زیر سایہ چلا گیا۔ 1941ء میں جاپان قابض ہو گیا مگر جنگ عظیم کے بعد صورتحال بدل گئی۔ جاپان پسپا ہوا۔ ملائیشیا میں آزادی کی جنگ لڑی گئی۔ یونائیٹڈ ملائیشیا نیشنل آرگنائیشن تنظیم قائم کی گئی جس نے ملک بھر میں عوامی جذبات کی ترجمانی کی۔ بالآخر برطانیہ کو مجبور ہو کر مقامی رہنماؤں سے مذاکرات کرنا پڑے۔ 21 اگست 1957ء کو مرکزی حکومت کے تحت ملائیشیا کی ریاستوں کا وفاق عمل میں آیا۔ 17 ستمبر 1957ء کو یہ اقوام متحدہ کا ممبر ملک بن گیا۔ 1960ء تک یہ مکمل آزاد اور خود مختار ملک بن گیا۔ تنکو عبدالرحمٰن ملک کے پہلے وزیر اعظم بنے۔ 1970ء میں کیمونسٹ تحریک نے زور حاصل کیا مگر اس تحریک کو کچل دیا گیا۔ اس دوران 65 ارکان کی مشاورتی کونسل بنائی گئی تاکہ ملک میں امن وامان ہو۔ ستمبر 1970ء میں تنکو عبدالرحمٰن اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ تنکو عبدالرزاق نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا جنہوں نے پارلیمانی نظام کو فروغ دیا۔ 24 اگست 1974ء کے انتخابات میں ان کی پارٹی واضح اکثریت سے جیتی۔ 14 جنوری 1976ء کے روز تنکو عبدالرزاق انتقال کر گئے اور نائب وزیر اعظم دتو حسین بن عون وزیر اعظم بن گئے۔ کیمونسٹوں کا انقلاب روکنے کے لئے حکومت نے سختی کی پالیسی اختیار کی۔ نسلی امتیاز کی پالیسی سے بچنے کے لئے چینی

پیشہ ور کاریگر ملک چھوڑ کر جانے لگے۔ حسین بن عون کی جماعت نے 1978ء کے انتخابات میں دو تہائی کی اکثریت حاصل کی۔ 1981ء میں حسین بن عون صحت کی خرابی کی وجہ سے سبکدوش ہو گئے اور ان کی جگہ مہاتیر بن محمد وزیراعظم بنے۔ 1982ء کے انتخابات میں ان کے زیر قیادت ان کی جماعت نے واضح اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ 1990ء تک مہاتیر محمد کی معاشی حکمت عملیوں کی بدولت ملائیشیا ایشیاء کی عظیم معاشی قوت بن گیا اور اس کا شمار ترقی یافتہ ممالک میں ہونے لگا لیکن 1997ء کے کرنسی کے بحران نے اس ترقی کو خاصا دھچکا پہنچایا۔ بہر حال، مہاتیر محمد آئی ایم ایف اور عالمی بینک کی پالیسیوں پر نہیں چلے بلکہ اپنی راہ خود متعین کی اور بالآخر ملک کو بحران سے نکالنے میں کامیاب رہے۔ 1998ء میں مہاتیر محمد نے اسلامی رہنما اور نائب وزیراعظم انور ابراہیم کو برطرف کر دیا جن پر مختلف نوع کے الزامات تھے۔ 2003ء میں بائیس برس حکومت کرنے کے بعد مہاتیر محمد سیاست سے ریٹائر ہو گئے اور ان کی جگہ عبداللہ بداوی نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا۔ مارچ 2004ء میں عام انتخابات ہوئے جن میں حکمران جماعت نے نوے فیصد ووٹ حاصل کیے۔ عبداللہ بدوی نے باقاعدہ طور پر وزیراعظم کا عہدہ سنبھال لیا۔ اسی سال انور ابراہیم کو بھی رہا کر دیا گیا۔ اگرچہ ملائیشیا کی ترقی کی رفتار کسی ترقی یافتہ ملک سے کم نہیں اور توقع کی جارہی ہے کہ آنے والے ہی چند سالوں میں یہ ایک ترقی یافتہ ملک کا درجہ حاصل کرلے گا تاہم اس کے سیاسی نظام کی سخت گیری پر اکثر اعتراضات اٹھائے جاتے رہتے ہیں۔ یہاں کثیر جماعتی نظام کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی، پریس پر قدغنیں عائد ہیں، عدلیہ کو آزاد تصور نہیں کیا جاتا اور کئی مدنی وسیاسی آزادیاں نظر نہیں آتیں۔ تاہم اس وقت اگر اسلامی دنیا کے حالات کو مدنظر رکھا جائے اور ملائیشیا کے سیاسی استحکام اور معاشی ترقی پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ کہے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ ملائیشیا کے نظام کی یہ سخت گیری اس کے حق میں مفید ثابت ہوئی اور ملکی عوام میں سیاسی شعور مناسب حد تک پختہ ہو جانے کے بعد انہیں سیاسی آزادیوں سے روشناس کرا دیا جائے تو ہی مناسب رہے گا۔ 2008ء کے انتخابات میں حکومتی جماعت دو تہائی اکثریت حاصل نہ کر سکی۔ اس کی ناکامی کی وجوہات میں افراط زر کی بلند شرح، جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح، نسلی بنیادوں پر کشیدگی اور کئی دیگر وجوہات کو گنوایا گیا تاہم عبداللہ احمد بداوی دوسری مرتبہ وزیراعظم بننے میں کامیاب رہے۔

نائیجر

نائیجر براعظم افریقہ کے جنوبی حصے میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں الجزائر اور لیبیا، مشرق میں چاڈ، جنوب میں نائیجیریا اور بینن اور جنوب مغرب میں اپر وولٹا اور مغرب میں مالی واقع ہے۔ جنوبی سرے پر صحارا واقع ہے۔ یہ ملک قدیم تاریخ کا حامل ہے۔ شمالی افریقہ کے مسلمان جھیل چاڈ کے اردگرد کے علاقوں میں آنے جانے کیلئے نائیجر سے گزرا کرتے تھے اور کبھی کبھی یہاں آباد ہو کر چھوٹے موٹے دیہات تعمیر کر لیتے تھے گیارہویں صدی عیسوی کی مسلمان بستیوں کے آثار آج بھی قائم ہیں۔ یہاں چھٹی صدی سے اٹھارویں صدی تک مختلف قبائل حکومت کرتے رہے جن میں شونگھائی، ہوسا اور فولانی قبائل قابل ذکر ہیں۔ گیارہویں صدی کے بعد یہاں ہوسا اور توریگ قبائل کی حکومت تھی۔ 1515ء میں سونی کے مسلمان حکمران عقید محمد اول نے ہوسا قبائل پر لشکر کشی کر کے اغادیر کے شہر پر قبضہ کر لیا جس سے پھر تمام علاقوں پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ آہستہ آہستہ یہ قبائل سر اٹھانے لگے۔ ان کا ساتھ ان انگریزوں اور فرانسیسیوں نے دیا جو انیسویں صدی کے آغاز ہی سے وہاں بسنا شروع ہو گئے تھے۔ 1890ء میں فرانس نے جب یہاں قبضہ کیا تو یہاں کے عوام نے مسلح جدوجہد کی۔ 1892ء میں اسے فرانسیسی نوآبادی قرار دیا گیا۔ 1958ء میں اسے جزوی آزادی اور

1960ء میں مکمل آزادی حاصل ہو گئی۔ صمانی ڈیوری ملک کے پہلے صدر تھے۔ جنہوں نے 15 اپریل 1974ء تک حکومت کی۔ ان کا تختہ لیفٹیننٹ کرنل سینی کو نچے نے الٹا دیا لیکن آنے والی حکومت بھی قحط سالی کو نہ ختم کر سکی۔ یہاں 1975ء میں تیل اور فاسفیٹ کے ذخائر دریافت ہوئے۔ 1976ء میں صدر کے خلاف سازش کو کچل دیا گیا۔ 14 نومبر 1987ء میں کرنل علی میو ملک کے صدر بنے اور 1989ء میں دوبارہ منتخب ہوئے۔ 27 اکتوبر 1991ء میں احمد وزیر اعظم بنے۔ 1993ء میں مہمانی عثمان صدر بنے اور محمد واسوخود وزیر اعظم۔ نائیجر یورینیم کی پیداوار کے لئے معروف ہے۔ دنیا کا 40 فی صد یورینیم یہاں سے نکلتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ بجلی کا کوئی پلانٹ یہاں موجود نہیں اور نہ ہی کوئی ٹیکنالوجی اور فنی مہارت۔ اس لئے یہ یورینیم کو اونے پونے یورپی ملکوں کے ہاتھوں فروخت کرنے پر مجبور ہے کیونکہ 90 فی صد آمدنی یورینیم سے حاصل ہوتی ہے۔ اکتوبر 1991ء کے آخر میں توریگ قبائل نے شورشیں برپا کیں۔ ملک میں ایک بار پھر خونی جھڑپیں ہوئیں جن میں سو سے زیادہ افراد ہلاک ہو گئے۔ جنوری 1993ء میں ملک کے پہلے کثیر جماعتی انتخابات ہوئے لیکن جولائی میں فوجی رہنما ابراہیم بارے نے فوجی انقلاب برپا کر دیا اور خود صدر بن گیا۔ اپریل 1999ء میں صدر ابراہیم بارے کو اس کے حفاظتی دستے نے قتل کر دیا۔ ایک ''قومی اصلاحی کونسل'' نگران کار کے طور پر بنی جس نے داؤد مالم مانکے کو عارضی صدر مقرر کیا۔ قومی اصلاحی کونسل نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے نومبر میں انتخابات کروائے جس میں تانجا محمد صدر منتخب ہوئے۔ 2004ء میں امریکا اور برطانیہ دونوں نے دعویٰ کیا کہ عراق نے ایٹم بم بنانے کے لئے نائیجر سے یورینیم حاصل کر لیا تھا مگر وہ کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے۔ جولائی 2004ء میں نائیجر نے اختیارات کی ڈی سنٹرلائزیشن کے عمل کو جاری کرنے کے لئے میونسپل انتخابات کرائے اور 3700 کے لگ بھگ افراد منتخب ہو کر مقامی حکومتوں میں پہنچے۔ حکمران جماعت کو نشستوں کی اکثریت حاصل ہوئی مگر حزبِ اختلاف کی جماعتوں نے بھی بہتر کارکردگی دکھائی۔ نومبر اور دسمبر 2004ء میں قانون ساز مجلس اور صدارت کے انتخابات ہوئے۔ تانجا محمد دوسری مرتبہ صدر منتخب ہوئے اور بین الاقوامی مشاہدہ نگاروں نے ان انتخابات کو عمومی طور پر آزاد اور منصفانہ قرار دیا۔ نائیجر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ خالص جمہوری طریقے سے کوئی صدر منتخب ہوا تھا اور یہ نائیجر کی نوخیز جمہوریت کے لئے ایک امتحان تھا۔ قانون ساز مجلس کے انتخابات میں بھی صدر کی حامی جماعتوں کو اکثریت حاصل ہوئی۔ 2007ء میں پھر توریگ قبائل کی طرف سے باغیانہ سرگرمیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس مرتبہ ان سرگرمیوں میں ایک غیر معروف گروہ کا نام سننے میں آیا۔ اس گروہ کی طرف سے بہت سے مطالبات پیش کئے گئے ہیں۔ اس گروہ کی سرگرمیوں نے نائیجر کی سیاحتی صنعت کو تباہ کر دیا ہے اور کان کنی اور تیل میں ہونے والی سرمایہ کاری کا عمل رک گیا ہے۔

نائیجیریا

براعظم جنوبی افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال اور شمال مغرب میں نائیجر، شمال مشرق میں جھیل چاڈ، مشرق میں کیمرون، جنوب میں خلیج گنی اور مغرب میں بینن واقع ہے۔ یہ قدیم تاریخی ملک ہے۔ اس کی تاریخ 900 ق م تک تلاش کی جا سکتی ہے۔ اسلام یہاں تیرھویں صدی عیسویں میں پھیلا۔ یہاں فولانی قبائل نے ہوسا قبائل کو شکست دے کر 15 ویں صدی میں ایک سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بعد کی دو صدیوں میں پرتگالی اور برطانوی اقوام نے یہاں حکومت کی۔ 1861ء میں برطانیہ نے دارالحکومت لاگوس پر مکمل قبضہ کر لیا اور آہستہ آہستہ برطانوی افواج نے دوسرے حصوں پر بھی اپنا قبضہ جمایا۔ یکم اکتوبر 1954ء کو وفاق نائیجریا کا قیام عمل میں آیا۔ 1959ء میں الحاج ابوبکر بولیو وزیر اعظم بن گئے۔

Marfat.com

196ء کا فوجی انقلاب شمالی علاقوں تک محدود رہا۔ اس انقلاب کا رہنما جنرل ارونس تھا۔ آئیبو قبائل جنرل کے ساتھ تھے۔ ں انقلاب میں بالآخر ابوبکر تفاوا بولیوا قتل ہو گئے۔ جنرل ارونس نے مئی 1966ء میں ملک کا وفاق توڑ دیا اور اسے جمہوریہ رار دیا جس سے ملک میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ جولائی 1996ء میں فوجی افسروں نے بغاوت کے بعد جنرل ارونس کو ل کر دیا۔ جنرل یعقوبو گوون جو چیف آف آرمی سٹاف تھے صدر بن گئے۔ انہوں نے آتے ہی پھر وفاق کا قیام عمل میں یا۔ لیکن آئیبو قبیلہ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ مئی 1967ء میں مشرق میں بیافرا کے نام سے ایک الگ جمہوریہ کا م عمل آیا۔ وفاقی حکومت نے الگ ریاست کی آزادی کی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ملک میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ یل خانہ جنگی کے بعد 1970ء میں الگ ریاست کے باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ 1978ء میں نائیجیریا کا آئین ں ہوا۔ اگست 1983ء میں شیخو شگاری ملک کے صدر بنے۔ 84ء میں میجر جنرل بوہاری انقلابی ملٹری کونسل کے سربراہ بنے۔ 1985ء میں ان کی جگہ جنرل ابراہیم بانگیلا نے لی۔ اپریل 1988ء میں حکومت نے پیٹرول کی قیمتوں میں ضافے کا اعلان کیا جس پر عوام نے شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ مئی 1989ء میں سیاسی جماعتوں پر سے پابندی کا خاتمہ کر دیا یا۔ 26 اگست 1993ء کو صدر ابراہیم اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔ نومبر 1993ء میں جنرل ثانی آباچا ملک کے صدر ن گئے۔ انہیں ملک کے سب سے زیادہ رسوائے زمانہ سربراہ ہونے کا ''اعزاز'' حاصل ہوا۔ 8 جون 1998ء کے روز کت قلب بند ہونے سے اس کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ ایک اور فوجی حکمران جنرل عبدالسلام ابوبکر برسر اقتدار آئے اور وں نے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ فروری 1999ء میں انتخابات ہوئے جن کے نتیجے میں جنرل سگان اوباسانجو غیر معمولی اکثریت سے صدر منتخب ہوئے۔ وہ سابقہ فوجی حکومت میں تین سال تک قید میں رہے اور ابات سے صرف آٹھ ماہ پہلے رہا ہوئے تھے۔ 2003ء کے عام انتخابات میں انہیں دوبارہ صدر منتخب ہونے کا اعزاز مل ہوا۔ مذہب کے نام پر دہشت گردی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ 13 اپریل 2007ء کے روز مذہبی رہنما اور سرکاری کار استاذ جعفر آدم کو فجر کی نماز کے وقت مسجد کے باہر قتل کر دیا گیا۔ انہوں نے کچھ عرصہ پہلے ریڈیو پر ایک تقریر کے وران انتخابات میں دھاندلی کرنے اور تشدد دانہ کارروائیاں کرنے والوں سے سے ''آہنی ہاتھوں'' سے نمٹنے کے عزم کا ہار کیا تھا۔ 2007ء کے انتخابات میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے عمرو یار الدعا اور گڈ لک جوناتھن صدر اور نائب صدر ر طور پر منتخب ہوئے۔ ان انتخابات کو بین الاقوامی مشاہدہ نگاروں کی طرف سے مستند ہونے کا فرمان نہ مل سکا۔ نئے صدر عیشت کی تعمیر نو کا کڑا مرحلہ درپیش ہے۔ بدعنوانی اور بدانتظامی نے معیشت کا ستیاناس کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ ملک میں نسلی اور مذہبی بنیادوں پر کشیدگی بھی پھیلی ہوئی ہے جسے ختم کرنا ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے ناگزیر ہے۔ تیل کی سٹری کو جس ایک اور مسئلے کا سامنا ہے، وہ یہ ہے کہ مختلف علاقوں میں لوگ پائپ لائنوں میں ڈرلنگ کر کے ذاتی روریات کے لئے خود ہی تیل نکال لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ اکثر دھماکوں اور جانی و مالی نقصان کی صورت میں نکلتا ہے۔ ال کے طور پر اکتوبر 1998ء میں ایسے ایک دھماکے میں جیسے کے علاقے میں گیارہ سو افراد مارے گئے۔

یمن

یہ براعظم شمالی افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال مشرق میں سعودی عرب اور مشرق میں عمان واقع ہے۔ ملکہ سبا اروں سال پہلے یہاں کی حکمران تھی جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ عدن کا نام بھی قرآن میں آیا ہے جو اس کا اہم شہر ہے۔ عثمانی ترکوں نے یہاں کئی سو سال حکومت کی۔ جنگ عظیم اول میں ترکی کی شکست کے بعد یہ سلطنت

Marfat.com

ختم ہوگئی۔ یوں 1918ء میں یمن آزاد ہوا۔ 1948ء سے 1962ء تک امام احمد نے یہاں حکومت کی۔ بعد میں جنرل عبدالسلال فوجی صدر بنے۔ 1959ء میں جنوبی یمن کی چھ ریاستوں نے مل کر "جنوبی وفاقی عرب امارات" کے نام سے ایک فیڈریشن بناتی ہیں، جس کا نام بعد میں تبدیل کر "وفاق جنوبی عرب" رکھ دیا گیا۔ 1967ء میں تحریک آزادی کے نتیجے میں برطانیہ نے جنوبی یمن کو آزادی دے کر اپنی فوجیں واپس بلالیں۔ 1972ء میں شمالی یمن سے سرحدی جھڑپوں کے بعد ایک معاہدۂ امن ہوا جس میں دونوں ممالک کے ادغام کا بھی اقرار کیا گیا۔ 1974ء میں امریکہ نے الزام لگایا کہ روس جنوبی یمن میں اپنے فوجی اڈے قائم کر رہا ہے اور بحیرۂ قلزم اور بحر ہند میں اپنی آبدوزوں کے لئے اڈے بنا رہا ہے۔ 1975ء میں جزیرہ پیرم جسے بحیرۂ قلزم کی طرف کھلنے والا جنوبی دروازہ کہا جاتا ہے، عرب لیگ کی فرمائش پر مصر کو ٹھیکے پر دیا گیا، جس کے صلے میں عرب لیگ کی جانب سے جنوبی یمن کو اقتصادی امداد فراہم کی گئی۔ 1976ء میں شمالی یمن میں سوویت یونین کی حمایت سے بائیں بازو کا فوجی انقلاب آیا تو جنوبی یمن کی حکومت نے انقلابیوں کی حمایت کی لیکن انقلاب ناکام رہا اور جنوبی یمن کی حکومت کو شمالی یمن سے صلح کرنا پڑی۔ 1979ء میں دس سالہ کشمکش، فوجی انقلابات اور تبدیلیوں کے بعد جنوبی یمن نے شمالی یمن پر حملہ کیا۔ شمالی یمن نے امریکہ اور سعودی عرب کی فوجی امداد کے بل پر یہ حملہ پسپا کر دیا۔ آخر کار صلح ہوئی۔ سرحدوں پر عرب لیگ کے گشتی دستے مامور ہوئے۔ شمالی یمن کے صدر صالح اور جنوبی یمن کے صدر اسماعیل کے مابین دونوں ممالک کے ادغام کے بارے میں بات چیت ہوئی اور ایک منصوبہ تشکیل دیا گیا۔ 1982ء میں جنوبی یمن اور شمالی یمن کی متحدہ مملکت کے لئے ایک متفقہ آئین کا مسودہ تیار کیا گیا۔ 22 مئی 1990ء کو سوویت یونین کی تحلیل کے بعد جنوبی اور شمالی یمن کا اتحاد ہوا اور نئے ملک کا نام جمہوریہ یمن رکھا گیا۔ دونوں ملکوں کی اسمبلیوں نے نئے ملک کی صدارت کے لئے شمالی یمن کے صدر علی عبداللہ صالح کا انتخاب کیا۔ 1994ء میں جنوبی یمن میں علیحدگی کی تحریک چلی۔ دوبارہ خانہ جنگی شروع ہوئی لیکن شمالی یمن کی فوج نے فوری کارروائی کر کے تحریک کو کچل دیا۔ اپریل 1997ء کے پارلیمانی انتخابات میں صدر صالح کی سیاسی جماعت "پیپلز کانگریس" کو کامیابی حاصل ہوئی۔ نائن الیون کے واقعہ کے بعد یمن سے القاعدہ کے کئی کارکن گرفتار ہوئے۔ یمن کی حکومت دہشت گردی کے خلاف اور بین الاقوامی طور پر اس کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ 2000ء کے موسم گرما میں آئین میں چند تبدیلیاں کی گئیں اور صدارت کی مدت میں دو سال کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس طرح اگلے صدارتی انتخابات کا 2006ء میں ہونا طے پایا۔ اس ترمیم سے پارلیمنٹ کی مدت میں بھی دو سال کا اضافہ ہو گیا۔

یوگنڈا

براعظم شمالی افریقہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں سوڈان، مشرق میں کینیا، جنوب میں تنزانیہ، جھیل وکٹوریہ او روانڈا اور مغرب میں ڈیموکریٹک ری پبلک آف کانگو واقع ہیں۔ جنوب میں آتش فشاں پہاڑ ہیں۔ شمال مشرقی علاقہ بنجر ہے۔ 1800 تک مختلف قبائل یہاں کے حکمران رہے۔ 1862ء میں برطانیہ کے سیاح یہاں آئے۔ آہستہ آہستہ برطانیہ نے یہاں اپنا اثر ورسوخ بڑھانا شروع کر دیا۔ 1893ء میں یہ علاقہ برطانیہ کے زیر سایہ چلا گیا۔ عوامی دباؤ پر 19 اکتوبر 1962ء کو غیر ملکی تسلط ختم ہوا۔ 1963ء میں شاہ موتیسہ صدر اور ملٹن اوبوٹے وزیراعظم بنے۔ فروری 1966ء میں شاہ موتیسہ کی حکومت ختم کر کے ملٹن اوبوٹے نے اقتدار پر مکمل قبضہ کر لیا اور آئین معطل کر دیا۔ شاہ موتیسہ برطانیہ بھاگ گئے۔ 25 جنوری 1971ء کو جنرل عیدی امین نے ملٹن اوبوٹے کے غیر ملکی دورے کے دوران ان کا تختہ الٹ دیا۔ انہوں نے

1992ء میں غیر ملکی باشندوں کو ملک سے نکال دیا جس پر برطانیہ، امریکہ، کینیڈا نے یوگنڈا سے اپنے تعلقات ختم کر دیئے۔ عیدی امین نے اپنے تعلقات عربوں سے مستحکم کرنے شروع کر دیئے۔ 28 جولائی 1976ء کو عیدی امین نے تنزانیہ سے جنگ شروع کی اور اس کے 710 میل کے رقبہ پر قبضہ کر لیا۔ جوابی حملے پر 11 اپریل 1979ء کو یوگنڈا کے دارالحکومت کمپالا پر تنزانیہ نے قبضہ کر لیا۔ یہ جنگ 1979ء جولائی تک رہی۔ بالآخر عیدی امین بھاگ گئے اور 13 اپریل 1979ء کو یوسفو کرونڈے لولے صدر بن گئے۔ 20 جون کو ان کو صدارت سے الگ کر کے گاڈ فرے بنا کسا کو نیا صدر بنا دیا گیا اور امریکہ، برطانیہ سے تعلقات استوار کیے گئے۔ 1980ء میں یہاں زبردست قحط پڑا اور ہزاروں افراد مر گئے۔ اسی سال مئی میں فوج نے بغاوت کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اوبوٹے وطن واپس آ گئے۔ انہوں نے ایشیائیوں کو واپس آنے کی دعوت دی اور آزادانہ انتخابات کا وعدہ کیا۔ جولائی 1985ء میں فوج نے بغاوت کر دی۔ صدر اوبوٹے فرار ہوئے۔ فوج نے جنرل ٹیٹو اور کلو کو صدر بنا دیا لیکن حزب اختلاف کے قائد یوواری موسونی نے جس طرح اوبوٹے کے خلاف تحریک چلائی تھی، اس سے بھی زیادہ شدت سے فوجی حکومت کے خلاف بھی تحریک کو جاری رکھا۔ 29 جنوری 1986ء کو انہوں نے دارالحکومت کمپالا پر قبضہ کر لیا۔ یوواری صدر بنے اور آج تک وہی اس عہدے پر فائز ہیں۔ صدر یوواری نے خود کفالت کی بنیاد پر ملک کی اقتصادی حالت کو سنبھالا اور عیدی امین اور اوبوٹے کے ادوار کی لوٹ مار اور بدعنوانیوں کے برعکس ملک کو صاف ستھری انتظامیہ دی جس کی وجہ سے مغربی ممالک یوگنڈا کی بے دریغ مالی امداد کر رہے ہیں۔ مارچ 2001ء میں وہ ستر فیصد ووٹ لے کر پھر صدر منتخب ہوئے۔ جون 2001ء میں پارلیمانی انتخابات ہوئے نئے امیدواروں نے پچاس فیصد سے زیادہ نشستیں جیت لیں۔ اس سے ملک میں تبدیلی کی خواہش کے رجحانات ابھرتے ہوئے نظر آئے۔ اگست 2005ء میں پارلیمنٹ نے آئین میں تبدیلی کر کے صدر پر سے زیادہ سے زیادہ بار منتخب ہونے کی حد اٹھا لینے کے لئے ووٹ دیا۔ اس سے پہلے جولائی میں ایک ریفرنڈم میں عوام نے اپنا ووٹ کثیر جماعتی نظام کے حق میں دے کر غیر جماعتی سیاست کا خاتمہ کر دیا تھا۔ فروری 2006ء میں ملکی تاریخ کے پہلے کثیر جماعتی انتخابات منعقد ہوئے۔ حکومتی جماعت اگرچہ اکثریتی نشستیں جیتنے میں کامیاب رہی مگر دیگر مضبوط حریف بھی ابھر کر سامنے آئے۔

کشمیر

وادی جنت نظیر..... کشمیر گزشتہ پچاس سے جبر و استبداد اور ظلم کی انتہا کا نشانہ ہے۔ اس کا رقبہ 84000 مربع میل اور آبادی ایک کروڑ ہے۔ 14 اگست 1947ء کے بعد انڈی پینڈنس ایکٹ کی دفعہ نمبر 7 کی رو سے تمام ہندوستانی ریاستوں میں جن کی تعداد 562 تھی۔ برطانیہ کا عمل دخل ختم ہو گیا اور ریاستوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے بھارت یا پاکستان سے الحاق کریں۔ تاہم گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے حکمرانوں کو مشورہ دیا کہ وہ الحاق کے وقت جغرافیائی محل وقوع، عوام کی خواہشات، آبادی کے فرقہ وارانہ تناسب کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کریں۔ تین روز بعد ریاست جونا گڑھ، حیدر آباد اور کشمیر کے الحاق کے متعلق دونوں ممالک میں جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ جونا گڑھ میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ مگر نواب نے اس کا الحاق پاکستان سے کیا۔ جسے ہندوستان نے ماننے سے انکار کر دیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ ہندوؤں کی آبادی والی ریاست ہندوستان میں شامل کی جائے۔ مگر کشمیر کے مسئلے پر وہ اس نقطہ نظر کو نہیں مانتا۔ ریاست کشمیر کی 80 فی صد آبادی مسلمان ہے۔ یہ علاقہ پاکستان سے ملا ہوا ہے۔ سیاسی، اقتصادی، جغرافیائی اور دیگر تقاضوں سے یہ پاکستان کا حصہ بنتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اسے شہ رگ پاکستان قرار دیا تھا۔ پاکستان کے تمام بڑے دریاؤں کا منبع کشمیر

Marfat.com

ہے۔ بھارت کے ساتھ ریاست کی سرحد 50 میل لمبی ہے۔ جبکہ پاکستان کے ساتھ 384 میل لمبی ہے۔ اس کے جنوب اور مغرب میں پاکستان واقع ہے۔ شمال میں چین اور روس مشرق میں تبت اور جنوب مشرق میں بھارت واقع ہے۔ 27 اکتوبر 1947ء میں بھارت نے اپنی افواج وادی میں اتار دیں۔ بھارت اس کے 3/4 حصے پر قابض ہو گیا۔ مگر یہاں کے لوگوں نے غیر ملکی فوجوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس مسئلہ پر مئی 1948ء میں پاکستان اور بھارت کی افواج میں جنگ ہوئی۔ اقوام متحدہ نے یکم جنوری 1949ء کو جنگ بند کروادی۔ جس حصہ کو کشمیری عوام نے بھارت سے آزاد کروایا اس نے آزاد علاقے کا کنٹرول سنبھالا ہوا ہے۔ اقوام متحدہ سمیت رائے شماری کے جتنے بھی مصالحتی فارمولے پیش ہوئے پاکستان نے ان کو تسلیم کیا ہے اور بھارت ان کو رد کرتا رہا ہے۔ اس مسئلہ پر 1965ء، 1971ء کی پاک بھارت جنگیں ہوئیں۔ بھارتی افواج نے اس دوران میں خواتین کی بے حرمتی کی۔ نوجوانوں، بوڑھوں، اور بچوں کو شہید کیا اور انہیں تشدد کا نشانہ بنایا۔ روزانہ کشمیری مسلمانوں پر ظلم ڈھائے جاتے ہیں۔ حال ہی میں بھارتی افواج نے حضرت بل کی مقدس درگاہ کو آگ لگائی اور مسلمانوں کو بڑی بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا۔ گزشتہ نصف صدی سے مسلمان کشمیر کی آزادی کے لئے جنگ لڑ رہے ہیں۔ اقوام متحدہ میں یہ حل طلب مسئلہ عالمی ضمیر کی سنگ دلی اور بھارتی حکومت کے وحشیانہ ظلم وستم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مقبوضہ جموں و کشمیر میں 1989ء سے 30 اپریل 1995ء تک 42110 افراد شہید ہوئے۔ زیر حراست افراد جو شہید ہوئے ان کی تعداد 3233 ہے۔ 4181 افراد کو ناکارہ بنا دیا گیا۔ 39610 افراد قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ 30674 افراد لاپتہ ہیں۔ قومی امید ہے کہ ہندوستانی افواج نے یا تو انہیں شہید کر دیا ہے یا انہیں قید میں رکھا ہوا ہے۔ مسلمان خواتین کی بے حرمتی بھارتی افواج کا آئے دن کا مشغلہ ہے۔ چاہتا ہے کہ کشمیر میں مسلمانوں کا خاتمہ کر دے اور یہ اس پر اپنا غاصبانہ قبضہ برقرار رکھے۔ پاکستان میں کشمیر سینٹر قائم ہے۔ اس کے ڈائریکٹر میجر راجہ قربان حسین ہیں جبکہ پبلسٹی انچارج راجہ افتخار احمد خان ہیں جو شب و روز کشمیر کاز کے لئے محنت کر رہے ہیں۔

چیچنیا

اس وقت جبکہ دنیا اکیسویں صدی میں داخل ہونے والی ہے اور ہر طرف یہ نعرہ بلند کیا جا رہا ہے کہ دنیا اب اس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ وہ اپنے جھگڑے جنگ کے ذریعے نہیں بلکہ مذاکرات کے ذریعہ حل کرے تاکہ یہ دنیا مکمل امن کا گہوارہ بن سکے۔ لیکن دوسری طرف دیکھا جائے تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جہاں مسلمانوں کے حقوق کی بات آتی ہے تو تمام غیر مسلم طاقتیں ہر ممکن طریقے سے ان حقوق کو پامال کرتی نظر آتی ہیں اور امن کے اس بے بنیاد نعرے جو سب سے زیادہ شدت سے وہی الاپ رہے ہیں، کی دھجیاں اڑاتے نظر آتے ہیں۔ ان کا یہ قول و فعل میں تضاد ہمیں کہیں اسرائیل کی صورت میں نظر آتے ہیں اور کہیں کشمیر کی...... بوسنیا اور قبرص بھی اس کی تصویر ہیں، اس تضاد کی واضح مثال چیچنیا بھی ہے...... جہاں کے لوگوں کا صرف اس لئے قتل عام ہو رہا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ بحیرۂ اسود اور بحیرۂ خزر کے پہاڑوں میں واقع جمہوریہ چیچن شمالی قفقاز کی ان سات ریاستوں میں سے ایک اہم ریاست ہے جن پر روس نے انیسویں صدی میں قبضہ کر لیا تھا۔ روسی تسلط سے پہلے یہ ریاستیں متحدہ قفقاز کے نام سے جانی جاتی تھیں لیکن 1924ء میں اس خوف کے پیش نظر کہ متحدہ قفقاز قبضے کو مستقل برقرار رکھنا جوئے لانے کے مترادف ہے روس نے اس خطے کو سات ریاستوں میں تقسیم کر دیا۔ ان سات ریاستوں میں 1۔ داغستان، 2۔ کیارڈینو بلکاریہ، 3۔ کراشائی چیرکس، 4۔ شمالی اوسیشیا، 5۔ جنوبی اوسیشیا، 6۔ انجازیا، 7۔ چیچن انگیشیا شامل ہیں۔ (1992 کو روسیوں نے انگشیا کو چیچن سے علیحدہ کر کے ایک مستقل علیحدہ

ہوریہ قرار دیا ہے)۔جغرافیائی لحاظ سے جمہوریہ چیچن کا محل وقوع انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔اس کے شمال میں داغستان،
نوب میں جارجیا، مغرب میں انگیشیا اور شمال میں رشین فیڈریشن واقع ہیں۔ ریاست میں شاہراؤں اور ریل کا اہم
واصلاتی نظام قائم ہے۔جس کا ایک طرف مختلف ریاستوں کے ذریعے مشرقی یورپ سے رابطہ قائم ہے۔جمہوریہ چیچن کی
ریخ عزم وہمت اور شجاعت کے لازوال کارناموں کی روشن دستاویز ہے۔بندوق کو گلے میں لٹکائے، گھوڑے کی ننگی پیٹھ
بیٹھ کر جوانی کی دہلیز پر رکھنے والی قوم کا ہر فرد آزادی اور خودداری کو اپنا جزو ایمان گردانتا ہے۔اٹھارہویں صدی میں
ب روس نے اپنے توسیع پسندانہ عزائم میں اصلیت کا رنگ بھرنے کے لئے اردگرد کے ہمسایہ ممالک کا لہو چاٹنا شروع کیا
شمالی قفقاز کی یہ زمین اس کا ہدف اول ٹھہری۔تب قفقاز کے مسلمانوں نے داغستان کے عظیم مجاہد اول امام شامل ؒ کی
دت میں اس سرخ ریچھ کے سامنے ڈٹ جانے کا فیصلہ کرلیا۔امام شامل ؒ سے جب ان کا مرکز داغستان چھن گیا تو انہوں
چیچن کو اپنا مرکز بنایا اور اس کے بیش بہا مالی وسائل اس چھاپہ مار جنگ کی نظر ہو گئے۔1839ء میں امام شامل ؒ کی افواج
زار روس کی افواج کو مکمل شکست دے کر چیچن میں آزاد اور خودمختار حکومت کی بنیاد رکھی جو 20 سال تک رہی۔1859ء
روس نے ایک انبوہ کثیر کے ساتھ چیچن پر ایک مرتبہ پھر حملہ کیا اور بالآخر مذکورہ ریاست پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔یہاں کے
عوام نے اس تسلط کو ماننے سے انکار کردیا اور ایک نئے حوصلے اور عزم کے ساتھ اس تسلط کے خلاف نبرد آزما ہو گئے۔
دوجہد بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں تک مختلف اتار چڑھاؤ کے ساتھ جاری رہی کہ بالآخر 1920 میں روس نے
پر مکمل تسلط جمالیا اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو ان کی اپنی قیادت سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا۔امام شامل ؒ
منصور" اور زیلم خان کی اس سرزمین پر روس نے اپنا تسلط تو قائم کرلیا لیکن وہ اس سرزمین کے کوہستانی مسلمانوں
ل ودماغ سے آزادی کا خواب نہ کھرچ سکا اور چیچن کے مسلمانوں کے دلوں میں آزادی کی خواہش اور جذبہ بدستور
زن رہا۔یہ چیچن کے مسلمانوں کے رگ وپے میں سرایت کی ہوئی آزادی کا ہی اعجاز تھا کہ اس وقت جب زار شاہی
ز کے مسلمانوں کو کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی تو مشہور روسی شاعر الیگزنڈر پشکن نے اسے مشورہ دیا تھا
سلمان قبائلیوں کو سماواروں میں بھری چائے اور مسیحی مشنریوں کے ذریعے رام کرو، اسی شاعر نے 1859 میں ایک
پھر جب بالآخر امام شامل ؒ روسیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اپنی حکومت کو مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا وہ مسلمان قبائل
روق کے ذریعے رام کرنے کا خواب بھول جائے۔قفقاز کے ان مسلمانوں میں آزادی کی جو چنگاری امام شامل ؒ،
نصور ؒ اور زیلم خان نے لگائی تھی۔وہ بدستور فروزاں رہی اور بالآخر نومبر 1991ء میں جب سوویت یونین میں
ستان پر بے جواز لشکر کشی کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے تو جمہوریہ چیچن نے کمیونزم سے آزادی کا اعلان کردیا۔
کے اعلان آزادی کے ساتھ ہی ماسکو پر گویا سکتہ طاری ہو گیا۔ماسکو کے پہلو میں واقع یہ ریاست روس کے لئے فی
ت زندگی اور موت کا سوال بن گئی۔سونے کی یہ چڑیا جہاں جغرافیائی ہیئت کے اعتبار سے روس کے لئے بڑی اہمیت
ال ہے وہیں اقتصادی اعتبار سے بھی اس کی بڑی اہمیت اور انتہائی حساس نوعیت ہے۔قدرت نے اس ریاست کو
معدنی دولت سے نوازا ہے۔حکومت روس اپنی تیل کی ضروریات کا اسی فی صد (80%) حصہ اسی ریاست سے
لی ہے۔مزید برآں روس کی تقریباً تمام آئل ریفائنریز یہیں پر واقع ہیں۔اس لحاظ سے روس کی اقتصادی "قوت"
مٹھی میں قید ہے۔یہ انہی مجبوریوں کا تقاضا تھا کہ روس نے چیچن کے اعلان آزادی کو تسلیم کرنے سے انکار
اور صدر بورس یلسن نے ریاست میں ہنگامی حالت کے نفاذ کے بعد صدر جعفر داؤد کو حکم دیا کہ فوراً اپنے فیصلے پر نظر

Marfat.com

ثانی کریں بصورت دیگر سنگین نتائج کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں لیکن جعفر داؤد کی جوابی حکمت عملی کے سامنے اس کی ایک نہ چلی تو روسیوں نے اپنی اس پالیسی میں کچھ تبدیلیاں پیدا کیں اور براہ راست مداخلت سے پہلے اندرونی سرزمین ہموار کرنے کے لیے چیچن مہروں کے ہی انتخاب کی حکمت عملی پر سوچ بچار شروع کر دیا۔ اس ضمن میں انہیں جلد ہی عمر افسر خانوف، ارسلان لابازانوف اور روسی پارلیمنٹ کے سابق سپیکر ارسلان حسبلاتوف کی عملی مدد حاصل ہو گئی۔ ان لوگوں نے اپنی ہی حکومت کے خلاف روس سے اسلحہ اور دوسری مراعات لیکر علیحدہ ملیشیا قائم کی اور کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا لیکن انہیں اتنی کامیابی حاصل نہ ہو سکی جس کے بارے میں وہ پہلے ہی سے امید لگائے بیٹھے تھے۔ بالآخر جب روس نے یہ دیکھا کہ وہ اس ہتھکنڈے میں فیل ہو گیا اور یہاں اس طرح دال گلتی نظر نہیں آئی تو اس نے 11 دسمبر 1994ء کو چیچن پر عام حملہ کر دیا جس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے صدر یلسن نے اعلان کیا کہ چیچن رشین فیڈریشن کی حد ہے اور رہے گا۔ اس کے لئے ہمیں کیسا ہی قدم کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ روس اور چیچن کے سازشی ٹولے کی امیدوں اور توقعات کے علی الرغم چیچن عوام روس کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہو رہے ہیں۔ بین الاقوامی طاقتوں خصوصاً امریکہ اور برطانیہ نے لڑائی شروع ہونے کے فوراً بعد ہی چیچن کو رشین فیڈریشن کا اٹوٹ انگ قرار دیا تھا لیکن اب ان تمام طاغوتی طاقتوں کی امیدوں پر اوس پڑتی جا رہی ہے۔ ایک طرف تو اب تک اس جنگ میں روس کی مسلح افواج نہتے چیچن عوام کو بڑے بے دریغ انداز میں قتل کر رہی ہے یہاں مسلمانوں کے لئے خدا کی زمین تنگ کر دی گئی ہے۔ اس کا جرم یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں تو دوسری طرف 52 کے قریب مسلمان ممالک میں سے ایک ملک بھی ایسا نہیں جس نے اس کو تسلیم کیا ہوا اور حق کی اس جنگ میں چیچن عوام کا ساتھ دیا ہوا۔ چیچنیا کے صدر کے سوال کا جواب کوئی سربراہ مملکت نہ دے سکا ہے۔ جو انہوں نے بارہا اسلامی ممالک سے کیا کہ چیچن ایک شاندار ماضی کا حامل اسلامی ملک ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ابھی تک اسے اسلامی ممالک نے تسلیم نہیں کیا۔ بالآخر صدر جعفر داؤد کو یہ کہنا پڑا۔ ''مسلمان ممالک کو نذر رابوٹ، رحمان بنی اوف اوشیوارڈ ناڈزے مبارک ہوں جن کی آزادی انہوں نے تسلیم کر رکھا ہے۔ ہم اپنے آباؤ اجداد کی تمناؤں پر پورے اترے ہیں۔ ہم نے غاصب روسیوں سے آزادی چھین لی ہے۔ اب ہماری آزادی قطعی حقیقت ہے۔ اس کی واپسی ممکن نہیں۔ کوئی ہمیں تسلیم کرے نہ کرے ہمیں اس کی پروا نہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ فتح اور نصرت اللہ کی طرف سے ہے کہ اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ وہ بہترین دوست اور مددگار ہے۔'' عیدالاضحیٰ سے چند روز قبل جب پوری ملت اسلامیہ فریضہ حج کی تیاریوں میں معروف اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی کی تازہ کر رہی تھی، روس کی نو آزاد ریاست چیچنیا میں گروزنی سے تیس کلو دور مرد حر صدر جوہر داؤد نے روسی فوجوں سے لڑتے ہوئے جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ صدر داؤد نے خون نذرانہ پیش کر کے ایک بار پھر پوری دنیا پر واضح کر دیا کہ ملت ابراہیمی کے سپوت آج بھی آزادی اور عظمت دین کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔ روسی ٹیلی ویژن کی ایک رپورٹ کے مطابق صدر داؤد میزائلوں کے حملے کی زد میں آ گئے جب وہ گروزنی سے دور ایک مقام پر جنگی پلاننگ میں معروف تھے۔ آزاد ذرائع کے مطابق روسیوں نے سیٹلائٹ فون کے ذریعے صدر داؤد کے ٹھکانے کا پتہ لگا لیا۔ وہ سیٹلائٹ فون کے ذریعے اپنے گھر سے باہر مجاہدین کو ہدایات دے رہے تھے کہ روسی حملے کا نشانہ بن گئے۔ روسی عہدیداروں کا کہنا ہے کہ روسی اس حملے کے خلاف جوابی کارروائی کر رہے تھے جس میں ایک سو سے زائد روسی فوجی مارے گئے تھے۔ جوہر داؤد کو ایک ایسے موقع پر قتل کر دیا گیا جب بورس یلسن چیچنیا کے اس منصوبے کا اعلان کر چکے تھے کہ داخلی خود مختاری کے نکتے پر بات چیت ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

جو ہر داؤد 1944ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سوویت ایئر فورس میں ملازمت اختیار کر لی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پوری دنیا پر روسیوں کی ہیبت طاری تھی۔ وہ چیچنیا کے پہلے باشندے تھے جو ریڈ آرمی میں جنرل کے عہدے تک پہنچے۔ انہوں نے بالٹک ریاستوں میں چار سال بمبار بیس کمانڈر کے طور پر بھی گزارے۔ بعد ازاں انہوں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور آزادی و حریت کا راستہ اختیار کر لیا۔ وہ امام شامل کے پیروکاروں میں سے تھے جنہوں نے بہت سال پہلے اسی راستے پر اپنی جان قربان کر دی تھی۔ کمانڈو لیڈر اور جمہوریہ کے نائب صدر ظلمے خان یاندر بائیف نے نظم مملکت سنبھال لیا ہے اور واشگاف انداز میں اعلان کیا ہے کہ روس کی دراندازی کے خلاف جدوجہد جاری رہے گی اور اس جدوجہد میں ساری قوم اپنے محبوب رہنما کے نقش قدم پر چلنے کے لئے تیار ہے۔ 12 لاکھ آبادی اور 18 ہزار کلومیٹر رقبے پر مشتمل اس ریاست نے 3 نومبر 91ء کو آزادی کا اعلان کیا۔

یہ قفقاز کے علاوہ کوہ قاف کے نام سے بھی مشہور ہے۔ آٹھویں صدی عیسوی میں یہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ 1813ء میں اس علاقے کو روس کے سپرد کر دیا گیا۔ شیخ منصور نے 1780ء سے 1791ء تک اور امام شامل نے 1830ء سے 1859ء تک روسیوں سے جنگ کی اور ایک ایک جنگل اور مورچے میں روسیوں کو عبرتناک نقصان پہنچایا۔ 1857ء میں روسی افواج نے مکمل حملہ کیا۔ قصبے اور دیہات تاراج کر دیئے اور امام شامل کے مریدوں نے مسلح جنگ جاری رکھی۔ شیشانیوں کو مطیع کرنے کے لئے روسی 1817ء سے 1864ء تک برسر پیکار رہے۔ زاروں کی شکست کے بعد 1924ء میں اسے سوویت یونین میں شامل کر لیا گیا۔ 1983ء میں یہاں روسیوں کی آبادی 35 فیصد اور شیشانی قفقازی مسلمانوں کی آبادی 65 فی صد تھی۔ 1988ء کے بعد روس کا زوال شروع ہوا اور لتھوانیا، اسٹونیا، لٹویا، بیلا روس، مالدووا، ازبکستان، آذربائی جان، کرغیزستان، ترکمانستان، آرمینیا، یوکرائن، تاجکستان اور قازقستان نے یکے بعد دیگرے روس سے علیحدگی کا اعلان کر دیا اور آزاد دنیا نے ان سب نئے ممالک کو خوش آمدید کہا۔ چیچنیا، تاتارستان، انگشیا وغیرہ کی طرح رشین فیڈریشن کا حصہ تھا۔ 3 نومبر 1991 کو چیچنیا نے ایک ریفرنڈم کے ذریعے آزادی کا اعلان کیا تو روسی فیڈریشن نے اس کو بغاوت، سے تعبیر کیا اور تین سال تک خالی خولی دھمکیوں سے الگ ہونے والی جمہوریا کو واپسی پر مجبور کیا لیکن جمہوریہ کے منتخب صدر میجر جنرل داؤدیوف نے برملا اس عزم کا اظہار کیا کہ چیچن سرزمین کسی دور میں بھی روسی فیڈریشن کا حصہ نہیں رہی اس لئے روس کو اس علاقے پر اپنا حق جتانے کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ صدر بورس یلسن اور رسلان آسخلاتوف نے گروزنی شہر میں متوازن حکومت قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے منفی نتائج برآمد ہوئے اور عوام الناس کی ہمدردیاں میجر جنرل جوہر کے ساتھ اور بڑھ گئیں۔ 11 دسمبر 1994ء کو روسی پارلیمنٹ "ڈیوما" نے چیچنیا کے خلاف فوجی کارروائی کی اجازت دے دی، فضائی بیڑے نے گروزنی کو مطیع کرنے کے لئے فضائی حملے کئے۔ تین چوتھائی شہر پر حملہ کر دیا اور مجاہدین کی پناہ گاہوں پر شدید بمباری کی۔ اس کے نتیجے میں پچپن ہزار قیمتی انسانی جانیں ضائع ہو گئیں۔ اٹھارہ ہزار فٹ بلند پہاڑوں سے مجاہدین نے روسیوں پر حملے جاری رکھے اور وطن کا وسیع علاقہ آزاد کرا لیا۔ صدر بورس یلسن اور ان کے حواریوں نے عالمی پیمانے پر چیچنیا کو داخلی مسئلہ قرار دیا۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی، امریکہ اور دیگر ممالک نے مسلمانوں کے قتل عام پر خاموشی اختیار کی۔ کئی مواقع پر روس اور امریکہ کے سربراہ اکٹھے ہوئے اور امریکی صدر نے چیچنیا کے مسئلے پر خاموشی اختیار کر رکھی جبکہ روسی صدر نے جواباً امریکہ کے فلسطین اور عرب خلیجی ممالک میں نفوذ پر خاموشی اختیار کی اور چیچنیا کے بے کس و مظلوم شہری اپنی جانیں مادر وطن کی آزادی پر نچھاور کرتے رہے تاہم مغربی ذرائع ابلاغ

Marfat.com

نے یہ واویلا ضرور کیا کہ جوہر داؤدیوف دوسرا امام شامل بن رہا ہے۔ 27 مئی 1994ء کو جنرل داؤدیوف کے قتل کی سازش تیار کی گئی تاہم صدر اس حملے میں محفوظ رہے۔ وزیر داخلہ محمود علیوف ہلاک ہو گئے۔ 30 ستمبر 94ء کو یاراجی محدیوف کے حامیوں نے روسی حکومت کے ساتھ مل کر صدر جوہر کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ 21 اکتوبر کو چیچن افواج اور اپوزیشن کے عسکری دستوں کے درمیان جنگ میں 160 افراد ہلاک ہوئے۔ نومبر 1994ء میں روسی افواج نے جوہر داؤدیوف کو 48 گھنٹے کے اندر اندر ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا لیکن چیچنیا کی حکومت نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا۔ چیچن حکمرانوں نے واضح کر دیا کہ ہم روس سے ہر قسم کی بات کر سکتے ہیں لیکن آزادی کے حوالے سے کوئی بات نہ ہوگی۔ افغانستان میں ناکام جنگ کے بعد روسی افواج کو چیچنیا میں پہلی بار بڑے فوجی مقابلے کا سامنا کرنا پڑا اور روسی فوج روسی حکومت کے لئے شدید مایوسی کا باعث بنی۔ فوجی کاروائی کے سبب تین لاکھ افراد ارد گرد کی ریاستوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ روس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ معاشی عدم استحکام اور افراط زر کا ہے۔ رشین فیڈریشن کے وسائل کا ایک کثیر حصہ چیچنیا پر خرچ ہو رہا ہے۔ عوام اور سیاست دان اس کا حل چاہتے ہیں اور صدر بورس یلسن نے فوجی حل کے ذریعے چیچنیا کی آزادی ختم کرنے کی کوشش کی جس میں وہ ناکام رہے۔ اس وقت سب سے اہم سوال یہ درپیش ہے کہ چیچنیا اپنی آزادی برقرار رکھ سکے گا۔ اس کا جواب تو یہی ہے کہ چیچنیا اپنی آزادی اور دفاع کی جنگ طویل عرصہ لڑتا رہے گا اور روس کو آئندہ دس بارہ سال میں اس مزاحمت سے نبرد آزما ہونے کے لئے اپنے کثیر وسائل صرف کرنا ہوں گے اور چیچنیا کو اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لئے مزید قربانیاں پیش کرنا ہوں گی۔ کیا صدر داؤد کی موت کے بعد چیچنیا کی آزادی کی جنگ ختم ہو جائے گی جیسا کہ بعض روسی مبصرین کا دعویٰ ہے اور روسی صدر نے امید ظاہر کی کہ ایسا ہوگا۔ غیر ملکی دورے کے دوران میں انہیں چیچنیا کے صدر کی موت کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے کہا یہ جنگ ہم نے نہیں جوہر داؤد نے شروع کی تھی اور بالآخر خود ہی اس جنگ میں کام آ گئے۔ چیچنیا نے روسی قیادت کے ساتھ مذاکرات ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور جوہر داؤد کی موت کا بدلہ لینے کا عزم ظاہر کیا۔

ترک جمہوریہ شمالی قبرص

ترک جمہوریہ شمالی قبرص قبرص کے شمالی علاقوں میں واقع ایک ریاست ہے جسے صرف ترکی تسلیم کرتا ہے۔ اقوام متحدہ پورے جزیرہ قبرص پر جمہوریہ قبرص کا اختیار تسلیم کرتا ہے۔ ترک جمہوریہ شمالی قبرص یونانی قبرصی قبضے کے نو سال بعد 1983ء میں قائم ہوئی۔ تھوڑے عرصے تک رہنے والا یہ قبضہ یونانی فوجی دستوں کی حمایت سے ای او کے اے۔ بی کے حامیوں نے کیا تھا جو 1967ء سے 1974ء تک قائم رہا۔ بعد ازاں قبرص میں ترکی کی فوجی مداخلت کے باعث یہ ریاست تشکیل پائی۔ اس وقت سے آج تک علاقے میں ترکی کی افواج کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ ترک جمہوریہ شمالی کے قیام سے قبل یہ علاقہ ترک وفاقی ریاست شمالی قبرص کہلاتی تھی۔ ترک جمہوریہ شمالی قبرص میں نکوسیا شہر کا شمالی حصہ شامل ہے جو دارالحکومت ہے۔ 1963ء کے بعد یہاں کی کثیر آبادی ہجرت کر گئی۔ اکثریت نے برطانیہ کا رخ کیا بلکہ بڑی تعداد نے ترکی میں بھی رہائش اختیار کی۔ اس ہجرت کی وجہ عالمی سطح پر تسلیم نہ کی جانے کے باعث ترک جمہوریہ شمالی قبرص کی خراب اقتصادی صورتحال تھی۔ ریاست کو دیگر ممالک کے ساتھ تجارت میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ترک جمہوریہ شمالی قبرص اور جمہوریہ قبرص کے درمیان کا علاقہ اقوام متحدہ کے زیر انتظام ہے۔ جمہوریہ قبرص کا قیام اس وقت عمل میں آیا جب یہاں کی آبادی کے اصرار کے باوجود برطانیہ نے قبرص کے یونان کے ساتھ الحاق کو منظور نہ کیا اور

Marfat.com

اس کے بجائے مکمل خودمختاری دینے کی پیشکش کی اور اس طرح یہ جزیرہ برطانیہ سے آزاد ہو گیا۔ جزیرے پر رہنے والی قبرصی اور ترک دونوں برادریوں کو نئی جمہوریہ کو چلانے کے لیے بلایا گیا۔ کیونکہ جمہوریہ قبرص کے آئین کے مطابق کوئی ترک قبرصی صدر اور کوئی یونانی قبرصی نائب صدر نہیں بن سکتا اس لیے سیاسی تجزیہ نگاروں نے ابتدا ہی میں ان خدشات کا اظہار کیا کہ جمہوریہ قبرص میں کوئی مسئلہ پیدا ہونے والا ہے۔ دونوں اقوام کو حکومتی ایوانوں اور سرکاری ملازمتوں میں مخصوص تعداد میں نمائندگی دی گئی۔ آئین کے مطابق ایوان نمائندگان میں 70 فیصد یونانی قبرصی اور 30 فیصد ترک قبرصی ہوں گے۔ دیگر معاملات میں بھی اسی طرح تناسب مقرر کیا گیا جیسے افواج اور سرکاری ملازمتوں میں یہ تناسب بالترتیب 60 اور 40 تھا۔ 1960ء کے معاہدہ ضمانت کے تحت یونان، ترکی اور برطانیہ جمہوریہ کی ضامن قوتیں تھیں۔ دسمبر 1963ء میں قبرص کی حکومت کا اس وقت خاتمہ ہو گیا جب ترک قبرصیوں نے اس میں شرکت سے دستبرداری اختیار کر لی۔ کسی بھی متفقہ فیصلے تک پہنچنے کے لیے دونوں برادریوں میں اتفاق رائے نہ ہونے کے باعث تین سال کے لیے قانونی معاملات رکے رہے۔ اس تنازع کو مزید ہوا اس وقت ملی جب جمہوریہ قبرص کے آئین میں ترمیم کی 13 تجاویز دی گئی۔ ترک قبرصیوں نے ان کی شدید مخالفت کی اور انہوں نے ریاست کے شریک بننے کے بجائے خود کو اقلیت قرار دیا۔ انہوں نے ترامیم کو یونان کے ساتھ الحاق کی جانب اہم قدم قرار دیا۔ 21 دسمبر 1963ء کو ترک قبرصیوں اور وزارت داخلہ کے سادہ اہلکاروں میں ملبوس اہلکاروں کے درمیان ہونے والی جھڑپ میں دو ترک قبرصی اور ایک یونانی قبرصی پولیس اہلکار ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں اقوام کے درمیان جنگی صورت پیدا ہو گئی اور یونانی قبرصیوں نے یونان کی شہ پر ترک قبرصیوں کے خلاف جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ ان فسادات میں 191 ترک اور 133 یونانی قبرصی مارے گئے جبکہ 209 ترک اور 41 یونانی لاپتہ ہوئے۔ ترک قبرصیوں کے علاقوں کو مکمل طور پر لوٹ لیا گیا اور وہ اپنی ہی سرزمین پر مہاجرین کی صورت میں خیموں میں رہنے پر مجبور ہو گئے۔ اگلے 11 سال تک ان کی زندگی کا انحصار اس غذا اور دواؤں پر ہوتا تھا جو ترکی کی جانب سے آتی تھیں۔ 1972ء سے 1974ء تک قبرص میں اقوام متحدہ کی افواج کے چیف آف اسٹاف بریگیڈیئر فرانسس ہین کے مطابق "ترک قبرصیوں کو مکمل طور پر محصور کر دیا گیا اور یونانی قبرصیوں پر مشتمل انتظامیہ نے ان کی برادری کے 56 ہزار اراکین کا بھرپور استحصال کیا اور انہیں بنیادی ضروریات زندگی سے بھی محروم کر دیا۔ 15 جولائی 1974ء کو یونان کے فوجی دستوں کی شہ پر قبرص میں اقتدار پر قبضہ کر لیا گیا۔ صدر میکاریوس کو عہدے سے معزول قرار دے کر ان کی جگہ ای او کے اے کے جنگجو اور رکن پارلیمان نکولس سیمپسن کو نیا صدر بنا دیا گیا۔ ترکی نے اسے 1960ء کے معاہدہ ضمانت کی کھلی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف بھرپور فوجی کارروائی کو جائز قرار دیا اور یوں 20 جولائی 1974ء کو قبرص پر حملہ کر دیا۔ قبرص میں ترک آبادی کو بچانے کے لیے ترکی کا یہ اقدام بہت ضروری تھا۔ ترک افواج نے جزیرے کے 37 فیصد حصے پر قبضہ کر لیا اور یوں یونانی قبرصیوں کی بڑی آبادی کو بھی اپنے گھروں سے محروم ہونا پڑا۔ ایک لاکھ 95 ہزار یونانی قبرصی جزیرے کے جنوبی جانب جبکہ 50 ہزار ترک قبرصی جزیرے کی شمالی جانب ہجرت کر گئے۔ جنگی صورتحال کے خاتمے تک ہزاروں ترک اور یونانی قبرصیوں لاپتہ ہو گئے۔ 1975ء میں ترک وفاقی ریاست شمالی قبرص کا قیام جزیرہ قبرص پر ترک قبرصیوں کی ریاست کی حیثیت سے عالمی سطح پر شناخت حاصل کرنے کے لیے پہلا قدم تھا۔ جسے جمہوریہ قبرص، اقوام متحدہ اور بین الاقوامی برادری نے تسلیم نہ کیا۔ یونانی قبرصی قیادت کے ساتھ آٹھ سال کے ناکام مذاکرات کے بعد شمالی قبرص نے 15 نومبر 1983ء کو اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور یوں ترک جمہوریہ شمالی قبرص معرض

Marfat.com

وجود میں آیا۔ تاہم آج تک ترکی کے علاوہ دنیا کا کوئی ملک اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اقوام متحدہ کے عنان منصوبہ پر اپریل 2004ء میں ہونے والے ریفرنڈم کے بعد ترک جمہوریہ شمالی قبرص کے حوالے سے عالمی برادری کے رویے میں کچھ بہتری آئی ہے۔ قبرص کے یورپی اتحاد کا حصہ بننے کے بعد یورپی اتحاد ترک جمہوریہ شمالی قبرص کو ایسے علاقے کو متنازعہ علاقے کے طور پر تسلیم کرتا ہے جس کا مسئلہ حل کیا جانا باقی ہے اور یورپی پارلیمان میں قبرص کے لیے مختص کی گئی نشستیں بھی پورے جزیرے کے حوالے سے دی گئی ہیں۔ اس اعتبار سے ترک جمہوریہ شمالی قبرص کے باشندے یورپی اتحاد کا حصہ قرار پائے لیکن اس کے باوجود 2004ء میں ہونے والے انتخابات میں انہوں نے اپنا حق رائے دہی بہت کم استعمال کیا۔

❀❀❀❀

Marfat.com

تاریخ اسلام

اسلامی تاریخ کا دریا ایک کوزے میں

الحاج محمد حسین گوہر

نظریہ پاکستان اکادمی
سیکنڈ فلور، جی سی سنٹر، چٹر جی روڈ
اُردو بازار لاہور۔ فون: 0300-4416761
0423-7360584 0423-7360585
E-mail : khizar.readers@hotmail.com

اسٹاکسٹ

طاہر سنز پبلشرز
۴۰۔ بی، اُردو بازار۔ لاہور
فون: 042-7234137 فیکس: 042-7312159

Marfat.com